

حق و باطل کا معرکہ الآراء  
مقدمہ مرزا ایتہ بہا اولیو  
رُوداد ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء

میں  
جناب جج محمد کبیر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج بناولہ پور  
نے مرزائیت کو ابتداء سے لے کر منہا غلام عائشہ کا بیجا  
بلد لڑائی مرزائی سے فرمایا

جلد سوم

ہای سائنس پبلسیشنز

061-4782486

حق و باطل کا عظیم معرکہ

مقدمہ مرزا نیہ بہاول پور ۱۹۳۵ء

عالی جناب حج محمد اکبر خان صاحب بی. اے، ایل. ایل. بی.

ڈسٹرکٹ حج بہاول پور

نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

جواب الجواب حضرت مولانا ابوالوفا صاحب مختار مسماة غلام عائشہ مدعیہ

و

فیصلہ مصدرہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء جس میں

جناب محمد اکبر خان صاحب بی. اے. ایل. ایل. بی ڈسٹرکٹ حج بہاول پور

نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

جلد سوم

ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب : روداد مقدمہ مرزا سیہ بہاول پور ۱۹۳۵ء (جلد سوم)

صفحات : ۵۳۲

قیمت : ۳۵۰ روپے

اشاعت اول : اکتوبر ۱۹۸۸ء / ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

اشاعت دوم : اپریل ۲۰۰۶ء / ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

اشاعت سوم : نومبر ۲۰۲۰ء / ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضور باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

## تفصیلی فہرست

۱۹	جواب الجواب: زحرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری
۲۲	تحفظ ختم نبوت کے بے باک و بے لوث مجاہد خطیب زمانہ حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری
۲۲	تعلیم کا آغاز
۲۲	سند فضیلت و فراغت
۲۳	تدریسی زندگی
۲۴	تاریخ ساز مقدمہ بہاول پور میں شرکت
۲۷	مدرسہ قیومیہ شاہجہانپور ..... مسلمانوں کی خدمت میں ایک اپیل
۲۸	دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مبلغ تقرر
۲۹	وعظ و خطابت کے میدان میں
۳۱	فرقہ باطلہ کے رد و تعاقب میں انجمن اظہار حق کا قیام
۳۳	عرضداشت
۳۴	ہماری کفایت شعاری
۳۴	انجمن کے قومی اور جوارح
۳۶	نعت النبی ﷺ کے میدان میں
۳۷	مرضی مصطفیٰ ﷺ
۳۷	وفات و تدفین
۳۸	صدر محترم اور ناظم عمومی جمعیت علماء ہند کا اظہار تعزیت، ایصالِ ثواب
۳۹	ایمان و اسلام
۳۹	تمہید
۳۹	اصل جواب الجواب
۳۹	مختار مدعا علیہ کے افتتاحی کلمات
۴۰	جواب بحث
۴۱	مختار مدعیہ کے جواب کی آڑ میں مختار مدعا علیہ کی مغالطہ دہی کی ناکام کوشش
۴۲	الہدرا اور اخبار عام کے مغالطہ کا جواب

۴۴	اسلام کا سنگ بنیاد
۴۴	(۱) تاویلات رکبکہ کی حقیقت
۴۴	نمبردار مفصل جواب عرض ہے
۴۷	تبعاً جواب
۴۸	ترجمہ کی ایک فاش غلطی
۴۹	دوسرا غلط ترجمہ
۵۲	(۲) جواب خالق ارض والسموات کا دعویٰ
۵۵	(۳) اللہ تعالیٰ کو تین دوے سے تشبیہ
۵۵	(۴) ربنا عاج
۵۶	(۵) انت منی بمنزلہ توحیدی و تفریدی
۵۷	(۶) انت اسمی الاعلیٰ
۵۷	(۷) انت منی بمنزلہ لایعلمها الخلق
۵۷	(۸) انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون
۵۹	اولیاء اللہ پر صریح بہتان
۶۰	انبیاء کرام علیہم السلام پر بہتان
۶۱	مدعا علیہ کی قابلیت
۶۱	(۹) مرزا صاحب کا خدا کے مانند ہونا
۶۵	(۱۰) (لا جواب) متعلقہ نشان نمبر ۱۰۶
۶۶	(۱۱) انت منی بمنزلہ ولدی
۶۶	مختار مدعیہ کے استدلال کا خلاصہ
۶۷	خلاصہ تاویلات
۶۸	جوابات مرتب
۶۹	ایک ضمنی اعتراض کا جواب
۶۹	پانچویں تاویل کا جواب
۶۹	(۱۲) اسمع ولدی
۷۰	(۱۳) اخطی واصیب
۷۱	تاویلات رکبکہ پر ایک سرسری نظر

۷۱	تفصیل کفریات
۷۲	لفظ ترددی آڑ
۷۲	مرزا صاحب کے بعض الہام بطور شرح
۷۲	(۱۴) الارض والسماء معک كما هو معی
۷۳	مفصل جواب تاویلات
۷۴	(۱۵) اصلی واصوم اسپروانام
۷۷	(۱۶) اعطیت صفة الاحیاء والافناء من الرب الفعال
۷۸	(۱۷) نئی زندگی نیا خدا
۸۰	پہلے قول کا متعارض
۸۰	تکفیر مسلمین
۸۱	(۱۸) تشابہات
۸۹	(۱۹)
۸۹	استدعا
۹۰	کلمہ توحید و سراحصہ، محمد رسول اللہ ﷺ
۹۳	تفصیل جواب
۹۳	تفصیل دلائل
۹۴	اجماع واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم
۹۴	(۲۶) آثار سلف صالحین
۹۴	ائمہ لغت
۹۴	فیصلہ ائمہ مجتہدین
۹۶	صحابہ کرام کی تصریحات
۹۶	ائمہ مفسرین
۹۶	ائمہ لغت
۹۶	اجماع امت
۹۶	فیصلہ ائمہ عقائد
۹۷	فیصلہ ائمہ مجتہدین
۹۷	فیصلہ صوفیائے کرام

۹۷	شہادت قطب الوقت حضرت خواجہ غلام فرید صاحب
۱۰۳	(۲) خاتم النبیین کے معنی
۱۰۵	(۳) معراج جسمانی کا انکار
۱۱۴	صحیح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے خلاف ہے
۱۱۴	امام زرقانی کا فیصلہ
۱۱۵	درایۃ حدیث عائشہ پر تنقید
۱۱۵	امور متفقہ طلب
۱۱۵	جواب و ثبوت
۱۱۶	پیدائش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
۱۱۶	ایک اور گزارش
۱۱۶	حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقابل ان کے والد بزرگوار کا صحیح فیصلہ
۱۱۷	فیصلہ مولوی احسن امروہی
۱۱۷	تنقیح نمبر دوم
۱۱۷	تنقیح نمبر سوم
۱۱۸	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کا جواب
۱۱۸	شہادت حضرت ابی سفیان رضی اللہ عنہ
۱۱۸	حسن بصری کے قول کے متعلق
۱۱۹	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف غلط نسبت
۱۱۹	نتیجہ
۱۱۹	لفظ روایا کی بحث
۱۱۹	ایک عظیم الشان مغالطہ اور اس کا جواب
۱۲۰	مولوی ثناء اللہ امرتسری کا حوالہ
۱۲۱	انبیاء سابقین
۱۲۱	مرزا صاحب کے دوسرے حوالے
۱۲۱	حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز اجمیری
۱۲۳	کیا معراج جسمانی کا منکر کا فر ہے
۱۲۵	معراج کے متعلق عقلی طور پر قابل فورامور

۱۲۵	نمبر وار مرتب اجمالی جواب
۱۲۵	فلسفہ قدیم یونانی
۱۲۵	فلسفہ جدید اور سائنس
۱۲۶	ارتقاع جسم خاکی
۱۲۶	کڑھ ناریہ یا زمہریہ یا زہریلی ہوا کا حامل ہونا
۱۲۷	آسمان کا بیٹھنا اور جڑنا
۱۲۷	شق صدر
۱۲۷	جنت و دوزخ
۱۲۷	ایک سوال اور اس کا جواب
۱۲۸	ملائک و شیاطین
۱۲۸	ایک اعتراض کا جواب
۱۲۸	رویت انبیاء
۱۲۹	نفس مسئلہ معراج پر ایک کلی عقلی دلیل
۱۲۹	ذوق پر دلیل شہادت
۱۲۹	خدا کی شہادت اللہ شہید بینی و بینکم
۱۲۹	خلاصہ جواب
۱۳۰	پہلی منزل کے جسمانی ہونے پر قرآنی شہادت
۱۳۱	ثبوت
۱۳۱	ایک مقالہ کا جواب
۱۳۱	رسول اکرم ﷺ صاحب واقعہ کی شہادت
۱۳۲	صاحب خانہ کی شہادت
۱۳۲	خاندانی شہادت
۱۳۲	درمیانی سفر کی شہادت
۱۳۲	پہلی منزل کی آخری شہادت
۱۳۲	دوسری منزل کا ثبوت
۱۳۳	تیسری منزل
۱۳۳	خلاصہ



۱۳۳	معجزہ شق القمر
۱۳۵	عقائد عالیہ کی غیر متعلق باتوں کا جواب
۱۳۶	اصول ریاضی کی آڑاس کا جواب
۱۳۶	علم ہیئت و ریاضی کے اصول کے متعلق مرزا صاحب کا نظریہ
۱۳۷	بہتان عظیم
۱۳۹	آراہم القمر فرقتین کا غلط مفہوم
۱۳۹	مرزا صاحب اور معجزہ شق القمر
۱۴۰	سیاق و سباق کی تاویل
۱۴۵	علم نبوی میں مقابلہ
۱۴۶	ایک مغالطہ کا جواب
۱۴۶	ابن مریم کے متعلق مرزا صاحب کی رائے
۱۴۸	دجال
۱۴۹	یا جوج و ماجوج
۱۵۰	یا جوج و ماجوج، مرزا صاحب
۱۵۰	آنحضرت ﷺ کی تحقیقات
۱۵۱	ارشاد نبوی ﷺ
۱۵۱	حضرت مولانا تھانوی اور مولانا سہانپوری پر اتہام
۱۵۸	آنحضرت ﷺ کی خصوصیات
۱۶۲	مقام محمود کے متعلق سید الانبیاء ﷺ کا فیصلہ
۱۶۳	مرزا محمود صاحب خلیفہ قادیان کا فیصلہ
۱۷۱	مرزا اور عقائد عالیہ کے دو عظیم الشان بہتان
۱۷۱	خلاصہ جواب
۱۷۲	آنحضرت ﷺ کی تفسیر
۱۷۲	ائمہ مفسرین کا فیصلہ
۱۷۴	دو غیر متعلق و غیر مسلم حوالے اور ان کی حقیقت
۱۷۵	ایک اصولی ضابطہ

۱۷۶	(۴) وما ارسلناک الا رحمة للعالمین
۱۸۲	(۶) وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمی
۱۸۳	(۷) وما ینطق عن الھوی ان هو الا وحی یوحی
۱۸۴	(۸) وما کان الله لیعذبھم وانت فیھم
۱۸۵	(۹) سبحان الذی اسرىٰ بعبدہ..... الخ!
۱۸۶	(۱۰) لولاک لما خلقت الافلاک
۱۸۸	تیسری تاویل کا جواب
۱۸۸	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی پر بہتان
۱۸۹	عینیت کا دعویٰ
۱۹۰	مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکبہ کا جواب
۱۹۲	بزرگان دین پر مختار مدعا علیہ کا صریح بہتان
۱۹۳	تفصیلی جواب
۱۹۴	مرزا صاحب کا جواب
۱۹۶	محمد رسول اللہ ہڈنگ کے لا جواب نمبر
۱۹۹	نتیجہ
۲۰۰	مرزا صاحب اور ان کے قبیحین کا ایمان ایمان مجمل پر بھی نہیں
۲۰۰	شرعاً ملائکہ کی حقیقت
۲۰۲	تفاسیر و کتب عقائد
۲۰۲	مرزا صاحب کا فرشتوں کے متعلق عقیدہ
۲۰۳	اصل اعتراض
۲۰۳	مختار مدعا علیہ کی تاویلات عقلیہ
۲۰۳	خلاصہ تاویلات ایمان بالملائکہ
۲۰۴	نزول ملائکہ
۲۰۵	وکتبہ
۲۰۶	مختار مدعا علیہ کی تاویلات
۲۰۷	مختار مدعا علیہ کا اقرار

۲۰۷	(۲۱) فہای حدیث بعدہ یؤمنون
۲۰۸	مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ
۲۰۹	(۴) قرآن گالیوں سے پر ہے
۲۱۱	استدعا
۲۱۲	وجوہات تکفیر و ترتیب شہادت
۲۱۳	بہتان
۲۱۳	اصل حقیقت
۲۱۴	منفیع بحث
۲۱۴	مرزا غلام احمد کے نزدیک وحی نبوت کے معنی
۲۱۵	اقراری ڈگری
۲۱۶	تبرعاً تفصیلی جواب بھی پیش کرتا ہوں
۲۱۸	نتائج مختار مدعا علیہ کا جواب
۲۱۸	جوابات مرتبہ
۲۱۹	دلائل انسداد وحی نبوت بعد خاتم النبیین ﷺ
۲۲۰	اقوال سلف صالحین و مسلم بزرگان دین
۲۲۲	حضرت مولانا گنگوہی پر بہتان
۲۲۳	دلائل بقاء وحی غیر تشریح از روئے قرآن شریف
۲۲۹	مختار مدعا علیہ کا مغالطہ اور ان کا جواب
۲۳۰	دلائل بقاء وحی از احادیث
۲۳۳	عقیدہ سلف صالحین بقاء وحی غیر تشریحی کے خلاف نہیں
۲۳۴	وحی نبوت و رسالت مطلقاً منقطع ہے؟
۲۳۵	فرشتہ وحی آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے قلب پر وحی لے کر نہیں اتر سکتا
۲۳۵	مبشرات یعنی الہام اور روایہ صالحہ کے سوا کوئی بھی قسم وحی کی باقی نہیں
۲۳۵	مبشرات والا شخص نبی ہرگز نہیں ہو سکتا
۲۳۶	اس کے جواب کے متعلق مدعا علیہ کی تاویلات
۲۳۸	اس میں دو امر قابل تحقیق ہیں

۲۳۸	محمد الف ثانی کا فیصلہ اقوال بزرگان دین کے متعلق
۲۴۰	مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکبہ
۲۴۱	مطلق الہام کی چند صورتیں
۲۴۲	ساتواں حوالہ حج اکرامۃ
۲۴۳	خلاصہ بحث
۲۴۳	(۶) مرزا صاحب کے نزدیک صرف تشریحی وحی بند ہے
۲۴۴	(۷) کیا مسیح موعود کے نزدیک آپ کی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے
۲۴۵	ختم نبوت
۲۴۵	دوسری وجہ تکفیر کا رد ..... جماعت احمدیہ حضور ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے
۲۴۵	اصل معاملہ
۲۴۶	جمع مسلمان بعد حضرت ﷺ ایک نبی کا آنا ماننے ہیں
۲۴۷	خلاصہ استدلال مختار مدعا علیہ
۲۴۷	اس کا ثبوت ملاحظہ ہو
۲۴۹	احادیث
۲۵۱	خاتم النبیین سے کیا مراد ہے؟، آنحضرت ﷺ لفظ خاتم النبیین کے معنی کیا سمجھے؟
۲۵۲	مرزا صاحب کی اس پر مہر تصدیق
۲۵۲	مختار مدعا علیہ کے استدلال کا خلاصہ
۲۵۳	حدیث کی تصحیح
۲۵۴	اس کے متعلق مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکبہ
۲۵۴	خلاصہ تاویلات
۲۵۴	مفصل و مرتب جواب
۲۵۹	تاویلات مختار مدعا علیہ
۲۶۲	مختار مدعا علیہ کی رکیک تاویل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی
۲۶۴	جو میں نے پیش کیا ہے دراصل یہی حق ہے
۲۶۴	عبارت رسالہ آخری نبی

۲۶۶	خاتم النبیین کے صحیح معنی
۲۶۷	خلاصہ تاویلات مختار مد عالیہ
۲۷۱	خاتم کے معنی آخر کے
۲۷۲	خصوصی استدعا
۲۷۲	خاتم النبیین کے معنی کا ضروریات دین سے ہونا
۲۷۳	کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہو سکتا ہے
۲۷۵	مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی
۲۷۶	انقطاع نبوت پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب
۲۷۷	الجواب علی ترتیب السؤال
۲۷۸	مرتب تفصیل جواب
۲۷۹	مختار مد عالیہ کی چند آیات کے متعلق عاجزی
۲۸۰	پیش کردہ احادیث کا صحیح مطلب
۲۸۱	پہلی حدیث کا جواب
۲۸۱	۱۲۔ مختصر حوالہ جات مختار مد عالیہ
۲۸۳	ایک مقالہ کا جواب
۲۸۴	اصولی تمہید
۲۸۶	اس مسئلہ کے متعلق شیخ اکبر کا آخری مصرح اور قطعی فیصلہ
۲۸۶	دوسری حدیث
۲۸۷	تیسری حدیث شتم بی التبت کا جواب
۲۸۸	چوتھی حدیث ان العاقب.....! ارح!
۲۸۸	پانچویں حدیث لم یبق من النبوة الا المبشرات
۲۸۸	چھٹی حدیث
۲۸۹	ساتویں حدیث
۲۸۹	آٹھویں حدیث
۲۸۹	نویں حدیث

۲۹۰	(۱۳) اجماع کی بحث
۲۹۲	(۱۴) مسئلہ کذاب وغیرہ کے قتال کی وجہ
۲۹۲	(۱۵) اسلامی بادشاہوں کے فیصلے
۲۹۲	(۱۶) مسئلہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا
۲۹۲	(۱۷) علماء نے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے
۲۹۳	مختار مدعا علیہ کی صریح غلط بیانی
۲۹۳	پہلا حوالہ
۲۹۴	دوسرا حوالہ
۲۹۴	تیسرا حوالہ
۲۹۵	فیصلہ مرزا محمود صاحب
۲۹۶	(۱۸) علماء کے نزدیک رسول و نبی کی تعریف
۲۹۶	(۱۹) ظل و بروزی
۲۹۶	(۲۰) کیا مرزا صاحب تاسخ کے بھی قائل تھے
۲۹۶	(۲۱) کیا مرزا صاحب نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا
۲۹۷	مسئلہ جہاد
۲۹۷	مرتب تفصیلی جواب
۲۹۸	وہ حوالہ جس میں مسیح علیہ السلام کے قتال کرنے کی تصریح ہے
۲۹۹	ملاحظہ ہوں حوالہ جات ذیل
۳۰۰	قرآن پاک اور جہاد بالسیف
۳۰۳	جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے
۳۰۳	بزرگان دین پر بہتان عظیم
۳۰۴	تیسری وجہ کفر (دعویٰ نبوت)
۳۰۴	قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل
۳۰۵	مختار مدعا علیہ کی تاویلات کا خلاصہ
۳۰۹	خلاصہ تاویل مختار مدعا علیہ
۳۱۰	خلاصہ تاویلات

۳۱۱	خلاصہ تاویل
۳۱۲	چھٹی آیت استخلاف
۳۱۳	احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت
۳۱۳	تیسری وجہ تکفیر کا اثبات و جواب الجواب ..... انکار حشر اجداد و نفع صور
۳۱۴	تفصیل و توضیح
۳۱۸	دوسرا اشکال اور اس کا حل
۳۲۰	چھٹی آیت
۳۲۵	نفع صور
۳۲۶	توہین انبیاء
۳۳۰	اذواء عینیت
۳۳۱	مرزا صاحب کی تصریحات عینیت
۳۳۴	مرزا صاحب کا آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ناپاک حملہ
۳۳۷	حقیقی خاتم
۳۳۹	سید المرسلین ﷺ اور تمام انبیاء کی عملاً توہین
۳۵۰	توہین سید المرسلین
۳۵۰	پیش گوئیاں
۳۶۵	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۳۶۷	توہین صحابہ کرام اور اس کا جواب
۳۶۹	توہین اہل بیت رضی اللہ عنہم
۳۶۹	امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین
۳۷۱	اولیاء کی توہین
۳۷۴	اے ہد ذات فرقہ مولویان
۳۷۵	علماء کو گالیاں دینے کے تفصیلی جواب
۳۷۸	ذریعہ البرغایا
۳۸۵	ازواج مطہرات کی توہین
۳۸۵	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی توہین

۳۸۵	بیعت اللہ کی توہین
۳۸۹	حج کی توہین
۳۸۹	مقبرہ ہشتی
۳۹۰	کیا تکفیر و جہاد سے خروج نکاح ہو سکتی ہے
۳۹۰	کفر کا فتویٰ
۳۹۰	مرزا صاحب کا منکر شیطان ہے
۳۹۱	مرزا صاحب کی بیعت میں نہ داخل ہونے والا چہنپی ہے
۳۹۱	خلیفہ محمود صاحب کا تمام مسلمانوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ
۳۹۱	جو بھی مرزا صاحب کو نہیں مانتا اور بیعت میں نہیں وہ پکا کافر ہے
۳۹۱	مختار مدعا علیہ کی تاویلات کا خلاصہ
۳۹۳	کیا غیر احمدی یعنی مسلمان اہل کتاب نہیں
۳۹۴	کیا مدعیہ مشرک ہے
۳۹۴	علاوہ اختلاف عقائد کے بھی نکاح صحیح ہونا چاہئے
۳۹۴	(۱) تمام اہل اسلام کافر خارج از دائرہ اسلام ہیں
۳۹۴	(۲) دینی معاملات میں کوئی بھی اتحاد نہیں
۳۹۴	(۳) آپس میں اصولی اختلاف بھی ہے اور فروعی بھی
۳۹۴	(۴) کسی مسلمان کے پیچھے نماز جائز نہیں
۳۹۵	(۵) غیر احمدی کے بچے کا بھی جنازہ مت پڑھو
۳۹۵	(۶) مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ جائز نہیں
۳۹۵	(۷) غیر احمدی مسلمان ہندو اور عیسائی کی طرح کافر ہیں اس لئے انہیں لڑکی نہ دو
۳۹۵	(۸) مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنا
۳۹۵	(۹) مخالفین کو سولی پر لٹکانا
۳۹۵	(۱۰) ساری دنیا کو جب تک پورے طور پر احمدی نہ ہو دشمن سمجھیں گے
۳۹۵	(۱۱) ظاہری محبت کا اظہار صرف مسلمانوں کو شکار کرنے کے واسطے ہے
۳۹۶	(۱۲) تمام مسلمانوں کی جان و مال و ایمان سے عزیز ترین ہستی کی توہین



۳۹۶	(۱۳) مرزا صاحب اور ﷺ میں (عمیاد ابا اللہ) ذرا برابر فرق نہیں
۳۹۶	مرزا صاحب کے خلیفہ کی سرور کائنات ﷺ سے انتہائی دشمنی
۳۹۶	حوالہ جات مذکورہ بالا کی تصدیق و توثیق
۳۹۸	بہر حال نکاح فسخ ہونا چاہئے
۳۹۸	احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند ہیں
۴۰۲	اصولی اختلاف
۴۰۲	کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے
۴۰۴	مرد کے معنوں میں تاویل
۴۰۴	مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک اور وجہ
۴۰۶	فسخ نکاح کی ایک اور وجہ
۴۰۶	خلاصہ تاویلات
۴۰۷	گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب
۴۰۷	خلاصہ تنقید
۴۰۸	خلاصہ تاویلات
۴۰۹	(۲) دربار مصلیٰ کی توہین
۴۰۹	خلاصہ تاویل مختار مدعا علیہ
۴۱۰	(۳) گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ ..... معلومات پر بحث
۴۱۱	خلاصہ تاویلات مختار مدعا علیہ
۴۱۲	تفصیلاً گواہ مدعیہ نمبر ۱ کی صفائی
۴۱۳	گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے جوابات میں تعارض کا رد
۴۱۵	گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب
۴۱۶	اس سلسلہ کے لاجواب امور جن کا کوئی تذکرہ نہ کیا
۴۱۶	گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ پر تبصرہ کا جواب
۴۱۹	مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانیوں
۴۱۹	خلاصہ اعتراضات

۴۲۱	الزام خیانت کا رد
۴۲۱	تخذ پر الناس کا حوالہ
۴۲۲	حج الکرامہ کا حوالہ
۴۲۲	بحر الرائق کا حوالہ
۴۲۲	(۱۳) تفسیروں کے متعلق
۴۲۳	آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام
۴۲۴	(۱۴) مندرجہ ذیل کتب فریقین کو غیر مسلم ہیں
۴۲۵	مسلم اور مسلمان کا فرق
۴۲۵	گواہ مدعا علیہ کی شہادت ہرگز قابل قبول نہیں
۴۲۶	(۵) بشارت احمد
۴۲۹	(۹) قرآن وحدیث اور وحی مسیح موعود
۴۳۲	حدیث: "فاعرضوا علی کتاب اللہ"
۴۳۵	قیامت کے متعلق
۴۳۶	عقیدہ اوتار
۴۳۷	مرزا صاحب کے اقوال میں تعارض نہیں
۴۳۶	گواہان مدعیہ کی شہادتیں
۴۳۹	تناقض نمبر ۱
۴۳۹	تناقض نمبر ۲
۴۵۰	تناقض نمبر ۳
۴۵۰	تناقض نمبر ۴
۴۵۱	تناقض نمبر ۵
۴۵۱	تناقض نمبر ۶
۴۵۲	گواہ مدعیہ کا خود اپنے بیان سے تعارض
۴۵۳	گواہ مدعیہ نمبر ۲
۴۵۴	حسام الحرمین وغیرہ

۴۵۵	گواہان مدعیہ کے صریح کذب
۴۵۵	پہلا کذب
۴۵۶	دوسرا کذب
۴۵۶	تیسرا کذب صریح
۴۵۶	چوتھا کذب صریح
۴۵۶	پانچواں کذب
۴۵۷	چھٹا کذب صریح
۴۵۷	ساتواں کذب
۴۵۷	آٹھواں کذب
۴۵۷	نواں کذب
۴۵۸	دسواں کذب
۴۵۸	گیارہواں کذب
۴۵۸	بارہواں کذب
۴۵۸	تیرہواں کذب
۴۵۸	چودھواں کذب
۴۵۹	قطب الوقت حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی شہادت
۴۵۹	حضرت خواجہ مرزا محمود قادیانی کی نگاہ میں
۴۶۳	بعض اعتراضات کے جواب کا جواب الجواب
۴۶۵	خلاصہ جواب الجواب متعلقہ شہادت حضرت خواجہ صاحب
۴۶۶	آخری گزارش
۴۶۶	استدعا
۴۶۶	پس مقدمہ بند امیں
۴۶۷	فیصلہ ..... مقدمہ مرزا بیہاول پور صدرہ ۷/۷ فروری ۱۹۳۵ء
۴۶۸	درخواست جلال الدین صاحب شمس بخاری مدعا علیہ ..... مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء
۴۶۹	درخواست ہائے مسماۃ غلام عاکشہ ..... مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء و ۱۲ جنوری ۱۹۳۵ء

# جواب الجواب از

حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہا نیوری

مختار مسماة غلام عائشہ مدعیہ

مدخلہ ۲۸ / اپریل لغایت ۱۰ مئی ۱۹۳۴ء

عدالت عظمیٰ ریاست بہاولپور سے مقدمے کی واپسی پر جب ازسرنو تحقیقات شروع ہوئی تو مسماۃ غلام عائشہ کی جانب سے مختلف اوقات میں اکابرین نے بطور مختار مدعیہ پیروی مقدمہ کی۔ ۱۹۳۳ء میں جب فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی تو ہندوستان کے شہرہ آفاق راس المتکلمین حضرت مولانا ابوالوفا صاحب بطور خاص دیوبند سے بہاولپور تشریف لائے۔ آپ کو فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ نے بحیثیت مختار مدعیہ تین برس عدالت میں پیروی مقدمہ فرمائی۔

جلال الدین شمس کی تحریری بحث کا نہایت جامع اور مدلل جواب الجواب قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں پیش فرمایا جس کے بارے میں علماء ربانی نے تحریر فرمایا ہے: ”تردید مرزائیت کے موضوع پر لکھی گئی علم و عرفان کی یہ عظیم دستاویز اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔“

ادارہ!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زید مجدکم العالی!

مخدوم وکرم حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب

امید ہے کہ حضرت والا بخیر ہوں گے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

راقم سطور بھی بحمد اللہ بعافیت ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت حضرت والا کا سایہ پوری دنیا کے خدام تحفظ ختم نبوت کے

سروں پر تادیر قائم رکھے۔ آمین!

حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوری کی سوانح اور حالات زندگی پر اس سے قبل دو بار مضمون بھیجا گیا۔ لیکن اس میں کچھ تشنگی باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے اب نئی ترتیب اور اضافہ کے ساتھ تیسری بار اسی مضمون کو ارسال کیا جا رہا ہے۔ پورے ملک میں (بوجہ کرونا وائرس) سخت لاک ڈاؤن اور کسی سے بھی رابطہ میں دشواریوں کے سبب معلومات جمع کرنے اور مواد اکٹھا کرنے میں کافی وقت لگ گیا۔ امید ہے کہ حضرت والا اس تاخیر کو دامن غفویں جگہ دیں گے۔ ہر ممکنہ کوشش کر کے بحمد اللہ اس موضوع پر تحقیقی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس میں حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب سے متعلق جو احوال و کوائف درج کئے گئے ہیں وہ مآخذ اصلیہ اور چشم دید افراد کی تحریرات و اقوال پر مبنی ہیں۔ اگرچہ موضوع کا حق تو اداء نہیں ہو پایا ہے۔ کیونکہ وہ قدرے وقت طلب کام ہے۔ تاہم جو کچھ ہو گیا ہے اس سے امید ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے اس فقید المثل مجاہد کے سوانحی خاکہ میں پڑھنے والوں کو وہ تشنگی نہ رہے گی جو اس سے پہلے تھی۔

حضرت والا کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ حضرت مرحوم پر پورے ہندوستان میں کسی نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ بے شمار اہل قلم سے رابطہ کیا گیا۔ سب نے ایک ہی بات بتائی اور جس کسی نے لکھا بھی تو تحفظ ختم نبوت کی خدمات اور فرقیہائے باطلہ کے رد و تعاقب کے تناظر میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے حضرت والا کو کہ آپ نے اس گمنام مجاہد کی سوانح پر توجہ فرمائی۔ اسی لئے سارے کام پس پشت ڈال کر اس خدمت کو انجام دیا گیا ہے تاکہ کل میدان قیامت میں جب ہم خدام تحفظ ختم نبوت کا نبی پاک ﷺ کے اس عاشق بے مثال سے سامنا ہو تو کم از کم عذر خواہی کے لئے ”ڈوبتے کو ہٹکے کا سہارا سہی“ کچھ تو ہاتھ میں رہے۔

تاریخی اوراق پلٹنے سے ثبوت تو یہاں تک مل جانے کی امید ہے کہ یہ خالص تحفظ ختم نبوت کے آدمی تھے جن کی پرورش علامہ کشمیری جیسی نابغہ روزگار ہستیوں نے کی تھی اور مذکورہ خوبیوں کے ساتھ علمی صلاحیت میں چنگی کے سبب دارالعلوم کی تاریخ میں افزائے ساز و مردم گر شخصیت حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے بھی نور نظر رہے۔ تقسیم ہند سے پہلے حضرت کا شمار تحفظ ختم نبوت کے صف اول میں ہی نہیں بلکہ اماموں میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی ذوق سلیم کی بناء پر تقسیم ہند کے بعد بھی حضرت کے کارناموں کا محور ختم نبوت پر کسی بھی زاویہ سے حملہ کرنے والے فرقیہائے باطلہ کا رد و تعاقب دکھائی دیتا ہے۔ قادیانیت کی نجاست جب موجودہ ہندوستان سے سمٹ کر دوسرے علاقوں میں چلی گئی تو اس کے بعد بھی حضرت نے نام بنام تمام فتنوں کی ناک میں ٹیکل ڈالنے کا کام کیا۔ ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک حضرت کی صلاحیت سیاسی مسائل میں الجھی رہی۔ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۷۲ء ملکی حالات جب کچھ سازگار ہوئے اور قادیانیت یہاں معدوم سمجھی جانے لگی اور واقعی ان دنوں میں قادیانیوں کی کیفیت کچھ اسی قسم کی تھی تو حضرت کا تمام تر رخ خطابت و وعظ کی جانب مڑ گیا۔ پھر بھی جب بھی کہیں قادیانیت کا شتر بے مہار دکھائی دیتا ہے تو حضرت یہیں سے اس کے خلاف مچھلتے دکھ رہے ہیں۔ لیکن تاریخ نویسوں کے قلم سے حضرت کو تقریر و خطابت کے عنوان سے اس قدر شہرت ملی کہ بقیہ صفات محمودہ دب کر رہ گئی ہیں۔ بندہ کی کوشش ہوگی کہ زبانی سے زیادہ تحریری ثبوت و شواہد جمع کر کے ان شاء اللہ! مزید مواد پیش کرے گا جو ممکن ہے کہ کتاب کی صورت بن جائے۔ اب خدا کرے کہ یہ قدیم ریکارڈ دستیاب ہو جائے۔ مرکز التراث الاسلامی سے ماسٹر محمد احمد و مولانا شہباز اختر سیوانی صاحبان سلام مسنون پیش کرتے ہیں۔

دعا گو: شاہ عالم گورکھپوری، دیوبند

۱۶/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ، مطابق ۱۰/مئی ۲۰۲۰ء

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تحفظ ختم نبوت کے بے باک و بے لوث مجاہد خطیب زمانہ حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد!

غیر منقسم ہندوستان کے مشہور عالم دین، مقبول خاص و عام خطیب، تحفظ ختم نبوت کے بے باک مجاہد حضرت مولانا ابوالوفاء عارف صاحب شاہجہانپوری کا شمار حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے معتمد علیہ تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد کا نام نامی جناب محمد حسین صاحب ہے جو کھنؤ سے قریب میں واقع ضلع ”سیتاپور“ کے ایک قصبہ ”لہرپور“ میں متوسط درجہ کے تجارت پیشہ اور دین دار اور علم دوست لوگوں میں سے تھے۔ مولانا ابوالوفاء صاحب کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں محلہ شیخ ٹولہ، قصبہ لہرپور، ضلع سیتاپور میں ہی ہوئی تھی اور یہی آپ کا آبائی وطن تھا۔ لیکن دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد میں محلہ تلہر زئی شہر شاہجہانپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور پھر شہر شاہجہانپور میں مستقل قیام کی وجہ سے ”شاہجہانپوری“ سے مشہور ہو گئے۔ انتقال ۶ فروری ۱۹۸۰ء میں اپنے مکان واقع محلہ تلہر زئی شاہجہانپور میں ہوا اور اپنے مکان کے سامنے قبرستان جنگلہ میں مدفون ہیں۔ ”اللہم وسع قبرہ واجعل الجنة مثواه“

## تعلیم کا آغاز

حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوری نے ابتدائی تعلیم اپنی جائے پیدائش قصبہ لہرپور کے مدرسہ رکنیہ میں حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ تعلیمی ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے بعد اس زمانہ کی مشہور علمی و دینی درسگاہ مدرسہ عالیہ ریاست رامپور میں متوسطات تک کی تعلیم پائی اور ۱۳ سال کی عمر میں نہائی تعلیم کے لئے شوال ۱۳۴۰ھ مطابق جون ۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر شعبان ۱۳۴۱ھ مطابق مارچ ۱۹۲۳ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔

آپ کے تعلیمی ریکارڈ میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کا نام ”ابوالوفاء علی احمد ولد محمد حسین“ ہے اور داخلہ نمبر ۳۵۶۴، شمار نمبر ۸۰ ہے۔ ماہ شوال ۱۳۴۰ھ مطابق جون ۱۹۲۲ء بوقت داخلہ ۱۳ سال کے تھے اور برادری کے اعتبار سے شیخ تھے۔ معاشی اعتبار سے والد صاحب تجارت پیشہ تھے۔ حلیہ کے بابت لکھا ہے کہ موصوف اس وقت متوسط قامت، فراخ پیشانی، فراخ ابرو، رنگ گندمی، گول چہرہ، لاغر اندام تھے۔ مدرسہ عالیہ ریاست رامپور سے بیضاوی شریف، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، حماسہ، ہدایہ آخرین پڑھ کر آئے اور دارالعلوم دیوبند میں دورہ کامل میں داخلہ لیا۔

## سند فضیلت و فراغت

یہ عجیب اتفاق ہے کہ راقم سطور آج جب کہ ۸ رمضان ۱۴۴۱ھ، مطابق ۲ مئی ۲۰۲۰ء یوم شنبہ میں حضرت ممدوح کا سوانحی خاکہ مرتب کر رہا ہے۔ حضرت کی فراغت کے پورے ایک سو سال مکمل ہو رہے ہیں۔ آپ کی فراغت سے متعلق دارالعلوم دیوبند کے دفتر تعلیمات سے موصولہ ریکارڈ میں درج ہے کہ: ”۱۲ شعبان ۱۳۴۱ھ، مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۲۳ء کا امتحان سالانہ سے فراغت کے بعد سند لے کر گھر واپس ہوئے۔“

(بحوالہ رجسٹر داخلہ طلباء دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور، شوال ۱۳۴۰ھ تا رمضان ۱۳۴۱ھ)

آپ کے اساتذہ میں نابغہ روزگار ہستیوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ آپ کے تقریری و تحریری امتحان لینے والوں میں حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اول دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حکیم

محمد حسن صاحب، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب وغیرہم ہیں اور انہی سے آپ نے تعلیم بھی پائی ہے۔ آپ کی تعلیمی لیاقت اور حدیث فقہی میں ذہانت و رسائی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۴ سال کی عمر میں نہ صرف یہ کہ اپنی پوری جماعت میں آپ نے اڈل پوزیشن حاصل کی بلکہ بیشتر کتب میں اعلیٰ نمبر (۵۰) سے اوپر اعزازی نمبرات بھی حاصل کئے۔ دارالعلوم دیوبند کے ریکارڈ میں محفوظ کتابوں کے نمبرات حسب ذیل ہیں: بخاری شریف (۵۲)، ترمذی (۵۲)، مسلم شریف (۵۱)، نسائی (۵۱)، شمائل ترمذی (۵۱)، مؤطا امام مالک (۵۱)، مؤطا امام محمد (۵۱)، ابوداؤد (۵۰)، طحاوی (۵۰)، ابن ماجہ (۴۷)

(بحوالہ روئیداد دارالعلوم دیوبند مطبوعہ ۱۳۴۲ھ، مطابق ۱۹۲۴ء)

حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب کا اپنے شہر کے علماء سے بھی گہرا ربط رہا۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ ثانی (متوفی ۱۹۷۹ء) کے گھر بھی بغرض ملاقات و مشورہ تشریف لے جاتے رہتے تھے۔ اسی مناسبت سے حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد اکرام اللہ صاحب قاسمی، حضرت ممدوح کے چشم دید کتابی خاکہ میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ممدوح ”گداز بدن، معتدل الاعضاء، گندی رنگ مائل بہ سفیدی، سفید نورانی مسنون ہلکی داڑھی، چہرے پر کمائی دار عینک، نرم گفتار و رفتار“ جیسی خوبیوں کے مالک تھے۔ ایک دانت سونے کے تار سے بندھا رکھا تھا جو دوران گفتگو چمکتا تھا۔ انتقال تک اکابر کے وضع پر باقی رہتے ہوئے مدرسہ قیومیہ شاہجہانپور کے صدر مدرس رہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ ثانی کے بڑے صاحبزادے، جناب مولانا انعام اللہ صاحب (جنہیں حضرت تھانوی کی خدمت کا بھی شرف حاصل ہے اور حضرت موصوف ابھی ماشاء اللہ بمر ۹۲ سال مراد آباد میں باحیات ہیں) نے بتایا کہ ایک زمانہ تک حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب نے کراہیہ کے مکان میں زندگی گزاری اور کراہیہ کے مکان کا انتظام کرنے والے حضرت مفتی کفایت اللہ ثانی ہوتے تھے، پھر اخیر میں ضلع بلیا کے رہنے والے آپ کے ایک ہی خواہنشی محمد عثمان نے اپنے اثر و رسوخ سے محلہ تلہ زئی میں کسٹوڈین سے فروخت ہونے والے ایک پرانے طرز کے مکان کا تقریباً سات ہزار روپے میں سودا کر دیا۔ جس میں آپ نے اپنی حیات مستعار گزاری۔

آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب دیوبندی سابق رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبداللہ ملتانی، مولانا عبداللیم ملتانی، مولانا محمد قاسم مظفر گڑھی، مولانا محمد صدیق بلوچستانی، مولانا محمد شعیب ہزاروی، مولانا شمس القمر پشاوری، مولانا امیر حمزہ کامل پوری وغیرہ جیسے قابل قدر علماء کے نام ملتے ہیں جو دینی اور ملی خدمات میں اپنی اپنی جگہ مینارہ نور و مشعل راہ کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ آپ کے رفقاء درس کی کل تعداد ۵۶ ہے۔

## تدریسی زندگی

دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس کی حیثیت سے آج بھی آپ کی تدریسی خدمات کا شہرہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ تاحین حیات، مدرسہ قیومیہ شاہجہانپور میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ معتمد اور مستند ذرائع سے راقم سطور کو معلوم ہوا کہ آپ کو جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کا مہتمم نامزد کیا گیا اور باضابطہ تحریر بھی جاری کر دی گئی تھی۔ لیکن حضرت نے بوجہ ضعف و اعذار معذرت فرمائی اور ایک بڑے ادارے کے اہتمام جیسے باوقار عہدہ کو قبول نہ فرما کر مدرسہ قیومیہ سے ہی وابستہ رہے اور وعظ و خطابت کو غلط خدا میں اپنی فیض رسانی کا ذریعہ بنایا۔ راقم سطور کی تحقیق پر دارالعلوم دیوبند کے بعض علیاء درجہ کے اساتذہ نے بتایا کہ آپ ایک عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں معین المدرس کی حیثیت سے استاذ رہے۔ لیکن فن خطابت اور مناظرہ سے شغف کی وجہ سے دارالعلوم کی تدریسی خدمات سے سبکدوش ہو گئے۔



چونکہ دارالعلوم میں معین المدرس کا ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے کوئی تحریری دستاویز اس سلسلے میں تاہنوز دستیاب نہیں ہو سکا۔ دور حاضر کے مشہور مؤرخ و قائل نگار مولانا اسیر ادروی مدظلہ اپنی ایک کتاب ”کاروانِ رفتہ“ میں حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ”مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوری اپنے دور کے بے مثال خطیب اور زبردست مناظر تھے۔ انہوں نے آدھی صدی تک سیرت نبوی کے موضوع پر دلکش پاکیزہ لب و لہجہ اور اپنی شیریں زبان میں عالمانہ تقریریں کیں۔ روایات صحیحہ سے سرمو تجاوز ممکن نہ تھا۔ مسلمانوں کا کوئی اہم اور بڑا جلسہ ان کی شرکت کے بغیر نامکمل سمجھا جاتا تھا۔ آپ کا اپنا ایک مخصوص اور خوبصورت انداز بیان تھا۔ ہندوستان کے بہت سے واعظین نے اس کو نقل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور علامہ انور شاہ کشمیری کے مخصوص اور قابل اعتماد تلامذہ میں تھے۔ فراغت کے بعد دارالعلوم میں استاذ بھی رہے۔ لیکن قدرت نے ان کی فطرت میں صحرانوردی لکھ دی تھی۔ اس لئے وہ تقریر و خطابت کے بادشاہ بن کر ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتے رہے۔ قادیانیوں سے بہت سے مناظرے کئے۔ آپ جمعیت علماء ہند کے اہم رہنماؤں میں تھے۔ برطانوی حکومت کے خلاف ان کی تقریروں نے قید و بند کی بھی راہ دکھائی۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی جنبش نہیں آئی۔ شعر و شاعری سے بھی آپ کو دلچسپی تھی۔ عارف آپ کا تخلص تھا۔ صرف نعت پاک کہتے تھے اور سیرۃ النبی ﷺ کے جلسوں میں جب پڑھی جاتی تھی تو ایک سماں بندھ جاتا تھا۔“ (کاروانِ رفتہ ص ۱۶)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب دارالعلوم دیوبند میں مدرس نہیں بلکہ معین مدرس رہے ہیں۔ ابتدائی دور میں ذی استعداد طلباء کو اساتذہ اور بطور خاص حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، اپنی صوابدید پر روک لیا کرتے تھے تاکہ کسی بیماری یا اور کسی عذر کی بناء پر غیر حاضر اساتذہ کے اسباق وہ پڑھا دیا کریں۔ پھر بعد میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے اس کو اپنے ضابطہ میں شامل کر لیا۔ لیکن اس وقت ایسے مدرسین کا باضابطہ کوئی تحریری ریکارڈ دارالعلوم میں نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس طرح طلباء کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی تھی اور اساتذہ کی نگرانی میں ایک ایسی استعداد ان میں پروان چڑھتی تھی کہ بوقت ضرورت ان کو آگے چل کر دارالعلوم میں بطور مستقل اساتذہ کے بلا لیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب انہی خوش بختوں میں ہیں۔ اس لئے ان کا کوئی ریکارڈ بحیثیت استاذ کے دارالعلوم دیوبند میں محفوظ نہیں ہے۔

راقم سطور نے کتاب کاروانِ رفتہ کے مصنف سے مولانا منظور الحسن صاحب قاسمی ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت اداری ضلع مو کے ذریعہ باضابطہ اس کی تحقیق کی اور براہ راست بات بھی کی تو حضرت مصنف نے یہ وضاحت فرمائی کہ اپنی تحریر کا کوئی مستقل ریکارڈ ان کے پاس نہیں ہے۔ کسی شنیدہ واقعہ کی بناء پر ایسا لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح رہے کہ کاروانِ رفتہ میں تاریخ وفات بھی صحیح نہیں درج ہے۔

## تاریخ ساز مقدمہ بہاول پور میں شرکت

آپ کا شمار حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے خصوصی اور ان معتمد علیہ شاگردوں میں ہوتا ہے جن کو حضرت علامہ نے مرزائیت کے تابوت میں کیل ٹھونکنے کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تحفظ ختم نبوت کی تاریخ میں بے مثال اور تاریخ ساز مقدمہ (۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء) عدالت عالیہ ”بہاول پور“ میں دائر، جن مخلص اور بے لوث علماء نے اپنا خون جگر دے کر مقدمہ کی پیروی کی۔ ان میں اہل اسلام اور علمائے دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے حضرت علامہ کشمیری صاحب کے ہمراہ حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

۷ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲ مئی ۱۹۳۳ء میں حضرت علامہ کشمیری کے انتقال کے بعد آپ نے مختار مدعیہ کی حیثیت سے ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء تین برس تک بنفس نفیس مقدمہ کی پیروی فرمائی اور اس میں شاندار اور تاریخ ساز کامیابی حاصل کی۔ ”رونیڈا مقدمہ بہاول پور“ کے نام سے تین جلدوں پر مشتمل مطبوعہ ذخیرے میں آپ کا بیان اور قادیانیوں کے جواب کا جواب آج بھی آپ کے علمی شاہکار کا ایک نادر باب ہے۔ کتاب کی تقریظات سے حضرت مدوح سے متعلق چند سطریں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں جس سے قارئین مقالہ کو بہت کچھ تاریخی حقائق معلوم ہوں گے۔

کتاب ”رونیڈا مقدمہ بہاول پور“ کے ناشر ادارہ، اسلامک فاؤنڈیشن لاہور کے رکن مجلس عاملہ جناب میر عبدالماجد سید نے حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھا ہے: ”یہاں یہ عرض کرنا خلاف حقیقت نہ ہوگا کہ آج کے پر آشوب دور میں ماضی کے جن علماء و فضلاء و اکابرین کے اقوال کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے ان میں استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام و المسلمین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، علامۃ الدہر فہامۃ العصر حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی اور شہرہ آفاق مناظر حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری جیسے مشاہیر شامل ہیں جنہوں نے بہ نفس نفیس عدالت میں پیش ہو کر اپنی شہادتیں قلمبند کرائیں اور فریق ثانی کی شہادت پر براہین و دلائل سے ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دہل و فریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے فرقہ ضالہ کا ارتداد پورے عالم میں آشکارہ کر دیا۔“ (رونیڈا مقدمہ بہاول پور ص ۹)

”مسماة غلام عائشہ مدعیہ کی جانب سے علامۃ العصر، اسوۃ البصر، قدوة الخلف حضرت سید مولانا انور شاہ کشمیری قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم، عالم نبیل و فاضل جلیل حضرت مفتی محمد شفیع، علامۃ الدہر فہامۃ العصر حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی، رئیس المناظرین و رأس المسلمین حضرت سید محمد رضی حسن چاند پوری، فاضل جلیل حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حسین کولوتارڑوی، جامع علوم و فنون حضرت مولانا نجم الدین اور شہرہ آفاق مناظر حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری نے بہ نفس نفیس عدالت میں پیش ہو کر قرآن پاک، احادیث متواترہ اور اجماع امت کی روشنی میں براہین و دلائل سے مرزاقادیانی اور اس کے متبعین کے کفر و ارتداد کو روز روشن کی طرح آشکارہ کیا۔ جب کہ عبدالرزاق (مرزائی) مدعا علیہ کی جانب سے مرزائی جماعت کے صف اول کے مبلغین (مرزائی پنڈت) جلال الدین شمس و غلام احمد نے پیروی مقدمہ کی۔“ (رونیڈا مقدمہ بہاول پور ص ۱۲)

اسلامک فاؤنڈیشن کے سرپرست اور متکلم اسلام حضرت مولانا محمد دریس کاندھلوی کے خلف الرشید حضرت مولانا عبدالملک شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اپنے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں: ”مرزائی مدعا علیہ کی حمایت کے لئے قادیانیوں کا پورا سرمایہ ان کی حمایت اور انگریزی سرکار کی سرپرستی بڑی وزنی چیز تھی اور عالم اسباب میں توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ مدعی مسلمان خاتون اپنے دعویٰ میں کامیاب قرار دی جاسکے۔ لیکن حضرت شیخ الجامعہ نے مدعیہ کی طرف سے شہادت اور اس کے مؤقف کی حمایت تثبیت کے لئے دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء کو دعوت دی کہ وہ بہاول پور تشریف لا کر مقدمہ کی پیروی کریں۔ اس صورت حال پر شیخ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا نجم الدین، مولانا ابوالوفاء اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی دارالعلوم دیوبند، بہاول پور تشریف لائے۔“ (رونیڈا مقدمہ بہاول پور ص ۲۵)

اسی طرح مخدوم العلماء واصلحاء حضرت خواجہ خان محمد صاحب نقشبندی امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان نے اپنی تحریر میں اس مقدمہ میں پیروی کے لئے عوام و خواص کی جانب سے علمائے دیوبند کو منتخب کئے جانے پر روشنی ڈالی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں: ”لیکن اس مقدمہ کی پیروی اور امت محمدیہ کی طرف سے نمائندگی کے لئے سب کی نگاہ انتخاب دارالعلوم دیوبند کے فرزند شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری پر پڑی۔ مولانا غلام محمد کی دعوت پر اپنے تمام تر پروگرام منسوخ کر کے مولانا محمد انور شاہ کشمیری بہاول پور تشریف لائے۔ ان کے تشریف لانے سے پورے ہندوستان کی توجہ اس مقدمہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ بہاول پور میں علم کی موسم بہار شروع ہو گئی۔ اس سے مرزائیت کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ انہوں نے بھی ان حضرات علماء کی آئینی گرفت اور حسابی کھینچ سے بچنے کے لئے ہزاروں جتن کئے۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا محمد حسین کولوتار زوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولانا نجم الدین، مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے ایمان افروز اور باطل شکن بیانات ہوئے۔ مرزائیت بوکھلا اٹھی۔ ان دنوں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری پر اللہ رب العزت کے جلال اور حضور سرور کائنات ﷺ کے جمال کا خاص پرتو تھا۔ وہ جلال و جمال کا حسین امتزاج تھے۔ جمال میں آ کر قرآن و سنت کے دلائل دیتے تو عدالت کے درو دیوار جھوم اٹھتے اور جلال میں آ کر مرزائیت کو لاکارتے تو کفر کے ایوانوں پر زلزلہ طاری ہو جاتا۔ مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری نے اس مقدمہ میں مختار مدعیہ (مرحومہ عائشہ بنت مولانا الہی بخش) کے طور پر کام کیا۔“

(روئیداد مقدمہ ص ۳۱)

”عدالت عظمیٰ ریاست بہاول پور سے مقدمے کی واپسی پر جب از سر نو تحقیقات شروع ہوئی تو مسماۃ غلام عائشہ کی جانب سے مختلف اوقات میں مختلف اکابرین نے بطور مدعیہ پیروی مقدمہ کی۔ ۱۹۳۳ء میں جب فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی تو ہندوستان کے شہرہ آفاق راس المکتلمین حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب بطور خاص دیوبند سے بہاول پور تشریف لائے۔ آپ کو فن مناظرہ میں ید طولی حاصل تھا۔ آپ نے بحیثیت مختار مدعیہ تین برس عدالت میں پیروی مقدمہ فرمائی۔“

(ازادارہ ۱۲۵۳)

نمونے کی ان سطروں میں مستند اور معتبر اکابر علمائے امت نے ”شہرہ آفاق، رئیس المکتلمین“ وغیرہ جن وقیح الفاظ میں آپ کا ذکر خیر کیا ہے اس سے آپ کا علمی مقام اور آپ کی بلند پایہ خدمات کا اندازہ لگانا قارئین کے لئے اب مشکل نہیں ہوگا۔ رفروری ۱۹۳۵ء میں حج محمد اکبر صاحب نے اس مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں سنایا۔

حضرت مولانا کو اپنے وطن سے ہزاروں کلومیٹر دور موجودہ پاکستان میں ملتان کے قریب بہاول پور میں قائم اس مقدمے سے کس قدر گہرا لگاؤ تھا اور آپ نے اس کے لئے کیا کیا قربانیاں دی ہیں؟ اس کے بھی بڑے گہرے نقوش تاریخ نے اپنے سینوں میں محفوظ رکھے ہیں۔ اگر قارئین مضمون اکتاہٹ نہ محسوس کریں تو ایک تاریخی دستاویز اس قربانی سے متعلق بھی پیش کرتا چلوں۔ جس میں آپ دیکھیں گے کہ مقدمہ کے دوران حضرت مولانا مدرسہ قیومیہ شاہجہانپور کے صدر المدرسین تھے اور ادارے کا پورا نظم و نسق سال بھر کے لئے مالیہ کی فراہمی وغیرہ امور حضرت پر ہی موقوف تھے۔ لیکن جیسے ہی اس مقدمے میں حضرت والا کی ضرورت محسوس کی گئی، بلا توقف میدان عمل میں آپ نے اپنی پوری توانائی جھونک دی۔ بلکہ مدرسہ کو بھی ماتحتوں کے حوالے کر کے کس استغنائی کیفیت سے مقدمے کی پیروی میں مشغول رہے۔ اس کا پتہ حسب ذیل اشتہار سے لگائیے جو سہ روزہ الجمعیت دہلی میں شائع کیا گیا ہے۔

چونکہ اہل نظر اس اشتہار کے مشمولات سے بہت کچھ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اس لئے راقم سطور اشتہار کو من و عن نقل کر کے اس پر کسی تبصرہ سے گریز کرتا ہے۔ البتہ اس جانب ضرورت توجہ دلانا چاہتا ہے کہ یہ اشتہار مشہور زمانہ درس گاہ جامعہ عباسیہ بہاول پور کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹووی جیسی نابغہ روزگار علمی ہستی کی جانب سے ہے، جنہوں نے مقدمہ میں حضرت مولانا ابوالوفاء کی مصروفیات کے پیش نظر کہہیں موصوف کے مدرسہ کو نقصان نہ پہنچ جائے، مدرسہ کی اعانت کے لئے از خود اشتہار شائع فرمایا ہے۔ بلکہ اپنے جملہ متعلقین کو بھی اس کے شائع کرنے کا پابند بناتے نظر آرہے ہیں۔ تحفظ ختم نبوت کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ انوکھا اشتہار بلاشبہ تحفظ ختم نبوت کے خدام کے لئے ایک تاریخی دستاویز ہے اور قربان جانیئے کہ تحفظ ختم نبوت کی خدمت میں کیا قابل صدر شک نصیبہ پایا۔ حضرت مولانا ابوالوفاء نے اور تحفظ ختم نبوت کی خدمت لینے میں کیا قابل صد فخر قدرانی کا حق ادا کیا۔ حضرت شیخ الجامعہ نے کہ اپنے مابعد والوں کے لئے ایک سبق آموز تاریخی مثال قائم کر گئے۔ باری تعالیٰ ان مخلصین پر رحمت برسائے اور اپنے کرم سے ہم خوردوں کو بھی اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

نظر من در دو جہاں باعزت و تمکین باد  
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آئین باد  
اب ملاحظہ فرمائیے اشتہار:

### مدرسہ قیومیہ شاہجہانپور ..... مسلمانوں کی خدمت میں ایک اپیل

”مدرسہ قیومیہ اگرچہ ہم سے تقریباً ایک ہزار میل پر واقع ہے۔ مگر اس کے فیوض سے پنجاب بھی بہت کچھ مستفیض ہے۔ اس مدرسہ کی مذہبی، تعلیمی و تبلیغی خدمات اور باطل کے استیصال اور اہل حق کی تائید میں مساعی غالباً ہندوستان و پنجاب کے کسی حصہ میں مخفی نہیں۔“

مشہور تاریخی مقدمہ بہاول پور میں جو مرزائیوں اور مسلمانوں کے درمیان معرکہ الآراء چل رہا ہے اس میں علاوہ دیگر اکابرین علماء ہند کے حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب نعمانی صدر مدرس و پرنسپل مدرسہ قیومیہ بالخصوص قابل ذکر ہیں جو ایک سال سے تقریباً اس مقدمہ میں اپنی بے لوث خدمات سے تمام مسلمانان ہند و علماء کرام کی نیابت کا فرض باحسن وجہ ادا کر رہے ہیں اور اکتوبر سے تو مسلسل ہر ماہ کا بڑا حصہ یہیں اسی سلسلے میں گزرا۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مرد خدا علم دین و قانون کی دونوں خدمتیں بیک وقت حسبہ اللہ ادا کر رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ بطور معین ناظم مدرسہ قیومیہ مولانا محمد قاسم صاحب بھی ہیں۔

بانی مدرسہ کے انتقال کے بعد اس مدرسہ کی آمدنی کا دار و مدار حضرات اہل خیر رنگون و برہما (موجودہ برما Myanmar) کی اعانت پر تھا جو رمضان میں ناظم مدرسہ خود جا کر لے آتے تھے یا کبھی کچھ اعانت باشندگان مصوری نے کر دی ہے۔ اس کے سوا کوئی مستقل چندہ نہیں۔ چونکہ اس مرتبہ یہ حضرات اس اسلامی خدمت اور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت ناموس میں سرگرم ہیں اور غالباً اس کے واسطے کوئی بھی سعی نہیں کر سکتے۔ پس میں حضور سرکار دو عالم ﷺ کے شیدائیوں اور تمام اہل خیر باشندگان پنجاب و ہندوستان خصوصاً حضرات رنگون سے پر زور حسبہ اللہ اپیل کرتا ہوں کہ اس کی اہمیت کا خیال فرماتے ہوئے اس کی طرف دست اعانت دراز فرمائیں اور اسی بابرکت ماہ میں اس کی اس قدر اعانت فرمائیں کہ اگلے سال یہ چشمہ علم و عمل چلتا رہے اور دشمنوں کی شامت کا موقع نہ ملے۔ دیگر جرائد اسلامیان ہند اور برہما خصوصاً اخبار ”شیر رنگون“ سے عرض ہے کہ اسے شائع فرمائیں اور اپنے نوٹ بھی اس کے متعلق لکھ کر اسلامیان ہند اور علماء کرام پر احسان فرمائیں۔

نوٹ: ترسیل زر بنام حاجی صدیق احمد سائیکل مرچنٹ شاہجہانپور مہتمم مالیات مدرسہ قیومیہ ہونی چاہئے۔

غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاول پور

(سہ روزہ الجمعیتہ دہلی ج ۱۹ ص ۸، یوم دوشنبہ ۱۲/رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ، مطابق یکم جنوری ۱۹۳۲ء، محفوظات مرکز التراث الاسلامی نمبر ۱۹۳۲-۱۷)

## دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مبلغ تقرر

دارالعلوم دیوبند کے محافظ خانہ سے موصولہ دستاویزات کے مطابق دارالعلوم دیوبند میں جب مستقل طور پر شعبہ تبلیغ کا قیام عمل میں لایا گیا تو باضابطہ پہلے آپ سے دیوبند میں اس خدمت کے لئے تشریف آوری کی رائے معلوم کی گئی۔ جب آپ دیوبند میں قیام پذیر رہنے پر آمادہ ہوئے تو پھر آپ ہی کو اس شعبہ کا مبلغ اور ناظم بنایا گیا۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے بھی مبلغین کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ لیکن ان کی تبلیغ مساعی کا نظام شعبہ تنظیم و ترقی کے ماتحت ہوتا تھا۔ ملک میں اسلامی عقائد و تعلیمات اور مسلک دیوبند کی توسیع و اشاعت کے لئے دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل و عقد نے جب ضرورت محسوس کی تو شعبہ تبلیغ کو مستقل طور پر قائم کر کے کثیر تعداد میں ذی استعداد اور فن مناظرہ وغیرہ میں مہارت رکھنے والے علماء کا بحیثیت مبلغ تقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس خدمت میں وسعت دینے کے لئے باضابطہ دارالعلوم دیوبند نے حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری سے رابطہ کیا اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حکم نامہ کے مطابق ۳ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۴۱ء میں موصوف کا بحیثیت مبلغ و ناظم شعبہ تبلیغ تقرر عمل میں آیا۔

دارالعلوم دیوبند میں موصوف کے تقرر کے موقع پر دفتر اہتمام سے جو فرائض تفویض کئے گئے ان کی تصویب و تائید بحیثیت صدر مہتمم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور بحیثیت صدر المدرسین حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے بھی فرمائی۔ تقریر نامے پر ان دونوں اکابر کی دینی تائیدات ثبت ہیں۔ نیز اسی موقع سے ان اکابر نے شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند اور حضرات مبلغین کے لئے ۱۸ اصول وضع فرمائے تاکہ اس شعبہ کی افادیت و کارکردگی کو مثالی بنایا جاسکے۔

دارالعلوم دیوبند کی مطبوعہ روئیداد سالانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگرانی میں چار علماء کرام بحیثیت مبلغ دارالعلوم میں خدمات انجام دیتے رہے۔ (۱) مولانا ابوالوفاء مبلغ و ناظم شعبہ کی حیثیت سے، (۲) جناب مولانا عبدالجبار ابوہری مبلغ، (۳) مولانا عتیق الرحمن آروی معین مبلغ، (۴) مولانا شاہ علی بستوی سفیر و مبلغ کی حیثیت سے خالص تبلیغی اسفار پر مامور تھے۔

ان اکابر کی خدمات کے سلسلہ میں مطبوعہ روئیداد سالانہ میں اختصار کے ساتھ دفتر اہتمام دارالعلوم سے جو رپورٹ درج ہے وہ حسب ذیل ہے۔ ”تبلیغ خدمات کو زیادہ وسیع اور منظم کرنے کے لئے اس سال شعبہ تبلیغ کو ایک مستقل ناظم کے ماتحت کر دیا گیا ہے اور مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری کی خدمات اس شعبہ کو کامیاب بنانے کے لئے بجدہء ناظم حاصل کر لی گئی ہیں۔ مولانا عبدالجبار ابوہری کی خدمات بھی اسی سال شعبہ تبلیغ کو حاصل ہوئی ہیں۔ اس سال حضرات مبلغین نے ملک کے مختلف حصوں میں تقریباً دو سو (۲۰۰) تقریریں کیں اور اپنے مواعظ میں اعمال صالحہ کی ترغیب دی۔ افعال قبیحہ سے مجتنب رہنے کی ہدایت کی اور مذہب باطلہ کا رد کیا۔“ (روئیداد سالانہ دارالعلوم دیوبند ص ۷، بابت ۱۳۶۰ھ)

اس کے بعد اگلے سال کی کارکردگی سے متعلق مرقوم ہے کہ: ”۱۳۶۱ھ، مطابق ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے چار لائق مبلغوں نے ناظم شعبہ تبلیغ کی رہنمائی میں اور نگرانی میں وسیع پیمانے پر تبلیغی خدمات انجام دیں۔ ایک سال کی مختصر مدت میں ان حضرات نے (۲۶۷) مقامات کا سفر کر کے (۶۲۲) تقریریں کیں اور اپنے مواعظ میں اعمال صالحہ کی ترغیب دی۔ افعال قبیحہ سے مجتنب رہنے کی ہدایت

کی اور مذاہب باطلہ کا رد کیا۔ الحمد للہ! کہ ان کی تبلیغی سرگرمیاں بہت نتیجہ خیز رہیں اور عام مسلمانوں کی اصلاح کے علاوہ چار غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک!“

(روئیداد سالانہ دارالعلوم دیوبند ۷، بابت ۱۳۶۱ھ)

بلاشبہ روئیداد مختصر ہے لیکن اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تبلیغ کی قابل قدر افادیت تھی اور اس کے کارہائے نمایاں سے عوام و خواص سبھی کو زبردست فائدہ پہنچ رہا تھا۔ یہ حضرات مبلغین، اصلاحی و تربیتی بیانات کے ساتھ ساتھ ملک کے طول و عرض میں باطل فرقوں کے رد و تعاقب میں بھی بھرپور سرگرم عمل رہا کرتے تھے اور ان میں حضرت مولانا ابوالوفاء کا ایک نمایاں مقام تھا۔

حضرت مولانا کی ایک دستی تحریر شعبہ تبلیغ کے مراسلہ نمبر ۹۴۸، مجریہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ، مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۴۲ء سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا ابوالوفاء کا قیام کسی وجہ سے زیادہ دنوں نہ رہ سکا۔ سال بھر کے بعد یہ عارضی تقرر آگے نہ بڑھا اور آپ اپنے وطن واپس ہو گئے۔ حضرت مولانا کی دستی تحریر اور اس پر دفتر اہتمام کی کارروائی کے بعد کی صورت حال ادم تحریر راقم سطور کو دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔ ان شاء اللہ! دستیاب ہونے پر اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

## وعظ و خطابت کے میدان میں

اس گوہر یکتا میں خالق کائنات اللہ رب العزت نے علمی اور عملی و قار و اعتبار کے ساتھ ایک خاص قسم کی استغنائی صفت بھی ودیعت کر رکھی تھی۔ باوجود اس کے کہ آپ کو وعظ و خطابت سے ایک خاص شغف تھا اور اسی خدمت کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھ کر اس سے وابستہ رہتے تھے۔ اپنے فکروں میں حد درجہ خلوص و للہیت کا اثر اس قدر غالب تھا کہ تدریسی خدمات و ماحولیات میں مدارج علیاء طے کرنے اور مناصب جلیلہ پر فائز ہونے کے شوق سے کوسوں دور رہتے تھے۔ چنانچہ عوام و خواص میں آپ کی تبلیغی مساعی اور ان کی افادیت کا نہ صرف یہ کہ زمانہ معترف ہے بلکہ آج بھی اہل علم اور علمائے ربانی، دل کی گہرائیوں سے آپ کو خراج عقیدت و محبت پیش کرتے ہیں۔ شہدی سنگھٹن کی ارتدادی تحریک میں مخالفین کو دلائل و براہین سے قائل کرنا، قادیانیت جیسے زہریلے فتنے سے زندگی بھر نبرد آزما رہنا اور نبی پاک ﷺ کے عشق و محبت میں بے لوث تحفظ ختم نبوت کی خدمات سے وابستگی، بدعات و خرافات سے ملت اسلامیہ کو بچانا اور سنت نبوی ﷺ پر عمل رہنے کی اعلانیہ دعوت و تلقین، باطل کی خرمن گاہوں پر اسلامی دلائل و براہین کی گولہ باری، مسلک اہل السنۃ والجماعۃ مکتب فکر دیوبند کی ترویج و اشاعت اور نئے نئے درپیش ملکی و ملی مسائل میں اکابر علمائے دیوبند کے مشن سے والہانہ وابستگی وغیرہ خدمات کے باب میں آپ کی جو نمایاں مساعی جلیلہ ہیں وہ ایک مستقل باب کی حیثیت سے ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہیں جس کے ثبوت و شواہد تحریری اور زبانی آج بھی دستیاب ہیں۔ لیکن مضمون کی طوالت کے خوف سے راقم سطور ان سے یہاں صرف نظر کرنے پر مجبور ہے۔

فرقہائے باطلہ سے حق بات منوانے کے لئے فن مناظرہ میں خداداد صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مقبول و مفید انداز بیان سے بھی خوب خوب نوازا تھا اور سیرت نبوی ﷺ اور معراج النبی ﷺ کے موضوع پر بیان کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا اور آپ کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے مقررین میں ہوتا تھا۔ جوانی کے زمانے میں آپ کے وعظ میں گھن گرج کا پہلو غالب رہتا اور مجال کیا، جو کسی سے مرعوب ہوں۔ آپ کے بیانات کے سامعین کا تاثر یہ ہے کہ آپ کے لب و لہجہ میں شجاہت پنپوری اور سیتا پوری لہجے کا غالب عنصر تھا۔ لیکن سلاست و روانی اور برجستگی، جملوں کی ادائیگی میں صفائی اور جذب اس قدر ہوتا تھا کہ عمر کے اخیر حصے میں بھی آپ کا بیان کسی بھی خطہ اور کسی بھی علاقہ کے علمائے وقت بھی بڑی دلچسپی سے سنتے اور آپ کے علمی عرق ریزیوں سے استفادہ کرتے تھے۔ جب آپ کرسی

خطابت پر جلوہ افروز ہوتے تو بحرِ خار کی طرح بغیر کسی تلاطم کے بے تکلف کئی کئی گھنٹے انتہائی شستہ انداز میں تقریر کرتے چلے جاتے۔ انتہائی پروقار سا ہوتا جس میں سامعینِ محو حیرت آپ کو دیکھتے رہتے۔ یہ وہ دور تھا جس میں خطیبِ زمانہ امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، حکیم الاسلام قاری محمد طیب، سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی جیسے حضرات موجود تھے۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہ جہانپوری ثم دہلوی کا بیان بھی واعظانہ انداز میں سیرت النبی ﷺ پر ہی ہوتا تھا۔ اسی لئے پورے ملک میں آپ کی یکساں مقبولیت تھی اور آپ کی شرکتِ جلسوں کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ آپ کے برادرِ نبی حضرت مولانا محمد قاسم بھی آپ کے نقش قدم پر سیرت النبی ﷺ کے بلند پایہ خطیب مانے جاتے تھے۔

اکابر علمائے ہندو بونڈ کی طرح آپ نے بھی ہندوستان کی آزادی میں نمایاں اور سرفروشانہ کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور دیگر اکابر کے شانہ بشانہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں آپ کی بڑی قربانیاں ہیں۔ جمعیتِ علماء ہند سے بھی گہری وابستگی رہی اور جمعیت کے پلیٹ فارم سے آپ کی خدمات کا ایک طویل باب ہے۔

۱۹۳۸ء کا سال غیر منقسم ہندوستان کے لئے اپنے اندر کیا کیا بلاخیز داستانیں رکھتا ہے۔ اس سے تقریباً سبھی لوگ واقف ہوں گے۔ ان حالات میں ممبئی میں زیر صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی جمعیتِ علمائے ہند کا پندرہواں اجلاس عام منعقد ہوا، جس میں ملک و ملت کے مسائل کو لے کر جو تجاویز پاس ہوئیں ان کو رو بہ عمل لانے کے لئے جن بالغ نظر اور موضوع پر دسترس رکھنے والے اہل علم کی باضابطہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، ان میں نمایاں نام حضرت مولانا ابوالوفاء شاہ جہانپوری کا بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے اجلاس عام کی تجویز نمبر اور اراکین کمیٹی کے اسماء گرامی۔

”جمعیتِ علماء ہند کا یہ اجلاس مرکزی و صوبائی حکومتوں کی ان کوششوں کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہے جو تعلیم کو عام کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ اجلاس اس حقیقت کی طرف توجہ دلا نا ضروری سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم ضروری ہے۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ابتدائی تعلیم کی تعلیم کے لئے جو بھی تدبیریں اختیار کی جائیں ان میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے کہ مسلمان طلباء کے لئے ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم کے حصول کے مواقع باقی رہیں اور دینی تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ اجلاس ہذا مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی منتخب کرتا ہے تاکہ وہ ذمہ دار اور متعلقہ ارکان حکومت سے اس مقصد کے لئے ضروری تبادلہ خیال کر کے مناسب صورتیں اختیار کریں۔“

ارکان کمیٹی کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) مولانا عبدالحلیم صدیقی، (۲) مولانا مفتی عتیق الرحمن، (۳) مولانا شفیق الرحمن قدوائی، (۴) مولانا ابوالوفاء شاہ جہانپوری، (۵) مولانا بشیر احمد کھٹوری، (۶) مولانا محمد میاں ناظم جمعیتِ علمائے ہند۔

(دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۳۸ء تا ۲۰۰۳ء ص ۳۹)

جمعیتِ علماء سے حضرت موصوف کی طویل عرصہ تک وابستگی اور متعلقہ خدمات کا شمار ایک مستقل باب کا متقاضی ہے۔ اس کے لئے زیرِ قلم مضمون میں زیادہ جگہ لینے کی گنجائش اس لئے نہیں کہ اختصار در اختصار سے اس عنوان کا حق ادا نہیں ہو سکتا تاہم مذکورہ اقتباس سے یہ اندازہ لگانا کسی کے لئے مشکل نہیں رہا کہ ملک و ملت کے اس متحدہ و متفقہ پلیٹ فارم سے آپ کی خدمات نہایت مقبول و لائقِ صد تحسین رہی ہیں۔ بلکہ اپنی عمر عزیز کا بڑا قیمتی وقت آپ نے اس تنظیم کی آبیاری میں کھپایا ہے۔

شاہ جہانپور کے علماء کی تاریخ ”سرزمین شاہ جہانپور کے علمائے فنون“ میں مصنف نے لکھا ہے۔ نیز اس کی تائید آپ کے پوتے جناب ضمیر احمد صاحب نے بھی کی ہے کہ جب حکومت ہند نے تحریکاتِ آزادی کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے وظیفہ کی

پیشکش کی تو مولانا مرحوم نے دو ٹوک اور بڑا اٹوکھا جواب اس وقت کی وزیر اعظم ”اندر گاندھی“ کو دیا کہ میں نے تیرے لئے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا اپنی قوم اور اپنے ملک کے لئے کیا ہے تو اس کا صلہ میں تم سے نہیں چاہتا۔

## فرقہ باطلہ کے رد و تعاقب میں انجمن اظہار حق کا قیام

دور تحریک خلافت کے ختم ہوتے ہی برصغیر میں کفر و ارتداد کی آگ ایک دم بھڑک اٹھی جس سے کوئی شہر، قصبہ اور قریہ محفوظ نہ رہ سکا۔ چنانچہ شہر شاہجہانپور کے اطراف میں بھی ارتدادی تحریکوں کی ریشہ دوانیاں ہونے لگیں اور یہاں طرفہ یہ تھا کہ علاوہ بیرونی حملوں کے اندرونی حملوں نے مسلمانوں کا ایمان مزید خطرہ میں ڈال دیا۔ غیر مسلم قوتوں سے شہ پا کر قادیانی جماعت نے بھی اپنے ارتدادی مشن کا مستقل جال بچھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فضاء کچھ ایسی بننے لگی کہ جس سے خیال ہونے لگا کہ تھورے ہی عرصہ میں شاہجہانپور اور اس کے اطراف میں قادیانی ہی قادیانی نظر آئیں گے۔ شاہجہانپور میں اس وقت تک ارتدادی تحریکات اور بالخصوص قادیانی فتنہ کے سدباب کے لئے کوئی مستقل انجمن موجود نہیں تھی۔ کچھ علماء اور مخلص کارکنان حسن اتفاق سے جمع ہو گئے، جنہوں نے دفاع اسلام کی متواتر اور کامیاب کوششیں کیں جن سے شہر و اطراف شہر میں آریہ سماجی اور قادیانیت کا فتنہ کچھ کم ہونے لگا۔ ان علماء کے اخلاص اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر اللہ کے بعض مخصوص بندوں نے شیرازہ کو منظم کرنے کی سعی کی اور سب کو جوڑ کر ایک انجمن کی بنیاد رکھی گئی جو آج ”اصلاح المسلمین“ کے مبارک نام سے متعارف ہے۔ مگر اس وقت اس انجمن کا نام ”انجمن اظہار حق“ تھا۔

انجمن کے عظیم کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ماہ رمضان ۱۳۴۵ھ، مطابق مارچ ۱۹۲۷ء میں جب جلال آباد کے اطراف موہن پور وغیرہ میں شدھی تحریک کا زور ہوا اور مسلمانوں کی غفلت کے سبب زبردست ارتداد کا سیلاب آیا تو ”انجمن اظہار حق“ نے اپنے کارکنان میں سے چار علماء کو جو تعطیل رمضان کے باعث اپنے وطن میں تھے دور دراز سے بلا کر ارتداد زدہ علاقوں میں روانہ کئے۔ ماشاء اللہ! ان حضرات کی مساعی کامیاب رہیں۔ یوں سمجھئے کہ ہزاروں مسلمانوں کا ایمان بچ گیا۔ انجمن کے فرستادہ مخصوص علماء نے شہر کے اور اس کے اطراف نیز جلال آباد، پوایاں، تلہر وغیرہ میں تبلیغ و وعظ کے واسطے چھوٹے چھوٹے دورے کئے جس سے بہت نفع پہنچا۔

”رنگیلہ رسول“ کے مقدمہ کے دوران حضرت مولانا ابوالوفاء کے شہر شاہجہانپور اور تحصیل پوایاں، تلہر، جلال آباد وغیرہ کی اکثر مساجد میں تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ آپ نے بیانات کے ذریعہ مسلمانوں میں صحیح جذبات پیدا کر کے ان کے اقتصادی حالات درست کرانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ اس دوران آپ کے دست حق پرست پر بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے جن کے نام برابر اخبارات میں شائع ہوتے رہے اور بعضوں کو اپنے مصارف سے چھوٹی چھوٹی تجارت، پان وغیرہ کی دکان کا بھی انتظام کرا دیا۔

(خلاصہ دو سالہ روئیداد انجمن اصلاح المسلمین شاہجہانپور مورخہ ۱۲/ اگست ۱۹۲۸ء)

یہی وہ خوش نصیب انجمن ہے جس کا نام ”انجمن“ تھا۔ لیکن کام تمام کا تمام تحفظ ختم نبوت کا تھا۔ اس انجمن نے شاہجہانپور میں قادیانیوں سے مقابلہ، مباحثہ اور ان کے خلاف سینہ سپر ہنا اپنے مقاصد اصلہ میں شامل کر رکھا تھا۔ بڑے بڑے علماء کو اس موضوع پر خطاب کی دعوت دیتے۔ محلہ تارین بہادر گنج میں مناظر اسلام محدث کبیر مولانا بدر عالم میٹھی جیسے اکابر کے معرکہ الآراء خطابات اس کی نگرانی میں ہوئے۔ اسی طرح نوری مسجد محلہ تارین ٹکلی کے متعلق قادیانیوں کی جانب سے دائر کردہ مشہور مقدمہ کی پیروی اسی انجمن کے عہدہ داروں نے شروع کی اور اس میں کامیابی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا کہ جسے زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس فتح نے شاہجہانپور سے قادیانی فتنہ کا



خاتمہ کر دیا۔ بحمد اللہ! اس کا ریکارڈ ”مرکز التراث الاسلامی دیوبند“ کے پاس محفوظ ہے۔ اس مقدمہ کی تفصیلی روئیداد کے لئے ملاحظہ فرمائیے: ”تحفظ ختم نبوت کے مثالی سپوت متکلم اسلام حضرت مفتی عبدالغنی پٹیالوی ثم شاہجہانپوری“ مطبوعہ مرکز التراث الاسلامی دیوبند اور ”انکشاف حقیقت“ مرتبہ جناب مولانا اکرام اللہ قاسمی صاحب مطبوعہ شاہجہانپور۔

مضمون کی طوالت کا احساس راقم سطور کو ستائے جا رہا ہے۔ لیکن میدان قلم کے باذوق احباب جانتے ہیں کہ ثبوت و شواہد کی زبان اپنے اندر الگ ہی ایک چاشنی اور جذب رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ مذکورہ انجمن کی مطبوعہ روئیداد تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور اس میں تحفظ ختم نبوت ورد قادیانیت سے متعلق کئی تاریخی خدمات کے ثبوت و شواہد بھی پوشیدہ ہیں۔ اس مناسب سے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ محض خلاصہ لکھنے پر اکتفاء نہ کر کے اس کے اقتباسات سے بھی قارئین مضمون کو روشناس کرایا جائے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ راقم سطور پر اگر کسی کو تاریخ کشید کرنے کا وہم و گمان ہوگا تو وہ بھی دور ہو جائے گا۔ ان فوائد کے پیش نظر ملاحظہ فرمائیے۔ روئیداد کے مرتب جناب حکیم محمد علی انصاری صاحب مرحوم کا تحریر کردہ متن موصوف لکھتے ہیں: ”زمانہ کے حالات اور تجربات نے ہمیں بتلادیا ہے اور طول و عرض ہند کے اندر جن تبلیغی انجمنوں نے میدان ارتداد میں کام کیا ہے ان کی روئیداد اس امر پر مشعر ہیں۔ نیز قائدین اور مبلغین عظام کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ عارضی اور ہنگامی تبلیغ کے بجائے ٹھوس مستقل اور تدریجی تعلیم ہمیشہ مفید موثر اور کامیاب ہوتی ہے۔ کسی محل ارتداد میں کسی واعظ اور مبلغ کا پہنچ کر تھاریر اور مناظروں کا کرنا ممکن ہے کہ وقتی طور پر مفید اور کامیاب ہو اور اس وقت فوری اثرات ہمارے لئے کارآمد ہوں۔ مگر جو نہی یہ اثرات رفع ہوں گے حقیقی مقاصد بھی دور ہوتے جائیں گے۔ اس کے برعکس کسی گاؤں میں ایک معلم ہم بھیجتے ہیں جو وہاں کے بچوں کو ضروریات دین سکھاتا ہے اور اوقات فرصت میں ان کے ضعفاء اور جوانوں کے اعمال و اخلاق کی بھی اصلاح کرتا ہے تو وہ بیک وقت ہمارے واسطے معلم، امام، مناظر اور مولوی کا کام دیتا ہے اور بالخصوص جب کہ اس کے قول و پند، اس کے اعمال کے مطابق ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انجمن نے اپنی توجہ دیہاتی مکاتب کی طرف زیادہ رکھی ہے۔ اب میں انجمن کی دو سال کے کاموں پر مختصر تبصرہ کرتا ہوں۔

۱..... قادیانیوں کے مقابلہ میں عظیم الشان جلسہ اور ختم نبوت و حیات مسیح جیسے اہم مباحث پر کامیاب مناظرہ جس سے کثیر تعداد ارتداد سے محفوظ رہی اور اس کی مفصل روئیداد اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

۲..... محلہ تارین بہادر گنج میں مولانا بنا بدر عالم صاحب میرٹھی (مناظر اسلام) کی ایک معرکہ الآراء تقریر محاسن اسلام اور محمد سردار دو عالم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مقامی ضروریات پر ہوئی۔ اس کے علاوہ مختلف جلسے مختلف مساجد وغیرہ میں کئے گئے۔

۳..... مدتوں سے ایک مقدمہ محلہ تارین ٹکلی کی مسجد کے متعلق قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان تھا۔ اس کی پیروی انجمن کے عہدہ داروں نے شروع کی اور اس میں اس قدر سعی تبلیغ کی جسے اہل شاہجہانپور کبھی فراموش نہیں کر سکتے اور جس کی عظیم الشان کامیابی کی مسرت اب تک مسلمانوں کے دلوں سے زائل نہیں ہوئی۔ اس فتح نے شاہجہانپور سے گویا قادیانی فتنہ کا خاتمہ کر دیا اور ایک حد تک انجمن سبکدوش ہو کر سماجی فتنہ کی روک تھام اور مسلمانوں کی عام اصلاح کی جانب یکسوئی سے متوجہ ہو سکی اور اس وقت سے نئے انتخاب میں اس کا نام اصلاح المسلمین رکھا گیا۔

- ۴..... اسی مقدمہ کے دوران میں ایک بیوہ کو انجمن سے بصیغہ تالیف قلوب و وظیفہ دے کر ارتداد سے بچایا اور اس کے عقد کا انتظام کیا۔
- ۵..... گزشتہ سے سابق رمضان (۱۳۳۵ھ، مطابق جولائی ۱۹۲۶ء ناقل) کے اوّل عشرہ میں جلال آباد کے اطراف موہن پور وغیرہ میں بڑی شان سے شادی کا پرچار ہوا اور زبردست ارتداد کا سیلاب آیا۔ انجمن نے اپنے کارکنان کو دور دراز سے بلا کر (جو تعطیلوں میں اپنے وطن میں تھے) موقعہ واردات پر چار اشخاص روانہ کئے۔ الحمد للہ! ان کی مساعی کامیاب رہیں اور ان کی اور دیگر حضرات کی کوششوں سے امید سے بہت زیادہ نفع پہنچا۔ سمجھئے کہ ہزاروں مسلمانوں کا ایمان بچ گیا۔
- ۶..... انجمن مخصوص کارکنوں نے شہر شاہجہانپور کے اطراف نیز جلال آباد و پوایاں و تلہر وغیرہ میں تبلیغ و تفتیش کے واسطے چھوٹے چھوٹے دورہ کئے جس سے بہت کچھ ٹھوس نفع پہنچا۔
- ۷..... رگیلا رسول کے مقدمہ کے سلسلے میں شاہجہانپور کی اکثر مساجد میں تقریریں کر کر مسلمانوں میں صحیح جذبات پیدا کر کے ان کی اقتصادی حالت درست کرائی۔ بکری کے گوشت وغیرہ کی اکثر اسلامی دوکانیں اور مسلمانوں سے خرید و فروخت کے جذبات بہت کچھ اراکین انجمن کی سعی کا نتیجہ ہیں۔
- ۸..... اس دوران میں بہت سے غیر مسلم حلقہ گوش اسلام ہوئے جن کے نام برابر اخباروں میں شائع ہوتے رہے۔ بعضوں کو اپنے مصارف سے پان سگریٹ وغیرہ کی دکانیں بھی کرا دیں۔
- ۹..... شہباز نگر میں تبلیغی حیلہ سے قادیانیوں نے قدم جمائے اور پھر مسلمانوں کو فیصل کن مناظرہ کا چیلنج دیا جس پر ایک کثیر تعداد کے ایمان واردتد اکادار و مدار تھا۔ انجمن نے فوراً مناظرہ روانہ کئے مگر قادیانیوں نے فرار کو قرار پر ترجیح دی۔ وہاں ضروری تقریریں کر کے واپس آئے اور یوں بہت مسلمانوں کے ایمان سلامت رہے۔
- ۱۰..... جمعیت تبلیغ الاسلام صوبہ کی ایک درخواست پر نو مسلموں کی تعلیم کے واسطے قیمت چرم قربانی سے ایک کافی رقم روانہ کی۔
- ۱۱..... اہل قرآن نے بذریعہ اخبارات و رسائل شاہجہانپور میں پروپیگنڈا شروع کیا تھا۔ اس کی مقامی اخبارات میں تردید کی اور اس سے مسلمانوں کو خبردار کر دیا۔
- ۱۲..... مخالفین و متردین سے تبادلہ خیال کے واسطے انجمن نے برابر ایک جماعت تیار رکھی اور اس سے بہت کچھ اصلاح ہوئی۔
- ۱۳..... ہماری قابل ذکر خدمت یہ ہے کہ موضع نودیہ تحصیل پوایاں میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے واسطے ایک مدرسہ جاری کیا جو اس وقت تک قائم ہے۔ اس مدرسہ میں تقریباً ۲۵ بچے تعلیم پاتے ہیں۔ اوقات تعلیم کے علاوہ مدرس صاحب وعظ و نصیحت اور مسلمانوں کی عام اصلاح میں اپنا وقت گزارتے ہیں اور گاؤں کی مسجد میں امامت بھی کرتے ہیں۔ اس مدرسہ سے ہماری بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں۔ خدا ان کو جلد پورا کرے۔
- ۱۴..... اراکین انجمن کی سعی سے موضع لودپور میں تین آدمیوں نے قادیانیت سے توبہ کرتے ہوئے تجدید ایمان کی اور مجمع عام کے سامنے توبہ کرتے ہوئے گاؤں کی مسجد میں اس کی دستخطی تحریر لکھ دی جو اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔

## عرضداشت

آخر میں میری گزارش جناب سے ہے کہ یہ کام جو اب تک انجمن نے کئے ہیں صرف انبار سے یکشت ہے۔ ابھی اس کے سامنے مقاصد اور اغراض کی کثرت ہے۔ شہر میں مختلف تبلیغی و تنظیمی کاموں کے علاوہ دیہات میں مکاتب کا قیام نہایت ضروری ہے۔ مگر کیا میں پوچھ

سکتا ہوں کہ ہماری موجودہ حالت کب تک اور کس قدر کفالت کر سکے گی؟ میں آپ کے جذبات ملی وقومی سے پر زور مرافعہ کرتا ہوں کہ آپ جلد اس کی دیکھیری فرمائیے۔ ورنہ ہم اور آپ، سب خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ امداد کی بہتر صورت یہ ہے کہ آپ فوراً رکنیت قبول فرمائیں اور کثرت سے رکن بن جائیں۔

## ہماری کفایت شعاری

ہماری کفایت شعاری اور مصارف میں احتیاط کا اندازہ اس طرح سے کیا جاسکتا ہے کہ اب تک کے دفتر کے واسطے کوئی مکان حاصل نہیں کیا گیا ہے اور ہمارے ذاتی مکانات اس کے دفتر کا کام دے رہے ہیں۔ انجمن کا کوئی تنخواہ دار ملازم سوائے ایک چڑاسی کے نہیں ہے جس کی تنخواہ صرف آٹھ روپیہ ماہوار مقرر ہے۔ یہ جگہ بھی کچھ دنوں ہی سے بڑھائی گئی ہے۔ ورنہ بیشتر انجمن کے ارکان تمام دفتری کام خود انجام دیتے تھے۔ اگرچہ ہم امید کرتے ہیں کہ ان کو اس قدر تکلیف نہ دی جائے گی۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ تمام سال ماسبق کا دفتری خرچ صرف اٹھارہ روپے پندرہ آنہ ہوا۔ اس میں تنخواہ چڑاسی پندرہ روپیہ سواتین آنہ کے علاوہ دوسرے سامان خطوط کے ٹکٹ اور اجرت اعلانات وغیرہ پر خرچ ہوئے۔

## انجمن کے قومی اور جوارح

سخت ناسپاسی ہوگی اگر میں جناب مولوی ابوالوفاء صاحب صدر مدرس قیومیہ شاہجہاںپور و جناب حاجی ڈاکٹر ثناء احمد خان صاحب باڑوڑوی و جناب مولوی طفیل احمد صاحب باڑوڑوی و جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب مدرس مدرسہ سعید شاہجہاںپور اور اس قسم کے دوسرے بزرگوں کی خدمات کا تعارف نہ کراؤں۔ یہ وہ درد مند مخلصین ہستیاں ہیں جنہوں نے اس انجمن کی بناء و تشکیل کے وقت سے تا اس دم انجمن کی بڑی بڑی خدمات کی ہیں۔ آئندہ شاید دوسرے کام کرنے والے بھی آئیں اور ممکن ہے کہ ان سے زیادہ کام کریں۔ مگر تقدم اور (بحالت کسمیری) انجمن کی امداد کا تفوق صرف انہیں کو حاصل ہے۔ مختصر آئیہ کہ یہی حضرات بانیان انجمن ہیں اور یہی اس کو ترقی دینے والے ہیں۔ (دو سالہ روئیداد انجمن اصلاح المسلمین شاہجہاںپور بابت ۱۳۴۵ھ، ۱۳۴۶ھ پیش کردہ موقع جلسہ سالانہ منعقدہ ۲۵ صفر ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۲۸ء ص ۴، ۵، ۷، محفوظات مرکز التراث الاسلامی دیوبند نمبر ۶۳۳ ٹی. کے. این)

یاد رہے کہ شاہجہاںپور میں کچھ قبیلے افغانستان سے آئے ہوئے آباد ہیں۔ اسی لئے شہر کے بعض مقامات اور مضافات میں آباد قصبات کے نام افغانی قبائل کے نام سے آج بھی موسوم ہیں۔ اردو میں لکھنے کا انداز وہی سوسال پرانا ہے۔ لیکن اس میں مقصد کی بہت سی تاریخ پنہاں ہے۔ ان مخلصین کے کام کرنے کا انداز اور جفا کشی دیکھئے اور یہ بھی دیکھئے کہ حفاظت دین کے لئے کسی کے تعاون پر ہی منحصر نہیں بلکہ اپنے جیب خاص سے صرفہ کر کے عوام کا دین بچانے کا دیوبندی مزاج کس آب و تاب سے جھلک رہا ہے۔ اپنے کام میں مخلص ہونے کا شوق و شہادت بنانے کا زمانہ دے رہے ہیں بلکہ شکر یہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ نیز یہاں سے اس بات کا بھی ثبوت مل رہا ہے کہ ماضی میں ہمارے اکابر تحفظ ختم نبوت کی خدمت کو باضابطہ مہمیری اور رکنیت پر موقوف رکھتے تھے اور ممبران ہی سے اخراجات پورے کئے جاتے تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب کو صرف فقہ قادیانیت ہی نہیں بلکہ رسوم و بدعات اور لاندہ بیت کے رد و تعاقب میں بھی ید طولی حاصل تھا جس کو بھلا یا نہیں جاسکتا۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے اس عنوان پر تحریری مواد سے صرف نظر کرتے ہوئے چند زندہ وزبانی

تاثرات سے قارئین کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے متعدد اساتذہ نے بتایا کہ حضرت مولانا اگرچہ دارالعلوم دیوبند کے باضابطہ ملازم نہیں تھے لیکن ہر جگہ دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ہی کی حیثیت سے متعارف تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ استاذ الاساتذہ دارالعلوم دیوبند نے بتایا کہ ایک دفعہ قصبہ گنگوہ میں ذہنی و فکری آوارگی میں مبتلا ہونے والے ایک فرقہ کے متاثرین سے مناظرہ کی ضرورت پڑی تو حضرت مدنی نے مولانا ابوالوفاء صاحب کو گنگوہ بھیجا اور بذات خود بھی اس مناظرے میں شریک رہے۔ راقم سطور کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد اقبال فائق قاسمی صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ عربیہ تاج العلوم کبھی پورنگرائی ضلع مہراج گنج نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مفتاحی مہتمم جامعہ صادقہ مہراج گنج نے اہل بدعت کے مشہور و معروف عالم کو مناظرہ کے لئے موضع گہروا میں دعوت دی۔ مناظرہ کے سامعین و ناظرین کی ایک بڑی تعداد قرب و جوار کے مسلم گاؤں و راپور بلڈیہا، سسواں بازار، کھیم پرا، کبھی پورنگرائی وغیرہ سے وہاں جمع ہو گئی۔ چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ ترجمان اہل بدعت نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ جب کہ مولانا ابوالوفاء صاحب کا اگلے روز بھی اعلانیہ بیان ہوا۔ آپ کا شہرہ اس علاقہ میں آج بھی قائم ہے اور اس علاقہ کے ایک مشہور گاہکوں نوا، متصل مہراج گنج میں آپ کے دست مبارک سے ایک وسیع و عریض مسجد کی بنیاد آپ کی یادگار ہے۔ حضرت مولانا کے قدردان اور اس مسجد کے بڑے معاونین میں موضع ”کھیم پرا“ کے جناب محمد عثمان صاحب اور جناب لیاقت علی صاحب منصور ری رہے ہیں جن کا خانوادہ جناب شفاعت علی صاحب ابن لیاقت علی منصور، جناب ماسٹر محمد اختر، رحمت علی، شمشیر علی وغیرہ پر مشتمل آج بھی شاد و آباد دینی خدمات سے وابستہ ہے۔

اسی طرح جناب مولانا محمد اسلام قاسمی صاحب مہتمم مدرسۃ الصفۃ للبنات سون چری کا بیان ہے۔ اس علاقہ میں باطل فرقوں کی ریشہ دانیوں سے عوام کو جب بھی بچانے کی اور مناظرے کی ضرورت محسوس ہوتی، حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب کو دعوت دی جاتی رہی ہے اور وہ مسلک علمائے دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے ہمیشہ تشریف لاتے رہے ہیں۔ اسی طرح مولانا ہدایت اللہ قاسمی ناظم تنظیم رابطہ مدارس عربیہ و علمائے ضلع مہراج گنج و صدر مدرس جامعہ عربیہ سیوانگر حیدرآباد کا باوثوق بیان ہے کہ اس وقت کے بافیض عالم دین حضرت مولانا صوفی مجیب اللہ کی دعوت پر حضرت مولانا ابوالوفاء کا مدرسہ اشرف العلوم کرتھیا اور مدرسہ بیت العلوم بیرواچندن ضلع مہراج گنج (متصل نیپال) میں بارہا آمد ہوئی ہے۔ یہ علاقہ بدعات و خرافات سے زیادہ متاثر تھا۔ لیکن حضرت مدوح کی بار بار آمد نے اس پورے علاقے کو صحیح الفکر اسلامی عقائد و دیوبندی مسلک کا ایسا گڑھ بنا دیا کہ اس کے فیوض و برکات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ جب کہ یہ علاقہ ہندوستان و نیپال کے درمیان بارڈر کا وہ حصہ ہے جہاں اس زمانے میں بمشکل ہی کسی عالم دین اور وہ بھی اس پایہ کے کسی مبلغ دین کی آمد و رفت ہوتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ ۱۹۸۰ء کے موقع پر روزنامہ الجمعیتہ دہلی نے جو خصوصی شمارہ شائع کیا اس میں ایک مضمون نگار جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری، بعنوان ”دارالعلوم دیوبند فقہوں کے مقابلہ میں“ لکھتے ہیں: ”بریلویت کا کھل کر اور میدان میں آکر مقابلہ کرنے والے سب سے اوّل بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں۔ انہوں نے اہل بدعت سے سب سے پہلا مناظرہ بہاول پور میں ۱۲۹۷ھ میں کیا۔ جس میں حضرت مولانا خلیل احمد کے علاوہ حضرت شیخ الہند، مولانا صدیق احمد، مولانا مراد احمد شریک تھے۔ اہل بدعت کو اس میں شکست ہوئی۔ رد بدعت میں حضرت گنگوہی کے ارشاد کے بموجب سب سے پہلی کتاب حضرت مولانا خلیل احمد نے لکھی جس کا نام ”ہدایت الرشید“ ہے۔ اس کے بعد ”المہند علی المفند“ تحریر فرمائی۔ ان کے بعد

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بہت کتابیں تحریر فرمائیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے اس بارے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ میلاد اکبر وغیرہ میں حلقہ دیوبند کے خلاف بریلوی حضرات نے علماء حرمین سے فتاویٰ حاصل کئے تھے۔ لیکن حضرت قدس سرہ نے اس بارے میں علماء حرمین کا بہت ذہن صاف کیا اور ایک وقت وہ آیا کہ جب بریلوی حضرات کو حرمین میں دوبارہ نماز جماعت سے ادا کرنے پر باہر نکالا گیا۔ حضرت مدنی کی کتاب ”الشہاب الثاقب“ بہت عمدہ کتاب ہے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری، مولانا محمد یونس بکھروی نے گجرات اور مہاراشٹر کے علاقہ میں نمایاں خدمات انجام دیں ہیں۔“ (روزنامہ الجمعۃ دہلی، دارالعلوم دیوبند نمبر مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء ص ۱۲۰، محفوظات مرکز التراث الاسلامی دیوبند اخبار نمبر ۱۷، موصولہ از حکیم محمد سعید سینزل لاہوری ہمدرد دہلی)

واضح رہے کہ مفتی عزیز الرحمن بجنوری کے بارے میں راقم نے دارالعلوم دیوبند کے ایک متحرک فاضل جناب مولانا محمد عرفان شیرکوٹی بجنوری سے وضاحت چاہی تو موصوف نے بتایا کہ مفتی صاحب (ولادت: ۱۹۲۵ء، وفات: ۲۰۰۴ء) قصبہ نہٹور کے رہنے والے اور حضرت مدنی کے خلفاء میں سے تھے۔ نیز بہت ساری کتابوں کے مصنف بھی رہے ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباس میں جن اکابر شخصیات کا ذکر آ رہا ہے ان سے زمانہ متعارف ہے۔ البتہ ان کے درمیان ”مولانا محمد یونس بکھروی“ کے نام سے جو ذکر آ رہا ہے بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے موجودہ ”بگلدیش“ میں فرقیہائے باطلہ کے رد و تعاقب میں زبردست کارنامے ہیں۔ خدا معلوم آپ کے مساعی جلیلہ کی سنہری تاریخ کو وہاں کوئی جاننے اور بتانے والا ہے یا نہیں۔ جو آج بھی تاریخ کے اوراق پارینہ میں محفوظ و دستیاب ہے۔ حضرت موصوف کا وطن اصلی دیوبند سے قریب ضلع مظفرنگر (یو. پی.) میں قصبہ ”بگھرا“ ہے اور یہیں مدفون بھی ہیں۔ لیکن اشاعت دین کی لگن میں اپنے وطن سے کئی ہزار کلومیٹر دور برہمن باریہ کے علاقے میں اپنی پوری توانائی صرف کر دی اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو نبی پاک ﷺ کی خواب میں ایک مرتبہ زیارت نصیب ہوئی جس میں نبی ﷺ نے ”برہمن باریہ“ میں قادیانی فتنہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے وہاں کام کرنے اور مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانے کی طرف توجہ دلائی تو اس غیبی بشارت پر جگہ کا نام معلوم کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور مرزائیوں کے رد و تعاقب میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو آج بھی جامعہ یونیورسٹی کے نام سے جاری ہے اور علاقے کا مرکزی ادارہ ہے۔ برہمن باریہ میں مسلمانوں کی غفلت اور خاموشی کا فائدہ اٹھا کر مرزائیوں نے پورے علاقہ کو ارتداد کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مولانا محمد یونس بکھروی کی محنتوں نے اس علاقے کو فتنہ قادیانیت سے پاک کیا۔ باری تعالیٰ تحفظ ختم نبوت کے اس موفق الخیر سپاہی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین!

نعت النبی ﷺ کے میدان میں

حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب کو باری تعالیٰ نے جن خوبیوں سے نوازا تھا ان میں سے ایک صفت، باذوق نعت گوئی بھی ہے جو شرعی دائرے میں رہتے ہوئے افراط و تفریط سے پاک نبی ﷺ کے شان اقدس میں ہے۔ آپ اپنا مختلص ”عارف“ رکھتے تھے۔ حضرت مولانا کو جس طرح بیان سیرت اور دیگر علوم و فنون میں ید طولیٰ حاصل تھا اسی طرح آپ کی شاعری میں بھی پڑھنے والوں کو تمام تر شعری کیفیات و تاثرات ملیں گے۔ آپ کی تحریر کردہ نعتوں میں درست عقائد کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ، آپ ﷺ کا پیغام صلح و امن، اخوت و مساوات، بلند حوصلگی، کسرتفسی، فراخ دلی اور علی ظرنی وغیرہ خوبیوں کا بھی ثبوت ملے گا اور نبی پاک ﷺ سے حقیقی عشق

محبت کے جلوے بھی نظر آئیں گے۔ انداز بیان کا والہانہ پن، متزن، بحر میں ملیں گی۔ حضرت مولانا کا نعتیہ مجموعہ ”صدائے عارف“ کے نام سے آپ کی حیات مبارکہ میں ہی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا تھا، جس کے مرتب آپ کے سفر و حضر کے رفیق جناب ساجد صاحب لکھنوی ہیں۔ بطور مثال حضرت کا ایک نعتیہ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

### مرضی مصطفیٰ ﷺ

جو زوال سے نہیں آشنا وہ انہی کا بدر تمام ہے  
وہ نبی حق پر درود ہے وہ حبیب حق پہ سلام ہے  
بجز ان کی مرضی پاک کے نہ قعود ہے نہ قیام ہے  
جسے وحی حق کہے خود خدا وہ انہی کا پاک کلام ہے  
وہ نبی حق وہ رسول ہے وہی انبیاء کا امام ہے  
جو نظر پھرے تو یہ فصل گل بھی خزاں کا ایک پیام ہے  
جہاں وہم بھی نہ پہنچ سکے وہ بلند ان کا مقام ہے  
اسے لاؤ دامن عفو میں وہ ازل سے میرا غلام ہے  
(صدائے عارف ص ۸، مطبوعہ مکتبہ دین و ادب کچا احاطہ لکھنؤ)

جسے رفعتیں بھی نہ پائیں وہ نبی کی رفعت تام ہے  
جو ہے رمز راز حیات کا جو ہے نغمہ ساز حیات کا  
ہے قیام حکم وہ دیں اگر ہے قعود ان کی جو ہو رضا  
بخدا ہے مرضی مصطفیٰ جسے حق کہے ہے مری رضا  
وہ حبیب خالق دو جہاں وہی کنہ محفل کن نکال  
جو نگاہ لطف کرم اٹھے تو خزاں بھی موسم گل بنے  
بخدا خدا تو نہیں ہیں وہ مگر اتنے حق سے قریب ہیں  
کہیں حشر میں شہ انبیاء کہ کدھر ہے عارف روسیاء

### وفات و تدفین

علمی قلمی اور زبانی خدا داد صلاحیتوں کے ذریعہ عمر بھر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہوئے بالآخر تحفظ ختم نبوت کے بے باک و بے لوث مجاہد ۶ فروری ۱۹۸۰ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ لیجئے! ہم بھی پڑھیں اور آپ بھی پڑھئے: ”انا لله وانا الیہ راجعون“ بوقت انتقال تین لڑکے اور دو لڑکیاں پسماندگان میں چھوڑیں۔ آج بھی الحمد للہ! آپ کے احفاد میں دین حق سے وابستگی اور علم دین سے تعلق باقی ہے۔ زہد و اتقاء کے ساتھ آپ نے بڑی خوشگوار زندگی پائی۔ اخیر عمر میں چند ماہ علیل رہے۔ اس دوران بھی علماء اور اہل علم کا ایک بڑا طبقہ ملاقاتیوں میں آپ سے رجوع کرتا رہتا تھا۔ ابھی چار سال قبل جب حضرت کے دولت کدے پر راقم سطور کو حاضری کا موقع ملا تو اسی مکان میں جس میں حضرت قیام پذیر رہے۔ اہل خاندان سے داد و محترم کی خدمات دینی کے بہت سے واقعات سننے کو ملے۔ آپ اقرباء میں سے مولانا رعایت علی صاحب شاہ جہانپوری فاضل دارالعلوم دیوبند تقسیم ہند کے موقع پر پاکستان منتقل ہو گئے اور غالباً دارالعلوم کراچی میں وہ کامیاب استاذ رہے۔ جب کہ دو حقیقی بھائی مولانا شریف احمد قاسمی، جناب نیاز احمد صاحب اور تین بہنیں ہندوستان میں ہی شاد و آبا رہے۔ انتقال کے بعد بہت سے مشہور زمانہ سیاسی اور غیر سیاسی، علمی و دینی شخصیات نے جنازہ میں شرکت کی۔ مکان کے سامنے ہی واقع قبرستان ”جنگلہ“ میں ۷ فروری ۱۹۸۰ء کی عصر و مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔ بہت سے ماہناموں اور روزناموں میں تعزیتی مضامین و بیانات شائع ہوئے۔ ان میں سے اکابر علمائے دیوبند کی لگائی ہوئی صحافتی پودا اور مستند و معتبر روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں اسی طرح کی ایک مطبوعہ خبر درج کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

آفتاب علم و عمل ہو گیا۔ مولانا ابوالوفاء رحلت فرما گئے

## صدر محترم اور ناظم عمومی جمعیت علماء ہند کا اظہار تعزیت، ایصال ثواب

نئی دہلی: ۸ فروری ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں میں یہ خبر انتہائی حزن و الم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ایک اور آفتاب علم و عمل غروب ہو گیا۔ یہ اندوہناک سانحہ ہے کہ طوطی ہند حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب ایک طویل عرصہ سے صاحب فراش تھے۔ بالآخر ۶ فروری ۱۹۸۰ء کو صبح نونج کر ۴۵ منٹ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۷ فروری کو شاہجہانپور میں جسے آپ نے ایک عرصہ ہوا اپنا وطن بنا لیا تھا۔ تدفین عمل میں آئی۔ حضرت مولانا لہر پور ضلع بیتا پور میں پیدا ہوئے تھے۔ کئی برس مدرسہ قیومیہ میں استاد رہے۔ جمعیت علماء ہند کے کئی سال تک نائب صدر رہے۔ اخیر تک مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ آپ نے تحریک خلافت اور جمعیت علماء ہند کی دیگر تحریکات میں جن میں مداح صاحبہ شامل ہے حصہ لیا۔ آپ مجلس احرار سے بھی وابستہ رہے۔ آپ خطیب بے بدل تھے۔ سیرت مقدسہ پر اس زمانہ میں آپ سے بہتر تقریر کرنے والا کوئی اور نہیں تھا۔ تقریر میں اشعار بے ساختہ استعمال کرتے تھے۔ آپ کے انتقال سے علمی، دینی اور ملی صفوں میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اسے مدتوں بہت شدت سے محسوس کیا جائے گا اور اس کو پورا کرنا مشکل ہوگا۔

جمعیت علماء ہند کے حلقوں میں حضرت مولانا کے انتقال پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور ادارہ الجمعیت بھی دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے۔

(روزنامہ الجمعیت جلد ۲۵، شمارہ نمبر ۳۸، مؤرخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ، ۹ فروری ۱۹۸۰ء، محفوظات مرکز التراث الاسلامی دیوبند اخبار نمبر ۱۹۸۰ء-۱۷)

انہر میں ممنون ہوں اپنے کرم فرما محمود مکرم حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ کا کہ حضرت نے تحفظ ختم نبوت کے ایک فقید المثال مجاہد پر کچھ لکھنے کی تحریک فرمائی اور مضمون مکمل ہونے تک برابر حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ نیز اسم بامسمیٰ جناب حافظ ابرار احمد صاحب حیدرآبادی مدظلہ رکن مجلس تحفظ ختم نبوت دہلی (مقیم حال ابوظہبی) جناب مولانا اکرام اللہ صاحب قاسمی ابن حضرت مفتی کفایت اللہ ثانی و مولانا محمد عثمان صاحب شاہجہانپوری، جناب الحاج ریاض احمد صاحب منصور، مولانا کامران احمد قاسمی ابن الحاج محمد عرفان صاحب قصبہ محمدی لکھنؤ پورا اور مرکز التراث اسلامی دیوبند کے کارکنان جناب محمد احمد صاحب، مولانا شہباز اختر کا بھی کہ ان حضرات نے ہندوستان میں لاک ڈاؤن سخت ہونے کے باوجود اس مضمون کا مواد فراہم کرنے میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔ فجزاہم اللہ خیراً و صلی اللہ علیٰ خاتم النبیین والمرسلین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین!

(مولانا) شاہ عالم گورکھپوری

استاذ و نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

۱۴ رمضان المبارک یوم جمعہ ۱۴۴۱ھ، مطابق ۸ مئی ۲۰۲۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ایمان و اسلام

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى وافضل الصلوة واكملها على حبيبه سيدالورى  
وعلى اله واصحابه مصابيح الدجى! اما بعد!

تمہید

الحمد لله کہ مختار مدعا علیہ (جلال الدین شمس قادیانی) باوجود اتنی لا طائل بحث تو درکنار اس کے قریب بھی نہ پہنچا۔ اس نے عاجز آ کر جواب میں دیدہ دانستہ محض لا جواب ہونے کی وجہ سے وہ پوائنٹ ہی بچا لیا۔ جن پر بحث مئی تھی۔ باوجود اس کے میں بحول اللہ وقوتہ کے دعویٰ کے ساتھ علی الوجہ البصیرۃ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس طولانی بے معنی بحث کو اس کی خاطر کوئی نیک طینت اور رحم دل انسان اعلیٰ پایہ کی خدا نخواستہ بحث ہی مان لے پھر بھی مرزا صاحب اور مرزائیوں کا کفر و ارتداد اس قدر اٹل ہے کہ وہ بدستور قائم رہتا ہے اور کوئی بھی عنوان تک بدلنا نہیں پڑتا، کیونکہ ہماری بحث کا جہم اللہ کوئی بھی ہیڈنگ ایسا نہیں جس میں ایک دو تین بلکہ متعدد حوالے ایسے لا جواب نہ رہے ہوں، جن کا جواب تو کجا ذکر و اشارہ تک دیدہ دانستہ ترک کر کے مختار مدعا علیہ اپنے عجز اور ان کی لا جوابی کا اقرار نہ کر چکا ہو (اور چونکہ شہادت کی طرح بحث بھی جماعت (قادیانی) کی مرتبہ ہے۔ لہذا تمام جماعت کے نزدیک) پس مرزا صاحب اور مرزائیوں کا کفر و ارتداد لا جواب و اٹل ہے بجائے کسی جواب کے اگر میں ان لا جواب حوالوں کو جمع کروں تو بھی میری بحث ان شاء اللہ تعالیٰ بدستور اٹل و لا جواب رہے گی (مثلاً بحث کے ہیڈنگ لا الہ الا اللہ کا پہلا نمبر الوہیۃ..... الخ!) جس کا کوئی ہیڈنگ بھی ان شاء اللہ بدلنا نہیں پڑے گا اور میری بحث کو لا جواب ہونا ہی تھا۔ کیونکہ آقائے کائنات محمد رسول اللہ ﷺ سے کتنے والوں، ان کے مقدس ناموس پر حملہ کرنے والوں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے باغیوں کو کوئی تاویل، کوئی آڑ، کائنات عالم کا کوئی ذرہ پناہ نہیں دے سکتا:

کچھ اس طرح سے کیا میں نے شکوہ والحاح  
نگاہیں جھک گئیں ان سے نہ کچھ جواب بنا  
میں ان شاء اللہ العزیز! درمیان میں ان لا جواب باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آخر میں ان کی ایک مکمل لسٹ دوں گا، جو مرزا صاحب اور مرزائیوں کے کفر و ارتداد کی ان شاء اللہ تعالیٰ تاقیامت باقی رہنے والی دستاویز ہوگی۔

## اصل جواب الجواب

اس اجمالی تمہید کے بعد کسی مفصل جواب کی حاجت نہ تھی۔ مگر صرف دنیا پر اس جماعت کا دجل و فریب آشکارا کرنے کے واسطے کچھ اختصار سے عرض کرتا ہوں۔

## مختار مدعا علیہ کے افتتاحی کلمات

”مبادی بحث بعد میں ہوں گے آج میں اس سوال کو لیتا ہوں کہ مختار مدعیہ نے عقائد مدعا علیہ پر اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ مدعا علیہ نے جواب دعویٰ میں صاف طور پر بیان کر دیا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔“

یہ فرمانا کہ مبادی بعد میں آئیں گے، عجیب الٹی منطق ہے کون نہیں جانتا کہ مبادی مقاصد کے بعد نہیں آتے۔ ہاں! قادیان کی الٹی گنگا کا ہمیں علم نہیں۔ باقی مدعا علیہ کا اقرار اسلام درست مگر ساتھ ہی مدعا علیہ کو اپنی مرزائیت (احمدیت) اور مرزا کی نبوت اور وحی کا بھی تو



اقرار ہے۔ گویا وہ تمام کفریات جو خاصہ مرزائیت و احمدیت ہیں اور جن سے مرزا صاحب کی کتب بھری ہیں مدعا علیہ کے ایمانیات کا جزو اعظم ہیں:

زہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال یا برہمن کی طرف ہو یا مسلمان کی طرف  
مرزائیت سے توبہ کر ڈالنے پر محمد رسول اللہ ﷺ کا آغوش اس کے لئے کھلا ہے اور ہم غلاموں کی آنکھیں بھی اس کے لئے فرش  
راہ ہیں۔

## جواب بحث

اپنا اور مرزا صاحب کا ایمان و اسلام ثابت کرنے کے واسطے جس قدر آیات و احادیث و اقوال فقہاء و متکلمین و عبارات مرزا صاحب پیش کی ہیں۔ یہ وہی شہادت کا گزرا ہوا مجروح سبق (بے حیائی سے) مکرر دہرایا گیا ہے جس کا دندان شکن جواب ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی بحث میں مکمل دیا چکا جس کے لا جواب ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ مختار مدعا علیہ باوجود دعویٰ ہمہ دانی اور اس اذعاء کے کہ اس کے پاس مختار مدعیہ کی بحث لفظ بلفظ لکھی ہے۔ مخصوص بنیادی پوائنٹ میں سے ایک حرف کجا اشارہ تک نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو عدالت کے واسطے اس کے مکرر نمبر ۴ کا بالاختصار اعادہ کرتا ہوں۔

۱..... ہم بھی مانتے ہیں کہ مرزا صاحب کے اسلامی عقائد بھی تھے۔ ورنہ ماورزاد کا فر کہا جاتا مرنہ کا حکم نہ لگتا۔

۲..... ان آیات: ”امن الرسول (البقرة: ۲۸۵)“ وغیرہ اور احادیث: ”بنی الاسلام“ وغیرہ نیز کتب فقہ و عقائد میں جس قدر ایمان کے ارکان مذکور ہیں یہ ضروری تو ہیں، مگر ایمان کے واسطے کافی نہیں۔ ان کے باوجود بھی انسان سجدہ صنم، تحلیل خمر (نیز دیگر کفریات) یا بقول مرزائیاں مرزا صاحب کے انکار یا ان کی بیعت میں داخل نہ ہونے سے کافر ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو (جرح گواہ نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴،

اپنی بیویوں کو امہات المؤمنین کے القاب استعمال کر کے منہ چڑھانا، کون سا وہ کفر ہے جو مرزا صاحب یا مرزائیوں نے ترک کر دیا ہے: تم گریباں میں منہ ڈال کے خود ہی سوچو ہم اگر کچھ بھی کہیں گے تو شکایت ہو گی شیطان لعین ایک کفریہ اور ایک نبی کی توہین کر کے ہمیشہ کے لئے مردود بارگاہ ہو جائے اور یہ بزرگ سب کچھ کریں اور پھر مقرب کے مقرب:

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چه بوالعجبی است

۴..... یہ تمام امور ایمانیہ حقیقتاً اور معتاداً بدرجہ اتم مدعیہ اور اس کے ہم عقیدہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں موجود ہیں، پھر بھی مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے خواہ بچاروں نے ان کا نام تک نہ سنا ہو۔ کافر دائرہ اسلام سے خارج بلکہ کچے کافر ہیں۔ یہ تمام امور ایمانیہ باوجود کوئی کفر نہ ہونے کے صرف مرزا کی بیعت میں داخل ہونے سے کافر ہونے سے نہ بچا سکیں اور مرزائی سینکڑوں کفریات کے باوجود انہی امور سے کچے مسلمان رہیں کچھ تو شرم چاہئے:

حیا و شرم جو ملتی کہیں زمانہ میں تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہربان کے لئے

مختار مدعیہ کے جواب کی آڑ میں مختار مدعا علیہ کی مغالطہ دہی کی ناکام کوشش

مختار مدعیہ کے ہڈنگ کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مختار مدعیہ کا یہ مغالطہ ہے کہ یہ پیش کردہ کتب دعویٰ نبوت سے پہلے کی ہیں۔ ملخصاً۔ یہ محض مختار مدعا علیہ کا بوجہ جواب نہ بن سکنے کے مغالطہ ہے۔ کیونکہ میری بحث میں یہ نہیں کہ ۱۹۰۱ء کے بعد اسلامی عقائد کا نام ہی نہ لیا، بلکہ یہ ہے کہ پھر یہ لہجے لہجے زور دار دعویٰ ذرا اس کے بعد پھیلے پڑ گئے اور یہ بلند آہنگی باقی نہ رہی بلکہ آخر تک مرزا صاحب مغالطہ آمیز عبارتیں بولتے رہے اور بعد نبی کریم ﷺ کے مدعیان نبوت کا ذب کی خاصیت لازماً یہی ہے کہ وہ دجل سے کام لیں۔ جیسا کہ ہمارے آقا ﷺ کا ارشاد ہے اور مرزا صاحب نے خود دجال کی یہی تعریف کی ہے کہ وہ غلط ملط کرے ملاحظہ ہو (تبلغ رسالت ج ۳ ص ۲۰۰، مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۳۱) ”دجال کے لئے ضروری ہے کہ نبی برحق کا تابع ہو کر پھر ج کے ساتھ باطل ملاوے..... اگر حق محض پر زیادت کی جائے تو اس زیادت کا نام عربی زبان میں دجل ہے اور اس کے مرتکب کا نام دجال ہے اور چونکہ آئندہ کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ اس لئے پہلے نبی کے تابع جب دجل کا کام کریں گے تو وہی دجال کہلائیں گے۔“

میری بحث کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

۱..... ”یہ تمام بڑھ چڑھ کے اذعاء اسلام اس وقت تھا۔ جب اذعاء نبوت کا سودا داغ میں نہ تھا اور ہر قسم کے مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے تھے اور کسی قسم کے نبی کا آنا خاتم النبیین کے منافی اور ”لابسی بعدی“ میں تخصیص و تاویل شرارت قرار دیتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کا نبی ہو کر آنا مجازی بتاتے تھے۔“ ملاحظہ ہو (ایام الصلح ص ۱۲۶، خزائن ج ۱۴ ص ۳۹۳، حقیقت النبوۃ ص ۸۹، انوار العلوم ج ۲ ص ۲۲۳، سراج منیر ص ۳، خزائن ج ۱۳ ص ۵، حمامۃ البشری ص ۲۰، خزائن ج ۷ ص ۲۰۰) اس کے بعد یہ بلند آہنگی نہ رہی۔ باقی ۲۴ اگست ۱۹۳۲ء کی جرح سے گواہ مدعیہ نمبر ۲ کا ایک فقرہ لیتا کہ: ”ازالہ اوہام کی تالیف تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔“ یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ اس کے بعد بس کفر ہی کفر فرماتے رہے اور یوں ازالہ اوہام جو ۱۸۹۱ء کا ہے۔ اس کے بعد اسلام کا دعویٰ پیش کیا ہے۔ محض بے سود حیلہ ہے۔ اس کے بعد بھی اسلامی نمائش فرماتے رہے ہیں۔ ۱۹۰۱ء کے بعد کے صرف۔

۲..... حوالہ کشتی نوح اور مواہب الرحمن ہیں جس میں الفاظ تو خوش آئند ہیں۔ مگر معانی بدل بدل کر الحاد اور بے دینی کی بنیادیں ڈال

رہے ہیں اور اس سے بھی ان کا کفر و ارتداد ہی ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: اصل بحث ۸، ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء جہاں اس کا مفصل جواب ہے۔ مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ: ”ہمارا استدلال جب غلط ہوتا کہ ۱۹۰۱ء کے بعد ان کی تردید مختار مدعیہ دکھاتا اور وہ نہ کر سکا۔“ ماشاء اللہ جناب دیدہ و دانستہ چشم پوشی فرما کر تجاہل عارفانہ اختیار کریں اس کا کیا علاج۔ میں نے لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ (ﷺ) کی ہیڈنگ نیز دوسرے کفریات کے حوالے مثلاً (یکچر یا کلوث ۱۹۰۳ء، براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۹۰۵ء، حقیقت الوحی ۱۹۰۷ء، البدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء) تک کے حوالے پیش کئے ہیں جو نہ صرف ۱۹۰۱ء کے بعد کے ہیں۔ بلکہ انتقال سے دو ماہ قبل تک کے ہیں۔ نیز خلیفہ محمود صاحب کے کفریات کے حوالے بھی درج ہیں، مگر آپ دیدہ دانستہ جواب نہ بن سکنے کی وجہ سے ٹال ہی جائیں اس کا کیا علاج۔ مختار مدعا علیہ نے حقیقت الوحی اور چشمہ معرفت سے دو تین حوالہ اسلامی عقائد کے پڑھ دیئے ہیں اور سمجھ گئے کہ دنیا اس سے مغالطہ کھا جائے گی۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مومن کی فراست غضب کی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کفریہ عقائد بھی انہیں کتابوں کے ملاحظہ فرماویں جو میں نے بحث ابتدائی حصوں میں دیئے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حق ملتبس کرنے کی ایک شکل ہے اور یہ وہی فرض ادعاء اسلامی کا شہد ہے جس میں کفر و ارتداد لازماً ہر ملا کے مسلمانوں کا ایمان غارت کیا جاتا ہے۔ جواب تو یہ تھا کہ ۱۹۰۱ء کے بعد قبل جیسے بلند آہنگی کے اسلامی دعویٰ پیش کرتے ہوئے ان کفریات کی تردید کھلے ہوئے غیر مشتبہ لفظوں میں بعد کی کتب سے پیش کرتے مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کے باغیوں اور کفر و اسلام دونوں کشتیوں پر سوار ہونے والوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی کوئی اور پناہ کیونکر ملے۔ قرآن پاک پڑھے: ”ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفراً لم یکن اللہ لیغفر لهم ولا لیہدیہم سبیلاً (النساء: ۱۳۷)“ ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر کفر میں اضافہ ہی کرتے رہے۔ اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا اور نہ انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔

باقی مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”حقیقت الوحی سے جو کمال نادانی سے مختار مدعیہ نے حوالے خلاف توحید سمجھ کر پیش کئے ہیں۔ اکثر ان میں سے براہین احمدیہ میں موجود ہیں۔ جب کہ گواہان مدعیہ و مختاران مدعیہ کے نزدیک مرزا صاحب مسلمان تھے۔“ کچھ الٹا سیدھا ہی جواب دے کر نادان فرماتے تو اچھا تھا۔ اب جواب سے عاجز آ کر منہ چڑھانے کو خول پر اترا آئے اور سچ ہے جب جواب کسی سے نہیں بنتا تو ایسی ہی باتیں کیا کرتا ہے۔ اللہ انہیں ہدایت دے اور سلیقہ کی گفتگو کی توفیق۔ یقیناً ایک دو قرآن پاک کی آیات براہین احمدیہ میں بھی ہیں۔ مگر وہاں یہ پتہ نہیں دیا کہ یہ قرآن کی آیات نہیں، بلکہ میرے الہامات ہیں اور ان سے سرکار دو عالم (ﷺ) مراد نہیں، بلکہ میں مراد ہوں، مسلمان بچارے یہ سمجھتے رہے کہ یہ قرآنی آیات آریوں اور عیسائیوں کو جواب دینے کے لئے منتخب کی گئی ہیں، جن پر جب بعد کو دلائل مبنی ہوں گے اور یہی انہیں باور کرا کے ہزاروں کا ان سے چندہ وصول کر لیا۔ بعد میں بھی اربعین اور حقیقت الوحی ۱۹۰۷ء وغیرہ میں آ کر جب نبوت سے پردہ اٹھا۔ مرزا صاحب کے الہام بن گئے اور پہلے تو مصداق باری تعالیٰ حضور (ﷺ) اور بعض صحابہ کبار تھے اور اب وہ سب آیات صرف مرزا صاحب کے واسطے بن گئیں اور ہونا بھی تھا۔ کیونکہ حضور (ﷺ) کے بعد اگر دعویٰ نبوت دجل نہ کرے تو ہمارے آقا (ﷺ) کی پیش گوئی پر حرف آجائے، جن کی شان گرامی میں ابو جہل و ابولہب جیسا دشمن بھی ”ماجو بناعلیک کذباً“ کے مستانہ قصائد پڑھ رہے ہیں۔

البدر اور اخبار عام کے مغالطہ کا جواب

قول مختار مدعا علیہ۔

”اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کی طرف سے بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا جس میں دعویٰ نبوت کا ذکر ہے۔ لیکن مدعا علیہ کی طرف سے اس کے بعد کوئی تحریر پیش نہیں کی گئی، صریح جھوٹ ہے، کیونکہ مدعا علیہ کی طرف سے اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے اور وہ ایک خط ہے جو آپ نے ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنی وفات سے تین روز قبل ایڈیٹر اخبار عام کے نام تحریر فرمایا..... الخ!“

جھوٹ کہنا تو آسان ہے مگر سچ صادق و صدوق نبی ﷺ کے غلاموں کی طرف نسبت کر کے ثابت کرنا دشوار ہے۔ مختار مدعیہ کا دعویٰ تو اس وقت جھوٹا ہو سکتا تھا کہ اس نے اخبار بدر ۵ء ۱۹۰۸ء مارچ سے جو یہ حوالہ پیش کیا کہ: ”ہم خدا کے حکم سے نبی اور رسول ہیں۔“ (ملفوظات ج ۱۰ ص ۱۲۷)

مختار مدعا علیہ اخبار عام سے اس سے رجوع اور انکار ثابت کر دیتے کہ میں اب دعویٰ نبوت و رسالت سے باز آتا ہوں۔ میری غلطی یا داغی خلل کا نتیجہ دعویٰ نبوت تھا۔ پھر ہم بھی مرزا صاحب کو اسلامی لفظوں سے یاد کرتے۔ آج مختار مدعا علیہ یا ان کے ہم عقیدہ اس کفریہ عقیدہ سے تائب ہو جائیں۔ پھر تو مسلمانوں اور حضور ﷺ کے غلام اپنی آنکھیں فرس راہ کرتے نظر آئیں گے۔ مختار مدعا علیہ نے یا غور نہ فرمایا۔ دیدہ دانستہ مسلمانوں کو سیدھا سادہ سمجھ کر اخبار عام کا خط نقل کر دیا کہ شائع ہونے پر عوام بھڑکیں گے نہیں صرف ہیڈنگ سے مغالطہ کھا جائیں گے۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ یہ ایک خط عدالت عالیہ میں پیش کر رہا ہے، جہاں وہ ہر طرح پرکھا جائے گا۔ اس خط میں دعویٰ نبوت سے دست برداری یا اس پر توبہ و ندامت تو درکنار اسی عظیم الشان کفریہ کا..... بار بار نہ صرف اقرار ہے بلکہ اسی پر اس وقت تک باقی رہنے کو فرمایا جاتا ہے جب تک دنیا سے گزریں۔ اس خط کے فقرات ذیل ملاحظہ ہوں۔

”میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔“

”اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔“

”سو جس خدا کے حکم کے مطابق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو گنہگار ہو گیا۔“

”اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے، تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔“

”میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک کہ دنیا سے گزر جاؤں۔“

”میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں۔“

”مرزا صاحب نے آخر وقت بھی ہماری ہی تائید کی نہ مختار مدعا علیہ کی، اسے نہ پیش فرماتے تو شاید اچھا ہوتا:

صدائق چھپ نہیں سکتی ہے آخر کھل ہی جاتی ہے زلیخا نے کیا پاک دامن ماہ کنعاں کا یہ کہنا کہ میں ایک ایسا نبی ہوں، ویسا نہیں، بے سود ہے۔ کیونکہ قرآن و احادیث و کتب عقائد کے دلائل قاطعہ سے ثابت ہو چکا کہ ہر قسم کا دعویٰ نبوت غلطی ہو یا بروزی مستقل ہو یا تابع شریعت ہو یا نہ حضور ﷺ کے بعد اعظم ترین کفریات سے ہے۔ علاوہ بریں کہ مرزا صاحب کا یہ فرمانا کہ میری نبوت کا معنی کثرت مکالمہ وغیرہ ہیں۔ یہ بھی وہی مغالطہ ہی ہے۔ جب کہ خود ہی فرما چکے ہیں کہ سوا صاحب شریعت نبی کے اور کسی ملہم وغیرہ کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا نہ صاحب شریعت نبی کے شریعت کے علاوہ کسی کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے منکرین کو محض انکار کی بناء پر کھلے بندھن کا فر بھی بنا گئے۔ گویا کہ اپنے ہی اقرار سے مرزا صاحب شرعی بنی بن گئے:

مدعی لاکھ پر بھاری ہے شہادت تیری

(ابوالوفاء)

یہ بار بار کہنا کہ میں قرآن کے خلاف نہیں، اسلام کے خلاف نہیں، میری گردن اسی جوئے کے نیچے ہے۔ باوجودیکہ وہ جواء کب کا اتار پھینکا تمام دین کو بردار کر دیا۔ اللہ و رسول ﷺ سے علم بغاوت بلند کر چکے۔ نہ صرف لغو بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ اس ہیڈنگ کے لاجواب پوائنٹ۔

ابتداء حصہ کے تینوں نمبر جس کا ہیڈنگ تفریق اسلام مدعیہ و مدعا علیہ جس میں تفصیل سے یہ بتایا گیا کہ مدعیہ یقیناً مسلمان ہے اور مدعا علیہ کے کفر میں شک نہیں۔ ملاحظہ ہوں الفاظ نوٹس بحث مختار مدعیہ۔

## اسلام کا سنگ بنیاد

لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر مرزائیوں کا ایمان نہیں لا الہ الا اللہ اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے جس تحییر کا اظہار کیا ہے اور ان عیوب پر جن لغو طرق سے پردہ ڈالنے کی لغو کوشش کی ہے، اس کو بے نقاب کرنے سے قبل یہ عرض کروں کہ میرا یہ دعویٰ کہ مرزا صاحب اور کسی مرزائی کا جب تک وہ مرزا صاحب کو مسلمان سمجھے نہ لا الہ الا اللہ اصل اصول ایمان پر ایمان ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ بدستور اٹل قائم ہے۔ شائع ہونے پر کوئی ان سے حسن ظن رکھنے والا آنکھیں بند کر کے ان کی ساری مغالطہ آمیز رکیک تاویلات خدا نخواستہ عقل و دانش کا خون کرتے ہوئے صحیح و درست بھی تسلیم کرے، پھر بھی تمام بنیادی حوالے جن پر اس دعویٰ کا مدار ہے، ایسے لاجواب ہیں کہ ان کا جواب بھی مختار مدعا علیہ نے دیدہ دانستہ نام تک نہ لیا۔ اس ہیڈنگ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ عدالت عالیہ کی نظر عالی میں پوشیدہ نہیں۔

(۱)

## تاویلات رکیکہ کی حقیقت

(آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴، خزائن ج ۵ ص ۵۶۴)

رایتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت اننی ہو

- تمام نمبر چھوڑ کر لا الہ الا اللہ کے ہیڈنگ کے تحت کے بارہویں نمبر کا جو کفر یہ بعنوان اذاعہ عینیت باری تعالیٰ عقیدہ نقل کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اس کے واسطے ایک طول طویل عبارت سپرد قلم فرمائی ہے جس کا خلاصہ سات امور ہیں۔
- ۱..... مرزا صاحب نے اس سے یہ کبھی نہیں سمجھا کہ آپ خدا بن گئے؟
  - ۲..... نہ کبھی آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا۔
  - ۳..... ان کا عقیدہ نہیں بلکہ روایا ہے۔
  - ۴..... اس میں ہے کہ خواب ہی میں، میں نے یقین کیا کہ خدا ہوں۔
  - ۵..... اس سے خدا کا اظہار مقصود نہیں، بلکہ کشف کا اظہار ہے۔
  - ۶..... جو خواب میں دیکھا جائے اسے حقیقت پر محمول کرنا ضروری نہیں۔
  - ۷..... تقریباً آٹھ حوالے قطع و برید کر کے احادیث و صوفیاء کرام کے بے محل اور بے جوڑ بطور نظیر نقل کئے ہیں۔

نمبر وار مفصل جواب عرض ہے

جواب:

- ۱..... ”مرزا صاحب نے اس سے یہ کبھی نہ سمجھا کہ آپ خدا بن گئے ہیں۔“ اور کیسے سمجھتے تیقنت اننی ہو خود فرما رہے ہیں کہ میں نے یقین کر لیا ہے کہ میں ہو، ہو خدا ہوں۔ (بطور جملہ معترضہ)

۲..... ”اور نہ کبھی آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا۔“

جواب آخر تک اسی ذہن میں رہے۔ مختار مدعالیہ کو تقلید میں نظر آئے تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ ”آئینہ کمالات“ جو فروری ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے اس کے بعد ”یکچر سیا لکھوٹ“ جو ۱۹۰۴ء (ص ۳۳، خزائن ج ۲۰ ص ۲۲۹) کا ہے۔ ہندوؤں کے لئے خدا کا اوتار بن رہے ہیں۔ اس آئینہ کمالات کے بعد کی (کتاب البریہ ص ۷۶، خزائن ج ۱۳ ص ۱۰۲) میں الہام موجود ہے..... خدا تیرے اندر اتر آیا۔ خطبہ الہامیہ میں بھی اپنی خدائی پر قائم (ص ۲۳، خزائن ج ۱۶ ص ۵۶) اور حقیقت الوحی کی تصنیف تک جو ۱۸۷۵ء ایک سال قبل وفات ہے مالک ”کن فیکون“ بنے بیٹھے ہیں۔ (ص ۷۵، خزائن ج ۲۲ ص ۷۸) تفصیل کے واسطے میری بحث جہاں کفریات کا شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو۔ جب ہی تو وہ (تاریخ القلوب ص ۸، خزائن ج ۱۵ ص ۴۹) پر نئے خدائی زمین نئے آسمان ماننے کی دعوت دے رہے ہیں وہ اسی کشف کی تفصیل ہے۔ کیونکہ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۵، خزائن ج ۵ ص ۵۶۵) میں خود خدا بن کر ایک جدید نظام نیا آسمان نئی زمین تیار کی ہے۔ پھر (تاریخ القلوب ۱۸۹۹ء ص ۸، خزائن ج ۱۵ ص ۴۹) پر فرماتے ہیں: ”نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا جب تک موسیٰ اور مسیح اور ابراہیم اور یعقوب اور محمد ﷺ کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں۔ نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو، یقین نیا ہو، نشان نئے ہوں۔“

اگر مرزا صاحب اور ان کے یہ زمین آسمان مراد نہ ہوں تو جدید نہ ہوں گے۔ ہمارا خدا قدیم وازلی زمین و آسمان پر ہے۔ اب تو مرزا صاحب کی خود شہادت ہے۔ اب تو انکار نہ ہوگا۔

جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے کیا لطف جو غیر پردہ کھولے  
۳..... ”ان کا عقیدہ نہیں بلکہ روایا ہے۔“

جواب یہ مختار مدعالیہ کا اختراع ہے وہ خود تو ترجمہ روایا نہیں فرماتے، بلکہ فرماتے ہیں: ”اور میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا۔“

نیز لفظ: ”نیقنت انسی ہو“ کہ میں نے یقین کر لیا کہ میں خدا ہی ہوں..... سے کھلے لفظوں میں اپنی رائے اور عقیدہ کا اظہار کر دیا ہے۔ پھر اور عقیدہ کس چیز کا نام ہے۔ نیز اپنے کشف اور الہامات کے متعلق جن کا نام وحی رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے ان پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ قرآن پاک اور تورات و انجیل پر..... الخ!

۴..... ”اس میں ہے کہ خواب ہی میں نے یقین کیا کہ خدا ہوں۔“

جواب محض غلط ہے کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ ہو کہ خواب ہی میں نے یقین کیا ایسا ہوتا تو لفظ فیہ کا اضافہ کرتے۔  
۵..... ”اس سے خدائی کا اظہار مقصود نہیں بلکہ کشف کا اظہار ہے۔“

جواب یہ شاید مختار مدعالیہ کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ تو فرما رہے ہیں کہ میں یقین کئے ہوئے ہوں کہ خود خدا ہوں ”نیقنت انسی ہو“ الفاظ کا زور اور ٹھاٹھ تو ملاحظہ فرمائیں۔

۶..... ”جو خواب میں دیکھا جائے اسے حقیقت پر محمول کیا جانا ضروری نہیں۔“

جواب مگر ممکن تو ہے اور جب وہ خود اسے حقیقت سمجھ رہے ہیں کہ میں نے یقین کر لیا ہے کہ خود خدا ہوں پھر کوئی کیا کرے۔ وہ تو خود اپنے ناطق فیصلہ سے تمام تاویلات کا بیزار غرق کر گئے۔ ہاں! اگر دوسرے کفریات اس کے مؤید نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ ہم بھی ان تاویلات کو بادل ناخواستہ منظور کرتے یا کوئی اور محمل تلاش کرتے مگر کفر آشکارا ہونے کے بعد تاویل کا امکان ہی نہ رہا۔

۷..... (نظارہ پیش کردہ کی اصل تصویر)

نوٹ: یہ تقریباً تمام وہ حوالے ہیں جو مسل پر نہیں آئے اور باوجود اکثر ثبوت طلب اور قابل جرح ہونے کے شہادت میں بچا کر خلاف قانون نظارہ کی آڑ لے کر پیش کئے گئے ہیں۔ حالانکہ نظیر وہ ہو سکتی ہے کہ فریقین نیز عدالت کو اس کا قابل اعتبار ہونا مسلم ہو۔ ہاں! اس کے منطبق و غیر منطبق ناطق و صامت ہونے میں کوئی کلام کیا جاسکے۔

آڑ جو بھی بنائی جائے دراصل یہ ایک جدید شہادت ہے۔ مگر جب کہ یہ ریکارڈ میں ہے (گو عدالت اس کی پابند نہیں نہ عدالت کے لائق التفات ایسی غیر ذمہ دار چیزیں ہو سکتی ہیں) تو اس کا جواب بھی تبرعاً پیش ہے۔

۱..... حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب میں گیارہ ستارے اور چاند سورج کو اپنا سجدہ کرتے دیکھنا..... الخ! نتیجہ یہ نکالا (تو کیا درحقیقت خدائی کا دعویٰ کر دیا) اور اس میں یہ مقدمہ لگا دیا کہ سورج و چاند صرف خدای کو سجدہ کرتے ہیں۔ "سبحان اللہ! اتنی دور خواب تک پہنچنے اور فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور فرشتے خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کر سکتے۔ لہذا (عیاذ باللہ) آپ کے نزدیک وہ خدا ہو جائیں گے۔

نیز بعد کے واقعہ کو کیوں نہ لیا کہ ان کے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ نے سجدہ کیا۔ یہ خواب اس واقعہ سے بالکل بے ربط و غیر متعلق ہے۔ نہ اس میں انہوں نے اپنے آپ کو خدا دیکھا، نہ خدائی کا یقین کیا، نہ زمین و آسمان تیار کئے، نہ آسمان دنیا پر ستارے چکائے۔ ہاں! چاند، سورج، ستاروں کو اپنے سامنے جھکتا اور اپنے آپ کو ان کا قبلہ ضرور دیکھا۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے یازدہ بھائیوں اور ہردو والدین نے اللہ کے حکم سے انہیں قبلہ بنا کر خدا کا سجدہ شکر ادا کیا۔ جیسے ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی وساطت سے اشیاء غیر معلومہ کا علم حاصل کر کے خدا کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ بنا کر خدا کا سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ملائکہ یا سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادہ عیاذ باللہ غیر اللہ کو سجدہ کر کے مشرک ہو گئے۔ حالانکہ یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام و شرک ہے۔ سجدہ صرف خالق کو ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن و احادیث میں مصرح ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کعبہ کو کوئی سجدہ کی وجہ سے مسجود سمجھے۔ حالانکہ کعبہ کی طرف خدا کو سجدہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر اور کسی کی طرف کیوں سجدہ نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ کی نامزدگی اپنی رائے پر نہیں بلکہ خدا کے انتخاب پر ہے۔ یہ مذکورہ بالا تفسیر اپنی رائے سے نہیں بلکہ اکابر دین صحابہ و تابعین و علماء راہنہین سے ماخوذ ہے۔

۲..... حضور ﷺ کے کنگن پہننے کا خواب آپ ﷺ نے اسے اسی وقت برا سمجھا اور پھوک کر اڑا دیا۔ ملاحظہ ہواصل حدیث:

بخلاف مرزا صاحب کے کہ اس پر ڈٹے رہے اور "تبیقت انسی ہو" سے اپنی خدائی کے یقین ہونے کا نقارہ بجاتے رہے۔ مختار مدعا علیہ اور مرزائیوں کے اپنے جذبات کے لحاظ سے بلکہ ہم غلامان سرور کائنات ﷺ کا لحاظ کرتے ہوئے شرم چاہئے تھا کہ مرزا صاحب کا مقابلہ اور ان کی مثال سید الاولین و الآخرین کو پیش جذبات کرے جن کی نظیر نہ مخلوقات عالم میں ہوئی نہ ہو سکے نہ قدرت نے ویسا بنایا نہ بنائے، خدا اپنی خدائی میں یکتا و بے مثل اور حضور ﷺ محبوب خدائی میں بے مثل و بے نظیر۔ کہاں مرزا صاحب اور کہاں محبوب رب العالمین ﷺ۔

چراغِ مردہ کجا نور آفتاب کجا بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا کجا  
(ابوالوفاء)

اس سے یقیناً مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے ہیں۔

۳..... حوالہ ارشاد رحمانی۔

- .....۱ جدید ثبوت طلب غیر مسلم حوالہ ہے۔
- .....۲ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے حالات زندگی بعد میں مرتب کی گئی۔
- .....۳ آپ کو معلوم نہیں ان کے میدوں سے پوچھئے کہ اس کتاب کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔
- .....۴ مولانا محمد علی صاحب کو دیوبندیوں کا مسلم مقتدا ہونا جو تحریر فرمایا اس کا کیا ثبوت، ابھی انہیں انتقال ہوئے کے دن ہوئے۔ وہ تو دیوبندی بھی نہیں۔ جرح میں بلا کسی گواہ یا فریق سے منوائے مسلم کر کے کسی کو عدالت میں پیش کرنا خلاف قانون ہے۔

### تبرعاً جواب

یہ استدلال صوفیاء کی اصطلاح سے ناواقفیت پر مبنی نہیں۔ صوفیاء کے وہاں جب لفظ مادر کا بولتے ہیں اس سے خاک مراد لیتے ہیں اور جب پدر کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے روح۔ کیونکہ خاک سفلی ہے اور روح علوی۔ جنت ہونے سے مراد اپنی آپ کو خاک میں مٹانا تاکہ پوشیدہ جو ہر نمودار ہو جائیں جس طرح فرمایا گیا ہے:

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ  
دانہ جب خاک میں ملے تو شگوفہ نکلے

یہ محل تفصیل نہیں ورنہ عرض کرتا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں کتب صوفیائے کرام و اصطلاحات التصوف التعرف وغیرہ۔ یہاں کے لائق مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ ارشاد رحمانی کے حوالے کا ایک فقرہ جو اسی جگہ وہ غلطی سے نقل کر لیا گیا۔ ورنہ عادت تو قطع و برید کی پیش کرتا ہوں۔

صوفیاء نے لکھا ہے کہ: تا از مادر خود جنت نشود و برادر خود نکند کامل نشود..... الخ!

اس قسم کی صوفیہ کے ہاں سینکڑوں اصطلاحات ہیں۔ مثلاً: درزی، خمر، یادھا، صنم، بکدہ، میخانہ، قتل حیس وغیرہ۔ باقی اس سے بھی مرزا صاحب کا جواب جس میں اپنی خدائی کا یقین کئے بیٹھے ہیں، حل نہ ہوا۔ یہ صوفیہ کی مثالیں آپ فضول لے رہے ہیں۔ مرزا صاحب تو اس کے ساتھ فرماتے ہیں: ”ہماری مراد اس واقعہ سے یہ نہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود کی کتب (یعنی تصوف) میں لی جاتی ہے..... الخ!“

(آئینہ کمالات ص ۵۵۶، خزائن ج ۵ ص ۵۵۶)

انہوں نے تصوف کی تمام مثالیں غیر متعلق قرار دیں اور آپ پیش فرما رہے ہیں: ”توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ“

.....۴ ”رأیت ربی فی صورت شاب امرد..... الخ!“

اس کو علامہ ابن جوزی جیسے جلیل القدر محدثین اور امام جرح و تعدیل موضوع یا ضعیف بتاتے ہیں۔ جس سے عقائد میں اسناد درست نہیں۔ باوجود اس کے یہ کبھی نہ دیکھا کہ خود خدا ہوں اور یہ کبھی نہ فرمایا کہ میں نے اپنے خدا ہونے کا یقین کر لیا۔ باقی پھر اس کا مطلب کیا ہے تو جہاں سے یہ حدیث نقل کی ہے، وہیں یواقیت والجوہر میں لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تمام غیر متعلق امور یہاں مفصل ذکر نہیں ہو سکتے۔

.....۵ حضرت اقدس عبد الکریم جیلی قدس سرہ العزیز کی انسان کامل کا حوالہ۔

چونکہ مقربان بارگاہ الہی بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے ناموس اور ان کی عظمت و جلال کے صحیح معنی میں محافظ ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ و رسول ﷺ کے باغیوں کو ان کے دامن میں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ اس حوالہ میں ترجمہ بھی غلط کیا۔ ترجمہ میں درمیان سے ایک سطر مغلطہ دینے کے واسطے حذف کر دی۔ پیچھے سے بھی قطع و برید کیا۔ پھر بھی یہ ان کی کرامت ہے کہ کچھ پلے نہ پڑا۔



آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ کشف مرزا صاحب کے اس کشف سے (یعنی کشف میں دیکھا کہ میں خدا ہوں اور یقین کر چکا ہوں کہ میں وہی خدا ہوں) جس پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے، بالکل ہی مطابق ہے۔ میں عدالت کی توجہ عالیہ خصوصیت سے اس کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ مرزا صاحب کا یہ کشف اور عبدالکریم جینی کی عبارت کا ترجمہ وہی سہی جو مختار مدعیہ نے پیش کیا ہے۔ مقابلہ فرمائیں اور پھر ”بالکل ہی مطابق ہے۔“ جیسے مغالطہ کی دادیں مرزا صاحب نے خدا ہونا دیکھا اور یقین بھی کر چکے۔ زمین و آسمان بھی خود بنائے اور ”ولقد زینا السماء الدنيا بمصابیح“ کا نعرہ مستانہ بھی لگایا۔ وغیرہ وغیرہ!

اور بخلاف اس کے یہاں اس بزرگ کا عجز و انکسار ملاحظہ ہو۔ خصوصی فقرات از ترجمہ مختار مدعیہ۔

.....۱ جب مجھ پر یہ تجلی ہوئی تو میں نے گھنٹی کی آواز سنی۔

.....۲ میں ایک بلند درخت میں لٹکے ہوئے چیتھڑے کی طرح ہو گیا۔

.....۳ میں ظاہر میں سوائے چمکوں اور گرجوں کے اور کوئی چیز نہ دیکھتا تھا۔

.....۴ اور بادل انوار برسا رہا تھا اور سمندر آگ میں موجیں مار رہا تھا۔

.....۵ اور آسمان وزمین ایک دوسرے میں داخل ہو کر مل گئے۔

.....۶ اور میں سخت اندھیروں میں ہو گیا۔

.....۷ یہاں تک کہ حضرت عزت و جلال کے خیمے مجھ پر لگائے گئے۔

اس جگہ درمیان سے ایک شعر کا ترجمہ جس سے پردہ فاش ہوتا تھا اڑا کے لکھا۔

.....۸ پس اس وقت اشیاء صاف ہوئیں اور بادل جو دھواں سا تھا صاف ہو گیا۔

.....۹ آواز دی گئی کہ اے آسمان زمین..... الخ!

ملاحظہ ہو: اس میں کسی جگہ خدا ہونا اور یقین کیا دیکھنا یا خدائی کا دعویٰ کیا یا خود زمین و آسمان پیدا کئے۔ یہاں تو اپنے آپ کو چیتھڑے کی طرح فرما رہے ہیں اور بجائے قول مرزا صاحب ”میں نے زمین و آسمان پیدا کئے۔“ یہ بیچارے فرما رہے ہیں: ”پس اس وقت اشیاء پیدا ہوئیں اور بادل جو دھواں سا تھا صاف ہو گیا۔“ آواز دی گئی اے آسمان اور زمین۔

اس جماعت کی خذلان کا راز یہی ہے کہ بزرگان دین اور پاکان خدا پر زبان درازی اور بہتان طرازی سے باز نہیں آتی:

چوں خدا خواهد کہ پردہ کس درد  
ملیش اندر طعنہ پا کاں کند

ترجمہ کی ایک فاش غلطی

اصل الفاظ: ”فلم تنزل القدرة تختع لی ماہو الاقوی فالاقوی وتخرق لی ماہوی لاہوی فالاہوی“

ترجمہ مرزائیاں: ”پس قدرت میرے لئے اقوی سے اقوی چیز بناتی اور محبوب سے محبوب چیزوں کو بیان کرتی۔“

صحیح ترجمہ: پس قدرت قوی سے قوی انوکھے معاملات مجھ سے کرتی گئی اور میری خاطر محبوب سے محبوب پردے اٹھاتی گئی۔

دونوں کا فرق ملاحظہ ہو۔

کیونکہ باری تعالیٰ نے باوجود کمال ظاہر ہونے سے ہزاروں جلال و جمال کے انوار و تجلیات کے اپنے پردے ڈال رکھے ہیں:

بے جبابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار  
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک دیکھی نہیں

## دوسرا غلط ترجمہ

اصل عبارت: ”الی ان اضرب الجلال علی سراق المتعال“

ترجمہ مدعا علیہ: ”یہاں تک کہ حضرت عزت جلال کے خیمے مجھ پر لگائے گئے۔“

صحیح ترجمہ: ”یہاں تک کہ اللہ کے جلال نے بزرگی کے خیمے مجھ پر نصب کر دیئے۔“ کہاں اللہ کے خیمے اور کہاں بزرگی کے خیمے۔ اس کے بعد کی عبارت کا ترجمہ دیدہ و دانستہ چھوڑا: ”لفتنق فی النظر الا علی رقی الید الیمنی“ اور نظر کرنے سے ایک داہنا ہاتھ نمودار ہوا۔ پس اس وقت چیزیں پیدا کی گئیں۔ اگر اس فقرہ کا ترجمہ نقل کر دیتے تو سارا راز فاش ہو جاتا کہ خالق کا اوپر سے ید قدرت تھا جس کو ید یعنی کہا جاتا ہے۔ ”کلنا یدی الرحمن الیمنی“ مختار مدعا علیہ نے اپنی طرح ہر ایک کو صوفیاء کرام کی عبارت سے ناواقف سمجھا ہے۔ جب تک صوفیاء کرام کی عظمت کا حقہ دل میں نہ ہو، ان کی عبارت کا مطلب کسی پر منکشف ہی نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب تو کہہ رہے ہیں کہ ہماری مراد صوفیہ کی کتب والی نہیں اور آپ یہ نظر پیش کرتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۶..... اس کے بعد ایک نیا حوالہ سوانح احمدی سے جو سید احمد صاحب بریلوی کی تاریخ ہے اور جسے مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلوی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس میں مندرجہ ذیل خیانتیں ہیں۔

۱..... ”دیوبندیوں کے مقتداء جناب مولانا محمد اسماعیل شہید۔“

جواب: الف..... حالانکہ کسی دیوبندی کے سلسلہ اساتذہ و تلامذہ میں ان کا وجود تک نہیں۔ البتہ ان کے والد بزرگوار وغیرہ مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہ ضرور ہیں۔

ب..... جب تک شہادت میں مسلم یا مقتداء ہونا نہ منوالیں تو پھر یوں کہنا قانوناً درست نہیں۔

ج..... معلوم ہے کہ وہ بھی منجملہ علماء کے ایک عالم ہیں قرآن و حدیث آثار صحابہ اقوال ائمہ کے مقابل ان کا قول حجت نہیں۔

۲..... اس مسئلہ کے نقل کرنے میں اول و اخیر کی عبارت قطع کر دی جس سے اصل مسئلہ پر روشنی پڑتی تھی اور موضوع بحث کا پتہ چلتا ہے۔

۳..... یہ مسئلہ وحدۃ الوجود اور فناء بقاء مسلم کمر ایک غیر ذمہ دار اند تاریخی رسالہ کا حوالہ اس شد و مد سے کفر و ارتداد اور ایمانیات و عقائد کے سلسلہ میں پیش کر دیا۔ جس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ و گواہان تسلیم کریں، قطعیات کا اعتبار ہوا حدیث احادیث معتبر نہیں۔

۴..... سوانح احمدی کے اثبات کے سلسلہ میں مختار مدعا علیہ کو علماء کی رائے کا پتہ نہیں ورنہ اس کا ذکر نہ کرتا، ملاحظہ ہو: ”التنفید الجدید علی تصانیف الشہید“ مصنفہ مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مرزا پوری۔

اصل جواب: اور اگر مختار مدعا علیہ کی خاطر یہ حوالہ بالکل قطعی فرض کر لیں تو بھی اس کا مدعا اس سے حل نہیں ہو سکتا۔ یہاں پر حضرت مولانا شہید مقام فناء بقاء، مقام محبت اور وحدۃ الوجود کا وہ انتہائی درجہ بیان فرما رہے ہیں کہ جہاں ”سیرالی اللہ متناہی ختم ہو کر سیر فی اللہ“ غیر متناہی ابدالاً باد تک کے لئے شروع ہو جاتی ہے اور انسان اس وحدت محبت کے بے کیف دریا یا پیدا کنار میں غوطہ مارنے لگتا ہے اور پھر: ”انما الحق سبحانی ما اعظم شانی لیس فی جبتی سوی اللہ“ وغیرہ کے نعرہ متناہی لگائے جاتے ہیں اور:

من نمی گویم انا الحق یاری گوید گو

زبان پر ہوتا ہے۔ اس وقت نہ انہیں اپنا ہوش ہوتا ہے نہ دنیا و مافیہا کا، نہ جنت کا شوق نہ دوزخ کا کھٹکا، نہ نماز کا پتہ نہ روزے کی اطلاع۔ بس ”انا اللہ الحق“ بلکہ آخر میں انا بھی ختم ہو جاتا ہے اور حق ہی حق رہ جاتا ہے:

خود زدی بانگ انا الحق خود سر دار آمدی

اس کی تفصیل کے واسطے ”التعرف الشهود فی وحدة الوجود“ وغیرہ متقدمین کے رسائل ملاحظہ فرمائیں یہ ذوقی چیزیں ہیں پلیٹ فارموں پر کہنے سننے کی نہیں:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتدراز ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست یہ ذوقی امور ہیں نہ ان کا کوئی نصاب ہے نہ کسی سعی کا نتیجہ یہ صرف مولیٰ کی دین اور ان کے انتخاب کا نتیجہ ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے آج بھی جن پر نظر ہو جاتی ہے یہی ہوتا ہے کہ انہیں سوائے اس کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

کچھ نہیں دیکھا ہے جب سے تو نظر آیا مجھے جس طرف دیکھا مقام ہو نظر آیا یہ عدالت ہے اور عدالتی مسل ہے یاران طریقت اور اہل ذوق کی محفل ہوتی تو مقام فناء و بقاء پر کیف اور طرب انگیز نظارے پیش کئے جاتے یہاں تو یہی کہہ کے پشیمان ہوں کہ کوئی عتاب ہو جائے۔

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں عمارت پیش کردہ سے اس امر کے شواہد کے مقام فناء و بقاء یعنی وحدة الوجود اور صوفیاء کرام کے انا الحق وغیرہ کا یہاں فلسفہ بیان ہو رہا ہے۔

فقرات ذیل ملاحظہ ہوں:

۱..... ”خلعت مکالمہ اور سرور حاصل ہوتا ہے۔“

۲..... ”اور اس کی وحشت انس سے بدل جاتی ہے۔“

۳..... ”مقام فناء و بقاء کے پردہ انہما سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔“

۴..... ”اس وقت دریائے وحدت میں ڈوب کر اس کی عجب حالت ہو جاتی ہے۔“

۵..... ”اور لکہ ”انا الحق“ اور ”لیس فی جبتی سو اللہ“ کہنے لگتا ہے۔“

اس کے بعد اس مسئلہ کو قرآن و احادیث اور فلسفہ سے ثابت کر کے فرماتے ہیں۔

۶..... ”مگر یہ بات بہت باریک اور مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہئے۔“ الخ

مگر یہاں مدعا علیہ کے واسطے یہ کسی طرح مفید نہیں بلکہ محض بے سود ہے۔ کیونکہ یہاں وحدت الوجود کا ذکر ہے اور مرزا صاحب اپنے دعویٰ خدائی کے ساتھ اسی کشف میں فرما دیا کہ: ”ہماری مراد اس واقعہ سے یہ نہیں۔ جیسا کہ وحدت الوجود کی کتب میں مراد لی جاتی ہے۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۶، جزائن ج ۵ ص ۵۶۶)

ایسی غیر متعلق مثالوں سے جسے مرزا صاحب خود تسلیم نہیں کرتے بلاوجہ مختار مدعا علیہ نے اپنا اور عدالت کا وقت رائیگاں کر کے مقدمہ کو طول دیا تاکہ دنیا کے سامنے یہ کہہ سکے اتنے صفحات کی بحث پیش کی ہے۔

۷..... اسی مذکورہ بالا اصول پر تذکرۃ الاولیاء سے جو حوالہ وحدت الوجود کے سلسلہ کا نقل کیا ہے ہرگز چسپاں نہیں۔ ملاحظہ ہو: جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں سر تا پا حق ہی ہو جاتا ہے اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق ہی دیکھے تو یہ عجب نہیں ہوتا۔

نوٹ: یہاں یہ عبارت کاٹ کر لی تاکہ اصل مسئلہ منکشف نہ ہو۔ نیز اس کتاب کی نسبت حضرت سیدالطائف شیخ فرید الدین عطار کی طرف

تو ضرور ہے مگر صوفیاء کرام کے نزدیک اس میں دشمنان صوفیہ نے کمی زیادتی بھی کر ڈالی ہے اور بلا کسی خارجی شہادت کے بگلہ قابل اعتماد نہ رہی۔ اسی لئے تو مدعا علیہ کی طرف سے شہادت میں پیش نہ کی گئی۔

۸..... خزان الاسرار کا نیا حوالہ جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ عین اللہ تھے..... الخ!

یہ ایک فصوص الحکم کی نہایت غیر معتبر شرح ہے جس سے یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے غیر مسلم ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ قرآن پاک حضور ﷺ کو عبد اللہ اور رسول بتائے۔ حضور ﷺ آخروقت تک نزع کے عالم میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی کہ دیکھو مجھے حد سے نہ بڑھانا، اللہ یا اس کا بیٹا نہ سمجھنا۔ ”انما انا عبدہ ورسولہ“ اذان و نماز میں رسول اللہ اور عبدہ ورسولہ لازم کیا جائے اور حضور ﷺ کو باوجود سلامتی ہوش و حواس عین اللہ بتائیں اور نا سمجھی سے اسے قرآن سے ثابت کریں اور مسلم ماننے پر یہ وہی وحدت الوجود ہے جو مرزا صاحب کو مسلم نہیں۔ کیونکہ محی الدین ابن عربی فرقہ وجودیہ کے موجد ہیں اور تمام ان کے شراح وحدۃ الوجودی ہیں۔ اس کے بعد حکمت اس خواب کی مدعا علیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہے کہ اس مقدمہ میں جو اسلام و کفر کا مسئلہ درپیش ہے۔ صرف اس کا جواب دینے کے لئے یہ روایا تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ مرزا صاحب صراط مستقیم پر ہیں اور علامہ عبدالغنی نابلسی کی کتاب (تطیر الانام ج ۱ ص ۱) سے ایک تعبیر نقل کی ہے: ”من رای کانه صار الحق سبحانه وتعالیٰ اھتدی الی صراط مستقیم“

جواب یہ ہے کہ:

۱..... اولاً یہ ایک کشف ہے محض خواب نہیں۔ مرزا صاحب خود فرماتے ہیں: ”میں نے ایک کشف میں دیکھا کہ..... الخ!

(کتاب البریہ ص ۷۸، خزائن ج ۱۳ ص ۱۰۳)

اور یہ کشف کا تعبیر نامہ نہیں بلکہ خواب کا ہے۔

۲..... کشف کی تعبیر صوفیاء کرام دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسے محض شیطانی خواب اور گمراہی بتاتے ہیں، جس پر یقین کرنے سے ان کے نزدیک کفر سے بھی بدتر ہوگا۔ ملاحظہ ہو آپ کی مسلم کتاب یواقیت اور مسلم بزرگ علامہ عبدالوہاب شعرانی کی (یواقیت ج ۱ ص ۱۲۰) ”اعلم ان..... الی..... اطال ذلک“ جس کا خلاصہ یہ کہ رویت باری تعالیٰ خواب میں بھی دنیا کے اندر سوائے سید المرسلین ﷺ اور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خواب میں بھی کسی صورت اور مثال پر ہوگی اور وہ بے مثال و بے نظیر ہے۔ کیونکہ وہ رب العالمین ہے فرماتا ہے: ”لا تضربوا لہ الامثال لیس کمثلہ شیء ولم یکن لہ کفواً احد“ آخری فیصلہ یہ کہ جو خدا کو یوں دیکھے اور خیال کرے کہ وہ الہ ہے: ”فذلک من ارادة الشیطان واغوائہ تضلیلہ وهو مشبہ یعتقدہ کذلک فی الیقظہ“ یعنی یا تو یہ شیطانی وسوسہ اس کے بہکانے اور گمراہ کرنے کے واسطے ہے یا درحقیقت وہ خدا کے جسم و صورت کا معتقد ہے، جسے وہ یوں دیکھ رہا ہے ملاحظہ ہو۔

صوفیاء کرام اسے شیطانی شرکت قرار دیتے ہیں۔

۳..... جس کسی بزرگ کو ایسا کشف ہوا، انہوں نے اسے شیطانی ہی قرار دیا ملاحظہ ہو۔ گواہ مدعیہ کے مسلم حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی (یواقیت ج ۱ ص ۱۲۸ بحث ۲۲) ”قال الشیخ عبد القادر..... الی..... انتھی“ خلاصہ یہ کہ سید الطائفہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عظیم الشان نور دیکھا جس نے آسمان کے کنارے بھر دیئے ہیں۔ اس سے ایک صورت نمودار ہوئی اور مجھے پکارا۔ اے عبدالقادر ”ان اربک“ فرماتے ہیں: میں نے کہا۔ ذلیل ہوا لے لیں۔ پس وہ عظیم الشان نور یکدم اندھیرا بن گیا اور وہ صورت دھواں بن کر وہ لعین مجھ سے کہنے لگا کہ عبدالقادر چونکہ آپ کو اپنے رب کے احکام اور اپنے مرتبے کی سمجھ تھی۔ اس لئے بیخ نکلے۔ میں نے اس قسم کے واقعہ سے ستر سے زائد اہل طریق صوفیاء کرام کو گمراہ کر کے چھوڑا..... الخ!

حضور ﷺ ایسے بے سرتاپا امور کو شیطانی وسوسہ قرار دیتے ہیں نہ کہ قابل تعبیر خواب۔ مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، حدیث، خواب قابل تعبیر کب ہے اور کب وسوسہ ہے۔ شخص! قرآن پاک میں بھی اس قسم کے خوابوں کا لقب اضغاث احلام پر اگندہ غیر قابل تعبیر خواب ہے۔  
نوٹ: یہ بھی واضح رہے کہ عبدالغنی نابلسی کوئی فن تعبیر کے امام نہیں۔ ابن سیرین جو اس فن کے امام ہیں جنہوں نے یہ علم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے سید المرسلین ﷺ سے حاصل کیا۔ ان کی کتاب التعمیر کا دیباچہ ملاحظہ ہو اور یہ اس قسم کے خواب سب شیطانی وسوسہ ہیں۔ جن پر یقین نہ کرنا چاہئے نہ کسی سے بیان کرنا۔

نیز (دافع البلاء، الوصیت، کشمی نوح) وغیرہ سے عقیدہ تو حید نقل کرنا بالکل بے سود ہے۔ اس کے بعد اور اس کے ساتھ اور اس سے قبل تمام مشرکانہ عقائد و احوال موجود ہیں جن میں سے ایک سے بھی رجوع منقول نہیں۔ البتہ اس امر (یعنی اس کا یقین کہ میں خدا ہوں) سے تو یہ صاف لفظوں میں غیر مشتبہ طور پر پیش کر دو، ہم یہ کفر واپس لے لیں گے۔ ہمیں ان سے کوئی ذاتی نزاع ہے نہیں۔ صرف باری تعالیٰ، اس کے حبیب پاک ﷺ، اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اور خاصان خدا، نیز مذہب اسلام کی توہین و دشمنی کا باعث ہے۔ جب تک اس سے توبہ نہ کر لیں، مرتد اور اسلام سے خارج ہیں۔

(۲)

## جواب خالق ارض و السموات کا دعویٰ

اس جواب میں بھی حسب عادت عدالت کو مغالطہ کی ناکام سعی کی گئی ہے اور گواہوں سے سابقہ پر مفصل جواب عرض کر چکا ہوں اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ مگر چونکہ اس پر نمبر ۲ کا ہیڈنگ قائم کر کے مختار مد عالیہ نے ایک لمبی بحث کی ہے جس سے یہ چاہتا ہے کہ پہلی بحث ذہن سے نکل جائے۔ اس لئے مختصر جواب عرض ہے کہ وجہ تکفیر صرف خالق ارض و السماء کو علیحدہ کر کے اگر گواہ مدعیہ نمبر ۳ قرار دیتا تو شاید یہ لایعنی تقریر کچھ بار بظہور ضرور ہو جاتی۔ یہاں تو دعویٰ خدائی کے مضبوط کرنے کے لئے ایک قرینہ بتایا ہے۔ یعنی دعویٰ خدائی اور اس پر یقین کر کے خلق ارض و سماء کا دعویٰ اس خدائی دعویٰ کو اور پکا کر کے ایسا کفر ثابت کرتا ہے کہ جس کا جواب ہی ناممکن ہے اس کی تائید میں مختار مد عالیہ ہی کی ہی پیش کردہ عبارت ملاحظہ ہو: ”اگر کوئی شخص خدائی کا دعویٰ اور اپنے آپ کو خالق جاننا۔ مختار مد عالیہ محض مغالطہ کے طور پر ملاحظہ ہو کہ منشاء اعتراض اور وجہ ارتداد صرف خالق ہونا نہیں، بلکہ خدائی کا دعویٰ اور اپنے کو خالق جاننا۔ مختار مد عالیہ محض مغالطہ کے طور پر صرف خالق زمین و آسمان لے اڑا اور دروازہ عقل میں نہ آنے والی تاویلات کر لیں۔ (ابوالواء)

باقی یہ کہنا کہ اس کا ترجمہ خواب ہے۔ جیسا کہ گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے بھی کیا ہے، محض لغو ہے۔ کیونکہ وہ ترجمہ لغوی لکھوایا ہے۔ مگر مراد تو ترجمہ ہوگا جو متکلم مرزا صاحب نے خود کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کشف میں دیکھا۔ (کتاب البریہ ص ۸۷، جزائن ج ۱۳ ص ۱۰۳)

نیز ”و یسقنت انسی ہو“ خارج میں خدا ہونے کا یقین کر بیٹھے۔ اعتراض تو یقین کرنے کے بعد پیدا ہوا اور نہ اگر وہ اس خواب کو اضغاث احلام پر اگندہ خواب اور اس کشف کو شیطانی وسوسہ قرار دیتے۔ جیسا کہ حضرت سید الطائفہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے کیا، تو پھر اعتراض بھی نہ تھا۔ آج اگر مختار مد عالیہ یا مد عالیہ اس کا اقرار کرے کہ یہ شیطانی وسوسہ تھا۔ اس پر اعتراض نہ رہے گا۔ ہمیں کسی کو خواہ مخواہ کافر تو بنانا نہیں۔ مگر جب کہ اسے وحی ربانی اور مثل قرآن کے منزہ اور قابل ایمان سمجھا جاتا ہے تو ہزار تاویل کریں اور مجلدات اس پر لکھ ڈالیں کفر و ارتداد ثبوت نہیں سکتا:

سچ ہے حکیم کام نہ نکلے بناؤ سے بیڑا کبھی نہ پار ہو کاغذ کی ناؤ سے

اس کے بعد معتمد عالمیہ نے اس کا تفصیلی جواب دینے کے واسطے تین نمبر قائم کئے ہیں:

۱..... کیا خواب میں آپ نے موجودہ زمین و آسمان بنانے کا ذکر کیا۔

۲..... اگر نئے آسمان و زمین بنانے کا ذکر ہے تو اس سے کیا مراد ہے۔

۳..... کیا آپ اپنے آپ کو موجودہ زمین و آسمان کا خالق سمجھتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو۔

**جوابات:** پہلے کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو عین اللہ عین خدایانہ لیا تو نئے آسمان و زمین بنائیں یا وہی مٹانے کے پیدا کریں یا ازل میں پہنچ کر ابتدا پیدا کریں۔ ایک ہی جیسا ہے کہ اپنی تصریح کے مطابق اولاً عین خدا بنتے ہیں جس پر یقین کامل ہے۔ پھر آسمان و زمین بنائے جاتے ہیں۔ پس اس کی ذات میں بھی شرک کیا اور افعال میں شرک اور نئے آسمان و زمین مانتے ہیں تو شرک دو بالا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا کے مقابل خود خدا بن گئے اور اس نظام اور زمین و آسمان اور آدم کے مقابل اپنا نیا نظام نئی زمین کا بنا کر کھڑا کیا اور نیا آسمان نئی زمین بنانے کے جو خدا نے فرمایا خود بھی بول اٹھے کہ: ”ولقد زینا السماء الدنيا بمصابيح (الملک: ۵)“ پھر آدم علیہ السلام کو سالۃ طین سے بنایا۔ بنانے کی قدرت اپنے اندر محسوس کی۔

دوسرے نمبر میں یہ کہنا کہ اس سے مراد یہ ہے اور وہ ہے اور دوسری مرزا کی کتب کا حوالہ سب بے سود ہے۔ کیونکہ انسان کا اصول ہے کہ جب گرفت میں آجاتا ہے تو تاویل میں کرتا پھرتا ہے۔ کفار مکہ بھی جوں کو خدا سمجھتے ہوئے عبادت کرتے تھے اور جب گرفت میں آجاتے تو کہتے ہیں کہ: ”ما نعبدہم الا ليقربونا الى الله زلفی“ (الزمر: ۳) ہم تو صرف انہیں خدا تک رسائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ عیسائی بھی دیکھو تثلیث کی التکلیف فی التوحید و بالعکس تینوں ایک ہیں۔ تین ایک کی تاویل کرتے ہیں اور مطلب بناتے ہیں تو کیا وہ بھی موحد ہو جائیں گے؟ نیز عیسائی رب و ابن کی بھی تاویلات کرتے ہیں۔ باقی تو یہاں بنیاد اعتراض اولاً دعویٰ خدائی اور اس کا یقین اور پھر زمین و آسمان اور آدم و انسان کو پیدا کرنا وہی الفاظ جو خدا نے قدوس نے خلق کے بعد یا اسی وقت استعمال فرمائے استعمال کرنا اور عبادت ابا اللہ خدا کے مقابل ہو کر اس کا منہ چڑھاتا ہے۔ لہذا یہ تاویل محض بے کار ہیں۔ جب تک یہ خدائی کے دعویٰ کا کشف جو بنائے اعتراض ہے۔ شیطانی نہ مانا جائے اور اس کی یقین سے مرزا صاحب کا رجوع اور غیر مشتبہ الفاظ میں مرنے سے قبل توبہ نہ دکھائی جائے بات بنانے کے واسطے تاویل میں تو اور کفر وارد اور مضبوط کریں گی۔ قرآن پاک پڑھئے: ”یحلفون بالله ما قالوا ولقد قالوا کلمة الکفر..... الخ! (التوبة: ۷۴)“

باقی پطرس اور یسعیا کا حوالہ اولاً وہ کتابیں محض اور ناقابل اعتبار ہیں۔ نیز قرآن سے منسوخ ہو چکیں ہر سال اس میں ترمیمات ہوتی رہتی ہیں۔ اس کی اصلی نقلی کیا ہے۔ ہم پر قرآن و حدیث جتہ ہے نہ یہ محرف توراہ و انجیل۔ دوسرے یہ حوالہ بیان محض بے ربط ہے اعتراض تو یہ ہے کہ پہلے دعویٰ خدائی کا اور اس کا یقین ہوا اور پھر زمین و آسمان کی بناء صرف زمین و آسمان کا ذکر کافی نہیں اور محرف توراہ و انجیل تو کیا شیطان لعین کی تاریخ میں بھی دعویٰ خدائی کے بعد اس کا یقین اور زمین و آسمان کا خلق نہ دکھا سکیں گے۔

فرعون نے بھی ”انا ربکم الاعلیٰ“ کہا مگر خلق زمین و آسمان چاند و سورج کا دعویٰ نہ کیا اور جب موسیٰ نے اپنے ایک مخالف خدا کا ان صفات سے تعارف کرایا تو لا جواب رہ گیا۔ مگر چودھویں صدی کے مدعی نبوت اور اس کے تبعین پر حیرت ہے کہ اتنی بدیہی البطلان چیز پر جسے ہوئے کمال مضبوطی سے تاویلات رکھ کر رہے ہیں:

آکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں  
 مو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی  
 ہاں! اگر مرزا صاحب یہ نہ فرمادیتے کہ میں وحدۃ الوجود اور صوفیاء کرام کی اصطلاح پر نہیں کہہ رہا تو ہم ”ہمہ اوست“ پر ضرور

نیک نیتی سے محمول کر لیتے۔ مگر انہوں نے تو کفر کے وہ مضبوط ستون قائم کئے ہیں کہ ساری عمر مرزائی کوشش کریں کفر دفع نہیں کر سکتے۔ باقی مثنوی صبح امید سے علامہ شبلی کے یہ اشعار:

بجٹ مدعا علیہ: ان کے متعلق یہ ہے کہ یہ وہی قدیمی عادت ہے کہ جب قرآن اور حدیث نیز کسی معقول دلیل سے یا بزرگوں کے قول سے مرزا صاحب کا ثبوت نہیں ہوتا تو انگریزی تعلیم یافتہ اڈیٹران اخبار، شعراء زبان کی آڑ بن جاتی ہے۔

میں عدالت پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کشف والہام روایہ صالحہ وحی وغیرہ کا ذکر ہے وہ کشف وحی جس کے متعلق یہ کہ: ہجو قرآن منزہ اش دامن از خطا ہا ہمیں است ایمانم (نزل المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

یہ کسی شاعر کے شاعرانہ تخیل کی آڑ کافی نہیں۔ نیز علامہ شبلی کے کلام میں نئے آسمان وزمین کی پیدائش کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اسی قدیمی چرخ کی نئی اداؤں اور سیاروں کی نئی چمک اور فلک کے موسمی بہار نہ بدلنے کو مجازاً نئی صورت زمین وزمان پیش کر رہی ہے۔ آسمان فضاء کے تکرر و صفائی اور تغیرات کو شعراء برابر زمین و آسمان کہا کرتے ہیں۔

نظامی فرماتے ہیں:

زتم ستوران دراں پہن دشت زمین شش شد و آسمان گشت ہشت کوکب:

بام پر چڑھ کے ابر کو دیکھا ایک نیا آسمان نظر آیا

باقی اس کشف کے آخری الفاظ (آئینہ کمالات ص ۵۶۶، خزائن ج ۵ ص ۵۶۶) سے جو الفاظ نقل کر کے اس کی شرح بتانا چاہا ہے وہ محض مغالطہ ہے۔ کیونکہ بنیاد اعتراض ”رأیتنی فی المقام عین اللہ وتیقنت انسی ہو“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۶، خزائن ج ۵ ص ۵۶۶) کہ اولاً دعویٰ خدائی اور اس کا یقین تام جب تک اس سے تائب نہ ہوں کوئی تاویل قبول نہیں۔ (زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہیں)

باقی مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”بس شاید مختار مدعیہ کا اس تشریح کو عمداً نظر انداز کر کے عدالت کو مغالطہ دینا اس کو ثقہ شاہد کی حیثیت سے بالکل گرا دیتا ہے کہ اس کے فہم کا قصور ہے۔ منشاء اعتراض ہی یہ نہیں۔ بلکہ دعویٰ خدائی کا اور پھر زمین و آسمان پیدا کرنا۔ یہ تشریح دعویٰ خدائی اور اس کے یقین سے غیر متعلق ہے۔“

رہ گئی ثقہ شاہد کی حیثیت اس کے واسطے میری بحث کا ہیڈنگ گواہان مدعا علیہ کا پوزیشن ملاحظہ فرمائیں اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی بحث سے کاپی خیانات تاکہ مدعا علیہ کے گواہوں کی حیثیت اور عدم ثقہ ہونا واضح ہو جائے۔

باقی تیسرے نمبر کے سلسلہ میں یہ ثابت کرنا کہ مرزا صاحب نے دوسری کتابوں میں خدا کو خالق ارض و سما مانا ہے۔ محض بے کار ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کی عادت ہی دورخی باتوں کی ہے۔ کیا حمامۃ البشریٰ میں مدعی نبوت پر لعنت نہیں بھیجی اور دعویٰ نبوت کو کفر نہیں بتایا اور جو لوگ مرزا صاحب کی نبی کہتے ہیں انہیں دجال قرار نہیں دیا۔

پھر اس کے خلاف بھی سب کچھ کہا۔ مثیل مسیح کا دعویٰ بھی ہے انکار بھی۔ پوری تفصیل میری بحث سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی ایک لسٹ درج ہے ان مغالطہ آمیز اور متعارض مخلوط باتوں سے ایماندار ہونا کجا مرزا صاحب کے معیار پر دجال ہونا لازم آئے گا۔ ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت۔

(۳)

## اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ

(توضیح مرام ص ۷۵، خزائن ج ۳ ص ۹۰)

مخارمہ عالیہ کا یہ جواب سراسر مغالطہ ہے۔ تیندوے سے تشبیہ کا اعتراض نہیں نہ تمثیل سے اس کا کوئی علاقہ ہے۔ عقیدہ تثلیث کا ہیڈنگ نمبر ۶ ہے اور یہ ہیڈنگ عقیدہ جسمیت نمبر ۷ کے تحت میں ہے۔ محل اعتراض صرف ابتدائی حصہ ہے: ”اس وجود اعظم کے بے شمار ہاتھ بے شمار پیر ہیں عرض طول رکھتا ہے۔“

اور خصوصیت سے آخری فقرہ ”عرض و طول رکھتا ہے“ قابل غور ہے۔ کیونکہ عرض طول خدا کی شان کے سراسر خلاف اور خواص جسمیت سے ہے۔ اس کے متعلق مخارمہ عالیہ نے باوجود طول لاطائل بحث کرنے کے ایک حرف نہ کہا اور گویا اس الزام کو اپنے اس رویہ سے لاجواب تسلیم کر لیا۔ لہذا غیر متعلق امور کا جواب دینا ہمارا منصب نہیں نہ عدالت ہی اتنا وقت دے سکتی ہے۔ ورنہ اس جواب کی ہر سطر اپنے اندر ایک انوکھا مغالطہ رکھتی ہے جو اہل فہم پر مخفی نہیں۔

(۴)

## ربنا عاج

(برائین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۵۵، خزائن ج ۱ ص ۶۶۲ حاشیہ نمبر ۴)

مخارمہ عالیہ نے اس کے جواب میں لاجواب ہو کر اپنی طرف سے منگھڑت استدلال گھڑ کر جواب کی لا حاصل سعی کی کہ: ”مخارمہ عالیہ نے اس الہام کے متعلق کہا ہے کہ اس سے شرک فی الصفات لازم آتا ہے اور اس امر کے لئے ایک فارسی شعر پڑھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ لفظ ہتوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور یہ لفظ فارسی ہے۔ الیٰ آخراً! حالانکہ مخارمہ عالیہ کے بحث میں یہ دوسرے نمبر کے ہیڈنگ کے تحت میں بیان کیا گیا ہے جس کا عنوان شرک فی الاسم نمبر ۲ ہے۔“

اور بحث یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و اسماء سب لاشریک ہیں اور ہونے چاہئیں۔ مرزا صاحب نے اپنی طرف سے خدا کا ایک یہ اسم تراشا ہے جو ناجائز اور شرک فی الاسم کے مراد ہے اور مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ اس کے معنی اب تک معلوم نہیں ہوئے۔ لغویہ ہے۔ کیونکہ تونی اور علت وغیرہ کے معنی کے واسطے سینکڑوں لغات دیکھی جاتی تھیں۔ اس کے واسطے ایک لغت بھی نہ دیکھی۔ عربی میں یہ لفظ ہاتھی دانت کے واسطے صرف حقیقت استعمال ہوا ہے اور اگر عربی کی توفیق نہ ہوئی تھی تو بوستان کا شعر:

بتے دیدم از عاج در سومات مرصع چودر جاہلیت منات  
پڑھ لیا ہوتا۔ یہاں بھی اسی عربی ہاتھی دانت کے معنی میں مستعمل ہے..... الخ!

نہ اس میں اس لفظ کو فارسی بتایا ہے نہ شرک فی الصفات ثابت کیا ہے۔ ہمارا مدعا تو بہر طور حاصل ہے۔ یہ لفظ فارسی بنائے یا عربی، مہمل ہو یا بامعنی، مشتق ہو یا جامد۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بلاشعار سے ثبوت کے بولنا جائز نہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ کے اسماء توفیقی ہیں۔ جب تک شرع میں اس کی استعمال کی تصریح نہ ہو ہرگز جائز نہیں اور بالخصوص اسماء صفاتیہ میں تو کسی کو اختلاف نہیں اور یہ مسئلہ کہ اسماء باری تعالیٰ توفیقی ہیں کوئی فروعی مسئلہ نہیں بلکہ اعتقادی مسئلہ ہے۔ ملاحظہ ہو گواہان مدعا علیہ کے مسلم بزرگ (باب اسماء توفیقی) ہیں۔ امام



عبدالوہاب شعرانی کا ارشاد: ”المبحث الخامس عشر فی وجوب اعتقاد ان اسماء اللہ تعالیٰ توفیقیة فلا يجوز لنا ان نطلق علی اللہ تعالیٰ اسماً الا ان ورد فی الشرع“

(المواقیت والجوہر ج ۱ ص ۷۳)  
یعنی پندرہویں بحث اس بیان میں کہ اعتقاد اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توفیقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت کوئی بھی اسم استعمال کرنا جائز نہیں جب تک وہ شرع میں ثابت نہ ہو۔ پھر اسے مدلل بیان کیا ہے اور اسی ضمن میں ”و اللہ الاسماء الحسنی“ کی یہ تفسیر کی ہے کہ: یعنی ”الواردۃ فی الكتاب والسنة“ یعنی خدا تعالیٰ کو انہیں اسماء حسنی سے پکارو جو کتاب و سنہ میں آئے ہیں۔

لہذا شرک فی الاسم بدستور باقی رہا اور یہ استدلال بھی لا جواب ہی رہا۔ اس کے بعد مختار مدعا علیہ نے اس کے عربی سے ماخذ نکال کر چاہا ہے۔ مگر اولاً تو یہ گزارش ہے کہ مرزا صاحب تو لکھتے ہیں کہ معنی معلوم نہ ہوئے اور گواہ اس میں معنی ڈال رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ آپ کے پیش کردہ معنی جب درست ہوں گے کہ یہ بالمشہد ہو۔ عاج یا عاج دایع کی طرح ہو۔ حالانکہ اس کی کوئی تصریح نہیں۔ بلکہ ظاہر عاج ہے جو جامد بمعنی ہاتھی دانت ہے اور کوئی بھی معنی کیجئے۔ اس کا اطلاق بلا اذن شرع درست ہی نہیں اور شرک فی الاسم کا اعتراض خصوصاً جب کہ اسے عربی مانیں اور بھی اٹل ہے۔

(۵)

### انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی

(اربعین ص ۳۳، خزائن ج ۷ ص ۳۸۲)

یہاں بھی نقل استدلال میں مغالطہ دیا ہے اس کا عنوان اذعاء یکتائیت ہے۔ یہاں ہرگز یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو توحید و تفرید میں شریک کیا۔ یہاں تک یہ لا طائل جواب قابل توجیہ ہو۔ یہاں تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو بمنزلۃ اللہ کی توحید و تفرید کے قرار دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح اس کی توحید و تفرید یکتا ہے۔ مرزا صاحب بھی یکتا ہیں۔ پھر صرف اس کو تو پیش نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کے مؤید اور قرائن ہیں۔ مثلاً: ”انت منی بمنزلۃ لایعلمہا الخلق“

(اربعین نمبر ۳، خزائن ج ۷ ص ۳۸۲)

تو مجھ سے سے ایسے مرتبے پر ہے کہ ساری مخلوق اسے نہیں جان سکتی۔ نیز مرزا صاحب کی اربعین نمبر ۴ کی تشریح جو لوگوں کی گرفت کے بعد گھڑی ہے اور بھی قباحت دو بالا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خدا کی توحید و تفرید اس کی ذات سے غیر نہیں بلکہ عین ہے تو لازم آئے گا کہ مرزا صاحب عین ذات باری کی طرح ہو جائیں۔ پھر بڑا سوال تو یہ ہے کہ اگر مخلوق کے واسطے یہ استعمال جائز تھا تو کسی اور نبی حتیٰ کہ سید المرسلین ﷺ کو نہ فرمایا۔

تینوں فقروں کو (اربعین نمبر ۳، ص ۲۵) جس حوالہ سے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں جو واضح قرینہ ہے۔

..... ۱ ”انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی“

..... ۲ ”انت منی بمنزلۃ عرشی“

..... ۳ ”انت منی بمنزلۃ لایعلمہا الخلق“

اس سے صاف واضح ہے کہ اپنی صرف یکتائی بلکہ وہ مرتبہ ثابت کر رہے ہیں جو مخلوقات کے علم سے بالاتر ہے۔ یہ خدائی تک پہنچنے کا تیرا زینہ ہے۔ بتدریج دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ ان کی عادت دوسرے دعاوی میں ہے۔

باقی مرزا صاحب کی کتب میں توحید کے تذکرے بھی ہیں اور شرک کے بھی ان کی عادت ہی متضاد بیانی کی ہے جس کے نمونہ کے لئے بحث میں ایک لسٹ دے چکا ہوں۔ نیز جو جرح مفصل مذکور ہیں۔

(۶)

### انت اسمی الاعلیٰ

یہ الہام بھی (اربعین نمبر ص ۳۳، خزائن ج ۱ ص ۳۸۲) سے نقل کیا ہے۔ مرزا صاحب نے خود ہی اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اور تو میرا سب سے بڑا نام ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ مرزا غلام احمد، اللہ کا سب سے بڑا نام ہے۔ یعنی اسم ذات اللہ سے بھی بڑا۔ پس جو شخص اپنا نام خدا کے تمام ناموں حتیٰ کہ اللہ سے بڑا سمجھے۔ لا الہ الا اللہ پر کیا ایمان رکھ سکتا ہے؟

باقی یہاں اسم اعظم وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں جس کے لئے مختار مدعا علیہ نے تریاق القلوب کی تشریح پیش کر کے مغالطہ دینے کی ناجائز سعی کی ہے۔ ان مغالطوں سے جواب نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی عقل مند جواب قرار دے سکتا ہے۔ الحمد للہ! کہ اب تک مختار مدعا علیہ نے ہمارے پیش کردہ پوائنٹ میں سے ایک کو بھی چھوئے نہیں اور ان شاء اللہ نہ کبھی ان کا جواب دے سکتا ہے۔

(۷)

### انت منی بمنزلہ لایعلمها الخلق

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۵، خزائن ج ۱ ص ۵۹)

یہ فقرہ اذعاء یکتا بیت نمبر ۱۳ انت منی بمنزلہ توحیدی و تفریدی کی تائید میں ذکر کیا گیا ہے۔ مستقل کوئی عنوان نہیں دیدہ دانستہ نکلے کر کے مختار مدعا علیہ نے غیر مرتب جواب دینا شروع کیا ہے تاکہ اصل مدعا خبط ہو جائے اور یوں مغالطہ کی تکمیل ہو سکے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ خود مرزا صاحب کا ترجمہ آپ نے نقل کیا ہے کہ: ”مجھ سے تو وہ مقام و مرتبہ رکھتا ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔“ (اربعین) اور اس کے ساتھ یہ ترجمہ بھی ملا لیجئے کہ: ”تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید و تفرید“ پھر یکتائی کے اذعاء کے ثبوت میں کونسی کمی رہ جاتی ہے اور جو شخص اپنے آپ کو خدا کی توحید کی طرح سمجھتا ہو وہ بھی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پر ایمان دار شمار ہو تو پھر کافر کون ہوگا۔

بریں عقل و دانش بیاہد گریست

(۸)

### انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون

(براہین پنجم ص ۹۵، خزائن ج ۲ ص ۱۲۳)

یہ ایک کھلا ہوا شرک تھا اور اس کے بعد ناممکن تھا کہ مرزا صاحب کا ایمان لا الہ الا اللہ پر ہو سکے۔ اس لئے حسب عادت اس کو لانے اور اس میں دیدہ و دانستہ مغالطہ ڈالنے کی ناکام کوشش مختار مدعا علیہ نے ختم کر لی۔ مگر الحمد للہ! جواب تو کیا ہوتا نامرادی ہی رہی۔

مختار مدعا علیہ نے عدالت کے روبرو یہ الہام شرک فی الامر کے تحت میں پیش کیا ہے اور مدارا اعتراض انما امرک ہے۔ یعنی کسی امر کی سوائے اس کے کوئی شان نہ ہونا کہ جب بھی وہ کسی چیز کا ہونا چاہے اور کہے کہ: ”ہو پس وہ فی الفور ہو جائے۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص

خصوصیت ہے۔ اس میں کوئی نبی، ولی، مرسل، ملائکہ شریک نہیں۔ کسی کو شریک ماننا ”شُرک فی الامر والتکوین“ ہے۔ ”قال اللہ تعالیٰ الا لہ الخلق والامر (الاعراف: ۵۴)“ پیدا کرنا اور امر کا مالک ہونا صرف اس کی شان ہے۔ ”انما امرہ اذا اراد شیناً ان یقول لہ کن فیکون (یسین: ۸۲)“ اور اس آیت اور اس کے ترجمہ و مطلب کا مختص ہونا ذات الہی کے ساتھ جواب بحث میں مختار مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ: ”کن فیکون“ کے کامل اختیارات کہ جس بات کا ارادہ کرے وہ فی الفور ہو جائے۔ صرف خدا ہی کو حاصل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (یعنی مرزا صاحب) ”حکم اس کا (یعنی خدا کا) اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے ہو۔ پس ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے۔“

(جنگ مقدس ص ۱۷، خزائن ج ۶ ص ۱۰۱)

جب کہ اس آیت کا مضمون و ترجمہ باری تعالیٰ سے مختص رہا تو یہی مضمون کسی اور کے واسطے کیونکر استعمال ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اسی اقرار کرانے کو یہ صرف خدا ہی کی شان ہے سب سے پہلے استفتاء سے یہ پیش کیا۔ ”انما امرک اذا اردت شیناً ان تقول لہ کن فیکون“ (استفتاء ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۷۱۳) یہی مع ترجمہ اس سے قبل (حقیقت الوحی ص ۱۰۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۸) پر بھی ہے۔ اس سے پہلے براہین احمدیہ وغیرہ میں بھی یہاں گواہ مدعا علیہ نیز مختار مدعا علیہ نے اسے شرک تو تسلیم کر لیا ہے۔ صرف اپنی طرف سے یہ (ناجائز) تاویل کرتا ہے کہ اس سے مرزا صاحب مراد نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ مراد ہے اور ضمیر (ک) خطاب خدا تعالیٰ کی طرف ہے ملاحظہ ہوں الفاظ کہ: ”یہ خطاب اللہ تعالیٰ کو ہے۔“ اور یہ بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ وہاں الہامات کی وہی ترتیب ہے جو (حقیقت الوحی ص ۱۰۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۸) میں ہے۔ الی قولہ: ”تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں جو ضمائر خطاب ہیں وہ جناب الہی کے متعلق ہیں..... الخ!“ اس کا شرک اور مختص بجناب الہی ہونا ماہہ النزاع نہیں بلکہ اس کی شرح یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مرزا صاحب مراد نہیں بلکہ اس ضمیر سے خود باری تعالیٰ مراد ہیں۔

مرزا صاحب کی براہین احمدیہ حصہ پنجم جس کو مرزا صاحب نے ان تمام قابل اعتراضات الہامات و نشانوں کی تشریح کے لئے لکھی ہے۔ اس میں تشریح و تصریح فرماتے ہیں کہ اس الہام میں میں خود مراد ہوں اور یہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۵، خزائن ج ۲۱ ص ۱۲۴) اب جب مصنف نے خود اس الہام کی شرح کر لی اور اس کے ساتھ مختص کر لیا اور ضمیر خطاب سے اپنے آپ ہی مراد لے لیا۔

نیز گواہ نمبر مدعا علیہ نے بھی بجواب جرح ۲/مارچ ۱۹۳۳ء تسلیم کر لیا کہ: ”لیکن اس الہام میں مرزا صاحب کو خطاب ہے۔“ پس ثابت ہو گیا کہ وہ خصوصیت الہی جو صرف اسی کو زیبا ہے جس کی تعبیر ”انما امرہ اذا اراد شیناً ان یقول لہ کن فیکون“ یا ”انما امرنا..... الخ!“ ضمیر غائب یا متکلم سے خدانے اپنی کامل اعتبار کے اظہار کے لئے قرآن پاک میں اختیار فرمایا جسے گواہ اور مختار مدعا علیہ نے بھی استفتاء کے اندر ضمیر خطاب سے بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص قرار دیا اور مرزا صاحب کو شرک سے بچانے کے لئے جھوٹی تاویل کی۔

مگر مرزا صاحب نے بتصریح اپنے واسطے ثابت کر کے ایسا اٹل اقراری شرک تسلیم کیا ہے جس کا جواب قیامت کی صبح تک مرزا صاحب یا کسی مرزائی سے ناممکن ہے۔ اس سے یہ امر بھی معلوم ہو گیا کہ ہمارا اعتراض اسی استفتاء یا حقیقت الوحی اور براہین یا جہاں بھی یہ الہام ہے اس پر ہی ہے۔

مختر مدعا علیہ یا اس کے شاہد کی انوکھی طبع زاد تاویل کو باطل کرنے کے واسطے پیش کی ہے تاکہ ”توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ“ قائلہ ”مدعی سست و گواہ چست کا نظارہ ہو جائے اور دنیا سمجھ لے کہ اس بحث کا ابتدائی حصہ کس قدر بامعنی ہے۔“

### اولیاء اللہ پر صریح بہتان

باقی اولیاء اللہ اور مقربان باری تعالیٰ (ہمارا حشران کے ساتھ فرمائیں) کبھی کن کہیں اور وہ چیز باذن یا بحکم الہی ہو جائے۔ یا کوئی نبی مردہ کو تم باذن اللہ کہے اور وہ زندہ ہو جائے وہ بطور کرامت یا اعجاز کے احياناً ہے دائمی نہیں۔ نہ یہ معنی ہیں کہ اب اس امر کے سواء اس کے کوئی معنی نہیں کہ جب ہی وہ کسی چیز کو چاہے ہو جائے اور کہے کہ ہو جا۔ پس وہ فی الفور ہو جائے۔“

”انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون (یسین: ۸۲)“

اور یہ کامل اختیار کہ اس کے امر کے سواء اس کے کوئی معنی نہ ہو خدا ہی کے لائق ہے۔ کوئی اس میں اس کا شریک و سہیم نہیں۔ بد قسمتی سے مختار مدعا علیہ کو بلکہ مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ بحث کے مندرجہ ذیل کوٹیشن (Quotation) ملاحظہ ہوں:

..... کہ کن فیکون کے ایسے کامل اختیارات کہ جس بات کا ارادہ کرے وہ فی الفور ہو جائے صرف خدا ہی کو حاصل ہے..... الخ!

(جنگ مقدس ص ۱۷، جزائن ج ۶ ص ۱۰۱)

۲..... یاد رکھنا چاہئے کہ جو تکوین کشتگان محبت الہی سے صادر ہوتی ہے۔ اس میں اور خدا تعالیٰ کی تکوین میں فرق ہے۔ ایسے انسان کا کن کہنا ہمیشہ نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کا..... الخ!

۳..... اور ”اذا ارادت شیئاً“ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ بروقت مقربان بارگاہ الہی کو یہ مقام دیا جاتا ہے۔

۴..... پس اسی طرح کامل انسان کا کن دائمی طور پر نتیجہ نہیں کرتا بلکہ..... الخ!

اس کامل طور پر اور دائمی کے مقام حاصل ہونے کی تعبیر بصریح مرزا صاحب اور مختار مدعا علیہ ”انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون“ ہے۔ ملاحظہ ہو کوٹیشن (Quotation) بحوالہ (جنگ مقدس ص ۱۷، جزائن ج ۶ ص ۱۰۱) مکمل ”انما امرہ“ یا ”انما امرنا“ یا ”انما امرک“ کے اضافہ کے صرف کسی کے کن کہنے سے کسی چیز کا کبھی ہونا دائمی اختیار تکوین اور مقام تکوین حاصل کرنا نہیں کہلاتا۔ بلکہ ”انما امرک اذا اردت شیئاً“ کے صرف اتنا لفظ ہو گا کہ: ”تقول للشیئ کن فیکون“

خلاصہ یہ کہ اعتراض صرف ان الفاظ اور اس کامل اختیار پر ہے جو ”انما امرک اذا اردت شیئاً“ میں جو خدا کے ساتھ مختص ہے۔ ”قال اللہ تعالیٰ انما امرہ..... الخ!“ ”انما امرنا اذا اردنا شیئاً ان تقول له کن فیکون (قرآن حکیم)“

پس مرزا صاحب کی عبارت والہام میں بعینہ وہ تعبیر ہے کہ ”انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون“

(اربعین نمبر ص ۳۲، جزائن ج ۱ ص ۳۸۳)

مگر حضرت سید الطائفہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (اللہ ہمیں ان کے طریقے پر چلائے) کی عبارت میں متفقہ قابل اعتراض دائمی اور کامل مقام تکوین پر دلالت کرنے والے خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص منفرد فقرہ ”انما امرک اذا اردت شیئاً“ کا کہیں پتہ و نشان نہیں۔ وہاں صرف بطور کرامت کبھی کسی کے لئے صرف تقول للشیئ کن فیکون ہے۔

اسی طرح (حکم الاشراف مطبوعہ ایران ص ۷) کی جو طول لا طائل عبارت پڑھی۔ اس میں کہیں بھی ”انما امرک اذا اردت شیئاً“ کا شائبہ تک نہیں۔ اس میں صرف یہ لفظ ہے: ”پس وہ خدا کے نور کو نفس اشارہ کرتا ہے۔ پس وہ چیز اشارہ سے موجود ہو جاتی ہے۔“ کسی کے اشارہ سے مخصوص حال میں بطور کرامت کسی چیز کا ہو جانا اور چیز ہے اور یہ کامل اختیار دائمی ملنا کہ ”انما امرک اذا اردت

شیئاً ان تقول له کن فیکون“ اور بات ہے۔ ان مقدس و مقربان الہی کی عبارت سے یہ مطلب سمجھنا مدعا علیہ کی قلت درائیت کی کھلی نشانی ہے اور اولیاء اللہ کو بلاوجہ ہدف ملامت بنا کر اپنی عاقبت بگاڑنا ہے اور وعید ”من عادلی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب“ کا مصداق بن کر دنیا و آخرت کا دائمی خسران خریدنا ہے:

چو بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطا است سخن شناس نہ دلہرا خطا اینجاست  
مگر ایسی جماعت سے کیا بعید ہے جو حضرت سیدالطاہفہ کو عیاذ باللہ مرزا صاحب کے مقابل اس قدر ذلیل سمجھتے ہوں کہ:  
سرمہ چشم تیری خاک قدم بخوائے غوث الاعظم شہ جیلان رسول قدنی  
(الفضل قادیان مؤرخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۲ء ج ۱۰ نمبر ۳۰ ص ۲۰۱)

رسول مدنی کے وزن پر مرزا صاحب رسول قدنی ہیں اور ان کا یہ مرتبہ ہے کہ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر محمدی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مرزا صاحب کے پیر کی خاک سرمہ کی طرح آنکھوں میں لگاتے ہیں۔ استغفر اللہ! باقی رہا ہمارا عقیدہ تو بالفاظ آقائے کائنات رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ رب مغیر مدفوع بالابواب لواقسم علی اللہ لا برف۔  
سعدی:

خاک ساران جہاں راسخات منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد  
در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ  
مردان خدا خدا نباشند لیکن زخدا جدا نہ باشند  
نوٹ: عدالت کی توجہ اس طرف بھی مبذول کر رہا ہوں کہ فتوح الغیب کا حوالہ جدید ہے اور حکیم الاشراق مطبوعہ ایران نئے حوالہ کے ساتھ چھپی ہے کہ مطالبہ کے وقت نہ کتاب دکھا سکے نہ مصنف کا نام۔

### انبیاء کرام علیہم السلام پر بہتان

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ معجزات بھی اسی مرزا صاحب کے شرک کی تائید میں نقل کئے ہیں۔ العیاذ باللہ! العیاذ باللہ! کہاں معجزات جو اپنے اختیاری نہیں بلکہ باذن اللہ ہوتے ہیں۔ ”قال اللہ تعالیٰ ماکان لنبی ان یاتی باینہ الا باذن اللہ“ اور کہاں مالک امر و ارادہ کن فیکون ہونا۔ لنبی یہ صرف اسی کی دلیل ہے کہ جب کوئی گنداسے گنداعقیدہ یا الہام یا واقعہ مرزا صاحب کا پیش کیا جاتا ہے تو فوراً وہ کسی نبی اور خصوصیت سے مسلمانوں کی غیرت اور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ غلامی کو مجروح کرنے کے واسطے آقائے دو جہاں ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں پر اسے چپاں کرتے ہیں۔ مگر بادب ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتے:

جو جان چاہو تو جان لے لو جو مال مانگو تو مال دیں گے  
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا نبی کا جاہ و جلال دیں گے  
اور اگر احتیاط نہ ہوتی تو نتائج کے خود مدہ دار ہیں۔

ہم اس کے متعلق صرف اتنا واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ تمام اولیاء اللہ مقربان الہی، قطب، غوث، ابدال، اولعزم انبیاء کرام علیہم السلام حتیٰ کہ اللہ کے پیارے حبیب سیدالاولین والآخرین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں بلکہ بے شمار خرق عادات، کرامات، معجزات صادر ہوئے۔ جس کے مخلوق سے جو کہا وہی ہوا۔ پھر بھی خدائے تعالیٰ نے کسی نبی، رسول، ولی، قطب، غوث کو یہ نہ فرمایا کہ: ”انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون“

ساری دنیا میں ایک نظیر نہیں مل سکتی کہ: ”انما امرک اذا اردت شیئاً..... الخ!“ خدا کے سوا کسی کے واسطے استعمال ہوا ہو یا خدا نے کسی کے واسطے کسی الہام یا کتاب یا صحیفہ میں فرمایا ہو۔ یہ ایسا کھلا ہوا شرک اور کفر ہے کہ اگر ایک بھی کفر یہ نہ ہو تو بھی صرف یہ ہی ایک وجہ ان کے لالہ الا اللہ پر ایمان نہ ہونے کی آفتاب سے زیادہ روشن و بین دلیل ہے۔ ان اقوال والہامات کے بعد دعویٰ اسلام کیونکر باور ہو سکتا ہے۔

ہر گزم باور نمی آید زروئے اعتقاد  
ایز ہمہ ہاگفتن وایز ہمہ داشتن  
شیطان اور دجال نے بھی اپنے لئے یہ امر پسند نہ کیا کہ یہ الہام تراشے کہ خدا نے مجھے فرمایا: ”انما امرک..... الخ!“  
”فاعتبروا یا اولی الابصار“

### (مدعا علیہ کی قابلیت)

ایک جگہ اسی بحث میں یہ بتایا ہے کہ یہ قضیہ شرطیہ کلیہ نہیں ہے۔ بلکہ مہملہ ہے جو فقرہ میں جزیہ کے ہوتا ہے اور اکمال شرح مسلم کے حوالہ سے ”اذا احب اللہ عبداً..... الخ!“ کی عبارت سے استدلال کیا ہے اولاً یہ خوش فہمی ملاحظہ ہو کر جملہ ”انما امرک“ پر اعتراض ہے نہ کہ صرف ”اذا اردت“ پر اور مثال صرف ”اذا احب“ کی ہے۔ دوسرے اس سے واضح ہو گیا کہ منطق اور فقہ میں بھی وہی مغالطہ دیا جو مذہب میں کیونکہ ہمارے مدارس عربیہ کا ادنیٰ طالب علم مبتدی بھی جانتا ہے کہ اذا سے قبل انما آنے سے کلیہ بن جاتا ہے اور ایک نظیر بھی اس کے مہملہ ہونے کی نہیں مل سکتی۔ فیما..... للعجب ولضیعة الادب۔

نیز منطق کا کوئی ابتدائی رسالہ صغریٰ، مرقات بھی دیکھی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ قضیہ مہملہ محصورہ طبعیہ وغیرہ اس قضیہ کے اقسام ہیں۔ جن کا موضوع کلی ہو اور بیان موضوع امرک جزئی اور شخصی ہے یہ مہملہ میں مندرج بھی نہیں ہو سکتا۔

### (۹)

### مرزا صاحب کا خدا کے مانند ہونا

مختار مدعا علیہ کے جواب کا خلاصہ۔

.....۱ اس پیش گوئی کا ذکر کرتے ہوئے مرزا صاحب یہ نہیں فرماتے کہ میں خدا کی مثل ہوں۔

.....۲ آپ کو (تحدہ گولڈ ویس ۱۰۷ احاشیہ، خزائن ج ۷ ص ۲۷۵) میں خدا نے آدم کی مثل کہا ہے اور حدیث میں ”ان اللہ خلق آدم علی صورۃ“ ہے۔ یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی شکل پر پیدا کیا۔ لہذا مرزا صاحب گویا کہ خدا کے مشابہ ہو گئے۔ کیونکہ مرزا صاحب آدم علیہ السلام کے مثل ہیں اور وہ اللہ کی شکل پر پیدا ہوئے ہیں۔

.....۳ میکائیل کے معنی چونکہ خدا کے مانند ہیں۔ اس لئے تمام مسلمان جو قرآن شریف کی رو سے میکائیل فرشتہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ مشرک قرار پائیں گے۔

.....۴ پیش گوئیوں میں آنحضرت ﷺ کا آنا خدا کا آنا قرار دیا گیا۔ چنانچہ (استثناء ۳۳) کی پیش گوئی کہ خدا فاران پر ظاہر ہوا۔ آنحضرت ﷺ پر لگائی گئی ہے۔ چنانچہ مختار مدعیہ کے مقبول و مسلم مسلمان سرسید الخ وغیرہ وغیرہ نے لیا ہے۔ (مقبول و مسلم کا لفظ خلاف ضابطہ ہے)

جواب:

..... اول کا جواب یہ ہے کہ مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ الفاظ کہ: ”میں خدا کے مثل ہوں۔“

اگر مرزا صاحب نے نہیں فرمائے تو یہ ان سے پوچھیں یہاں تو مطلب واضح ہے کہ: ”اور دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کے مانند..... الخ!“ (حاشیہ اربعین نمبر ۳ ص ۲۵، خزائن ج ۱ ص ۱۳۳)

اب مرزا صاحب اپنا نام دانیال کے حوالہ سے میکائیل بتاتے ہیں اور اس کا معنی خود ہی خدا کے مانند کہتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود کو خدا کے مانند ہونا بہت پسند ہے بلکہ دعویٰ ہے۔

رہا یہ امر کہ میکائیل کے معنی عبرانی میں یہ ہیں۔ اس کے واسطے سے گزارش ہے کہ نہ تو مرزا صاحب عبرانی جانتے تھے۔ نہ مختار مدعا علیہ عبرانی کجا مرزا صاحب باوجودیکہ سلطان القلم اپنی جماعت میں مسلم ہیں اور اردو یہ کہ: ”ہیضہ کی آمدن ہونے والی ہے۔“ (البشری ج ۲ ص ۱۳۲) اور عربی بالخصوص قصیدہ اعجازیہ کے علاوہ بے شمار صرعی، نحوی غلطیوں کے یہ ہے۔

”واما حسین فا ذکر و دشت کربلا..... الخ!“ (قصیدہ اعجازیہ ص ۶۹، خزائن ج ۱ ص ۱۸۱) و علیٰ ہذا القیاس اور زبانیں۔ چونکہ مجھے غیر متعلق امور مختار مدعا علیہ کی طرح ذکر کر کے طول دینا نہیں ورنہ کئی جزو اسی پر ہو سکتے ہیں۔ البتہ مختار مدعا علیہ نے ایک حوالہ اقرب الموارد کا پیش کر دیا ہے جس کی حقیقت واضح کرنا ہے۔

جواب یہ ہے کہ کسی مسلمان باایمان کا حوالہ پیش کرتے تو ہم بھی دیکھتے۔ ایک متعصب عیسائی کا جدید حوالہ پیش کر دیا۔ کیونکہ یہ عیسائی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو (النفاء القنوع بما ہو مطبوع ص ۳۲۹) اور یہ اصول گواہان مدعا علیہ کو مسلم ہے کہ لغت زبانی محاورات کا نام ہے۔ لغت اور ڈکشنری کی کتابیں چونکہ اپنے اپنے عقائد کے تحت میں لکھی جاتی ہیں۔ لہذا جب تک کوئی مسلم شعر، محاورہ وغیرہ کا حوالہ پیش نہ ہو صرف کسی لغوی کا لکھنا معتبر نہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۸، مورخہ ۸ مارچ..... اور یہاں کوئی شعر وغیرہ کی سند نہیں لہذا لغو باطل ہے۔

نیز یہود و نصاریٰ نے اس قسم کے تشابہ الفاظ خدا، ابن، اب وغیرہ کا عبرانی سے ترجمہ کرنے میں اپنے تخیل فاسد کی بناء پر سخت دھوکہ کھایا ہے اور ان کی انتہاء اکثر انہیں لوگوں پر ہے جن کا معنوں کے ہیر پھیر سے گمراہ کرنا اور کلام الہی میں تحریف کرنا ایک پسندیدہ شغل اور محبوب شیوہ تھا۔ (ملاحظہ ہو بیضادی ص ۱۱۲) ”یحرفون الکلم من مواضعہ..... الخ!“ معہ تفسیر۔

بخلاف اس کے مسلمانوں نے ہرگز یہ معنی قبول نہیں کئے۔ بلکہ عبرانی صحیح معنی لئے۔ کثرت حوالہ جات موجب طوالت ہیں۔ میں صرف اسی کتاب سے حوالہ دیتا ہوں جسے مختار مدعا علیہ بار بار بڑے القاب اور شد و مد سے پیش کرتا رہا ہے کہ میکائیل کے معنی عبید اللہ کے ہیں۔ بلکہ اصول باندھا کہ جس کے آخر لفظ ایل ہو اس سے مراد خدا کا بندہ ہی ہوگا اور قول بھی ایسے مسلم بزرگ کا ہے جو تمام امت میں حبر الامت حضور ﷺ کے عم زادہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جن کے متعلق ”اللهم علمہ الكتاب والحکمة“ کی بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھنے کے احق ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۴۱) ”اخرج ابن جریر من طرق عکرمۃ عن ابن عباس قال جبریل عبد اللہ ومیکائیل عبید اللہ وکل اسم فیہ اهل فهو عبید اللہ..... الخ!“ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبرئیل کے معنی عبد اللہ اور میکائیل کے معنی عبید اللہ ہیں۔ لہذا یہ معنی مرزا صاحب اور مختاران مدعا علیہ کی ناواقفی یا مغالطہ پر مبنی ہیں ورنہ خدا کے کلام میں میکائیل کے ہرگز یہ معنی نہیں بلکہ عبید اللہ کے ہیں۔ یعنی خدا کا ادنیٰ بندہ اس سے نمبر ۳ کے جواب معلوم ہو گیا کہ تمام مسلمان باتناح حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وائمہ دین بزرگان اسلام میکائیل بمعنی خدا کا ادنیٰ بندہ قرآنی رو سے سمجھ کر ایمان رکھتے ہیں۔

البتہ بعض لوگ عیسائیوں کے اتباع میں میکائیل کو خدا کی مانند یا خدا سے بھی بڑھ کر سمجھیں تو کچھ تعجب نہیں۔ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ میکائیل کجا مخلوقات میں کوئی بھی حتیٰ کہ اشرف المخلوقات، باعث الکل، سیدالکل ﷺ بھی خدا کے مثل نہیں۔ ”لیس کمثلہ شیء (الشوری: ۱۱)“ فلا تنصروا لہ الامثال (النحل: ۷۴) قال ﷺ لا تطرونی کما اطرت اليهود والنصارى (الحدیث)“ آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کی طرح مباغضہ کو وصال کے وقت تک سختی سے روکا ہے۔

**جواب:**

۲..... تحفہ گولڈویہ کا حوالہ ایڈیشن اول کا جو ختم اور نایاب ہو چکا صرف مختار مدعا علیہ کو تنگ کرنے کے واسطے دیا گیا۔ اب ہم وہ ایڈیشن کہاں سے لائیں اور باوجود تلاش کے اس موجودہ ایڈیشن میں اس کے قریب قریب بھی نہ ملا۔ مگر ہم ان کی خاطر تسلیم کر کے جواب دیتے ہیں کہ مثیل آدم ہونے سے خدا کے مثل کیونکر ہو گئے اور اگر اپنے اس الہام سے خدا کے مثل سمجھتے ہیں تو اور اچھا ہے یہی ہمارا مدعا ہے۔ ملاحظہ ہو جو بھی الہام تراشتے ہیں وہ مشرکانہ۔

باقی رہا حدیث: ”ان الله خلق ادم علی صورته“ ہمارے آقا و مولیٰ، تاجدار محبوب کر دگار ﷺ کا ارشاد ہے۔ ہمارے سر آنکھوں پر مگر یہ دامن حضور ﷺ جیسے آقا سے کٹ کر غلاموں سے جوڑنے والے کو پناہ نہیں دے سکتا۔

کاش کسی محدث کی کفش برداری کا فخر حاصل ہوتا تو اس کی نورانیت سمجھ میں آتی۔ یہ اللہ کے محبوب ﷺ کا کلام ہے جو تمام مخلوق کے بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور کلام الملوک ملوک الکلام مشہور ہے۔ اس حدیث پاک صاحب لولاک ﷺ کی ایمان بخش تحقیق تو بعد میں پیش ہوگی۔ اولاً ان بزرگ کا حوالہ پیش کرتا ہوں جن کی محض کرامت سے گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۱ نہیں مسلم مان گیا ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک مطلقاً مسلم صرف مرزا صاحب اور ان کے ہردو خلفاء ہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱۱ کیم راج ۱۹۳۳ء جس میں ابن عربی، مجدد الف ثانی، امام عبدالوہاب شعرانی وغیرہ کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ ہاں! مسلم بزرگ ہیں۔ (کتاب الیواقیت والجوہر ج ۱ ص ۱۱۸) مصنفہ حضرت العلام امام عبدالوہاب شعرانی۔ ”فان فی الحدیث نافعہم“ یعنی حدیث میں ہے کہ خدا نے ہر ایک مخلوق کا ایک نقشہ عرش کی ساق میں قبل پیدائش کھینچا جس صورت پر اسے پیدا کرنا تھا۔ پھر آدم ﷺ کو اسی صورت پر جو اپنی پہلی کھینچی ہوئی تھی کو پیدا کیا۔ اسی طرف حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں ارشاد ہے کہ: ”ان الله خلق ادم علی صورته یا علی صورة الرحمن“ یعنی آدم کو اللہ نے اسی صورت پر پیدا کیا جس کو عرش یالوح میں قبل پیدائش آدم ﷺ کھینچی تھی۔ ورنہ باری تعالیٰ و تقدس کی کوئی صورت ہی نہیں۔ کیونکہ وہ تمام مخلوق سے جدا گانہ و یگانہ ہیں۔ ”تعالیٰ الله عما یقول الظالمون علواً کبیراً“ پس آدم ﷺ خدا کی صورت پر نہیں بلکہ اس کی تجویز کی ہوئی صورت پر پیدا ہوئے پھر بعض شراح حدیث نے ضمیر آدم ﷺ کی طرف پھیری ہے۔ یعنی آدم ﷺ کو آدم کی صورت پر پیدا کیا جو کہ ان کے شایان شان تھی اور تمام مخلوق سے ممتاز۔

مگر اہل اللہ کی یہی رائے ہے کہ اللہ نے آدم ﷺ کو اپنی صورت پر پیدا کیا جس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اپنی مرغوب و پسندیدہ و برگزیدہ شکل پر اور فرماتے ہیں کہ جب ہی تو خواب میں باری تعالیٰ کی زیارت سوائے انسانی شکل کے اور کسی شکل میں نہیں ہوتی۔ حالانکہ درحقیقت ان کی کوئی بھی شکل نہیں۔ نیز اپنی طرف باری تعالیٰ انسانی اعضاء کا نام بوجہ محبوب ہونے کے منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ ان کی ذات اس قسم کے اعضاء اور ان کی مشابہت و کیفیت سے پاک ہے۔ ”قال الله تعالیٰ ویبقی وجہ ربک (الرحمن: ۲۷) یدالله فوق ایدیہم (فتح: ۱۰) یوم یکشف عن ساق (القلم: ۲۲)“ وغیرہ وغیرہ۔



جن پر ہمارا ایمان بلا تفصیل کیفیت ہے۔ کیونکہ ان کی شان ”لانظیر لہ ولا مثال لہ۔ ولا ضد ولا ند۔ سبحانہ ما اعظم شانہ لایجد ولا یتصور“ ہے۔

چونکہ یہاں اس کا زیادہ تعلق نہیں ہے۔ اس لئے طول نہیں دیتا صرف یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در محفل رندان خبرے نیست کہ نیست  
جواب:

۴..... باقی پیش گوئی میں خدا کا فاران پر اترنا اولاً انجلی اصطلاح میں خدا و خداوند کا لفظ برابر نبی کے معنی میں مستعمل ہے اور ترجمہ میں وہی تحریف معنوی متحقق ہے۔

فاران پر خدا کے اترنے سے اس کی وہ تجلیات خاصہ اترنا مراد ہیں جو کسی نبی کے وجود سے اترتی ہیں۔

جیسا کہ کوئی کہے کہ وہ طور پر خدا اترتا یہ ہرگز مراد نہیں وہ نبی خدا یا خدا جیسا ہو گیا نہ کسی نے یہ مطلب مشرکانہ لیا۔ انہیں پیش کردہ حوالہ جات کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ مطلب بالکل واضح ہے۔ بے جا ضد کا کوئی علاج نہیں۔ ”من یرد اللہ بہ خیراً یفقه فی الدین“  
پس مرزا صاحب کا خدا کے مانند ہونے کا خیال بھی گویا لا جواب اور مسلم ہونے کے قریب لا جواب ہے۔ کیونکہ جو اس مشرکانہ بات کے واسطے اڑیں ڈھونڈتی تھیں اور تلاش کی تھیں۔ وہ سب بجز اللہ بے نقاب ہو گئیں۔ باقی مرزا صاحب کے دوسرے عقائد اور تعارض باتیں نقل کر کے صفائی بے سود ہے۔

(لا جواب) ”انانبشروک بغلام مظہر الحق والعلا وکان اللہ نزل من السماء“

(آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۸، جزائن ج ۵ ص ۵۷۸)

مختر مد عالیہ نے دراصل میرا مفہوم ہی نہ سمجھا یا حسب عادت اپنے لفظوں میں اعتراض نقل کر کے جواب دے ڈالا۔ بہر حال میرا یہ اعتراض بالکل لا جواب اسی قسم کا ہے جو بحث کے جواب میں لا جواب ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مختار مد عالیہ کی بحث میں یہ الہام ”عقیدہ مثلیت کے تحت میں مذکور ہے اور نوٹس میں اسی ہیڈنگ عقیدہ مثلیت کے تحت میں اڈا اس سے ما قبل کا حوالہ اربعین ہے اور پھر یہ حوالہ۔

اعتراض یہ ہے کہ یہ کہنا: ”انانبشروک..... الخ!“ یعنی ہم تجھے ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو حق و بزرگی کو ظاہر کرنے والا ہوگا۔ گویا ہو، ہو خدا آسمان سے اتر آیا۔ خدا کے ساتھ غیر خدا کو اس کے ہو، ہو قرار دینا ہے جو کھلا ہوا شرک بلکہ شرک عظیم ہے۔ نشاء اعتراض کان اللہ کا تشبیہی لفظ ہے جو کمال تشبیہ یعنی کسی کے ہو، ہو وہی ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ لفظ نزل اور نزول باری کی کیفیت و معنی پر۔ مختار مد عالیہ نے اسی اعتراض لفظ کان تشبیہی بلیغ سے آنکھیں بند کر کے لفظ نزول کے معنی شروع کر دیئے کہ نزول سے مراد رحمت خداوندی کا نزول یا جلال و تجلی وغیرہ ہے اور اس کے واسطے تبلیغ رسالت، آئینہ کمالات، مشکوٰۃ، حاشیہ مشکوٰۃ کے پانچ حوالے نقل کئے۔ مگر یہ نہ ہو سکا۔ کان کی تشبیہ کا اعتراض کہ وہ بیٹا ایسا ہوگا جیسے ہو، ہو خدا آسمان سے آ گیا۔ مرزا صاحب سے اٹھا سکتے یا اس کے متعلق کوئی بھی حوالہ دیتے۔ گویا مختار مد عالیہ نے مرزا صاحب پر اس کفر کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا:

کچھ اس ادا سے کیا میں نے شکوہ الحاد نگاہیں جھک گئیں ان کو نہ کچھ جواب آیا  
نوٹ: چونکہ نزول کی بحث غیر متعلق تھی، اس لئے اس کے متعلق مفصل ضرورت نہیں۔ اگر تفصیل منظور ہو تو فتح الباری و عمدۃ القاری شرح بخاری نیز نووی شرح مسلم ملاحظہ فرمائی جائے۔

(۱۰)

## (لا جواب) متعلقہ نشان نمبر ۱۰۶

(حقیقت الوحی ص ۲۵۵، خزائن ج ۲۲ ص ۲۶۷)

اس میں بھی اسی قدیمی مغالطہ سے کام لیا ہے کہ اعتراض کچھ، اور جواب کچھ۔ یہ نشان بھی عقیدہ جسمیت کے ہیڈنگ کے تحت میں پیش کیا گیا تھا اور بتلایا تھا کہ مرزا صاحب اور ان کے مرید خدا کی ذات و صفات میں جسمیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اصل نشان نمبر ۱۰۶ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

نشان نمبر ۱۰۶: ”ایک دفعہ تمثیلی طور پر مجھے خدا تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور میں نے اپنے ہاتھ سے کئی پیش گوئیاں لکھیں جن کا یہ مطلب تھا کہ ایسے واقعات ہونے چاہئیں۔ تب میں نے وہ کاغذ دستخط کرانے کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تاہل کے سرخی کی قلم سے اس پر دستخط کئے اور دستخط کرنے کے وقت قلم کو چھڑکا۔ جیسا کہ جب قلم پر زیادہ روشنائی آ جاتی ہے تو اسی طرح پر جھاڑ دیتے ہیں اور پھر دستخط کر دیئے اور اسی وقت میری آنکھ کھل گئی اور اسی وقت میاں عبداللہ سنوری مسجد کے حجرے میں میرے پیر دبا رہا تھا کہ اس کے در و غیب سے سرخی کے قطرے میرے کرتے اور اس کی ٹوپی پر بھی گرے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سرخی کے قطرے گرنے اور قلم کے جھاڑنے کا ایک ہی وقت تھا ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہ تھا۔ ایک غیر آدمی اس راز کو نہیں سمجھے گا اور شک کرے گا۔ کیونکہ اس کو صرف ایک خواب کا معاملہ محسوس ہوگا۔ مگر جس کو روحانی امور کا علم ہو وہ اس میں شک نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے۔ غرض میں نے یہ سارا قصہ میاں عبداللہ سنوری کو سنایا اور اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عبداللہ جو اس روایت کا گواہ ہے اس پر بہت اثر ہوا اور اس نے میرا کرتہ بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا۔ جواب تک اس کے پاس موجود ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۲۵۵، خزائن ج ۲۲ ص ۲۶۷) محل اعتراض خط کشیدہ الفاظ ہیں خدا کو خواب یا کشف میں دیکھنا محل اعتراض نہیں۔ بلکہ یہ کہ سرخی سے دستخط کرنا اور صرف یہ بھی نہیں بلکہ روشنائی چھڑکنا اور روشنائی کا کپڑے پر گرنا۔ پھر اس کپڑے پر عالم بیداری میں روشنائی کا باقی رہنا اور پھر اسے تبرک بنا کر اس عقیدت سے رکھنا کہ یہ خدا کے قلم کی روشنائی ہے اور صرف خواب نہ سمجھنا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اعتراض تو تھا یہ اس کا جواب لا جواب سمجھ کر بالکل نظر انداز کر دیا اور جواب یہ دے رہے ہیں کہ: ”بطور تمثیلی خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا ہرگز قابل اعتراض نہیں۔“ پھر اس کی تائید میں بحر المعانی اور سوانح مولانا نانوتوی۔ دو جدید کتابوں کے حوالے درج کئے ہیں جو نہ مسل پر ہیں نہ عدالت کے سامنے آئے۔ مطالبہ پر بھی پیش نہ ہوئے۔ جواب یہاں خواب میں دیکھنے پر اعتراض کیا ہے اعتراض تو روشنائی چھڑکنے اور کپڑے پر پڑنے اور باقی رہنے اور تبرک بنا کر اس اعتقاد سے رکھنے پر کہ یہ خدا ہی کی روشنائی پڑی ہے۔ اس پر ہے جس کے ایک حرف کا ہی جواب نہ دیا بلکہ زبان پر بھی نہ لائے اور اسے بھی بالکل لا جواب مان لیا۔ درمیان میں اپنی عادت کے مطابق علماء دیوبند کثر ہم اللہ تعالیٰ سواد ہم اور ان کی جماعت پر ذاتیات کے حملے کئے ہیں۔ جنہیں عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ پھر غیر متعلق، نزول کے حوالہ مشکوٰۃ، ترمذی، مسلم، ابن ماجہ نیز روایت کے متعلق بجر الرائق، یواقیت، بحر المعانی کے پڑھے۔ جن کے متعلق اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ مگر ان کا مقصد ان غیر متعلق اور اکثر جدید مسل کے باہر خلاف قانون حوالوں کی بھرمار سے مقدمہ اور مسل کو طول دینا اور مدعیہ کو بلاوجہ تنگ کرنا تھا۔ فالی اللہ المشتکی!

## (۱۱)

## انت منی بمنزلہ ولدی

خلاصہ استدلال مختار مدعا علیہ۔ یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اصل ملاحظہ

ہو۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۳۳ء

جواباً گزارش ہے کہ میرا استدلال توڑ موڑ کر اپنے الفاظ کے رنگ میں ڈھال لیا تاکہ جواب ضابطہ کا دے کر لوگوں کو حسب عادت مغالطہ میں ڈال سکے۔ حالانکہ یہ بھی انہیں اعتراضات میں سے ہے جس کا جواب تا قیامت ناممکن ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اور اس شریکہ بلکہ عظیم الشان ناقابل غفور جرم سے جب تک مرزا صاحب کی توبہ و رجوع غیر مشتبہ الفاظ میں نہ پیش کریں کوئی بھی تاویل کام نہیں دے سکتی۔

## مختار مدعیہ کے استدلال کا خلاصہ

اولاً میں نے اس بحث میں بطور تمہید جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱-۳ مارچ سے تین آیات:

۱..... ”قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد (الاحلاص: ۳)“

۲..... ”نكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدأ ان دعوا للرحمن ولداً وما ينبغي

للرحمن ان يتخذ ولداً (مریم: ۹۲ تا ۹۰)“

۳..... ”وقالوا اتخذ الرحمن ولداً لقد جئتم شيئاً اذاً (مریم: ۸۸، ۸۹)“

نقل کی ہیں اور ترجمہ بھی گواہ نمبر ۱ ہی کا پیش کیا ہے۔ اول کا ترجمہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری کا ملاحظہ ہو: ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے خدا سے رحمان کے لئے بیٹا پکارا۔ حالانکہ رحمن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ بیٹا بنائے۔“

تیسری کا ترجمہ بھی واضح ہے۔

پھر یہ عرض کیا گیا ہے کہ گفتگو صرف اس میں ہے کہ خدا کی شان گرامی میں لفظ ولد استعمال جائز نہیں لفظ طفل وغیرہ میں بحث نہیں کیونکہ ولد تین طور سے استعمال ہوتا ہے۔

۱..... خدا تعالیٰ عیاذ اللہ واقعی ولد جنے اسے پہلی آیت نے منع کیا اور توحید کے منافی ٹھہرایا۔

۲..... واقعی جنہیں مگر خارج سے منہ بولا بیٹا مجازاً بنا کے ولد اور بمنزلہ ولد لفظ استعمال کیا اس کو آیت نمبر ۳ نے روک دیا اور شان کبریائی کے خلاف اور منافی توحید قرار دیا۔

۳..... نہ خدا نے ولد جنہ خارج سے مجاز کسی کو بمنزلہ ولد کے بنایا۔ بلکہ کسی معنی سے کسی نے خدا کی طرف نسبت ولد کی گوتا ویرا مجازاً صحیح اس کو بھی نہایت شد و مد سے آیت نمبر ۲ نے باطل قرار دیا۔ گویا لفظ ولد کے استعمال کی خدا نسبت جس قدر بھی صورتیں ہو سکتی تھیں، انہیں باطل اور عظیم الشان قرار دیا جس کا اقرار گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ جرح ۲ مارچ ۱۹۳۳ء میں کر چکا ہے۔ جیسا کہ جرح میں انہیں آیات کے بعد اقرار کیا ہے کہ: ”یہ آیات جامع ہیں ان تمام اقسام ولد کو جو جائز نہیں نسبت کرنا ان کا خدا کی طرف۔“

اس کے بعد ”انت منی بمنزلہ ولدی“ ”تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۸۹) پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ خواہ خدا نے جتنا ہو یا نہ، حقیقی معنی ہوں یا مجازی صرف یہ نسبت لفظ ولد کی گوزبانی ہوا عقداً نہ ہو ہرگز برداشت نہیں ہو سکتی اور کبھی بھی ایمان قائم نہیں رہ سکتا بلکہ اس نسبت میں گوجازی ہو زیادہ احتمال گرا ہی بندگان خدا کا ہے۔ اس لئے اسے اور بھی شہود سے قرآن حکیم نے ذکر فرمایا: ”تکاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدأ ان دعوا للرحمن ولداً (مریم: ۹۲ تا ۹۰)“

اور یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ مذکورہ بالا تینوں استعمال یا کسی طرح یہ لفظ ولد آج تک کسی مسلمان کسی عالم، ولی، ابدال، قطب، غوث، نبی، رسول حتیٰ کہ خاتم الانبیاء نے باوجود حبیب خدا ہونے کے نہ اپنے لئے نہ کسی اور کے لئے استعمال کیا۔ بلکہ تمام عمر تردید فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کسی پیارے حتیٰ کہ حبیب پاک، صاحب لولاک ﷺ جس سے زائد کوئی اللہ کا پیرا نہیں ہو سکتا۔ خود بھی فرماتے ہیں: ”انا اکرم ولد بنی آدم ولا فخر“

جن کے کمال پیار و تقرب کا نظارہ شب معراج کے نقشہ سے فرمائیں۔ خدا نے آپ کے واسطے بھی بمنزلہ ولدی کا لفظ نہ فرمایا۔ دعویٰ یہ تھا کہ لفظ ولد کی نسبت ایک محاورہ بھی گوجازی ہو مسلم یا غیر مسلم کا ہو آدم علیہ السلام سے قیامت تک کسی سے دکھادیں۔ مگر بھرا اللہ! نہ دکھا سکے۔ لہذا جواب ہے۔

اسی وقت میں نے یہ پوزیشن صاف کر دی تھی کہ طفل وغیرہ الفاظ میں گفتگو نہیں کہ مثنوی سے:

اولیاء اطفال حق اند اے پسر

یا اور اسی قسم کے الفاظ کے محاورہ پیش کروائے جائیں۔ مگر پھر بھی ان کی آڑ لی اور مندرجہ ذیل تاویلات رکیکہ کیں بھی عدالت خود جواب بحث اصل بحث سے ملا کر ملاحظہ فرمائے۔

کہیں ایک استعمال بھی لفظ ولد کا فرضی ہی نکل آئے تو ہمارا استدلال باطل ورنہ باوجود صفحہ کے صفحہ سیاہ کرنے کے یہ اعتراض بھی بالکل لا جواب ہی رہے گا۔ کیونکہ منشاء اعتراض کو ہاتھ بھی نہ لگا یا جواب کیا دے سکتے۔

### خلاصہ تاویلات

- ۱..... ”فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم (البقرہ: ۲۰۰)“ مجازی طور پر اب معنی باپ کے قائم مقام رکھ کر اسے باپوں کی طرح یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے تو یاد کرنے والوں کو استعارہ کے رنگ میں ولد اور ابن کے قائم مقام نہ ہونے کی کیا وجہ۔
- ۲..... مرزا صاحب نے استعارہ کے رنگ میں اسے بمعنی طفل استعمال کیا ہے اور اطفال حق کے الفاظ اولیاء کے حق میں استعمال ہوئے ہیں۔
- ۳..... کوئی کسی کو انی اور ولد احتراماً کہہ دے تو اس کا وارث نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ولد احتراماً و تقریباً بولتے ہیں۔ (یواقیت)
- ۴..... فوز الکبیر شاہ ولی اللہ صاحب ازالدواہام مولانا رحمۃ اللہ صاحب مہاجرگی سے لفظ ابن کے مجازی استعمال بمعنی عزیز نقل کیا۔
- ۵..... مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی سے بحوالہ حجت الاسلام نقل کیا کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہہ دیا کرتے ہیں۔ ایسی ہی اگر گاہ بگاہ (کسی حالت میں) کسی بزرگ نے خدا تعالیٰ کو باپ کہہ دیا تو اس کے بھی یہی معنی ہوں گے کہ خدائے تعالیٰ ان پر مہربان ہے نہ حقیقی ابوت و نبوت..... الخ!

اؤلاً مجھے جواب کیا اس کی طرف توجہ کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایک حوالہ میں بھی لفظ ولد جس میں گفتگو ہے استعمال ہی نہیں اور نہ ساری دنیا نے اسلام میں ایک نظیر مل سکتی ہے۔ کسی بزرگ نے سکر اور جذب کے حال میں بلا اختیار بھی اسے استعمال نہ فرمایا۔

جیسا کہ عدالت حوالہ جات بالا سے ملاحظہ فرما سکتی ہے۔

پھر بھی چونکہ دوسرے رنگ میں ان بزرگوں کے (اللہ ہمارا اور آپ کا حشران کے ساتھ فرمائے) دامن تقدیری کہ مرزا صاحب کی آڑ لے کر آلودہ کرنے کی سعی کی گئی ہے اور باری تعالیٰ نے بزرگوں کی ناموس کے حفاظت کرنے والے کے لئے میدان حشر میں حفاظت ناموس کا زبردست وعدہ فرمایا ہے۔ اس تقرب و ثواب کی نیت سے جواب عرض ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ذخیرہ آخرت فرمائیں۔

## جو بات مرتب

..... پہلی آیت سے یہ مراد لینا کہ استعارہ کے رنگ میں خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ولد ہو گئے۔ صرف مختار مد عالیہ کی خوش فہمی ہے عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ کہیں دور کا بھی اس سے تعلق نہیں۔ ترجمہ آیت اور مطلب کسی بھی مترجم قرآن اور اردو تفسیر سے دیکھ لیا جائے تاکہ اس ترجمہ اور مطلب کی خیانت بھی واضح ہو جائے۔

واقعہ صرف اس قدر ہے کہ اہل مکہ ایام جاہلیت میں مکہ معظمہ کے مخصوص مقامات پر بڑے شدد و بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کے حامد و مناقب ذکر کیا کرتے تھے۔ اللہ نے یہ حکم فرمایا کہ جس طرح تم شدد سے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے۔ بجائے اس کے اس اہتمام سے اللہ کا ذکر کرو۔ بلکہ اس سے زائد شدد سے ”فا ذکر و اللہ کذکر کم ابناء کم او اشد ذکر“ مختار مد عالیہ نے دیدہ و دانستہ آیت کا آخری ٹکڑا کاٹ کر نقل کیا تاکہ مغالطہ دے سکے اور اصل حقیقت بے نقاب نہ ہو۔ تقریباً اکثر حوالے ایسے ہی بے ربط قطع و برید سے پرکئے گئے ہیں۔ جیسا کہ بحث میں گزر چکا۔

۲..... نمبر ۴ میں لفظ طفل یا اطفال یا ابن بمعنی عزیز استعمال ہونے سے لفظ ولد کا استعمال جو ولادت اور تولد کے معنی کو مشعر تھے، ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ نہ ہمارے مدعا پر اس سے کوئی زد آتی ہے۔

پھر بھی لفظ ولد، طفل، ابن کا فرق پیش کرتا ہوں۔ لفظ ولد لغت میں جننے کے معنی میں آتا ہے۔ چنداں حوالہ درکار نہیں۔ ولادت یا تولد کے محاورہ سے ہے۔ اسی وجہ سے کسی طور پر خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

(الف) اور لفظ طفل طفولت سے ماخوذ ہے جس کے اصل معنی جننا نہیں، بلکہ ناز پروردہ کے ہیں۔ ملاحظہ محاورہ ”طُفْلٌ طُفَالَةٌ و طُفُولَةٌ“ نرم و ناز پروردہ گروید۔ (نتی اللارب)

پس طفل بمعنی ناز پروردہ اولیاء اللہ کے حق میں مستعمل ہے جس میں جننے کی طرف لغوی بھی اشارہ نہیں اور کون اولیاء اللہ کے ناز پروردہ بارگاہ ایزدی ہونے سے انکار کر سکتا ہے۔ ان کے ناز پروردہ مسلم کرنے کے واسطے ان کے حالات و تذکروں کا مطالعہ بہ نیت تقرب کر کے دیکھا جائے کہ دل نور اور سرور سے کس قدر معمور ہوتا ہے۔ میں تو اختصاراً آیتیں اور حدیثیں تہرکا بلا ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

..... ”الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (یونس: ۶۲)“

..... ۲ ”ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکة ان لا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنة التي کنتم توعدون (حم السجدة: ۳۰)“

..... ۱ ”(قال ﷺ) من عاد لی و لیا فقد اذنتہ بالحرب (الحديث القدسی مشکوٰۃ)“

..... ۲ ”رب مغبر مدفوع بالابواب لواقسم علی اللہ لابره (مشکوٰۃ، ترمذی)“

بس مختصر اتنا کافی ہے ورنہ مقرران الہی کے تذکروں کو تو زمین و آسمان کے دفاتر بھی کافی نہ ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوانہ: طوفان نوح علیہم لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہیں جو کچھ فائدہ کریں

(ب) ابن جس کی اصل بنو یامینی ہے جو بنا سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز کے بنانے یا اس کے ہم معنی کے ہیں۔ بیٹا بھی باپ کی مجازی ساخت ہے۔ لہذا اس کی طرف منسوب ہو اور یہ ابن یا بنت کا لفظ ولادت اور جننے کے معنی میں لغت عرب میں ملنا دشوار ہے۔ بخلاف اس کے نہ صرف عربی بلکہ اردو فارسی میں بھی کثرت سے دوسرے معنی میں مستعمل ہے۔ ملاحظہ ابن الوقت، ابناء الزمان، ابن الارض، ایک قسم کی ترکاری ہے، بنت الکرم، بنت الرز، شراب، نبات الدہر، حوادث زمانہ، نبات الفکر اشعار، نبات اللیل حوادث وغیرہ وغیرہ۔ ملاحظہ ہوا قاموس لسان العرب، تاج العروس وغیرہ۔

## ایک ضمنی اعتراض کا جواب

رہا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ابن اللہ کہنے والے کا فخر ٹھہرائے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو انہیں ولد کہتے ہیں اور ان کا مذہب و اصطلاح متعین ہے کہ ولد کی نسبت وہ جائز سمجھے ہیں۔ لہذا اس قرینہ سے ان کا لفظ ابن بمعنی ولد مراد ہو کر کفر ہو جائے گا۔ جیسے کہ مرزا صاحب استعمال اور خدا کی طرف نسبت جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا ان کا لفظ ابن استعمال کرنا بھی سراسر کفر ہوگا۔ بخلاف ان مسلمانوں کے جو ولد کی نسبت خدا کی طرف کسی طرح بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اگر کسی حال میں لفظ ابن استعمال کر جاتیں۔ گویا کرنا نہیں تو بمعنی عزیز و مخلوق لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مراد متکلم خارجی قرآن سے متعین ہے۔ مگر لفظ ولد میں جو صریح ہے کوئی قرینہ درکار نہیں۔ قرینہ کنایات وغیرہ میں درکار ہوتا ہے۔

## پانچویں تاویل کا جواب

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا حوالہ اس سے بالکل غیر متعلق ہے۔ اس میں تو صرف اس قدر ہے کہ اگر کوئی ولی مقرب بارگاہ جس پر اللہ تعالیٰ کی مخصوص نظر عنایت ہو اور اس خصوصی التفات کی وجہ سے کبھی کسی مخصوص حال اور سکر میں خدا کی نسبت لفظ اب استعمال کر جائے تو اسے کفر نہ سمجھو۔ نہ حقیقی معنی مراد لو، دیکھو تمہارے بول و چال میں بوجہ کثرت التفات بادشاہ و سلطان کو کہہ دیتے کہ تم ہمارے ماں باپ ہو یعنی بڑے مہربان۔ اسی طرح اسے سمجھو۔

یہاں کہیں لفظ ولد کا جو ماہ الزناح ہے پتہ تک نہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ محاورہ بہ تصریح قرآن اور بہ اجماع امت کفر و شرک و باطل ہے۔ اس کا کوئی جواب اور کوئی تاویل بھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہدایت اور توفیق تو بہ مرحمت فرمائے۔ باقی اس میں ہماری اور فریق کی نسبت جو تیز کلامی ہے۔ اس کا جواب صرف اس قدر ہے کہ اللہ انہیں ہدایت اور شریفانہ اخلاق کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ (ابوالوفاء) **نوٹ:** یہ بھی یاد رہے کہ ایسے الفاظ خدا کی نسبت استعمال کرنا جن پر شریعت شاہد نہ ہو زندگی سے خالی نہیں اور نہ صرف علماء ظواہر کی رائے ہے بلکہ سید الطائفہ غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام الصوفیہ اور ان کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں۔ ”کل حقیقۃ لا تشہد لہا الشریعۃ فہی زندیقہ“ جس حقیقت پر شریعت شاہد نہ ہو چھپا رتد ادوالحاد ہے۔ فتوح الغیب مقالہ نمبر ۱۰ ایہ اصول ملحوظ خاطر رہے دوسرے مقامات پر بھی کارآمد ہے۔ (ابوالوفاء)

(۱۲)

## اسمع ولدی

اس کو چونکہ جرح میں صاف کر لیا تھا اور یہ حوالہ (البشری ص ۶۹) عدالت نے نوٹ نہیں کیا تھا۔ بحث کے وقت مختار مدعا علیہ خود ہی کہتے تھے کہ اسے بھی پیش کرو۔ مدعیہ کے مختار اور عدالت نے کہا کہ جب وہ کوئی نہیں تو کیوں پیش کیا جائے اور ادھر سے پیش نہ ہوا۔ پھر بھی مختار مدعا علیہ نے محض طول دینے کے لئے کہ وقت گزاری ہو بلا وجہ اسے بھی لکھ دیا۔

ہم صرف ان کی تسلی کے لئے نہ کہ جواب کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ بھی مختار مدعا علیہ کا مغالطہ ہے یہ تو کہتے رہے کہ مؤلف نے اس کے خلاف اعلان شائع کر دیا ہے۔ مگر باوجود شدید مطالبہ کے جرح میں پیش نہ کر سکے کہ جرح سے اس کی حقیقت کھل جاتی اور خود بابو منظور الہی نے آخری ایڈیشن میں جو حال میں شائع ہوا ہے۔ ایک صحت نامہ دیا ہے اس میں بھی اس کی اصلاح نہیں۔ اب یہ کہنا کہ اصل منقول عنہ میں نہیں یہ بھی زیادہ قابل لحاظ نہیں مختلف ایڈیشنوں میں الفاظ کا ہیر پھیر بھی ممکن ہے۔ جرح میں شہادت کے وقت پیش کرتے تو معلوم ہوتا جو لوگ مسلمانوں کی مسلم کتابوں میں قطع و برید کریں۔ ان کا اپنے گھر کی کتابوں میں کیا اعتبار کہ محمودی قادیانی پارٹی مرزا صاحب کے تصانیف و عقائد میں روز تہدیلیاں کرتی رہتی ہے۔ عدالت چاہے تو میں خود مہیا کر کے پیش کر سکتا ہوں اور یہ کتاب لاہوری جماعت کے آدمی کی مرتب کی ہوئی ہے۔

پھر یہ بھی ہو سکتا کہ جب ہماری طرف سے مناظروں اور مقدمات میں گرفت ہوئی اور اعتراض ہوا تو اس سے پروپیگنڈا کے واسطے کوئی تحریر شائع کرادی ہو وہ ہمیشہ حجت نہیں۔ ہم نے تو کتاب پیش کی ہے۔

نیز جرح میں گواہان مدعا علیہ نے یہ کہہ کر اس البشری کو نال دیا کہ جب تک اصل کتاب منقول عنہ سے نہ پیش ہو ہم پر حجت نہیں اور خود کتنے حوالے اسی سے بحث میں پیش کئے جو معائنہ مثل سے واضح ہوں گے۔

(۱۳)

### اخٹی واصیب

خلاصہ استدلال مختار مدعا علیہ (۴) امور ہیں۔

۱..... مرزا صاحب کی یہ نیت نہیں ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔

۲..... اس کا تشریحی نوٹ نیچے لکھا ہے۔

۳..... حدیث میں لفظ تردد خدا نے استعمال ہے۔

۴..... مرزا صاحب کے الہام میں ان ربی لا یغفل ولدینی ولا یخفی علی اللہ خافیہ۔ وانہ یعلم الروا خفی..... الخ!

وغیرہ بھی موجود ہیں جو خدا کے قدس و تنزہ پر دال ہیں۔

جواب: میری غرض یہ نہیں کہ کیا مراد لیا مطلب تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرنا جو کسی بعید یا اپنے ظاہری معنی سے اس کی شان گھٹاتے اور شایان شان نہ ہوں ہرگز جائز نہیں بلکہ سراسر توہین اور اس کی جلال توحید کے خلاف ہے۔

مرزا صاحب یا مختار مدعا علیہ کی نسبت کیسی تاویلی معنی سے لفظ خطا و غلطی کو منسوب کیا جائے تو چراغ پا ہو جائیں اور جوابات دیں۔ مگر خدا کی طرف منسوب کر کے تاویلیں نکالیں۔ پھر جس اصل مذہب اس کے اس قدر مندرجہ بالا صریح اور لا جواب کفریات سے واضح ہو چکا ہے۔ اس کے لئے تو کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ مختار مدعا علیہ نے اس ہیڈنگ کا حوالہ اس ہیڈنگ کے تحت اور اس کا اس کے تحت غلط ملط کر کے اسی لئے جواب دیا ہے تاکہ میری قائم کردہ ترتیب میں جو صریح قرآن ہیں وہ غلط ہو کر عدالت کی توجہ سے اوجھل ہو جائیں اور وہ مغالطہ دہی میں کامیاب ہو سکیں۔ بہر حال میرا یہ اعتراض بھی صرف لفظ خطا کی خدا کی طرف نسبت کرنے پر تھا۔ جو بھی نیت ہو صریح لفظ اور توہین میں نیت کا اعتبار نہیں۔

اس کا جواب تو یہ تھا کہ کسی آسمانی کتاب و صحیفہ و کسی حدیث یا بزرگ یا ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے استعمال میں دکھا دیتے کہ اس نے خدا تعالیٰ کی نسبت لفظ خاطی یا خطا کا استعمال کیا ہے اور میں عدالت کو یقین دلاتا ہوں کہ کہیں بھی خدا کی طرف خطا کی نسبت سوائے مرزائی لٹریچر کے نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ایسے جاہ جلال ”فقال لما یرید علام الغیوب“ کی نسبت کوئی ایسا شخص جو اپنے آپ کو بندہ کہتا ہو اور اسے مالک سمجھتا ہو کیونکر کر سکتا ہے۔

اور پھر یہ کہے کہ یہ خدا کا الہام ہے ایسے الہام رحمانی نہیں بلکہ شیطانی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فتوحات وغیرہ میں مذکور ہیں ان کو حاکمیت نقل کرنے سے ہی روکنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ”حاشا للہ عیاذاً باللہ۔ ثم عیاذاً باللہ“

خدا بھی خطا کرنے لگ جائے تو صواب پھر کون کرے گا۔ ہمارے نزدیک تو نبی بھی معصوم اور ولی بھی محفوظ ہوتا ہے۔ جب کہ اس لفظ خطا کی نسبت جو صراحتہ تنقیص جلال توحید ہے۔ ایک محاورہ بھی نہ پیش ہو سکا تو گوارا اور بہت سے غیر متعلق حوالوں سے کاغذ سیاہ کیا ہو یہ اعتراض بھی لا جواب ہی رہا۔ یہاں نیت اور مراد پر اعتراض ہی نہ تھا۔ بلکہ استعمال لفظ پر تھا جو بدستور قائم ہے۔

تاویلات رکیکہ پر ایک سرسری نظر

گو اس توضیح کے بعد ہمیں مدعا علیہ کی پیش کردہ تاویلات کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ مگر اس کے شائع ہونے پر کوئی نا سبجہ انسان مغالطہ میں پڑ جائے۔ اس لئے اس کی حقیقت بے نقاب کرنا بھی ضروری ہے۔ پس مختصر ایہ گزارش ہے۔ (ابوالوفاء)

تاویل مختار مدعا علیہ

..... اس کا تشریحی نوٹ نیچے لکھا ہے۔

جواب: نوٹ کے ابتدائی الفاظ میں: ”اس وحی الہی کے ظاہری الفاظ یہ معنی رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔“ پھر تردد کی مثال دے کر لکھتے ہیں کہ: ”اسی طرح یہ وحی الہی کہ کبھی میرا ارادہ خطا جاتا ہے اور کبھی پورا ہو جاتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ میں کبھی انہی تقدیر و ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہے ہوتا ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۰۳، جزائن ج ۲۲ ص ۱۰۶)

عبارت بالا کے خط کشیدہ الفاظ خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔

ہمارا اعتراض ان الفاظ کی نسبت اور ظاہری معنی پر ہے جو مرزا صاحب کو بھی مسلم ہیں کہ: ”میں خطا بھی کروں گا۔“ یا یہ کہ: ”کبھی

میرا ارادہ خطا ہو جاتا ہے اور کبھی پورا ہوتا ہے۔“

باقی جو تاویل کی ہے وہ خود ایک مستقل کفر اور عظیم الشان کفر ہے۔ اولاً الفاظ مکرر ملاحظہ ہوں۔

کبھی میں اپنی تقدیر و ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔“

تفصیل کفریات

..... پہلا کفر اس میں یہ ہے کہ خدا کے ارادہ کو منسوخ اور ایسا مانا ہے کہ کبھی نہیں بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح نص قرآن کے خلاف اور سراسر کفر ہے۔ ”قال اللہ تعالیٰ: انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون“ کہ اس کے امر کا یہ حال ہے کہ جب بھی کبھی کسی چیز کا ارادہ بصورت کن کرتا ہے وہ چیز فی الفور ہو جاتی ہے۔

یعنی اس کے ارادہ اور چیز کے ہونے میں کوئی وقفہ ہی نہیں ہوتا کہ منسوخ یا کبھی نہ پورا ہونے کا احتمال ہو اور یہ مطلب کہ ارادہ کے ساتھ ہی فی الفور ہو جانا یواختیت والجبواہر میں جو ان کے بھی مسلم امام عبدالوہاب شعرانی کی ہے موجود ہے۔ مزید برآں مرزا صاحب کو بھی یہ مسلم ہے اس آیت کا ترجمہ مندرجہ (جنگ مقدس ص ۱۸، جزائن ج ۶ ص ۱۰۱) ملاحظہ ہو: ”حکم اس کا (یعنی خدا کا) اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی



چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے ہو جا پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔“

مختار مدعا علیہ نے بھی بحث ”انما امرک..... الخ!“ کے تحت میں مانا ہے کہ خدا کے کن و ارادہ ہمیشہ متّح ہو تا ہے۔ پس یہ مانا کہ کبھی اس کا ارادہ پورا نہیں ہوتا کھلا ہوا کفر ہے۔

۲..... دوسرا کفر اس میں یہ ہے کہ: ”کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔“ یہ ماننا کہ کبھی اس کا ارادہ جیسا چاہا ہوتا ہے اور کبھی جیسا چاہا نہیں ہوتا مسلم کفر ہے۔ یہ تو انسان کا حال ہے۔ جیسا چاہا ہو کبھی ہو کبھی نہ ہو خدا تو وہ ہے کہ جب بھی جو چاہے جیسا چاہے فی الفور ویسا ہی ہو یہی معنی ان اللہ علی کل شیء قدیر کے ہیں۔ قدر کہتے ہی اسے ہیں جو چاہے جیسا چاہے ویسا ہی ہمیشہ ہوا اگر ہمیشہ نہ ہو یا ویسا نہ ہو تو قدر کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ صفت مختصر باری تعالیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی تحت آیت: ”ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ والقادر هو الذی ان شاء افعل وان لم يشاء لم يفعل والقدير الفعال لما يشاء وعلی ما يشاء ولذلك فلما یوصف به غیر الباری تعالیٰ“ یعنی قدر جو فعال ہے کہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اس لئے غیر خدا کی یہ صفت نہیں ہو سکتی۔

۳..... تیسرا کفر..... یہ کہ خدا کا ارادہ منسوخ اور نہ ہونے والا کہا حالانکہ ارادہ منسوخ ہی نہیں ہو سکتا۔ نسخ صرف وقتی احکام کے اپنے وقت پر ختم ہو جانے کو کہتے ہیں۔ جیسے آج کل کی اصطلاح میں ہنگامی آرڈیننس کہا جاتا ہے۔ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے اختیار قدرت، ارادہ، عقائد و ذات، صفات باری تعالیٰ میں ماننا کفر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معنی نسخ و حکم نسخ کے واسطے بیضاوی تحت آیت: ”مانسوخ من آية..... الخ!“ اور بیان نسخ شرح عقائد شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہ۔

۴..... چوتھا کفر آیت: ”انما امرک اذا اراد..... الخ!“ کے مفہوم کی مخالفت اعتقادی۔

۵..... پانچواں کفر صفت قدر کا انکار۔

لفظ تردد کی آڑ

اس لفظ اور لفظ خطا میں بڑا فرق ہے تردد صرف تامل کا نام ہے اور یہ تو بین کے حق میں ایسا صریح نہیں۔ جیسا کہ لفظ خطا کہ ایسی صریح تو بین پر دال ہے کہ انسان کے واسطے بھی اگر اس نے ارتکاب خطا نہیں کیا۔ اس کا استعمال کیا جرم ہے کہ بخلاف کسی معاملہ میں تردد و تامل۔ باقی اس حدیث کی شرح کا یہ موقع نہیں۔ اس کی شرح کے واسطے اس کے تحت۔ فتح الباری و عمدة القاری شرح بخاری علامہ حافظ ابن حجر مکی و علامہ حافظ بدر الدین عینی یا نووی شرح مسلم ملاحظہ فرمائیں۔ اگر اس میں کوئی لفظ خطا یا اس کا ہم معنی ہوتا تو زیادہ تفصیل کی جاتی۔

مرزا صاحب کے بعض الہام بطور شرح

باقی مرزا صاحب کے یہ الہام: ”ان ربی لا یضل ولا ینسی۔ لا یخفی علی اللہ خافیہ۔ انه یعلم السر و اخیفی..... الخ!“ جو (اربعین نمبر ۲ ص ۳۶، خزائن ج ۱ ص ۳۸۲، البشری ج ۱ ص ۳۳، البشری ج ۲ ص ۵۸) سے پیش کئے تو یہ تو قرآن پاک کی آیات ہیں جو بطور الہام مرزا صاحب مکرر نقل کرتے ہیں اس سے ان کے عقیدہ کو کیا تعلق۔

(۱۴)

الارض و السماء معک کما هو معی

خلاصہ جواب مختار مدعا علیہ

(مرآة منیر ص ۷۲، خزائن ج ۱ ص ۸۳)

”ہو اس تاویل سے واحد ہے کہ اس کا ترجمہ مخلوق ہے۔“

- ۲..... ”ہو کی خبر واحد بتاویل مافی السموات والارض ہے۔“ (برایں حصہ چہارم ص ۲۸۷، خزائن ج ۱ ص ۵۷۹)
- ”گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے اس الہام سے مرزا صاحب پر یہ بہتان باندھا ہے کہ گویا مرزا صاحب نے اس الہام سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر جانا ہے۔ حالانکہ نہ تو مرزا صاحب کا عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو..... الخ!“
- ۳..... اس الہام کا وہ مطلب ہے جو (برایں حصہ پنجم ص ۶۱، خزائن ج ۲ ص ۷۸) پر ہے۔
- ۴..... اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان سے آپ کی صداقت کے نشانات ظاہر ہوئے:
- آسمان بار نشان الوقت سے گوید زمین..... الخ! تو نے طاعون کو بھی بھیجا میری نصرت..... الخ!
- ۵..... ”اس قسم کی معیت سے شرک مراد لیا حد درجہ کی نادانی ہے۔ کیونکہ اگر اس سے شرک لازم آیا تو جو خدا کی معیت کا مدعی ہو زیادہ مشرک ہونا چاہئے۔“ الخ (آیات)
- ۶..... ”مشابہت تامہ مراد نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ صداقت کے نشان ہیں۔“
- ۷..... ”اس میں حاضر و ناظر ہونا مراد لینا بعید از عقل نہیں بلکہ پر لے درجہ کی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہے۔“
- جواب:**

- ۱..... یہ گواہ نمبر ۱ مدعیہ کا ہرگز استدلال نہیں۔ عدالت خود گواہ نمبر ۱ مدعیہ کا بیان ملاحظہ فرمائے۔ وہاں اس تقریر کا نام و نشان بھی نہیں۔ اور دراصل جو اس سے استدلال کیا گیا ہے اور بحث میں متعدد مرتبہ تذکرہ آیا وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں لیکتا ہے۔ ان ہی صفات اور تمام امور میں۔ پس کسی چیز کی خدا سے تشبیہ دینا خواہ وہ کسی قسم کی تشبیہ ہو، موہم تنقیص و شرک ہے اور دوسرے مشرکانہ عقائد کی روشنی اور متکلم کے دیگر اقوال کے قرینہ سے یہ بھی ایک مشرکانہ عقیدہ ہو جائے گا۔
- اس الہام میں کہ: ”الارض والسماء معک کما هو معی“ یعنی زمین و آسمان تمہارے (یعنی مرزا صاحب کے) ساتھ ویسے ہی ہیں جیسے کہ وہ میرے ساتھ۔
- کسی قسم کی معیت ہو خواہ علی خواہ کوئی اور، جس طرح خدا کے ساتھ کوئی چیز ہے، اسی طرح کسی اور سے معیت ثابت کرنا خدا کے ساتھ شرک نہیں تو توحید کا کون سا حصہ ہے۔

### مفصل جواب تاویلات

- ۲..... مختار مدعا علیہ نے اولاً ضمیر ”ہو“ کی بحث کی کہ مخلوق مراد ہے..... الخ!
- جواب:** جواب خواہ مخلوق مراد ہو یا ہر ایک زمین و آسمان اعتراض تشبیہ کا کہ خدا جیسی معیت کو بدستور باقی اور شرک ثابت کرنے کو کافی دوانی ہے۔
- ۳..... (برایں حصہ پنجم ص ۶۱، خزائن ج ۲ ص ۷۸) پر عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ اس الہام کا کوئی مطلب بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے استنباط بھی نہیں ہو سکتا البتہ مختار مدعا علیہ کی خوش عقیدگی سے یہ مطلب اگر نکلتا ہو تو وہ نہ کسی پر حجت ہے نہ مرزا صاحب کی مراد۔
- ۴..... یہ کہنا کہ اس سے مراد صداقت کے نشان ہیں اور چند مثالیں دینا محض غلط ہیں۔ یہ تمام صداقت کی مثالیں محض غلط اور جھوٹ اور خدا تعالیٰ پر افتراء ہیں۔ مرزا صاحب کی صداقت کا ایک نشان بھی مدۃ العمر صداقت کی کسوٹی پر نہ اترا موضوع بحث نہیں۔ ورنہ مفصل عرض کرتا۔ نیز اس کھلے ہوئے مشرکانہ عقیدہ سے مراد صداقت کا نشان قرار دینا صرف مختار مدعا علیہ کی ذاتی اور غلط رائی ہے یہ تو ایسا مشرکانہ قول ہے کہ اسلام میں ہم کیا ہمارے باپ دادا نے نہ سنا ہوگا۔

یہ صداقت کی دلیل ضرور ہیں مگر مرزا صاحب کی نہیں بلکہ ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین ﷺ کی۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ایسی باتیں کرنا دجال و کذاب کی نشانی قرار دیا ہے ارشاد ہے کہ: ”لا تقوم الساعة حتى تبعث دجالون کذابون یا تو نکم من الاحادیث مالم تسمعو انتم ولا آباء کم فایاکم وایاہم لایضلونکم ولایفتنونکم (ترمذی شریف، مسلم شریف)“ یعنی قیامت نہیں آسکتی جب تک اس قسم کے دجال و کذاب نہ اٹھیں کہ تمہیں وہ باتیں کہیں جو تم نے اسلام میں سنیں اور نہ تمہارے آباء نے پس ان سے بالکل علیحدہ رہنا۔ دیکھو تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ پھنسانیں۔ اس سے مختار مدعا علیہ خود فیصلہ کرے کہ کیا مطلب ہے۔

۵..... مختار مدعا علیہ کا اس میں سخت کلامی کے بعد یہ ارشاد ہے کہ اگر معیت آسمان و زمین سے شرک ہو تو جس سے خدا کی معیت ہو وہ بھی مشرک ہوگا۔

**جواب:** یہاں معیت کا اعتراض ہی نہیں بلکہ تشبیہ کا ہے کہ جیسی خدا کی معیت ہے ویسی کسی کی نہیں ہو سکتی اور مرزا صاحب کا الہام ہے کہ زمین و آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسے کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔ یہ ”لیس کمثلہ شیء“ کی ایک تائیدی کڑی ہے اور وہاں تمام قرآن بھی مجتمع ہیں۔ اسے کاٹ کے علیحدہ جواب ہی اس لئے دیا گیا تاکہ خلط ہو سکے اور مغالطہ کا موقع مل جائے۔

۶..... تاویل قول مختار مدعا علیہ ”مشابہت تامہ مراد نہیں بلکہ صداقت کے نشان مراد ہیں..... الخ!“

**جواب:** مشابہت تو تسلیم ہی کر لی جو موجب شرک ہے۔ خواہ تامہ ہو یا ناقصہ خدا کے ساتھ مخلوق کسی طور پر مشابہت نہیں رکھتی۔ تامہ کا تو شاید کفار کو بھی خطرہ نہ گزرا ہو۔ ناقصہ کی وجہ سے وہ بھی مشرک ہیں۔ ورنہ کوئی کافر اپنے معبودان باطل کو خدا کے مشابہت نام نہیں مانتا۔

باقی میں بتا چکا کہ یہ صداقت کا نشان یا اس کی طرف اشارہ نہیں بلکہ دجال و کذاب ہونے کی نشانی ہے۔ جواب تو بن نہ سکا مختار مدعا علیہ نے الفاظ ذیل میں اپنا دل ٹھنڈا کر لیا کہ: ”یہ مطلب مراد لینا حد درجہ کی نادانی پر لے درجہ کی جہالت کا مظاہر ہے۔“ جس پر ہم کچھ عرض نہیں کرتے۔ یہ ان کی تیز کلامی ہمارے سر آنکھوں پر۔

(ابوالوفاء)

(۱۵)

## اصلی واصوم اسہروانام

(البشری ج ۲ ص ۷۹)

خلاصہ جواب مختار مدعا علیہ ملاحظہ ہو۔ مختار مدعیہ نے اس الہام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کی گئی ہیں جو خدا کی شان کے بالکل مخالف ہیں اور آیت: ”لا تاخذہ سنة ولا نوم“ کے مخالف ہیں اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ پہلے حصہ میں مذکورہ امور خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں بلکہ لہم کی شان کا اظہار کر رہے ہیں اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کے متعلق ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی تجلی کے نور سے تجھ میں دکھلاؤں گا اور تجھے وہ نعمت دوں گا جو ہمیشہ رہے گی۔ تحقیق خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں۔ اس دوسرے حصہ میں جن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی وجہ پہلے حصہ الہام میں لہم کی حالت ذکر کر کے بیان کی گئی ہے کہ آپ شریعت اسلامیہ کے پابند اور آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

**جواب:** جواب البشری کا حوالہ مذکور عدالت کے حضور پیش ہے۔ یہ حوالہ الہامات ۱۹۰۳ء کے ہیڈنگ کے تحت درج ہے اور اس کا نمبر ۲۳۹ ہے۔ اصل عبارت مع ترجمہ البشری درج ہے اپنا ترجمہ بھی نہیں۔

”اصلی واصوم اسہر وانام واجعل لك انوار القدوم واعطيك مايدوم ان الله مع الذين اتقوا“ (ترجمہ) میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔ جاگتا ہوں اور سوتا ہوں اور تیرے لئے اپنے آنے کے نور عطاء کروں گا اور وہ چیز تجھے دوں گا جو تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ خدا ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (البشری ج ۲ ص ۷۹) ملاحظہ ہو یہ خدا کا الہام ہے۔ مرزا صاحب مخاطب ہیں، خدا تعالیٰ متکلم۔ پھر کس قدر دلیری ہے ایسی کھلی ہوئی چیز میں یہ کہنا کہ ایک حصہ سے مرزا صاحب کی حالت مراد ہے اور وہ متکلم ہیں اور ایک سے خدا مراد ہے۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ مرزا صاحب خدا کی جسمیت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ بحوالہ توضیح مرام گزر چکا کہ: ”اس وجود عظیم کے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر ہیں۔ عرض طول رکھتا ہے..... الخ!“

جس کا مختار مدعا علیہ نے یہ تک جواب نہ دیا کہ یہ غلط ہے اس کے بعد غیر متعلق فقروں کی تاویل میں کہیں۔ مگر ان کا کچھ بھی جواب نہ ہو سکا۔ لہذا مرزا صاحب چونکہ خدا کے جسم وحدوث کے قائل ہیں۔ اسی تخیل پر خدا ان سے یہ بھی کہتا ہے کہ: ”میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں۔“ (البشری بحوالہ مذکور بالا)

اور خدا کے واسطے سونا کجا اونگھ بھی ناممکن ہے۔ اس کی توحید کا ایک جزو عظیم منصوص مصرح یہ عقیدہ ہے کہ: ”اللہ لا الہ الاہو الحی القيوم لا تاخذه سنة ولا نوم..... الخ! (البقرة: ۲۵۵)“

اور جس صفت سے خدا تعالیٰ اپنی پائی کا صراحتاً ظہار کرے اور اپنے واسطے تنقیص اور عیب ٹھہرائے اسے ھیتہ یا مجازاً تاویلاً کسی طرح اس کی طرف منسوب کرنا اس کی توہین اور شرک اور لا الہ الا اللہ کی توحید کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کی شایان شان جو چیز نہ ہو، اسے صرف اس کی طرف منسوب کرنا ہی کفر ہے۔ عقیدہ ہو یا نہ ملاحظہ ہو جرح گو عا مدعا علیہ نمبر ۱۔ مؤرخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء بحوالہ (قادی عالجیری ج ۲ ص ۲۰۸) کہ: ”وہ شخص کافر ہوگا جو خدا تعالیٰ کو ایسی چیز سے موصوف کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں یا خدا کے نام کے ساتھ ہنسی کرے یا بیٹا بنائے یا بیوی بنائے یا اسے جہل کی طرف نسبت یا عجز کی طرف نسبت کرے اور نقص کی طرف..... الخ!“

اور لا الہ الا اللہ کے نوٹس کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب نے مذکورہ بالا کفریات سے نہ صرف ایک دو بلکہ ان سب کا مع شئی زائد ارتکاب فرمایا ہے۔ اس الہام کا یہ مطلب لینا کہ: ”آپ شریعت اسلام کے پابند اور آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔“ کس قدر مضحکہ خیز اور بے ربط تاویل ہے۔ الہام مع انہیں کے ترجمہ کے اوپر درج ہے۔ ملاحظہ فرمایا جاوے۔ اس کی تائید میں مختار مدعا علیہ نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے کہ: ”آنحضرت ﷺ کو ان اشخاص کی باتیں پہنچیں جن میں سے ایک نے کہا کہ میں ساری رات خدا کی عبادت ہی کرتا رہوں گا اور سوؤں گا نہیں اور دوسرے نے یہ کہا تھا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور ایک نے یہ کہا تھا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دیکھو میں تم سے زیادہ متقی اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، میں نے نکاح بھی کیا ہے اور روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ پس تمہیں میری سنت پر چلنا چاہئے۔“

(بخاری کتاب النکاح ج ۳ ص ۳۲)

تو اس بات کا الہام کہ پہلے حصہ میں ملہم کی زبان پر ذکر کیا گیا ہے (اسی راہ کہ تو مے روی بترکستان است) کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور جاگتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ یعنی میں خدائی کا دعویٰ داری نہیں ہوں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں اور ایک مسلمان بندہ ہوں۔

جواب: میں حیران ہوں اور غالباً عدالت کو بھی تحیر ہوگا کہ گفتگو تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرزا صاحب پر ۳ فروری ۱۹۰۳ء کو یہ الہام فرماتا ہے کہ: ”میں جاگتا ہوں اور سوتا ہوں“ اور جواب میں مختار مدعا علیہ یہ حدیث پیش کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ میں روزے

رکھتا ہوں اور اظہار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ تمہیں میری سنت پر چلنا چاہئے۔ اصل ضروری عبارت حدیث ملاحظہ ہو: ”تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دیکھو کہ میں تم سے زیادہ متقی اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، میں نے نکاح بھی کیا ہے اور روزے بھی رکھتا ہوں اور اظہار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں پس تمہیں میری سنت پر چلنا چاہئے۔“

اس میں کس جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو الہام فرمایا کہ: ”میں سوتا بھی ہوں جاگتا بھی ہوں“ اس میں تو آپ صحابہ کو خطبہ یعنی وعظ فرما رہے ہیں کہ میں یہ افعال کرتا ہوں۔ باوجودیکہ تم سے زائد خدا کا خوف رکھتا ہوں تم میری سنت پر چلو اور رہبانیت اختیار مت کرو۔ اس کا کوئی بھی جواب گو غیر معقول ہی ہو مختار مدعا علیہ کے پاس نہیں ہے۔ ادھر ادھر کی بے ربط باتیں اور کبھی کبھی پیش کرتا ہے جو خود اس کی پراگندگی خاطر اور تحیّر کا نمونہ ہیں۔ مختار مدعا علیہ نے غالباً خود اس جواب کی لغویت کا خیال فرمایا اور ایک اس سے زیادہ بے معنی اپنی طرف سے جواب اور پیش کیا کہ: ”یہاں قتل محذوف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد جگہوں میں قتل محذوف ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ بھی انہیں میں سے ہے۔“

**جواب:** یہ وہی قدیمی عادت ہے جو اعتراض مرزا صاحب پر ہو وہ سرکارِ دو عالم ﷺ پر اور جوان کے الہام یا وحی پر ہو قرآن پاک جیسی بے مثل و بے نظیر خدا کی پاک اور آخری اور ہمیشہ رہنے والی کتاب پر کر دیا جاتا ہے۔ اللہ انہیں ہدایت اور سمجھ دے تاکہ یہ بلاوجہ مسلمانوں کا دل نہ دکھائیں۔

اچھا جواب یہ ہے کہ ”قل“ کے محذوف ہونے کی کیا دلیل ہے؟ کہیں مرزا صاحب نے فرمایا کہ یہاں ”قل“ محذوف ہے۔ پھر یہ ایک ہی الہام میں نصف حصہ کے واسطے ”قل“ محذوف اور مرزا صاحب کا کلام اور نصف میں ”قل“ نہیں، خدا کا کلام۔ آخر کچھ تو لگتی ہوئی تاویل ہونی چاہئے۔ سورۃ میں دیکھ لو اگر ”قل“ محذوف ہے تو ساتوں آیتوں میں یوں ہی اور جہاں جہاں ہے یہ تو نہیں کہ آدھے نکلے کا قائل اور آدھے کا اور اور پھر کوئی قرینہ نہیں۔ بخلاف اس کے مرزا صاحب کا اصل عقیدہ ہے کہ خدا کے بے شمار ہاتھ پیر ہیں، طول و عرض بھی رکھتا ہے جسے مختار مدعا علیہ بھی لا جواب تسلیم کر چکا ہے اور ایک حرف بھی جواب نہ دیا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ وہ ضرور خدا تعالیٰ کو مجسم سمجھتے ہیں اور سونا جاگنا خدا ہی کا مراد ہے۔ البشری سے الہام مذکور مع ترجمہ بغور ملاحظہ فرمایا جائے۔ کوئی بھی تاویل کارگر نہیں اور کھلا ہوا کفر ہے۔

مختار مدعا علیہ جب کہ مختار مدعیہ کے اعتراض سے لا جواب رہا تو اس نے گواہ مدعیہ نمبر الف پر ایک بے معنی اعتراض کر دیا تاکہ ان کی شہادت جو نہایت معتبر و معزز اور جرح سے سالم ہے۔ یوں ہی مخدوش ہو جائے۔ اصل الفاظ ملاحظہ ہوں: ”جیسے مختار مدعیہ نے لہم کے صریح اقوال کے خلاف الہام کا مطلب لے کر عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ویسے ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مدعیہ کے چار گواہوں کے علاوہ دو گواہوں میں سے نمبر الف نے عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اور اس الہام کے لئے (البشری ج ۲ ص ۷۹) کا حوالہ دے کر یہ مطلب لکھوایا ہے اور جس طرح میں قدیم ازلی ہوں۔ اسی طرح میں نے تیرے لئے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے۔ حالانکہ نہ یہ الہام کا مطلب ہے اور نہ ہی البشری میں یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں اس فقرہ کا یہ ترجمہ درج ہے اور تیرے لئے ..... تا ..... اختیار کرتے ہیں۔ کیا ایسے گواہ جو بات کو اپنی طرف سے بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنے سے نہیں ڈرتے وہ اس قابل ہیں کہ ان کی شہادت قبول کی جائے۔“

اس میں عدالت کو یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ انہوں نے یہ ترجمہ البشری سے لکھا ہے اور یہ غلط ہے۔ البشری کا ترجمہ اس کے مغائر ہے۔ **جواب:** اولاً یہ ترجمہ نہیں بلکہ اپنا استنباط اور مطلب ہے جو مختار مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ ملاحظہ ہو کوٹیشن مذکورہ بالا کا ابتدائی حصہ۔

اور اس الہام کا البشری سے حوالہ دے کر یہ مطلب لکھوایا ہے۔  
 صرف البشری سے الہام کا حوالہ ہے نہ ترجمہ کا اور مطلب یعنی اپنا استنباط لکھوایا ہے نہ ترجمہ۔ لہذا اعتراض ہی لغو ہے۔  
 نیز البشری کا ترجمہ نہ تو مرزا صاحب کا ہے نہ کسی معتبر عربی دان کا پھر اگر وہ خود صحیح ترجمہ اس عربی کا کر دیں تو کون سی قباحت ہے۔  
 یہ ترجمہ مؤلف البشری باہو منظور الہی کا ہے جس کے متعلق مختار مدعا علیہ نے ۱۸ دسمبر کی بحث میں ”اسمع ولسدی“ کے تحت  
 میں یہ لکھا کہ: ”اس کے مؤلف باہو منظور الہی ملازم محکمہ تارریلوے نے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی عربی دان نہیں۔“  
 پس ایک جاہل آدمی کا ترجمہ کس عربی دان عالم پر کیا جنت تھا وہ غلط تھا۔ اپنا صحیح ترجمہ مطلب خیز پیش کر دیا یہ اور گواہ کے علم و فضل  
 و دیانت کی دلیل ہے کہ غلط ترجمہ پر بنیاد نہ رکھی بلکہ صحیح پیش کر دیا۔ اسے مختار مدعا علیہ مغالطہ سمجھ کر گواہ کو ناقابل اعتبار کہے یا مختار مدعا علیہ اور گواہ  
 مذکور کے واسطے ناشائستہ الفاظ استعمال کرے۔ اس کی خوشی، عدالت کو نہ اس سے مغالطہ ہو سکتا ہے اور نہ بے لوث غیر مجروح شہادت اس  
 طرح مجروح ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کا مسلمانوں جیسا عقیدہ براہین وغیرہ سے خدا کے متعلق نقل کیا ہے۔ اس کا اصولی جواب  
 یہ ہے کہ وہ عقیدہ ابتدائی ہے۔ جب دعویٰ نبوت اور یہ تمام کفریات نہ تھے۔ کیونکہ براہین تو بڑی مقدم کتاب ہے جب تک تمام مسلمان اسی  
 کے ساتھ تھے اور بقول مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کے دشمن اور مرتد مولوی محمد حسین صاحب بنا لوی بھی مداح ہے اور ان کا ریویو اس پر  
 موجود ہے۔ یہ الہام ۱۹۰۳ء کا ہے۔ اس کے بعد کوئی حوالہ اس کے خلاف یا تردید کا نہ پیش کر سکے۔ لہذا یہ بھی لا جواب کفر رہا۔

(۱۶)

## اعطیت صفة الاحیاء والافناء من الرب الفعال

(خطبہ الہامیہ ص ۲۳، جزائن ج ۱ ص ۵۶، ۵۵)

خلاصہ استدلال مختار مدعا علیہ۔

۱..... مرزا صاحب کے مذکورہ بالا الہام سے مختار مدعا علیہ نے یہ غلط استدلال کیا کہ مرزا صاحب نے اس قول سے اپنے آپ کو خدائے  
 تعالیٰ کی صفت محی و ممیت میں شریک مانا ہے۔

۲..... پھر مختار مدعا علیہ پر حسب عادت بہت ناراضی اور تیز کلامی کا اظہار فرما کے لفظ: ”اعطیت من الرب الفعال“ کا اپنی مراد پر  
 قرینہ بتانا چاہا ہے اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ مختار مدعا علیہ نے مغالطہ کے واسطے لفظ: ”من الرب الفعال“ نہیں ذکر کیا۔

جواب: اس جواب میں بھی ہمارے اعتراض کو اپنے الفاظ میں غلط نقل کیا۔ اعتراض یہ ہے کہ کسی کا خدا کے اذن سے بطور معجزہ و کرامت  
 مردہ زندہ کرنا اور چیز ہے اور مارنے جلانے کی صفت اور قدرت حاصل ہو جانا اور چیز ہے یہ تو ہو سکتا ہے اور ہوا ہے کہ انبیاء اولیاء نے باذن  
 الہی بعض مرتبہ مردہ زندہ کیا مگر دائمی صفت مارنے، جلانے کی نہ دی گئی تھی کہ جب چاہیں ماریں جب چاہیں جلائیں۔

پیدا کرنا، رزق و اولاد دینا، مارنا، جلانا یہ وہ صفات ہیں کہ یہ اتفاق اہل سنت والجماعت غیر اللہ میں بطور صفت کے نہ ذاتی  
 ہو سکتے نہ عطائی۔

باذن اللہ کسی کے ہاتھ پر مردہ زندہ ہو جائے۔ مگر اس صفت کے مالک نہیں کر دیئے جاتے کہ اللہ نے یہ صفت دے دی۔ جب  
 چاہیں اختیار سے کام لیں۔ جیسے کہ صفت بنائی عطاء فرمائی، جب چاہیں اس سے دیکھیں۔ صفت سماعت بخشی، جب چاہیں سنیں۔

صفت ملنا وہی کہلاتا ہے کہ ملنے کے بعد استعمال کا ہر وقت ہر طرح مجاز ہو اور معجزہ میں اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ یہاں ”قال اللہ تعالیٰ و ما کان لرسول ان یأتی بایة الا باذن اللہ (الرعد: ۳۸)“

پس مرزا صاحب کا یہ فرمانا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مارنے جلانے احیاء و انشاء کی صفت عطا فرمائی ہے۔ سراسر کھلا ہوا مشرک ہے۔ یہ صفت صفات مختصہ باری تعالیٰ سے ہے کسی کو عطاء نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے۔ ”هو الذی یحیی و یمیت (المؤمن: ۶۸)“ صرف اللہ ہی کی شان مارنا، جلانا ہے۔ تمام کتب عقائد اس سے پر ہیں کہ یہ اور اس قسم کے صفات مختص بذات باری تعالیٰ ہیں۔ پس مرزا صاحب اپنے آپ کو اس صفت میں خدا کا شریک مان کر لا الہ الا اللہ پر مؤمن نہ رہے۔

۲..... اور یہ کہنا سراسر افتراء ہے کہ مختار مدعیہ نے لفظ: ”من الرب الفعال“ حذف کر کے پیش کیا ہے۔ کیونکہ اڈالا تو میرے نوٹوں میں موجود ہے۔ نیز جرح میں کل نوٹ کرایا گیا اور بحث میں اصل کتاب سے اس دعویٰ کے ساتھ پیش ہوا کہ اگر شبہ ہو دیکھ لیں۔ باقی جواب ماسبق سے واضح ہو گیا کہ لفظ: ”اعطیت“ اور ”من الرب الفعال“ کی آڑ شرک سے بچا نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ صفت ذاتی تو کسی کو کیا ہوتی۔ عطا کی بھی یہ صفت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دی۔

جنہوں نے مردہ زندہ کئے منگریزوں نے جن کا کلمہ پڑھا استن حنا نہ جن کے واسطے سسکیاں بھر کر رویا، انہوں نے بھی نہ فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے صفت احیاء و امامتہ و انشاء دی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ دین، صوفیائے کرام، ابدال، قطب، نحوث، کسی سے ایک نظیر بھی پیش نہ کر سکے نہ پیش کی جاسکتی ہے۔

اللہ کے پاک بندے اس سے مبرا و امتزہ ہیں۔ باقی تا ویلیں خواہ خطبہ الہامیہ سے ہوں یا کہیں اور سے محض لغو ہیں۔

(۱۷)

## نئی زندگی نیا خدا

(تزیاق القلوب ص ۳، خزائن ج ۱۵ ص ۴۹۷)

اس کا کچھ بھی جواب مختار مدعیہ پیش نہ کر سکا۔ اصل الفاظ جواب مختار مدعیہ یہ ہیں۔ اس عبارت سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مرزا صاحب (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے ہیں اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب خدا تعالیٰ کو ازلی وابدی غیر متبدل مانتے ہیں اور نیا خدا ہونے سے ہرگز آپ کی یہ مراد نہیں ہے کہ خدا پرانا ہو گیا تھا اور اب نیا ہو گیا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جب انسان خدا کی طرف جھکتا ہے اور ایک نیارنگ عبودیت کا اختیار کرتا ہے جس کو نئی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر نئے رنگ سے تجلی فرماتا ہے اور بندہ سے اس کا معاملہ ایک نیا معاملہ ہوتا ہے..... الخ! مختار مدعیہ نے یہ اپنی طرف سے ایک معنی باہر سے ڈالے ہیں جن کا وہاں کہیں پتہ نہیں، نہ کوئی خارجی سیاق و سباق میں نام و نشان ہے۔ نہ مختار مدعیہ اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش کر سکا نہ پیش کر سکتا تھا۔ مرزا صاحب کی عبارت اس شرکیہ میں بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہے۔ نیز دوسرے کفریات سے ملا کر تو عظیم الشان کفر ہو جاتا ہے جس سے مخلوق کے روئنے کھڑے ہوتے ہیں۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو: ”نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں۔ نئی زندگی انہیں کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو، یقین نیا ہو، نشان نئے ہوں اور دوسرے تمام لوگ قصوں اور کہانیوں کے جال میں گرفتار ہیں۔“

(تزیاق القلوب ص ۳، خزائن ج ۱۵ ص ۴۹۷)

باقی اللہ کے متعلق مرزا صاحب کو خوش عقیدگی جو کشتی نوح اور اشتهار لمحہ شہادت القرآن سے پیش کی ہے اور اس سے اس کی شرح چاہی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ مرزا صاحب کی عادت ہی کھلے ہوئے متعارضات اور اختلاف بیانی کی ہے۔ محض بے سود ہے۔ جو شخص برابر متعارض کلام بولتا ہو، اس کا ایک کلام دوسرے کی شرح نہیں ہوا کرتا۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)

**متعارض اقوال:** ایک قول مسیح موعود و مثیل مسیح کے متعلق:

۱..... ”میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں، جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔“

نبوت مسیح موعود:

۲..... ”وہ ابن مریم آنے والا ہے کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

**مسیح کا امتحان:**

۱..... ”یہ ظاہر ہے کہ مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں آگئے ہیں۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۶۲۳، خزائن ج ۳ ص ۳۶)

مہدی کے متعلق:

الف..... ”اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مادہ کو نئے سرے سے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا، تقدیر الہی میں مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی، وہ میں ہی ہوں۔“

(تذکرۃ الشہادتین ص ۲، خزائن ج ۲ ص ۲۰)

ب..... ”میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے۔ بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں اور حضرت فاطمہؑ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔“

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱ ص ۲۱۳، حاشیہ، ضمیمہ ھقیقۃ النبوة حصہ اول ص ۲۶۹، انوار العلوم ج ۲ ص ۵۷۹)

دعویٰ مہدیت و نبوت:

الف..... ”نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ مہدیت کا دعویٰ ہے جو خدائے تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔“ (حماتہ البشری ص ۷۹، خزائن ج ۷ ص ۲۹۶)

ب..... ”وماکان لی ان ادعی النبوة واخرج من الاسلام والحق بقوم الکافرین“ اور یہ مجھے کہاں پہنچتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے خارج ہو جاؤں اور قوم کافرین سے جا کر مل جاؤں..... یہ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمان ہو کر نبوت کا ادعاء کروں۔

(حماتہ البشری ص ۷۹، خزائن ج ۷ ص ۲۹۷)

ج..... ”اور خدا کی پناہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اور سردار دو جہان محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا دیا، میں نبوت کا مدعی بنا۔“

(حماتہ البشری ص ۸۳، خزائن ج ۷ ص ۳۰۲)

د..... ”میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے انہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں، لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کو سمجھنے میں غلطی کی۔“

(حماتہ البشری ص ۷۹، خزائن ج ۷ ص ۲۹۶)

و..... ”بعد ختم المرسلین میں کسی دوسرے مدعی رسالت و نبوت کو کاذب و کافر جانتا ہوں..... وحی رسالت حضرت آدم صغی اللہ سے شروع ہوئی اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوگئی۔“

(اشہار ۱/۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء، مجموعہ اشہارات ج ۱ ص ۲۳۰)



..... ”ان پر واضح ہو کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔“  
(تبلیغ رسالت ج ۶ ص ۲، مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۲۹۷)  
تکفیر مسلمین:

..... ”یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعہ کے ماسواء جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔“  
(تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۳۰، خزائن ج ۱۵ ص ۴۳۲)

## پہلے قول کا متعارض

..... ”اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔“  
(ازالہ اوہام ص ۱۹۰، خزائن ج ۳ ص ۱۹۲)  
..... ”میں نے صرف مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ختم ہو گیا۔ بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ مثیل میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں۔“  
(ازالہ ص ۱۹۹، خزائن ج ۳ ص ۱۹۷)  
..... ”جس آنے والے مسیح موعود کا حدیثوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس کا حدیثوں سے یہ نشان دیا گیا کہ وہ نبی ہے۔“

(حقیقت الوحی ص ۲۹، خزائن ج ۲۲ ص ۳۱)  
..... ۲ ”حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا ایک کفر ہے۔“  
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۱۹۲، خزائن ج ۲۱ ص ۳۶۲)  
الف ..... ”میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں وہ مہدی ہوں جو مصداق من ولد فاطمة و عترتی وغیرہ ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۱۸۵، گواہ نمبر ۲ ص ۱۳، خزائن ج ۲۱ ص ۳۵۶)  
نوٹ: مرزا نے یہ تفسیر اس لئے کیا کہ کم فہم لوگ ابتداء امرید ہو جائیں اور ہندوستان کی ذہنیت پیر کے متعلق یہ ہے کہ کم پیر من خس است الخ۔ اعتقاد من بس است پھر جو چاہا سنوایا۔

..... ۱ ”ہمارا دعویٰ ہے کہ رسول و نبی ہیں۔“  
(اخبار بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء، ملفوظات ج ۱ ص ۱۰۷)  
..... ۲ ”نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔“  
(حقیقت الوحی ص ۳۹۱، خزائن ج ۲۲ ص ۳۰۶)  
..... ۳ ”سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“  
(دافع البلاء ص ۱۱، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۰)  
نوٹ: باقی حوالوں کے لئے شیخ الجامعہ گواہ مدعیہ نمبر الف کا بیان ملاحظہ ہوں۔

..... ۴ ”ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مردہ ہے..... ہم پر کئی سال سے وحی نازل ہو رہی ہے..... اس لئے ہم نبی ہیں۔“  
(بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء، ہفت روزہ النبوۃ ص ۲۷۲، انوار العلوم ج ۲ ص ۵۸۳، ملفوظات ج ۱ ص ۱۰۷)  
مگر باوجود اس شد و مد کے خصوصاً ۱۹۰۷ء کے بعد کھلا ہوا دعویٰ نبوت ہے۔

## تکفیر مسلمین

..... ”خدا نے میرے اوپر ایمان لانے کے واسطے تاکید کی، میرا دشمن جہنمی ہے۔“  
(انجام آتھم ص ۶۲، خزائن ج ۱۱ ص ۶۲)

- ۲..... ”بہر حال خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔“  
 (حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ج ۲۲ ص ۱۶۷)
- ۳..... ”خط بنام عبدالکیم مرتد۔“  
 (حقیقت الوحی ص ۱۶۳، خزائن ج ۲۲ ص ۱۶۷)
- ۴..... ”ہمارا فرض ہے کہ غیر احمدی کو مسلمان نہ سمجھیں۔“  
 (انوار خلافت ص ۹۰، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۴۸)
- ۵..... ”سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہ ہوئے۔ خواہ انہوں نے ان کا نام تک نہ سنا ہو وہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“  
 (آئینہ صداقت ص ۳۵، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰)
- لہذا یہ بطور کلیہ کے ملاحظہ عدالت کے لئے پیش ہے کہ جس کی عادت اس قسم کی خلاف بیانی کی ہو، اس کی عبارات ایک دوسری کی شرح نہیں ہو سکتیں اور مختار مدعا علیہ نے جو دواز کار بے ربط اور بلاقرینہ کچھ اس قسم کے متعارضات میں تاویلات کر کے تطبیق کی شکل نکالی ہے۔ وہ محض لا حاصل اور بے معنی ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا اور عدالت خود مسل سے ملاحظہ فرما سکتی ہے۔

(۱۸)

## متشابہات

قول مختار مدعا علیہ:

ان اعتراضات کا جواب دینے کے بعد جو مختار مدعیہ نے اس امر کے ثبوت میں پیش کئے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مانتے اور خدا تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان کے شان کے شایان نہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ الہی کلام ہمیشہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک محکم دوسرا متشابہ اور خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ”الذین فی قلوبہم ذبیح یتبعون ماتشابہ منه ابتغاء الفتنة (آل عمران: ۷۰)“ جن کے دلوں میں زلیخ اور کجروی کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ حکمت کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فتنہ برپا ہو اور لوگ حق سے منحرف ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی دونوں قسم کا کلام پایا جاتا ہے اور بعض کو تاندیش متشابہات کو ظاہری مضمون میں لے کر جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے اور خدا تعالیٰ کو بھی ایک مجسم چیز کی طرح سمجھنے اور اس کے لئے ہاتھ آنکھیں وغیرہ ماننے لگے اور یہ سمجھا کہ واقعی عرش پر وہ ایک بادشاہ کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن سمجھ دار اور عارفان الہی نے ایسے کلمات کو حکمت کے تابع کیا اور ان کے ایسے معنی کئے جو حکمت کے مخالف نہ تھے۔“

جواب: عبارت مذکورہ بالا کے خط کشیدہ الفاظ خصوصیت سے قابل ملاحظہ ہیں جس میں اصول ٹھہرایا ہے کہ: ”کلام الہی ہمیشہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک محکم دوسرا متشابہ۔“

مگر واضح رہے کہ یہ اصول مرزا صاحب کے کلام پر اس وقت چسپاں ہوگا کہ ان کے تمام کلام یا الہامات کو الہی کلام اور الہام تسلیم کر لیا جائے اور انہیں دعویٰ نبوت میں سچا اور ان کے الہامات وحی الہی مان لیں۔ حالانکہ یہ چیز خود ماہہ النزاع ہے ہم تو یہ سارے اقوال والہامات یا تو خود ساختہ مانتے ہیں یا وسوسہ شیطانی۔ وہ ہرگز کلام الہی نہیں ہو سکتے۔ تائیدی نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱..... ”یعنی یہ الہام ہوا تھا کہ عورت کی چال ”ایلی ایلی لما سبقتنی بریت اذا کففت عن بنی اسرائیل“

(مکاشفات ص ۵۰، البشری ج ۲ ص ۱۰۷)

(البشری ج ۲ ص ۱۳۲، نقل از بدر ج ۶ نمبر ۳۱ ص ۴)

۲..... ”ہیضہ کی آمدن ہونے والی ہے۔“

- ۳..... ”غلام احمد کی ہے۔“ (البشری ج ۲ ص ۱۳۲)
- ۴..... ”یریدون ان یروا طمشک (یعنی وہ تیرا حیض دیکھنے کا ارادہ کرتے ہیں) اس الہام کی تشریح خود مرزا صاحب کی زبانی اس طرح ہے۔ بابوالہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی یا ناپاکی پر اطلاع پائے۔ مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے۔ جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے۔“ (تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۴۳، خزائن ج ۲ ص ۵۸۱)
- ۵..... ”هو شعناً نساء“ (یہ الہام شاید عبرانی ہے جس کے معنی نہیں کھلے)
- (البشری ج ۱ ص ۴۳، نقل از بدر ج ۲ نمبر ۱۶، مطبوعہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء، از حضرت مسیح موعود)
- ۶..... ”پر لیشن عمر براطوس یا بلاطوس۔“
- نوٹ: آخری لفظ بڑالموس ہے یا بلالموس ہے۔ باعث سرعت الہام دریافت نہیں ہوا۔ اس جگہ برالموس اور پرلیشن کے معنی دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے یہ لفظ ہیں۔
- (البشری ج ۱ ص ۵۱، نقل از مکتوب احمدیہ ج ۱ ص ۶۸)
- ۷..... ”غشم غشم له دفع الیہ من مالہ دفعته دیا گیا اس کو مال اس کا چاٹک۔“
- (البشری ج ۲ ص ۵۰، نقل از الحکم ج ۲ نمبر ۲۶، ۲۷)
- ۸..... ”آئی بو۔ یو“ (ترجمہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں)
- (A) I love you
- (B) I am with you
- (C) I shall help you
- (D) I can what i will do
- (E) We can what we will do
- (F) This is my enemy.
- ”یہ میرا دشمن ہے۔“
- ان الہامات کے نزول کے وقت ایسا لہجہ اور تلفظ معلوم ہوا کہ گویا ایک انگریز ہے جو سر پر کھڑا ہوا بول رہا ہے۔
- (البشری ج ۱ ص ۱۷، نقل از براہین احمدیہ ج ۴ ص ۴۸۰، خزائن ج ۱ ص ۵۷۱، ۵۷۲)
- ۹..... ”خاکسار پیپر منٹ“
- (کشف نمبر ۱۵، الحکم ج ۱ نمبر ۷، البشری ج ۲ ص ۹۴)
- ۱۰..... ”ورڈ اینڈ ٹوگرلس“ (ترجمہ الہامی) ایک کلام اور دو لڑکیاں۔
- (البشری ج ۲ ص ۱۰۶)
- ۱۱..... ”کلیسا کی طاقت کا نسخہ“
- (البشری ج ۲ ص ۱۱۴، بدر ج ۱۹ ص ۲)
- ۱۲..... ”اب تک پیچھا نہیں چھوڑتی“
- (البشری ج ۲ ص ۱۱۴، کشف نمبر ۲۲۹)
- ۱۳..... ”کترین کا بیڑا غرق ہو گیا“
- (البشری ج ۲ ص ۱۲۱)
- ۱۴..... ”امین الملک جے سنگھ بہادر“
- (البشری ج ۲ ص ۱۱۸)
- ۱۵..... ”خیر۔“
- (کشف نمبر ۲۳۹، بدر ج ۲ نمبر ۳۸، البشری ج ۲ ص ۱۱۹)

۱۶.....

آنکھ گوید ابن مریم چوں شدی ہست او غافل ز راز ایزدی

آں خدائے قادر و رب العباد	در براہین نام من مریم نہاد
مدتے بودم برگ مریمی	دست نادادہ نہ پیران زمی
بچو بکرے یا فتم نشوونما	از رفیق راہ حق نا آشنا
بعد ازاں آن قادر رب الجبید	روح عیسیٰ اندران مریم و دمید
پس بہ نقش رنگ دیگر شد عیاں	زاو زان مریم مسیح ابن زماں
زیں سبب شد ابن مریم نام من	زانکہ مریم بود اول گام من
بعد ازاں از نفتح حق عیسیٰ شدم	شدرز جائے مریمی برتر قدم
ایں ہمہ گفت است رب العالمین	گرنے دانی براہین را بین

(حقیقت الوحی ص ۳۳۹، خزائن ج ۲۲ ص ۳۵۲)

(حقیقت الوحی ص ۹۷، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۱)

۱۷..... برہمن اوتار سے مقابلہ اچھا نہیں۔

پس ہر عقل مند یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ بے سرو پا کلام ہرگز الہام الہی یا کلام ربانی نہیں ہو سکتا۔  
دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی دعویٰ سرے سے غلط ہے کہ ہر الہی کلام دو قسم کا ہوتا ہے۔ محکم و متشابہ۔ بلکہ یہ صرف قرآن حکیم کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ آیت ہی سے واضح ہے جس کے ابتدائی اور آخری حصہ کو صرف اسی مغالطہ دہی کے واسطے کاٹ کر پیش کیا ہے۔ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو: ”هو الذی انزل علیک الكتاب منه آیات محکمات هن ام الكتاب و اخر متشابہات (آل عمران: ۷)“

اسی اللہ نے آپ پر قرآن اتارا جس میں کچھ آیات، محکمات ہیں جو اصل اصول کتاب ہیں اور کچھ متشابہات۔ اس میں تصریح ہے کہ یہ تقسیم صرف قرآنی آیات کی ہے۔ حتیٰ کہ تورات و انجیل کی بھی نہیں۔ یہاں تک مرزا صاحب کے کلام کے واسطے گنجائش نکالی جائے۔ دوسرے اصطلاح قرآنی میں متشابہ وہ ہیں جو اللہ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے درمیان گفتگو کے لئے رموز و اشارات ہیں۔ جنہیں کسی اور کے سمجھانے کو نہیں اتارا۔ ان کا حکم یہ بتایا کہ علماء بھی اس میں غور و خوض نہ کریں، بلکہ بلا تامل اسے خدا کی طرف سے سمجھ کر بلا تاویل کی فکر کے اس پر ایمان لے آئیں۔ جیسے: ”حمعسق (الشوری: ۱، ۲) کھٹی قص (مریم: ۱)“ استوئی علی العرش..... الخ! وغیرہ۔ حالانکہ مرزا صاحب کا کلام نہ قرآن منزل علی سیدنا محمد ﷺ نہ اس پر بلا تامل ایمان لانا اور تاویل تک نہ کرنا ضروری ہے۔

خود مختار مدعا علیہ بھی اس میں تاویلات کر کے یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ متشابہات نہیں۔ کیونکہ اسی آیت پیش کردہ کا آخری حصہ جسے اسی مغالطہ کے لئے قطع کر دیا ہے کہ: ”وما یعلم تاویلہ الا اللہ (آل عمران: ۷)“ متشابہات کی تاویل کوئی بھی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور علماء راہنمائی بھی خدا کی طرف سے مان کر اس پر آمنا کہتے ہیں۔ پس یہ متشابہات نہ ہوئے۔

یہ کہنا بھی سراسر لغو ہے کہ یہ مرزا صاحب کا کلام متشابہات سے ہے اور جن کے دلوں میں زلیغ اور کجروی کا مادہ ہوتا ہے وہ فتنہ برپا کرنے کے واسطے اس کے پیچھے پڑتے ہیں..... الخ!

کیونکہ اگر اس جیسے کھلے ہوئے کفریات اور لا جواب مشرکانہ خیالات کسی کو کفر سے بچا سکتے ہیں تو مختار مدعا علیہ کے اصول پر فرعون و نمرود، ابولہب بلکہ شیطان لعین کے کلام کو بھی متشابہات میں مان کر عین ایمان کلمات بتانے پڑیں گے۔ فرعون کا انار بکم الاعلیٰ، نمرود کا انا احی و امیت، ابولہب کا تبا لک، یہود کا السام علیکم، شیطان لعین کا انا خیر منہ..... الخ!

کیا یہ اسی اصول کے کلمات نہیں کہ تاویل ہو سکے۔ بلکہ مرزا صاحب کے کلام سے اس میں زیادہ آسانی سے تاویل ہو سکتی ہے۔

اول دونوں نمبر: انار بکم الاعلیٰ، انا احی و امیت کے مقابل مرزا صاحب کا انت اسمی الاعلیٰ اور اعطیت صفة الاحیاء والافناء من الرب الفعال کا مقابلہ کر کے تاویلیں دیکھ لی جائیں۔ اگر یہ کہیں کہ مذکورہ بالا اشخاص کا کفر دوسرے اڈلہ سے متفق علیہ ہے تو مرزا صاحب کو دنیا اسلام کا کونسا فرقہ مسلمان مان رہا ہے۔ عرب ہوں یا عجم، ہندوستان ہو یا افغانستان، مصر ہو یا شام، غیر مقلد ہو یا مقلد، حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی، صوفیہ کا گروہ ہو یا علماء طواہر کا، دیوبندی ہوں یا بریلوی، اہل سنت والجماعت ہوں یا شیعہ حضرات یا اہل قرآن۔ غرض کوئی ان کا کفر واضح ہونے کے بعد انہیں مسلمان نہیں سمجھتا۔

اور اس قدر آفتاب سے زیادہ روشن و واضح کفریات کے بعد یہ مجمل اور متشابہ کفریات بھی مختار مدعا علیہ کے اسی تراشیدہ اصول کے تحت کفر ہی پر محمول ہوں گے، نہ اسلام پر اور تشابہات کا حکمت پر محمول کرنا متفقہ اصول قرار دیا ہے اور ہم نے بھی اڈلہ بنیادی طور پر حکمت سے کفر ثابت کر کے تائید میں ان گول مول الہامات کو پیش کیا ہے۔ اصل بنیاد کب ہیں، دیکھئے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تحت میں سب سے اول ”والوہیتہ تتموج فی بنیادی اصول ہے کہ اس کی الوہیت میرے اندر موجود ہے۔“ اور جن میں الوہیت ہو وہ الہ کہلانے گا اور جس میں ربوہیت ہو وہ رب۔ پھر جب کوئی شخص اپنے کو بھی الہ مانے اور منوائے اور لا الہ الا اللہ بھی پڑھے، ایک مرتبہ کیا کر دے مرتبہ، ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لا الہ الا اللہ میں صرف ایک اللہ الہ ہے اور یہاں نہ بھی الہ ہے۔ نیز اس کے سارے مریدین جن میں مدعا علیہ عبدالرزاق بھی ہے۔ ان کے اس قول پر کہ الوہیتہ تتموج فی ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی لا الہ الا اللہ بظاہر پڑھ کر بظاہر الوہیت کا حصہ صرف خدا تعالیٰ میں مانتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب کے اندر بھی الوہیت کے معتقد ہیں۔ پس جب کہ خدا کے سوا کسی ایک میں بھی الوہیت مان لی تو کلمہ توحید پر جس کا مطلب صرف ایک خدا ہی کے اندر الوہیت منحصر کرنا تھا ہرگز ہرگز ایمان دار نہ رہے۔ اس سے زائد کیا وضاحت چاہتے ہیں اور اس سے زائد محکم کیا ہوگا کہ اوروں کا الٹا سیدھا ربط بے ربط جواب تو دیا، مگر اس کے جواب کا باوجود سینکڑوں صفحات سیاہ کرنے کے نام تک نہ لیا:

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن شاہ کنعان کا قول مختار مدعا علیہ:

”اور آنحضرت ﷺ کی اتباع میں کالمین امت محمدیہ کو تشابہات و رشہ میں ملے جن پر خشک ملاؤں نے جہالت و نادانی سے اعتراضات کئے اور ان کے موردوں کو کافر و مرتد و واجب القتل ٹھہرایا..... الخ!“

تمام علماء کرام حتیٰ کہ علمائے حرمین شریفین کثر ہم اللہ تعالیٰ سواد ہم اور تمام صوفیاء کرام اور بلا استثناء تمام فرق اسلامیہ نے مرزا صاحب اور ان کے اذنان و اتباع و مریدین و معتقدین کو بلکہ ان کفریات پر مطلع ہونے کے بعد، مرزا صاحب کو مسلمان سمجھنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا ہے۔

اب مختار مدعا علیہ کی خوشی جی چاہے، انہیں خشک ملا، جاہل و نادان کہے یا اس سے بڑھ کر کوئی گالی دے۔ جب کہ ان کے مقتداء نے تمام انبیاء کرام حتیٰ کہ سید المرسلین ﷺ، اہل بیت کرام ﷺ و صحابہ کرام ﷺ کو سب کچھ ان کی کہہ ڈالی تو ان سے یہ کوئی غیر متوقع نہیں۔ حضور ﷺ کے بعد مدعیان نبوت اور ان کی امت کا یہ شیوہ ہی ہونا تھا۔ ورنہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد یا تو نکم من الاحادیث سالم تسمعوا انتم ولا اباہ کم کیونکر ہوتا اگر یہ نہ کرتے تو حضور ﷺ صادق و صدوق کی یہ پیش گوئی غلط ہو جاتی اور دین درہم برہم ہو جاتا۔ العیاذ باللہ! صدق اللہ ورسولہ ﷺ۔

قول مختار مدعا علیہ:

”امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں تشابہات مثل ید التواء..... تا..... صحو (ہوش) میں تھے۔

(مقامات امام ربانی ص ۵۰)

اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال صحیح سمجھی جائے تو امام ربانی کی اس منقولہ حدیث سے خدا کا مجسم ہونا اس سے بہت بڑھ کر ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے مرزا صاحب کے تشابہات الہامات سے آپ کے منشاء اور کھلی کھلی تشریحات کے خلاف معنی لے کر ثابت کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ اس میں محک اللہ کے لفظ ہیں جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنسا اور مختار مدعیہ کی طرز استدلال کے لحاظ سے ہنسنے کے لئے ان چیزوں کی جن سے ہنسنے کا فعل منحصر ہے۔ یعنی رخسار اور لب وغیرہ کی ضرورت ہے اور جس میں یہ چیزیں پائی جائیں۔ اس کے مجسم ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

جواب یہ مختار مدعا علیہ کا اپنا اختراع ہے کہ اس حدیث میں محک کے معنی ہنسنے کے ہیں جس کے واسطے لب و دندان مندر کار ہے۔ یہاں محک کے معنی کسی نے ہنسنے کے نہیں کئے کسی حدیث یا تصوف کی کتاب حتیٰ کہ مسلم و مقبول امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب یواقیت کو دیکھتا تو بھی یہ بہتان نہ باندھ سکتا اور اگر کچھ توفیق نہ ہوئی تھی تو کسی ڈکٹری لغت کی کتاب محک کے معنی دیکھ لیتا کہ اس کے حقیقی معنی راضی ہونے اور قبول کرنے کے ہیں اور یہی راضی ہونے کے معنی حدیث میں مراد ہیں کہ اللہ راضی و خوش ہوا۔ ملاحظہ ہو: ”منتھی الارب“

”ضحک ضحکاً بالفتح و ضحکاً بالكسر و کسرتین..... راضی شد و قبول کرد“

یوں ہی متعدد محاورات تاج العروس و لسان العرب میں موجود ہیں جو مرزا صاحب کی بھی مسلم لغات ہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ

مدعا علیہ نمبر ۱۔

اس حدیث نبوی جس میں خدا کی طرف نسبت محک ہے جس سے مختار مدعا علیہ الزاماً خدا کا مجسم ہونا ثابت کر رہا ہے اور مرزا صاحب کی غیر مسئول لاجواب عبارت کہ: ”اس وجود اعظم کے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر ہیں، طول و عرض رکھتا ہے۔“ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں محک ہے جس کے معنی اصل لغت میں راضی و قبول کرنے کے ہیں اور یہاں صراحتاً نہ صرف ہاتھ پاؤں، بلکہ طول و عرض جو بالاتفاق جس کے لوازم ہیں۔ موجود ہیں جن کی کوئی جھوٹی سچی الٹی سیدھی ربط و بے ربط تاویل مختار مدعا علیہ سے بھی نہ بن پڑی اور اس کا نام تک نہ لیا اور اس سے اگلے فقرات کی شرح شروع کر دی۔

یہ چیزیں صرف فریق مدعیہ کے جذبات کو مجروح کرنے کے واسطے معرض بیان بلکہ ریکارڈ مسل پر لائی گئیں کہ جو جو اعتراضات مدعیہ کی طرف سے ہمارے رسول قدرتی پر کئے جائیں گے وہ سب ان کے رسول تاجدار مدنی ﷺ پر دہرا کے دل ٹھنڈا کر لیں گے۔ ہم عدالت کو یقین دلاتے ہیں کہ اس قسم کے امور باوجودیکہ ہمارے واسطے انتہائی صبر شکن اور ناقابل برداشت رہے۔ مگر ہم نے خدا جانے کیوں کر برداشت کیا اور سوائے عدالت کی توجہ مبذول کرانے کے کوئی احتجاج روانہ رکھا:

وائے ناکامی الفت ہائے محرومی عشق غیر سے کرنی پڑی ہے التجا تیرے لئے  
باقی مجدد صاحب کی عبارت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بالکل عبارت بے غبار ہے کوئی ان کی تائید نہیں۔ محض اپنی طبیعت سے بہتان باندھا ہے۔ رہی حدیث: ”ان اللہ خلق ادم علی صورۃ“ اس کا مفصل جواب اوپر بحوالہ انہیں کے مسلم امام عبدالوہاب شعرانی کی زبانی (الیواقیت و الجواہر ج ۱ ص ۱۱۸) سے گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قول مختار مدعا علیہ:

”یہ سب امور موجب کفر و ارتداد ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کی تحریر میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو مدینہ کی گلیوں میں ایک بے ریش نوجوان کی شکل میں دیکھا اور اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور یہ تمام باتیں بھی مختار مدعا علیہ کی عجیب و غریب مگر خلاف اہل اسلام طرز استدلال کے رو سے خدا کو مجسم ٹھہراتے ہیں۔ چونکہ بے ریش نوجوان اور اس کا ہاتھ اور اس کی ٹھنڈک وغیرہ امور مجسم کو چاہتے ہیں اور صرف مجدد الف ثانی ہی کو جنہوں نے یہ حدیث نقل کیا ہے۔ نعوذ باللہ! مشرک و کافر مرتد نہیں ٹھہراتے۔ بلکہ نعوذ باللہ! دور دور اور بہت دور تک نوبت پہنچائی ہے۔ دیوبندی مولوی بظاہر تو مجدد الف ثانی کو بڑی شہ و مد سے اپنا قبلہ و کعبہ بتلاتے ہیں۔ مگر جب دوسروں کو کافر کہنے کا شوق زور کرتا ہے تو ان پر ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔“

اس میں جس قدر سوچنا نہ لہجہ اور تیز کلامی ہے وہ عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ یہ جوابات کس جذبہ عداوت کے تحت میں دیئے گئے ہیں اور ان کی اصولاً کیا حیثیت ہے، میں اصل مدعا یعنی حدیث۔ میں نے مدینہ کی گلیوں میں اللہ تعالیٰ کو ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا..... الخ! کا جواب پیش کرتا ہوں جس سے مختار مدعا علیہ خدا کا مجسم ہونا ٹکانا چاہتا ہے۔

**جواب:** اولاً اس حدیث کو تمام مسلم ائمہ جرح و تعدیل جیسے امام بیہقی ابن سعید قطان جو جرح و تعدیل کے امام ہیں اور ابن معین وغیرہ اس حدیث کو مختلف طرق سے مجروح بتاتے ہیں۔ بلکہ علامہ ابن جوزی تو اسے موضوع قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں کتب رجال نیز تذکرۃ الموضوعات۔ ملاحظی قاری وغیرہ اور مجروح حدیث تو مختار مدعا علیہ بلکہ مرزا صاحب کے نزدیک بھی ناقابل اعتبار ہے (ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء) حدیث بشرطیکہ جرح سے خالی ہو معتبر ہوگی۔

نیز عقائد میں اگر مجروح نہ بھی ہو تو بھی قطعاً اعتبار ہے اور متواترات کا اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث کو معتبر نہیں۔ چہ جائے احاد مجروح۔

(ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نمبر ۲ جرح گواہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء)

صرف جلال الدین سیوطی (جن کو ان کے زمانہ کے علماء اور معلم ائمہ علامہ سبکی وغیرہ حاطب لیل رطب و یابس جمع کرنے والا قرار دیتے ہیں اور محمد طاہر صاحب مجمع البحار تصحیح کرتے ہیں اور یہ دونوں حضرات امام جرح و تعدیل نہیں اور ہر فن میں صرف اسی فن کے اہل اور امام کی رائے معتبر ہوتی ہے جو مرزا صاحب اور گواہ مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ (ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء) باقی صاحب تذکرۃ الموضوعات کا ابوزرہ سے حدیث ابن عباس کی تصحیح نقل کرنا تو اول تو وہ اور حدیث ہے۔ دوسری اسی میں یہ بھی اسی جگہ منقول ہے کہ واہ بفوادہ کہ یہ دل اور قلب کا دیکھنا مراد ہے نہ آنکھوں کا۔ حتیٰ کہ مجسم ہونا لازم ہے۔

اسی تذکرہ میں مطلب حدیث یہ لکھا ہے: ”حدیث اگر خواب میں دیکھنے پر محمول ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر بیداری پر محمول کریں تو ہمارے استاد کمال الدین ابن ہمام کا ارشاد ہے کہ یہ خدا کا دیکھنا نہیں بلکہ حجاب صورتہ کا دیکھنا ہے جو باری تعالیٰ کے حجابات سے ہے۔ اصل عبارت: ”والحدیث ان حمل علی رویتہ المنام فلا اشکال وان حمل علی الیقظۃ فاجاب استاذنا کمال الدین ابن ہمام بان هذا حجاب الصورة..... الخ!“

(تذکرۃ الموضوعات مصری ص ۱۲)

اور مختار مدعا علیہ کے یہی مسلم امام ابن عربی، عبد الوہاب شعرانی بھی اسی طرح فرماتے ہیں کہ یہ خدا کی صورت نہیں دیکھی۔ بلکہ اس کے آئینہ جلال میں خود اپنا نقشہ دیکھا۔ جیسے کہ آئینہ میں ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی صورت ہوتی ہے نہ آئینہ۔ ملاحظہ ہو:

(یواقیت واللجواہر ج ۱ ص ۱۲۳)

اصل عبارت: ”فان قلت فاذا ما راى العبد الا صورة نفسه فى مرآة معرفة الحق وما راى الحق حقيقة قلت نعم وهو كذلك فحكمه الانسان الذى راى وجهه فى المرآة المحسوسة فانه يرى صورة نفسه حاجة له عن مشهود جرم المرأة“

اولاً مرزا صاحب کے کلام پر جو ہمارا اعتراض تھا وہ رسول اللہ ﷺ پر اور مجدد صاحب وغیرہ پر دہرایا۔ پھر وہی اعتراض خدا نے قدوس اور اس کے پاکیزہ کلام پر چسپاں کرنے کے واسطے مندرجہ ذیل آیات پیش کر کے وہی اعتراض دہرایا ہے۔

آیات: ”استوى على العرش (الاعراف: ۵۴) يحمل عرش ربك فوقه يومئذ ثمانية (الحاقة: ۱۷) يدها مبسوطة (المائدة: ۶۴)“

ان آیات کی تفسیر چونکہ یہاں سے غیر متعلق ہے اور طول طویل ہے جس کی عدالت کی جانب سے اجازت نہیں۔ جنہیں دیکھنا ہو تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، تفسیر ابن عربی، تفسیر کبیر ملاحظہ فرمائیں۔

باقی مختار مدعا علیہ کا یہ حوالہ بالکل مفید نہیں کیونکہ ہم نے مرزا صاحب کی صریح کلام کو بنیاد قرار دیا ہے۔ (الوہیہ تتموج نے) اور طول و عرض رکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ! لہذا اس قسم کے تشابہات کی آڑ ہی بے کار ہے۔ اسی پر اہتر لہ العرش وغیرہ کو قیاس فرمائیں۔ قول مختار مدعا علیہ: آخر میں اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ مرزا صاحب کے الہامات میں بھی محکم اور تشابہ دونوں قسم کا کلام ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ حسب قاعدہ تشابہ کو محکم کے تابع کرنا چاہئے۔ یعنی لہم کے تشابہ الہام کے معنی..... خود بیان کر دیئے ہوں تو کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ ان مضمون کے خلاف کوئی اور معنی نکالے۔ تشابہ الہام تو الہام ہے کسی مبہم یا ذوالوجہ عبارت کے معنی بھی منشاء متکلم کے خلاف نہیں نکالے جاسکتے اور یہ وہ اصل ہے جس سے دنیا میں کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ دیوبندیوں کے ابن شیر خدا اعلیٰ المرتضیٰ سابق ناظم دارالعلوم دیوبند مختار مدعا علیہ نمبر ۲ بھی بضر دہل اس کی تصدیق و تائید کا اعلان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ: ”اب اپنی طرف سے خلاف منشاء متکلم کلام کے معنی تجویز فرماتے ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون!“

(السحاب المدرار ص ۴۳)

”علاوہ ازیں تصنیف رامصنف نیکو کند بیان جب مصنف خود فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے تو اب کسی کو چون و چرا کی گنجائش

کیا ہے۔“

اور مفتی دیوبند مولوی محمد شفیع گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے بھی ۲۰ اگست کو جرح کے جواب میں اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ: ”اگر مختلف

اقوال مذکور ہوں تو مبہم قول مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔“

الجواب: اسی مسلمہ منفقہ اصول پر ہم بھی مرزا صاحب کی کلام کی تاویلات جو مختار مدعا علیہ نے کیں، ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور اس کے الہامات کا مطلب والوہیہ تتموج فیہا اور طول و عرض رکھتا۔ وغیرہ وغیرہ!

لاجواب اور صریح اقوال کی روشنی میں مراد لے کر کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ ورنہ خواہ مخواہ ہمیں کوئی ان سے ذاتی عناد نہیں کہ کافر بنائیں

اور عاقبت خراب کریں۔ یہ ضرور ہے کہ کافر کو کافر نہ سمجھنا اور اس کے کفر پر راضی رہ کر دنیا کو مغالطہ میں رکھنا یہ بھی کفر اور رضائے بالکفر ہے۔

نوٹ: آخر میں یہ بھی گزارش کر دوں کہ یہ بلاوجہ تشابہات کی بحث صرف اس لئے چھیڑ گئی کہ ہمارے جذبات مجروح ہوں۔ کیونکہ اس سے صاف واضح ہے کہ مرزا صاحب حضور ﷺ کی طرح اور ان کا کلام قرآن پاک کی طرح ہے اور مرزا صاحب کا بھی یہی مذہب:



آنچه من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دانش ز خطا  
بجو قرآن منزہ اش دامن از خطا ہمیں است ایمانم  
(درشین قاری، نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

اگر حسن ظن کو مختار مدعا علیہ کی نسبت ہم کام میں لائیں، گواہ اس کا کوئی موقعہ نہیں۔ تو یہ عرض کر دیں کہ مختار مدعا علیہ کو یہ بحث چھیڑنے میں مغالطہ ہو گیا ہے کہ اس نے مرزا صاحب کو حضور کی طرح اور ان کی کلام کو قرآن پاک کی طرح سمجھ لیا ہے۔ ورنہ کبھی وہ حکم جو ”ہو الذی انزل الیک الكتاب منه آیات محکمات..... الخ! (آل عمران: ۷۰)“ میں ہے جو صراحتہً صرف کتاب اللہ قرآن حکیم سے مختص ہے۔ مرزا صاحب کی کلام پر چسپاں نہ کرتا۔

اب میں اپنے لاجواب حوالوں کو جو اس ہیڈنگ میں ہیں۔ حسب وعدہ فہرست اپنے جواب کی تائید و تکمیل کے لئے عرض کرتا ہوں کہ باوجود اس طول طویل دور از کار تاویلات کے ہمارا مدعا بدستور ثابت رہا کہ مرزا صاحب اور ان کے تمعین خواہ کتنی ہی مرتبہ لا الہ الا اللہ نمائشی زبان پر لائیں، مگر ان عقائد کفریہ منافی توحید کے ہوتے ہوئے لا الہ الا اللہ پر کسی طرح ان کا ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ لا الہ الا اللہ کے خلاف بالکل لاجواب حوالے جن کا تذکرہ تک نہ کیا۔ تمہید اجرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، یکم مارچ ۱۹۳۳ء و گواہ نمبر ۲، ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء۔

۱..... اذعائے الوہیت: والوہیۃ تتموج فی اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔

۲..... تمہید عینیت: انت منی وانا منک (دافع البلاء ص ۶، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۷)

۳..... عقیدہ جمیعت: اس وجود اعظم کے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر ہیں، عرض و طول رکھتا ہے۔ (توضیح المرام ص ۷۵، خزائن ج ۳ ص ۹۰)

۴..... تحسین و تاویل عقیدہ تثلیث: ان دونوں محبتوں کے کمال سے..... اس کا نام پاک تثلیث ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن اللہ کے ہے۔ (توضیح مرام ص ۲۲، خزائن ج ۳ ص ۶۲)

۵..... شرم دامن گیر ہونا: لیکن تعجب کہ کیسے بڑے ادب سے خدا نے مجھ کو پکارا ہے کہ مرزا نہیں کہا بلکہ مرزا صاحب کہا ہے..... اور پھر دوسرا تعجب یہ کہ باوجود اس کے کہ میری طرف سے یہ درخواست تھی کہ الہام میں میرا نام ظاہر کیا جائے۔ مگر پھر بھی خدا کو میرا نام لینے سے شرم دامن گیر ہوگئی اور شرم کے غلبہ نے میرا نام زبان پر لانے سے اس کو روک دیا۔“ (حقیقت الوحی ص ۳۵۶، خزائن ج ۲۲ ص ۳۶۹)

۶..... صیاد کے ساتھ تشبیہ: ”اب سے پہلے خدا خاموش بیٹھا رہا اور اسی طرح بیٹھا رہا جس طرح صیاد، دجال کے نیچے دانہ ڈال کر بیٹھتا ہے۔“ (تقریر مرزا محمود کادیانی تقدیر الہی ص ۲۹، انوار العلوم ج ۳ ص ۴۸۲)

۷..... تنقیص امر باری تعالیٰ: ”یتم امرک ولا یتم امری“ وہ لاجواب حوالے جن کا جوابی بحث میں تذکرہ ہے۔ مگر اعتراضی پوائنٹ نظر انداز کیا گیا۔

۱..... شرک فی الاسم: ”اغفر وارحم من السماء ربنا عاج“ (براہین احمدیہ ص ۵۵۵، ۵۵۶، خزائن ج ۱ ص ۶۶۲)

۲..... اذعائے یکتائی: ”انت بمنزلۃ توحیدی و تفریدی“ (اربعین نمبر ۳ حاشیہ ص ۲۳، خزائن ج ۷ ص ۴۱۰)

۳..... شرک فی الامر: ”انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون“ (استثناء ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۷۱۴) و جرح

گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء۔ ”لیکن اس الہام میں مرزا صاحب کو خطاب ہے۔“

- ۴..... عقیدہ تثلیث: ”انا نبشرك بغلام مظهر الحق والعلاء كأن الله نزل من السماء“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۸، خزائن ج ۵ ص ۵۷۸) منشاء۔ اعتراض کا ان کی تثلیث و تشبیہ ہے۔
- ۵..... عقیدہ جسمیت: ”روشائی چھڑکنے والا نشان۔“ (حقیقت الوحی ص ۲۵۵، خزائن ج ۲۲ ص ۲۶۷)
- ۶..... نسبت ولایت: ”انت منی بمنزلہ ولدی“ (حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۸۹)
- ۷..... عقیدہ ابوت: ”ان الله يبشرك بغلام مظهر الحق والعلاء كان الله نزل من السماء“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۸، خزائن ج ۵ ص ۵۷۸)
- ۸..... خطا و صواب کی نسبت: ”انی مع الرسول اجیب اخطی واصیب“ (حقیقت الوحی ص ۱۰۳، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۶)
- ۹..... خدا کا اسم اعلیٰ ہونا: ”انت اسمی الاعلیٰ“ (اربعین نمبر ص ۳۳، خزائن ج ۱ ص ۲۲۳)
- ۱۰..... استعمال لفظ خواب و بیداری: ”اسہر و انام سوتا بھی ہوں جا گتا بھی۔“ (البشری ج ۲ ص ۷۹)
- ۱۱..... نیا خدا: بحوالہ (تریاق القلوب ص ۱۵، خزائن ج ۱۵ ص ۳۹۷) جو گزر چکا ہے۔
- ۱۲..... صفیۃ الاحیاء والافناء۔ ”اعطیت صفته الاحیاء والافناء من الرب الفعال“ (خطبہ الہامیہ ص ۲۳، خزائن ج ۱۶ ص ۵۶، ۵۵)
- مخبر مدعا علیہ نے سینکڑوں تائید کے نام پر اور اس کی آڑ لے کر تائیدی حوالے پیش کئے ہیں اور میں صرف ایک حوالہ اس جواب کی تائید میں پیش کرتا ہوں جس سے حضرت باری تعالیٰ جل وعلاء شانہ کی نسبت مرزا صاحب کا نظریہ واضح ہو جائے گا اور تمام ان کے اجمالی الہامات کفریہ کے حل کرنے کو معیار ہوگا۔ نیز اس کے متعلق میرا یہ دعویٰ ہے کہ ایسا کشف اور عظیم الشان کفریہ کسی کے وہم و گمان میں نہ ہوگا۔

## (۱۹)

”کشف مرزا صاحب: ایک مرتبہ کشف کی حالت آپ پر طاری ہوئی گویا کہ آپ عورت ہیں اور اللہ نے طاقت رجولیت کا اظہار فرمایا۔ سمجھنے والے کے لئے اشارہ کافی ہے۔“ (کشف مرزا صاحب منقول از اسلامی قربانی ص ۱۱، قاضی یار محمد صاحب بی. اے پلیڈر)

قاضی یار محمد صاحب مرزا صاحب کے مرید خاص ہیں اور مرید کی شہادت باقرار مرزا غلام احمد صاحب، پیر کے حق میں سب سے زائد معتبر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

آنچه من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دانش زخطا  
بجو قرآن منزہ اش دانم از خطا ہا ہمیں است ایمانم

(نزل المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

ایسا شخص اگر ایک نہیں ایک کروڑ بلکہ بے شمار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے۔ ہرگز ہرگز ایمان دار اور کلمہ توحید کا قائل اور اس پر مومن شمار نہیں ہو سکتا۔ ورنہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ شیطان لعین بھی عیاذ باللہ! کلمہ گو مسلمان ہے۔ کیونکہ اس کا صرف ایک کفریہ ہے اور عدالت خود مقابلہ کرے کہ ان کی نسبت کس قدر ہلکا اور کتنی آسانی سے قابل تاویل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متبعین کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔

استدعا

یہ حصہ ثابت ہونے کے بعد کہ مرزا صاحب اور ان کے متبعین جن میں مدعا علیہ بھی منسلک ہے۔ ایمان کے بنیادی اور سب سے زیادہ ضروری جزو کلمہ لا الہ الا اللہ پر ایمان نہیں مقدمہ بحق مدعیہ ڈگری ہونا چاہئے۔ گو کسی اور چیز کا جواب نہ دیا جائے اور نہ کوئی اور کفریہ

عقیدہ ثابت کیا جائے۔ بلکہ لا الہ الا اللہ پر ایمان نہ ہونے کی صورت میں گو تمام ایمانیات اس میں مکمل اور متفقہ طور پر موجود ہوں پھر بھی کافر و مرتد ہی رہے گا اور مدعا علیہ کو اپنے مرزائی احمدی ہونے کا اقرار ہی ہے۔ پس مدعا علیہ باقرار خود مرزائی ہے اور مرزائیت سے لا الہ الا اللہ پر کسی طرح ایمان نہیں رہ سکتا۔ لہذا اس سے نہ صرف ارتداد بلکہ کھلا ہوا متفقہ ارتداد لازم آیا۔

جس سے یقیناً نکاح فسخ ہونا چاہئے، کیونکہ ارتداد فسخ نکاح کا حکم ہونا نہ صرف فقہ حنفی کا مسلم قانون ہے بلکہ مجٹن لاء کا بھی اور گواہان مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ایک مارج کے الفاظ اگر مرتد ہو جائے تو عام فتویٰ بھی ہے کہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔

اور ملاحظہ ہوں الفاظ گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ بجواب جرح ۲۱ مارج ”مرتد ہونے سے تعادل یہ ہے کہ نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ تعادل سے تمام مسلمانوں کا تعادل مراد ہے۔“

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنکھاں کا

”فَاللّٰهُ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيبِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّم تَسْلِيمًا كَثِيرًا“ کلمہ توحید کے جزاؤں لا الہ الا اللہ کا جواب ختم ہوا۔

کلمہ توحید دوسرا حصہ، محمد رسول اللہ ﷺ  
قول مختار مدعا علیہ:

”مختار مدعی نے کلمہ کے دوسرے جزو یعنی محمد رسول اللہ سے بھی مرزا صاحب کو اسی طرح منکر قرار دینا چاہا ہے اور اس امر میں بھی عدالت کو اسی طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جس طرح کہ پہلے کی تھی اور اس لغو باطل امر کو ثابت کرنے کے لئے نعوذ باللہ! آپ کلمہ کے جزو دوم کے بھی منکر ہیں جو بحث اس نے عدالت کے سامنے کی ہے۔ وہ اس کی پہلی بحث سے بھی زیادہ مخدوش و لغو ہے۔“

الجواب: پہلے کی بحث کا جواب مفصل عدالت کے سامنے آچکا اور واضح ہو چکا کہ مختار مدعا علیہ نے کس قدر حوالہ لا جواب چھوڑ دیئے اور سوائے ایک حوالے کے کسی میں بھی مختار مدعیہ کے اعتراض کو ہاتھ نہ لگایا اور ادھر ادھر کے مسل کے خلاف غیر متعلق امور سے بحث کے حجم میں زیادتی کی اور وہ ایک حوالہ بھی جس کا بزعم خود جواب دیا ہے وہ جواب اس کے اور مرزا صاحب کے مسلمات کی رو سے بالکل لغو باطل و مخدوش ہے جو قابل التفات بھی نہیں۔ کیونکہ خود مصنف کی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔

قول مختار مدعا علیہ:

”قبل اس کے کہ میں اس کے ایک ایک الہام متعلق علیحدہ علیحدہ کلام کروں، عدالت سے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی خصوصیت سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی شخص کا عقیدہ اس کے صاف الفاظ سے معلوم کیا جا سکتا ہے نہ کہ اس کے مخالفوں کے ان معانی سے جو انہوں نے اس کی کسی تشابہ یا مجمل و مبہم عبارت سے اس کی منشاء کے خلاف نکالے ہوں۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ اس شخص کے کفر و اسلام کا مسئلہ زیر بحث ہو۔“

الجواب: اسی اصول کے تحت میں نے اصل بحث کی بنیاد متکلم کی نہایت واضح اور مصرح قول پر رکھی تھی جو اس کی نیت پر برہان قاطع تھا اور جس کا جوابی بحث میں جواب کجا مختار مدعا علیہ نے نام تک نہ لیا۔ جیسا کہ مفصل اوپر گزر چکا ہے۔ اب دوسرے حصہ میں بھی ان شاء اللہ! وہی ملاحظہ میں آئے گا۔

کفر و اسلام کے نازک مسئلہ کی بنیاد ہم نے تو معتبر مسلم کتب اور مرزا صاحب کے قطعیات پر رکھی تھی۔ بخلاف مختار مدعا علیہ کے کہ

اس نے غیر مسلم خلاف واقع غیر کاتب شدہ زید عمر و بکر کے رسائل و قصہ کہانیوں پر رکھی ہے:  
بہیں تفاوت راہ از کجاست تا کجیا

قول مختار مدعا علیہ:

لیکن مختار مدعیہ نے نہ تو پہلی جزو کے متعلق مرزا صاحب کی کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے جس کے صاف الفاظ سے انکار تو حید باری تعالیٰ موجود ہو اور نہ دوسری جزو کے متعلق کوئی ایسی صاف عبارت پیش کی ہے جس کے صاف الفاظ سے انکار رسالت نکلتا ہو۔ بلکہ متشابہ الہامات تشریحات ملہم کے خلاف مفہوم لے کر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نفوذ باللہ! آپ کو کلمہ کی دونوں جزوں سے انکار ہے..... الخ!  
الجواب: انکار تو حید اور لا الہ الا اللہ کا اس سے صاف کیا ہوگا کہ لا الہ الا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ الوہیت صرف اللہ ہی میں ہے نہ کسی اور مخلوق میں اور مرزا صاحب اپنے اندر سر تا پا الوہیت کا صاف اعلان فرما رہے ہیں: ”و الوہیۃ تتموج فیہ“ جس کا مختار مدعا علیہ کے پاس کچھ بھی جواب نہ تھا اور اس کا نام تک نہ لیا۔ باقی لا جواب حوالہ اوپر گزر چکے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

اسی طرح ثانی جزو کے متعلق تھا مگر چونکہ مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کو تقلید انبی اور معصوم اور تمام انبیاء سے افضل مان چکا ہے۔ بلکہ اس کا ذریعہ معاش ہی یہ ہے کہ دنیا کو مرزا صاحب کی خانہ ساز نبوت اور یہ تمام کفریات منوائے۔ اسے میری بحث میں صراحت بوجہ تعصب نظر ہی نہیں آسکتی۔ مگر غیر متعصب وغیر جانبدار منصف مزاج کے واسطے آفتاب سے زائد روشن عبارات ہیں۔ جن کی موجودگی میں مرزا صاحب اور مرزائیوں کے کفر و ارتداد میں شبہ کرنا بھی ایمانی خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

اس مذکورہ تقریر کے بعد مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”مختار مدعیہ کو کوئی صریح حوالہ نہ ملا۔ اس کے خلاف حوالے ہیں بے شمار عبارات ہیں۔ عدالت کو مغالطہ دیا گیا ہے۔ یہ متشابہات ہیں۔“ یہ سب اپنے اور اپنے تبیین کو خوش کرنے کو ممکن ہیں کافی ہوں، مگر دلائل و براہین کے میدان میں یہ خطابت کے الفاظ محض بے سود و بیکار ہیں۔

قول مختار مدعا علیہ:

”کیونکہ کفر کا فتویٰ دینے کے لئے ضروری ہے کہ جس پر فتویٰ دیا جائے۔ اس کا قول صراحت کے ساتھ موجب کفر ہو متشابہ، مبہم، ذوالوجہ عبارت پر کسی طرح کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔“

جواب: ہماری جانب سے بجز اللہ! بالکل صاف صاف واضح عبارات پیش کی گئی ہیں جن کے مقابلہ میں ایک ایسے شخص کا جو کسی شخص یا جماعت کا اسی کے جاو بجا پروپیگنڈے کے لئے ملازم؟ اپنے آقا یا جس جماعت کا ملازم ہے۔ اس کی طرف سے تاویلات اور کھلی ہوئی تشریحات کو متشابہ اور مبہم قرار دینا چاہے، تعجب نہیں وہ معذور و مجبور ہے۔ مدعا علیہ ایک بھی گواہ یا مختار جماعت مرزا سیّد کا غیر تنخواہ دار پیش کرتا تو شاید قابل التفات بھی ہوتا۔ ان کی شہادتیں قانوناً جو وقعت رکھتی ہیں وہ عدالت پر پوشیدہ نہیں۔

باقی رہا یہ قول کہ: ”کفر کا فتویٰ دینے کے لئے یہ ضروری ہے جس پر فتویٰ دیا جائے اس کا قول صراحت کے ساتھ موجب کفر ہو“ کیا مختار مدعا علیہ یہ بتانے پر قادر ہو سکا کہ اس کے خلیفہ برحق ثانی یعنی جناب مرزا محمود صاحب قادیانی کا یہ فتویٰ ”سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں۔“

(آئینہ صداقت ص ۳۵، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰)  
”جو لوگ مرزا صاحب کو رسول نہیں مانتے خواہ آپ کو راست باز ہی منہ سے کیوں نہ کہتے ہوں، وہ کچے کافر ہیں۔ عدالت خود غور فرمائے کہ یہ فتویٰ کس صریح عبارت پر دیا گیا ہے اور اس کی رو سے چالیس کروڑ مسلمان عرب و عجم، علماء، صوفیاء و مشائخ، سلاطین

نوایان اسلام جو بھی مرزا کو رسول نہیں مانتا یا بیعت میں شامل نہ ہو وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر ہوا۔“  
اور مرزا صاحب نے خود اپنے تمام نہ ماننے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔

ایسی صورت میں مختار مدعا علیہ کو چاہئے تھا کہ اس قسم کی ریک تادیلات کی آڑ تلاش نہ کرتا اور اگر ان تادیلات میں ذرہ برابر صداقت کا شائبہ تھا تو اسے اسی اصول کے تحت میں کہ کفر اور الکفرین ضروری، جیسا کہ گواہان مدعا علیہ کو بلکہ مرزا صاحب کو بھی مسلم بلکہ مسلمہ فریقین ہے۔ مرزا صاحب اور خلیفہ محمود کے کفر اور ارتداد کا اقرار کر کے ثابت ہو جانا چاہئے تھا۔  
ہدایہ اللہ الی سبیل الاسلام

مختار مدعا علیہ اس کے بعد کچھ جرح گواہ مدعیہ کے بے ربط حوالہ جن کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ لکھ کے فرماتے ہیں: ”چونکہ مختار مدعیہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مرزا صاحب کے متشابہ الہامات اور مجمل عبارات کے جو معنی اس نے خود گھڑے ہیں وہ آپ کی منشاء و تصریحات کے بالکل خلاف ہیں اور صرف خلاف نہیں، بلکہ ان کے خلاف آپ کی بہت سی عباراتیں موجود ہیں۔ اس لئے اس نے مرزا صاحب کی متناقض باتیں ہونے پر بڑا زور دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر امر کے متعلق مرزا صاحب کے کلام میں تناقض موجود ہے اور کوئی ایسا قول نہیں جس کے خلاف دوسرا قول موجود نہ ہو۔ لیکن یہ اس کا سراسر مغالطہ ہے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ مرزا صاحب کے متشابہ الہامات و مجمل اقوال کے غلط جو معنی اس نے گھڑے ہیں، وہ صحیح قرار پائیں اور آپ کے جو اقوال اس کے ان گڑھے ہوئے غلط معنی کے خلاف پیش کئے جاویں وہ متناقض و متعارض تصور ہو کر نظر انداز ہو جائیں۔ حضرت مسیح موعود کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے۔“

جواب: اب مختار مدعا علیہ کو یہ جواب بالکل ہی مفید نہیں ہو سکتا۔ جب کہ بنیاد اعتراض پر پینڈنگ کے صریح اور غیر مشتبہ الفاظ پر ہے اور میں اوپر مجمل و متشابہ کے متعلق عنوان متشابہات کے تحت میں اس آڑ کی حقیقت اچھی طرح آشکارا کر چکا ہوں۔ ایسی صریح واضح عبارات کے ہوتے کسی جگہ کی عبارت سے اس کے خلاف مختار مدعا علیہ کا استنباط ناقابل غفویہ ہے اور پھر یہ اصول قرار دیا ہے کہ چونکہ مرزا صاحب کی عادت ابتداء سے متعارض و متفاوت اقوال و دعویٰ کی ہے اور جیسا موقع دیکھا ویسا ہی کہہ دیا۔ مسلمان، سنی، شیعہ، عیسائیوں کے واسطے مسیح موعود و مہدی مسعود، آریوں، ہندوؤں کے واسطے گوپال سری کرشن مہاراج، آریوں کے بادشاہ، سکھوں کے لئے بے سنگھ بہادر، جو نبی ماننے سے گھبرائیں۔ ان کے واسطے محدث، و مجدد، مبلغ اسلام جیسے لاہوری پارٹی جو غیر تشریحی مانیں۔ جیسے قادیانی پارٹی کے لوگ ان کے واسطے غیر تشریحی اور جو مستقل صاحب کتاب، صاحب شریعت بدین و قبلہ جدیدہ و کلمہ جدیدہ پر تیار ہو جائیں، ان کے واسطے مرزا صاحب کی وحی و کتاب اللہ ناسخ قرآن اور ان کی شریعت حضور ﷺ کی شریعت کو ناسخ بجائے کعبۃ اللہ کے قادیان قبلہ اور اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ بجائے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مرزا صاحب کا جدید کلمہ لا الہ الا اللہ احمد جوی اللہ موجود۔ جیسا کہ مرزائیوں کے تیسرے فرقہ اروپی کے سلسلہ میں خود بانی فرقہ ظہور الدین اروپی مرزائی کے حوالہ سے اوپر آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۲، ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۳۳ء ایسے شخص کی ایک عبارت دوسری عبارت کی شرح نہیں بن سکتی۔ بلکہ اس کا کفر اور کفار کے کفروں سے خطرناک و مخدوش ہوگا۔ اس کی وضاحت مع لست متعارضات اوپر مستقل گزر چکی۔

قول مختار مدعا علیہ:

”مرزا صاحب کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے۔ آپ کا ہر قول اپنے محل میں چسپاں اور اپنے مقام پر بالکل درست ہے۔ جیسا کہ اس بحث میں ظاہر ہوگا۔“

جواب: بحث سے تو تعارض نہ اٹھ سکا۔ جیسا کہ جواب الجواب سے واضح ہو چکا اور آگے آئے گا۔ البتہ مختار مدعا علیہ کے اس قول

اور اصول سے گواہان مدعیہ پر جو تعارض کا الزام تھا۔ اس کا جواب انہیں الفاظ کو دہرا کر عدالت کے سامنے پیش ہے۔  
قول: ”گواہان مدعیہ کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے۔ ان کا ہر قول اپنے محل میں چسپاں اور اپنے مقام پر بالکل درست ہے۔ جیسا کہ اسی بحث میں ظاہر ہوگا۔“ ان شاء اللہ تعالیٰ!

## تفصیل جواب

..... آحضرت ﷺ آخری نبی نہیں۔

خلاصہ استدلال مختار مدعا علیہ معہ جواب:

..... مختار مدعیہ نے پہلا مغالطہ یہ دیا ہے کہ آخری نبی ہونا آحضرت ﷺ کے خصوصیات میں سے ہے؟

**جواب:** گویا مختار مدعا علیہ نے تسلیم کر لیا کہ آخری نبی ہونا حضور ﷺ کے خصوصیات سے نہیں۔ بلکہ مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ یہی دراصل خصوصیت آخری نبی ہونے کا انکار ہے جو علاوہ مستقل کفر ہونے کے گواہ نمبر ۱، مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح کے جواب سے عین ذات نبوت کی انکار کے مرادف ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں: ”خصوصیات نبویہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ انکار خصوصیات انکار ذات ہے۔“ جرح ۲ مارچ ۱۹۳۳ء۔

اب ہمارے ذمہ صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ دلائل سے یہ ثابت کر دیں کہ آخری نبی کا مفہوم اور لفظ آخری، آخر الانبیاء وغیرہ آپ ﷺ کے خصوصیات سے ہے۔ کسی اور نبی کے واسطے قرآن وحدیث صحابہ کرام وائمہ فقہاء عظام کی عبارت میں یہ استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ جب ہی ہوا آپ ہی ﷺ کے واسطے ہوا۔ یہی معنی کسی سے کسی لفظ یا معنی کے مختص ہونے کے ہیں۔

## تفصیل دلائل

مفہوم آخری نبی کا مختص بذات سرکار دو عالم ﷺ ہونا۔

آیات:

..... ۱ ”ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب: ۴۰)“

..... ۲ ”قل یا یہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (الاعراف: ۱۵۸)“

..... ۳ ”والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (البقرہ: ۴)“

..... ۴ ”واذاخذ اللہ میثاق النبیین (آل عمران: ۸۱)“

..... ۵ ”الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدہ: ۳)“

..... ۶ ”فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ والرسول (النساء: ۵۹)“

..... ۷ ”وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا (سباء: ۲۸)“

ان پر تفصیلی تقریر کے واسطے ملاحظہ ہو۔ شہادت گواہ مدعیہ نمبر الف و نمبر ۳، نمبر ۶۔ نیز بحث مختار مدعیہ۔

میں نے صرف سات آیات کے حوالہ پر اکتفاء کی جو مسل پر مفصل موجود ہیں اور ان میں ان کا یہی مطلب ثابت کرنے کو نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ بلکہ مرزا صاحب کے صحابی خاص محمد علی صاحب ایم۔ اے احمدی کی بھی یہی تفسیر درج ہے جو غیر احمدی ہونے کے الزام سے بری ہیں۔ اگر میں چاہوں تو بحمد اللہ! صریح کم از کم (۱۰۰) آیات پیش کر سکتا ہوں۔ تفصیل کے واسطے

ملاحظہ ہو رسالہ ختم نبوت فی القرآن مؤلف مولانا محمد شفیع صاحب اور یہ سو (۱۰۰) بھی نمونہ ہوں گی۔ ورنہ تمام قرآن شریف اسی سے پر ہے۔ اس مفہوم پر شہادتوں میں احادیث متواترہ کا دعویٰ غیر مجروح گزر چکا۔ معہ دلیل اور گواہ نمبر ۳ نے دو سے زائد عدد کی تعداد ظاہر کی ہے جس پر بھی کوئی جرح نہیں اور (۷) حدیث اعلیٰ صحیح متصل مرفوع نمونہ شہادت میں پیش کی جا چکی ہیں جن کی صحت پر کوئی کلام نہ ہو سکا۔ ملاحظہ ہو شہادات گواہان مدعیہ اور بالخصوص نمبر الف و نمبر او ۳ و ۴۔

## اجماع واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و اجماع صحابہ مدلل گواہان مدعیہ خصوصاً گواہ نمبر ۲، ۳، ۴ میں گزرا۔ تفصیل کے واسطے آیت خاتم التبیین کے تحت میں ابن جریر ملاحظہ ہو (۶۴) سے زائد آثار صحابہ نقل ہیں۔

(۲۶)

## آثار سلف صالحین

(ملاحظہ ہو شہادات گواہان مدعیہ)

فیصلہ مفسرین (۱۵) حوالہ شہادت گواہان مدعیہ ملاحظہ ہو۔

## ائمہ لغت

قاموس، مجمع البحار، مفردات امام راغب (جیسی کوئی کتاب قرآنی لغات میں بقول علامہ سیوطی) روئے زمین پر نہیں۔ بحر الحیظ، منتهی الارب، منجد کے حوالے گواہان مدعیہ نے شہادتوں میں پیش کئے اور دو (۲) اہم حوالہ لسان العرب اور تاج العروس کے بحوالہ آخری نبی مؤلف محمد علی صاحب ایم۔ اے جو مسل پر آچکے ہیں اور یہ وہ دونوں کتابیں ہیں کہ مرزا صاحب کو یہ مسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۲، مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء۔ تاج العروس، خاتم التبیین الخ ای آخر ہم یعنی خاتم التبیین کے معنی آخری نبی ہیں۔

۲..... لسان العرب میں وخاتم التبیین الی اخرهم قال وقد قرأ خاتم یعنی خاتم التبیین کے معنی آخری نبی ہیں اور خاتم کی جگہ خاتم بھی پڑھا گیا ہے۔

## فیصلہ ائمہ مجتہدین

- ۱..... بحر الرائق۔ مسلمہ فریقین۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱، ۷، ۸ مارچ ۱۹۳۳ء۔
  - ۲..... شرح اشباہ۔
  - ۳..... شرح فقہ اکبر ملا علی قاری۔
  - ۴..... فتاویٰ عالمگیری۔
  - ۵..... فتاویٰ ابن حجر مکی۔
  - ۶..... رد المحتار۔
  - ۷..... اشباہ والنظائر۔
- ایک پچھلے حوالہ کی اصل عبارت بطور نمونہ مع ترجمہ پیش ہے۔

”اذالم يعرف ان محمداً ﷺ آخر الانبياء فليس بمسلم لانه من ضروريات الدين“

یعنی اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی نہ مانا تو وہ مسلمان نہیں۔ کیونکہ آپ کا آخری نبی ہونا اور ان کا ماننا ضروریات دین سے ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شہادت گواہان مدعیہ و بحث مختار مدعیہ اس حوالہ میں آخری نبی ہونا نہ صرف خصوصیات نبویہ ﷺ سے ہے۔ بلکہ ضروریات دین سے ہے۔ جس کا نہ ماننے والا متفقہ کافر ہے۔

حوالہ جات لفظ آخری نبی یا آخر الانبیاء کی تخصیص کے متعلق احادیث صحیحہ۔

۱..... ”قال النبی ﷺ انا آخر الانبياء وانتم آخر الامم“ (صحیح مسلم کتاب الفضائل شہادت گواہ مدعیہ نمبر ۴)

۲..... ”فی حدیث المعراج قال تعالیٰ..... جعلتک اول النبیین خلقاً و آخرهم بعثاً“

(ابو نعیم خصائص کبریٰ ج ۲، ص ۱۹۶)

۳..... ”كنت اول النبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث“ (کنز العمال ج ۶، ص ۱۳)

۴..... ”كنت اول النبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث“ (کنز)

۵..... ”انا اخر الانبياء و مسجدی اخر مساجد الانبياء“ (کنز)

یہ وہی پانچوں لاجواب حوالے ہیں جو بحث میں اور شہادتوں میں آچکے اور باوجود ان کے اس قدر واضح ہونے کے مختار مدعا علیہ یا اس کے گواہان نہ مجروح کر سکے نہ کچھ جواب دیا۔ اس کے علاوہ ابن ماجہ کا ایک حوالہ آخر الانبیاء کے لفظ کا تھا۔ اس کے بعض راویوں کے متعلق بعض محدثین کے اقوال گو وہ قول فیصل نہ ہوں نہ ہی وہ مسلم ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال ہوں قطع برید کر کے پیش کیا جس کے مد مقابل بڑے بڑے ائمہ اور ماہرین فن جرح و تعدیل کی رائے موجود ہے۔ ان راویوں کو معتبر ٹھہرا رہے ہیں اور بقول مرزا صاحب ہرن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔

نیز جرح گواہ مدعا علیہ:

اولاً تو یہ حدیث مجروح نہیں راویوں کی توثیق موجود ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ دوسرے اس مخصوص سند کی حدیث ابن ماجہ کو اگر کوئی مختار مدعا علیہ کی خاطر نظر انداز ہی کر دے۔ پھر بھی مذکورہ بالا چار اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثیں (جس میں مسلم شریف جیسی اعلیٰ پایہ کتاب کی بھی حدیث ہے جو صحیحین میں شمار ہے جس کی احادیث جرح و تعدیل کی محتاج نہیں) موجود ہیں جو نہ اشارہ و کنایہ بلکہ صریح واضح الفاظ میں حضور ﷺ کی خصوصیت مطلقاً بلا کسی تفصیل و تقید کے آخری نبی یا آخر الانبیاء کے ساتھ کر رہی ہیں اور جمع معرف باللام کی طرف مصاف ہونے سے تقید کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے۔

یہ کہنا کہ یہ احادیث احاد ہیں بالکل ناواقفی ہے۔ بلکہ یہاں تو اثبات ہے۔ گواہان مدعا علیہ اور خود مرزا صاحب کے مسلم رئیس المفسرین حضرت علامہ حافظ ابن جریر طبری کا فیصلہ ملاحظہ ہو کہ: ”وبذلك وردت الاحادیث المتواترة عن رسول الله ﷺ“ (شہادت گواہان مدعیہ) یہی نقل حافظ ابن کثیر سے بھی موجود ہے۔

اب ایک طرف صرف مختار مدعا علیہ کا یہ قول ہے کہ یہ احادیث احاد ہیں۔ باوجودیکہ وہ حافظ حدیث اور امام حدیث بلکہ کسی مسلم درس گاہ کا سند یافتہ بھی نہیں۔

دوسری طرف ایک نہیں دو مسلم ائمہ حدیث و تفسیر بلکہ حافظ حدیث علامہ ابن کثیر و علامہ ابن جریر طبری کا فیصلہ ہے۔



کہ اس بات میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث جلیل القدر صحابہ سے مروی ہیں۔ عدالت خود ہی توازن فرمالے کہ مختار مدعا علیہ عدالت کو کس قدر مغالطہ دینا چاہتا ہے یہ کوئی نئے حوالے نہیں تقریباً کل مدعیہ کے شاہدوں نے پیش کیا ہے۔ بحث میں متعدد مرتبہ پیش کیا گیا۔ اسے لا جواب کہے کہ جواب بحث میں تذکرہ تک نہ آیا۔ (فאלلہ الحمد)

### صحابہ کرام کی تصریحات

مفصل اور کثیر التعداد حوالے گواہان مدعا علیہ اور مرزا صاحب کے مسلم رئیس المفسرین حافظ ابن جریر (طبری کی تفسیر ج ۲۲ ص ۱۱) میں صرف ایک نمونہ نقل کرتا ہوں۔

..... عن قتادہ رضی اللہ عنہ قال ولكن رسول الله وخاتم النبیین ای اخرهم یعنی خاتم النبیین کے معنی تمام نبیوں سے آخری ہیں۔

### ائمہ مفسرین

(۱) مسلمہ فریقین رئیس المفسرین امام ابن جریر طبری ج ۲۲ تفسیر ابن جریر۔ (۲) حافظ حدیث امام التفسیر علامہ ابن کثیر ج ۸۔ (۳) ابن کثیر سوم۔ (۴) ابن کثیر چہارم۔ (۵) تفسیر کبیر ج ۶، ۲۔ (۶) تفسیر بیضاوی۔ (۷) تفسیر کشاف۔ (۸) تفسیر روح المعانی۔ (۹) تفسیر ابی السعود۔ (۱۰) تفسیر درمنثور۔

میں نے انہیں حوالوں پر اکتفاء کیا جو شہادت مدعیہ کی طرف سے مسل پر آچکے ہیں۔ ورنہ جدید حوالے بے شمار موجود ہیں۔

### ائمہ لغت

اوپر لسان العرب وتاج العروس کے حوالہ سے گزر چکا کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں اور بھی سات حوالے و ہیں ذکر ہیں تفصیل انکی اپنی جگہ پر آئے گی۔ نیز گواہان مدعیہ کے بیان میں موجود ہے۔

### اجماع امت

”اجتمعت الامۃ علی حمل هذا الکلام علی ظاہرہ من دون تاویل وتخصیص..... الخ!“ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ بلا تاویل وتخصیص اس کے ظاہری معنی (یعنی آخری نبی ﷺ) مراد ہیں اور بلا شک و اشتباہ اس کا منکر قطعاً و سماعاً کافر ہے۔ یہ مضمون شرح فقہ اکبر ملا علی قاری وغیرہ میں موجود ہے۔ (شفاء علامہ قاضی عیاض ج ۲) ملاحظہ ہو۔ شہادت گواہان مدعیہ:

### فیصلہ ائمہ عقائد

(شرح عقائد ص ۹۹)

(۱) اول الانبیاء ادم و اخرهم محمد ﷺ

یعنی پہلا نبی آدم علیہ السلام اور تمام نبیوں کے آخری محمد ﷺ ہیں۔

(۲) مواہب لدنیہ (۳) صبح الاشی (۴) عقیدہ طحاوی (۵) غنیۃ الطالین (۶) شرح فقہ اکبر (۷) کتاب الفصل (۸) نسیم

الریاض (۹) الصارم المسلمول (۱۰) الملل والنحل (۱۱) شفاء قاضی عیاض (۱۲) شرح شفا ملا علی قاری ج ۲، ۳، ۴۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شہادت گواہان مدعیہ و بحث مختار مدعیہ۔

## فیصلہ ائمہ مجتہدین

اگر کوئی شخص محمد ﷺ کو تمام نبیوں کا آخری نبی نہ سمجھے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہے۔ (۱) الاشاہ والنظار (۲) شرح فقہ اکبر (۳) شرح اشاہ (۴) فتاویٰ ہندیہ (۵) بحر الرائق جو مسلمہ فریقین ہے (۶) در مختار۔  
تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو شہادت گواہان مدعیہ و بحث مختار مدعیہ۔

## فیصلہ صوفیائے کرام

- ۱..... نجی الدین ابن عربی سید الطائفہ۔  
۲..... علامہ امام عبدالوہاب شعرانی یواقتب ج ۲ بحث ۳۵ ص ۱۲۵۔  
۳..... سید الطائفہ غوث اعظم حضرت سید شاہ عبدالقادر جیلانی جو تینوں حضرات کے مسلمہ فریقین ہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱  
کیم رمارچ ۱۹۳۳ء۔  
۴..... انسان کامل یہ بھی مسلمہ فریقین ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی حوالے ہیں۔ تفصیل کے واسطے شہادت گواہان مدعیہ و بحث مختار مدعیہ  
ملاحظہ ہو۔

## شہادت قطب الوقت حضرت خواجہ غلام فرید صاحب

اس کے آخر میں مسلمہ فریقین شہرہ آفاق صاحب علم و فضل و تقدس بزرگ کی شہادت پیش ہے۔ جو بقول گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ بھی ہزار ہا شہادتوں سے زیادہ با عظمت شہادت ہے۔ کیونکہ یہ اس مرد خدا نے ادا کی ہے، جو صلحائے روزگار اور واصلان کردگار میں سے ہے۔ پنجاب کے علاوہ اس کی جلالت شان ہندوستان میں بھی مسلم ہے۔ ریاست بہاولپور کے رعایا اور راعی کے دلوں میں اس کی بزرگی اور تقدس کا اثر کا لقیش فی الجرح ہے جو ہز ہائینس نواب صاحب بہادر فرمانروائے بہاولپور اور آنحضرت (ج صاحب) کے بھی واجب التعمیم ہیں۔ ان کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی تبرک کتاب نسخہ شریفہ فواند فریدی ص ۱۲ ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہے کہ ”سلسلہ نبوت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہو گیا۔ سب سے پہلے نبی آدم صغی اللہ اور سب سے آخری محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔“

ممکن ہے کہ مختار مدعا علیہ کی وہ توجیہ جسے اس نے بحث میں بار بار دہرایا ہے۔ کوئی یہاں منطبق کرے کہ مرزائیوں کے اصول پر ممکن ہے حضور ﷺ پر (عیاذ باللہ) آخری نبی کی حقیقت موبہونکشف نہ ہوئی ہو۔ بوجہ کوئی نظیر نہ ہونے کے جیسے کہ دجال وغیرہ کی نیز صحابہ برابر ان کے اصول پر غلطی کرتے ہیں (عیاذ باللہ) ائمہ دین و صوفیائے کرام کو بقول مرزا صاحب وہ حصہ کثیر وحی الہی و مکالمہ و مخاطبہ کا عطا نہیں ہوا تھا جو مرزا صاحب کو عطاء ہوا۔ بس آخری نبی کی حقیقت صرف مرزا صاحب پر منکشف ہوئی کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت نہیں یا اس میں یہ قید اور یہ تخصیص اور ان معنی کا اضافہ ہونا چاہئے۔ نیز مرزا صاحب کے زمانہ میں اور ان کے بعد جو ان کی بیعت میں شامل نہیں وہ سب کافر اور پکے کافر ہیں اور کافر کی شہادت معتبر نہیں۔ لہذا مرزائیوں کے مسلم کسی شخص کی شہادت ہونی چاہئے۔ پس مرزا صاحب کے خاص الخاص مرید بلکہ صحابی کی شہادت پیش کرتے ہیں جسے احمدی ہونے کے ساتھ مرزا صاحب کے صحابی اور ایک بڑے فرقہ کے امیر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ میری مراد امیر جماعت احمدیہ محمد علی صاحب ایم۔ اے ہیں۔ ملاحظہ رسالہ ”آخری نبی“ کے مندرجہ ذیل اقتباسات اور یہ حوالہ بھی نیا نہیں۔ (آخری نبی ص ۱) رسالہ مسل میں درج ہے۔

۱..... اگر آنحضرت ﷺ مطابق تعلیم قرآن وحدیث آخری نبی ہیں تو آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ بطور مجاز یا

استعارہ کوئی اس لفظ کو استعمال کرے اور اگر کوئی قطعی شہادت نہ ملے کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد باب نبوت مسدود ہے تو بلاشبہ کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سامنے سوال نہایت مختصر ہے جس کو حل کرنا ہے۔ یعنی یہ تو میرا اور میاں صاحب (مرزا محمود) دونوں کا ایمان ہے کہ قرآن کریم میں خاتم النبیین کا لفظ آنحضرت ﷺ کے متعلق آیا ہے۔ بحث صرف اس قدر ہے کہ ان الفاظ کے معنی کیا ہیں۔ میاں صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ شخص جس کے اتباع سے آئندہ نبی بنا کر یں گے۔ میرے نزدیک اس کے معنی ہیں آخری نبی۔ میاں صاحب نے دعویٰ سے بیان کیا ہے کہ جو معنی وہ کرتے ہیں، وہ لغت میں لکھے ہوئے ہیں اور جس طرح وہ معنی کرتے ہیں۔ اسی طرح لکھے ہوئے ماہہ النزاع خاتم النبیین کے معنی ہیں۔ یعنی وہ الفاظ کی کوئی تاویل قطعاً نہیں کرتے اور آخری نبی لغت میں معنی نہیں۔ چنانچہ ان کے بیان کے الفاظ ان کے اخبار الفضل میں شائع شدہ بیان کے مطابق یہ ہیں۔ ہمیشہ سے اس کے یہ معنی لئے جاتے ہیں۔ ہم اس کی تعبیر نہیں کرتے۔ بلکہ یہ معنی لغت کے ہیں۔ بعض لوگ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی بھی کرتے ہیں، مگر لغت میں اس کے معنی آخری نبی کے نہیں۔ (الفضل ۲۶، ۲۹ جون ۱۹۳۳ء) اب میں لغت میں سے میاں صاحب کی نئی تفسیر کی رو سے محاورہ عرب ہی مراد لے لیتا ہوں تو یہ تو میاں صاحب نے بھی مان لیا کہ وہ اپنے معنی محاورہ عرب میں بغیر کسی تاویل کے صفائی سے لکھے ہوئے بتادیں گے اور بالمقابل میرا بھی یہ دعویٰ ہے کہ جو معنی میں کرتا ہوں۔ وہ میں محاورہ عرب میں صفائی سے لکھے ہوئے بتادوں گا۔ اوّل میں اپنے حصہ کو لیتا ہوں اور لغت تین طرح پر میں دکھا دوں گا کہ محاورہ عرب کے رو سے خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہیں۔ یعنی اوّل اس طرح کہ خود ان الفاظ خاتم النبیین کے معنی لغت یا محاورہ عرب کی کتابوں میں آخری نبی لکھے ہیں۔ دوسرے اس طرح پر کہ عرب نے خاتم القوم کا محاورہ عربی کی کتابوں میں آخری نبی لکھے ہیں۔ دوسرے اس طرح پر خاتم القوم کا محاورہ جس کے مطابق خاتم النبیین ہے۔ صرف ایک ہی یعنی آخر القوم میں بولا جاتا تھا۔ تیسرے اس طرح پر کہ لفظ خاتم بمعنی آخری، عرب میں استعمال ہوتا تھا۔ میاں صاحب نے اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ لغت عرب کا بہت سا علم ہمیں کتب لغت کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔“

(رسالہ آخری نبی ص ۲)

پھر کے اس کے بعد (ص ۶۰۵، ۷) پر متعدد عربی، انگریزی ہے۔ مستند لغت کے حوالے نقل کر کے (ص ۸) پر ابن حبان کا قول نقل

فرماتے ہیں کہ:

۳..... ”من ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا ينقطع..... فهو زنديق يجب قتله“

”اور جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نبوت اکتسابی ہے جو منقطع نہیں ہوئی ہے تو وہ زندقہ ہے جس کا قتل واجب ہے۔ پس خاتم النبیین کے معنی وہ بھی آخری نبی کرتا ہے نہ کچھ اور یہ میاں صاحب کی خوش فہمی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خاتم کے معنی مہر لے کر کچھ اور معنی خاتم النبیین کے بن جاتے ہیں۔“

(ص ۸)

”اب اس قدر لغت اور تفاسیر کی شہادت خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونے پر ہوتے ہوئے۔ کس قدر جرأت ہے کہ ایک شخص یہ کہہ دے کہ لغت میں یہ معنی خاتم النبیین کے نہیں اور یہ سب لوگ عقیدتاً ایک بات کو ماننے لگے پیچھے معنی بنائے۔“

(ص ۹)

پھر بہت سی اسی مضمون پر صحاح کی احادیث پیش کر کے فرماتے ہیں۔ میاں صاحب نے اپنی تائید میں صرف ایک حدیث پیش کی ہے۔ اس کا عنوان یوں قائم کیا ہے: ”اس اجماع کے خلاف رسول کریم کی آواز۔ کیا تعجب نہیں کہ چالیس حدیثوں میں میاں صاحب کے کان کے پردہ پر رسول کریم ﷺ کی کوئی آواز نہ پڑی اور اعلیٰ پایہ کی حدیثوں کی طرف ایک لمحہ کے لئے بھی توجہ نہ کی اور ایک حدیث کی آواز انہوں نے سن لی۔ یہ رسول کریم کی آواز نہیں یہ اپنے نفس کی آواز ہے۔ میاں صاحب ان تکاد دیکھنے والوں میں سے ہیں جن کو شہیرہ نظر نہیں آیا کرتا جو ہاتھی کو نکل جاتے اور کبھی پر گھبراتے ہیں۔ بھلا اگر رسول کریم کی آواز کی میاں صاحب کو کوئی پروا تھی تو اس قدر کھلی آوازوں

کی کیا پروا کی، جن میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی صورت میں نبی نہیں ہونے میں ہو سکتا۔ اس شخص کی مثال ہے جس نے کہا تھا کہ قرآن شریف کے اوامر میں سے مجھے ”کلوا و اشربوا“ یاد ہے اور نہیوں میں سے ”لا تقربوا الصلوٰۃ“ اگر چالیس حدیثوں کی کھلی شہادت کو ایک حدیث رد کر سکتی ہے جس پر بلحاظ مضمون اور بلحاظ روایت دونوں طرح جرح ہوئی ہے تو شاید ہمارے میاں صاحب کل کو قرآن شریف کو بھی غیر محفوظ مانیں گے۔“

(آخری نبی ص ۱۳، ۱۴)

پھر تمام ان دلائل کا مفصل جواب دے کر جو مرزائی پیش کیا کرتے ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں: ”خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ میاں صاحب نے کہا تھا کہ خاتم النبیین کے معنی لغت میں آخری نبی نہیں اور جو معنی وہ خود کرتے ہیں..... یعنی ایسا نبی جس کے اتباع سے نبی بنا کریں گے، وہ صراحت سے اور بلا تاویل لغت میں موجود ہیں۔ مگر میں نے لغت کی قریباً سب کتابوں سے احادیث اور اقوال ائمہ سے دکھایا ہے کہ وہ سب کے سب خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کرتے ہیں اور یہی معنی حضرت مسیح موعود بھی کرتے ہیں۔ میاں صاحب نے اپنی معنی پر ایک ٹوٹی ہوئی سند بھی پیش نہیں کی۔ نہ لغت کا محاورہ پیش کیا نہ ہی حضرت مسیح موعود کا قول کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں ایسا نبی جس کے اتباع سے آئندہ نبی بنا کریں گے۔ خاتم کے معنی مہر ہوں یا آخری، خاتم النبیین کے معنی دونوں صورتوں میں آخری نبی ہیں۔ اب یا تو میاں صاحب اپنے معنی کسی حدیث سے ثابت کریں یا کم از کم ائمہ دین کے اقوال سے ہی دکھادیں کہ لغت عرب میں یہ محاورہ تھا کہ وہ خاتم القوم کے معنی کیا کرتے تھے۔ ایسا شخص جس کے اتباع سے قوم بنے اور ایک قوم کا آخری شخص اس کے معنی نہ کرتے تھے صرف اسی صورت میں وہ اپنے بیان میں سچے ٹھہر سکتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسی بحث سے مسئلہ نبوت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر خاتم النبیین سے مراد آخری نبی ہے تو پھر حضرت مسیح موعود کی نبوت کا مسئلہ خود بخود طے ہو جاتا ہے۔“ (آخری نبی ص ۴۸)

ہماری عدالت سے استدعا ہے کہ اس سلسلہ میں رسالہ مذکورہ کو ملاحظہ فرما کر لیا جائے۔

ان قطعی اور مسلم دلائل کے بعد مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”جاننا چاہئے قرآن مجید و احادیث کی رو سے آنحضرت ﷺ کا جن معنوں کی رو سے آخری نبی ہونا ثابت ہے ان معنوں کے لحاظ سے آپ نے کبھی آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے سے انکار نہیں کیا..... الخ!“

نہ صرف لغو بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ بہر حال یہ تو مان لیا کہ انکار آخری نبی کا ضرور ہے مگر اس معنی سے نہیں جو قرآن و حدیث میں ہیں۔ مگر میں نے مفصل قرآن حدیث و دیگر مستند دلائل قاطعہ سے ثابت کر دیا کہ معنی کی کوئی تفصیل نہیں۔ آخری نبی کا انکار مطلقاً کفر ہے۔ مرزا صاحب بھی قبل دعویٰ نبوت فرماتے تھے: ”اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے۔“

(ایام الصلح ص ۱۲۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳)

پھر مختار مدعا علیہ نے ایک عبارت (کشتی نوح ص ۱۳، خزائن ج ۱۹ ص ۱۳، ۱۴) کے حوالہ سے ”نوع انسان کے لئے..... تا..... کے لئے زندہ ہے۔“ نقل کی اور خلاف عادت مغالطہ کے لئے صرف حوالہ نقل کیا۔ حالانکہ غیر متعلق طویل عبارتیں نقل کرتا رہا ہے اور اس حوالہ سے اس امر کے ثابت کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ مرزا صاحب حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کے قائل ہیں۔

اولاً جواب کے لئے اصل عبارت (کشتی نوح ص ۱۳، خزائن ج ۱۹ ص ۱۳، ۱۴) سے نقل ہے۔ ”نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں۔ مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں، مگر محمد مصطفیٰ ﷺ سو تم کو شش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے

ہم رتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریحی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا، جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔“

اب عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ اس میں بجائے حضور ﷺ کے آخری نبی ماننے کے اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے بعد اپنے آپ کو مسیح موعود مانتے ہیں جو بقول مرزا صاحب نبی بھی ہوگا، گو غیر تشریحی ہو۔ اور اس نتیجہ کے طور پر ممکن تھا کہ کوئی دور از کار تاویل کر کے اس کا مطلب یہ بناتا کہ اس سے مراد بھی ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ مگر مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت اور مرتے وقت تک اسی پر قائم رہنے نے تاویل کا دروازہ بند کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔

(البدن مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء، ملفوظات ج ۱۰ ص ۱۲۷)

”ہم خدا کے حکم کے مطابق نبی ہیں اور رسول“

نیز خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء (مجموعہ اشتہارات ج سوم ص ۵۹۷) جو ۲۳ مئی کو اپنی وفات سے تین یوم قبل لکھا ہے۔

”میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔“

”سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔“

”اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیوں انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں۔ اس وقت تک کہ اس دنیا سے گزر جاؤں۔“

اب خواہ وہ کسی معنی سے ہو جب کہ مرزا صاحب خود بھی نبی ہیں تو حضور ﷺ مطلقاً تمام نبیوں میں آخری مبعوث ہونے والے نبی نہ رہے جو بدلائل سابقہ آپ کی خصوصیات اور ضروریات دین میں سے ہے جس کا منکر اجماعاً کافر ہے۔

اور خصوصیت کا انکار یعنی اس کا انکار ہے۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ مارچ ۱۹۳۳ء۔

پس بعد انکار خصوصیت محمدیہ جس سے بتسلیم گواہ انکار محمد رسول اللہ ﷺ لازم آتا ہے۔ کلمہ کے جزو اخیر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان

کیوں کر ثابت رہ سکتا ہے۔ پھر یہ ثابت کرنے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو مرزا صاحب آخری نبی مانتے ہیں۔ مختار مدعا علیہ نے حسب ذیل اشعار (براہین احمدیہ حصہ اول ص ۱۲، خزائن ج ۱ ص ۲۰) سے پیش کئے ہیں۔

اول آدم آخر شاہ احمد است اے خنک آکس کہ بندہ آخرے  
دوسرا ارشاد:

احمد آخر زمان کو دین راجائے فخر  
آخریں را مقتداء و ملجا و کھف و حصار  
(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۳، خزائن ج ۵ ص ۲۳)

**جواب:** یہاں احمد کو آخر زمان بتلایا ہے اور احمد سے خود مرزا صاحب مراد ہیں۔ چنانچہ نہ صرف یہاں بلکہ ”و مبشر ابر رسول یاتی من بعد اسمہ احمد“ میں بھی جو خصوصیت محمدیہ ﷺ سے ہے۔ محمد کی طرح احمد بھی ایک نام ہے۔ مرزا صاحب کو حقیقی مصداق بنایا جاتا ہے اور مرزا صاحب کا نام احمد بتلاتے ہیں نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا۔ ملاحظہ ہو: ”پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود کا نام احمد تھا یا آنحضرت ﷺ کا اور کیا سورہ صف کی آیت جس میں ایک رسول جس کا نام احمد ہوگا بشارت دی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق یا حضرت مسیح موعود کے متعلق۔ اسمہ احمد کی پیش گوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف کہا جاتا ہے کہ احمد نام رسول کریم ﷺ کا ہے اور آپ کے سوا کسی اور شخص کو احمد کہنا آپ کی ہتک ہے۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں۔ میرا یقین بڑھتا جاتا ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ احمد کا جو لفظ قرآن کریم میں آیا ہے وہ حضرت مسیح موعود کے متعلق ہے۔ میں اس بات کے ثبوت میں اپنے پاس خدا کے فضل سے دلائل رکھتا ہوں اور تمام دنیا کے عالموں اور فاضلوں کے سامنے بیان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حتیٰ کہ میں انعام رکھنے کے لئے بھی تیار ہوں۔ اگر کوئی میرے دلائل کو غلط ثابت کر دے۔“ (انوار خلافت ص ۱۸، انوار العلوم ج ۳ ص ۸۳، ۸۴)

اس تصریح کے بعد کسی جواب کی حاجت ہی نہیں۔ کیونکہ احمد آ خر زمان سے خود مرزا صاحب مراد ہیں۔ چنانچہ اپنے مرید خاص شاہزادہ عبدالجید صاحب اپنی شان کا ایک قصیدہ نقل کرتے ہیں جس کے دو شعر یہ ہیں:

طور جلال خدا عرش بریں دلت نور جمال خدا صورتت اے رہنما  
امت احمد کہ بود بستر جور و جفا احمد آخر زمان کرد ز بندش رہا  
(ایام الصلح ص ۱۳۲، خزائن ج ۱۳ ص ۳۷۵)

مرزا صاحب کے احمد آ خر زمان ہونے کی صاف تصریح ہے اگر کوئی سمجھے کہ پہلے شعر میں:  
اوّل آدم آخر شان احمد است

(براہین احمدیہ حصہ اول ص ۱۲، خزائن ج ۱ ص ۲۰)

میں آدم علیہ السلام سے احمد تک کا ذکر ہے تو جواب ہے کہ مرزا صاحب آدم بھی ہیں اور احمد بھی۔ نیر دین کی تکمیل بھی اپنے پرمانتے ہیں۔ لہذا آ خر وہی ہوئے۔ ملاحظہ قول مرزا صاحب:

آدم نیز احمد مختار در برم جامہ ہمہ ابرار  
(زول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک میرے آنے ہوا کامل بجلہ برگ و بار  
(درشین ص ۱۳۳، براہین احمدیہ پنجم ص ۱۳۳، خزائن ج ۲۱ ص ۱۴۴)

بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کا محمد رسول اللہ کہنا جب کہ مرزا صاحب خود محمد اور رسول بھی ہیں۔ زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار  
نیز آیت: ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“ کے مصداق بھی مرزا صاحب ہیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ پس

جو خود محمد رسول اللہ بن بیٹھے، اس کا ایمان ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پر کیا؟ پھر آئینہ کمالات کا جو حوالہ چالاکی سے مختصر پیش کیا ہے۔ ”مگر وجود ملائک اور ان کے منہی خدمات کے ماننے کے بعد اس قدر تو ضرور دریافت کر لے گی کہ ان کا کوئی فعل عبث اور بیہودہ طور پر نہیں۔ اس اقرار کے بعد اگر عقل مفصلاً تساقط شہب کی ان اغراض کو دریافت نہ کر سکے جو ملائک کے ارادہ اور ضمیر میں ہیں۔ لیکن اس قدر اجمالی طور پر تو ضرور سمجھ جائے گی کہ بے شک اس فعل کے لئے بھی مثل اور افعال ملائک پر وہ اغراض و مقاصد ہیں۔ پس وہ بوجہ اس کے کہ ادراک تفصیلی سے عاجز ہے۔ اس تفصیل کے لئے کسی اور ذریعہ کی محتاج ہوگی جو حدود عقل سے بڑھ کر ہے اور وہ ذریعہ وحی اور الہام ہے جو اسی غرض سے انسان کو دیا گیا ہے تا انسان کو ان معارف اور حقائق تک پہنچا دے کہ جن تک مجرد عقل پہنچا نہیں سکتی اور وہ اسرار دقیقہ

اس پر کھولے جو عقل کے ذریعہ سے کھل نہیں سکتے اور وحی سے مراد ہماری وحی قرآن ہے جس نے ہم پر یہ عقیدہ کھولا یا کہ اسقاط شہب سے ملائکہ کی غرض رجم شیطین ہے۔

ملاحظہ ہو اس میں کہیں آخری نبی کی نبوت کی کوئی بحث ہی نہیں نہ معلوم مختار مدعا علیہ نے یہ حوالہ کس عالم سے نقل کیا ہے۔ پھر یہ بیکار حوالے ذکر کرنے کے بعد ۱۹۰۱ء کے بعد ۳ حوالے بزم خود مختار مدعیہ کی مغالطہ اندازی الم شرح کرنے واسطے پیش کئے ہیں۔

اور اسی مغالطہ اندازی سے مختصر نقل کئے ہیں تاکہ اصل مدعا کا پتہ نہ چلے۔

..... (حقیقت الوحی ص ۴۴، خزائن ج ۲۲ ص ۴۷) اور تمام نبیوں نے جو بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ اس پیش گوئی کے یہی معنی سمجھتے تھے کہ وہ آخر الزمان نبی اسرائیل سے پیدا ہوگا..... الخ!

جواب: اس میں تو اپنا عقیدہ مرزا صاحب نے نبی آخر الزمان کے متعلق نقل نہیں کیا۔ بلکہ تمام ان نبیوں کا عقیدہ اور سمجھنا مذکور ہے جو بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ مرزا صاحب نے محمد ﷺ کو نبی آخر الزمان کہا ہو۔ اس کا ایک حوالہ کہیں نہیں مل سکتا۔ کیونکہ پھر خود مرزا صاحب کیسے نبی کا ذب بن سکیں گے؟

۲..... ”سوققویٰ کے دائرہ سے باہر قدم مت رکھو کیا جیسا کہ یہود نے اور ان کے نبیوں نے سمجھا تھا۔ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے آئے گا۔“ (حقیقت الوحی ص ۴۶، خزائن ج ۲۲ ص ۴۹)

یہاں بھی اپنی رائے کچھ نہیں بلکہ یہودیوں اور ان کے نبیوں کے الفاظ میں آخری نبی کا لفظ ہے۔ مرزا تو اس کے منکر ہی رہے اور مرتے وقت تک نبی بنے رہے۔

۳..... ”اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۴۱، خزائن ج ۲۲ ص ۱۴۵) اس میں لفظ آخری نبی تو نہیں مگر یہ ہے کہ سب سے آخر محمد ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔ اس سے استنباط بھی آخری نبی نہیں ہو سکتا جب کہ آپ ﷺ کے بعد مرزا صاحب کرسی نبوت و رسالت پر رونق افروز ہیں اور نہ صرف نبی بلکہ تمام انبیاء سابقین کے ہم پلہ بلکہ بڑھ کر ہیں۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بے من عرفان نہ کترم زکے  
آنچه داد است ہر نبی را جام داد آں جام رامرا بہ تمام  
مختار مدعا علیہ نے اس کے بعد اور سب احادیث مسلم و کنز العمال وغیرہ ترک کر کے ایک مخصوص سند کی ابن ماجہ کی حدیث پر غیر مسلم جرح نقل کی جس کے متعلق میں اوپر کہہ آیا ہوں اور مفصل آگے ختم نبوت کی بحث میں آئے گا۔

مختلف معنی سے جو آخر میں بے سود تاویل میں کی ہیں وہ اوپر کے دلائل سے لغو ثابت ہو چکیں۔ لہذا اگر اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔  
قول مختار مدعا علیہ:

مختار مدعیہ اپنے مسلمہ عالم کا قول پڑھے مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں: ”اعتقادات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ظنیات کا..... الخ!“

(نوٹ مسلمہ عالم) ”کا لفظ خلاف قانون ہے۔ کہیں مسل میں پتہ نہیں۔ اسی اصول پر ہم نے خصوصیت محمدیہ لفظ آخری نبی اور اس کے مفہوم کے ساتھ قرآن پاک، احادیث قطعیہ متواترہ، اقوال صحابہ، ائمہ مفسرین، صوفیاء کرام، حضرت خواجہ غلام فرید صاحب حتیٰ کہ

مرزا صاحب کے صحابی خاص الخالص جناب محمد علی صاحب ایم۔ اے امیر جماعت احمدیہ سے پیش کر دیا۔ بلکہ شاید مختار مدعا علیہ آپ کو معلوم نہ ہو کہ محمد ﷺ کا نبی آخر الزمان ہونا نہ صرف قرآن پاک بلکہ کتب متقدمہ کا مصرح مسلم مسئلہ ہے۔ ملاحظہ ہو تورات مقدس۔“

”جو شخص آخر الزمان نبی کو نہیں مانے گا، میں اس سے مطالبہ کروں گا۔ (تورات استثناء باب ۱۸) ترجمہ میں شک ہو تو مرزا صاحب کی گواہی پیش ہے۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۳۱، خزائن ج ۲۲ ص ۱۳۲) اب تو آخری نبی یا آخر الزمان نبی کی خصوصیت قرآن و حدیث، کتب سابقہ ساویہ سب سے ثابت ہو چکی اور اس سے انکار کے بعد کسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں ہو سکتا۔ اس پر مختار مدعا علیہ کا یہ قول کہ: ”اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جرح کے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیات پر ایمان لانا ضروری مانا ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ جو خصوصیات نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہیں اور نہ کسی حدیث متواتر سے بلکہ گواہان نے اپنی طرف سے چند مفروضات گھڑ کر ان کا نام خصوصیات رکھ لیا ہے۔ ان پر بھی ایمان لانا ضروریات دین میں سے شمار کیا جائے۔“

نہ صرف مصححہ نیز بلکہ محض مغالطہ ہے جو کہ عدالت پر پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ یہ خصوصیت اور تمام خصوصیات قرآن پاک، احادیث، اقوال صحابہ و ائمہ بلکہ اجماع امت سے ثابت ہیں۔ پس ان کا انکار تو متفقہ کفر ہوگا۔

(۲)

## خاتم التبیین کے معنی

قول مختار مدعا علیہ:

”مختار مدعیہ نے مرزا صاحب کے کلمہ کے دوسرے جزو کے انکار کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ مرزا صاحب خاتم التبیین کے منکر ہیں۔“

جواب: مختار مدعا علیہ نے یہ وجہ محض اپنی طرف سے تراشی ہے۔ خاتم التبیین کے متعلق اس موقع پر کچھ نہیں پیش کیا گیا بلکہ آخری نبی کے لفظ اور اس کے مفہوم کے متعلق تھا جو اوپر کے ہیڈنگ کے تحت مفصل گزر چکا۔ مگر اب ہم اس کی خاطر اس کے متعلق بھی بہت ہی مختصر عرض کرتے ہیں۔

مختار مدعا علیہ نے بیانات کا حوالہ دے کر یہ فرمایا ہے کہ: ”مرزا صاحب اور آپ کی جماعت آنحضرت ﷺ کے خاتم التبیین ہونے کو بصدق دل یقین کرتے ہیں۔“

جواب: خاتم التبیین بمعنی آخری نبی میں گفتگو ہے نہ کہ صرف لفظ خاتم التبیین میں۔ اصل بات یہ ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے پہل جب تک کہ مرزا صاحب کی نبوت سے پردہ نہ اٹھا تھا۔ جب بھی مرزا صاحب حضور ﷺ کو خاتم التبیین فرماتے تھے اور بیعت کے الفاظ میں بھی تھا اور بعد کو بھی آخر تک خاتم التبیین کا لفظ مغالطہ آمیز فرماتے رہے۔ لیکن معنی بدل ڈالے اور پہلے مطلقاً اہل سنت کی طرح تھا اور اب معنی کفریہ رکھ لئے۔ کیونکہ ۱۹۰۱ء سے پہلے اس کے معنی مسلمانوں کے مطابق یہ کرتے رہے۔ ملاحظہ ہوں اصل الفاظ مرزا صاحب:

..... ”اور جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو ماننا ہوں جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صلی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“ (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۳۰)

حضرت قبلہ عالم خواجہ غلام فرید صاحب و قدس سرہ کو بھی ۱۹۰۱ء سے پہلے خط لکھا ہے جس میں مصرع ہے کہ:



## ہر نبوة را بروشد اختتام

(سراج منیر ص ۱۲۷، خزائن ج ۱۲ ص ۹۵)

۲..... ”ہمارے نبی ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ہی چاہتا ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع تصور ہو سکتا ہے اور اگر فرض بھی کر لیں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہو کر آئیں گے تو شان نبوت تو ان سے منقطع نہیں ہوگی۔ گواہیوں کی طرح وہ شریعت اسلام کی پابندی بھی کریں۔ مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت وہ خدا تعالیٰ کے علم میں نبی نہیں ہوں گے اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں دنیا میں وہ نبی ہوں گے تو وہی اعتراض لازم آیا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد ایک نبی دنیا میں آ گیا اور اس میں آنحضرت ﷺ کی شان کا استخفاف اور نص صریح قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔ قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں ذکر نہیں۔ لیکن ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث: ”لانیسی بعدی“ میں بھی نئی عام ہے۔ پس یہ کس قدر دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکبکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمد اچھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے۔ کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوگی۔“

(ایام الصلح ص ۱۲۶، خزائن ج ۱۲ ص ۳۹۲، ۳۹۳)

خصوصیت سے خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

۳..... ”کیف مالی ان ادعی النبوة واخرج من الاسلام والحق بقوم کافرین“ (حماتہ البشری ص ۷۹، خزائن ج ۷ ص ۲۹۷)

ترجمہ: ”مجھے یہ کب حق پہنچتا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے نکل کر کافروں میں مل جاؤں۔“

۴..... ”اور آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آج نجاب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا، نیا ہو یا پرانا۔“

(نشان آسانی ص ۲۸، خزائن ج ۲ ص ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، بحوالہ حقیقت النبوت ص ۹۳ حصہ اول، انوار العلوم ج ۲ ص ۲۲۵)

اب ۱۹۰۱ء کے بعد کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

اب اپنی نبوت سے پردہ اٹھ چکا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ:

ہر نبوت را بروشد اختتام اور کسی قسم کا نیا یا پرانا نبی آنا خاتم النبیین کے منافی ہے۔ اگر اور مگر اور قیودات و تاویلات کا اضافہ ہے۔

گولفظ تو وہی خوش آئند مغالطہ آمیز خاتم النبیین ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں: ”ونؤمن بانہ خاتم الانبیاء لانیسی بعدہ الا الذی“

(مواہب الرحمن ص ۶۶، ۶۷، ۱۹۰۳ء، خزائن ج ۱۹ ص ۲۸۵)

”یعنی ہم ایمان لاتے ہیں کہ محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ مگر وہ جو آپ کا فیض یافتہ ہو۔ ملاحظہ ہو کہ یا تو ”لانیسی بعدی“ مطلق تھا۔ کسی قسم کی تخصیص شرارت اور قرآن وحدیث کے خلاف بے دینی تھی۔ جیسا کہ (ایام الصلح ص ۱۲۶، خزائن ج ۱۲ ص ۳۹۳) پر ہے یا اب تخصیص شرارت نہ رہی اور ایک ”مگر“ لگا کے تخصیص خلاف حدیث و قرآن کر دی کہ آپ سے فیض یافتہ امتی نبی آ سکتا ہے۔

اس کے نتیجے کا تشریحی نوٹ مرزا صاحب کے خلیفہ ثانی کا جن پر گواہان مدعا علیہ کا ایمان ہے۔ (حقیقت النبوة ص ۹۷، انوار العلوم

ج ۲ ص ۲۲۸) سے ملاحظہ ہو۔

۳..... ”تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں۔ یعنی وہ نبوت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے۔“ (چشمہ معرفت ص ۳۲۲، خزائن ج ۲۳ ص ۳۴۰، حقیقت التبوۃ ص ۸۵، انوار العلوم ج ۷ ص ۲۲۱) اس قسم کے صدہا حوالہ موجود ہیں۔ جس کو تفصیل منظور ہو وہ حقیقت التبوۃ مرزا محمود صاحب کے ہیڈنگ۔ ”۱۹۰۱ء کے بعد کے حوالہ جات“ کے تحت ص ۹۷ سے ص ۱۱۸ تک ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ جواب یہ کہ لفظ خاتم النبیین کا اقرار تو آخر تک ہے مگر ۱۹۰۱ء سے پہلے حسب قول گواہ مسلمان تھے تو اسلامی معنی بھی ہیں۔ جیسا کہ (ایام الصلح ص ۱۲۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳، نشان آسانی ص ۲۸، خزائن ج ۴ ص ۳۹۰، دین الحق ص ۲۷، ازالہ ص ۳۱۰) پر تصریح ہے۔ بعد ۱۹۰۱ء اول تو صرف لفظ ہی استعمال میں ہے۔ جیسا کہ فارم بیعت پیش کردہ گواہ مدعا علیہ منسلک مسل سے واضح ہے اور اگر معنی کہیں کچھ کئے تو یا وہ اسی دجل کے ساتھ گول مول اور اگر وضاحت کی کبھی ہمت کی تو وہی کفر یہ معنی بیان کئے ہیں۔ جو کھلا ہوا انکار بلکہ موجب مزید توہین ہے۔ ملاحظہ ہو (استثناء عربی ص ۲۳) و سرکارِ دو عالم، تاجدارِ مدینہ ﷺ کی تصدیق (یہ مغالطہ دہی ضروری تھا۔ کیونکہ ہمارے آقا و مولیٰ کی پیش گوئی میں تمام اپنے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو دجال و کذاب بتایا گیا ہے۔ آنحضور ﷺ کے بعد دعویٰ دار نبوت اگر ایسا مغالطہ نہ کرے، تو عیاذ باللہ صادق و صدوق حبیب خدا ﷺ کی صداقت پر حرف آ جائے، جو متفقہ فریقین محال و ناممکن ہے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”اور اس کے جو معنی قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور ائمہ اور لغت عرب کی رو سے ثابت ہوتے ہیں۔ ان پر ایمان رکھتے ہیں۔“

جواب: محض غلط اور مغالطہ ہے۔ مرزا صاحب کے قائم کردہ معنی کہ جس کی کامل پیروی و اتباع سے نبی بنا کریں جس کی اتباع نبی تراش ہو، نہ کسی ایک آیت میں صراحۃً کجا اشارۃً و کنایۃً نہیں نہ کسی ایک حدیث میں گو ضعیف سے ضعیف سہی، نہ کسی مسلم امام کے معتبر قول میں، نہ کسی لغت کی کتاب یا محاورہ عرب میں پائے جاتے ہیں۔

بخلاف اس کے ہمارے پیش کردہ معنی کہ آپ ﷺ خاتم النبیین اور آخری نبی تمام نبیوں سے پیچھے آنے والے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ آپ کے بعد اب یہ منصب نبوت کسی کو عطاء ہوگا۔ تقریباً ایک صد آیات دو سو سے زیادہ احادیث حوالہ گواہ مدعیہ نمبر ۳، ۶۴ سے زائد آثار صحابہ، ۲۶ اقوال سلف صالحین، دس عظیم الشان مفسرین کے فیصلہ، آٹھ نہایت ہی مستند لغات، تقریباً چھ نہایت ہی معتبر کتب فقہ پر متعدد حوالہ، صوفیائے کرام مرزا صاحب کے بھی فیصلہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے پیش کر کے روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا کہ خاتم النبیین بمعنی آخری نبی جس کے بعد کسی قسم کا نبی نہ بن سکے اور اسلامی سلطنت ہو تو بفرمان رسول اکرم بتصریح امام محمد الدین ابن عربی قابل گردن زدنی ہے جو وہ اس شریعت کے توجع ہو یا مخالف ملاحظہ ہو۔ (یواقیت ج ۲، مج ۳۵ ص ۳۸)

”سواء وافق شرعنا او مخالف فان كان مكلفا ضررنا عنقه والاصفحنا عنه صفحا“

مفصل بیانات گواہان مدعیہ میں گزر چکا اور آگے اپنی جگہ پر ان شاء اللہ آئے گا۔

(۳)

معراج جسمانی کا انکار

قول مختار مدعا علیہ:

مخبر مدعیہ نے مرزا صاحب اور اس کی جماعت کے کلمہ جزدہانی سے منکر ہونے کی ایک وجہ یہ قرار دی ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں اور تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ کو عرش تک معراج جسمانی ہوئی تھی جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ دوسری معراجوں کا یہاں

ذکر نہیں۔ اگر کوئی اپنے یا کسی اور کے لئے معراج مانے تو شرک فی الرسالۃ ہوگا اور مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک کشف تھا اور ایسے کشف میں خود مؤلف بھی صاحب تجربہ ہے۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے لئے ایک نہیں بلکہ کئی معراج ثابت کئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی معراج جسمانی کا انکار کیا ہے۔ اس لئے آپ کلمہ کی ثانی جزو کے منکر ہوئے۔ کیونکہ معراج نبوی رسول اللہ ﷺ کے خصوصیات میں سے ہے اور اس انکار کی وجہ سے کافر و مرتد ہوئے۔ لہذا مدعیہ کا نکاح فتح ہونا چاہئے۔

**الجواب:** حسب عادت یہاں مختار مدعا علیہ نے مسئلہ کو جو غلط ملط کرنے کی سعی کی ہے اور جس تمہید پر یہ اعتراض مبنی تھا۔ اسے دیدہ و دانستہ ماسبق کی طرح نظر انداز کر دیا۔

بیان یہ کیا گیا تھا کہ آقا و مولیٰ سید الاولین و الآخیرین ﷺ باری تعالیٰ کے محبوب اور تمام مخلوق کمالات کے منبع و مخرج، بتصریح ”انا قاسم واللہ يعطی“ نیز تمام کمالات میں بے نظیر و بے مثال ہیں۔ قدرت نے ان کمالات کا نہ کوئی پیدا کیا نہ آئندہ کبھی پیدا کرے گا۔ تمام مخلوق جن و انس، اولیاء و ابدال، غوث و اقطاب اولو العزم انبیاء کرام بلکہ مقررین کی بے حد و بے شمار تعداد بمصدق ”لا يعلم جنود ربک الاہو“ سب کے تمام کمالات ایک پلے میں رکھے جائیں اور محبوب خدا ﷺ کی شان محبوبیت نہیں، بلکہ اس کا ایک ذرہ ایک پلہ میں رکھا جائے تو یہی ایک ذرہ شان محبوبیت سے بڑھ کر ہوگا۔ بلکہ یہ تمام مذکورہ بالا اولیاء اور ملائکہ مقررین انبیاء کرام علیہم السلام ان کے مرتبہ عالی کو کیا پہنچتے۔ ان کا وہم و گمان بھی وہاں تک رسائی نہیں کر سکتا۔ بلکہ جہاں تک اس سید کل فخر کل فی الکل ﷺ کے اللہ تعالیٰ نے قدم اور نعلین شریفین پہنچائے ہیں، کسی کا سر بھی نہیں پہنچتا۔ جبرئیل علیہ السلام بھی باوجود انتہائی اور اعلیٰ تقرب کے ہم رکابی میں ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں۔ پھر وہی محبوب خدا ﷺ تھا اللہ کی رحمت کی معیت میں وہاں تک جاتے ہیں جس کو دنیا والے یوں تعبیر کرتے ہیں کہ:

کس ندانست کہ منزل گہم دلدار کجا است  
ایں قدر ہست کہ بانگے بز..... می آید  
گردد راصل ہمارے لفظوں میں اس کی تعبیر ہی ناممکن ہے۔ ”ثم دنا فندلسی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی (النجم: ۱۰ تا ۸)“

سچ کہو ان آنکھوں سے کوئی اور بھی دیکھا  
بتلا تو سر عرش بریں کون ہے پہنچا  
جو رہے ترا نقش کف پائے محمد  
پایا ہے کسی اور نبی نے بھی یہ رتبہ  
البدر سے زینت تری وہ عرش معلّا

باری تعالیٰ بھی وحدہ لا شریک لہ اور حبیب رب العالمین ﷺ بھی وحدہ لا شریک لہ فرق یہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنی خدائی میں وحدہ لا شریک اور سرکار دو عالم ﷺ محبوب خدا ہونے میں وحدہ لا شریک۔ نہ ان کی خدائی میں کوئی شریک و سہیم، نہ ان کی شان محبوبیت و کمالات میں کوئی شریک، ان کی الوہیت میں شریک ماننا شرک فی الالوہیت ہے۔ محبوب خدا ﷺ کی شان و کمال محبوبیت میں کسی کو شریک ماننا شرک فی الرسالۃ ہے۔ شرک فی الالوہیت کے بعد جیسا کہ مرزا صاحب نے کہا لا الہ الا اللہ کلمہ کے پہلے جزو پر ایمان ناممکن ہے۔ شرک فی الرسالۃ کے بعد (جسے مرزا صاحب نے نہ چھوڑا) کلمہ کے دوسرے حصہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ بتلایا تھا کہ چونکہ مسئلہ معراج جسمانی نہایت طویل الذیل ہے۔ اس لئے میں اس وقت اسے نہیں چھیڑتا اور وہ تو سر سید کی بھی سمجھ میں نہ آیا اور کشفی رنگ کا سمجھتے رہے۔ مگر ایسا کشف جو نہ کسی نبی کو ہوا نہ ولی کو نہ کسی کو ہو سکے۔ لیکن مرزا صاحب نے یہ کیا کہ کشف بتا کہ یہ کہہ گئے کہ: ”اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔“ یہ عبارت کھلی ہوئی شان رسالت و محبوبیت کے شرک پر دال ہے اور شرک فی الرسالۃ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رہ سکتا۔ ہر نبی کو کسی نہ کسی رنگ میں معراج ہوئی ہے۔ کسی کو آگ کے بھڑکتے

ہوئے شعلوں میں، کسی کو کوہ طور پر، کسی کشتی میں، کسی کو چاہ کنعان میں اور کسی کو شکم مابنی میں اور وہ سب بیداری اور جسم کی حالت میں تھی۔ مگر ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو جسم اقدس کے ساتھ عرش اعظم پر ہوئی۔ اس میں آپ کا کوئی بھی شریک و سہم نہیں اور کشف مان کر بھی اس جیسا کسی کو کشف ناممکن ہے۔

پس اعتراض صرف تشبیہ پر تھا۔ مسئلہ کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا اور بناء اعتراض صرف یہ فقرہ کہ: ”اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔“ قرار دیا تھا۔

پھر بھی مختار مدعا علیہ نے باوجود شدید احتجاج غیر متعلق ہونے کے اصرار کو پورا مسئلہ طول و طویل تقریباً پندرہ صفحات پر سپرد قلم کیا ہے جس کی بناء پر ہم بھی مفصل جواب دینے پر مجبور ہوئے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”مختار مدعیہ کے اس اعتراض میں تین باتیں قابل غور ہیں۔ (الف) کیا رسول اللہ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی۔ (ب) اور کیا صحابہ اور ائمہ سلف صالحین اور تمام اہل سنت معراج جسمانی کے قائل تھے۔ اس کا مفصل جواب تو آگے آئے گا۔ اجمالاً پہلے حصہ الف کہ کیا رسول اللہ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی۔“

**جواب:** مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ امام عبدالوہاب شعرانی اور ابن عربی کے حوالہ سے پیش کرتا ہوں جنہیں مختار مدعا علیہ جواب جرح مارچ ۱۹۳۳ء میں مسلم مان چکا ہے۔

”قال الشيخ وكان هذا الاسراء بجسمه الشريف ولو كان الاسراء بروحه ﷺ ويكون رؤيا راها كما يرى النائم في نومه وانكره من قریش ولا نازعه فيه وانما انكروا عليه كونه اعلمهم ان الاسراء كان بجسمه الشريف في تلك المواطن التي دخلها كلها (فان قلت) فكم كانت اسرا انه ﷺ (فالجواب) كما قاله الشيخ في الباب الرابع عشر وثلثمائة انها كانت اربعة وثلاثين مرة واحدة بجسمه والباقي بروحه رؤيا راها قال ومما يدل على ان الاسراء ليلة فرض الصلوة كان بالجسم ماورد في بعض طرق الحديث انه ﷺ استوحش لما زج به في النور ولم ير معه احداً اذا الارواح لا توصف بالوحشة ولا بالاستيحاش قال وكذا لك مما يدل على ان الاسراء كان بجسمه ما وقع له من العطش فان الارواح المجردة لا تعطش“ (بواقیت ج ۲ ص ۳۵)

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ معراج جس میں نماز مہجگا نہ فرض ہوئی۔ حضور ﷺ کو جسم سمیت ہوئی اور اگر صرف روحانی اور ایک کشف یا خواب ہوتا۔ جیسا کہ لوگ نیند میں دیکھتے ہیں تو کوئی بھی قریش میں سے انکار کر کے نہ جھگڑتا۔ بلکہ ان کا انکار صرف اس بناء پر تھا کہ وہ ان تمام مقامات (فرش سے عرش تک) آپ کارات میں جانا جسمانی یقین کرتے تھے۔

پھر تعداد معراج کا سوال کر کے شیخ محی الدین عربی کا فیصلہ فتوحات کے ص ۳۱۴ باب سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کو چونتیس (۳۳) معراجیں ہوئی ہیں۔ ایک صرف جسمانی اور باقی روحانی اور کشفی۔ پھر فرمایا کہ وہ معراج کہ جس میں مہجگا نہ نماز فرض ہوئی، جسمانی ہے اور مجملہ دیگر دلائل جسمانی کے اس کے جسمانی ہونے پر ایک دلیل ہے کہ حدیث میں استوحش کا لفظ بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ کو توحش ہوا۔ حالانکہ ارواح توحش کے ساتھ متصف نہیں کی جاتی۔ یوں ہے ایک اس کے جسمانی ہونے کی دلیل مجملہ اور اڈلہ کے یہ ہے کہ آپ کو پیاس لاحق ہوئی اور صرف روح کو کبھی پیاس نہیں لگ سکتی۔“ معلوم ہوا کہ یقیناً یہ معراج جسمانی تھی۔

ایسے واضح اور کھلے ہوئے مسلمہ بزرگ کی شہادت کے بعد سرسید اور سید سلیمان ندوی و مولوی ثناء اللہ امرتسری کی آڑ نہایت لغو

اور ناقابل التفات ہے۔ خصوصاً جب کہ مسل پران کا تذکرہ تک نہیں اور عدالت تو مسل کی پابند ہے۔

دوسرے حصہ کے جواب کہ اور کیا صحابہ اور ائمہ سلف اور تمام علماء اہل سنت معراج جسمانی کے قائل تھے۔

مفصل جواب تو آگے آئے گا۔ صرف دو حوالے نقل کئے جاتے ہیں جس سے واضح ہوگا کہ اس معراج کے جسمانی ہونے پر تمام

سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

۱..... امام الحدیث حافظ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: ”و جمهور السلف والخلف علی ان الاسراء کان ببدنہ و روحہ ﷺ“ کہ تمام اگلے پچھلے سلف و خلف کا اتفاق ہے کہ یہ معراج جسم اور روح دونوں سمیت تھی، نہ صرف روحانی۔

(عمدة القاری شرح بخاری شریف باب الاسراء)

۲..... قاضی القضاة ابو الفضل عباس ابن عمر و کافضلہ: ”ذهب معظم السلف والمسلمین الی انہ اسراء بالجسد و فی

الیقظة و هذا هو الحق و هو قول ابن عباس و جابر و انس و حذیفہ و عمر و ابو ہریرہ و مالک ابن صعصعة و ابی

حیة البدری..... الخ!“ (شفاء شریف قاضی میاض مع شرح شفا ملاحی قاری) یعنی جمہور سلف صالحین، یعنی صحابہ و تابعین و جمہور مسلمین کا یہی

عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بحالت بیداری اسی جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور یہی حق ہے اور یہی مذہب حضرت ابن عباس اور جابر اور

حذیفہ اور حضرت عمر فاروق اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور مالک ابن صعصعة اور ابو حنیہ البدری اور ابن مسعود اور ضحاک و سعید ابن جبیر اور قتادہ اور سعید

ابن مسیب اور ابن شہاب اور ابن زید اور حسن بصری اور ابراہیم اور مسروق اور مجاہد اور عکرمہ اور ابن جریج اور ابن جریر طبری اور امام احمد بن

حنبل رضی اللہ عنہم اور مسلمین کی جماعت عظیمہ کا یہی عقیدہ ہے۔ یوں ہی فقہاء ائمہ مجتہدین و محدثین و متکلمین و مفسرین کا مذہب ہے..... الخ!“

اتنا زیادہ واضح فیصلہ اور ان ائمہ اور اکابر کو چھوڑ کر سید سلیمان ندوی و مولوی ثناء اللہ امرتسری و سرسید کی پیروی کرنا جن میں سرے

سے بعض معجزات اور کرامات کے قائل نہیں اور بعض تقلید ائمہ سلاسل اولیاء اللہ کے بلکہ نیچری یا وہابی ہیں، کہاں تک زیبا ہے۔ ہمارے مسلم

بھی صحابہ و ائمہ سلف صالحین ہیں۔ سید سلیمان ندوی و مولوی ثناء اللہ امرتسری، سرسید علی گڑھی ہمارے مسلم بزرگ نہیں۔ نہ مسل پران کا کوئی

تذکرہ آیا نہ مختار مدعیہ نے جرح میں پوچھا: ہاں! ممکن ہے کہ مختار مدعا علیہ کے مسلم ہوں کہ ان کے قول سے سند لاتا ہے۔ تفصیل آگے اپنی

جگہ ان شاء اللہ آئے گی۔

قول مختار مدعا علیہ:

۲..... ”کیا پہلے انبیاء میں سے یا اولیاء امت میں سے کسی کو آنحضرت ﷺ کی طرح معراج ہوئی۔“

جواب: اس طرح پر ہرگز نہیں، ہو سکتی نہ کسی کو ہوئی آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک کسی کو ویسی مائیں تو بھی شریک فی الرسالة لازم آئے گا۔

جیسا کہ میری تمہیدی تحریر سے واضح ہے۔ مختار مدعا علیہ ہی ایک حوالہ نہ پیش کر سکے اور جو مغالطہ دیا ہے، وہ آگ اپنے مقام پر آئے گا۔

قول مختار مدعا علیہ:

۳..... ”کیا مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی معراج کی طرح معراج ہوئی۔“

جواب: یقیناً لکھا ہے۔ مختار مدعا علیہ کو ان کے تنخواہ دار ہونے یا ان کے امتی و پیرو ہونے کی وجہ سے نہ نظر آوے۔ اس میں میرا کیا

قصور ہے۔ حوالہ مکرر پیش ہے۔

”سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا..... میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف

کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھتا ہوں، بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری سے یہ حالت زیادہ اصنی اور اجلی ہوتی

ہے اور اس قسم کے کشفوں میں اپنے آپ کو صاحبِ تجربہ فرما رہے ہیں۔  
 (ازالہ ص ۲۸ حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۱۲۶)  
 ملاحظہ ہو کہ معراجِ جسمانی کو کشفِ قرار دے کے اسی قسم یعنی معراجی کشفوں میں اپنے آپ کو صاحبِ تجربہ فرما رہے ہیں۔  
 قول مختار مدعا علیہ:

”پہلی بات کے متعلق خود مختار مدعیہ نے سرسید احمد خان صاحب کو مسلمان سمجھتے ہوئے اور ان کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ کا فقرہ استعمال کرتے ہوئے جو بزرگانِ دین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اقرار کیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے معراجِ جسمانی کے منکر تھے اور اسے روایا مانتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں صریح طور پر لکھا ہے۔ اگر ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عین کا لفظ روایا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہے کہ روایا سے روایت یا تعین فی اليقظہ مراد ہے تو وہ بھی مجملہ اس گروہ کے ہوں گے جو معراج فی اليقظہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اس گروہ میں نہیں جو واقعہ معراج کو حالتِ خواب میں تسلیم نہیں کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک خواب میں ماننا لازم ہے (تفسیر سرسید ص ۱۰۷) جب مختار مدعیہ کے نزدیک سرسید احمد خان معراجِ جسمانی کے منکر ہو کر صرف مسلمان نہیں۔ بلکہ ایک بزرگ مسلمان ہیں جو خطاب علیہ الرحمۃ کے مستحق ہیں تو وہ اسی بنا پر کسی اور کو دائرہ اسلام سے خارج اور کلمہ شہادتین کے منکر کس طرح قرار دے سکتا تھا۔ ہمیں تو اس تفریق و تخالف کی اس کے سواء اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ مرزا صاحب نے جو صحیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور قدیم نوشتوں کی بنا پر ضروری تھا کہ زمانہ کے مولوی حسد اور تعصب کی وجہ سے انہیں کافر و مرتد کہتے ہیں..... الخ!“  
 یہ پچھلے لفظ حسب ضابطہ مسل سے کانٹے کے لائق ہیں۔ میں خصوصیت سے عدالت کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہوں۔

الجواب: جواب میں کوئی اور دلیل جیسے کہ میں نے دلائل قاطعہ پیش کئے ہیں نہ پیش کر سکا۔ صرف سرسید احمد صاحب (اللہ اس پر رحم کرے) ان کی غلط فہمی اور مختار مدعا علیہ کا ان کے لئے علیہ الرحمۃ کے استعمال کرنے کو دلیل سمجھ لیا۔ مگر مختار مدعا علیہ کو واضح ہونا چاہئے کہ یہ دلیل نہ قرآن کی ہے، نہ حدیث کی، نہ اقوالِ سلف، نہ ائمہ ہدای کی۔

سرسید احمد صاحب ہرگز کوئی مذہبی پیشوا نہیں، بلکہ ایک دنیا دار نجری خیال کے آدمی ہیں جو معراجِ جسمانی معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء اللہ، وجود ملائکہ جن شیاطین، پل صراط کتنے امور ہیں جن میں تاویلات کرتے ہیں اور صحابہ کرام اور عام مسلمین کی طرح قائل نہیں۔ پس سرسید کی تحقیق دینی معاملہ میں اور ان کی تفسیر اللہ کی مراد بیان کرنے میں محض غلط اپنی ذاتی رائے کسی پر حجت نہیں۔ باقی علیہ الرحمۃ کا لفظ مسلم بزرگانِ دین کے ساتھ محض نہیں۔ ہر شخص اپنے والد، استاد، اپنے بزرگ زندہ کو صاحب وغیرہ اور مدظلہ دام برکاتہ اور مردہ کو مرحوم اور رحمۃ اللہ، علیہ الرحمۃ کہتا ہے۔ اسی طرح علیہ الرحمۃ اور رحمۃ اللہ بھی عربی زبان میں مرحوم ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک ذرہ کا فرق نہیں۔

اول تو سرسید احمد نے آخری عمر میں ان تمام خلاف شرع عقائد سے رجوع کر لیا ہے اور ان تاویلات پر ندامت و معذرت پیش کی ہے جس کے واسطے تصفیۃ العقائد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی جس میں ان کی خط و کتابت کا اکثر حصہ چھپا ہے اور امیر الروایات امیر شاہ خان صاحب کی ملاحظہ فرمائی جائے اور میں نے اپنے مستند اکابر سے بھی ان کے رجوع کی معتبر روایات سنی ہے۔ لہذا مجھے حق ہے کہ انہیں مسلمان سمجھ کر مرحوم اور اس قسم کے لفظ سے یاد کروں۔ مگر مسلمان ہونا اور چیز ہے اور مسلم ہونا اور۔ یوں اگر مرزا صاحب کی ان کفریات سے کوئی توبہ اور اس سے رجوع مختار مدعا علیہ دکھادیتا تو ہم مرزا صاحب کو بھی مرحوم، علیہ الرحمۃ وغیرہ اسلامی نام والقباب سے یاد کرتے۔ دوسرے یہ کہ سرسید احمد صاحب مرحوم کی سمجھ میں نہ آیا اور اپنی غلط فہمی سے معراجِ جسمانی کے قائلین سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر کسی قسم کی گستاخی یا شرک فی الرسالۃ کا ارتکاب نہ کیا۔ جیسا کہ ان کی دوسری تصانیف تقاریر احمدیہ وغیرہ سے واضح ہے۔

نیز یہ عبارت ضرور ملاحظہ ہو اور خصوصیت سے طرز خطاب میں لحاظ ادب۔

کس قدر تہذیب اور ادب سے لکھ رہے ہیں اور مرزا صاحب کی گستاخی بارگاہ نبوت کی ملاحظہ ہو۔

”ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عین کا لفظ روایا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہے کہ روایا سے روایت یا تعین فی الیقظہ مراد ہے تو وہ بھی منجملہ اس گروہ کے ہوں گے جو معراج فی الیقظہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اس گروہ میں ہیں جو واقعہ معراج کو حالت خواب میں تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک خواب میں ماننا لازم ہے۔ (تفسیر سرسید ص ۱۰۷) کس قدر تہذیب اور ادب سے لکھ رہے ہیں اور مرزا صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو۔

سیر معراج جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا تا اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۲۸، خزائن ج ۳ ص ۱۲۶) معراج پاک جیسے کشفوں میں بارہا صاحب تجربہ بنانا کس قدر کھلی ہوئی گستاخی ناقابل عفو جرم ہے۔ پس میں نے عرض کیا کہ مدار اعتراض اس مشارکت پر ہے۔ صرف جسمانی اور روحانی پر نہیں اور سرسید کو یہ نہیں سوچا بلکہ وہ تو آپ ﷺ کے کمالات کا کوئی ثانی و شریک و سہم نہیں سمجھتے۔ ان کی دوسری تصانیف و مضامین ملاحظہ ہوں۔

لہذا مرزا صاحب اس توہین اور شرکت فی الرسالة اور اس کے توبہ نہ کرنے کی وجہ سے لا الہ الا اللہ کے دوسرے حصہ محمد رسول اللہ پر ایمان دار نہ رہے۔ بخلاف سرسید صاحب کے اتنی کہ اوّل کوئی گستاخی نہیں۔ دوسرے آخر میں ان سب سے رجوع کیا ہوا ہے۔  
قول مختار مدعا علیہ:

”دوسری بات کے لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ فریق مخالف کے ایک مسلم عالم کی تحقیق بیان کر دوں۔ علامہ سید سلیمان ندوی (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۲۹۳) میں بذیل عنوان..... الخ!“

**الجواب:** مختار مدعا علیہ نے کذب بیانی کی حد کر دی۔ سید سلیمان صاحب ندوی فریق مدعا علیہ کے نزدیک مسلم عالم ہونا، ایسا سفید جھوٹ ہے جس کی نظیر تمام عالم میں نہ ملے گی۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ سید صاحب کا تذکرہ تک تمام کارروائی مقدمہ میں مسل پر نہیں، نہ دیوبندی ہیں کہ اس آڑ میں تاویل کر کے کام نکالا جائے۔ بلکہ دیوبندیوں سے ان مسائل میں ان کے اور ان کے استاد شبلی صاحب کے اختلافات مشہور ہیں۔ تفصیل کے لئے القاسم دور جدید اور العرف الہدیٰ علی الترمذی اور تقریرات بخاری حضرت سید انور شاہ صاحب ملاحظہ ہوں۔

پس ان کی آڑ فریق مدعا علیہ پر حجت نہیں۔ مرزائیوں کی مسلم ہوں ہمیں اعتراض نہیں۔ ہم اس کا جواب پیش کرتے ہیں۔ مختار مدعا علیہ نے (سیرت النبی ج ۴) کی عبارت (ص ۲۹۳ ص ۳۰۶) تک تقریباً ۱۴ صفحہ کی نقل کی ہے جس کی غرض محض طول دینا ہے۔ میں ان کے استدلال کا خلاصہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں نقل کر کے مختصر جواب اوّل پیش کرتا ہوں۔ تفصیلی جواب آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!  
..... خلاصہ دلیل ”وما جعلنا الرؤیا التي اریناک الا فتنة للناس (بنی اسرائیل: ۶۰)“ اور روایا عام طور سے خواب کے معنی میں ہوتا ہے..... الخ!

روایا کے معنی کی بحث بعد میں آتی ہے۔ یہاں توبہ تسلیم سید صاحب روایا عین میں ہے۔ یعنی خواب نہیں بلکہ مشاہدہ ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف باب المعراج۔

”عن ابن عباس ہی رؤیا عین اریہا رسول اللہ ﷺ لیلۃ اسری“

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روایا سے خواب کے معنی مراد نہیں بلکہ روایا سے روایت عین یعنی مشاہدہ بصری مراد ہے۔ اور ابن عباس علاوہ حبر امت اور صحابی خاص رسول اللہ ﷺ اور علم الناس بالتفسیر القرآن ہونے کے معیار مدعا علیہ کے نبی مرزا صاحب کے داہنے بازو اور مسلم صحابی مولوی محمد احسن صاحب امر وہی کے اصول پر ایسے مسلم ہیں کہ ان کے مقابل کسی مسیح موعود و مہدی مسعود کی بات معتبر نہیں۔ چونکہ یہ بالاتفاق قریش ہیں اور قریش کے متعلق ارشاد ہے۔

اب خلاصہ تفسیر سورۃ قریش کا یہ ہوا کہ قریش بالضرور تمام دینیات میں متبوع اور مقتداء ہیں کہ الفضل للمتقدم اور سائر امت مرحومہ ان کے تابع ہے۔ خواہ امت میں کوئی خلیفہ رسول کا ہو یا امام ہو یا مجدد ہو یا مہدی ہو یا مسیح موعود..... الخ!

(الفرقان مولوی احسن امر وہی ص ۸)

اب اس کے بعد مختار مدعا علیہ کو مرزا صاحب کا بھی ان کے مقابل حوالہ نہ دینا چاہئے۔ چہ جائے کہ سید سلیمان ندوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری و سرسید وغیرہ۔

”صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن جنبل اور حدیث کی دیگر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں۔ ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان روایتوں کے الفاظ یا خواب و بیداری دونوں پہلوؤں میں سے خاموش ہیں۔ یعنی ان میں مطلقاً اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ خواب تھا یا بیداری اور یا یہ کہ ان میں خواب منام اور روایا کی تصریح ہے۔ بخاری و مسلم و مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں جو شریک کے واسطے سے یہ تصریح تمام مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔“ (عبارت سیرت النبی)

الجواب: چونکہ سید صاحب نیز شبلی صاحب صرف مؤرخ تھے، محدث نہ تھے۔ اس لئے احادیث اور تطبیق میں سخت غلطیاں کی ہیں۔ خود اسی سیرۃ النبی میں بخاری شریف کی حدیث بدر پر ناواقفی سے بدر صغریٰ کو بدر کبریٰ پر قیاس کر کے تنقید و تبصرہ کر کے انکار کر دیا ہے جس پر محدثین نے گرفت کی ہے اور بھی احادیث کے متعلق غلطیاں کی ہیں جس کے واسطے تقریر بخاری شریف حضرت سید انور شاہ صاحب ملاحظہ ہو۔

(جدید حوالہ)

یہی دیکھ لیا جائے کہ راوی شریک کی روایت کو معیار اور مدار ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے متعلق حضرت علامہ محمد امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: ”قد جاء في رواية شريك في هذا الكتاب او هام انكر عليه العلماء قد بينه مسلم علي ذلك بقوله فقدم و آخر وزاد ونقص منها قوله..... الخ!“ (شرح مسلم نووی ص ۹۱)

یعنی معراج کی روایت جو شریک نے کی ہے۔ اس میں بہت اوہام ہیں جن پر علماء کے سخت اعتراض ہیں۔ امام مسلم نے مسلم شریف میں اس پر تنبیہ کی ہے کہ ان بزرگ نے اسی روایت میں تقدیم و تاخیر اور کمی زیادتی کر ڈالی ہے۔ پھر آگے تفصیل میں یہ تمام امور انہیں غلطیوں میں شمار کئے ہیں جن میں سید صاحب معیار حل احادیث فرما رہے ہیں۔ اس سے ملاحظہ فرمائیں کہ جس حدیث میں محدثین اوہام بتائیں اسی کو معیار قرار دینے والا حدیث کے متعلق کیا فیصلے دے سکے گا۔

۱۔ ان کی توثیق مرزا صاحب ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ: ”مولوی صاحب موصوف اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص و محبت اور تعلق روحانی رکھتے ہیں۔ ان کی تالیفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ لیاقت کے آدمی اور علوم عربیہ میں فاضل ہیں۔ بالخصوص علم حدیث میں ان کی نظر بہت محیط اور عمیق معلوم ہوتی ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۸۵، خزائن ج ۲ ص ۵۲۲)



**جواب:** اب ان متعارض احادیث کی تطبیق مجھ سے سنئے۔ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کو ۳۴ معراجیں ہوئی ہیں جن میں ایک معراج جسمانی ہے جس میں نماز، خجگانہ فرض ہوئی۔ باقی (۳۳) روحانی ہیں۔ پس جن روایات میں فاسطیظ وغیرہ کے الفاظ ہیں۔ روحانی یا منامی پر دلالت کرنے والے ہیں۔ گویا ظاہری ایک جیسی اور روایات میں الفاظ راویوں کے متشابہ اور مختلط ہو گئے ہوں اور جہاں جہاں جسمانی کی تصریح کی ہے وہ سب اسی ایک معراج جسمانی کے متعلق ہے جس پر قریش نے انکار کیا اور ابو جہل تکذیب کر کے ابو جہل اور سیدنا ابو بکر تصدیق کر کے صدیق اکبر بنے۔ یہ اپنی توجیہ نہیں بلکہ مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ علامہ عبدالوہاب شعرانی اور امام الصوفی محی الدین ابن عربی کی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب بویات والجمہر ج ۲ ص ۳۵، بحث ۳۴) حوالہ اور مفصل نقل ہو چکا۔

تعب ہے کہ مرزا صاحب کے الہام و اقوال کی تطبیق کے واسطے بڑی بڑی نادر الوجود کتب تلاش کی جائیں اور سرکارِ دو عالم، سید الاولین والآخرین، محبوب رب العالمین ﷺ کی عظمت و جلال باقی رکھنے اور ناموس نبوی ﷺ کی حفاظت کے واسطے اپنے مسلم بلکہ مسلمہ فریقین بزرگ کی کتاب تک نظر انداز کر دی جائے۔ ”فیما حسرتناہ“ اس مختصر تقریر سے احادیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، مالک ابن حصصہ الانصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ کے جس قدر حوالے مسند احمد، بخاری وغیرہ میں آئے تھے سب کا جواب آ گیا۔ تفصیل آگے آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

قول سید سلیمان ندوی بحوالہ مختار مدعا علیہ: ”دلائل نبہتی میں ایک روایت ہے جس میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا (جبرئیل) آیا اور اس نے مجھے آ کر اٹھایا اور میں اٹھا اور اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے۔ لیکن اس کا دوسرا راوی ہی جو تھا دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے اور اس میں جو منکر اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں وہ سرتاپا لغو ہیں۔“

**جواب:** اس کے راوی کو دروغ گو اور ناقابل اعتبار کہنا ایک شخص کی رائے ہے۔ کسی امام جرح و تعدیل کا فیصلہ نہیں۔ دوسرے محدثین کے نزدیک وہ راوی قابل اعتبار ہے۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال وغیرہ! جہاں اس راوی کے متعلق تمام اقوال توثیق و تعدیل منقول ہیں۔ پھر دوسرے صحیح صریح احادیث اس کی مؤید ہیں۔ چونکہ اس روایت سے صریح سید صاحب کے مدعا کے خلاف نکلتا تھا کہ: ”جبرئیل نے مجھے آ کر بیدار کیا اور میں اٹھا۔“ اس لئے اسے مجروح قرار دیا اور اس سے زیادہ مناکیر جس روایت شریک راوی میں تھے اسے حل احادیث کا معیار بنا گئے سچ ہے: ”جبک الشئ یعمی ویصم“ باقی اس میں معراج کے واقعات کو غرائب امور اور سرتاپا لغو بتانا یہ وہی نیچریت ہے کہ عقل میں نہ آئے تو ان سے انکار کرنے لگے اور ایک اصولی ہمارا اور ان کا یہ بھی اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک درایت و عقل، روایت و نقل پر مقدم ہے (جو اصول یورپ کی تاریخ نویسی کا ہے) اور ہمارے نزدیک صحیح نقل سے ثابت ہو جائے خواہ ہماری ناقص عقل میں آئے یا نہ آئے اسے درست مانیں گے۔ کیونکہ روایت صحیح درایت و عقل کی کسوٹی پر مقدم اور افضل ہے۔

قول سید صاحب: ”ابن اسحاق نے سیرۃ میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر سورۃ اسراء میں حضرت حسن بصری سے اس قسم کی روایت کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ جبرئیل نے پاؤں ہلا کر مجھے اٹھایا..... الخ! لیکن اس کا سلسلہ حسن بصری سے آگے نہیں بڑھتا۔“

**جواب:** سید صاحب کو معلوم نہیں کہ جس سے جو سلسلہ آگے نہیں بڑھتا اس کے واسطے حضرت حسن بصری نے قاعدہ باندھا ہے کہ میں جہاں کہیں یہ کہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا۔ وہاں مراد یہ ہے کہ یہ روایت بواسطہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہے میں ایسے زمانہ میں ہوں کہ ان کا نام نامی زبان پر نہیں لاسکتا۔ (مراد زمانہ حجاج عالم ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام لینے پر قتل کرتا تھا) ملاحظہ ہو۔

(خلاصۃ التہذیب ص ۷۷، حاشیہ اور اتحاد الفرقۃ بوسل الفرقۃ للسیوطی ص ۲)

پس اصل سند یوں رہی کہ مدار سلسلہ صوفیاء کرام حضرت حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام الاولیاء مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں۔ فخر دو عالم رحمۃ اللہ علیہ سے اب اس سے صحیح سند اور کیا ہو سکتی ہے۔ کوئی علم حدیث سے واقف نہ ہو، اس کا کیا علاج۔

قول سید صاحب بحوالہ مختار مدعا علیہ: ”بہر حال جیسا کہ پہلے ہم نے لکھا ہے کہ صحیح روایتوں میں یا مطلق خواب و بیداری کی تفصیل نہیں اور یا خواب و بیداری کی درمیانی حالت کی تصریح ہے۔ سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رؤیاً صادقہ کہتے ہیں۔ (ص ۲۹۳، ۲۹۶) پھر لکھتے ہیں کہ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں رد کیا ہے..... تا..... الحسن البصری ونحو ذالک..... الخ!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ دونوں نے کہا ہے کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم گویا نہیں گیا۔ یعنی وہ اسی دنیا پر اپنی جگہ پر موجود تھا اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے۔“

الجواب: چونکہ سید صاحب کی عقل میں معراج کا واقعہ نہیں آتا۔ اس لئے جو بھی روایت کے نام سے صحیح غلط ملے۔ مگر ان کے مدعا کے لئے ٹھیک ہو وہ ان کے قائم کردہ عقلی معیار پر صحیح ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ: ”ما فقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج“ کہ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر میں نے گم نہ کیا۔ یعنی بستر پر موجود تھا اور یوں ہی قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حسن بصری نقل کرتا ہوں۔ مفصل جواب ملاحظہ ہو۔

قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

مرزا صاحب نے بھی ازالہ اوہام میں معراج جسمانی پر اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق نقل کیا ہے اور صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو کہ: ”باوجود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع جسمی کے بارہ میں کہ وہ جسم سمیت معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے۔ تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں۔“

(ازالہ اوہام حصہ اول ص ۲۸۹، جزائن ج ۳ ص ۲۴۷، ۲۴۸)

دوسرا حوالہ: ”اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگا کہ خلاف اجماع صحابہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے دونوں ٹکڑوں کی نسبت یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کے ساتھ بیت المقدس پر گئے نہ آسمان پر، بلکہ وہ ایک رؤیاً صالحہ تھی۔“

(ازالہ اوہام حصہ اول ص ۲۹۳، ۲۹۴، جزائن ج ۳ ص ۲۵۰)

ان دونوں عبارتوں میں مرزا صاحب معراج جسمانی یعنی جسم سمیت آسمان پر جانے کے متعلق تمام صحابہ کا اعتقاد اور ان کا متفقہ جمع علیہ مسئلہ ثابت فرما رہے ہیں۔ صرف جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کا سہارا لے رہے ہیں۔ پس اگر میں نے عقلی و نقلی درایت و روایت سے ان کا بے بنیاد ہونا ثابت کر دیا تو مرزا صاحب کے اقرار سے بھی اجماع صحابہ ہو جائے گا جس سے ایک مستثنیٰ نہیں اور بالاتفاق اجماع صحابہ قطعی حجتہ اور اس کا منکر بلاشبہ کافر ہے۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ نمبر اکیم رمارچ ۱۹۳۳ء

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا:

باعتبار سند اور روایت تنقید کے یہ حدیث بالکل غلط بلکہ موضوع اور گھڑی ہوئی، ناقابل اعتبار ہے۔

”وحدیثہا هذا ليس بالثابت عنها لما في متنه من العلة القادمة وفي سنده من انقطاع را ومجهول وقال ابن دحيه في التنوير انه حديث موضوع عليها وقال في معراج الصغر قال امام الشافعية ابو العباس ابن شريح هذا حديث لا يصح وانما وضع رداً للحديث الصحيح..... وكان المعراج للجسد الروح جميعاً“

(زرقانی شرح مواہب مقصد ج ۶ ص ۴)

اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھ کر زرقانی شارح مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہرگز ثابت نہیں۔ اس کا متن بھی سخت معلول ناقابل اعتبار ہے اور سند بھی۔ سند میں ایک راوی کا درمیان سے پتہ نہیں۔ (کہ دیندار تھا یا بے دین) ایک مہجول راوی ہے۔ (نہیں معلوم معتبر ہے یا غیر معتبر) امام ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یقیناً موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔ امام شافعیہ امام ابو العباس ابن شریح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل غلط ہے اور صرف معراج جسمانی کی اعلیٰ صحیح حدیثوں کو رد کرنے کی غرض سے وضع کی گئی ہے۔ بہر حال معراج جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوئی۔

اتنے بڑے بڑے مسلم ائمہ حدیث کا یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت عائشہ کی حدیث ان سے ثابت ہی نہیں، صرف بے دینوں کی اختراع و ایجاد ہے۔

صحیح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے خلاف ہے

”اخر ج الحاكم وصحيح ابن مردويه والبيهقي في الدلائل عن عائشه رضي الله عنها قالت لما اسرمت بالنبي صلى الله عليه وسلم الى المسجد الاقصى اصبح يحدث الناس بذالك فارتد ناس فمن كانوا امنوا به وصدقوه وسعوا بذالك الى ابي بكر..... قال نعم اني اصدقه بما هو ابعد من ذالك اصدقه بخبر السماء في عدده او روحية فذالك سمى ابو بكر الصديق“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باسناد صحیح حاکم ابن مردویہ بیہقی نے روایت کیا کہ جب معراج کی صبح آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ معراج ذکر فرمایا تو بہت سے لوگ (باور نہ کرتے) مرتد ہو گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑ کر پہنچے کہ تمہارے دوست (یعنی آنحضرت ﷺ) یہ کہتے ہیں..... (آخر میں ہے کہ) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ کیونکہ جب میں اس سے زیادہ مستعد اور عقل میں نہ آنے والی آسانی چیزوں کی تصدیق کرتا ہوں تو اس کی تصدیق کیوں نہ کروں اس پر آپ کو صدیق کا لقب بارگاہ نبوت سے عطاء ہوا۔

(ابن کثیر ج ۶ ص ۳۸)

ملاحظہ ہو کہ اگر خواب ہی تھا اور معراج جسمانی نہ تھی تو بہت سے مسلمانوں نے مستعد سمجھ کر ارتداد کیوں اختیار کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تصدیق میں کیا انوکھی بات کی جس پر صدیق کا خطاب ملا۔

حضرت صدیقہ سے بہت سی روایتیں صحیح معراج جسمانی کی ہیں جن کے ذکر میں طوالت ہے۔ میں زرقانی کے فیصلہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ ارباب نقل میں نہایت معتبر امام ہیں۔ ان کی نقل پر کسی کولب کشائی کا موقع نہیں۔

امام زرقانی کا فیصلہ

”بل الذي يدل عليه صحيح قولها انه بجسده الشريف لانكارها روية ربه رويته عين ولو كانت عندها مناما لم تنكروه“ یعنی حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا صحیح قول یہی ہے کہ معراج پاک جسم شریف کے ساتھ ہوئی۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔

کے رویت یعنی باری تعالیٰ میں اختلاف رکھتی ہیں۔ اگر ان کے نزدیک معراج روحانی یا خواب تھا تو اختلاف رویت کی کوئی بھی وجہ نہ تھی۔

(زرقاتی شرح مواہب ج ۶ ص ۴)

### درایت حدیث عائشہ پر تنقید

عقل و درایت کے لحاظ سے بھی ان کا یہ ارشاد کہ شب معراج جسم اطہر کو میں نے ٹٹولا تو بستر پر ملا ہرگز قابل قبول نہیں۔ کیونکہ اس معراج کے وقت جنابہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف بقول ملا علی قاری (۳) ماہ اور بہ تحقیق صحیح ایک سال کے اندر ہی تھی۔ جس وقت نہ تو یہ شعور ممکن ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ان کا شب گزارنا کیونکہ چھ (۶) سال کی عمر میں ان کا پیغام دیا گیا اور نکاح ہوا اور مدینہ منورہ جا کر ہجرت کے بعد نو (۹) سال کی عمر میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر قدم رنجہ فرمایا۔ لہذا یقیناً یہ واقعہ کسی نے اپنے طور پر خلاف واقعہ بنایا ہے۔

### امور تنقیح طلب

- ۱..... معراج کا سنہ کیا تھا۔
- ۲..... جنابہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کیا تھی۔
- ۳..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اول اول کہاں اور کس سنہ میں تشریف لے گئیں اور محرم راز بنیں۔

### جواب وثبوت

اول کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تعیین سنہ معراج میں چودہ (۱۴) کے قریب قابل لحاظ اقوال ہیں اور کافی اختلاف۔  
تفصیل:

- ۱..... قبل نبوت (روایت شریک)
- ۲..... نبوت کے ۱۵ ماہ بعد۔
- ۳..... نبوت کے تین سال بعد، قول ابن اسحاق۔
- ۴..... نبوت کے پانچ سال بعد، قول امام زہری۔
- ۵..... مکہ اور قبائل میں اسلام شائع ہو چکا تھا۔ (ابن اسحاق)
- ۶..... ہجرت سے ۶ ماہ قبل، ۸ ماہ، ۱۱ ماہ، ۱۲ ماہ، ۱۴ ماہ، ۱۵ ماہ، ۱۷ ماہ، ۱۸ ماہ قبل۔ آٹھ اقوال یہ ہیں۔ پس تیرہ (۱۳) تو یہ ہوئے۔ (۱۴) ۳ سال قبل۔

### فیصلہ

باوجود اس اختلاف کے مسئلہ کمزور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جانچنے کا صحیح معیار موجود ہے۔ یہ غلط ہے کہ اختلاف کسی مسئلہ کو کمزور کرتا ہے۔ بلکہ اکثر پرکھنے اور پڑتال کا موقع نکل آتا ہے اور حق واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے۔ ورنہ ناقابل التفات اختلاف تو وجود باری تعالیٰ، نبوت رسالت، جنت دوزخ، قیامت سب ہی میں ہے۔

پہلی روایت شریک بالکل غیر معتبر ہے۔ خصوصاً ان کا یہ فیصلہ کہ معراج پاک آپ کے نبی ہونے سے قبل ہوئی۔

(نودی شرح مسلم ص ۹۱)

دوسرا اور تیسرا قول بھی روایتِ درایتِ نہیں آگے معلوم ہوگا۔ (نیز ملاحظہ ہونووی ص ۱۹ چھٹے قول سے چودھویں تک) علاوہ روایتِ کمزور ہوں اس لئے بھی ناقابلِ قبول ہیں کہ محدثین میں کسی کو بھی اس امر میں اختلاف نہیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ نمازِ پنجگانہ فرض ہونے کے بعد پڑھی ہے اور ان کی وفاتِ ہجرت سے تین بلکہ پانچ سال قبل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(نووی ص ۱۹)

پس اب صرف قولِ سالم رہ جاتے ہیں۔

۱..... نبوت کے پانچ سال بعد قولِ زہری۔

۲..... اسلام مکہ اور قبل میں پھیلنے کے بعد اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ کیونکہ تین سال تو تبلیغ کا زیادہ موقع ہی نہ تھا۔ آپ معہ اہل و عیال شعب ابی طالب میں محصور تھے اور آپ کا مکمل بائیکاٹ تھا۔ چوتھے سال سے تبلیغ کافی شروع ہوئی اور پانچویں سال اکثر قبائل میں اسلام پہنچ گیا۔

## فیصلہ

امام زہری کے صحیح قول کے موافق معراجِ نمبر ۵ نبوی یعنی نبوت کے پانچ سال بعد ہوئی۔

## پیدائش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت صدیقہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۴ نبوی کے بعد یعنی پانچویں سال نبوت کے ہے۔ ملاحظہ ہو (زرقاتی بروایت طبقات ابن سعد) نیز اس کی تصریح سیرۃ النبی شلی میں یہی ہے۔ جو خود مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ ہے۔

پس سنہ معراج اور ولادت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک ہی یعنی پانچواں سال نبوت ۵ نبوی رہا۔ اب عدالت خود ہی غور فرمائے کہ چند ماہ کی بچی جن کا ہنوز کوئی دربار رسالت سے خصوصی تعلق نہیں نہ وہاں شبِ باشی ہے نہ کچھ سمجھ مگر فرما رہے ہیں کہ معراج کی شب میں نے جسم مبارک کو بستر پر پایا۔ پس یہ قول روایت اور درایت کسی طرح بھی درست نہیں۔ لہذا فیصلہ یہ رہا کہ تمام صحابہ کا یہ تسلیم مرزا صاحب یہی عقیدہ اور اسی پر اجماع رہا کہ معراج جسمانی یعنی جسم سمیت آسمان پر جانا ہوا۔ اب تو اس کے منکر کا کفر بلاشبہ و اختلاف ثابت ہو گیا۔

## ایک اور گزارش

اگر باوجود ناقابلِ قبول ہونے کے اس قول کو کوئی تسلیم بھی کر لے تو پھر اس معراج جسمانی کے سوا کوئی اور (۳۳) روحانی معراجوں میں ہوگی۔ کیونکہ اس قول و تحقیق کے لائق وہ ہجرت کے بعد ہوئیں۔ اس وقت روحانی معراجیں متعدد ہوئی ہیں۔

## حضرت صدیقہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقابل ان کے والد بزرگوار کا صحیح فیصلہ

تعب ہے کہ مرزائی یا دوسرے منکرین معراج ایک موضوع قول چند ماہ کی بچی کا لے کر آڑ پکڑتے اور اسے حجت بناتے ہیں۔ مگر خاندان قریش کے رکن رکن تمام امت سے افضل، صاحب رسول اللہ ﷺ فی الغار جنابہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاف اور صریح قول کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو درمنثور بحوالہ سابق۔

”اخرج البزاز وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ والبیہقی فی الدلائل وصححه عن شداد ابن اوس قلنا یا رسول اللہ کیف اسری بک..... الی ان قال ابو بکر یا رسول اللہ ابن کنت لیلۃ قدر التمسک فی

مکانک..... الخ!“ یعنی شدا ابن اوس سے باسناد صحیح مروی ہے کہ شب معراج کی صبح تذکرہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے آپ کو رات بہت تلاش کیا، مگر حضور (بستر پر) نہ ملے اس پر فرمایا کہ مجھے رات معراج ہوئی..... الخ! (درمنثور ابن کثیر ج ۶ ص ۶۲)

(شفاء قاضی عیاض ص ۸۷) پر ہے: ”عن ابی بکر بروایة شداد بن اوس انه قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ طلبتک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البارحة فی مکانک فلم اجدک فاجابه ان جبرئیل حملہ الی المسجد الاقصی..... الخ!“ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے شب گزشتہ حضور کو حضور کی جگہ پر تلاش کیا۔ آپ موجود نہ تھے۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرئیل بیت المقدس اور آسمان پر لے گئے تھے..... الخ!“ (شفا شریف ص ۸۷)

ملاحظہ فرمائیں اتنی وضاحت ترک کر کے موضوعات کو حجت بنانا بے دینی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ مختار مدعا علیہ بلکہ تمام مرزائیوں کو مسلم ہونا چاہئے۔ کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ صرف قریشی بلکہ مایہ ناز قریش اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب امت سے افضل ہیں۔

اور قریش کے متعلق ان کے مسلم بزرگ جن کی شان میں مرزا صاحب یوں رطب اللسان ہیں۔ ”جی فی اللہ مولوی سید محمد احسن صاحب امر وہی مہتمم مصارف ریاست بھوپال۔ مولوی صاحب موصوف اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص و محبت اور تعلق روحانی رکھتے ہیں۔ ان کی تالیفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ لیاقت کے آدمی اور علوم عربیہ میں فاضل ہیں۔ بالخصوص علم حدیث میں ان کی نظر بہت محیط اور عمیق معلوم ہوتی ہے۔ حال ہی میں انہوں نے ایک رسالہ اعلام الناس اس عاجز کی تائید دعویٰ میں بکمال متانت و خوش اسلوبی لکھا ہے جس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ مولوی صاحب موصوف علوم دینیہ میں کس قدر محقق اور وسیع النظر اور مدقن آدمی ہیں۔ انہوں نے نہایت تحقیق اور خوش بیانی سے اپنے رسالہ میں کئی قسم کے معارف بھر دیئے ہیں۔ ناظرین اس کو ضرور دیکھو۔“ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۸۵، خزائن ج ۳ ص ۵۲۲، ۵۲۵)

## فیصلہ مولوی احسن امر وہی

”قریش بالضرورت تمام دینیات میں متبوع اور مقتداء ہیں کہ افضل للمتقدم اور سائر امت مرحومہ ان کے تابع ہے۔ خواہ امت میں کوئی خلیفہ رسول کا ہو یا امام ہو یا مجدد ہو یا مہدی ہو یا مسیح موعود ہو۔“

پس اس صدیقی فیصلہ کے مقابل مرزا صاحب کا قول بھی ناقابل التفات ہے۔ گو وہ بزعم خود مہدی و مسیح موعود کیوں نہ ہوں چہ جائے کہ سید سلیمان ندوی و مولوی ثناء اللہ و سرسید وغیرہ۔

## تنقیح نمبر دوم

اوپر کی تحقیق میں بحوالہ طبقات ابن سعد و زرقانی گزر چکا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت معراج چند ماہ کی تھی۔ مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔

## تنقیح نمبر سوم

اوپر ثابت ہو چکا نیز مسلم ہے کہ حضرت صدیقہ کی رخصتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ بادی ہجرت کے پہلے سال ہوئی۔ جب کہ ان کی عمر ۹ سال تھی اور جب ہی وہ آپ کی صحیح معنی میں محرم راز ہوئیں (تفصیل کے واسطے طبقات ابن سعد میں حضرت عائشہ کا تذکرہ ملاحظہ ہو)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کا جواب

چونکہ مرزا صاحب نے اجماع صحابہ سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مستثنیٰ کیا تھا اس لئے اس کے جواب میں اتنی تفصیل کی گئی۔ باقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معراج جسمانی پر عقیدہ ہونا مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ کیونکہ وہ جسم سمیت آسمان پر شب معراج جانے کا عقیدہ بلکہ حصر سے یہی عقیدہ سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سب صحابہ کا نقل کرتے ہیں، بلکہ اجماع صحابہ بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(ازالہ اوہام ص ۲۸۹، خزائن ج ۳ ص ۲۳۷، ۲۳۸)

پس مرزا صاحب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معراج جسمانی کے معتقدین کی فہرست میں منسلک کرتے ہیں۔ والفضل

ماشہدت بہ الاعداء!

لہذا بجائے زیادہ تفصیل کے صرف اجمالاً اس قدر عرض ہے کہ اوّل تو یہ ان کا قول قابل اعتبار سند سے ثابت نہیں بلکہ مجروح اور ناقابل اعتبار ہے۔ دوسرے ۵ نبوی تک تو یہ ایمان نہ لائے تھے۔ بلکہ یہ تو ہجرت کے بہت بعد قریب فتح مکہ تقریباً ۱۲، ۱۵ سال واقعہ معراج کے بعد ایمان لاتے ہیں۔ پھر ان کی اس وقت کے متعلق شہادت کہ آپ کا جسم شب معراج بستر ہی پر تھا یا غلط یا سنی سنانی بات ہوگی۔ پھر صحیح ماننے پر یہ شہادت اسی معراج کے متعلق ہو سکتی ہے جو (۳۳) روحانی ہیں نہ کہ چوتیسویں جسمانی جیسا کہ یواقیت سے گزر چکا ہے۔

## شہادت حضرت ابی سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا غیر ثابت شدہ ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع قول تو لیا۔ حالانکہ مرزا صاحب کی تصریح کے بھی خلاف تھا۔ مگر ان کے والد بزرگوار کی نہایت صحیح شہادت جو ہر قل شہنشاہ روم کے دربار میں بادشاہ کے حضور میں کی تھی۔ نظر انداز کر دیا یہ کہاں کی دیانت ہے۔

ابن کثیر وغیرہ میں صحیح سند سے موجود ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہر قل شاہ روم کے روبرو معراج جسمانی کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ اسے مستجب سمجھ کر متفر ہو جائے گا۔ اس کے سر ہانے بیت المقدس کا چابی بردار موجود تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ بادشاہ نے وجہ دریافت کی اس نے عرض کی کہ میں حسب دستور جو وقت اور تاریخ یہ بتا رہے ہیں بیت المقدس کو مقفل کرنے لگا تو کوڑا بند نہ ہوئے۔ اعزہ سے مدد لی کامیاب نہ ہوا۔ راجوں کو دکھایا معلوم ہوا کہ اس کا ایک پتھر نیچے سرک آیا ہے بلا توڑنے دروازہ بند ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کھلا چھوڑ کر چلا گیا۔ صبح آیا تو آدمی کے آنے کے نشان تھے اور جس پتھر سے انبیاء سابقین اپنے جانور باندھا کرتے تھے۔ اس میں ایک مزید حلقہ کا اضافہ اور جانور بند ہونے کا نشان تھا اور دروازہ بالکل درست، پتھر اپنی جگہ پر تھا جس سے میں نے یقین کیا کہ ضرور نبی آخر الزمان پیدا ہو چکے..... الخ!

## حسن بصری کے قول کے متعلق

حسن بصری کی طرف بھی انکار معراج جسمانی کی نسبت محض غلط و کسی روحانی معراج کا تذکرہ کرتے ہوں گے۔ گو اس قول کی سند بھی ناقابل التفات ہے۔ (شفاء قاضی عیاض ص ۸۶) سے حوالہ نقل کر چکا جس میں حضرت حسن بصری کو معراج جسمانی بحالت بیداری میں ماننے والوں سے منسلک کیا ہے۔ نیز ایک حدیث بھی ابن جریر رضی اللہ عنہ کے واسطے بسند حسن بصری یہاں واضح گزر چکی کہ معراج جسمانی تھا اور اس پر انقطاع کو جو اعتراض تھا، اس کا جواب بھی وہیں دے دیا کہ وہ حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ جہاں وہ انقطاع کریں۔ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہوں گے۔

(خلاصۃ التہذیب حاشیہ ص ۷۷)

## حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف غلط نسبت

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھی انکار معراج جسمانی کی نسبت صحیح نہیں حضرت حذیفہ کی تصریح اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے۔ نیز اس نقل کی سند ناقابل اعتبار ہے۔ کسی معتبر محدث نے تصحیح نہیں کی اور (شفاء قاضی عیاض ص ۸۶) پر تصریح ہے کہ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ معراج جسمانی بحالت بیداری کے قائل ہیں۔

### نتیجہ

تقریر بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جن بزرگوں کی طرف انکار معراج جسمانی کی نسبت کی ہے۔ اولاً صحیح نہیں دوسرے روحانی (۳۳) معراجوں کے متعلق ہے جس میں ہماری گفتگو نہیں اس معراج جسمانی کے متعلق جس میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ کسی ایک کا بھی سلف صالحین صحابہ و تابعین سے اختلاف ثابت نہیں اور یہ مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔

### لفظ رؤیا کی بحث

بلا وجہ اس آیت: ”وما جعلنا الرؤیا التي اريناك الا فتنه للناس“ کے تحت ایک حاشیہ کا اضافہ کر کے لفظ رؤیا کی بحث کا اضافہ کر لیا کہ رؤیا کے معنی خواب کے ہیں۔ پھر شہاب تسہیل البیان، مجمع البحار، حریری وغیرہ کے قطع برید کر کے کچھ حوالے نقل کئے ہیں۔  
الجواب: ہمیں اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جب کہ مخصوص اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فیصلہ موجود ہے کہ یہ رؤیا عینی مشاہدہ معراج کا ہے نہ روحانی منامی۔  
اور چونکہ ابن عباس علاوہ حمرامۃ اور قرآن کے متعلق تمام امت سے زائد واقف ہو سکے۔ بوجہ اس کے کہ قریشی ہیں۔ ایسے مسلم ہیں کہ ان کے مقابل دوسرے عالم شہاب حریری وغیرہ کی مہدی مسعود اور مسیح موعود کا فیصلہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(الفرقان مولوی احسن صاحب امر وی ص ۸)

پھر یہی تبرعاً صرف ایک حوالہ نہایت ہی مستند لغت سے جس میں مع محاورہ اہل زبان لیا گیا ہے پیش ہے۔

”قال ابن بربی وقد جاء الرؤیا فی اليقظة قال الراعی فكبر للرؤیا دهش فؤاده وبشر نفساً كان قبل يلموها..... الخ!“  
(حوالہ لسان العرب ج ۱۹ ص ۹)

امام لغت ابن بربی فرماتے ہیں کہ یقیناً رؤیا بیداری کے مشاہدہ پر بھی مستعمل ہے اور عرب کے مشہور مستند شاعر جاہلی راعی کا شعر سند میں پیش کیا ہے..... الخ!

اب یہ نہ صرف مستند کشتری کا حوالہ ہے۔ بلکہ محاورہ عرب اور شعر بھی معتبر شاعر کا پیش ہے جس کو گواہان مدعا علیہ بھی لغت اور معتبر لغت کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو بیان گواہان مدعا علیہ و جرح مارچ ۱۹۳۳ء۔

### ایک عظیم الشان مغالطہ اور اس کا جواب

علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے اور محدث متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی آپ نے حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھی ہے: ”واسرئی بہ“ سے لے کر ”واللہ اعلم“ تک۔

ترجمہ: آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بے داری کی



حالت میں ہوا۔ لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے۔ اس لئے جسم پر روح کے احکام جاری ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح ہر واقعات حضرت حزقیل اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے ظاہر ہوئے تھے اور اولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو روایا میں ان کو معلوم ہوئی۔ ”واللہ اعلم“ کتباً بڑا عظیم الشان مغالطہ اور حضرت شاہ صاحب پر سفید جھوٹ اور بدترین بہتان ہے جو ناواقفی سے نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ لگایا گیا ہے۔ اگرچہ ترجمہ میں خیانتیں بھی ہیں مگر میں مختار مدعا علیہ ہی کا پیش کردہ ترجمہ حضرت شاہ صاحب کے دامنِ قدس کی صفائی کے واسطے پیش کرتا ہوں۔

”آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا۔ پھر سردرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا۔“

عدالت ملاحظہ فرمائے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کتنے واضح الفاظ میں تصریح فرما رہے ہیں کہ یہ تمام (واقعہ) جسم مبارک کے لئے حالت بیداری میں ہونا نہ کہ کشف و خواب میں۔ پس کس قدر جرأت اور دیدہ دلیری ہے کہ ان کی طرف انکار معراج جسمانی کی نسبت کی جائے اور اتنے عظیم الشان مغالطہ کے بعد مختار مدعا علیہ کی حیثیت عدالت پر پوشیدہ نہیں۔

”حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز“، لیکن سے واللہ اعلم تک اپنے مذاق متعلق اس معراج جسمانی کا ایک فلسفہ صوفیانہ اصول پر بیان فرما رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ عالم ظاہر اور عالم مثال کے درمیان کا ہے جو مقام جامع کہلاتا ہے۔ جہاں جسم پر ایسی لطافت طاری ہو جاتی ہے کہ اس پر روح کے احکام یعنی سرعت، حرکت، رفع الی السماء وغیرہ جاری ہو سکتے ہیں۔ اس مقام میں اس جسم لطیف کی حرکت اور سرعت اور رفع الی السماء وغیرہ کوئی مستبعد نہیں جس طرح روح کے متعلق یہ امور مستبعد نہیں۔

پھر ان امور کے جو آپ نے معائنہ فرمائے۔ نتائج فلسفیانہ بیان فرماتے ہیں جن کو مختار مدعا علیہ یا وہ بزرگ جن سے اس نے نقل کیا ہے۔ خوش فہمی سے تعبیر خواب سمجھ رہے ہیں۔ بعینہ یہی فلسفہ حافظ ابن قیم نے بھی بیان فرمایا ہے۔

### مولوی ثناء اللہ امرتسری کا حوالہ

مختار مدعا علیہ نے (تفسیر ثنائی ج ۵ ص ۲۶) سے دو عبارتیں قطع و برید کر کے نقل کی ہیں جس کے جواب میں اولاً یہ گزارش ہے کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری مدعیہ یا اس کے فریق یا کسی دیوبندی عالم کے مستند مسلم نہیں۔ بلکہ سخت اختلاف ہے اور نہ صرف فروعی امور میں بلکہ تقلید جیسے اہم مسئلہ میں یہاں تک اختلاف ہے کہ وہ ائمہ کرام کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں اور سیدنا امام اعظم امام ابو حنیفہ کی شان گرامی میں زبان درازی کرتے ہیں۔ ہمارے ان کے مناظرہ اختلافات اختلافی رسائل تمام پنجاب و ہندوستان میں شائع و ذائع ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بزرگ مرزائیوں کے مسلم ہوں۔ کیونکہ مرزا صاحب کا وہ مد مقابل تھے اور مرزا صاحب نے ان کے متعلق آخری فیصلہ میں اعلان کیا تھا کہ میرے اور ثناء اللہ میں یہ فیصلہ ہے کہ جھوٹا سچے کے آگے مرجائے گا۔ بہر حال ہم پر ان کا قول حجت نہیں، ان کی ذاتی رائے ہے۔

نیز اگر غور کیا جائے تو وہ بھی یہی فرماتے ہیں: ”پس ان بزرگوں کے (یعنی شاہ ولی اللہ صاحب) کلام سے جو امر ثابت ہوتا ہے خاکسار سے مانتا ہے۔“ باقی آگے اس کی تعبیرات کا درست نہ ہونا یہ ان کی غلطی ہے۔ خود ان کی جماعت اہل حدیث نے اس تفسیر پر سخت تنقید و تبصرہ کیا ہے اور اس سے ان کے ایمان میں شبہ کیا ہے۔ اس تنقیدی رسالہ کا نام ”انکار ثناء اللہ صحیح اجزاء امنت باللہ“ ہے۔ پس جب ان کی جماعت کو وہ تفسیر خود مسلم نہیں تو ہم پر کیا حجت ہوگی۔

نیز مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس مسئلہ پر سرنخی و ہیڈنگ و عنوان ملاحظہ ہو: ”اسراء اور معراج دو واقعہ الگ الگ ہیں اور یہ دونوں بے داری میں بحسدہ الشریف ہوئے ہیں۔“

پس جب مصنف کا واضح مذہب اس ہیڈنگ سے معلوم ہو گیا تو عبارتیں قطع و برید کر کے مدعا کے خلاف نکالنا صریح بہتان ہے۔ اصل یہ ہے کہ سرسید اور سلیمان ندوی مولوی ثناء اللہ سے اس کا جواب مرزا صاحب کی طرح نہ بن آیا اور مخالفین کے خوف سے تاویلیں کرنے لگے۔ جیسے کہ مرزا صاحب صاف منکر ہو کر توہین پر اتر آئے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”بہر حال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ و ائمہ نے معراج کو اس جسم عنصری سے تسلیم نہیں کیا۔  
الجواب: یہ محض غلط اور بہتان ہے۔ تفصیلاً جواب عرض کر چکا تمام صحابہ کا اتفاق عمدۃ القاری اور شفاء شریف سے پیش کر چکا۔

چار عادل شاہد اور پیش ہیں۔

۲..... نووی شرح مسلم ج ۱، ص ۹۱۔

۱..... ابن کثیر ج ۶، ص ۴۱۔

۳..... زاد المعاد ج ۱، ص ۲۰۳۔

۳..... ابن جریر ج ۱۵، ص ۱۳۔

علامہ عصر حافظ ابن کثیر اور امام نووی محدث اور امام ابن جریر طبری اور حضرت حافظ ابن قیم تصریح فرما رہے ہیں کہ معراج جسم اور روح دونوں سمیت ہوئی اور یہی مذہب تمام سلف صالحین اکابر صحابہ و ائمہ متقدمین و متاخرین کا نقل فرمایا ہے جس کے بعد یہ ریک تالیفات مختار مدعا علیہ قابل التفات بھی نہیں۔

اور مرزا صاحب بھی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تمام صحابہ کا متفقہ اجماع عقیدہ یہی نقل کرتے ہیں کہ معراج جسم سمیت ہوئی۔

(ازالہ اوہام حصاؤل ص ۲۸۹، خزائن ج ۳ ص ۲۳۷، ۲۳۸)

حوالہ معادل عبارت گزر چکا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی بھی حقیقت واضح ہو چکی۔ پھر مختار مدعا علیہ کا یہ قول مذکورہ بالا محض غلط اور بلا دلیل ہے۔

انبیاء سابقین

دیگر انبیاء کی معراج روحانی جو (سیرۃ النبی ج ۳ ص ۲۷۲، ۲۷۱) سے نقل کی وہ بالکل غیر متعلق ہے ہم خود علاوہ ایک معراج جسمانی کے اور آنحضرت ﷺ کے واسطے بھی روحانی مانتے ہیں۔

مرزا صاحب کے دوسرے حوالے

حماۃ البشری وغیرہ سے جو حوالے مرزا صاحب کے گول مول ذوالوجہ پیش کئے ہیں وہ بے سود ہیں۔ کیونکہ اس میں تو بعد خاتم النبیین مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے اور دعویٰ نبوت کو کفر اور اپنے کو نبی ماننے والوں کو دجال کہتے ہیں اور پھر یہ سب امور جزو ایمان ہو گئے۔ لہذا اس کا کیا اعتبار میں نے تو صریح توہین اور انکار کا حوالہ ازالہ اوہام کا پیش کیا ہے جو مختار مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ جب ہی تو وہ یہ بہتان انکار معراج جسمانی بزرگوں پر باندھ رہا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز اجمیری

قول مختار مدعا علیہ: ”حضرت خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں:

از حرم تا صواب اقصیٰ می روم  
بر براق برق آسا می روم  
از دنے سوئے تدلے می روم  
بے حجب تاتاق تعالیٰ می روم

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص ۳۵)

بچو نور ماہ کز خورشید کرد دست اکتساب  
در شب اسرا چو آرد پائے ہمت در رکاب  
اسرار لدنی کے کند ام الکتاب

(دیوان معین ص ۶، نیز ص ۷ بھی ملاحظہ ہو)

در رکاب خواجہ لولاک می باید شدن  
(دیوان معین ص ۵۴)

گر چو احمد در شب معراج وصل  
از زمین تا سدرہ واز سدرہ بعرش  
از فلک بگذشت واز انس و ملک  
قاب قوسین است و او ادنیٰ حجاب

نور حق ست آن مجسم گشته در ذات نبی  
نقرہ خنگ چرخ را از مہ کشد زریں لگام  
سد ما اوجی گنجید در ضمیر جبرئیل

گر عروج جان معین بایست بر نہ فلک

با وجودیکہ یہ دیوان صرف حضرت خواجہ غریب نواز کی طرف منسوب ہے، ورنہ دراصل یہ ملا معین الدین کاشفی مصنف معارج

القبوت کا ہے۔ جیسا کہ المعارف میں سید سلیمان ندوی نے اس پر کافی تنقید کی ہے۔ مگر میں اسے تسلیم کر کے جواب پیش کرتا ہوں۔

الجواب: اس حوالہ کے نقل میں اگر مختار مدعا علیہ خیانت و قطع و برید نہ کرتا تو ہرگز یہ شبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال اس کا پہلا جواب یہ ہے۔  
..... خواجہ غریب نواز ’ہمہ اوست‘ اور وحدۃ الوجود کے صوفی مشرب بزرگ ہیں۔ جس پر اسی دیوان کے مندرجہ ذیل اشعار دلیل ہیں:

حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست  
کہ ناظر دل و منظور جان و تن ہمہ اوست  
نظر کنی کہ دریں زیر پیراہن ہمہ اوست  
کہ دار نیز ہی گفت بارسن ہمہ اوست  
تو در حقیقت اشیاء نظر فگن ہمہ اوست  
اعتبار گزر کن کہ ماومن ہمہ اوست  
چوں گویم چوں مرا دلدار می گوید بگو

(دیوان معین ص ۱۳ و ۲۶)

کیکہ عاشق مشوق خویشتن ہمہ اوست  
اگر بدیدہ تحقیق بگری دانی  
اگر تو خرقتہ ہستی خویش پارہ کنی  
ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد بس  
گو کہ کثرت اشیاء نقیض وحدت گشت  
تعب نیست گر از اعتبار ما و منست  
من نمی گویم انا الحق یاری گوید بگو

زیادہ تفصیل کے واسطے دلیل العارفین ملاحظہ ہو۔

پس یہ ہمہ اوست اور وحدۃ الوجود کا رنگ جو منکر و بے خودی کا ہے۔ اس میں جو بھی زبان پر جاری ہو وہ قابل مواخذہ نہیں جیسا کہ  
اسی میں دعویٰ انا الحق وغیرہ موجود ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ اشعار دیوان پاک میں ’’قطعہ‘‘ کے ہیڈنگ کے تحت میں مندرج ہیں اور دنیا  
جانتی ہے کہ قطعہ وہ اشعار کہلاتے ہیں جو سب مل کر ایک مضمون بنیں۔ اس میں قطع و برید نہیں ہو سکتی۔ مگر مختار مدعا علیہ کی خیانت ملاحظہ ہو کہ  
اس کا صرف آخری شعر باوجود قطعہ ہونے کے حذف کر دیا اور باقی پیش کیا تاکہ مغالطہ دے سکے۔ حالانکہ وہ شعر اصل معاملہ پر نہایت صفائی

سے روشنی ڈال رہا ہے کہ یہ تمام کلمات عالم بے خودی کے ہیں۔ اصل کتاب ملاحظہ عدالت کے لئے پیش ہے تاکہ اصل بے ایمانی کا پتہ چل جائے۔ وہ شعر یہ ہے:

من نئے دانم دریں بحر عمیق نشتہ ام استادہ ام یا میروم  
کس قدر مدہوشی کی تصریح ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ عالم بے خودی پر ہے جس پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی اور مرزا صاحب  
وحدۃ الوجود وغیرہ کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ دوسرے شعر میں فرما رہے ہیں جس پر کوئی اعتراض ہی نہیں۔ عالم سحو و ہوش میں  
معراج پاک کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”تیسری بات کہ کیا مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کی معراج کی طرح کوئی معراجوں کا اپنے لئے دعویٰ کیا ہے۔ سواس کا جواب  
یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی طرح معراج ہوئی اور جس عبارت سے غلط استدلال کر کے مختار  
مدعیہ نے مرزا صاحب پر یہ افتراء کیا ہے۔ سیر معراج اس جسم کثیف (عصری خاکی۔ شمس)..... تا..... مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔ (ازالہ اوہام  
حاشیہ ص ۲۸، خزائن ج ۳ ص ۱۲۶) مختار مدعیہ نے اس حوالہ کو ایسے طریق پر پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ مرزا صاحب اپنے کشفوں کے مقابلہ پر  
معراج کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ مختار مدعیہ کا دیدہ و دانستہ عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کرنا ہے..... الخ!“

الجواب: یقیناً معراج کو ایک کشف بنا کر اسی قسم کے کشفوں میں اپنے کو صاحب تجربہ کہنا مختار مدعا علیہ کے نزدیک تو ہین نہ ہو۔ مسلمانوں  
کے نزدیک تو ناقابل برداشت تو ہین اور شرک فی الرسالت ہے جو صریح محمد رسول اللہ کے اقرار کے منافی ہے۔

مرزائیوں کے نزدیک تو کھلی ہوئی تنقیص و ہتھیہ بھی تو ہین نہیں۔ مرزائیوں کے ایک مشہور بزرگ ان کے آرگن رسالہ تشہید  
الاذہان قادیان کے ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل فرماتے ہیں:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور بڑھ کر پہلے سے ہیں اپنی شان میں  
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں  
(اخبار البدردیان مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء ص ۱۳)

پھر مختار مدعا علیہ نے اس ازالہ اوہام کی بھی متنازعہ عبارت کی تاویل کی ہے اور حاشیہ میں اپنی طرف سے ذاتی و صفاتی کی تقسیم  
اور ذاتی تشبیہ کی شرط لگا گئے۔ پھر آگے فرماتے ہیں اور مرزا صاحب کے اس قول کہ: ”اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ  
ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۲۸، خزائن ج ۳ ص ۱۲۶ حاشیہ) یہ مراد نہیں کہ آپ کو ایسے ہی معراج ہوئی جیسے آنحضرت ﷺ کو..... الخ!  
مطلب بالکل واضح ہے تاویل محض بے کار ہے۔ عدالت اصل عبارت مکرر ملاحظہ فرمائیں کہ: ”سیر معراج جسم کثیف کے ساتھ نہ  
تھا، بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا..... اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔“ اور اس میں صرف کیا تاویل کریں گے مرزا  
صاحب تو اپنے آپ کو تمام صفات میں ان کا ظل اور بروز بتاتے ہیں اور العود احمد کے اصول پر پہلے سے بڑھ کر۔ جیسا کہ خطبہ الہامیہ  
وحقیقت النبوت کے حوالے سے آگے اپنے محل پر آئے گا جس میں مدلل اپنے کو آنحضرت ﷺ سے افضل ثابت کیا ہے۔ پھر مختار مدعا علیہ  
نے کشف و بے داری کی تاویل اور اجلی اور اصفیٰ کی بحث شروع کر دی۔ مگر عالی جاہ! جو بھی سہی جسانی نہ سہی کشفی اجلی ہو یا اصفیٰ اذخنی ہمارا  
اعتراض تو دراصل ”اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے“ پر ہے جو بدستور شرک فی الرسالت کی یقین دلیل لا جواب موجود ہے  
جس کے ہوتے ہوئے۔ کلمہ کے دوسرے حصہ محمد رسول اللہ پر ایمان قیامت تک نصیب نہیں ہو سکتا۔

## کیا معراج جسمانی کا منکر کا فر ہے

”واجمعنا ان من انكر المعراج الى بيت المقدس يصير كافراً ثم ههنا ثلثة اشياء الاسراء والمعراج والاعرج فاما الاسراء من مكة الى بيت المقدس فهذا مما لا ينكره المعتزلة ومن انكر يصير كافراً لان هذا ثبت بالنص ..... الخ!“

یعنی ہم تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ جس نے معراج جسمانی کا بیت المقدس تک کا انکار کیا وہ ضرور کافر ہو جائے گا۔ پھر یہاں تین امور ہیں۔ اسراء، معراج، اعرج، اسراء جو مکہ سے بیت المقدس تک ہے۔ اس کا انکار تو معتزلہ بھی نہیں کرتے اور جو انکار کرے گا، کافر ہوگا۔ کیونکہ آیت قرآنی سے نصاً و صراحۃً ثابت ہے۔

..... ۲ ”وفی کتاب الخلاصة من انكر المعراج ينظر ان انكر المعراج فهو كافر ..... الخ!“

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری مطبع احمدی شاہدہ)

تقریباً مضمون سابق کی طرح منکر معراج جسمانی پر کفر کا فتویٰ خلاصہ سے نقل کر کے اس پر دلائل پیش کئے ہیں۔ پس دو شاہد عادل امام شہادت کے لئے کافی ہیں:

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہیں جو کچھ فائدہ کریں گو مسئلہ ایک حد تک اجمالی رنگ میں آچکا۔ مگر مختار مدعا علیہ نے ایک فقرہ اور لگا دیا کہ: ”اور اگر معراج کے واقعات پر بھی غور کیا جائے۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عالم اعیان کا واقعہ نہیں ہو سکتا۔“

الجواب: معراج پاک میں حضور ﷺ کا جسم شریف کے ساتھ بیت اللہ شریف سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں پر ہوتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور پھر عرش اور لامکان تک پہنچنا۔ مختار مدعا علیہ کے نزدیک خلاف واقعہ ہے۔ اس کے نزدیک ہو ہی نہیں سکتا کہ سوائے کشف یا خواب کے عالم اعیان میں جسم کے ساتھ یہ واقعہ ہو۔

مگر مرزا صاحب کا ابن مریم بننے کے واسطے پہلے مریم کے رنگ میں پیدا ہونا پھر حاملہ ہونا پھر دروزہ کی شدت سے نو ماہ بعد تنے کھجور کے نیچے جانا اور پھر اپنے سے خود ہی پیدا ہونا اور یوں ان کا مریم اور ابن مریم دونوں بن جانا قرین قیاس اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔

(ملاحظہ ہو حقیقت الوئی نظم ص ۳۳۹، خزائن ج ۲۲ ص ۳۵۲)

آ نکہ	گوند	ابن	مریم	چوں	شدی
آں	خدائے	قادر	و	رب	العباد
مدتے	بودم	برنگ	مریمی		
ہجو	بکرے	یا تم	نشو	و	نما
بعد	ازاں	آن	قادر	و	رب
پس	بہ	نقش	رنگ	دیگر	شد
زیں	سبب	شد	ابن	مریم	نام
بعد	ازاں	از	نقح	حق	عیسیٰ
					شدم
ہست	او	غانفل	زر	از	ایزدی
در	براین	نام	من	مریم	نہاد
دست	نادادہ	بہ	پیران	زی	
از	رفیق	راہ	حق	نا آشنا	
روح	عیسیٰ	اندران	مریم	دمید	
از	زان	مریم	مسح	ایں	زمان
زانکہ	مریم	بود	اول	گام	من
شد	زجائے	مریمی	برتر	قدم	

ایں ہمہ گفت است رب العالمین  
حکمت حق راز ہا دارد بے  
خیر ہمیں ان کے ذاتی عقائد سے اس وقت سروکار نہیں۔

### معراج کے متعلق عقلی طور پر قابل غور امور

(۱) سرعت حرکت۔ (۲) ارتفاع جسم خاکی۔ (۳) کرہ ناروز مہریر یا زہریلی ہوا کا حامل ہونا۔ (۴) آسمان میں شگاف و خرق التیام کیونکر ہو سکتا ہے۔ (۵) شق صدر۔ (۶) رویت باری۔ (۷) رویت انبیاء۔ (۸) رویت جنت و دوزخ وغیرہ، تفصیل تو اس موقع پر ناممکن ہے۔ اجمالاً گزارش ہے کہ ان میں سے کوئی بھی امر ایسا نہیں کہ عقل سلیم کو اس کے باور کرنے میں تامل ہو۔ بلکہ میں تو مذہب اسلام اور ان کے تمامی جزئیات کو بہتر قرآنی فطرۃ اللہ اور عقل کے مطابق سمجھتا ہوں۔ مگر فطری ہونے کے یہ معنی نہیں کہ انہیں صرف عقل سے ثابت کیا جاوے۔ ثابت تو وہ نقل ہی سے ہوں گے۔ البتہ سمجھے عقل سے جائیں گے اور عقل بھی ”سلیم“ کیونکہ ایک تو عقل فطری ہے اور ایک مخصوص ماحول سے متاثر سوسائٹی شرائع اور احکام عقل فطری کے مطابق ہیں نہ سوسائٹی کے جس کا فرق واضح ہے۔ مثال سے واضح ہو۔

ایک بدوی کی عقل یہ ہے کہ: ”البعیرۃ تسدل علی البعیر والاثار علی المسیر..... الخ!“ کہ ایک پیگنی اونٹ کا اور قدم کے نشان قافلہ کا پتہ دیتے ہیں۔ پس یہ زمین و آسمان وغیرہ ایک علیم وخبیر کا پتہ کیوں نہ دیں گے اور ایک دہری کہتا ہے کہ: ”ان ہی الا حیانا الدنیا نموت ونحییٰ وما یہلکنا الا الدھر“ کہ خدا کئی نہیں۔ سب دہر و زمانہ و گردش زمانہ کے کرشمہ ہیں۔ اب گزارش یہ ہے کہ ایک کسی شے کا امکان یعنی ہو سکتا ہے اور ایک وقوع یعنی درحقیقت ہوئی بھی یا نہ۔ عقلی دلیل تو صرف ہو سکتے پر قائم ہو سکتی ہے۔ باقی یہ امر کہ ہوتے بھی یا نہ صرف روایت اور نقل سے مل سکے گی۔

### نمبر وار مرتب اجمالی جواب

..... ”سرعت و حرکت“ اس کے امکان میں کہ آن کی آن میں حضور ﷺ کا جسم مبارک فرش خاکی سے عرش تک کیونکر پہنچا۔ نہ فلسفہ قدیم یونان کی بنا پر کوئی اشکال ہے اور نہ جدید سائنس کے اصول پر۔

### فلسفہ قدیم یونانی

کیونکہ فلسفہ قدیم میں یہ امر مسلم ہے کہ جتنی دیر میں آفتاب کی نکیہ جرم شمس تمامہ طلوع ہوتا ہے۔ (جو چند منٹ اور دقیقہ کا وقت ہے) اتنی دیر میں فلک الافلاک فلک اعظم جو اعظم ترین مخلوقات سے ہے۔ پانچ لاکھ پندرہ ہزار چھ سو (۵۱۵۶۰۰) فرسخ مسافت قطع کرتا ہے جس کے (۱۵۵۸۸۰۰) پندرہ لاکھ اٹھاون ہزار آٹھ سو میل ہوتے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۴۷۱) پس اتنے بڑے تمام مخلوق سے وزنی جسم کی اس قدر سرعت حرکت مستبعد نہ ہو اور سید الاولین محبوب رب العالمین ﷺ کے جسم لطیف کو کثیف بنا کر سرعت حرکت کے استبعاد پر معراج جسمانی کو ناممکن اور کشف کہا جائے: بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجیت

### فلسفہ جدید اور سائنس

فلسفہ جدید اور سائنس دانوں میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ ایک ساعتہ میں برق بجلی زمین کے گرد پانچ سو (۵۰۰) سو مرتبہ چکر لگا کے اپنی اصلی جگہ پر پہنچ جاتی ہے۔ پھر برق سوار کے متعلق کیا استبعاد ہے۔ مولانا گرامی فرماتے ہیں:

قضا گیرد قدر گیرد ازل گیرد ابد گیرد  
سوار برق شد ماہے فلک آمد عنان گیرش  
رکا بش راعنا نش راعفانش را رکابش را  
رکابش بوسہ پازد ملک بوسہ رکابش را  
یہ تو ان کے واسطے دو مثالیں اختصار پیش کر دیں جو عقلی دلیل کے دلدادہ ہیں باقی خدا پرستوں اور موحدین کے واسطے قرآن پاک کی صرف ایک آیت کافی ہے۔

”قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک فلما رآه مستقراً عنده قال  
هذا من فضل ربی لیلونی اشکر ام اکفر ومن شکر فانما یشکر لنفسه ومن کفر فان ربی غنی کریم (النمل: ۶۰)“  
ملکہ بلقیس کے تخت منگانے کی سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ضرورت محسوس فرمائی تو ایک جن نے دربار کے برخاست ہونے کا وقت نصف دن مانگا۔ مگر ان کے وزیر آصف ابن برخیا جنہیں خدا تعالیٰ کی کتاب کا علم تھا فرمایا کہ میں طرفتہ العین میں لاتا ہوں اور پلک مارتے ہی وہ عظیم الشان تخت اقصاء میں سے ہزار ہا میل کی مسافت پر اقصائے شام میں لاپیش کر دیا۔ ”فسبحان اللہ ما اعظم شانہ ونور برہانہ“ پس ایک خدا کا ادنیٰ بندہ تو صرف اس کا نام لے کر یہ کر سکے اور مستبعد نہ ہو مگر خود قدرت والا خدا کرے تو عقل میں نہ آئے۔ فوا عجباه!

## ارتفاع جسم خاکی

قمری حرکت کے فلاسفہ قدیم بھی قائل ہیں اور آج بھی مشاہدہ اور سائنس دان بلکہ اب تو کسی ہندوستانی کے واسطے بھی جائے تعجب نہیں۔ ہوائی جہاز خصوصاً وہ آرنمبر ۱۰ جو تباہ ہو گیا۔ ستر آدمیوں مع ان کے ضروریات زمین سے اس قدر بلند صرف آگ پانی یا پٹرول کی اسٹیم سے ایک عاجز انسان لے جاسکے اور جسم خاکی بلکہ اجسام خاکیہ مرتفع کر دکھائے۔ مگر خدائے قادر و توانا اپنی لازوال اور بے مثال قدرت کے کرشمہ سے اپنے حبیب پاک کے جسم لطیف کو زمین سے بلند نہ کر سکے اور اگر کوئی قائل ہو تو مدعیان عقل اس پر تمسخر اڑائیں:  
بریں عقل ودانش بیاہد گریست

اور ہم مسلمانوں کے واسطے نہ جدید فلسفہ کی ضرورت، نہ قدیم کی، صرف قرآن پاک کی ایک آیت کافی ہے: ”ولسلیمان الریح غدوھا شہر ورواحھا شہر (سبا: ۱۲)“ کہ حضرت سلیمان کے تابع ہوا کر دی تھی۔ ان کا تخت ہوا پر صبح کے قلیل ترین لمحہ میں ایک ماہ کی مسافت اور شام کے ٹائم میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیا کرتے تھے۔

## کرّہ نار یہ یاز مہر یہ یاز ہریلی ہوا کا حائل ہونا

۱..... کون عقل مند نہیں جانتا کہ آگ کا جلنا، ٹھنڈک کا ضرر رسان ہونا ایک مخصوص وقت تک جسم کے اس میں رہنے پر منحصر ہے۔ ورنہ تنور میں باورچی روزانہ ہاتھ ڈالتا ہے اور نکالتا ہے مگر جلتا نہیں۔ پس مذکورہ بالا سرعت پر ضرر نا ممکن ہے۔

۲..... طب قدیم اور جدید میں ایسی دوائیں اور لباس ایجاد ہو چکے ہیں جن پر آگ اور سردی بلکہ بندوق کی گولی تک اثر نہیں کرتی۔ سروے کے ملازم ایک مخصوص لباس پہن کر برف کے پہاڑوں کی پیمائش کو وہاں تک جاتے ہیں جہاں آگ ٹھہر ہی نہیں سکتی۔ پس انسانی دوا اور لباس و ایجاد تو ان حضرات کو روک لے مگر وہ جنت کا پانی جو خدا نے شب معراج غسل کو بھیجا اور وہ حلہ نورانی جو زیب تن فرمانے کو جبرئیل علیہ السلام لائے تھے۔ اگر کرّہ نار اور زہریلی ہواؤں سے بچا لیا گیا تو استعجاب کیا ہے۔

۳..... آگ کا کام جلانا اور ٹھنڈک زہریلے کا دکھ دینا ضرور ہے۔ مگر یہ خاصیت ان کی اپنی خانہ زاد نہیں، بلکہ خداداد ہیں۔ پس جس طرح خزانہ شاہی کا چہریدار، سنتری خزانہ کی طرف رخ کرنے والے کو روکتا ہے اور اصرار پر گولی کا نشانہ ضرور اور ہمیشہ بناتا ہے۔ مگر شاہی فرمان

یاشہنشاہ، وزیر اگر کسی کے ساتھ ہو تو بجائے گولی کے نشانے کے آداب شاہی بجالاتا ہے۔ پس اگر کسی کے پاس فرمان: ”یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراہیم (الانبیاء: ۶۹)“ اور کسی کے ہمراہ جبرئیل: ”شہید القوی ذومرۃ (النجم: ۶۵)“ اور پروانہ راہ داری ہو اور آگ نہ جلانے یا سردی نہ ستانے، بلکہ وہ آرام مہیا کر دے۔ اس پر تعجب کیا ہے۔

اور ہم مسلمانوں کے واسطے آدم و حواء کا بیٹھنا قرآن اوپر سے اترا صحف ابراہیم و موسیٰ کا صحیح و سالم کتابی رنگ میں آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مائدہ دسترخوان اترا کافی ہے۔

## آسمان کا بیٹھنا اور جڑنا

قدیم فلاسفہ کے پاس سوائے انکل کے ایک بھی دلیل نہیں اور وہ انکل بھی ان کے پاس فرض طبع زاد تخیلی آسمان میں تو شاید نافذ ہو۔ اس خدائی آسمان سے بالکل الگ ہے اور سائنس نے تو آسمان کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے اور حد نظر کا نام بتاتی ہے۔ ہمارے واسطے یہی کافی ہے۔ لم یفتح لهم الابواب السماء! کہ آسمان کے دروازے ہیں کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ آسمان بنانے والے کی رائے اور فیصلہ یہ کہ ہم نے دروازے اس میں رکھے نہیں اور عقلاء کی سمجھ میں بھی نہیں آتے اس کا کیا علاج؟

## شق صدر

آج اس پر دلیل کی ضرورت ہی نہیں جب کہ فن جراحی کے محیر العقول کرشمے موجود ہیں، جتنی وقت ہے۔ مثالیں نہیں دیتا اور ہمارے لئے ایک آیت کافی ہے: ”انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون (یسین: ۸۲)“

## جنت و دوزخ

دنیا میں اصول مسلم ہے کہ ہر مرکب کے مفردات کا علیحدہ گدام ہوتا ہے اور ایک شخص مرکب یا کسی معجون کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ علیحدہ علیحدہ اس کے اجزاء اپنی اپنی جگہ ضرور موجود ہیں۔ انسان کو اربعہ عناصر سے مرکب پا کر یہ فیصلہ دشوار نہیں کہ کائنات عالم میں کڑہ ناز، کڑہ ہوا، کڑہ آب، کڑہ خاک علیحدہ علیحدہ بھی موجود ہیں۔

پس جب کہ دنیا اور اس محسوس عالم اور مخصوص دار میں رنج اور خوشی خار و گل اور سکھ اور دکھ، تندرستی و بیماری ساتھ ساتھ ہیں تو عقلاً کوئی ایسی جگہ ضرور ہونی چاہئے جہاں صرف پھول ہی پھول ہوں۔ خار کا پتہ نہ ہو، صرف تندرستی ہو اور مرض کا وجود نہ ہو۔ صرف خوشی آرام سکھ ہو، رنج تکلیف دکھ کا پتہ نہ ہو۔

اور ایک جگہ اور مکان ایسا ہی ہونا چاہئے، جہاں صرف خار ہوں گل ناپید ہوں۔ صرف غم و تکلیف و بیماری ہو اور خوشی و آرام و تندرستی کا فقدان ہو۔ اول کا نام اسلامی اصطلاح میں جنت، دوسرے کا نام دوزخ ہے۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

اب کوئی سوال کرے کہ دکھاؤ کہاں ہیں پتہ دو، تو اس سے میں پوچھوں گا کہ یہ ہندوستان کا نقشہ ہے۔ اس میں مکہ، مدینہ، بغداد، کربلائے معلیٰ، لندن، امریکہ، جاپان دکھاؤ۔ اگر یہ جواب ہو کہ وہ اس محد و نقشہ ہندوستان میں کہاں ملیں گے۔ وہ تو تمام دنیا کے نقشہ میں ہیں۔ سارے رابع مسکون کا نقشہ لاؤ دکھادیں گے۔ پس یہی گزارش میری بھی ہے کہ وہ آپ کے دنیوی نقشہ میں نہیں۔ بلکہ خدائی نقشہ میں ہیں۔ ساری خدائی کا نقشہ جبرئیل کی لائبریری سے لاؤ جنت دوزخ ان شاء اللہ انگلی رکھ کر بتادیں گے۔



## ملائک و شیاطین

خدا نے دلائل کا ایک اصول سکھایا ہے کہ: ”وفی انفسکم افلا تبصرون“ اپنے ہی نفسوں میں دلائل سوچو ایسے زیریں اصول پر گزارش ہے کہ ہمارے اندر شرکی صلاحیت ہے اور خیر کی بھی، بھلائی اور نیکو کاری کی اور برائی اور بدکاری کی بھی۔ پس مذکورہ سابق اصول پر ایک مخلوق بھی ایسی ہونی ضروری ہے۔ جس میں صلاحیت صرف خیر اور بھلائی اور نیکو کاری کی ہو شر اور برائی اور بدکاری ان سے سرزد نہ ہو سکے اور ایک ان کے برعکس مخلوق ہونی، اسی طرح ضروری ہے۔ اڈل کو ملک فرشتہ اور دوسرے کو شیاطین کہتے ہیں۔ باقی ہمارے واسطے قرآنی تصریحات جنت و دوزخ جن و انس ملک و شیاطین کافی ہیں۔ قرآن پاک کا مطالعہ فرمادیں۔ ”فیہ تبیان لکل شیء“ سب کچھ اس میں ہے۔

## ایک اعتراض کا جواب

سوال یہ ہوگا کہ ہمیں دکھاؤ، میں عرض کروں گا کہ پانی اور ہوا کے جراثیم محسوسہ دکھا دو (جواب یہ ملے گا یہ جب تک امریکہ کا بنا ہوا مخصوص پاور کے لینس کا چشمہ استعمال نہ کرو گے۔ اسے نہ دیکھ سکو گے) پس گزارش یہ ہے کہ جن، ملک، شیاطین جب تک مخصوص پاور کا بنا ہوا مدنی چشمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم، ائمہ دین، سید شاہ عبدالقادر جیلانی، خواجہ غریب نواز کے کارخانے سے حاصل کر کے نہ استعمال فرمائیں گے، انہیں مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

اور ہمارا ایمان تو مشاہدہ سے زیادہ ان کے خالق اور اس کے حبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہے۔ ”لو کشف الغناء لما ازددنا یقینا“ مشاہدہ پر کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ (رویت باری تعالیٰ)

یہ مسئلہ بہت ہی طویل ہے اور اختصار ناممکن ہے۔ اس لئے صرف کتاب (یواقیت والجاہر ج ۱ ص ۱۱۹، بحث ۲۲) کا حوالہ کافی سمجھتا ہوں جو گواہ مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے:

کلام سردی بے نقل بشید خداوند جہانرا بے جہت دید

## رویت انبیاء

اوّلاً تو انبیاء کرام کے جسم محفوظ رہتے ہیں: ”قال النبی رضی اللہ عنہ ان لله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء“ (دارقطنی وغیرہ) کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس جسم کو دیکھنا کیا محال۔ نیز آج مسمریزم کی معمولی پریکٹس ہے تو انسان ارواح کو دیکھ لے اور ہم کلام ہو سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مراقبہ کا یہ بھی اثر نہ ہو کہ انبیاء کی رویت وہم کلامی ہو جائے۔ نیز جب کہ وہ ذات گرامی باوجود انتہائی لطافت کے ملائک کو دیکھتے اور فرس خاک سے عرش پاک کا جلوہ دیکھتے ہوں۔ انبیاء کی ملاقات رویت میں کیا استبعاد ہے۔

دنیا میں مشاہدہ کہ کسی شہنشاہ کا کوئی معزز مہمان آئے تو اس کی تمام حکومت اور تمام عالموں، تمام کارخانوں و محکموں میں یک دم تعطیل کر دی جاتی ہے تاکہ اس کا اکرام سب پر ہو پیدا ہو جائے۔ کانٹے والی مشین نہیں کاٹتی۔ چلنے والی نہیں چلتی۔ پیسنے والی نہیں پیستی۔ جو کام پورا اور ادھورا جس جگہ ہو وہیں بند ہو جاتا ہے اور تعطیل ختم ہونے پر وہیں سے یک دم شروع ہو جائے گا۔

باری تعالیٰ جیسا شہنشاہ مطلق اور سید الاولین والآخرین خاتم النبیین جیسا حبیب پاک صاحب لولاک رضی اللہ عنہ معزز مہمان اگر تمام کارخانہ عالم یکدم تعطیل کر کے بند کر دیا جائے۔ نہ آگ جلانے، نہ سردی ستانے، نہ ہوار کے، نہ آسمان اور زمین یا چاند سورج، دن و رات، ساعات و لمحات زمانہ حرکت کریں تو کیا تعجب نہ تو کوئی وقت لگنا چاہئے، نہ کوئی گزند پہنچے گا۔ امکان ہے نہ کوئی اعتراض، مگر اللہ

بصیرت نہ دے۔ اس کا کیا علاج:

کہ خضر از آب حیوان نقشہ سے آرد سکندر را

تہی دستان قسمت راجہ سود از رہبر کامل

نفس مسئلہ معراج پر ایک کلی عقلی دلیل

انسان کے دو جزو ہیں ایک جسم جس کی ترکیب اجزاء عنصریہ سے ہے اور جس کی بقاء بھی عنصری اشیاء سے متعلق ہے۔ دوسرا جزو روح ہے جس کی حقیقت سمجھنا تو دشوار ہے۔ ”قل الروح من امر ربی“ وہ مولیٰ کا ایک حکم ہے جس کا ہمیں کما حقہ علم نہیں۔ مگر اتنا مشاہدہ ہے کہ انسانی اعضاء کی شکم مادر میں تکمیل کے بعد ایک برقی طاقت اس کے اندر آ کر اسے متحرک کر دیتی ہے اور وہ زندہ کہلانے لگتا ہے۔ اسی برقی اثر کا نام روح ہے۔ یہ ہے تو انسان زندہ ہے، ورنہ مردہ۔ تمام انسانی افعال کا منبع یہی روح ہے۔ یہ خارج ہو جائے تو انسان بے کار مردہ سپرد زمین کے لائق بن جاتا ہے۔ پس انسان دراصل روح ہے اور جسم اس کا ایک آلہ ہے۔ جیسے حرکت بظاہر تو انجن کرتا ہے، مگر محرک اسٹیم ہے۔ بلا اسٹیم انجن ایک انج حرکت نہیں کر سکتا اور اسٹیم سے ہی کام کرتا ہے۔ اسی اسٹیم کا پاور جب زیادہ ہو جاتا ہے تو مسلم انجن لکڑی اور دھات کافی بوجھ اور کتنے انسانوں کو اٹھا کر ہوا پھاڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اسی طرح انسانی روحانیت کا اسٹیم جب زیادہ تیز اور طاقت ور ہو جاتا ہے۔ ”یکاد زیتھا یضیء ولولم تمسسہ نار نور علی نور (النور: ۳۵)“ تو انسان کو اٹھا کر آسمان پر لے اڑتا ہے جس چیز کو انسان جیسا عاجز و بے بس اپنی ناقص عقل اور محدود فہم سے ایک محدود حد تک لے جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر و توانا اپنی نامحدود قدرت اور لفظ کن کو کام میں لاکر غیر محدود جگہ تک پہنچا سکتا ہے۔

جب انسان مثلاً لوہا لکڑی آدمی دو میل اڑالے جاتا ہے تو کیا خدا کی قدرت میں دو کروڑ دو کھ دوا رب اور ”وما مقدر و اللہ حق قدرہ (الزمر: ۶۷)“ غیر متناہی مسافت پر لے جاتا نہیں:

و از ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم  
ما ہم چناں در اوّل وصف تو مانده ایم

اے برتر از خیال و قیاس و گمان وہم  
دفتر تمام گشت و پیاپاں رسید عمر

وقوع پر دلیل شہادت

امکان یعنی ہو سکتا تو بجز اللہ ثابت ہو گیا۔ صرف یہ باقی رہا کہ ہوا بھی یا نہ۔ اس کے واسطے معتبر یعنی شہادت پیش ہے۔ کیونکہ وقوع پر سوائے شہادت کے کوئی عقلی دلیل ہی ناممکن ہے۔

خدا کی شہادت اللہ شہید بینی و بینکم

سفر معراج کی تین منزلیں ہیں۔

۱..... بیت اللہ الحرام مکہ سے بیت المقدس شام تک۔

۲..... مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔

۳..... سدرۃ المنتہیٰ سے لامکان اور تقرب خاص تک۔

خلاصہ جواب

پس جو شخص اپنے اندر الوہیہ بتاتا ہو اور خواہ الہ بنے، حالانکہ گواہ مدعا علیہ نمبر اجرح ۷ مارچ میں تسلیم کر چکا ہے کہ خدا کے سوا کسی میں الوہیہ نہیں پائی جاسکتی اور یہ کہے کہ خدا نے مجھے یہ کہا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے اور خدائے پاک کے نہ صرف بے شمار ہاتھ و پاؤں

بلکہ کھلے ہوئے مصرح لفظوں میں باری تعالیٰ میں طول و عرض کا قائل ہو اور بڑے فخر و بیاں سے یہ کہے کہ خدا کو میرا نام لینے سے شرم دامن گیر ہوئی اور شرم کے غلبہ نے میرا نام زبان پر لانے سے اس کو روک دیا جس کے خلیفہ یہ اعلان فرمائیں کہ مرزا صاحب کے آنے قبل خدا (عیاذ باللہ) ناکام اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ جیسا کہ صیاد جال بچھا کر بیٹھا رہتا ہے جو خدا پر یہ بہتان عظیم باندھے کہ اس نے مجھے فرمایا کہ تیرا کام پورا ہوگا اور میرا پورا نہ ہوگا جو خدا کا اپنی طرف سے نیا نام خلاف شرع عاج تجویز کر کے شرک فی الاسلام کا مرتکب ہو۔ اپنے کو خدا کی توحید و تفریدی کی طرح اس سے مقرب سمجھتا ہو۔ خدا کے امر کا جو ”انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون (یسین: ۸۲)“ میں ہے شریک و سہیم ہو اور اپنے لئے خدا پر یہ بہتان باندھے کہ اس نے مجھے فرمایا کہ: ”انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون“ کہ اے مرزا صاحب آپ کا امر اس کے سواء نہیں کہ جب کبھی بھی آپ کسی چیز کا ارادہ کریں اور کن کہیں وہ ساتھ ہی فی الفور ہو جائے۔ جو اپنے کو یوں کہے کہ گویا یہ بیٹا کیا خدا ہو، آسمان سے اتر آیا۔ جو اپنی پیش گوئیوں پر کشفی حالت میں خدا سے دستخط کرائے اور زائر و شائعی چھڑ کے جو عالم محسوس میں اس کے کرتے اور ٹوپی پر نمودار ہو اور پھر اس سرخ داغوں والے کرتے کو خدا تعالیٰ شانہ کی روشنائی سے آلودہ سمجھ کر تبرک بنا کر رکھیں اور یوں خدا کے مجسم ہونے کے عقیدہ کی تکمیل کر دکھائے۔ جو اپنے آپ کو فخر کے ساتھ اس بیٹے کا باپ سمجھے جو ہو، ہو، آسمان سے خدا ہو کر آیا ہے جس کے الفاظوں میں خدا کا یہ قول ہو کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی اور جو اپنے نام (غلام احمد) کو جو شریعت و عبادت بھی ہے۔ خدا کا سب سے بڑا نام قرار دے اور خدا کے ”سبح اسم ربک الاعلیٰ (الاعلیٰ: ۱)“ کی طرح ”انت اسمی اعلیٰ“ کا قائل ہو جو خدا کی طرف بیداری و خواب کو منسوب کرے اور جو ایک نئے خدا کا قائل ہو اور اپنے اندر صفت اور قوت صلاحیت احوال انشاء کی بتائے، زمین و آسمان کی خلق پر اپنے کو قادر پائے اور وہ لفظ ولد جس کی خدا کی طرف نسبت کرنے سے بھص قرآن آسمان کھلے کھلے ہونے کے قریب ہو جائے، زمین شق ہونے لگے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہونے لگیں۔

لیکن فخر و بیاں سے اپنی نسبت استعمال کرے اور اسی پر اکتفاء نہ ہو۔ بلکہ عیاذ باللہ خدا جانے کیا ہے۔ کیا دعاوی اور پھر ان وساوس پر یہ ناز ہو کہ یہ سب وحی والہام الہی ہیں۔ ”ما ینتطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی (النجم: ۳، ۴)“ کے مصداق ہیں، نہ صرف یہی بلکہ قرآن پاک کی طرح بلا فرق ایک ذرہ پاک و منزہ اور قابل ایمان سمجھے۔

چونکہ معراج پاک کو تمام کائنات عالم، انسان جن و ملک، زمین و آسمان کے واسطے آیت اور نشان بنایا تھا۔ لہذا پہلی منزل وہ رکھی جہاں تک وہاں مخاطب انسانوں کا تنگ و دو اور جتنی ان کی دنیا تھی تا کہ اس کو وہ جانچ پڑتال سکیں اور آگے کو اسی پر قیاس کر لیں۔

دوسری منزل جن و ملک کی جہاں تک رسائی اور سدرۃ المنتہی ہے۔ قرار دی تا کہ وہ بھی گواہ ہو جائیں۔ تیسری منزل کا کسی کو علم نہ دیا کہ کیا ہوا، کیونکر ہوا، کیسے ہوا اور کیا بنا۔ عقل بھی متحیر و ہم بھی خائب و خاسر بس صرف ”امننا باللہ ورسولہ“ ہے۔

## پہلی منزل کے جسمانی ہونے پر قرآنی شہادت

”قال اللہ تعالیٰ سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا (بنی اسرائیل: ۱)“  
 تشریحی نوٹ: ”سبحان“ کا لفظ اہم اور نادر واقعات پر مستعمل ہوتا ہے، کوئی خواب و کشف ہوتا تو اس کی ضرورت نہ تھی مگر حوالہ ”فالمرسیح انما یكون عند الامور العظام فلو کان منا مالک یکن فیہ کبیر شیء ولم یکن مستعظما“ (ابن کثیر ج ۶ ص ۴۱)  
 ”اسرائی“ اسراء کا لفظ سوائے جسمانی کے کشف یا نوم پر نہیں بولا جاتا ہے۔

(شفا قاضی عیاض ص ۵۴)

حوالہ ”لانه لا یقال فی النوم اسرئ..... الخ!“

قرآن میں صرف اسی معنی میں مستعمل ہے۔ ”فاسر باہلک“ فاسر بعبادی“ مطہرنا بعبده“ عبد صرف روح کو نہیں کہتے۔ بلکہ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور بلا کسی دلیل شرعی کے مجازاً روح مراد لینا یہاں درست نہیں۔

## ثبوت

”فان العبد عبارة عن مجموع الروح والجسد“  
قرآن میں جب بھی لفظ عبد بولا گیا، اس سے جسد مع الروح مراد لیا گیا۔

”مثله مما نزلنا علی عبدنا (البقرة: ۲۳)“؛ ”واذکر عبدنا ایوب (ص: ۴۱)“؛ ”عبداً شکورا (بنی اسرائیل: ۳)“؛ ”انزل علی عبده الكتاب (الکھف: ۱)“؛ ”نزل الفرقان علی عبده (الفرقان: ۱)“؛ ”ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (الحجر: ۴۲)“؛ ”کونوا عبداً لی (آل عمران: ۷۹)“؛ ”الاعبادک منهم المخلصین (ص: ۸۳)“؛ ”وعد الرحمن عباده (مریم: ۶۱)“؛ ”وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض (الفرقان: ۶۳)“؛ ”فوجدنا عبداً من عبادنا (الکھف: ۶۵)“؛ ”ارایت الذی ینہی عبداً اذا صلی (العلق: ۱۰، ۹)“؛ ”انه لما قام عبد اللہ (الجن: ۱۹)“ اور سینکڑوں مثالیں ہیں۔

## ایک مغالہ کا جواب

مخبر مدعا علیہ نے عبد کے معنی روح کے لینے کے واسطے ”فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“ پڑھ کر مغالطہ دیا ہے کہ نفس سے کہا جائے گا کہ بندوں کی ارواح سے مجازاً..... الخ!

حالانکہ یہ محض مغالطہ ہے۔ یہاں بھی لفظ عبادی جسم مع الروح کے معنی میں مستعمل ہے اور یہ قول اس سے قیامت میں کہا جائے گا۔ جہاں جسم اور روح دونوں موجود ہوں گے۔ زیادہ توفیق نہ تھی۔ جلالین ہی دیکھ لی ہوتی۔ ”ویقال لها فی القيامة فادخلی فی جملة عبادی الصالحین وادخلی جنتی معهم“ کہ یہ قیامت میں کہا جائے گا..... الخ!

چونکہ مخبر مدعا علیہ اور خود مرزا صاحب بھی حشر اجماد کے منکر ہیں۔ اس لئے انہیں بھی نظر آیا۔ مگر مسلمانوں کے نزدیک حشر روح مع الجسد ہوگا۔ جیسا کہ آگے اپنے محل پر آئے گا۔ لہذا یہاں بھی عبد سے مع الجسد مراد ہوگا۔ ان تشریحی نوٹوں کی بجائے کسی تفصیلی تفسیر کا صرف صحیح ترجمہ پیش ہے۔

”سبحان الذی اسرئ بعبده لیلأ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لئریہ من ایاتنا انه هو السميع البصیر (بنی اسرائیل: ۱)“

تمام اعتراضات مشکوک و شبہات سے وہ ذات الہی میرا امتزہ ہے جس نے اپنے بندہ محمد ﷺ کو مع جسم کے بہت ہی قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی تاکہ اسے اپنے عجائبات قدرت دکھائے..... الخ!

## رسول اکرم ﷺ صاحب واقعہ کی شہادت

بخاری و مسلم، ابن کثیر، ابن جریر، درمنثور، روح المعانی میں صحیح مرفوع متصل کافی تعداد میں احادیث اور اکثر صریح جسمانی ہونے کی منقول ہیں۔ چونکہ وہ مفصل اور طویل ہیں۔ لہذا حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں اور بعض اوپر بقدر کفایت گزر چکی ہے۔

## صاحب خانہ کی شہادت

”روی الطبرانی عن ام ہانی قالت بات رسول اللہ ﷺ لیلۃ اسری بہ فی بیتی ففقدته من اللیل فامتنع منی النوم مخافة ان یکون عرض له بعض قریش فقال رسول اللہ ﷺ ان جبرئیل اتانی ..... الی ان قال وانا ارید ان اخرج الی قریش فاخبرهم بما رئیتم فاخذت بثوبہ فقلتم انی اذکرک اللہ تاتی قوماً یکذبونک وینکرون مقامتک فاخاف ان یسطوبک قالت فضرب ثوبہ من یدی ثم خرج الیہم فاتاہم وهم جلوس“ (ابن کثیر ج ۶ ص ۳۹)

یعنی حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا جن کے گھر سے معراج ہوئی۔ فرماتی ہیں کہ شب معراج آنحضرت ﷺ کو میں نے بستر پر نہ دیکھا۔ سخت پریشان ہوئی اور اس ڈر سے میری نیند اڑ گئی کہ مبادا قریش کی کوئی کارستانی ضرور سانی ہو۔ حتیٰ کہ آپ تشریف لائے اور واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ میں یہ سب قریش کو کہنے جا رہا ہوں۔ میں نے دوڑ کر دامن پکڑ لیا اور خدا کی قسم دے کر عرض کی کہ ان سے نہ بیان فرمائیں۔ دشمن جھٹلائیں گے اور ناحق حملہ کریں گے۔ مگر حضور ﷺ دامن چھڑا کر باہر تشریف لے گئے اور حاضرین کو سارا واقعہ سنایا..... الخ!

اتنی زبردست شہادت کے بعد کہ جن کے گھر میں معراج ہووے تو حضور ﷺ کو بستر پر نہ پائیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف نسبت کرنا کہ میں نے بستر پر دیکھا جو اس وقت بقول ملا علی قاری پیدا نہ ہوئی تھیں یا چند ماہ کی تھیں۔ کس قدر ظلم صریح ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

## خاندانی شہادت

جب شب معراج نبی عبدالمطلب نے آپ کو بستر مبارک اور دولت کدہ پر نہ پایا تو مختلف جانب تلاش کو نکلے اور آپ کے شفیق چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو بے چینی میں وادی ذی طویٰ تک یا محمد یا محمد پکارتے پہنچے۔ آنحضرت ﷺ جب تشریف لائے تو عدم موجودگی کا سبب بیان فرمایا کہ مجھ کو معراج ہوئی اور بیت المقدس وغیرہ گیا تھا۔

(روح المعانی ج ۳ ص ۳۶۹)

شفاء قاضی عیاض میں (ص ۸۷) پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی اسی کے قریب قریب واقعہ لکھا ہے۔

## درمیانی سفر کی شہادت

قریش کو آنحضرت ﷺ نے یہ بھی بتلایا تھا کہ تمہارا فلاں قافلہ فلاں مقام پر ملا تھا۔ ان کا اس رنگ کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا۔ اس کو میں نے فلاں جھاڑی کی فلاں طرف باندھ دیا تھا، جب قافلہ آئے دریافت کرنا۔

فلاں منزل پر فلاں ابن فلاں نے ایک کوزہ پانی سرد ہونے کو رکھا تھا، اسے پی کر میں نے الٹ کر رکھ دیا، تصدیق کرنا۔ پھر بیت المقدس وغیرہ کے نشانات بتائے اور قافلہ کی آمد کا وقت سب حرف بحرف صحیح اترا۔

(روح المعانی درمنثور، ابن جریر وغیرہ)

## پہلی منزل کی آخری شہادت

بیت المقدس کے چابی بردار اور اوسفیان کا واقعہ اوپر نقل کر چکا ہوں جو ہر قل شاہ روم کے دربار میں پیش آیا تھا۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

## دوسری منزل کا ثبوت

چونکہ اس کا تعلق ملا علی سے تھا۔ اس لئے ستارہ کی قسم کھا کر و انجم میں بیان فرمایا: ”استویٰ وهو بالافق الاعلیٰ یا عند سدرة المنتهیٰ عندها جنة الماویٰ۔ اذ یغشی السدرة ما یغشی (النجم: ۶۶ تا ۶۷)“

ان حضار سے آنحضرت ﷺ ہی مراد ہیں نہ کہ جبرئیل علیہ السلام۔ جیسا کہ بعض کا قول ہے۔ صرف ایک حوالہ پیش ہے۔  
 ”اخرج ابن مردويه عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ لما انتهى الى سدره المنتهى راى فراش من ذهب يلو ذبها“ (درمنثور ج ۴ ص ۱۰۴) اسی طرح ج ۱ ص ۳۶ پر بہت صریح حوالہ موجود ہے۔  
 (ترجمہ) پھر آپ مسجد اقصیٰ سے شب معراج اور پراقتن اعلیٰ تک پہنچے..... اور پھر سدرۃ المنتہیٰ تک۔

## تیسری منزل

”قم دنا فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى. فاوحى الى عبده ما ووحى ما كذب الفؤاد ما راى افتمارونه  
 على ما يرى (النجم: ۱۲ تا ۱۳)“  
 (ترجمہ) کسی مترجم قرآن سے دیکھ لیا جائے۔  
 اس امر کے واسطے کہ اس سے مراد جبرئیل نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ روایات خصوصاً ابن عباس کی (ابن جریر ج ۶، ۶، شفاء  
 ص ۲۸، روح المعانی ج ۸ ص ۶۵۵) وغیرہ سے ملاحظہ ہوں۔

## خلاصہ

الحمد للہ! دلائل وبراہین کی روشنی میں عقلی و نقلی قطعی دلائل سے واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کو یہ معراج جس میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ جسم اطہر کے ساتھ بیداری میں ہوئی ہے۔ یہی مذہب تمام صحابہ کرام، ائمہ و تابعین اور خلف و سلف صالحین کا ہے جس کے منکر کا ایمان قابل اعتبار نہیں۔ نیز خصائص کبریٰ سیوطی و مواہب وغیرہ سے گزر چکا کہ یہ خصوصیات محمدیہ ﷺ سے ہے۔ اس کو کسی کے واسطے ایسا ماننے والا مشرک فی الرسالۃ ہے اور کسی طرح اس کا ایمان کلمہ کی جزو ثانی محمد رسول اللہ صریح معنی میں نہیں ہو سکتا۔ فالحمد لله اولاً و آخراً  
 وصلی اللہ علی حبیبہ دائماً متوالیا!

## معجزہ شق القمر

قول مختار مدعا علیہ:

”مختار مدعیہ نے مسیح موعود کے کلمہ کے جزو ثانی کے قائل نہ ہونے کے ثبوت میں آپ کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے:

لہ خسف القمر وان لی  
 غسقا القمر ان المشرق ان اتنکر  
 (اعجاز احمدی ص ۷۱، جزائن ج ۱ ص ۱۸۳)

کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے لئے شق القمر کا معجزہ اقویٰ طور پر ثابت کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے کمزور کر کے دکھایا ہے اور اس لئے آنحضرت ﷺ کی توہین لازم آتی ہے۔ لہذا مرزا صاحب کافر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج ہوئے اور یہاں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ چاند گہن مراد ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا ہی نہیں۔“  
 الجواب: مختار مدعا علیہ اپنی عادت سے مجبور ہے کہ میرے اعتراض اور میری مراد کو اپنے لفظوں میں ڈھال کر کچھ نہ کچھ جواب دے اور یہی ایک قسم کا اقرار اور جوابی ہے۔ ورنہ وہ اس طور پر توڑ موڑ کر میرے مدعا کو ضبط نہ کرتا۔

جس طرح مسئلہ معراج جسمانی کو بلا وجہ طول دینے کے واسطے داخل کیا گیا۔ حالانکہ اعتراض صرف تقابلی پر تھا کہ اصل مسئلہ اس وقت زیر نزاع نہیں جو بھی ہو یہاں صرف اس قدر بحث ہے کہ جو چیز سید الاولین والآخرین ﷺ کے واسطے ایک مرتبہ بدقت اقرار ہے۔ وہ

اپنے واسطے کم از کم دو چند اور اس سے زائد زور دار ثابت کرنا مرزا صاحب کی ایک خاص عادت ہے۔

مسئلہ معراج جسمانی میں وہ پوائنٹ بجا کر جسمانی اور روحانی کی بحث چھیڑ دی اور یہاں بھی وہ پوائنٹ لا جواب سمجھ کر بدل دیا۔ اصل اعتراض صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حضور ﷺ کے معجزہ شق القمر کو خسوف قمر بتایا جو اس کی ناقص اور گھٹیا تعبیر ہے اور پھر اسے آپ ﷺ کا نشان ثابت کر کے اپنے واسطے اس جیسے آسمانی دو نشان یعنی خسوف قمر اور کسوف شمس، چاند اور سورج دونوں کا گہن لگنا قرار دیا۔ اس مقابلہ میں سخت ترین توہین حضور سرور دو عالم ﷺ کی اور وہ معجزہ شق القمر جو قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس کا استخفاف کیا اور ایسے اہم معجزہ کو نہایت معمولی اور اپنے نشان کو کم کر دکھایا۔

اس کے ثبوت میں مختار مدعیہ نے کوئی بحث ہی نہیں کی۔ بلکہ مرزا صاحب کا اصل شعر مرزا صاحب کے ترجمہ سے پیش کر دیا جس میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہیں۔ مکرر ملاحظہ ہو:

غسقا القمران المشرقان اتنکر

لہ خسف القمر المنیر وان لی

(عجاز احمدی ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

ترجمہ: اس کے لئے (یعنی آنحضرت ﷺ) خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا اب کیا تو انکار کرے گا۔

ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کے لئے نشان صرف خسوف (یعنی چاند گہن) اور اپنے لئے چاند اور سورج دونوں کے گہن کا نشان قرار دے کر کس طرح ٹھاٹھ سے اس ذات گرامی کا مقابلہ کر رہے ہیں جس کے مقابل باری تعالیٰ نے جن وانس، ملک اور کائنات عالم میں کوئی پیدا نہیں کیا اور قدرت نے نہ صرف زمانہ گزشتہ میں اس کی نظیر پیدا نہ کی بلکہ یہ امر یقین اور عقیدہ کے حد تک ثابت ہو چکا ہے کہ آئندہ تا قیامت اس کی نظیر ناممکن ہے۔ مقابلہ اس سے تو اظہر من الشمس ہے۔ ممکن ہے کہ یہ قائل ہو کہ یہاں خسوف القمر سے شاید کوئی آپ کے زمانہ میں آپ کا نشان چاند گہن ہوا ہو۔ اس کی طرف مرزا صاحب نے اشارہ کیا ہوا اور درحقیقت شق القمر کا استخفاف نہ ہو۔

تو اولاً یہ گزارش ہے کہ وہ اعتراض تو بحالہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے واسطے جس قسم کے ایک نشان کا قول ہے۔ اپنے واسطے اسی قسم کے دو چند بتائے جا رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مرزا صاحب نے یہاں خسوف قمر سے معجزہ شق القمر ہی کو مراد لیا ہے اور اسی کو استعارہ کی آڑ لے کر خسوف قمر یعنی چاند گہن سے تعبیر کر رہے ہیں۔ تاکہ اس کی اہمیت لوگوں کی نگاہ میں کم ہو جاوے اور اپنا مقابلہ اچھی طرح ہو سکے۔ اس ثبوت میں بجائے کسی دلیل کے خود مختار مدعا علیہ کے الفاظ اسی بحث سے نقل کرتا ہوں۔

”پس مرزا صاحب نے بھی خسوف کا لفظ شق القمر کے لئے بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔“

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مذکورہ بالا تقریر سے اصل مدعا اس طرح واضح ہے کہ کسی اور جواب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قابل اعتراض دو امر تھے۔

.....۱ معجزہ شق القمر اور اس کا معمولی کر دکھانا۔

.....۲ آپ کے اس آسمانی نشان جیسے اپنے واسطے دو ثابت کرنا۔

پہلے کا ثبوت اس سے ہے کہ معجزہ شق القمر کو مرزا صاحب نے خسوف قمر یعنی چاند گہن کا نام دے کر کس قدر معمولی کر دکھایا ہے اور ایسا استخفاف کیا ہے۔ جس کی نظیر کفار مکہ میں بھی نہ ملے گی۔ انہوں نے بھی اس کو دیکھ کر خسوف قمر (یعنی چاند گہن) نہ بتایا بلکہ اسے جادو قرار دیا۔ مگر مرزا صاحب نے سرے سے اس کی ماہیت ہی بدل دی اور ایسا معمولی روزمرہ کا خسوف قمر چاند گہن کے لفظ سے تعبیر کیا جس

سے کوئی استعجاب اور اعجاز شان ہی پیدا نہ ہو اور دونوں کو ایک ہی میں جمع کر دکھایا جو بہ نسبت اس کے نادر الوقوع اور شان اعجاز رکھتا ہے۔ اس سے زائد تو بین کیا ہو سکتی ہے۔ دوسرے کے متعلق صرف مرزا صاحب کا اپنا ترجمہ ملاحظہ ہو کہ: ”اس کے لئے (یعنی آنحضرت ﷺ) کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا اب کیا تو انکار کرے گا۔“

(قصیدہ اعجاز یہ ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ آنحضرت ﷺ کے واسطے صرف خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور اپنے لئے خسوف قمر اور شمس چاند سورج دونوں کا فرما رہے ہیں۔ یہ کھلی ہوئی توہین سرکارِ دو عالم، محبوب رب العالمین ﷺ کی ہے اور ایسی کہ جس کی کوئی اور مخالفت نہ کر سکا۔ جادو تو انہوں نے کہہ دیا۔ مگر کسی اور میں اس جیسا جادو ثابت کرے، اس کا استخفاف و استہزاء نہ کر سکے۔

میری مذکورہ بالا تقریر سے عدالت پر واضح ہو گیا ہوگا۔ میرا یہ اعتراض بھی بالکل ہی لا جواب ہے اور مختار مدعا علیہ کا ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں لانا اور اس مخصوص پوائنٹ کو دیدہ و دانستہ ترک کر دینا۔ دوسرے لفظوں میں اپنے عجز اور اس کے لا جواب ہونے کا کھلا ہوا اقرار ہے۔

### مختار مدعا علیہ کی غیر متعلق باتوں کا جواب

”آخری حصہ کا جواب میں تو صرف اس..... آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا نہیں۔ اس کو سمجھنا عقل مندوں کی قدرت سے باہر ہے۔“ اس میں صرف اپنے غصہ اور ناراضگی کا ثبوت پیش کیا ہے جس کا جواب سوائے دعا کے میری طرف سے کیا ہو سکتا ہے۔ باقی میرا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کوئی نشان چاند گہن کا ظاہر نہیں ہوا۔ اس میں بھی معمولی تفسیر کر کے مطلب کو بگاڑا ہے۔ اصل الفاظ یہ تھے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کوئی نشان خسوف قمر (چاند گہن) کا محدثین کے نزدیک ثابت نہیں کہ نہ کسی حدیث کی کتاب میں مذکور ہے۔ بخلاف اس کے سورج گہن کا واقعہ تمام کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ میرا وہ دعویٰ اب بھی بھرا اللہ! بدستور لا جواب ہے، جواب جب ہوتا کہ کسی ایک حدیث یا کسی مسلم محدث کا قول پیش کر دیتے۔ مگر یہ تا قیامت ناممکن ہے۔

کسی ایک محدث نے بھی خسوف قمر کو زمانہ بعثت آنحضرت ﷺ میں ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ خسوف قمر آپ کی بعثت کا کوئی نشان ہوتا۔ جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔“ تو کسی ضعیف سے ضعیف حدیث یا کسی محدث کے قول میں تو ہوتا۔ مختار مدعا علیہ کی احادیث نبویہ یا سیرا اسلامی پر اتنی نظر کب تھی کہ انہیں کوئی ایک حوالہ مل جاتا۔ میں حوالہ پیش کرتا ہوں: ”و لسم

یذکر احدا من المحدثین خسوف القمر فی عہدہ..... الخ!“

کسی ایک محدث نے بھی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چاند گہن کا تذکرہ نہ کیا۔ (العرف العذی علی الجامع الترمذی ص ۲۵۶)

دعویٰ تو یہ تھا کہ اس کا نشان میں جیسا کہ مرزا صاحب بتا رہے ہیں، ثابت نہیں۔ کیونکہ اتنا بڑا نشان ہو اور محدثین جنہوں نے استعجاب تک کے حالات جمع فرمائے ہیں۔ اس کو نظر انداز فرما جائیں۔ تو بھرا اللہ یہ تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

مزید فائدہ کے طور پر یہ بھی ذکر کر دوں کہ حدیث کی کتابیں تو اس تذکرہ سے خالی ہیں۔ علاوہ بریں کتب سیر میں بھی اس کا تذکرہ عام طور پر نہیں۔ باوجودیکہ وہ احادیث کی طرح قابل استناد نہیں ہوتیں۔ صرف سیرت ابن حبان میں ایک قول اس کا موجود ہے جس کو محدثین نے ناقابل اعتناء قرار دے کر قبول تو کجا تذکرہ تک بھی نہ کیا۔

ماہر فن ریاضی محمود شاہ فرنسادی نے مستقل اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں کسوف شمس کا ایک مرتبہ زمانہ نبوی ﷺ میں ہونا ضرور مذکور ہے مگر خسوف قمر کا اس میں بھی تذکرہ نہیں۔

(العرف العذی ص ۲۵۲)



بہر حال میرا یہ دعویٰ کہ چاند کے گہن کا نشان ظاہر ہوا بالکل لا جواب رہا۔ کیونکہ اگر نشان ہوتا تو محدثین عظام کیوں ذکر نہ کرتے۔ نشان تو خدا کی طرف سے اظہار ہی کے واسطے ہوتا ہے۔ اس کا پوشیدہ رہنا باری تعالیٰ کے منشاء اور غرض اظہار نشان کے سراسر خلاف ہے۔ لہذا نشان ہونا تو کسی طرح ثابت نہ ہو سکا اور نشانوں سے ناواقفی نہ صرف مختار مد عالیہ کی ثابت ہوئی۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب بھی اس سے یکسر ناواقف ہیں۔

## اصول ریاضی کی آڑ اس کا جواب

میرے مطالبہ کے مطابق مختار مد عالیہ جب کوئی ثبوت نہ لاسکا کسی حدیث کی مستند کتاب کا حوالہ نہ لاسکا تو یہ کہہ کر مسئلہ کو رانا چاہا کہ علم ہیئت دورہ ارضی کے قانون اور طبیعیات کے خلاف ہے کہ آپ کے زمانہ میں خسوف قمر نہ ہو اور پھر اس کے ساتھ مختار مد عالیہ کے حق میں گواہ افشانی فرمائی ہے۔

میں اس کا جواب اپنے لفظوں میں نہیں۔ بلکہ مرزا صاحب کے لفظوں میں پیش کر کے یہ عرض کروں گا کہ یہ تمام الفاظ مرزا صاحب کے واسطے پھر مکرر پڑھے جائیں۔

## علم ہیئت و ریاضی کے اصول کے متعلق مرزا صاحب کا نظریہ

”اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے۔ یہ سراسر فضول باتیں ہیں۔“

(ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۴۱، خزائن ج ۲۳ ص ۴۱۱)

”پس یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا ہے اور اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ یہ قواعد ہیئت کے مطابق نہیں۔ یہ

عذارت بالکل فضول ہیں۔“

(ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۴۲، خزائن ج ۲۳ ص ۴۱۱)

”علاوہ اس کے علم ہیئت کی کس نے حد بست کر لی ہے۔ ہمیشہ نئے نئے عجائبات آسمانی ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے بھید کچھ بھی سمجھ

(ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۴۲، خزائن ج ۲۳ ص ۴۱۲)

نہیں آتے۔“

پھر اس کے بعد دم دار ستارہ کے نشان کا تذکرہ لکھ کر فرماتے ہیں: ”اب کوئی ہیئت دان بتلا دے کہ یہ کیا ماجرا تھا۔“

(ص ۴۳، خزائن ج ۲۳ ص ۴۱۲)

اب کیا مختار مد عالیہ یہ جرات کرے گا کہ مرزا صاحب کو علم ہیئت اور طبیعیات اور دورہ ارضیہ کے قانون سے حد درجہ ناواقف اور

غافل وغیرہ القاب دے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ قواعد واقعات کے تابع ہوتے ہیں۔ واقعات اور مشاہدات کے بعد قانون رد ہو جایا کرتے ہیں۔ خواہ وہ

قواعد طبیعیات کے ہوں یا فلکیات کے، بلکہ فلسفہ الہیات کے اکثر قواعد کلیہ جو خلاف شرع ہیں۔ ایک تخمینہ اور انکل سے زائد حیثیت نہیں

رکھتے۔ اس کے بعد مختار مد عالیہ نے اپنی قابلیت کے اظہار کرنے اور مختار مد عالیہ پر بدزبانی کرتے ہوئے ایک حوالہ روح المعانی کا پیش

کیا ہے۔ اس حوالہ میں اسی معجزہ شق القمر اور آیت: ”اقتربت الساعة وانشق القمر“ کے نزول کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ

آپ کے زمانہ میں علاوہ اس معجزہ شق القمر کے کوئی اور نشان خسوف قمر چاند گہن کا ظاہر ہوا۔ اسی معجزہ شق القمر کو ایک راوی حنف القمر سے تعبیر

کر رہا ہے جس کے متعلق وہ مفسر صاحب روح المعانی خود لکھ رہے ہیں کہ: ”سیاق الخبر غریب“ کہ اس حدیث کا سیاق غریب نا قابل

قبول ہے۔ یعنی اذلا یہ روایت ہی درست نہیں اور اگر کسی حد تک مان لی جائے تو اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہوگا کہ معجزہ شق القمر

چودھویں شب کا ظہور میں آیا۔ کیونکہ اکثر چاند گہن چودھویں کی شب کو ہوتا رہتا ہے۔

اس میں کسی جگہ بھی مختار مدعا علیہ کا مدعا یا مرزا غلام احمد صاحب کی تائید نہیں۔ محض مغالطہ ہے۔ اس سے غرض صرف اس قدر ہے کہ معجزہ شق القمر جو دعویٰ شب کو واقع ہوا اور اس امر کی نہ یہاں کوئی بحث ہے نہ یہ ماہہ النزاع ہے۔

## بہتان عظیم

صاحب روح المعانی پر کس قدر عظیم الشان بہتان ہے کہ وہ مرزا صاحب کسی طرح معجزہ شق القمر کو خسوف قمر بتا رہے ہیں۔ حالانکہ اس روایت کا سقم ثابت کرنے اور اس کی تاویل حسن پیش کرنے کے واسطے انہوں نے نقل کیا ہے۔ ان کا اصل مذہب مختار مدعا علیہ نے دیدہ و دانستہ پیش نہ کیا اور عبارت قطع و برید کر کے پیش کر دی اصل عبارت صاحب روح المعانی ملاحظہ ہو۔

..... ”انفصل بعضہ عن بعض فصار فرقتین وذلك على عهد رسول الله قبل الهجرة بنحو خمس سنين فقد صح من رواية الشيخين وابن جرير عن انس ان اهل مكة سالوه عليه ان يريهم اية فارادهم القمر شقتين حتى رأوا حراء بينهما واخبر ابو نعيم من طريق الضحاك عن ابن عباس ان اخبار اليهود وسالوا ابنته فارادهم الله تعالى القمر قد انشق لا يعول عليه. وفي الصحيحين وغيرهما من حديث ابن مسعود انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ فقالت قريش هذا سحر ابن ابى كبشة فقال رجل انتظروا ماياتيكم به السفار فان محمدا لا يستطيع ان يسحر الناس كلهم فجاء السفار فاخبروهم بذلك. رواه ابو داؤد والطيالسي وفي رواية البيهقي فسألوا السفار وقد قدموا من كل وجه فقالوا رأيناها فانزل الله تعالى اقتربت الساعة وانشق القمر (القمر: ۱)“

یعنی اس چاند کا بعض حصہ بعض سے بالکل جدا ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا اور یہ واقعہ (شق القمر) حضرت رسول کریم ﷺ کی ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل کا ہے۔ شیخین اور ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ روایت بیان کی ہے کہ اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے ایک معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا، تو حضرت نے ان کو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے غار حراء کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور جو ابی نعیم نے ضحاک کی سند سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ علماء یہود نے آنحضرت ﷺ سے معجزہ مانگا یہ یہود کا سوال اور اس پر دکھانا معتبر نہیں اور صحیحین (بخاری و مسلم) وغیرہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ پر تھا اور دوسرا اس کے درے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو تم گواہ رہو اور ان کی حدیث سے یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جب چاند دو ٹکڑے ہوا تو قریش نے اس پر یہ کہا کہ یہ تو ابن ابی کبشہ (آنحضرت ﷺ) کا سحر اور جادو ہے۔ ان میں سے ایک شخص گویا ہوا کہ ٹھہر جاؤ اور باہر والے قافلوں کا انتظار کرو۔ وہ اس کے متعلق کیا خبر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ محمد ﷺ تمام دنیا کے لوگوں پر جادو کی استطاعت نہیں رکھتے۔ جب باہر سے قافلے آئے تو انہوں نے اس کے متعلق نہیں خبر دی اور تصدیق کی۔ اس حدیث کے راوی ابوداؤد طیالسی ہیں اور تہمتی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ قریش نے باہر کے تمام اطراف و جوانب سے آنے والے قافلوں سے اس امر کے متعلق دریافت کیا اور ان تمام نے بھی جواب دیا کہ ہاں! ہم نے ایسا دیکھا ہے تو اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ ”اقتربت الساعة“

”والاحادیث الصحیحة فی الانشقاق کثیرة و اختلف فی تواتره فقیل هو غیر متواتر فی شرح المواقف الشریفی انه متواتر وهو الذی اختاره العلامة السبکی قال فی شرحه لمختصر ابن الحاجب الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیہ فی القرآن روى فی الصحیحین وغیرهما من طرق شتی بحیث

لا یمتری فی تو اترہ انتھی باختصار“

”وقد جاءت احاديثه في روايات صحيحة عن جماعة من الصحابة منهم علي بن ابي طالب و انس بن مالك و ابن مسعود و ابن عباس و غيرهم“

(روح المعاني ج ۹ پ ۲۷ ص ۶۲)

یعنی انشقاقِ قمر کے متعلق بکثرت احادیث صحیحہ موجود ہیں، لیکن ان کے تو اتر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ احادیث صحیحہ غیر متواتر ہیں اور شرح مواقف شریفی میں ہے کہ وہ سب متواتر ہیں اور علامہ سبکی نے اس کو پسند کیا ہے اور شرح مختصر ابن حاجر میں کہا ہے کہ میرے نزدیک صحیح اور مختار یہی ہے کہ معجزہ شق القمر متواتر احادیث سے ثابت ہے اور قرآن میں اس کی نص موجود ہے اور صحیحین وغیرہ میں مختلف طرق سے اس کی روایات موجود ہیں اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کے تو اتر میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اور احادیث صحیحہ میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے روایات صحیحہ موجود ہیں جن میں سے حضرت علی اور انس اور ابن مسعود اور ابن عباس (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بھی ہیں۔

پس مذکورہ بالا روایات نے نہ صرف معجزہ شق القمر کی حقیقت واضح کی بلکہ ثابت ہو گیا کہ یہ اسی طرح نص قرآنی اور متواتر احادیث میں بھی موجود ہے جس کے بعد شک کی گنجائش نہیں ورنہ ایمان بھی خطرہ میں ہو جائے گا۔

ایسی عظیم الشان شہادت کو مختار مدعا علیہ نے خیانتہ نقل نہ کیا اور صاحب روح المعانی نے جس قول کو رد کرنے کے لئے نقل کیا تھا۔ اسے ان کا اصلی مذہب بتا کے ان پر بہتان عظیم باندھا اور اس میں ہی کتنے مغالطہ دیئے جس سے اس کی نقل مذاہب کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ بلاوجہ بزرگوں کی طرف خلاف واقعہ امور افتراء منسوب کر دیتا ہے۔ جیسا کہ یہ خیانتیں متعدد مرتبہ عدالت کے رو بر آ چکیں۔

اس سے یہ امر بوضاحت ثابت ہو گیا کہ معجزہ شق القمر کوئی استعارہ یا نظر بندی و کرشمہ نہ تھا۔ بلکہ دراصل یہ ایک عظیم الشان کھلا ہوا معجزہ تھا کہ آپ نے درحقیقت چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس طور پر ممتاز کہ وہ ”حراء“ بھی اس کے درمیان میں آ گیا۔ البتہ یہ ضرور علماء میں بحث جاری رہی ہے کہ آیا یہ معجزہ صرف آپ کی صداقت کا نشان ہے یا اس چاند کے پھٹنے اور جڑنے میں قرب قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کے الفاظ: ”اقتربت الساعة وانشق القمر (القمر)“ بتلا رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے فلسفہ اور ہر دو حصہ آیت کریمہ کے ربط پر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اور امام غزالی نے تقریریں کی ہیں جس سے مختار مدعا علیہ اور بعض دیگر مصنفین اس مغالطہ کی سعی میں ہیں کہ دراصل معجزہ ہوا ہی نہیں۔ صرف نظر بندی تھی یا ان اکابرین کلام سے مناسبت نہیں اور غلط نہیں ہو گئی۔

شاہ ولی اللہ صاحب اور امام غزالی کے کلام کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ دنیا میں جب کوئی اجلاس قائم کیا جاتا ہے اور اس کے تمام مراحل اختتام پذیر ہو جاتے ہیں جس ذات گرامی کے واسطے وہ محفل منعقد کی جاتی ہے۔ جب تشریف لے آئیں اور خطبہ صدارت بھی ہو جائے تو پھر گیس یا شمع کی لائٹ کم یا شق کر دیتے ہیں تاکہ حاضرین کو اختتام جلسہ کا پتہ چل جائے اور معلوم ہو جائے کہ اب کوئی اور مقصد اور حالت منتظرہ نہیں سوائے اس کے یہ منتشرہ سامان مجتمع کر لیا جائے ورنہ اصل جلسہ ختم ہو چکا۔

باری تعالیٰ نے دنیا کے عظیم الشان اجلاس کو سباز زمین کا فرش بچھایا، آسمان کا نیلگوں شامیانہ اس پر تانا، اسے مختلف رنگ کے چھوٹے بڑے قمتوں سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ اس میں روشنی کے دو ہنڈے چاند و سورج روشن کئے۔ نیز تمام انتظامات کی تکمیل فرمائی۔ آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام اس کے اعلان کے لئے بھیجے۔ انبیاء علیہم السلام کے ہمراہ دعوتی خطوط آسمانی صحائف کی شکل میں روانہ فرمائے، آخر میں وہ صدر الانبیاء اور بدر المرسلین ﷺ رونق افروز جلسہ ہوئے اور پیغام الہی اور خطبہ صدارت توحید و رسالت سب تک

پہنچا دیا اور جلسہ کی غرض و عنایت اور تخلیق کائنات کی مصلحت پوری ہو چکی تو صدر کے ہاتھوں چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اصل جلسہ ختم ہو چکا۔ اب صرف سامان منتشرہ کے مجتمع کرنے کا وقت ہے۔ اسی سے آنحضرت ﷺ نے اپنی بعثت بھی قیامت کا پیش خیمہ قرار دیا ہے کہ: ”انما بعثت انا والساعة کھاتین“ یعنی میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہیں۔ اس لئے باری تعالیٰ نے انشفاق قمر کے ساتھ اقربت الساعۃ لگایا کہ قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس فلسفہ اور حکمت بیان کرنے سے ان بزرگوں کی غرض معجزہ شق القمر کی اور تائید مزید ہے نہ کہ انکار۔ یہ محض مختار مدعا علیہ کی خوش فہمی ہے۔

## آراہم القمر فرقتین کا غلط مفہوم

اس حدیث کا یہ غلط مفہوم تھا کہ واقع میں دو ٹکڑے نہ ہوئے تھے بلکہ انہیں نظر آئے تھے۔ یعنی ایک قسم کی نظر بندی تھی۔ محض بے دینی اور معجزات کے انکار کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ اس کے یہ معنی اور مفہوم ہرگز نہیں صاف اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اہل مکہ کو چاند دو ٹکڑے کر دکھایا۔ یعنی آپ کے اعجاز سے دو ٹکڑے ہو گئے اور انہوں نے دو ٹکڑے دیکھے۔ یہ ہرگز مراد نہیں کہ چاند سالم رہا اور نظر بندی کے طور پر صرف انہیں دو ٹکڑے نظر پڑے۔

کیونکہ انشفاق قمر کا مشاہدہ علاوہ عرب کے اطراف کے دور دراز ملکوں حتیٰ کہ ہندوستان کے ایک بڑے راجہ نے بھی کیا۔ واقعات کتب تواریخ میں موجود ہیں۔

## مرزا صاحب اور معجزہ شق القمر

مرزا صاحب نے اس مسئلہ معجزہ شق القمر میں بھی حسب عادت اقرار و انکار کے دونوں مسلک اختیار کئے ہیں اور درجہ کے معنی ہی یہی ہوتے ہیں کہ ذومعنی مشتبه الفاظ بولے جائیں تاکہ دنیا گمراہ ہو:

خدا بھی خوش رہے اور بت بھی راضی کوئی ایسا قرینہ چاہتا ہوں کہ مصداق ہو مختار مدعا علیہ نے تین حوالے پیش کئے ہیں۔

۱..... سرمہ چشم آریہ۔ ۲..... آئینہ کمالات اسلام۔ ۳..... چشمہ معرفت۔

مگر غائر نظر سے معلوم ہوگا کہ ۱۹۰۱ء سے قبل جب تک کھلا ہوا، دعویٰ نبوت نہ تھا یا بقول مرزا محمود صاحب نبوت سے پردہ نہیں اٹھایا تھا۔ معجزہ شق القمر کا اقرار و اثبات بڑے شد و مد سے اسلامی پیرایا میں ہے۔ مگر ۱۹۰۱ء کے بعد وہ بلند آہنگی کچھ پھینکی ہے اور اس میں انکار کی جھلک بھی موجود ہے۔ چنانچہ سرمہ چشم آریہ مرزا صاحب کہ بہت پہلی کتاب ہے جس کا سنہ تالیف ستمبر ۱۸۸۶ء ہے اس وقت تو مرزا صاحب حیاة عیسیٰ علیہ السلام کے قائل تھے اور صرف آریہ وغیرہ کے مقابل مناظر اسلام کی حیثیت رکھتے تھے اور آئینہ کمالات اسلام فروری ۱۸۹۳ء کی کتاب ہے۔ اس میں معجزہ شق القمر بلا کسی دسیسہ کاری کے اسلامی رنگ میں بیان کر رہے ہیں اور کفر کی بنیادیں بجا رہے ہیں۔ مگر بہت ہی پوشیدہ۔ لیکن چشمہ معرفت جو بہت آخری کتاب ۱۹۰۸ء کی ہے۔ اس میں الفاظ تو اقرار ہی بظاہر ہیں۔ لیکن تاویل کر کے اس سے گویا انکار ہی کر دیا ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں: ”اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شق القمر رکھا گیا۔“ (چشمہ معرفت ص ۲۲۳، خزائن ج ۲۳ ص ۲۳۲)

تمام تقریر کے بعد اس حقیقت پر پردہ ڈال دیا کہ کوئی امر تھا، اس کا نام شق القمر رکھا گیا۔ دراصل چاند دو ٹکڑے نہیں ہوا۔ آگے بات صاف کر دی ہے کہ: ”بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف (چاند گہن) تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی۔“ (چشمہ معرفت ص ۲۲۳، خزائن ج ۲۳ ص ۲۳۲)

یہاں ایک قسم کا چاند گہن قرار دیا۔ گو بعض کی آڑی۔ پھر تاویل کا راستہ یوں نکالا کہ قرآنی آیات جو اس کے متعلق ہیں۔ ان میں پیش گوئی بتایا تاکہ بزعم خود انہیں استعارہ قرار دے کر تاویل کر سکیں اور دنیا کی آنکھوں میں اس طور پر دھول ڈالی جاسکے۔ چنانچہ اسی کے بعد آخری اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کر دیا: ”اور یہ آیتیں بطور پیش گوئیوں کے ہیں۔ اس صورت میں شق کا لفظ محض استعارہ کے رنگ میں ہوگا۔ کیونکہ خسوف و کسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے ایک استعارہ ہے۔“

(چشمہ معرفت ص ۲۲۳، خزائن ج ۲۳ ص ۲۳۲)

عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ کس قدر صفائی سے معجزہ شق القمر کا آخر میں انکار کر دیا کہ دراصل چاند گہن خسوف تھا اور خسوف میں گویا پوشیدہ حصہ پھٹ جاتا ہے۔ اس لئے استعارہ کے طور پر لفظ شق القمر بول دیا گیا ہے۔ ورنہ دراصل چاند دو ٹکڑے نہیں ہوا تھا۔  
بھرا اللہ! اس سے مرزا صاحب کا شق القمر کے معجزہ کا انکار صاف ہویدا ہو گیا۔ گو لفظ شق القمر بولتے ہیں۔ اسی معنی میں خسوف کا لفظ استعارہ اپنے شعر میں آنحضرت ﷺ کے حق میں معجزہ شق القمر کی اصلی کیفیت پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس کا اعتراف مختار مدعا علیہ کو بھی ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں: ”پس مرزا صاحب نے بھی خسوف کا لفظ شق القمر کے لئے بطور استعارہ استعمال کیا ہے..... اے!“  
اب اس تقریر کے بعد میرا اعتراض بھی بالکل لا جواب رہا۔ کیونکہ مرزا صاحب نے اولاً اسلامی معجزہ شق القمر کو استعارہ قرار دے کر ایک قسم کا چاند گہن خسوف قرار دیا۔ پھر اپنے واسطے مد مقابل چاند اور سورج دونوں کا خسوف و کسوف نشان بتایا۔ پس ایک طرف تو معجزہ شق القمر کا استخفاف اور انکار ہے اور دوسری طرف مقابلہ کر کے آنحضرت ﷺ کی توہین ہے اور ایسا استخفاف اور مقابلہ تو توہین کرنے والا کبھی کلمہ کے دوسرے حصہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

## سیاق و سباق کی تاویل

محض مغالطہ کے واسطے دو چار ماسبق اشعار نقل کر دیئے۔ مگر جب عدالت غور کرے گی تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ بھی محض ایک تاویل ہے جو ناقابل قبول ہے اور دراصل اس کفریہ مضمون کی تمہید ہے۔ کیونکہ اس میں اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی برگزیدہ آل قرار دیا ہے جو سراہل بیت رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے۔

”اور میں محمد ﷺ کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں۔ پس اس کی آپ برگزیدہ ہوں جس کو ورثہ پہنچے گا۔“

(اعجاز احمدی ص ۷۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۲)

آخر میں لکھتے ہیں: ”پس وہ روشنی جو اس میں ہے مجھ میں چمک رہی ہے۔“  
ماشاء اللہ ماشاء اللہ ہرگز اللہ کے محبوب کی روشنی کبھی اس قسم کے شخص میں نہیں چمک سکتی۔ اس تنازعہ شعر کے بعد پھر قرآن پاک کی عظمت و جلال پر ہاتھ ڈالا ہے۔ کیونکہ کسی نبی پر آیا ہوا کلام اعجاز قرار نہیں دیا گیا ہے۔ سوائے اس کلام ربانی کے جو اللہ کے آخری نبی سید المرسلین ﷺ پر اترا۔ مگر مرزا صاحب بڑے فخر سے اسی شعر کے متصل لکھتے ہیں:

وکان کلام معجزاً ایۃ لہ  
کذالک لی قول علی کل بیہر  
خود ہی ترجمہ کرتے ہیں کہ اس کے معجزات میں سے معجزانہ کلام بھی تھا۔ اسی طرح مجھے وہ کلام دیا گیا ہے جو سب پر غالب ہے۔

(تصیدہ اعجاز احمدی ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ آنحضرت ﷺ کی ہر صفت میں مشارکت اور مقابلہ کا جذبہ مدعی نبوت میں کس قدر موجود ہے اور کوئی بھی صفت نہیں جس میں اپنے آپ کو اللہ کے حبیب پاک ﷺ کا شریک اور سہم قرار نہ دیں۔

مختار مدعا علیہ کی سیاق و سباق سے تاویل عذر گناہ بدتر از گناہ سے زائد نہیں۔ بلکہ سیاق و سباق سے اور اس سے بڑھ کر تو بیّن ثابت ہوتی ہے جس کا نمونہ ابھی اوپر عرض کر چکا۔  
قول مختار مدعا علیہ:

۱..... اگر روایتوں میں یہ خبر نہ ہوتی کہ چاند اور سورج کا گہن مہدی موعود کی صداقت کی دلیل ہوگی تو وہ نشان کیونکر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اپنی متعدد کتب میں اس پیش گوئی کا ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کی مدح و ثنا کی ہے اور درود بھیجا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب نور الحق حصہ دوم میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ از اشعار عربی۔ تیرے پر جان قربان ہو، اے بہتر مخلوقات ہم نے تیری خبر کا نور اندھیرے میں دیکھا لیا۔ ہم نے سورج اور چاند کو دیکھ لیا۔ جیسا کہ تو نے اشارہ کیا تھا۔“  
۲..... ”اور یہ بھی واقع ہے کہ روایت میں مہدی موعود کی صداقت کا ایک نشان ماہ رمضان میں سورج چاند گہن قرار دیا گیا اور وہ گہن تیرہ سو گیارہ میں وقوع پذیر ہوا۔“

مختار مدعا علیہ نے باوجود عدالت کے بار بار روکنے کے مرزا صاحب کی صداقت کا نیا مسئلہ یہاں چسپاں کر دیا۔ اس میں قابل غور دو امور ہیں۔

- ۱..... کیا کسی صحیح حدیث میں مہدی کی یہ شناخت قرار دی گئی ہے۔
- ۲..... کیا صرف مرزا صاحب کے زمانہ میں یہ ہوا، کہیں اور نہیں ہوا۔

الجواب:

۱..... ان نشان کے ثبوت میں مرزا صاحب اور مرزائی صاحبان حدیث کا نام لے کر یہ کلڑا پیش کیا کرتے ہیں کہ حدیث دارقطنی جس کا ذکر کسوف خسوف ماہ رمضان کے بارہ میں آیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: ”ان لمہدینا آیتین لم تکنونا منذ خلق السموات والارض وینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنخسف الشمس فی النصف منہ“  
(ترجمہ) ہمارے مہدی کے دو نشان ہیں جو ابتداءً پیدائش زمین و آسمان سے آج تک نہیں ہوئے۔ یعنی چاند گہن رمضان کی پہلی شب میں ہوگا اور سورج گہن اس کے نصف میں۔

الجواب:

۱..... امام محمد باقر کا قول ہے اور وہ بھی ضعیف کہ اس کے دور اویوں عمر اور جاہر جھٹی کو اسمائے رجال میں کذاب اور واضح احادیث بیان کیا ہے۔ اس کو حدیث قرار دینا درست نہیں۔ ورنہ رسول کریم ﷺ پر بہتان ہوگا۔  
۲..... الفاظ کے لحاظ سے بھی یہ قول درست نہیں، کیونکہ چاند گہن پہلی رات کو نہیں ہوتا اور سورج گہن نصف مہینہ میں۔ علاوہ اس کے ماہ رمضان کی ان تاریخوں میں باب اور بہاء اللہ کے زمانہ میں بھی رمضان میں کسوف و خسوف ہوا۔ جو ۱۲۶۷ھ میں دکھایا۔ (ملاحظہ ہو کتاب یوز آف دی گلوبس و کتاب کا نادجال مصنفہ مولوی عبدالحکیم ایم۔ بی منقول از عمدۃ التقی حصہ دوم برہان ص ۶۲)  
پس معلوم ہوا کہ یہ نشان حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنا آنحضرت ﷺ پر بہتان باندھنا ہے اور اس سے مرزا صاحب کی تصدیق کا کاذب ہونا لازم آتا ہے۔

(عنوان نمبر ۵)

یہ نمبر (۵) انسرک اللہ علی کل شیء اور نمبر (۶) آسمان سے کئی تخت اترنے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا اور نمبر

(۷) اتانی لم یؤت احد من العالمین۔

یہ تینوں الہام مختار مدعیہ کے بحث میں ایک ہی عنوان اور ایک ہی ہیڈنگ کے تحت درج ہیں اور دراصل ان پر کوئی مستقل حکم نہیں، بلکہ مرزا صاحب کی تدریجی ترقی دکھانا منظور ہے۔

کہ شروع میں اپنے کو اولیاء اللہ اور صلحاء امت و انبیائے اولعزم پر ترجیح دی اور پھر سید المرسلین ﷺ کے ہم پلہ اور ان کے خصوصیات میں شریک و سہیم بن بیٹھے اور تمام ان امتیازی خصوصیات میں اپنے کو شامل کر لیا جن میں نہ آدم کو شرکت کا فخر نصیب ہوا، نہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو مختار مدعا علیہ نے تینوں کو علیحدہ علیحدہ مستقل طور سے پیش کر کے اصل استدلال پوائنٹ سے پہلو تہی کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں ایک استدلال قائم کر کے ایک طول لا طائل غیر متعلق جواب دے ڈالا۔

اتنا تو مختار مدعا علیہ کو بھی تسلیم ہے کہ ان الہامات میں مرزا صاحب اپنے آپ کو امت محمدیہ ﷺ کے تمام اولیاء اللہ، اقطاب، غوث و ابدال پر فضیلت دیتے ہیں اور اپنی کتاب (حقیقت الوحی ص ۳۹۱، خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۷) پر مرزا صاحب بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں ظاہر فرما رہے ہیں۔ ”غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اللہ اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں، ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔“

اولیاء اللہ اور اقطاب و ابدال پر فضیلت اس میں مسلم ہے۔ انبیاء ماسبق پر فضیلت کا بار بار اعلان ہے:

انبیاء	گرچہ	بودہ	اند	بے	من	بجر فان	نہ	کترم	ز	کے
آنچه	داد	است	هر	نبی	رام	جام	را	مرا	بتام	تمام
کم	نیم	ز ال	ہمہ	بروئے	یقین	هر	کہ	گوید	دروغ	ہست
										و لعین

(درشین فارسی، نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

پس مذکورہ بالا الہامات ثلاثہ کو میں نے ایک تمہید اور زینہ قرار دیا ہے۔ سید المرسلین ﷺ کے صفات مخصوصہ میں شریک و سہیم بننے کا کہ اولیاء اللہ، اقطاب و ابدال پر فضیلت دی۔ پھر انبیاء سابقین پر بعد ازاں جب مریدین اور کورانہ تقلید کے مقلدین نے اسے تسلیم کر لیا تو سرور عالم ﷺ کے فضائل و کمالات تک رسائی کا دعویٰ کرنے لگے۔

(اس تدریجی ترقی کے ثبوت کے واسطے (حقیقت النبوة ص ۱۳۴، ۱۳۵) ملاحظہ ہو)

لہذا جہاں تک میرے استدلال اور مدعا کا تعلق تھا وہ مختار مدعا علیہ کو بھی خواہ دانستہ یا نادانستہ مسلم ہے اور مرزا صاحب کا یہی مسلک اور مذہب ہے۔ لہذا اس طولانی بے معنی بحث کے جواب کی بھی ہمیں حاجت نہیں۔ تاہم مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ استدلال کی بناء پر ہم کہنے کو تیار ہیں کہ ان الہامات ثلاثہ میں تمام انبیاء کرام حتیٰ کہ سید المرسلین ﷺ کی بھی تو ہیں ہے۔ کیونکہ جب بھی کسی کی فضیلت بیان کی جائے تو وہ فضیلت اس کے ہم جنسوں پر ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی کہے کہ یہ گھوڑا سب سے منتخب ہے تو دنیا بھی سمجھتی ہے کہ گھوڑوں میں سب سے افضل ہے۔ آدمی اور دوسرے جانور اس میں شامل نہیں۔ بنی اسرائیل کو باری تعالیٰ فرمایا کہ: ”اتاکم مالک یؤت احداً من العالمین یا فضلکم علی العالمین“

چونکہ مخاطب بنی اسرائیل امتی ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ تمہارے زمانہ اور تم سے قبل کی امت پر اس قدر انعام نہیں کیا اور تم کو تمہارے زمانہ اور زمانہ گزشتہ کے تمام امتوں پر فضیلت بخشی۔ البتہ اس میں انبیاء اور وہ امتیں جو اب تک پردہ عدم سے منصہ شہود پر نہیں آئیں، داخل نہیں۔ اگر کسی نبی کے حق میں یہ کہا جائے تو اس کے زمانہ اور اس سے قبل کے تمام انبیاء مراد ہوں گے۔ غیر انبیاء یا بعد کے انبیاء

بالذات اس میں شامل نہ ہوں گے۔

مرزا صاحب چونکہ بزم خود نبی ہیں اور نبی کا امتی سے مقابلہ نہیں، بلکہ انبیاء سے ہے۔ چنانچہ انبیاء سابقین پر مرزا صاحب برابر اپنے فضائل کی رجز خوانی کیا کرتے ہیں۔ پس مرزا صاحب کے ترجمہ کے مطابق الہام نمبر ۵ ”انک الله على كل شيء“ (تذکرہ ص ۴۵۲، ۴۵۳، طبع چہارم) خدا نے تجھے ہر ایک چیز میں سے جن لیا۔ مرزا صاحب کا ہر چیز پر برگزیدہ ہونا ثابت ہو گیا۔ حالانکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہر چیز پر برگزیدہ صرف ذات سرور کائنات ﷺ ہے اور اس چیز میں آپ کا کوئی بھی شریک اور سہم نہیں۔ جو اپنے کو یا کسی اور کو تمام اشیاء سے برگزیدہ سمجھے، وہ یقیناً سرور عالم ﷺ کا مقابلہ کر کے توہین کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی برگزیدگی پر دھبہ لگا تا ہے۔ جس کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ پر صحیح معنوں میں ایمان صادق نہیں ہو سکتا۔

اس کے ضمن میں بنی اسرائیل کے متعلق آیات کو استدلال میں پیش کرنا مناسب نہیں۔ وہاں تو ام سابقہ پر فضیلت دی جا رہی ہے اور ان کا مقابلہ صرف امتیوں سے ہے اور یہاں مرزا صاحب خود نبی بن بیٹھے ہیں اور ہر چیز پر اپنی برگزیدگی کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ لہذا اس پر قیاس مع الفارق ہے۔

اس الہام کے ماسبق و مابعد کو قرینہ قرار دینا بھی لغو ہے۔ کیونکہ یہ کوئی مسلسل عبارت نہیں کہ سیاق و سباق سے اس کا تعلق ہو۔ بلکہ مختلف الہامات، مختلف اوقات کے اترے ہوئے، مختلف و متضاد معانی رکھنے والے کس میں مرزا صاحب مراد اور کس میں ذات الہی۔ چنانچہ معتمد عالیہ اخطی واصیب کے تحت میں خود ہی پیش کر چکا ہے کہ اس ایک الہام کے نصف حصہ میں ضمیر متکلم سے مرزا صاحب اور نصف آخر کے ضمیر متکلم سے ذات خداوندی مراد ہے۔ پس جب کہ ایک ہی جملہ کے سیاق و سباق کا ربط نہیں تو مختلف جملوں اور علیحدہ علیحدہ بے ربط فقروں اور عبارتوں کا سیاق و سباق کیا قائم ہو سکے گا۔

عدالت خود تمام الہامات کو ملاحظہ فرما کر میرے اس دعویٰ کی تصدیق کر سکتی ہے کہ وہاں کوئی مسلسل مربوط عبارت نہیں۔ بلکہ بے ربط علیحدہ علیحدہ فقرات مختلف الہامات بنا کے یکجا نقل کئے ہوئے ہیں۔

(عنوان نمبر ۶)

”آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔“

(حقیقت الوحی ص ۸۹، خزائن ج ۲۲ ص ۹۲)

ظاہر ہے کہ آسمان سے نبوت کے تخت اترتے ہیں۔ نیز اگر مرزا صاحب مدعی ولایت ہوتے اور اپنے آپ کو صرف ولایت کا تخت نشین شمار کرتے تو ان تختوں سے ضرور ہم بھی ولایت ہی کے تخت مراد لیتے۔ مگر مرزا صاحب تو بزم خود دعویٰ انبوت ہیں اور گھنٹیا مجازی نہیں۔ بلکہ بقول مرزا محمود صاحب قرآن نے جو معنی نبوت کے قرار دیئے ہیں۔ اس کے رو سے حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں، بلکہ حقیقی اور گھنٹیا نہیں بلکہ بڑھیا نبی ہیں۔ پس جب کہ مرزا صاحب تخت نشین نبوت ہیں تو یہ آسمانی تخت نبوت ہی مراد ہوں گے اور مطلب بالکل واضح ہے کہ آسمان سے نبوت کے تخت اترے مگر تیرا (یعنی مرزا صاحب) تخت سب تختوں سے اوپر بچھایا گیا۔ اس میں کسی تخت اور کسی نبی کی تخصیص نہیں اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کے فضائل خصوصی تک ہاتھ مارتے ہیں۔ پس بلاشبہ اس مرزا صاحب کے تراشیدہ الہام میں نہ صرف انبیاء سابقین بلکہ سید الاولین سرور عالم نضر بنی آدم ﷺ کی بھی توہین ہے جس کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں مولوی منظور احمد صاحب سنبھلی کی سیف یمانی یا تقویۃ الایمان و عوارف المعارف سے حضرت سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین یا شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی آڈیلینا بالکل بے سود ہے۔ کیونکہ وہاں مقابلہ خدا کے جلال و جبروت کا ہے



اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی مخلوق خدا کے ہم پلہ نہیں۔ بلکہ سب اس کے سامنے سرگلوں ہیں۔ نبی یا ولی۔ ”لن یتسکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون“ حضرت مسیح علیہ السلام جنہیں ان کی قوم خدا یا خدا کا بیٹا اور ملائکہ جنہیں یہود، اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ خدا کی عبودیت سے منہ نہیں موڑتے۔ بلکہ اتنا ہی عجز و نیاز کا اعتراف کر رہے ہیں۔ خود سید الاولیاء والا آخرین، امام النبیین، محبوب رب العالمین ﷺ بار بار ”انما انا عبده ورسوله“ فرماتے رہے اور اس انتہائی عجز و انکساری و نیاز بارگاہ ایزدی میں پیش فرما رہے ہیں جس کی حد نہیں۔ بخلاف مرزا صاحب کے وہ چونکہ نبی ہیں اور بزعم باطل خود تخت نبوت پر متمکن ہیں۔ پس آسانی تختوں سے تخت نبوت اور مرزا صاحب سے تخت کا سب سے بالا ہونے سے تمام انبیاء ماسبق اور ان کے تختوں کی کھلی ہوئی توہین ہے جس کی کوئی بھی تاویل نہیں ہو سکتی۔

پیران پیر، سید الطائفہ عبدالقادر جیلانی غوث زمان اور قطب وقت ہیں۔ ان کے ارشاد ”قدمی هذا علی رقبۃ کل ولی“ میں ولی کی تصریح خود موجود ہے۔ نیز وہ خدا نخواستہ دعویٰ ربوبت نہیں۔ بلکہ اولیاء امت سے ہیں۔ لہذا ان پر نہ کوئی اعتراض ہو سکتا ہے، نہ باہر سے کوئی تخصیص کی گئی ہے۔ بخلاف مرزا صاحب کے کہ وہ مدعی نبوت ہیں اور ولی کی کوئی تصریح نہیں۔ بلکہ وہ تمام انبیاء سابقین پر اپنی فضیلت کے مدعی ہیں اور بصراحت فرما چکے ہیں:

انبیاء	گرچہ	بودہ	اند	بے	من	بعر فان	نہ	کترم	ز	کے
آنچہ	داد	است	ہر	نبی	رام	آں	جام	را	مرا	بتام
کم	نیم	زال	ہمہ	بروئے	یقین	ہر	کہ	گوید	دروغ	ہست
										و لعین

(نزول المسیح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

(عنوان نمبر ۷)

”اتانی مالم یؤت احد من العالمین“ (حقیقت الوحی ص ۱۰۷، خزائن ج ۲۲ ص ۱۱۰)

مخبر مدعا علیہ نے وہی بنی اسرائیل کے متعلق جو فضیلت کی آیتیں ہیں۔ ان کی آڑ چاہی ہے۔ حالانکہ میں اوپر تفصیل سے عرض کر آیا ہوں کہ ہر ایک کا مقابلہ اس کی ہم جنس وہم مسلک سے ہوگا۔ نبی کا نبی سے، امتی کا امتی سے۔ پس بنی اسرائیل یقیناً اپنے زمانہ اور ماسبق کے امتیوں پر افضل ہیں۔ ہاں! جو امتیں اب تک معرض وجود میں نہیں آئیں۔ وہ اس سے مراد نہیں۔ اسی طرح مرزا صاحب چونکہ بزعم خود مدعی نبوت ہیں اور فرما رہے ہیں کہ مجھے اللہ نے وہ دیا جو کسی کو عالمین سے نہ دیا۔ مقابلہ پر انبیاء ہی مراد ہوں گے۔ ان کے زمانہ کے ہوں۔ (جیسا کہ آج کل تقریباً اٹھارہ مدعیان نبوت پنجاب میں موجود ہیں دو چار سے میں خود مل چکا ہوں۔ اکثر سے خط و کتابت ہے۔ خود قادیان میں نور احمد کابلی مدعی نبوت موجود ہے) یا زمانہ سابقہ کے غرض یہ کہ انبیاء کرام پر فضیلت کا دعویٰ ہے اور اس سے مخبر مدعا علیہ نہ معلوم کیوں پچنا چاہتا ہے۔ جب کہ مرزا صاحب خود بھی کھلے الفاظ میں فرما چکے ہیں:

انبیاء	گرچہ	بودہ	اند	بے	من	بعر فان	نہ	کترم	ز	کے
آنچہ	داد	است	ہر	نبی	رام	آں	جام	را	مرا	بتام
کم	نیم	زال	ہمہ	بروئے	یقین	ہر	کہ	گوید	دروغ	ہست
										و لعین

(نزول المسیح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

باقی رہا اگر یہ شبہ ہو کہ حضور ﷺ شاید اس سے مستثنیٰ ہوں تو اس کا ازالہ آگے کی تقریر سے ہو جائے گا کہ یہ تمام کفر و شرک کی عمارت آہستہ آہستہ قائم کی گئی ہے تاکہ لوگ بدک نہ جائیں۔ جیسا کہ مرزا محمود صاحب نے (حقیقت النبوة ص ۱۴۲ و ۱۴۵، انوار العلوم) پر اس امر

کا صاف لفظوں میں اقرار کر لیا ہے۔

”اسی سنت قدیمہ کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود سے سلوک کیا اور آپ کی جماعت کو بہت سے ابتلاؤں سے بچالیا۔ اگر آپ کو یک لخت مسیح کی وفات اور اپنی نبوت کے اعلان کرنے کا حکم ہوتا تو آپ کی جماعت کے لئے سخت مشکلات کا سامنا ہوتا..... دس سال بعد وفات مسیح کے مسئلہ پر سے پردہ اٹھایا لیکن مسئلہ نبوت پر ایک پردہ پڑا رہا، تاکہ جماعت اپنے اندر ایک مضبوطی پیدا کرے۔“

”مرزا صاحب کا ترجمہ“ اس میں بھی وہی عادت ہے۔ کبھی کچھ کبھی کچھ، کہیں مطلب کفریہ بیان کر دیا۔ کہیں مجبور ہو کر اسلامی طرز کا اظہار کر دیا اور یہ تو لازماً ہونا تھا۔ کیونکہ بتصریح ارشاد نبوی آنحضرت ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت دجال و کذاب ہوگا اور خود مرزا صاحب ہی دجل کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ اس حدیث کے مفہوم کی تائید مندرجہ ذیل حوالہ سے ہوتی ہے۔

..... ۱ ”دجال کے لئے ضروری ہے کہ کسی نبی برحق کا تابع ہو کر، پھر مسیح کے ساتھ باطل ملادے۔“

..... ۲ ”اگر حق محض پر زیادت کی جائے تو اس کا نام عربی زبان میں دجل ہے اور اس کے مرتب کا نام دجال ہے اور چونکہ آئندہ کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ اس لئے پہلے نبی کے تابع جب دجل کا کام کریں گے، تو وہی دجال کہلائیں گے۔“

(تلیخ رسالت ص ۲۰۰، ج سوم، مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۳۱)

(عنوان نمبر ۸)

### علم نبوی میں مقابلہ

خلاصہ عبارت مرزا صاحب: ”ابن مریم اور دجال اور یاجوج و ماجوج کی حقیقت آنحضرت ﷺ پر منکشف نہ ہوئی۔ چونکہ سامنے کوئی نمونہ نہ تھا اور اب مرزا صاحب پر وہ ہو بہو منکشف ہو گئی۔“

(ازالہ کلاں ص ۶۹۱، جزائن ج ۳ ص ۴۳)

یہ عبارت جس غرض سے پیش کی گئی ہے۔ اس سے مختار مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ اسے یہ بھی مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ابن مریم، دجال، یاجوج و ماجوج کی حقیقت ہو بہو منکشف نہ ہوئی اور کما حقہ اسے نہ سمجھے۔ بلکہ ان کی حقیقت سمجھنے میں اجتہادی غلطی رہی اور مرزا صاحب نے کما حقہ سمجھ لیا اور ان پر امور مذکورہ کی حقیقت منکشف ہو گئی۔

اب نزاع صرف مندرجہ ذیل امور میں ہے۔

..... ۱ کیا یہ اجتہادی امور ہیں۔

..... ۲ انبیاء سے اجتہادی امور میں غلطی ہو سکتی ہے۔

..... ۳ ان امور میں اگر مرزا صاحب کا علم باوجود امتی ہونے کے رسول اللہ ﷺ پر بڑھ جائے تو آنحضرت ﷺ کی کوئی تنقیص تو ہین نہیں۔

الجواب:

..... ۱ ابن مریم اور دجال و یاجوج و ماجوج کا علم امور اعتقاد یہ میں سے ہے نہ کہ اجتہاد یہ میں سے۔ ہر مسلمان اس سے واقف ہے۔ علامات قیامت امور دینیہ ایمانیہ میں سے ہیں۔ تمام کتب عقائد میں امور اعتقاد، دینیہ ایمانیہ کے تحت مذکور ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے ان کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے یہ تمام امور دین قرار دیئے ہیں کہ: ”ہذا جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم..... الخ“ او کما قال ﷺ کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تمہیں دین سکھانے آئے تھے۔

اور تمام دنیا جانتی کہ مرزا صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ امور دینیہ ایمانیہ میں انبیاء غلطی سے پاک ہوتے ہیں اور خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو عبارت مرزا صاحب: ”لیکن امور دینیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام

ہوتا ہے..... الخ!

(ازالہ ص ۶۹۰، جزائن ج ۳ ص ۴۷۲)

ابن مریم کے نزول وغیرہ میں مرزا صاحب اور مرزائیوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ پھر اسے امور ایمانیہ میں قرار نہیں دیتے۔ میں اس کے واسطے گواہان اور مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ علامہ عبدالوہاب شعرانی کا فیصلہ پیش کرتا ہوں کہ: ”فقد ثبت نزولہ (الیٰ) والحق انه رفع بجسده الی السماء والایمان بذالک واجب“ (یواقیت ج ۲ ص ۱۳)

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آسمان سے کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حق یہی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اسی جسد عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

لہذا یہ تمام مذکورہ امور دینیہ ایمانیہ ہیں جن میں نبی سے کسی قسم کی اجتہادی غلطی ناممکن ہے اور ان امور میں کسی امتی کا علم نبی سے زائد ماننا کھلا ہوا کفر ہے۔ کیونکہ یہ امور غیبیہ سوائے وحی ربانی کے عقل سے معلوم ہی نہیں ہو سکتے اور نبی بلکہ سید الانبیاء اگر ان امور غیبیہ اور اس وحی کے سمجھنے میں غلطی کریں تو اصلاح پھر کون کرے گا؟ لہذا ان امور میں مرزا صاحب کا علم رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ماننے کے بعد کسی طرح محمد رسول اللہ کلمہ کے دوسرے حصہ پر ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔

۲..... ”انبیاء سے اجتہادی امور میں غلطی ہو سکتی ہے۔“

اس سلسلہ میں بلاوجہ مختار مدعا علیہ نے نبراس، فتوح الغیب، ہدیۃ الشیعہ، اشاعت السنۃ وغیرہ کے متعدد جدید اور قانوناً غیر مسلم حوالے پیش کئے۔

**الجواب:** پہلا جواب تو وہی ہے کہ جن امور میں یہاں گفتگو ہے۔ وہ امور دینیہ ایمانیہ ہیں جن میں خود مرزا صاحب کے نزدیک بھی غلطی ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ فریقین کو مسلم ہے کہ انبیاء سے اگر خدا نخواستہ اجتہادی لغزش ہو، تو وہ اس پر قائم نہیں رہتے، حفاظت الہی ان کو کسی غلطی پر باقی نہیں چھوڑتی۔ بلکہ منجانب اللہ انہیں اس پر متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ لہذا اس کو خدا نخواستہ یہ اجتہادی امور بھی ہوتے ہیں تو بھی وحی الہی اس میں متنبہ کر کے آنحضرت ﷺ پر جس علم کو منکشف کر سکتی ہے۔ کسی امتی کو اتنا علم ہونا ناممکن ہے۔ بہر حال امور دینیہ ایمانیہ میں کسی طرح نبی کے علم پر کسی امتی کے علم کو فضیلت نہیں ہو سکتی۔

## ایک مغالطہ کا جواب

یہ بھی مرزائیوں کا محض مغالطہ ہے کہ ابن مریم اور دجال یا جوج و ماجوج کی حقیقت آنحضرت ﷺ پر منکشف نہ ہوئی تھی اور مرزا صاحب پر منکشف ہوگئی۔ میں مرزا صاحب اور آنحضرت ﷺ کی تحقیقات کو سامنے رکھ کر عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ خود توازن کر لے کہ مرزا صاحب یا مرزائیوں کے اذعائے باطل میں ذرہ برابر صدق کا شائبہ نہیں۔

## ابن مریم کے متعلق مرزا صاحب کی رائے

کہ خود مرزا صاحب اولاً مریم کے رنگ میں پیدا ہوئے۔ پھر ان میں عیسیٰ علیہ السلام کا حمل قرار پایا ہے۔ پھر تقریباً ۹ ماہ بعد دردزہ اٹھا اور تہ کھجور کے نیچے لے گیا۔ پھر اپنے آپ سے خود ہی پیدا ہو گئے۔ لہذا وہ مریم بھی ہوئے اور ابن مریم بھی:

آنکہ گوید ابن مریم چوں شدی ہست او غافل ز راز ایزدی  
آں خدائے قادر ورب العباد در براہین نام من مریم نہاد  
متے بودم برنگ مریمی دست نادادہ بہ پیران زمی

ہجو بکرے یافتم نشوونما  
بعد ازاں آن قادر رب المجید  
پس بہ نقش رنگ دیگر شد عیاں  
زیں سبب شد ابن مریم نام من  
بعد ازاں از نفع حق عیسیٰ شدم  
ایں ہمہ گفت است رب العالمین  
حکمت حق راز ہا دارد بے

از رفیق راہ حق نا آشنا  
روح عیسیٰ اندران مریم دمید  
زاد زان مریم مسیح ایں زماں  
زانکہ مریم بود اول گام من  
شد ز جائے مریمی برتر قدم  
گر نمیدانی براہین را بنین  
کلتہ مستور کم فہم کے

(حقیقت الوحی ص ۳۳۹، خزائن ج ۲۲ ص ۳۵۲)

مختر مدعا علیہ باوجود غیر متعلق ہونے کے اس بحث میں متعدد جگہ ابن مریم دجال یا جوج و ماجوج وغیرہ کی پیش گوئی کے مرزا صاحب کے زمانہ میں وقوع اور ہو چکنے کی تصریح کی جس کی بناء پر ہم بھی مجبور تھے کہ ان ہر سہ امور کے متعلق اور ان کے وقوع پر ایک مفصل بحث کریں اور عدالت کے سامنے ایک مکمل مرزا صاحب کے خیالات اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی کا نقشہ پیش کر دیں تاکہ عدالت خود توازن فرمالے۔ مگر چونکہ عدالت عالیہ کی رائے گرامی میں وقوع وغیرہ کی بحث غیر ضروری اور موضوع مقدمہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ اس لئے میں عدالت کے حکم کی پابندی اور احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے جس قدر حصہ وقوع سے تعلق رکھتا تھا، حذف کر رہا ہوں۔

اب صرف اس حصہ کو لیتا ہوں جو مرزا صاحب کی پیش کردہ اصل عبارت میں مصرح اور ماہہ النزاع ہے۔

عالی جاہ! ہمارے آقا و مولیٰ، اعلم الاوائلین والآخرین پر مرزا صاحب کا یہ محض بہتان اور اتہام صریح ہے کہ ابن مریم، دجال یا جوج و ماجوج کی مہو حقیقت منکشف نہ ہوئی اور نہ وحی الہی نے اس کی عمیق تہ کا پتہ دیا۔ بلکہ مثلہ قریبہ اور متشاکل و متشابه چیزوں سے تفہیم کی گئی۔ تفصیل کا موقع نہیں میرا دعویٰ ہے کہ کسی چیز کی وضاحت اور انکشاف تام کی جس قدر بھی صورتیں ممکن ہیں وہ صاف صاف واضح اور صریح الفاظ میں بیان فرمادیں۔

عیسیٰ ابن مریم کے نزول کی تصریح فرمائی، ان کا حلیہ شریف درمیانہ قد، رنگ سفید سرخی مائل، بال دونوں شانوں تک بہت سیاہ اور چمکدار جیسے نہانے کے بعد ہوتے ہیں، گھونگرالے، عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی سے ملتی جلتی شکل، ان کی خوراک کی تصریح کہ لویا یا جوج چیزیں آگ پر نہ لگیں وہ تناول فرمائیں گے۔ وقت نزول دو کپڑے زرد رنگ کے پہنے ہوئے سر پہ ایک طویل ٹوپی، جسم مبارک پر ذرہ، دونوں ہاتھ فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے، ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ حربہ جس سے دجال کو قتل کریں گے جس کا فرقہ آپ کی سانس پہنچے گی وہ فوراً مرجائے گا۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ و گوشہ پر ان مسلمانوں کی جماعت میں اتریں گے، جو مسلمان مع مہدی علیہ الرضوان دجال سے لڑنے کو مجتمع ہوں گے جن کی تعداد آٹھ سو مرد اور چار سو مستورات کی ہوگی۔ وہ لوگ نماز کے واسطے صفیں درست کر رہے ہوں۔ امام مہدی ان کے امام ہوں گے۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کے لئے بلائیں گے اور وہ انکار کریں گے۔ جب امام مہدی پیچھے ہٹنے لگیں گے تو حضرت عیسیٰ ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر انہیں کو امام بنائیں گے اور وہی نماز پڑھائیں گے۔ وہ نماز صبح کا وقت ہوگا۔ بعد نزول صرف چالیس سال دنیا میں رہیں گے۔ ان کا نکاح حضرت شعیب کی قوم کے قبیلہ میں ہوگا جس سے اولاد بھی ہوگی۔ کسر صلیب قتل خنزیر فرمائیں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر دروازہ مسجد کھولائیں گے جس کے پیچھے دجال ہوگا اور اس کے اعوان یہودیوں کے ساتھ جہاد کریں گے اور اسے باب لد پر قتل فرما کے اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو دکھلائیں گے۔ کوئی شے اسے پناہ نہ دے گی۔ درخت

و پتھر پکار کے کہے گا کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہے۔ اس وقت اسلام کے سوا تمام مذاہب مٹ جائیں گے۔ مال و زر لوگوں میں اتنا عام کر دیں گے کہ کوئی قبول کرنے والا نہ رہے گا۔ مقام فح الروحاء میں جائیں گے۔ حج یا عمرہ یا دونوں کریں گے۔ نبی کریم ﷺ کے مزار پاک پر جائیں گے اور سلام کریں گے اور آپ جو اب سلام مرحمت فرمائیں گے۔ ہر قسم کی دینی و دنیاوی برکات نازل ہوں گی، سب کے دلوں سے بغض حسد و کینہ نکل جائے گا، ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا اور ایک بکری ایک قبیلہ کو۔ پھر نیش والے زہریلے جانوروں کا نیش نکال دیا جاوے گا۔ حتیٰ کہ سانپ کے منہ میں بھی ہاتھ ڈالنا ضرر رساں نہ ہوگا۔ شیر و انس، بھیڑ بکریاں مجتمع ہو جائیں گے۔ ساری زمین مسلمانوں سے یوں پر ہوگی جیسے پانی سے برتن، یہ برکات سال سال تک رہیں گے۔ قرب و فوات لوگوں کو وصیت فرمائیں گے کہ میرے بعد مقصد نامی شخص کو خلیفہ بنائیں، اس کے بعد آپ وفات فرمائیں گے اور روضہ اقدس نبی کریم ﷺ میں مدفون ہوں گے، آپ کی چوتھی قبر ہوگی۔

پھر مقصد خلیفہ ہوگا جس کے تین سال بعد قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور قیامت نمودار ہوگی..... الخ!

اس کے واسطے ملاحظہ ہو رسالہ ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ جس میں یہ تمام احادیث ۶۴ کے قریب مصرح موجود ہیں۔ میں نے نہایت اختصار سے اقتباس کیا۔ تعجب ہے کہ اس قدر انکشاف تام کو یہ کہنا کہ موبہوم تکشف نہ ہو اور مثلہ قریبہ و متشابہات کے رنگ میں سمجھایا گیا اور مرزا صاحب خود ہی اپنے آپ کو مریم اور ابن مریم فرماتے ہیں:

ہئیں تفاوت رہ از کجا است تا کجبا

## دجال

آنحضرت ﷺ نے دجال کے متعلق تو یہاں تک فرمادیا کہ ہر نبی نے اس سے ڈرایا، مگر میں سب سے زیادہ وضاحت سے کہتا ہوں۔ اگر میں ہوا تو خود تمہاری طرف سے مقابل ہوں گا۔ ورنہ ہر شخص خود سمجھ لے اور اللہ میری طرف سے معین و مددگار ہوگا۔ وہ ایک موعود شخص ہوگا (نہ کہ جماعت) شام و عراق کے درمیان ظاہر ہوگا۔ اس کی پیشانی پر ”کافر“ بصورت ”ک، ف، ر“ لکھا ہوگا۔ وہ بائیں آنکھ سے کانٹا ہوگا۔ اس کی آنکھ میں سخت ناخن ہوگا۔ تمام دنیا میں پھر جائے گا۔ کوئی جگہ باقی نہ رہے گی جسے وہ فتح نہ کرے۔ البتہ حرین مکہ و مدینہ اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ حرین کے ہر راستہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا کہ دجال کو روکیں وہ حرین کے باہر ظریف احمر میں (سجہ) شور زمین کے ختم پر جا کر ٹھہرے گا۔ اس وقت مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے جس سے منافق مرد و عورت مدینہ سے نکل کر دجال کے ہمراہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ ظاہری طور پر جنت و دوزخ ہوگی۔ مگر درحقیقت اس کی جنت دوزخ اور دوزخ جنت ہوگی۔ اس کے زمانہ میں ایک دن سال بھر کے برابر، دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ باقی ایام حسب دستور ہوں گے۔ وہ ایک گدھے پر سوار ہوگا جس کے دونوں ہاتھوں کا درمیان فی فاصلہ چالیس ہاتھ ہوگا۔ اس کے ساتھ شیاطین ہوں گے جو لوگوں سے کلام کریں گے۔ جب وہ بادل کو کہے گا وہ پانی برسائے گا جب منع کر دے گا، قحط ہو جائے گا۔ مادر زاد اندھے اور ابرص کو درست کر دے گا۔ زمین کے پوشیدہ خزانے اس کے حکم سے باہر آ کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔

ایک نوجوان آدمی کو بلا کر تلوار سے دو کلڑے کر دے گا تو پھر اسے بلائے گا تو وہ صحیح سالم ہوتا ہوا سامنے آ جائے گا۔ اس کے ساتھ سترہ ہزار یہودی ہوں گے جن کے ساتھ جڑاؤ تلواریں ہوں گی۔ لوگوں کے تین فرقہ ہو جائیں گے۔ ایک دجال کا اتباع کرے گا۔ دوسرا اپنا کاشتکاری میں لگا رہے گا اور تیسرا دریائے فرات کے کنارہ پر اس کے ساتھ ساتھ جہاد کرے گا۔ مسلمان شام کی بستیوں میں جمع ہو کر ایک ابتدائی لشکر دجال کے پاس پہنچیں گے۔ اس لشکر میں ایک شخص ایک یا سیاہ یا سفید

گھوڑے پر سوار ہوگا اور یہ سارا لشکر شہید ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک بھی واپس نہ آئے گا۔

دجال جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو اس طرح کھٹکنے لگے گا۔ جیسے نمک پانی میں اس وقت تمام یہودیوں کی ٹھکست ہوگی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اسے باب لد پر قتل کر کے اپنے نیزہ پر اس کا خون دکھائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ!

عدالت ملاحظہ فرمائے اس انکشاف تام کو بخلاف مرزا صاحب کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: ”مسح دجال جس کے آنے کی انتظار تھی یہی پادریوں کا گروہ ہے جو ٹڈیوں کی طرح تمام دنیا میں پھیل گیا ہے۔“

(ازالہ اوہام ص ۳۶۶، خزائن ج ۳ ص ۳۶۶)

(حاشیہ حمامۃ البشری ص ۲۰، خزائن ج ۷ ص ۲۲۹)

”نصاری کے علماء ہی بیشک دجال معبود ہیں۔“

## یا جوج و ماجوج

قرآن پاک میں ہی کافی ذکر ہے۔ ”ان یا جوج و ماجوج مفسدون“ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا جوج و ماجوج کو نکالے گا جن کا سیلاب تمام عالم کو گھیر لے گا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام مسلمانوں کو کوہ طور پر جمع فرمائیں گے۔ یا جوج کا ابتدائی حصہ جب دریائے طبریہ پر گزرے گا تو دریائے سب پانی کو پی کر صاف کر دے گا۔ اس وقت بوجہ قحط وغیرہ ایک راس تیل لوگوں کے لئے سو دینار سے بہتر ہوگا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا جوج کے واسطے بد دعا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گلے میں ایک گٹھی نکال دے گا جس سے سب کے سب دفعہٴ مرجائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو لے کر کوہ طور سے زمین پر اتریں گے۔ مگر تمام زمین یا جوج و ماجوج کے مردوں سے بد بودار ہوگی۔ پھر بد بو کے دور ہونے کی خدا سے دعا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس سے تمام زمین دھل جائے گی۔ پھر زمین اصلی رنگ پر پھولوں اور پھلوں سے بھر جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ! یہ سب مسلم شریف، مسند احمد، ابوداؤد، دارقطنی وغیر میں موجود ہے۔

اس قدر کشف تام آنحضرت ﷺ کے ارشاد و معلومات میں ہے۔ مگر مرزا صاحب کو نظر نہیں آتا اور خود آنحضرت ﷺ پر اپنی اس تحقیقات کو ترجیح دے رہے ہیں کہ: ”یا جوج و ماجوج سے مراد وہ نصاریٰ ہیں جو روس و برطانیہ کی قوموں سے ہیں۔“

اب عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ مرزا صاحب کا کس قدر صریح بہتان ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ پر تھا اور اس مقابلہ میں کس قدر صریح توہین تھی۔ جو کلمہ شریف پر ایمان کے سراسر منافی ہے۔

”فبین ما هو کذا لک اذا وحی اللہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لاحد بقتالہم فحوز عبادی الی الطور وبعث اللہ یا جوج و ماجوج و ہم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلہم علی بحیرة طبریة فیشربون ما فیہا و یمر اخرہم فیقول لقد کان بہذہ مرۃ ماء ثم یسیرون حتی ینتھوا الی جبل الخمر و هو جبل بیت المقدس فیقولون لقد قتلنا من فی الارض ہلم فلنقتل من فی السماء فیرمون بنشابہم الی السماء فیرد اللہ علیہم نشابہم مخضوبۃ دما و یحصر نبی اللہ واصحابہ حتی یکون راس الثور لاحدہم خیرا من مائۃ دینار لاحد کم الیوم فیرغب نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ فیرسل اللہ علیہم النغف فی رقابہم فیصبحون فرسی کموت نفس واحده ثم یہبط نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الاملاء زہمہم و ننتہم فیرغب نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ الی اللہ فیرسل اللہ طیرا کاعناق البخت فتحملہم فتطرحہم حیث شاء اللہ و فی روایۃ تطرحہم بالنہیل و یرسل اللہ فیغسل الارض حتی یترکھا کالزلفۃ..... الخ!“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۷۳، ۲۷۴)

(ترجمہ) نواس بن سمان نے ایک لمبی حدیث میں فرمایا ہے کہ ذکر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے..... پس اسی اثناء میں کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو مطلع فرمائیں گے کہ میں ایک ایسی مخلوق کو نکالوں گا جن کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہذا میرے ان بندوں کو تم طور کی طرف لے جاؤ اور یا جوج و ماجوج کو نکالیں گے جو نہایت عجلت کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل جائیں گے۔ اول حصہ ان کا جب بحیرہ طبریہ پر جو کئی میل کا لہبا دریا ہے گزرے گا تو اس کا پانی پی لے گا۔ پھر پی لیں گے جو اس میں ہوگا اور اخیر ان کا جب وہاں سے گزرے گا تو کہے گا کہ کبھی یہاں پانی تھا۔ پھر چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جبل النمر تک پہنچیں گے۔ وہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے۔ پھر کہیں گے ہم نے تمام زمین والوں کو قتل کر دیا و آسمان والوں کو قتل کریں۔ پھر اپنے تیروں کو آسمان کی طرف ماریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے تیرخون آلودہ کر کے واپس لوٹائیں گے اور اللہ کا نبی اور اس کے اصحاب محصور کئے جائیں گے۔ حتیٰ کہ اس الثوران کے نزدیک سو دینار سے زیادہ قیمتی ہوگا۔ پس اللہ کا نبی عیسیٰ علیہ السلام اور اس کے اصحاب اللہ تعالیٰ کے جناب میں دعا کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان یا جوج و ماجوج پر بخت کے جانور بھیج دیں گے۔ پس وہ (یا جوج) زمین پر مر کر گر پڑیں گے۔ جیسے ایک نفس کے موت۔

عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ ابن مریم، دجال، یا جوج و ماجوج کی حقیقت کما حقہ کس قدر انکشاف تام سے ہوئی ہے۔ مرزا صاحب کجا، انبیاء و العزم نے بھی یوں بیان نہیں کی نہ اس قدر تفصیل کسی آسانی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ پھر بھی مرزا صاحب کا یہ بہتان کہ حضور ﷺ پر ابن مریم اور دجال و یا جوج و ماجوج کی حقیقت موبہ و مشکف نہ ہوئی۔ جیسی کہ مجھ (مرزا) پر ہوئی۔ اس قدر تو ہین عظیم ہے کہ جس کے بعد کسی طرح ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔

قول مختار مدعا علیہ:

”ان امور میں اگر مرزا صاحب کا علم باوجود امتی ہونے کے نبی کریم ﷺ پر بڑھ جائے تو آنحضرت ﷺ کی کوئی تنقیص و توہین نہیں۔“  
الجواب: جب یہ ثابت ہو چکا کہ یہ علم علوم کمالیہ اور امور دیدیہ ایمانیہ سے ہیں اور مرزا صاحب کے امتی تمام مسلمانوں کو انہیں امور سے اختلاف کی بناء پر کافر کہتے ہیں۔ پس ان اہم میں کسی شخص کو علمی فضیلت دینا اور اس کو علم پاک حضور ﷺ سے زیادہ قرار دینا عدالت خود ہی دونوں تحقیقوں میں توازن کر کے رائے قائم کر سکتی ہے کہ مرزا صاحب کے خیالات محض مجنونانہ ہیں۔ ورنہ حضور ﷺ کے علم پر اپنے علم کو ترجیح نہ دیتے۔

یا جوج و ماجوج، مرزا صاحب

”یا جوج و ماجوج سے مراد وہ نصاریٰ ہیں جو روس اور برطانیہ کی قوموں سے ہیں۔“

(حاشیہ حمامۃ البشری ص ۲۸، خزائن ج ۷ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

آنحضرت ﷺ کی تحقیقات

یہ مسئلہ ایک حد تک قرآن پاک کی وحی الہی نے صاف کر دیا ہے: ”کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ 'إِن يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ إِنْ تَجْعَلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا. قَالَ مَا مَكْنَىٰ فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَاعِينُونِي بِقُوَّةٍ وَاجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا. تَوْنِي زَبْرُ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اتَوْنِي افرغ عليه قطرا فما استطاعوا ان يظهروه و ما استطاعوا له نقبًا. قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكًّا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا (الكهف: ۹۳ تا ۹۸)“

ان آیات میں کس تفصیل سے یا جوج و ماجوج کا تذکرہ ہے اور لوگوں کی درخواست پر ذی القرنین کا سد سکندری قائم کرنے

اور اس کے توڑنے یا سوراخ کرنے پر تا قریب قیامت قادر نہ ہونے اور پھر قریب قیامت اس سد سکندری و دیوار کے بجگم خداوندی ٹوٹنے وغیرہ کا۔ اس سے عدالت اندازہ کر سکتی ہے کہ روس و برطانیہ اور نصاریٰ کا وجود بھی نہ تھا جب سے یہ قومیں موجود ہیں اور یا جوج و ماجوج کے نام سے موسوم ہیں اور قیامت کے قریب نکلیں گے۔

### ارشاد نبوی ﷺ

..... ”عن حذیفة بن اسید الغفاری قال اطلع النبی ﷺ علینا ونحن نتذاکر فقال ما تذکرون قال نذکر الساعة قال انها لن تقوم حتی تروا قبلها عشر آیات فذکر الدخان والدجال والدابة وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسیٰ بن مریم ویاجوج وماجوج..... الخ هما قبیلتان من ولد یافث من نوح علیہ السلام“

(مشکوٰۃ ص ۴۷۲، باب العلامات بین یدی السانۃ)

(ترجمہ) حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہم پر ظاہر ہوئے اور ہم ذکر کر رہے تھے تو فرمایا کہ کیا ذکر کر رہے ہو، عرض کیا کہ قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ وہ ہرگز نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے قبل دس نشان دیکھو گے۔ پس ذکر فرمایا دھواں اور دجال اور دابة الارض اور مغرب سے سورج کا نکلنا اور عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کا آسمان سے نازل ہونا اور یا جوج اور ماجوج کا آنا..... الخ!

بین السطور حاشیہ میں ان یا جوج و ماجوج کا یافث ابن نوح کی اولاد سے ہونے کی تصریح ہے۔

۲..... عن النواس بن سمان (قال فی حدیث طویل) ذکر رسول اللہ ﷺ..... کھلا ہوا کفر ہے جس کی دنیا میں نظیر نہیں مل سکتی۔

ہمارا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ تمام علوم اولین و آخرین کے جامع ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ: ”اعطیت علم الاولین والآخرین“ تمام وہ علوم جن کا تعلق کمالات سے تھا جن کی شان مجوبیت کے لئے ضرورت تھی ”بتمامہا وبکمالہا“ اللہ کے محبوب ﷺ میں مجتمع ہیں۔ تمام دنیا کے اولیاء، انبیاء و ملائکہ اور دیگر کائنات عالم کا علم ایک پلہ میں رکھ دیا جائے اور سید الانبیاء کا علم نہیں بلکہ ایک ذرہ علم محمد ﷺ سے ایک پلہ میں رکھا جاوے تو پھر بھی آنحضرت ﷺ کے علم کا پلہ بھاری ہوگا۔ تمام انبیاء و اولیاء و ملائکہ مقربین اس کا اندازہ کیا کر سکیں۔ کسی کا وہم و گمان بھی وہاں تک رسائی نہیں کر سکتا۔ حضرت امام بو صیری فرماتے ہیں۔

ومن جودک الدنیا وضررتها  
ومن علومک علم اللوح والقلم

لوح قلم کا علم ایک جھلک ہے۔ علم محبوب رب العالمین ﷺ کی پس کوئی مسلمان تو اس توہین کو پسند بلکہ برداشت نہیں کر سکتا۔ ہاں! مرزا صاحب کے تبعین کے نزدیک مرزا صاحب کی حضور اکرم ﷺ پر علمی فوقیت میں کوئی توہین نہ ہو تو نہ سہی خطبہ الہامیہ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ تو نبی کریم ﷺ اور ان کے دور کو ہلال اور اپنے بروزی رنگ کو بدر کمال قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ آگے بسلسلہ توہین ان شاء اللہ! آئے گا۔

### حضرت مولانا تھانوی اور مولانا سہانپوری پر اتہام

مرزا صاحب کی جماعت جب کہ نبی کریم ﷺ پر بہتان باندھنے میں تامل نہیں کرتی تو بزرگان دین اور علماء ربانین اس کی دست درازی سے کب بچ سکتے ہیں۔

چونکہ حفظ الایمان اور براہین قاطعہ کی مفصل بحث آگے جہاں پر حسام الحرمین اور بریلوی اور دیوبندیوں کا ذکر آئے گا آرہی



ہے۔ اس لئے تفصیلاً تو عرض نہیں کرتا، صرف مختار مدعا علیہ کا قول نقل کر کے اجمالی جواب کی طرف اشارہ کر کے بہتان عظیم عدالت پہ واضح کرتا ہوں۔

قول مختار مدعا علیہ:

”تعب کی بات ہے کہ یہ اعتراض ان اشخاص نے کیا ہے جن کے مقتداء اور پیشوا آ حضرت ﷺ کے متعلق یہ لکھ چکے ہیں پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر و بکر بلکہ ہر صبی اور مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے پر مخفی ہے۔“

(حفظ الایمان مصنف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ص ۷)

مختار مدعا علیہ نے تمام مبتداء و خبر استفتا سوال و جواب حذف کر کے درمیان سے ایک عبارت کاٹ کر جو وہ دوسرے کی حکایت نقل فرماتے ہیں کہ اگر بقول زید صحیح ہے۔ اپنی رائے اور عقیدہ نہیں، قطع و برید کر کے پیش کیا اور اس سے اس ناجائز مغالطہ کی سعی کی کہ خدا نخواستہ حضرت مولانا تھانوی کا مذہب ہے۔ حالانکہ یہ ایک افتراء کا جواب ہے جس میں زید کا ایک عقیدہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ قول زید صحیح ہو تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین لازم آئے گی۔ کیونکہ زید کے اس قول سے لازم آئے گا کہ یہ لفظ عالم الغیب معاذ اللہ! جانوروں اور بادلوں تک بولا جاسکے۔ حالانکہ یہ سراسر ناجائز و باطل ہے۔ وہ تو زید کے قول پر حکم لگا رہے ہیں اور اس باطل عقیدہ کو روک رہے ہیں اور مختار مدعا علیہ عدالت کو یہ مغالطہ دے رہا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کا علم جانوروں جیسا بتایا۔ اتنا سفید جھوٹ شاید ہی کوئی بول سکتا ہو۔ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کو بھی ایسا مغالطہ ہوا جس پر خود مولانا تھانوی سے اس عبارت کے متعلق ایک سوال کیا گیا اور انہوں نے جواب مرحمت فرمایا۔

ہر دو سوال و جواب بختہ درج ذیل ہیں۔

بخدمت اقدس حضرت مولانا المولوی الحافظ الحاج الشاہ اشرف علی صاحب مدت فیو حکم العالیہ!

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی یہ بیان کرتے ہیں اور حسام الحرمین میں آپ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے حفظ الایمان میں اس کی تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا علم جیسے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ ایسا ہرنچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔ اس لئے امور ذیل دریافت طلب ہیں۔

۱..... آیا آپ نے حفظ الایمان یا کسی کتاب میں ایسی تصریح کی ہے؟

۲..... اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم بھی یہ مضمون آپ کی کسی عبارت سے نکل سکتا ہے؟

۳..... آیا ایسا مضمون آپ کی مراد ہے؟

۴..... اگر آپ نے نہ ایسے مضمون کی تصریح فرمائی، نہ اشارہ مفاد عبارت ہے، نہ آپ کا مراد تو ایسے شخص کو جو یہ اعتقاد رکھے یا صراحتاً یا اشارتاً کہے اسے آپ مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر..... بینوا و توجروا!

الجواب: مشفق مکرّم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم! آپ کے خط کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ:

۱..... میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گزرا۔

۲..... میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا۔ چنانچہ اخیر میں عرض کر دوں گا۔

۳..... جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں اور میرے دل میں بھی کبھی اس کا خطرہ نہیں گزرا۔ جیسا کہ اوپر معروض ہوا تو میری مراد کیسے ہو سکتا ہے۔

۴..... جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا اشارتاً یہ بات کہے۔ میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے۔ نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے۔ حضور سرور عالم نخر بنی آدم ﷺ کی۔ یہ تو جواب ہوا آپ کے سوالات کا۔ اب آخر میں اس جواب کی تنسیخ کے لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ حفظ الایمان کی اس عبارت کی مزید توضیح کروں جس کی بنا پر مجھے تہمت لگائی گئی ہے۔ گو کہ وہ خود بھی بالکل واضح ہے۔

اول میں نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلا واسطہ ہو وہ تو خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور جو بواسطہ ہو وہ مخلوق کے لئے ہو سکتا ہے۔ مگر اس سے مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں اور اس دعویٰ پر دو دلیلیں قائم کی ہیں..... الخ! (اس کے آگے بڑی وضاحت اور صفائی سے بیان فرمایا ہے)

آخر کتاب میں فرماتے ہیں کہ: ”بفضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ ﷺ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیہ والعملیہ کے باب میں یہ ہے کہ: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ (ملاحظہ ہو حفظ الایمان وسط البنان ص ۱۵)

اس دیدہ و دانستہ بہتان کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ: ”افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد (المؤمن: ۴۴)“

قول مختار مدعا علیہ:

”اور لکھتے ہیں کہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم ﷺ کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے (براہین قاطعہ مؤلفہ مولوی خلیل احمد انڈسٹری، صدقہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ص ۵۱) اس میں اہلسنن کا مقابلہ آنحضرت ﷺ سے کر کے شیطان ملعون کا علم آنحضرت ﷺ کے علم سے زیادہ بتلایا ہے۔ کیا اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین نہیں ہے اور یہ عبارت سوء ادبی کی مشعر نہیں۔“

”یہاں اصل عبارت قطع و برید کر کے حسب منشاء ایک کفریہ مضمون بنا لیا ہے۔ اگر کل عبارت نقل کر دیتے تو یہ وہم و گمان بھی نہ ہوتا تفصیل تو آگے آئے گی۔ صرف اجمالاً گزارش ہے کہ یہ عبارت جہاں سے شروع ہے وہیں سے پیش کر دوں۔ ایک سطر اوپر سے اگر یہ عبارت لی جائے تو معلوم ہو جائے کہ کس علم میں گفتگو ہے اور یہ اپنا عقیدہ ہے یا کسی اور کا۔“

”الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

اصل یہ ہے کہ یہ کتاب براہین قاطعہ ایک اور کتاب انوار ساطعہ مؤلفہ مولوی عبدالسیح صاحب راجپوری کی شرح ہے اور وہ علم رسول اللہ ﷺ کو محیط زمین اور گمراہی وغیرہ کا جو شیطانی علم سے متعلق ہے۔ یوں ثابت کرتے ہیں کہ جب یہ علم شیطان کو حاصل ہے جو کمترین خلاق ہے تو سرور عالم ﷺ جو افضل المخلوقات ہیں انہیں کیوں نہ ہونا چاہئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اس کفر و شرک سے انہیں منع فرما رہے ہیں کہ کوئی حماقت و جہالت ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کا علم شیطان لعین جیسے دشمن خدا پر قیاس کیا جائے۔ پھر شیطان کو علم وجہ ارض کا شیطانی علم ہے جو نصوص سے ثابت ہے یہ شیطانی علم، حضور ﷺ کے واسطے صرف قیاس فاسد سے بلا کسی نص سے ثابت کرنا عظیم الشان کفر و شرک اور توہین نبوی ہے اور ظاہر ہے کہ شیطانی علوم سے ذات گرامی سید المرسلین ﷺ پاک و صاف تھی۔ البتہ رحمانی علوم کے ذرہ

زرہ کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو عطاء کیا ہے۔ بخلاف مرزا صاحب کے کہ وہ علوم دینیہ ایمانیہ میں اپنے کو حضور ﷺ سے افضل اور اعلیٰ جانتے ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب کجا کوئی بھی اول العزم نبی مقرب فرشتہ ان علوم میں آپ سرور کائنات سے افضل کیا مساوی بھی نہیں ہو سکتا اور یہی عقیدہ ہے۔ مولانا غلیل احمد صاحب کا اسی (براہین قاطعہ ص ۳) پر تحریر فرماتے ہیں۔ پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر و دو عالم ﷺ کے تقرب و شرف و کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا۔

اس مخصوص عبارت کے اور اس بہتان عظیم کے متعلق حضرت مولانا سے خود دریافت فرمایا گیا ہے۔ سوال اور جو جواب مرحمت فرمایا بخندہ درج ذیل ہے: ”بخدمت شریف مخدوم مکرم جناب مولانا مولوی غلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ساکن امپٹھ دامت برکاتہم بعد عرض تحیہ ماثورہ عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی حسام الحرمین میں آپ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ابلیس کا علم نبی ﷺ سے زیادہ ہے۔ امور ذیل دریافت طلب ہیں۔“

- ۱..... کیا اس مضمون کی آپ نے براہین قاطعہ یا کسی دوسری کتاب میں تصریح فرمائی ہے۔
- ۲..... اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم کے اشارہ و کنایہ بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں۔
- ۳..... اگر یہ مضمون صراحتہ مفہوم نہیں ہوتا اور نہ لزوماً مفہوم ہوتا ہے تو یہ معنی آپ نے مراد لئے ہیں یا نہیں۔
- ۴..... اگر یہ مضمون آپ نے نہ صراحتہ بیان فرمایا نہ کنایہ اشارہ آپ کے کلام کو لازم نہ آپ کی مراد تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا کہے کہ سرور عالم ﷺ کے علم سے ابلیس کا علم زیادہ ہے۔ اس کو آپ مسلمان جانتے ہیں یا کافر۔
- ۵..... جس عبارت کو خان صاحب براہین سے نقل کرتے ہیں اور اس مضمون مذکور کو اس کا مفاد صریحی بیان کرتے ہیں۔ اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے..... بیٹا تو جو را۔ (بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ)

مخلص عبارات جواب حضرت مولانا غلیل احمد صاحب مدنیو ضہم!

الجواب ومنہ الوصول الی الصواب۔ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے جو بندہ پر یہ الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم ﷺ سے علم میں زیادہ کہے۔ چنانچہ (براہین قاطعہ ص ۳) میں یہ عبارت موجود ہے۔ ”پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم ﷺ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا۔ اتھی!“ خان صاحب بریلوی نے مجھ پر یہ محض اتہام لگایا ہے۔ اس کا حساب روز جزا ہوگا۔ یہ کفر یہ مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی ﷺ سے زیادہ ہے۔ براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحتہ ہے نہ کنایہ۔

غرض خان صاحب بریلوی نے یہ محض اتہام اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مجھ کو تو مدت العز کبھی و سوسہ بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کیا کوئی ولی، فرشتہ آپ ﷺ کے علوم کی برابری کر سکے۔ چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو۔ یہ عقیدہ جو خان صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفر خالص ہے اس کا مطالبہ خان صاحب سے روز جزا ہوگا۔ میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک۔ ”و کفنی باللہ شہیداً“ اہل اسلام عبارات براہین کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ مطلب صاف اور واضح ہے۔ ”حردہ خلیل احمد و فقہ اللہ للرز و دلغد“

عدالت ملاحظہ فرمائے کہ یہ کیسا جھوٹ اور اتہام ہے۔ ہم اس کے متعلق کیا لکھیں۔ عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ یہ کس قدر اتہام ہے۔ جو شخص جس عقیدہ کو کفر کہے، اس کو اس کے ذمہ مڑھ دیا جائے کس قدر ظلم صریح اور تکفیر کا شوق ہے۔ جرح مدعا علیہ گواہ نمبر ۲،

مؤرخہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۳ء

اب یہ مسئلہ واضح ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ یہ بہتان صرف اپنا عیب چھپانے کے لئے تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہمارے اعتراض کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ مرزا صاحب نے ان امور دیدیہ میں ابن مریم اور دجال و یاجوج ماجوج کے متعلق حضور ﷺ کا علم اپنے علم سے کم اور اپنا رتبہ افضل بتا کر وہ عظیم الشان زہرہ گداز توہین کی ہے۔ جسے کوئی مسلمان بھی برداشت نہیں کر سکتا اور پھر اس کے بعد مدۃ العمر لاله الا الله محمد رسول الله پڑھتے رہیں۔ جب تک صاف لفظوں میں توبہ نہ کریں ایمان دار نہیں ہو سکتے۔

”انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (الفتح: ۱)“

قول مختار مدعا علیہ:

مختار مدعیہ نے (خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳) کی عبارت مندرجہ ذیل پیش کی ہے اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کے وقت سے لے کر ..... تا ..... سبحان الذی الایۃ اور اس نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ! مرزا صاحب نے آنحضرت کے فتح مبین کو نظر استخفاف سے دیکھا ہے اور اپنی فتح کو بڑا بتایا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نکالنا سراسر باطل اور خلاف منشاء متکلم ہے جس فتح مبین کی طرف آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں اشارہ کیا ہے، اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی اور بزرگان امت محمدیہ بھی ماننے چلے آئے ہیں اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر ایسی فتح اور غلبہ حاصل ہوگا جو پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ ان کا تو یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیح اور مہدی دیگر مذاہب والوں سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں ہوگا اسے تلوار کے گھاٹ اتاریں گے اور دنیا میں سوائے مذہب اسلام کے اور کوئی مذہب نہ ہوگا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک دین کے مقابلہ میں جبر کرنا مذہب اسلام کی رو سے جائز نہیں ہے۔ لیکن اتنا ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اسلام دلائل قاہرہ اور حج باہرہ کی رو سے تمام ادیان پر غالب آئے گا اور جن ممالک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت نہ ہوئی تھی، وہاں بھی شمس اسلامی طلوع کرے گا اور ظلمات میں زندگی بسر کرنے والوں کو بھی اپنی شعاعوں سے نورانی بنائے گا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ کرہ معمور کے لوگ اسلام کو اختیار کر لیں گے اور دنیا میں دیگر مذاہب کے پیروان کی قلیل تعداد میں رہ جائیں گے کہ وہ معدوم کے حکم میں ہوگا۔“

حسب عادت مختار مدعا علیہ نے غیر متعلق اور لال یعنی تاویلات سے طول دے کر وقت گزاری کی ہے اور اصل مسئلہ کو لاکر مطلب کو خط کرنا چاہا ہے۔ اس مسئلہ پر ہیڈنگ یہ تھا کہ: ”اپنی فتح کو رسول اللہ ﷺ کی فتح پر ترجیح دینا۔“ عدالت خود غور فرمائے کہ بلا کسی تاویل کے یہ مضمون مرزا صاحب کی عبارت اور ان کے ترجمہ سے واضح ہے اور جس کتاب کا حوالہ ہے یعنی خطبہ الہامیہ اس کا موضوع یہی ہے کہ اپنی فضیلت رسول اللہ ﷺ اور ان کے زمانہ پر ثابت کی جائے۔ اصل عبارت اولاً معہ مرزا صاحب کے ترجمہ کے ملاحظہ ہو۔

”وقد مضی وقت فتح مبین فی زمن نبینا المصطفیٰ وبقی فتح آخر وهو اعظم واکبر واطهر من غلبۃ اولیٰ وقد ران وقته وقت المسیح الموعود من الله الرؤف الودود و ارحم الراحمین والیہ اشار فی قوله تعالیٰ سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلان من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ ففکر فی هذه الایۃ ولا غر کاغافلین“

ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی اور وہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر کہ اس کا وقت مسیح الموعود کا وقت ہو اور اسی طرف خدائے تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ“ اس آیت میں فکر کرو اور غافلوں کی طرح مت گزرو۔“ (خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳، ۱۹۴، جزائن ج ۱ ص ۲۸۸، ۲۸۹)

اب عدالت خود ہی ملاحظہ فرماوے کہ مرزا صاحب کس فخر سے اپنے زمانہ کی فتح کو بزعم خود حضور کی اس فتح میں پرترجیح دے رہے ہیں جس کی شہادۃ باری تعالیٰ نے ”انا فتحنا لک فتحا مبینا (الفتح: ۱)“ دی اور ”الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم..... الخ! (المائدہ: ۳)“ سے اس کی رجسٹری کردی اس فتح میں کی عظیم الشان بشارت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی کو میسر نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ خود حضرت محمد ﷺ نے اس فتح کے وقت اعلان فرمایا کہ آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ اللہ کے گھر میں اس کی پرستش کی جاوے۔ تعجب ہے کہ چودھویں صدی کے مدعی نبوت اور مکفر امت جس نے چالیس کروڑ پرستاران تو حید اور غلامان سروردو عالم فخر بنی آدم ﷺ کو یک لخت صرف اپنے نہ ماننے کی وجہ سے کافر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ اپنے نہ ماننے والوں کو سوراخی ولد الزنا بنایا۔ ان کی عفت مآب مستورات کو کتیاں بنایا، اسلامی تو حید دنیا سے نابود کرنے اور شان رسالت محمدیہ ﷺ کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ علماء اسلام جو اس کی اس اسلام دشمنی کا پردہ بے نقاب کرتے ہیں، انہیں بد ذات فرقہ مولویاں اور گندے گندے خطابات عطاء کئے۔ غرض بجائے اسلام کی ترقی کے معدودے چند اپنے ہم نوا کفر نواز مسلمان باقی رکھ۔ باقی سب کو کافر اور بزعم خود دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ اپنے زعم باطل میں اسلام اور خدا کے مشن کو ٹھکست دی جو تیرہ سو سال میں کوئی بھی نہ دے سکا۔ اس پر ”ستم ظریفی کہ سروردو عالم فخر بنی آدم ﷺ کی فتح میں پر میری فتح بہت زائد راجح اور غالب و طاہر ہے۔ پھر مبین تک قناعت نہ کی بلکہ اللہ پر بھی افتراء اور بہتان باندھ کر کفر کی تکمیل کردی کہ میری اس فتح پر خدا نے ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلان من المسجد الحرام..... الخ!“ کی آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ جو شخص مسلمان کے گھر پیدا ہوا وہ جانتا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضور اکرم ﷺ کے معراج جسمانی کا بیان ہے۔ چونکہ خود مرزا صاحب اس کے منکر ہیں۔ اس لئے اس آیت میں وہی تو ہیں سروردو عالم ﷺ کا اشارہ بتا رہے ہیں کہ میری فتح حضور اکرم ﷺ کی فتح پر بہت زیادہ غالب و راجح ہے۔ اتنی واضح عبارت کے ہوتے ہوئے۔ مختار مدعا علیہ کی طول لا طائل تا ویلات قابل التفات ہی نہیں۔ علاوہ اس کے اس کا تو اقرار ہی ہے کہ مرزا صاحب کی فتح میں حضور فخر دو عالم ﷺ کی فتح پر غالب و راجح ہی ہے۔ ہاں! یہ تاویل کر رہا ہے کہ مسیح کے زمانہ کا غالب سب کے نزدیک اس سے بڑھ کر ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ! حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی فتح میں اور آپ کے بابرکت زمانے سے بڑھ کر کوئی بابرکت اور فتح و عزت کا زمانہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ خود ہی فرما رہے ہیں: ”خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم (بخاری شریف)“ میرا زمانہ تمام قرونوں سے بہتر ہے۔ پھر وہ جو اس کے قریب آئے۔ پھر وہ جو اس کے بعد آئے بس۔

حضور ﷺ وخلفاء راشدین کا زمانہ وہ تھا کہ ربع مسکون کے مراکز پر پرچم اسلام لہراتا تھا اور علاوہ دینی ترقیوں کے صاحب تخت و تاج تھے اور آج مسلمانوں اور اسلام پر جو مصائب و آلام ٹوٹ رہے ہیں۔ اس سے کوئی باخبر انسان ناواقف نہیں۔ جہاں سے کبھی اللہ اکبر کی صدا سنی آتی تھیں، وہاں آج گرجا کے ناقوس کی آوازیں آ رہی ہیں۔ مسجد اباصوفیہ اور اسپین کے صرف حالات پڑھنے اور تو خود بزعم خود مسیح موعود نصاریٰ کے مٹانے اور پرچم اسلام لہرانے اور اسلام ہی دنیا میں پھیلانے آئے تھے۔ تمام پرستاران تو حید کو اسلام سے بزعم خود خارج کر کے خود اور ان کے امتی نصاریٰ کے غلام بنے ہیں اور اس پر اس قدر نازاں ہیں کہ نصاریٰ کی تائید میں ستر الماریاں تصنیف کر کے بھردی ہیں۔ جب بغداد شریف مسلمانوں سے نکل کر نصاریٰ کے قبضہ میں گیا تو اس پر چراغاں کیا اور مبارک باد، خوشیاں منائیں۔ ملکہ معظمہ کو عیسائی سلطوت پر مبارک باد کا عریضہ لکھا کہ: ”یہ عریضہ مبارک بادی اس شخص کی طرف سے ہے کہ جو یسوع مسیح کے نام پر ہر طرح کی بدعتوں سے دنیا کو چھوڑنے آیا ہے۔“

(تخفہ قیصریہ ص ۱۲، خزائن ج ۱ ص ۲۵۳)

”جہاد جیسے پاکیزہ مسئلہ کو محض خوشنودی نصاریٰ اور گورنمنٹ برطانیہ کے واسطے خراب بتا کر ممنوع قرار دیا اور رسائل اس کے خلاف عربی و فارسی لکھ کر ممالک اسلامیہ میں صرف خوشنودی نصاریٰ کے لئے شائع کئے۔“ ملاحظہ ہو (کتاب البریہ ص ۷، خزائن ج ۱۳ ص ۷۷، ۸۷) نصاریٰ کی حکومت کو اللہ کی رحمت اور اس زمانہ کو مذہبی لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے بابرکت زمانہ سے بڑھ کر بتایا جس کی تفصیل آگے اپنی جگہ آئے گی۔ غرض یہ کہ تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کا زمانہ اور پھر خلفاء راشدین کا زمانہ ہر لحاظ سے بالاتر ظاہری و باطنی فتوحات سے پر ہے۔ اس سے بڑھ کر ناممکن ہے ہاں حدیث میں ہے کہ خیر القرون کے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں جھوٹ فریب شائع ہو جائے گا اور امانت کی جگہ خیانت رائج ہوگی۔ ”ثم یاتی من بعدہم قوم یخونون ولا یوقنون (بخاری شریف)“ پھر یہ درمیانی فتنے حضرت امام مہدی اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم کے ہاتھوں پر اختتام پذیر ہوں گے۔ یہ آج تک کوئی بھی نہ سمجھا کہ ان کا زمانہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اور ان کی فتوحات سرور عالم ﷺ کے فتوحات پر راجح ہوں گے یہ محض افتراء اور کذب خالص ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید کی (منصب امامت ص ۵۶) سے ٹکرا کاٹ کر پیش کیا۔ علاوہ اس کے قطع برید میں بہت کچھ اصل مطلب سے فوت ہو گیا۔ پھر بھی اس میں کہیں اس منحوس مضمون کا پتہ نہیں کہ امام مہدی کا زمانہ یا ان کی فتح آنحضرت ﷺ کے زمانہ کی فتح مبین پر راجح و غالب ہوگی۔ وہاں تو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق..... الخ! (الفتح: ۲۸)“ میں غلبہ دین و اسلام کا وعدہ فرمایا تھا وہ آپ کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوا۔ مگر یہ غلبہ ختم نہیں ہوا، بلکہ جاری رہا اور جاری رہے گا۔ جب تک دنیا ختم نہ ہو اور جب آخر زمانہ میں دنیا کے ختم ہونے پر امام مہدی ظہور فرمائیں گے تو چونکہ دنیا تمام ہو چکی ہے۔ ان کے ہاتھوں یہ غلبہ بھی انجام کو پہنچ جائے گا۔

یہ مختار مد عالیہ کا اپنا اختراع ہے کہ ان پر اختتام ہوگا۔ لہذا وہ پڑھ گئے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ”یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (الاعراف: ۱۵۸)“ حضرت مولانا شہید فرماتے ہیں کہ حضرت کی رسالت قیامت تک کے لوگوں کے لئے عام ہے۔ حضرت نے اپنے زمانے میں خود بلا واسطہ تبلیغ کی۔ پھر اس تبلیغ رسالت کا سلسلہ یو آئیو ما یو بڑھتا ہوا چلا گیا۔ گو بواسطہ خلفاء راشدین وائمہ مہدیین و علماء ربانیین و اولیاء امت جاری رہا۔ یہاں تک کہ زمانے کے ختم ہونے پر امام مہدی آ خر مبلغ اسلام پر سلسلہ تبلیغ ختم ہوگا۔ اس میں نہ معلوم کس طرح مختار مد عالیہ کو یہ نظر آیا کہ حضرت مولانا شہید امام مہدی کے زمانہ یا ان کی تبلیغ یا فتح کو رسول اللہ ﷺ کی فتح مبین سے بڑھ کر غالب اور راجح بتا رہے ہیں۔ محض اس مغالطہ کے لئے یہ عبارتیں نقل کر دیں تاکہ اس مغالطہ سے لوگ سمجھ لیں کہ اور بزرگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ حالانکہ بزرگ اس بدیہی بات کے خلاف کوئی منصف مزاج کافر اور دشمن بھی لب کشائی نہ کر سکے۔

قول مختار مد عالیہ:

اگر مختار مد عالیہ یہ سمجھ لیتا کہ نبی کے اتباع کے ذریعہ جو فتوحات اور دین کی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں وہ دراصل اس نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور اس میں اس نبی کی توہین نہیں۔ بلکہ تکریم و اعزاز ہوتا ہے، تو یہ اعتراض نہ کرتا۔

**الجواب:** اعتراض صرف فتوحات پر نہیں۔ گو فتوحات کیا ہوں، مرزا صاحب کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی جو تذلیل ہوئی۔ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں۔ سوائے چند اپنے مریدین کے سب مسلمان کافر اور ولد الزنا، دائرہ اسلام سے خارج اور سو بنا دیئے گئے۔ بے گناہ بیگناہ کتیاں قرار دی گئیں۔ کوئی خدا و رسول کی توہین نہیں جو ان دوست نما دشمنوں کے ہاتھوں عمل میں نہ آئی ہو۔ عیسائیوں کو گندی گالیاں دے کر مجبور کیا کہ باقی اسلام اور ازواج مطہرات پر وہ ناپاک حملے کریں۔ وغیرہ وغیرہ!

اعتراف تو صرف یہ ہے کہ کبھی کسی امتی کی فتح اس کے نبی سرور دو عالم ﷺ کے اس فتح مبین سے بڑھ سکتی ہے۔ جیسے باری تعالیٰ نے ”انا فتحنا لک فتحنا مبینا (الفتح: ۱)“ کے شان دار الفاظ میں ذکر فرمایا۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے فتوحات ایک پلہ میں رکھے جائیں اور یہ ”انا فتحنا لک..... الخ!“ کی فتح مبین جس میں اللہ کا گھر ہمیشہ کے لئے بتوں اور شیطانی تسلط سے پاک کیا گیا۔ ایک پلہ میں رکھا جائے تو وہی راج اور غالب رہے گا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے فتوحات میں سے ادنیٰ درجہ کی فتح بھی تمام عالم کے فتوحات پر راج اور غالب ہے۔ مگر جن کے قلب سے باری تعالیٰ سرور دو عالم کی عظمت سلب کر کے اس عظمت عظمیٰ و نعمت علیاء سے محروم کر دے وہ اس حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ آخر ابو جہل و ابولہب پر شان محبوبیت کو پوشیدہ ہے۔ خدا کا فیصلہ ہے کہ قیامت تک دارثان محمدی اور پیروان بولہبی کی جنگ جاری رہے گی۔

باقی (خطبہ الہامیہ ص ۲۰۰، خزائن ج ۱۶ ص ۲۹۷) سے جو ایک ٹکڑا کاٹ کر پیش کیا ہے۔ میں عدالت کی توجہ اس طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ وہ خود پورا صفحہ بلکہ ما قبل اور مابعد کو ملاحظہ فرمائے کہ اس میں تعریف کجا اور توہین نکلے گی۔ پیش کردہ عبارت سے پہلے (ص ۲۰۰) پر بھی یہی موجود ہے۔ ”اس لئے خدا کے نزدیک اس کا (یعنی مرزا غلام احمد صاحب کا) ظہور نبی مصطفیٰ کا ظہور مانا گیا ہے اور اس کا زمانہ رسول کریم کے زمانے معراجی کا منہا اور اخیر لورئی کی روحانی تجلی کا آخری سرشار کیا گیا ہے۔“ عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ مرزا صاحب نے اپنا ظہور بعینہ حضور ﷺ کا ظہور اور اپنا زمانہ خود حضور ﷺ کے زمانہ کا منہا اور تجلیات کا آخری سر اقرار دیا ہے۔ کیا اس سے اور بھی بڑھ کر کوئی فضیلت موجب توہین ہوگی۔ کہاں آنحضرت ﷺ کا ظہور، کہاں مرزا غلام احمد صاحب اور کہاں ان کا زمانہ معراج زمانی اور کہاں یہ چودہویں صدی، سوائے کفر و شرک کے اور کیا ہے؟ غرض یہ کہ عنوان بھی درحقیقت لا جواب ہے۔ گو غیر متعلق اس قدر باتیں مختار مدعا علیہ نے پیش کر دیں۔ مگر جب تک مرزا صاحب کا رجوع صاف لفظوں میں اس کفریہ عقیدہ سے پیش نہ کیا جاوے کسی تاویل سے مرزا صاحب کا ایمان محمد رسول اللہ پر ثابت نہیں ہو سکتا۔

## آنحضرت ﷺ کی خصوصیات

قول مختار مدعا علیہ:

مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے مندرجہ ذیل دس الہامات کا ذکر کیا ہے۔

..... ۱ ”هو الذی ارسل رسولہ بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ“

..... ۲ ”انا اعطیناک الکوثر“

..... ۳ ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا“

..... ۴ ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“

..... ۵ ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ“

..... ۶ ”وما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی“

..... ۷ ”وما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی“

..... ۸ ”ماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم“

..... ۹ ”لولاک لما خلقت الافلاک (الحديث)“

..... ۱۰ ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ“

ان الہامات کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا کہ ان میں جن مقامات اور مراتب کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات ہیں اور جو ان خصوصیات کا انکار کرے۔ اس کا آنحضرت ﷺ پر ایمان کیسا۔ وہ اگر ہر مرتبہ بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو قابل قبول نہیں۔

سوان تمام امور کا جواب گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے بیان میں مفصل مذکور ہے اور اس میں ائمہ اور اکابر اولیاء امت محمدیہ کے اقوال سے ثابت کیا گیا کہ اگر کسی پر ان آیات کا القاء ہو جن میں سے خاص آنحضرت ﷺ کو خطاب ہو تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا کہ وہ مرتبہ بطریق وراثت جس لائق کہ ملہم ہے۔ علی حسب المنز لہ اس کو نصیب ہوگا اور اس امر وہی میں وہ آنحضرت ﷺ کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔ اس لئے ملاحظہ ہو (بیان مطبوعہ گواہ نمبر ۱ مدعا علیہ)

اؤلاً بیان مطبوعہ کوٹ نہیں جس کا حوالہ ہے۔ اکثر جگہ کا نا گیا ہے اور اس بحث میں اکثر حوالے اسی سے ہیں جو اصل ریکارڈ میں نہیں۔ جیسا کہ آخر میں آئے گا۔

دوسرے مختار مدعا علیہ نے حسب عادت مغالطہ کے لئے ان خصوصیات کے دلانے کی انتہائی کوشش کی ہے اور بلاوجہ قبل از وقت اس جگہ اس بحث کو اٹھا دیا ہے کہ کسی کو قرآنی آیات الہام ہو سکتے ہیں یا نہ حالانکہ قرآنی آیات کا الہام ہونا اور امر ہے جس کی مفصل بحث اپنی جگہ پر آئے گی اور خصوصیات محمدیہ ﷺ میں کسی غیر کو شریک مان کر نہ صرف خصوصیات محمدیہ ﷺ بلکہ ان کے واسطے سے اصل ذات و شان محمدیہ اور ان کی رسالت کا انکار اور امر ہے۔ صرف مدعا علیہ ہے کہ ان آیات مثلاً: ”انا اعطیناک الکوثر (الکوثر: ۱) عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (اسراء: ۷۹) وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷) لولاک لما خلقت الافلاک“ وغیرہ! کے مصداق صرف سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ ہیں اور یہ خصوصیات ہیں جن میں آپ کا شریک کائنات عالم میں کوئی نہیں نہ جبرئیل و میکائیل اور نہ ملائکہ مقررین، نہ اولیاء اولوالعزم اور نہ انبیاء علیہم السلام۔ کسی کو شریک ماننا صرف شرک فی الرسالت نہیں بلکہ سرے سے آپ کی خصوصیات کا انکار کر کے آپ کی رسالت ہی کا انکار کرنا ہے جس کے بعد کوئی کتنی ہی مرتبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان پر لائے۔ کلمہ پر ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

یہاں مندرجہ بالا امور تفتیح قابل بحث ہیں۔

..... ۱ کیا کسی شخص کی خصوصیات کا انکار مستلزم اس کے انکار کو ہے۔

..... ۲ کیا مندرجہ بالا دس (۱۰) القابات و خطابات خصوصیات محمدیہ ﷺ سے ہیں۔

..... ۳ کیا مرزا صاحب کے علاوہ کسی نبی ولی فرشتہ نے اپنے کو ان آیات کا مخاطب اور ان القابات خصوصی میں کسی طور پر اپنے کو یا کسی کو شریک و سہیم مانا ہے۔

الجواب:

..... ۱ کیا کسی شخص کے خصوصیات کا انکار مستلزم اس کے انکار کو ہے۔ اس کے ثبوت میں میں نے تمہیدی طور پر گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ

۲ مارچ ۱۹۳۳ء کا حوالہ پیش کیا تھا کہ خصوصیات نبویہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور انکار خصوصیات انکار ذات ہے۔ اصل الفاظ ملاحظہ

ہوں۔ ”خصوصیات نبویہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، انکار خصوصیات انکار ذات ہے۔“ (جرع گواہ نمبر ۱، مؤرخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء)

بجز اللہ! یہ تفتیح ثابت اور مسلم ہے لہذا اس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔



۲..... کیا مندرجہ بالا دس القابات و خطابات خصوصیات محمدیہ سے ہیں۔“ اصل بحث مخصوص لانا القابات اور انہیں خصوصی خطابات میں ہے نہ کہ ان کا وہ مفہوم جو اپنے الفاظ میں توڑ موڑ کر ڈالا ہے اور مخصوص ان امتیازی خصوصیات و القابات و خطابات کا مخاطب و مصداق صرف سید المرسلین ﷺ کا ہونا، ایسا بدیہی امر ہے کہ کسی مسلمان کے رو برو اس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ کون نہیں جانتا: ”لولاک لما خلقت الافلاک۔ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷) انا اعطیناک الکوثر (الکوثر: ۱) عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (اسراء: ۷۹)“ وغیرہ! صرف حضور ﷺ کو خطاب ہے اور حضور کے سوا اس خصوصی انداز میں کسی نبی یا ولی کو خطابات نہیں کئے گئے۔ مگر اس چودھویں صدی کے مدعیان نبوت کے دور کی ایک یہ بھی بواجبی ہے کہ ان بدیہات پر بھی دلائل پیش کرنے پڑتے ہیں۔

مختار مدعا علیہ نے ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں لا کر معاملہ کو رولانے کی ناجائز سعی انتہا کو پہنچادی۔ مگر بجز اللہ ایک حوالہ ضعیف سے ضعیف بھی ایسا پیش نہ کر سکا جس میں مخصوص ان القابات و خطابات سے کسی اور نبی یا ولی کو خواہ بذریعہ ابہام خاص ہی سے نوازا گیا ہے۔ کسی بزرگ کا اس مقام سے فیض حاصل کرنا اس سے اپنے قلب کو منور کرنا اور چیز ہے، مگر ان خطابات و القابات مخصوصہ کا مصداق و مخاطب ہونا اور بات ہے۔ اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام بعض خدا کی صفت و قدرت سے فیض پاتے ہیں۔ بعض صفت خالق سے بعض صفت تزیق سے، مگر وہ مصداق قدیر اور خالق اور رازق تو نہیں ہو جاتے۔ بعض باری تعالیٰ کے مقام جلال سے وابستہ ہوتے ہیں۔ بعض صفت جمال سے مگر اللہ کے جلال و جمال کے مصداق یا اس کے شریک و سہیم نہیں کہلاتے نہ ان خدائی القابات کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مفصل بحث تو لقب کے تحت میں علیحدہ علیحدہ آئے گی۔ اس جگہ عموماً بحث میں مختار مدعا علیہ نے غیر متعلق حوالوں سے مغالطہ دینا چاہا ہے اولاً اسے بے نقاب کرتا ہوں۔ مختار مدعا علیہ نے نتیجہ کے طور پر اپنے مطبوعہ بیان کے حوالے دے کر لکھا ہے کہ ان صفحات میں اس امر کی تائید میں کہ مقام محمود وغیرہ مراتب میں اولیاء اللہ کو حصہ ہے اور اولیاء امت بھی بطریق وراثت اس میں آپ کے شریک ہو سکتے ہیں۔

**الجواب:** ان کے پیش کردہ حوالہ جات کی حقیقت تو آگے معلوم ہو جائے گی۔

اولاً صرف یہ گزارش ہے کہ ان مقامات سے اولیاء اللہ کو حصہ ملنا اور ان کا اس سے وابستہ ہو کر فیض حاصل کرنا اور چیز ہے اور ان القابات و خطابات کا مصداق و مخاطب ہونا اور امر ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ ان مقامات سے فیض حاصل کرنا ایسا ہی ہے، جیسے ذات محمدیہ ﷺ سے فیض کا حصہ لینا ہے۔ مگر ذات محمدیہ سے فیض اور حصہ لینے والا عین محمد ﷺ تو نہیں ہوتا۔ اس طرح ان مقامات سے حصہ لینے والا ان خطابات کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

غالباً مختار مدعا علیہ صوفیائے کرام کے مشاغل اور ذکر اور اشغال سے نا بلند ہے۔ صوفیائے کرام کے بیان مختلف استعاروں کے لحاظ سے مختلف مراتب سے تعلیم ہوتے ہیں، کوئی مقام فناء کا مراتب ہے، کوئی مقام جہاد کا، کوئی مقام ابراہیمی کا، کوئی موسوی کا، کوئی عیسوی کا، کوئی مقام محمود کا، کوئی مقام دنا قندی کا اور ان سے حصہ ملنے کا یہ مطلب ہے کہ یہ مقامات سالک پر منکشف ہو جائیں اور ان کے خصوصی فیض سے اس کا قلب منور ہو جائے کہ ان خصوصی قرآنی امتیازی خطابات و القابات کے مستحق یا شریک و سہیم ہوں گے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل پانچ حوالہ مختار مدعا علیہ نے پیش کئے ہیں۔ (۱) شرح مشنوی بجز العلوم، (۲) ہدیہ مجددیہ، (۳) فتوح الغیب، (۴) دیوان معین، (۵) شرح فصوص الحکم۔ اس میں حوالہ نمبر ۲ وہ ہے کہ جرح میں ہر دو گواہ نہ وہ کتاب پیش کر سکے، نہ اس کے مصنف کا نام، نہ مذہب بتا سکے، نہ وہ کوئی مسلم قابل اعتماد کتاب ہے۔ اس کے مصنف ایک معمولی شخص وکیل احمد سکندر پوری ہیں۔

یونہی ہے حوالہ ۳ بھی خصوصاً الحکم ایک غیر متعارف شرح کا حوالہ ہے صوفیائے کرام کے نزدیک دوسرے شروح کی طرح مسلم و معتبر نہیں اور نہایت قطع و برید سے پیش کیا ہے۔ باوجود اس کے کسی ایک حوالہ میں یہ نہیں کہ ان مخصوص مذکورہ بالا القابات و خطابات سے اسی انداز پر کسی نبی یا ولی کو نوازا گیا ہو۔ لہذا میرے یہ تمام اعتراضات بالکل بدستور لا جواب ہیں۔

تفصیلی جواب: حوالہ نمبر ۱ شرح مشنوی مولانا روم

پس در آورد کارگہ یعنی عدم تاہ بنی صنع و صانع را بہم

کی شرح میں مولانا عبدالعلی صاحب بحر العلوم نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مقام فناء صفات کا ہے جو حدیث قرب النوافل میں بیان ہوا ہے کہ خدا بندے کا کان آنکھ ہو جاتا ہے اور دوسرا مقام فنائے ذات ہے اور تیسرا مقام جمع الجمع وقاب قوسین اور مقام کمال ہے جیسا کہ آیت: ”ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (الفتح: ۱۰)“ سے ظاہر ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں اور چوتھا مقام مقام احدیت جمع اور اس کو مقام ادنیٰ کہتے ہیں (یعنی خدا سے بہت ہی قریب) جو کہ آیت: ”و ما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی (الانفال: ۱۷)“ میں بیان کیا گیا ہے یہ لکھ کر فرماتے ہیں: ”و ایں مقام باصالت خاص بخاتم النبیین است بورا ثت و کمال متابعت و اکمل اولیاء را ازین حظے است (مثنوی دفتر دوم حاشیہ ص ۷۷) کہ اگر یہ مقام اصل میں تو خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ مگر بطور وراثت اور کمال پیروی آنحضرت ﷺ کے اولیاء کو ان مقامات سے حصہ ملتا ہے۔“ (منقول در بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱) عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ اس میں مذکورہ بالا دس القابات و خطابات محمدیہ مثلاً: ”لو لاک لما خلقت الافلاک۔ انا

اعطیناک الکوثر۔ و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔ عسیٰ ان یبغضک ربک مقاما محموداً“ وغیرہ سے کسی ایک خطاب یا لقب کا مخاطب علاوہ ذات محمدیہ ﷺ کسی کو نہیں بتایا گیا نہ کسی کو ان امتیازی خصوصیات مذکورہ میں شریک و شہیم مانا ہے۔ یہاں تو صوفیائے کرام کے مشاغل و مراقبات قرب خداوندی کے مدارج و مقامات مثلاً فنائی الذات، و فانی الصفات اور مقام جمع الجمع جس کا دوسرا نام مقام کمال اور مقام احدیت جمع کا دوسرا نام مقام ادنیٰ ہے۔ چار مقامات کا ذکر ہے۔

کون نہیں جانتا کہ سا لک مقام ذات میں عین ذات باری اور مقام صفات میں عین صفت خداوندی، یوں ہی مقام احدیت میں اللہ واحد نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں فنا ہو کر ان کی تیر اور حقیقت تک بقدر طاقت بشریہ رسائی کر لیتا ہے۔ یا وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہ انتہائی تقرب کے مقام تک حقیقی اور اصلی رسائی تو محبوب و دو عالم ﷺ کے سوا کسی کو میسر نہیں ہو سکتی۔ البتہ آپ کے خدام اور کامل اولیاء اللہ کو آپ کے صدقہ میں کچھ حصہ بقدر مراتب ان مقامات فنا در فناء سے ضرور مل جاتا ہے۔ ورنہ اصل تقرب خداوندی تو صرف محبوب خدا ہی کو حاصل ہے۔ اب اس بحث کو اصل مدعا یعنی خصوصی القابات میں مشارکت سے کس قدر ربط و تعلق ہے، اسے میں عدالت کے امتیاز خصوصی پر چھوڑتا ہوں۔

حوالہ نمبر ۲ ہدیہ مجددیہ:

”و هو المقام المحمود الذی لا یشارک فیہ لہ من الانبیاء و الرسل و الاولیاء امتہ“ (ہدیہ مجددیہ ص ۷) میں اولاً عرض کر چکا ہوں کہ ہدیہ مجددیہ ہماری غیر مسلم کتاب ہے اور اس خوف سے باوجود پیہم مطالبہ کے نہ کتاب پیش کر سکے اور نہ اس کے مصنف کا نام بتا سکے۔ پس ہم اگر چہ اس کے جواب کے مکلف نہیں۔ مگر صرف اس لئے کہ شاید شائع ہونے پر بندگان خدا کو اس سے مغالطہ ہو۔ جواب بھی عرض ہے۔

..... ”مقام محمود“ یعنی مرتبہ ستائش میں گفتگو نہیں، بلکہ گفتگو صرف اس میں ہے۔ آیت کریمہ: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً (اسراء: ۷۹)“ کا مصداق اور مخاطب کون ہے۔ مگر ہدیہ مجددیہ کی عبارت میں کوئی تا نہیں سکتا کہ آیت مذکورہ کا مخاطب آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نبی و ولی ہو سکتا ہے۔ بخلاف اس کے قرآن پاک و احادیث نبویہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اس آیت کریمہ کا خطاب صرف نبی کریم ﷺ کو ہے اور یہ آپ کے ایسے خصوصیات میں سے ہے جس میں اولین و آخرین میں سے کوئی نبی یا ولی شریک نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم: ”ومن اللیل فتهجد بہ نافلة لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً (بنی اسرائیل: ۷۹)“ یہ آیت اپنے سیاق و سباق کے رو سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے اور اس کا خطاب ہی صرف آپ ہی کو ہے۔ تمام قرآن پاک اور احادیث، آثار صحابہ، اقوال ائمہ اور بزرگان دین کے ارشادات میں کہیں اس خصوصی لقب اور آیت کا استعمال کسی اور نبی، ولی، فرشتہ کے واسطے نہیں کیا گیا۔

ہاں! مقام محمود کا مراقبہ صوفیائے مانا ضرور ہے۔ مگر وہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ مقام فنا اور مقام دنی وغیرہ جس کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ سالک پر اس کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور اس کے فیوض و برکات کا اس کے آئینہ قلب پر انعکاس اور پرتو پڑتا ہے اور یہی مطلب اولیاء اللہ کو مقام محمود سے حصہ ملنے کا ہے۔ ورنہ بتصریح قرآن حکیم یہ خطاب اور اس آیت کے مصداق نبی رحمت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کوئی بھی اس کا شریک و سہم نہیں، بلکہ اس میں کسی کو شریک و سہم ماننا شرک فی الرسالة ہے جس کے بعد کلمہ شریف کے جزو ثانی پر ایمان ناممکن ہے اور ہدیہ مجددیہ میں باوجود غیر مسلم ہونے کے اس آیت کا خطاب اور اس کا مصداق نبی کریم ﷺ کے سوا کسی اور کو قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ صرف مختار مدعا علیہ نے مغالطہ دیا ہے۔ اگر اس آیت کے خطاب اور اس کے مصداق میں کسی کو شریک مان لیا جاوے تو ان احادیث نبویہ کے خلاف ہوگا جو صحت و تسلیم میں اعلیٰ پایہ کی نہیں۔ ملاحظہ کے واسطے نمونہ اس کے متعلق مختصر فیصلہ دربار رسالت ﷺ پیش ہے۔

### مقام محمود کے متعلق سید الانبیاء ﷺ کا فیصلہ

..... ”عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ فاکیسی حلة من حلال الجنة ثم اقوم عن یمین العرش لیس احد من الخلاق یقوم لک مقام المحمود غیری“ (ترمذی شریف و مشکوٰۃ شریف باب فضل النبی ﷺ ص ۴۱۵) اس حدیث کے تحت میں لمعات میں شیخ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ مقام محمود ہے۔ پس صاف لفظوں میں واضح ہو گیا ہے کہ اس موعود مقام محمود میں کوئی بھی مخلوق میں ایسا نہیں جو اس پر فائز ہو سکے۔ سوائے ایک ذات گرامی آنحضرت ﷺ کے جو خاتم النبیین ہیں۔

۲..... بخاری شریف میں ایک باب پہلے باب: ”قولہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ یعنی صرف اس آیت کا خطاب اور اس کا مصداق قائم اور مخصوص کرنے کے واسطے مستقل باب باندھا۔ پھر ایک طویل مفصل حدیث نقل فرمائی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ ”یوم یبعثہ اللہ المقام المحمود“ یعنی وہ دن ہوگا کہ جس دن اللہ صرف اپنے حبیب کو مقام محمود پر فائز فرما دے گا۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۶)

۳..... بخاری و مسلم میں منفقہ احادیث موجود ہے جس میں مفصل شفاعت نبویہ کے ذکر کے بعد یہی آیت: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً (بنی اسرائیل: ۷۹)“ تلاوت فرما کر ارشاد ہے: ”وہذا المقام الذی وعدہ ربکم“

۴..... داری شریف میں اس مقام محمود کی تعریف میں یہ لفظ موجود ہیں۔ (باب الشفاعۃ مشکوٰۃ ص ۴۰۰) ”ثم اقوم عن یمین اللہ مقاما لیغبطن الاولون والآخرون“ (مشکوٰۃ ص ۴۹۳) یعنی مقام محمود خدا کے داہنے طرف ہے جو صرف مجھے ملے گا اور اس پر تمام اولین و آخرین، اگلے پچھلے بلا استثناء غنبط اور رشک کریں گے۔

۵..... اور اذان اور اس کی دعاء کی حدیث میں بھی مقام محمود کی تشریح اور صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ تخصیص کی تصریح کی ہے۔

## مرزا محمود صاحب خلیفہ قادیان کا فیصلہ

مختار مدعا علیہ اور اس کے گواہوں کے نزدیک کتاب اللہ اور کتاب الرسول سب مرزا صاحب کے اور ان کے خلفاء کے تابع ہے اور ان کے مقابلہ دراصل کسی آئینہ یا حدیث کو نہیں مان سکتے۔ ملاحظہ جرح گواہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء۔ لیکن مرزا محمود صاحب کی تمام تصانیف پر میرا ایمان ہے اور وہ سب کی سب بلا استثناء مسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء۔ لہذا میں ان کے خلیفہ ثانی کا فیصلہ پیش کرتا ہوں۔ اگر اس آیت کریمہ کا خطاب اور اس کا وعدہ صرف آنحضرت ﷺ کو ہے اور یہ حضور کو انعامات الہیہ میں سے ایک انعام عظیم ہے۔

”کیونکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا وہ مقام ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“، اگر ہمارا رسول کریم سے اس عظیم الشان درجہ کے ذریعہ سے تعلق قائم ہو، جسے اللہ تعالیٰ نے مقام عظیم کے طور پر آپ کے لئے وعدہ فرمایا ہے۔“

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں (اس سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے)

۱..... آیت: ”عسیٰ ان یبعثک ربک..... الخ!“ میں وعدہ الہی صرف آنحضرت کے واسطے ہے۔

۲..... یہ مقام محمود رسول کریم ﷺ کا بڑا مقام ہے۔

۳..... یہ مقام محمود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے بطور انعام عطا فرمایا۔

## نتیجہ

پس مختار مدعا علیہ کے نزدیک قرآن و حدیث قابل اسناد ہوں یا نہ ہوں۔ ان کے خلیفہ دوم صاحب یعنی مرزا محمود صاحب کا فیصلہ بہر حال ناطق ہوگا۔ اس کے بالمقابل ہدیہ مجددیہ کجا کسی نبی یا ولی کا فیصلہ قابل التفات نہیں۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ مقام محمود جس کا وعدہ ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ میں ہے۔ خصوصیات محمدیہ اور القاب مصطفیٰ سے ایک ایسا امتیازی طغریٰ ہے جس میں کسی کی بھی شرکت نہیں ہو سکتی اور کسی کو اس کا مخاطب سمجھنا۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے اس آیت کو چسپاں کیا ہے کہ خدائے مجھے فرمایا کہ اے مرزا صاحب ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ یہ ایسا کھلا ہوا شرک فی الرسالۃ و صریح توہین ہے جس کے بعد کلمہ شریک پر ایمان ممکن ہی نہیں۔

مختار مدعا علیہ نے مغالطوں کی بہت سعی کی، مگر کسی ایک نبی و ولی کجا، کسی عالم، صوفی کے قول سے بھی یہ پیش نہ کر سکا کہ اس نے اپنے یا کسی کے واسطے ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ کا استعمال حقیقی یا مجازی، اصلی یا ظاہلی اور بروزی کی طرح بھی جائز رکھا اور گفتگو صرف لغوی معنی کے لحاظ سے مقام محمود، یعنی قابل ستائش مرتبہ نہیں بلکہ مخصوص اس آیت: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ میں ہے یا اس کے معنی ”اراد اللہ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ میں۔ پس باوجود اس طویل تقریر کے مرزا صاحب کا کفر وارد اور دور نہ ہو سکا نہ ان کی بے ربط باتوں سے میری بحث کا کوئی بھی جواب ہو سکتا ہے۔

۱..... حوالہ شرح فضوض الحکم شیخ عبدالرزاق قاشانی کا ہے۔ فله المقام المحمود! (شرح فضوض الحکم مطبوعہ مصر ۵۳)

## الجواب:

۱..... اولاً یہ شرح کوئی معتبر شروح سے نہیں اور نہ ہی ہماری مسلم ہے۔

۲..... خود مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ علامہ امام عبدالوہاب شحرانی جن سے زائد شیخ اکبر کا کلام کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ نیز مرزا محمود صاحب خلیفہ قادیان مقام محمود آنحضرت ﷺ کے خصوصیات سے بتا رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو (یواقیت و انوار خلافت)

۳..... مختار مدعا علیہ اور گواہان مدعا علیہ نے فله المقام المحمود کا ٹکڑا دیدہ و دانستہ کاٹا ہے تاکہ بے ربط ہو کر مغالطہ کے لائق ہو سکے۔ ورنہ آیت: ”عسیٰ ان یبعثک ربک..... الخ!“ کا یہاں کوئی ذکر ہی نہیں، بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ امام مہدی کا ایک بڑا مرتبہ قابل تعریف ستائش ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آیت مذکورہ کا موعودہ مقام ان کو دیا جاسکتا ہے۔ یا وہ بھی اس کے مخاطب و مصداق ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہ حوالہ یہاں بالکل بے ربط ہے۔ اس میں ماہہ النزاع کے متعلق اشارہ تک نہیں۔

۴..... حوالہ فتوح الغیب کا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ انسان ترقی کرتے کرتے اس مقام پر ہو جاتا ہے کہ وہ ہر رسول و نبی و صدیق کا وارث ہو جاتا ہے۔ (فتوح الغیب مقالہ ۴۴، ص ۲۳)

الجواب: گو یہ ترجمہ نہیں بلکہ حاصل مطلب اور یہ بھی ماقبل و مابعد سے بے ربط قطع و برید اور خیانت سے پر ہے۔ تاہم مختار مدعا علیہ کو ذرہ برابر مفید نہیں، بلکہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مختار مدعا علیہ نے یہ غیر متعلق حوالہ کیوں پیش کیا۔ یہاں نہ تو مقام محمود یا خصوصیات عشرہ کا ذکر ہے۔ نہ کسی خصوصیات سے کسی نبی یا ولی کی شرکت کا تذکرہ یہاں تو صرف اس قدر ہے کہ انسان تمام تعلقات غیر اللہ چھوڑ کر جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہو جاتا ہے تو انبیاء و صدیقین کا وارث ہوتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ نبی کی وراثت نہ تو دینار و درہم میں ہے نہ کسی مقام کی مشارکت میں بلکہ وراثت انبیاء کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ نبیوں کے علوم سے فیضیاب ہو۔ اس پر سرکار مدینہ ﷺ کی خود شہادت پیش کرتا ہوں۔ ”ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء ولم یورثوا دیناراً ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر“

(مسند احمد، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم)

یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی وراثت دینار و درہم وغیرہ میں نہیں ہے ان کی وراثت صرف ایک علم میں ہے اور کسی شے میں نہیں۔ بس جس نے ان کا علم حاصل کیا اس نے ان کی وراثت کا بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ یوں ہی بخاری شریف میں باغ فدک کے سلسلہ میں ہے کہ ہم انبیاء کے گروہ کی وراثت کسی دینار و درہم میں نہیں جاری ہوتی، بلکہ صرف علمی وراثت ہے۔ علم کے سوا اور کسی شے میں وراثت انبیاء و رسل جاری ہی نہیں ہو سکتی۔

پس حضرت شیخ الطائفہ سید عبدالقادر جیلانی کے ارشاد کہ ہر نبی و رسول کا وارث ہو جاتا ہے۔ صرف اس قدر ہے کہ انبیاء و رسل کے علم سے بقدر مراتب حصہ پاتا ہے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا ہے۔

یہ کفر یہ مطلب ہرگز نہیں جو مختار مدعا علیہ لے کر عدالت کو مغالطہ دینا چاہتا ہے کہ ان کے خصوصی مراتب میں شریک و سہیم ہو جاتا ہے۔ ورنہ پھر ہر ولی کو سید الرسل، فخر بنی آدم، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، محبوب رب العالمین ماننا پڑے گا اور اسے مرزا صاحب کے مریدین تو تسلیم کریں گے۔ مگر کوئی مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو کسی مقرب سے مقرب کو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، محبوب خاص، سردار و عالم ﷺ کا شریک و سہیم تسلیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسے سخت ترین توہین بارگاہ رسالت کی خیال کرے گا۔

پانچواں حوالہ: (دیوان معین ص ۷۲)

ازیں حقیض دناءت چو بگذری شاید کہ تا دنی فندلی صعود خود بینی

**الجواب:** اس میں کہیں کوئی بھی اشارہ ماہہ النزاع امور کی جانب نہیں اور یہ شعر محض صوفیاء کرام کی اصطلاح سے ناواقفگی کی بناء پر یہاں مختار مدعا علیہ نے نقل کر دیا۔ ورنہ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں مقام فناء اور بقاء کا آخری مقام دنا قندلی ہے اور اس پر صعود سے مراد دنیوی تعلقات کا انقطاع اور رب العزّة سے تعلق کا انتہائی استوار ہونا ہے۔ اس سے یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عیاذاً باللہ! شریک و سہیم ہو جاتے ہیں۔ اس کی مزید تشریح کے لئے ردیف الباء کی پہلی غزل ملاحظہ ہو۔

نیز حضرت خواجہ صاحب فرقہ وجودیہ ہمہ اوست سے تعلق رکھنے والے ہیں جس پر ان کے مندرجہ ذیل اشعار درج ہیں:

کیسکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست      حریف خلوت ساقی انجن ہمہ اوست  
اگر بدیدہ تحقیق بگری دانی      کہ ناظر دل و منظور جان و تن ہمہ اوست  
ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس      کہ دار نیز ہے گفت کہ بار سن ہمہ اوست  
ز اعتبار گزر کن کہ ماومن ہمہ اوست

(دیوان معین ص ۱۳)

من نمیگویم انا الحق یار میگوید گو      چوں گویم چون مرا دلدار میگوید گو  
خواہ اس پیش کردہ شعر کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو۔  
اگر پچشم حقیقت وجود خود بینی      قیام جملہ اشیاء بود خود بینی  
پیش کردہ شعر کے بعد تیسرا شعر ہے کہ:

بہ بند دیدہ زاعیمان کہ تاز عین عیام      وجود دوست چو جان وجود خود بینی  
اور مرزا صاحب صوفیاء کرام کے وحدۃ الوجود سے بالکل دور اور علیحدہ ہیں۔ بلکہ اسے اچھا ہی خیال نہیں کرتے اور اپنے خدائی دعویٰ کی بنیاد بھی اس پر رکھنا پسند نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام۔ پس مرزا صاحب کے کلام کی تائید حضرت خواجہ غریب نواز کے کلام سے کرنا صرف خواجہ صاحب کے مشرب سے ناواقفگی بلکہ خود مرزا صاحب کے مذہب سے بھی ناواقفگی کا ثبوت ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شعر بھی مختار مدعا علیہ کے لئے مفید نہیں بلکہ مسئلہ تنازعہ سے بالکل بے ربط ہے۔

چھٹا حوالہ (کتاب الاثبات الالہام والبیحہ ص ۱۳۲، ۱۳۳، مؤلف مولوی عبدالجبار غزنوی) ”اگر الہام تا شریک سمجھا جائے گا۔“

**الجواب:**

۱..... مدعیہ اور اس کا گروہ مقلد حنفی ہے اور مولوی عبدالجبار غزنوی غیر مقلد وہابی بلکہ تقلید شخصی کے شرک سمجھنے والوں کے سرگروہ ہیں۔ لہذا ان کا کوئی حوالہ جب کہ ان سے اصولی اختلاف ہے ہم پر حجت نہیں جس طرح اسلامی قربانی یا روپنی تصانیف باوجود احمدی مصنف ہونے کے مختار مدعا علیہ نے تسلیم نہ کیا۔

۲..... مولوی عبدالجبار غزنوی کوئی بڑے عالم بھی نہیں۔ بلکہ اپنے زمانہ کے عالموں میں متوسط درجہ میں شمار ہیں۔

۳..... قرآن پاک و احادیث و اقوال بزرگان سے خصوصیت ثابت ہونے کے بعد مولوی عبدالجبار کا انکار محض لغو ہے۔

۴..... مولوی عبدالجبار نے اس سلسلہ میں جو آیات نقل کی ہیں وہ خصوصی القاب کی حد کی نہیں۔ گو ضمیر خطاب مخصوص ہو۔ بخلاف ہماری پیش کردہ آیات: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷) عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محموداً (بنی

اسرائیل: ۷۹)“ وغیرہ!

یہ آیات اور اس طرح خصوصی ”لولاک لما خلقت الافلاک“ وغیرہ خصوصی القاب ہیں۔ جب کہ دنیوی خطابات والقباب کسی دوسرے کے واسطے بتاویل استعمال کرنا بھی قانوناً جرم ہے تو خداوند تعالیٰ نے جو خطابات اپنے مخصوص حبیب، سید الانبیاء، فخر بنی آدم کو عطا فرمائے ہیں، وہ کیونکر دوسرے کے لئے استعمال ہو سکیں گے۔

ساتواں حوالہ (فتوح الغیب مقالہ ۲۸) ”تم ترفع الی الملک الاکبر فتخاطب بانک الیوم لدینا مکین امین“ یعنی جب تو مرتبہ فناء میں کمال کو پہنچ جائے گا تو تیرا خدا کی طرف رفع کیا جائے گا اور خدا تعالیٰ تجھے مخاطب کرے گا کہ: ”انک الیوم لدینا مکین امین“

**الجواب:** ”انک الیوم لدینا مکین امین“ کسی نبی کا خصوصی لقب خدا کا دیا ہوا نہیں بلکہ یہ وہ فقرہ ہے کہ عزیز مصر نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو جیل سے بلا کر فرمایا تھا کہ: ”انک الیوم لدینا مکین امین (یوسف: ۵۳)“ آج سے آپ میرے نزدیک باعزت اور امانت دار ہیں۔

پس نہ تو یہ باری تعالیٰ کا عطاء کیا ہوا خطاب ہے، نہ کوئی لقب نہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ لہذا یہ حوالہ اس جگہ بالکل بے ربط ہے۔

آٹھواں حوالہ: (مقامات امام ربانی مطبوعہ دہلی ص ۱۳۶)

”مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت شاہ محمد یحییٰ کے تولد سے پہلے حضرت مجدد صاحب کو الہام ہوا تھا۔ ”انسا نبشروک بغلام اسمہ یحییٰ“ اسی رعایت سے ان کا نام محمد یحییٰ ہوا۔

**الجواب:**

۱..... مقامات امام ربانی غیر مسلم کتاب ہے جو نہ حضرت مجدد صاحب کی تالیف ہے نہ ان کے کسی مستند خلیفہ کی بلکہ ان کے سلسلہ کے ایک مرید کی کتاب ہے جس میں ان کے کچھ حالات قلم بند ہیں اور اہل سلسلہ کے نزدیک اس میں رطب و یابس امور بھی ہیں۔

۲..... اس میں کوئی خصوصی لقب یا خطاب کسی دوسرے کے واسطے استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو ایک بیٹے کی بشارت دی گئی تھی۔ اس طرح حضرت مجدد صاحب کو بھی ایک بیٹے کی بشارت دی گئی اور بشارت کی مشارکت کا کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ خصوصی لقب اور خطاب کی شرکت کا سوال ہے۔ وہ اور انبیاء کے ساتھ نہیں بلکہ سید الانبیاء ﷺ کے ساتھ۔ کیونکہ اور انبیاء کے ساتھ تو علماء امت محمدیہ کو بھی ایک قسم کا ارتباط حاصل ہے۔ جب کہ خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ پس یہ حوالہ بھی امر متنازع ہے، غیر متعلق ہے۔

نواں حوالہ: (علم الکتاب خواجہ میر درد ص ۶۱)

”الحمد لله الذی جعلنی حاکماً فی المؤمنین ببرکة المحمدية الخالصة وقوة لنسبة التقرب مع الله ورسوله عليه الصلوة والسلام وامرني في قلبي بالهام الخاص ان احکم بینهم من احکام الله تعالى وادعهم الی الطريقة المحمدية بما انزل الله فی کتابه من الآيات التي هی الشاهدات البينات علی حقیقتک ولا تتبع اهواءهم واستقم كما امرت فان تولوا عن طریقتک الحق فقل حسبى الله. انما يريد الله ان یصیبهم بما وعدہ للفاسقين وان کثیرا من الناس لفاسقون. او حکم الجاهلية بیغون فی زمان یحکم الله باياته ما یشاء حسب رضاء فی رسوله محمد عليه الصلوة والسلام علی لسان المحمدين الخالصين ومن احسن من الله حکما لقوم

یوقنون واذا قيل لهم تعالوا الى ما انزل الله في القرآن واسمعوا كيف اقتبس بالايات وابلغكم دعوته الحققة دعاكم احد الى الان على هذا النهج المرضي وتعالوا الى رسوله واختاروا المحمدية الخالصة التي هي الطريقة الحققة قالوا حسبنا ما وجدنا عليه اباءنا من الطرق الاخر. اولو كان اباؤهم لا يعلمون شيئاً ولا يهتدون لهذا ما امرني الله ببيانه وحكمي ان احكم به بينكم فحكمت بحكمة بينكم بالقسط ان الله يحب المقسطين. واراني ربي آيته الكبرى واعطاني كلماته العليا واتاني هذا الكتاب وناداني بالخطاب حيث قال لي يا خليفة الله وبا آية الله اني شهدت بعبودتك فاشهد انت بالوہيتي وانك عبدى ومقبولى ومقبول رسولى، قلت يا رب اشهد ان لا اله الا انت واشهد انك على كل شئ شهيد. انت الہى ومعبودى وليس سواك مقصودى، انا عترة حبيبك وبضعة عند ليس بك وقال يا عبدالله ويا عارف بالله اني جعلتك مظهراً جامعاً لكل ظهورى الى. فاذهب باياتى الى كل مخلوقاتى ودعوتى من الجمع الالہى والجمع المحمدى فمن اطاعك فقد اطاع الله والرسول قلت يا رب قبلت جميع احكامك ودعوت الخلق الى دينك واسلامك فاهدہم الى والى ابى لاھديهم اليك والى رسولك وانت تهدي من تشاء وقال يا مورد الواردات ويا مصدر الآيات انا جعلناك اية للناس لعلهم يرشدون ولكن اكثر الناس لا يعلمون قلت يا رب تعلم ما فى نفسى ولا اعلم ما فى نفسك ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم وقال قل لو كانت الحقيقة زائدة مما كشفت على لاظهرها الله على لانه تعالى اكمل لى الدين واتم على نعمته ورضى لى الاسلام ديناً ولو كشف الغطاء ما ازددت يقيناً ان ربي لذو فضل عظيم“

اسی جرح میں گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے الفاظ ذیل بھی ملاحظہ ہوں۔ اس عبارت میں یہ فقرہ ہے: ”واسمعوا نبراً كيف اقتبس

بالايات۔ (ترجمہ) سنو میں کس طرح آیات سے اقتباس کرتا ہوں۔“

الجواب: اس کے خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔ اس میں کہیں یہ نہیں کہ آیات ان پر نازل ہوئیں بلکہ یہ تصریح موجود ہے کہ: ”واسمعوا كيف اقتبس بالايات“ سنو میں کیسے (بے تکلف) آیات قرآنیہ کا اقتباس کرتا ہوں اور اسی (علم الکتاب ص ۳) پر خود ہی اقتباس کی یہ تعریف فرماتے ہیں کہ: ”باید دانست کہ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ رامندرج در عبارت آوردن والفاظ ومعانی آنها نرا بدیگر حروف مطالب ربط وادان ویا بعض کلمات از ان نگاشتن و آنرا اعلامات و اشارت بر تماش داشتن صنعت اقتباس است۔“ والاقتباس هو ان يتضمن الكلام نظماً او نثراً شيئاً من القرآن او الحديث ودر كلام محققین و فصحاء“ ی آید کسی کہ واقف علم فصاحت و بلاغت است می داند واز انجا کہ بنیاد معارف و مطالب محمدیان خالص بر کلام اللہ واحادیث است و نور معرفت کہ ایشان مقتبس از مکتوٰۃ نبوة بہدایت ہادی علیم در رسول کریم اکثر جا ہا عبارت این متن و شرح ہمیں قسم است کہ اظہار مطالب بکلام اللہ واحادیث رسول او باربناط تمام بان مقام کردہ شدہ لهذا من فضل ربي على ما اقتبس من كلامه بلا تكلف وهو هداني الى هذا السبيل وذلك من آياته الباهرة وتائيداته الظاهرة وان فى ذلك لايات لاولى النهى والسلام على من اتبع الهدى وچہ جائے اقتباس از کلام اقوال کہ ادبجانہ سادات محمدیہ در تمام احوال شرف اقتباس و اتباع وادہ است وہمان ذات پاک ”لولاک لما خلقت الافلاک“ کہ عموماً باعث ایجاد ہمہ موجودات امت خصوصاً نیز علت ہستی و وجود ایشان ظاہراً و باطناً افتادہ است و تصریح این معنی برائے آن کردہ شدہ تا کلام جاہل ناواقف از حقیقت تصرف در آیت وحدیث نہ فہم۔ (جرح ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء) اس میں صاف تصریح ہے کہ کلام اللہ کے فقرہ اور



آیات بطور اقتباس کے اپنے کلام میں لائے ہیں۔ نیز (ص ۶۲) پر وا کتب الایات فی کتابک والفقہ الی الناس ثم تول منهم بالتجاهل العارف فانظرنا ما ذا یرجعون ”یعنی اور آیات کو اپنی کتاب میں لکھ اور اسے لوگوں کو پہنچا۔“ پس یہ آیات ان پر مکر نہیں اتریں بلکہ اللہ نے الہاماً یہ حکم فرمایا کہ قرآن کی آیات کا اقتباس کر کے اپنی کتاب میں لکھ کر لوگوں کو تبلیغ کرو۔

**الجواب:** اس سے مختار مدعا علیہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آیات قرآنیہ مکر الہاماً بزرگان دین پر نازل ہیں اور اس میں وہ ہی مخاطب ہوا کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

یہ بحث مفصل ان شاء اللہ تعالیٰ! وحی کے سلسلہ میں آئے گی۔ یہاں صرف اس قدر گزارش ہے کہ مختار مدعا علیہ کا یہ دعویٰ کہ آیات مندرجہ علم الکتاب الہاماً مکر ان پر نازل ہوئیں۔ محض حضرت خواجہ میر درد پر افتراء ہے اور بہتان ہے۔ جرح میں اس کے متعلق کافی مواد ہے جو اپنی جگہ پر آئے گا اور بہت کچھ بحث ابتدائی میں پیش ہو چکا۔ یہاں انہیں دونوں پیش کردہ کوٹیشنوں سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیات قرآن کی اتری ہوئی ہیں۔ قرآن ہی سے لے کر اقتباس کے طور پر یہاں مستعمل ہوئی ہیں، مکر الہاماً نازل نہیں ہوئیں۔

پہلے کوٹیشن کے ابتدائی الفاظ: ”ان احکم بینہم من احکام اللہ تعالیٰ وادعہم الی الطریقۃ المحمدیۃ بما انزل اللہ فی کتابہ من الآیات..... الخ!“

”یعنی اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ ان مسلمانوں میں اللہ کے احکام سے فیصلہ کیجئے اور طریقہ محمدیہ ﷺ کی جانب انہیں ان آیات سے دعوت دیجئے جو اللہ نے اپنی کتاب (قرآن پاک) میں نازل فرمائی ہیں۔“ ملاحظہ فرمائیں کس قدر صاف و صحیح عبارت ہے کہ جو قرآن پاک میں اتری ہیں ان کے ذریعہ سے دعوت طریقہ محمدیہ کی مسلمانوں کو دیجئے۔ یہ کہیں نہیں کہ الہاماً مکر آپ پر آیات مندرجہ ذیل اترتی ہیں۔ بلکہ تصریح ہے کہ اپنے وعظ و دعوت میں وہ آیات استعمال کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن میں اتاری ہیں۔ کس قدر عظیم الشان افتراء و بہتان ہے کہ مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ حوالہ میں یہ ابتدائی تمہید اور اس قدر واضح فیصلہ ہو اور پھر وہ اس عدالت کو مغالطہ دہی کی ناجائز سعی کرے۔ عدالت کے روبرو اس عظیم الشان کذب بیانی کے بعد اس کی گواہی یقیناً ساقط الاعتبار ہونی چاہئے۔

اور مرزا صاحب بھی فرماتے ہیں: ”جس کی ایک بات غلط ثابت ہو جائے۔ اس کی دوسری باتوں کا بھی اعتبار نہیں۔“ ملاحظہ ہو:

(چشمہ معرفت ص ۲۲۲، خزائن ج ۲۳ ص ۲۳۱)

دوسرے حوالہ کے ابتداء میں ہے: ”واکتب الایات فی کتابک“ قرآن کی آیتیں اپنی کتاب میں لکھو، پھر خدا کے ارشاد کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں: ”قال اللہ تبارک و تعالیٰ (اکذبتم بأیاتی..... الخ!)“ یہ سب امور تصریح ہیں اس امر کی کہ وہی قرآنی آیات ہیں جنہیں بطور اقتباس کے موقع محل پر خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنے مضمون میں چسپاں کیا ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے یہ خدمت رشد و ہدایت اختیار کی ہے نہ اپنی رائے سے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”جن آیات قرآنیہ کے متعلق خواجہ نے امرنی فی قلبی بالہام الخاص کہا ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان آیات کو آپ کے دل میں الہام کیا ہے۔ الخ!“ کس قدر سفید جھوٹ ہے۔ امرنی فی قلبی بالہام الخاص کے آگے وہ الہام خاص بھی مذکور ہے۔ مختار مدعا علیہ کے قیاس آرائی کی حاجت نہیں۔ ملاحظہ ہو: ”امرنی فی قلبی بالہام الخاص ان احکم بینہم من احکام اللہ تعالیٰ وادعہم الی الطریقۃ المحمدیۃ بما انزل اللہ فی کتابہ من الآیات..... الخ!“ یعنی میرے قلب میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ

نے یہ الہام فرمایا کہ ان لوگوں میں اللہ کے احکام سے فیصلہ کیجئے اور طریقہ محمدیہ کی طرف ان آیات کے ذریعہ سے دعوت دیجئے جو اللہ نے اپنی کتاب (قرآن پاک) میں نازل فرمائی ہیں۔

وہ تو وضاحت فرما رہے ہیں کہ اللہ نے مجھے صرف یہ حکم الہام خاص سے فرمایا کہ قرآن میں جو میں نے آیتیں نازل کی ہیں۔ ان کی بندگان خدا میں دعوت و تبلیغ کیجئے اور مختار مدعا علیہ یہ اٹکل مار رہا ہے کہ: ”اس سے مراد یہی ہے کہ خدا نے ان آیات کو آپ کے دل میں الہام کیا ہے۔“

اب یا تو دانستہ مغالطہ دیا یا سہو ہو گیا یا مختار مدعا علیہ کو اس عبارت کا ترجمہ معلوم نہ تھا۔ غرض حضرت خواجہ میر درد کا دامن تقدس اس افتراء سے پاک ہے۔

مختار مدعا علیہ نے ایک فقرہ اور مغالطہ کے لئے نقل کیا ہے: ”ولقد القی اللہ علی قلبی من آیات بینات مع انی لست بحافظ القرآن..... الخ!“

الجواب: یہ بھی مغالطہ ہے وہ محض یہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ نے قرآن کی آیتیں یاد کرا دیں۔ حالانکہ میں حافظ قرآن نہیں۔ پس میں ان کی دعوت و تبلیغ میں مصروف ہو گیا۔ اس کے حکم کے مطابق مصروف ہو گیا اور اب بلا تامل آیات قرآنیہ اپنے مضمون میں استعمال کرتا ہوں۔ زیادہ توضیح کے لئے (علم الکتاب ص ۶۰، ۶۴، ۶۵، ۱۱) جرح گواہ نمبر مدعا علیہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء پر ملاحظہ ہو۔ غرض یہ کہ یہ حوالہ بھی محض بے سود اور کھلا ہو مغالطہ ہے۔ مفصل بحث وحی والہام کے سلسلہ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

..... ”هو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ“ (حقیقت الوحی ص ۷۱، خزائن ج ۲۲ ص ۷۷) مختار مدعا علیہ نے حسب عادت اپنے الفاظ میں میرا مدعا نقل کر کے مطلب خبط کرنے کی ناجائز سعی کی ہے۔ میں نے صرف یہ عرض کیا تھا کہ یہ مذکورہ بالا آیت صرف آنحضرت ﷺ کے واسطے ہے نہ کسی اور نبی اور ولی کے نہ کسی کے واسطے اس کا ہونا ممکن ہے۔ میں نے اپنے دعویٰ کے دو حصے قرار دیئے تھے۔

الف..... اس کا مصداق صرف آنحضرت ﷺ ہیں نہ کوئی اور نبی و ولی۔

ب..... اس کا مفہوم یہ بتانا ہے کہ اس کا مصداق اور کوئی کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

دلیل

الف..... بحث میں مفصل قرآن و احادیث و اقوال بزرگان سے یہ تمام چیزیں مدلل کی گئی تھیں۔ چونکہ مجھے ان کا اعادہ منظور نہیں۔ لہذا صرف ایک آیت کے نقل پر اکتفاء کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں جہاں یہ آیت مذکورہ ہے اسی جگہ تصریح موجود ہے کہ اس کا مصداق صرف ذات گرامی سید المرسلین ﷺ ہیں۔ کیونکہ ”هو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ و کفی باللہ شہیداً (الفتح: ۲۸)“ میں ایک رسول کو بھیجنے اور اس کے دین کا تمام ادیان سابقہ پر فوقیت اور سب کا ناخ ہونے کا ذکر فرمایا۔ ممکن تھا کوئی ناواقف اس سے کوئی اور نبی و رسول یا ولی مراد لے لیتا۔ لہذا باری تعالیٰ نے اس کے متصل ہی اس کا مصداق نامزد فرما دیا کہ: ”محمد رسول اللہ..... الخ! (الفتح: ۲۹)“ یعنی وہ رسول جن کی اور جن کے دین پاک کی اوپر مدح کی گئی ہے وہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ پس اس آیت کا مصداق کسی طور پر کسی تاویل سے کسی اور کو قرار دینا علاوہ اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں شرکت اور حضور ﷺ کی سخت توہین ہے۔ اس نص قرآنی کا ہی انکار ہے جس میں نام پاک لے کر اس مصداق کی تعیین ہے۔ لہذا اس میں نہ صرف ایک بلکہ مستقل دو کفر ہیں۔

ب..... اس امر کا کہ اس کا مصداق کوئی اور ہونا ناممکن ہے۔ یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہدایت یعنی شریعت اور مستقل دین کے ساتھ بھیجا جو تمام دینیوں کا نسخ کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں اور مرزا صاحب کے امتیوں کا یہ منفقہ مسئلہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی شریعت اور دین جو سابق کا نسخ ہو، نہیں آسکتا۔ پس اگر اس کا مصداق کوئی حضور ﷺ کے بعد کسی طور پر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ صاحب شریعت ہو جائے اور اس کا دین ادیان سابقہ کا جس میں اسلام بھی شامل ہے، نسخ قرار دیا جائے جو بالاقاف کفر ہے۔ بہر حال اس آیت کا مصداق کسی اور کو ماننا نہ صرف ایک کفر بلکہ متعدد کفروں کو مستلزم ہے۔ مختار مدعا علیہ کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ”یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس میں دین اسلام کے دیگر ادیان پر غلبہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور یہی آیت مرزا صاحب پر بذریعہ الہام نازل ہوئی..... الخ!“

گویا مختار مدعا علیہ نے میرے مدعا کے اصول کو تسلیم کر لیا کہ اس آیت میں دین اسلام کے تمام ادیان پر غلبہ کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دین لے کر سوائے نبی آخر الزمان، سید الانس والجان ﷺ کے کوئی اور نہیں بھیجا گیا، نہ کسی نبی کو یہ فخر حاصل ہے، نہ کسی ولی و فرشتہ کو۔ نیز اس کے مصداق کو قرآن پاک نے محمد رسول اللہ کہہ کے متعین فرما دیا۔

پرمختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”اور یہی آیت مرزا صاحب پر بذریعہ الہام نازل ہوئی..... الخ!“، کھلا ہوا کفر کا اقرار ہے جو کسی تاویل سے ٹل نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ وہ آیت ہے کہ مرزا صاحب کجا کسی اور اولوالعزم نبی پر بھی نازل نہ ہوئی، بلکہ کسی اور نبی میں بھی اس کا نزول ماننا کفر ہے۔

ہدی اور دین حق کی مختار مدعا علیہ نے کچھ خود تاویلیں تصنیف کیں اور کچھ مرزا صاحب سے نقل کیں۔ مگر ایسی آیت جس کا مصداق قرآن پاک نے خود متعین فرما دیا ہے کسی اور کو قرار دینا خواہ کسی تاویل سے ہو، نص قطعی کا کھلا ہوا انکار اور قرآن پاک کلام الہی کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے، نہ صرف کفر بلکہ کفر علی کفر ہے اور اگر اس قسم کی تاویلات سے انسان خلاصی حاصل کر سکتا ہے تو پھر عیاذ باللہ! کوئی قرآن پاک کی تمام آیات متعلقہ توحید و صفات باری تعالیٰ و متعلقہ رسالت و خصوصیات محمد ﷺ اپنے اوپر اسی تاویل سے چسپاں کر سکتا ہے اور کسی قسم کا کفر نہ ہونا چاہئے۔ یوں توحید اور رسالت کا مسئلہ ہی دنیا سے ناپید ہو جائے گا۔ ہر شخص اپنے لئے خدائی صفات اور محمدی ﷺ القاب استعمال کرتا رہے گا۔ حالانکہ کوئی بھی مسلمان اس کے کفر و بغاوت ہونے میں متردد نہیں ہو سکتا۔

مختار مدعا علیہ نے (اربعین نمبر ص ۳۶، خزائن ج ۱۷ ص ۴۲) اور (سراج منیر ص ۳۶، خزائن ج ۱۲ ص ۴۲) سے مرزا صاحب کی کچھ تاویلات نقل کی ہیں کہ: ”خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔“ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن نے اس آیت کا مصداق محمد رسول اللہ کو قرار دیا ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے۔ مگر مرزا صاحب کہتے کہ: ”آیت قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہے۔“ بحوالہ سابق اب تو کسی جواب کی حاجت ہی نہیں، کیونکہ مرزا صاحب نے اسی قرآنی آیت کو اپنے حق میں مان لیا اور اپنے آپ کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ گویا الہامی پیرایہ میں سہی اور قرآن پاک کی نص قطعی ہے کہ یہ آیت ہر طرح سے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے۔ لہذا یہ اعتراض بالکل لا جواب رہا اور الہامی پیرایہ کی آڑ ہرگز سود مند نہیں ہو سکتی۔ رسول کی تاویل مامور فرستادہ مجعوث سے کرنا اور دین سے اس کا غلبہ دلائل سے مراد لینا کہ تمام باتیں دلائل پینہ کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گی۔ وغیرہ وغیرہ! یہ سب عذر گناہ بدتر اس گناہ سے زائد وقعت نہیں رکھتا۔

نیز اصل اعتراض تو صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت صرف آنحضرت ﷺ کے حق میں ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے اور مرزا صاحب اپنے حق میں بھی آیت قرآنی فرما رہے ہیں۔

پس کوئی بھی تاویل کی جائے۔ جب تک اس آیت کی خصوصیت آنحضرت ﷺ سے باقی ہے کسی اور کو مصداق ماننا ایسا اٹل کفر ہے جو زائل نہیں ہو سکتا اور خصوصیت کا انکار بالخصوص اس آیت کی خصوصیت مستقل ایک کفر ہے۔ کیونکہ یہاں خصوصیت نامزد کر کے نص قطعی سے ثابت ہے۔ کسی حدیث یا کسی بزرگ کے قول سے نہیں جس کے انکار کی گنجائش ہو۔

## مرزا اور مختار مدعا علیہ کے دو عظیم الشان بہتان

..... مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: ”(اس آیت میں) وہی پیش گوئی ہے جو ابتدا سے اکثر علماء کرتے آئے ہیں کہ یہ مسیح موعود کے حق میں ہے..... الخ!“

محض افتراء اور جھوٹا بہتان ہے۔ کسی عالم ربانی نے یہ آیت یا اس کی پیش گوئی علاوہ رسول اللہ ﷺ کے مسیح موعود کے حق میں نہیں بتائی۔  
..... مختار مدعا علیہ کہتا ہے کہ: ”اس آیت کے متعلق تفسیروں میں بھی مذکور ہے کہ اس آیت کے حقیقی مصداق اور اظہار دین علی الخائفین مسیح موعود اور مہدی مسعود کے وقت میں ہوگا۔“

یہ بھی محض جھوٹ اور افتراء ہے۔ کسی ایک اسلامی تفسیر میں یہ نہیں کہ اس آیت کا حقیقی مصداق مسیح موعود یا مہدی ہوں گے، بلکہ صرف آنحضرت ﷺ حقیقی مصداق بھص قرآن ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عدالت مرزا صاحب کا یہ فیصلہ ملاحظہ فرمائے کہ: ”ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔“ ایک حوالہ (منصب امامت ص ۵۶) نقل کیا ہے کہ: ”قال الله تعالى هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله (الصف: ۹)“ ظاہر است کہ ابتداءً ظہور دین در زمان پیغمبر ﷺ وقوع آمدہ و تمام آں از دست حضرت مہدی خواہد گردید۔“

اس میں کہیں اشارہ تک نہیں کہ اس آیت کے حقیقی مصداق مہدی ہوں گے، بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ غلبہ دین آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا اور یہ ختم نہیں ہوا بلکہ مذہب اسلام برابر ترقی کرتا رہے گا اور چار دانگ عالم میں اس کی اشاعت ہوتی رہے گی۔ حتیٰ کہ جب تک دنیا ختم ہوگی اور اس امت کے آخری مبلغ امام مہدی ظاہر ہوں گے تو چونکہ دنیا ختم ہے۔ دین بھی ختم ہوگا اور جیسا کہ حدیث میں ہے جب تک روئے زمین پر کوئی ایک متنفس بھی اللہ کہنے والا ہے قیامت نہ آئے گی، جب تمام اہل خیر و اہل اسلام ختم ہو جائیں گے اور دنیا میں صرف اشرار باقی رہ جائیں گے۔ ان پر قیامت قائم ہوگی۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ کتاب الفتن و اشرط السائتہ)

## خلاصہ جواب

اس آیت کے حقیقی مصداق صرف محمد رسول اللہ ﷺ بھص قرآنی ہیں۔ کسی نے بھی کسی اور کو اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیا، بلکہ کسی غیر کو اس کا مصداق بتانا کفر اور نص قطعی کا انکار اور نبی کریم ﷺ کے خصوصی مدارج میں شرک اور آنحضرت ﷺ کی سخت ترین توہین ہے۔ مرزا صاحب صرف اپنے حق میں اس آیت قرآنی کو قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو: ”اور مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله“ (اعجاز احمدی ص ۷، جزآن ج ۱۹ ص ۱۱۲) ماشاء اللہ! خدا تو صرف محمد رسول اللہ کو مصداق بنائے اور مرزا صرف تنہا آپ کو۔ مختار مدعا علیہ و دیگر اس کے ہم مذہب مرزا صاحب کو اس کا حقیقی مصداق بتاتے ہیں۔ لہذا مرزا صاحب اور ان کی امت کے کفر میں کسی شک کی ذرہ بھر گنجائش نہیں۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ میرے اصلی پوائنٹ کو نظر انداز کر کے مختار مدعا علیہ نے اس کے جواب میں صرف غیر متعلق امور پر اکتفاء کیا۔ پس میرا یہ اعتراض بالکل لا جواب رہا جو مرزا صاحب کے کفر کے واسطے کافی و وافی ہے۔

(۲)

(۱) عازا احمدی ص ۷، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳

”انا اعطیناک الکوثر“

اس آیت کریمہ اور ان الفاظ کا مصداق جو بھی لیا جائے۔ بلا اختلاف اس کے مخاطب صرف آنحضرت ﷺ ہیں۔ کسی اور کو اس لقب سے نوازا نامی کریم ﷺ کی سخت ترین توہین ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تفسیر

۱..... ”عن انس رضی اللہ عنہ انه ﷺ قال اتدرون ما الکوثر قلنا اللہ ورسوله اعلم قال فانه نہر وعدنی ربی هو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ (مسلم)“

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں کوثر کا پتہ ہے کہ کیا چیز ہے ہم نے عرض کی خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ ایک حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت وارد ہوگی۔

۲..... ”بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر۔ فی الاحادیث الصحاح هو نہر فی الجنة علیہ خیر کثیر ترد علیہ امتی یوم القیامۃ انیۃ عدد الکواکب..... الخ!“

(ترجمہ) تحقیق دیا ہم نے تجھ کو کوثر۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ وہ ایک نہر جنت میں ہے جس میں خیر کثیر ہے جس پر میری امت قیامت کے دن آئے گی جس کے برتن ستاروں کے شمار میں ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حوض، نہر، خیر کثیر سب کا حاصل ایک ہی ہے۔ کیونکہ اس حوض و نہر پر خیر کثیر فرماتے ہیں۔

ائمہ مفسرین کا فیصلہ

۱..... تمام مفسرین نے کوثر کا مصداق وہی حوض کوثر اور نہر کوثر قرار دیا ہے اور جنہوں نے کوثر سے خیر کثیر مراد لیا ہے وہ یا تو وہی خیر کثیر مراد لیتے ہیں جو حوض کوثر ہے یا دیگر خصوصیات نبویہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ جیسے کہ کمالین میں خیر کثیر کی تفسیر کی ہے کہ: ”من النبوة والقرآن والشفاعة ونحوهما مما اعطیه النبی ﷺ من الفضائل الدنیویۃ والاخریۃ“ کہ خیر کثیر سے حضور ﷺ کی نبوت قرآن شفاعت وغیرہ وہ فضائل دنیویہ اور اخرویہ مراد ہیں جو صرف آنحضرت ﷺ کو دیئے گئے ہیں۔ بہر حال اس آیت: ”انا اعطیناک الکوثر“ سے خطاب صرف آنحضرت ﷺ کو ہے اور بس۔ خواہ بمعنی حوض کوثر ہو جیسا کہ متبادر اور احادیث اور تفسیر سے ثابت ہے یا خیر کثیر کے معنی میں ہو۔ کیونکہ امام المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خیر کثیر کی تفسیر میں یہی خصوصیات نبویہ میں قرار دیتے ہیں: ”عن سعد بن جبیر عن ابن عباس قال الکوثر خیر الذی اعطاه اللہ“ کہ کوثر سے وہی خیر کثیر مراد ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کو (بلا شرکت غیرے) عطا فرمایا گئی تھی۔

پس جب کہ مرزا صاحب اسی آیت: ”انا اعطیناک الکوثر“ سے اپنے آپ کو مخاطب اور مصداق مان لیا خواہ وہ پھر از تاویل ہو، خصوصیت محمدیہ اور آپ ﷺ کے خطاب امتیازی اور لقب خصوصی میں شرکت یقیناً ثابت ہوگئی جو کھلا ہوا شرک فی الرسالۃ ہے اور جس کے بعد کسی طرح ایمان کلمہ کے جزو خیر محمد رسول اللہ پر نہیں ہو سکتا۔ اب مختار مدعا علیہ کی یہ تاویلات کہ مرزا صاحب نے کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے حوض کوثر دیا گیا۔ بلکہ کثرت یا خیر کثیر مراد لی ہے..... الخ! بے سود اور لغو ہیں۔ اعتراض کسی معنی خاص پر نہیں بلکہ صرف یہ ہے

کہ یہ خصوصی خطاب محمدی ﷺ ہے۔ اس میں کسی اور کی شرکت ایمانی کلمہ کے منافی ہے جس کا مختار مدعا علیہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ پس یہ دوسرا نمبر بھی لا جواب رہا۔

قول مختار مدعا علیہ:

”یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ جب کہ آپ کو یہ مولوی مسلمان سمجھتے تھے..... الخ!“

وہاں صرف آیات نقل کی ہیں کہ یہ اسلام کی حقانیت کے دلائل ہیں نہ اس وقت دعویٰ نبوت و رسالت تھا نہ اس کا مصداق اپنے کو قرار دیتا تھا۔ مسلمان اس مغالطہ میں تھے کہ ان کے مصداق آنحضرت ﷺ ہیں اور یہ رسالت محمدیہ کے دلائل ہیں۔ مگر جب نبوت سے مرزا صاحب نے پردہ اٹھایا اور اپنے کو محمد، احمد، رسول و نبی بنا کے ان کا مصداق قرار دیا تو نہ صرف علماء بلکہ تمام مسلمان و فرق اسلامیہ، عرب و عجم کے ان کی تکفیر کرنے لگے اور خود مولوی محمد حسین بنا لوی جنہیں مختار مدعا علیہ نے یہاں تائیداً پیش کیا ہے، تکفیر میں پیش پیش ہوئے اور بھی وجوہات موجب تکفیر قرار دیں۔ ملاحظہ ہو (اشاعت النسخ ج ۷، ص ۸) ”مرزا غلام احمد صاحب کا دینی زمانہ تالیف براہین احمدیہ کے پہلے آپ کی سوانح عمری کا میں تفصیلی علم نہیں رکھتا، مگر زمانہ تصنیف براہین سے جو جھوٹ بولنا، دھوکا دینا، آپ نے اختیار کیا ہے۔ خصوصاً ۱۸۸۶ء سے جب سے آپ نے الہامی بیٹا تولد ہونے کی پیش گوئی کی اور اس قسم کی اور پیش گوئیاں مشتہر کی ہیں علی الخصوص ۱۸۹۰ء سے جب سے آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مشتہر کیا ہے۔ اس سے آپ کی کوئی تحریر، کوئی تقریر، کوئی خط، کوئی تصنیف خالی نہیں ہے۔ اس پر قیاس ہو سکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں خصوصاً امتحان مختاری میں فیمل ہونے اور پھر عدالت میں سالہا سال اپنے مقدمات کرنے کے وقت آپ کا یہی حال رہا ہوگا۔“

خلاصہ

اعتراض صرف ”انا اعطیناک الکوثر“ کے خطاب میں شرکت پر ہے۔ جب تک مرزا صاحب اس خطاب میں آپ کو شریک ماننے میں خواہ کوئی بھی معنی لیں شرک بالرسالتہ رہیں گے اور کلمہ تو حید پر ایمان نصیب نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اوپر دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کا خطاب اور مصداق ہر معنی سے صرف آنحضرت ﷺ ہیں نہ کوئی اور۔ مگر مرزا صاحب اس کا مصداق صرف تنہا اپنے آپ کو بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (انجاز احمدی ص ۷، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳) کہ ”تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔“ پس علاوہ شرک کے آنحضرت ﷺ کے مصداق ہونے سے انکار ہے جو خلاف نص قرآن اور صریح کفر ہے۔

(۳)

”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“

قول مختار مدعا علیہ:

”مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی عدالت کو یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا مسیح موعود نے اس آیت قرآنی کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ مختار مدعیہ نے (دافع البلاء ص ۷، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۷) کا حوالہ دیا ہے اور (ص ۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۸) پر جو اس کا ترجمہ درج ہے: ”وہ دانستہ نظر انداز کیا ہے جس پر درحقیقت کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہے وہ وقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کروں گا کہ دنیا تیری حمد و ثناء کرے گی۔“ مرزا صاحب نے یہ معنی کئے ہیں۔

اس میں بھی حسب عادت پہلو بدل کر جواب دینا چاہا ہے۔ یہاں بھی معنی اور مطالب میں بحث و اختلاف نہیں بلکہ بحث صرف اس

قدر ہے کہ یہ خطاب ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً (بنی اسرائیل: ۷۹)“ صرف آنحضرت ﷺ کو ہے اور اوپر عمومی بحث میں ہیڈنگ ”آنحضرت ﷺ کی خصوصیات“ کے تحت میں مفصل گزر چکا کہ یہ خصوصی خطاب آیت مذکورہ صرف آنحضرت ﷺ کے واسطے ہے۔ اس میں کوئی نبی دلی شریک نہیں، قرآن پاک کا سیاق و سباق بھی اس تخصیص کو ثابت کرتا ہے۔ احادیث بخاری و مسلم و دیگر صحاح اس کی شہادت میں پیش کر چکا ہوں کہ اس آیت کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہی ہیں اور یہ مقام موعود صرف ایک ہی شخص کو ملے گا، کوئی دوسرا حقدار و شریک و سہم نہیں اور وہ صرف ذات گرامی سید الانبیاء ﷺ ہے۔ احادیث نیز تفاسیر میں اس کی وجہ تسمیہ بھی مذکور ہے کہ جب آپ باری تعالیٰ کی دائیں جانب کھڑے ہو کر شفاعت کبریٰ فرمائیں گے جس سے تمام انبیاء سابقین انکار اور نفسی نفسی کہہ چکے ہوں گے۔ اس وقت آپ اس مقام شفاعت پر کھڑے ہوں گے۔ جسے مقام محمود کہتے ہیں اور تمام اولین و آخرین آپ کی حمد کریں گے اور یہی مراد وعدہ ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ سے ہے۔ مرزا صاحب نے اس خصوصی مقام محمود اور اس آیت کے خطاب میں اپنے آپ کو بھی شامل کیا ہے جو کھلا ہوا شرک فی الرسالة اور توہین سرکار ﷺ اور منافی کلمہ تو حید خصوصاً اس جزو ثانی، محمد رسول اللہ کے ہے۔

مرزا صاحب نے یعنہ یہ آیت: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ اپنے اوپر چسپاں کی ہے جو ان کے شرک فی الرسالة ہونے کو کافی ہے۔ مختار مدعا علیہ اس کا ترجمہ خود مرزا صاحب کا اسی (اعجاز احمدی ص ۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۸) سے یہ نقل کر رہا ہے کہ: ”میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کروں گا کہ دنیا تیری ثنا کرے گی۔“ یہ یعنہ ترجمہ اسی آیت کا ہے خواہ مقام محمود کا لفظ نقل کیجئے یا کہیے کہ ایسے مقام پر کھڑا کروں گا کہ دنیا تیری حمد و ثنا کرے گی۔“ ایک ہی بات ہے۔ بہر حال اس ترجمہ کو آیت کافی نہیں۔ مرزا صاحب کی دنیا میں سوائے ان کے متعلق تمام دنیا نے تعریف نہ کی یوں ہی تو دنیا میں کسی نبی حتیٰ کہ سید الانبیاء ﷺ کی تمام دنیا نے حمد و ثنا نہ کی، بہر حال آخرت ہی کی حمد و ثنا مراد ہے اور وہی شفاعت کبریٰ کے وقت ہے۔ جب کہ آپ اس مقام شفاعت پر فائز ہوں گے اور تمام دنیا اولین اور آخرین ہر دروازہ سے مایوس ہو کر اس دروازہ پر آئیں گے اور آنحضرت ﷺ بجائے نفسی نفسی کے انا لہا انا لہا کہ ہاں! میں اس کے واسطے ہوں اور یہی موعود مقام محمود ہے کہ: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ جس میں کوئی بڑا سے بڑا نبی، ولی، مقرب فرشتہ شریک نہیں ہوئے۔ مرزا صاحب کے سوائے کسی نے یہ آیت کسی طرح اپنے یا کسی اور پر چسپاں کی ہو یا اسے چسپاں کرنا جائز رکھا ہو۔ بس یہ اعتراض بھی بالکل لا جواب رہا اور جو کچھ بھی مختار مدعا علیہ نے اس کے تحت لکھا یا کہا سب پہلو سے غیر متعلق۔

## دو غیر متعلق وغیر مسلم حوالے اور ان کی حقیقت

اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے دو غیر مسلم حوالے نقل کئے ہیں۔ پہلا حوالہ شرح فصوص الحکم کا ہے۔ مختار مدعا علیہ و گواہان مدعیہ کے مسلم پیشوا شیخ عبدالرزاق قاشانی نے مہدی موعود کے لئے بھی مقام محمود تجویز کیا ہے۔ چنانچہ شرح فصوص الحکم میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ”فله المقام المحمود“ کہ مہدی کے لئے مقام محمود ہے۔ (شرح فصوص الحکم مطبوعہ ص ۵۳) پہلا جھوٹ مختار مدعا علیہ کا یہ ملاحظہ فرمائیں کہ عبدالرزاق قاشانی کو مختار و گواہان مدعیہ کا مسلم پیشوا بتایا ہے۔ حالانکہ عدالت میں ریکارڈ موجود ہے کہ کسی ایک گواہ سے ان کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال نہیں ہوا۔ محض سفید جھوٹ عدالت کو مغالطہ دینے کے واسطے تصنیف کیا گیا۔ مختار مدعا علیہ مسلم بتانا جوڈیشل اصول پر محض لغو ہے اور مختار مدعا علیہ برابر اسے غیر مسلم بتاتا رہا، یہ بھی بہتان عظیم ہے۔

علاوہ غیر مسلم اور اس شرح کے غیر معتبر ہونے کے یہ حوالہ غیر متعلق ہے کیونکہ صرف لفظ مقام محمود بمعنی قابل ستائش مرتبہ ماہ النزاع نہیں، بلکہ آیت کریمہ: ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً (بنی اسرائیل: ۷۹)“ کے خطاب اور اس کے اپنے یا کسی اور پر چسپاں کرنے میں گفتگو ہے۔ یہاں اس کا تذکرہ تک نہیں۔ یہاں صرف اس قدر ہے کہ مہدی قابل تعریف خدمت انجام دیں

گے۔ پس ان کے لئے قابل تعریف مرتبہ ہوگا یہ اور جزو ہے اور آنحضرت ﷺ کا خصوصی خطاب ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محموداً“ میں اپنے آپ کو شریک کرنا اور اپنے اوپر سے اسے چسپاں کرنا دوسری چیز ہے اور مرزا صاحب اس پچھلے جرم کے مرتکب ہیں اور رسول پاک ﷺ کی پوری ہتک ہے۔

دوسرا حوالہ (ہدیہ مجددیہ ص ۵۷۰) کا ہے کہ: ”وہو المقام المحمود الذی لایشار کہ فیہ من الانبیاء والرسل الا اولیاء امتہ“ اور مقام محمود میں آنحضرت ﷺ کا انبیاء اور رسولوں سے کوئی شریک نہیں اور وارث نہیں مگر وہ اولیاء جو آپ کی امت سے ہوں..... الخ!“

الجواب:

- ۱..... اولاً یہ کتاب غیر مسلم ہے ناقابل اعتبار ہے۔
- ۲..... جرح کے وقت باوجود بار بار سوال کے نہ کتاب پیش کر سکے نہ مصنف کا نام و مسلک۔
- ۳..... اس میں یہ بتایا کہ کوئی نبی اور رسول مقام محمود میں شریک نہیں سوائے ولی کے اور مرزا صاحب مدعی نبوت و رسالت ہیں۔ پس یا وہ نبی و رسول نہیں۔ یہ دعویٰ محض جھوٹ و افتراء ہے یا مقام محمود میں شریک نہیں۔ اس شرکت کا ادعا بہتان عظیم ہے جس سے بڑھ کر بھص قرآن دنیا میں کوئی کفر نہیں ہو سکتا۔ ”ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً (الانعام: ۲۱)“ مفسری علی اللہ سے بڑھ کر کوئی ظالم و کافر نہیں ہو سکتا۔

۴..... اس ہدیہ مجددیہ کی عبارت میں جو اولیاء امت کو مقام محمود میں وارث بتایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اولیاء اس مقام پر فائز یا اس میں داخل ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ بطور سیران پر منکشف ہوتے ہیں۔ جیسے شاہی دربار کی کسی کو سیر کرائی جائے اور بتایا جائے کہ یہ شہنشاہ معظم کا مقام ہے۔ یہ دوزیر اعظم کا یہ وائسرائے کا یہ خواص و مقررین شاہی کا، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ دیکھنے اور سیر کرنے والا اس مقام پر فائز ہو گیا۔ بلکہ صرف اس کا مشاہدہ کیا۔

ایک اصولی ضابطہ

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اولیاء اللہ، انبیاء کرام کے وارث ہوتے ہیں۔ مگر نبوت اور ہر دو شئے جو مقامات نبوت سے متعلق ہو اس کی وراثت صرف ان کا عکس مشاہدہ ہے نہ ان میں دخول اور اس پر فائز ہونا بلکہ مقامات نبوت کو وہ ایسے دیکھتے ہیں جیسے کوئی سمندر کے پانی میں ستاروں کا نظارہ کرے۔ بلا واسطہ اصلی نظارہ بھی محال ہے۔ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سوئی کے سرے کے برابر مقام نبوت کو دیکھا تھا کہ جلنے کے قریب ہو گئے۔

اس ضابطہ کا حوالہ فریقین کے مسلم بزرگ شیخ عبدالوہاب شعرانی ومجی الدین ابن عربی کی کتاب سے پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مارچ ۱۹۳۳ء۔

۱..... ”لا ذوق لنا فی مقام الانبیاء حتی نتکلم علیہ وانما نراہ کما تری النجوم فی الماء کما سیاتی بسطہ فی مبحث الولایة“

یعنی ہمیں نبیوں کے مقامات سے کوئی ذوق نہیں کہ ان پر بحث بھی کر سکیں۔ ہم تو انہیں صرف اسطور پر دیکھ سکتے ہیں جس طرح تم لوگ پانی میں ستاروں کا نظارہ کرتے ہو۔

۲..... ”وقال فی شرحہ لترجمان الاشراف اعلم ان مقام النبی ممنوع لنا دخوله وغایة معرفتنا به من طریق



الارث النظر اليه كما ينظر من هو في اسفل الجنة الى من هو في اعلى عليين او كما ينظر اهل الارض الى الكواكب السماء وقد بلغنا عن الشيخ ابى يزيد انه فتح له من مقام النبوة قدر جزء ابرة تجليا لادخولا تكاد ان يحرق“ (یواقت بحث ۳۲ ص ۲۲۱)

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی سید الصوفیاء اپنی شرح ترجمان الاشراف میں ارقام فرماتے ہیں کہ جان لو کہ مقامات انبیاء میں ہمارا داخلہ بند ہے۔ ہماری انتہائی پرواز و معرفت وراثت کے طور پر صرف اس قدر ہے کہ انہیں اسطور پر دیکھ سکیں۔ جیسے کہ سب سے نیچے درجہ کا جنتی اعلیٰ علیین کو یا باشندگان زمین آسمانی ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ ہمیں خبر ملی کہ بایزید بسطامی پر تجلی کے طور پر سوئی کے سرے کے برابر نبوة کے مقامات سے انکشاف ہوا تھا۔ باوجودیکہ دخول نہ تھا۔ پھر بھی جلنے کے قریب ہو گئے تھے۔ اس سے مندرجہ ذیل امور مسلمہ ثابت ہوئے۔

- ۱..... کوئی ولی باوجود رفعت شان کے مقامات انبیاء تک نہیں پہنچ سکتا۔
- ۲..... وراثت صرف یہ ممکن ہے کہ اتنے فاصلہ سے نظارہ کرے، جیسے نیچے کا جنتی اعلیٰ علیین کا یا زمین کا باشندہ آسمانی ستاروں کا۔
- ۳..... دخول تو درکنار یہ نظارہ بھی انتہائی پرواز ہے۔ جس کی تاب بایزید بسطامی بھی باوجود اس جلالت شان کے نہ لاسکے، حالانکہ نظارہ صرف سوئی کے سرے کے برابر تھا۔

### نتیجہ

مقام محمود بھی مقامات انبیاء بلکہ فخر الانبیاء سید المرسلین ﷺ کے خصوصی مقامات سے ہے۔ پس اگر کوئی ولی اس سے وراثت حصہ پاسکتا ہے تو صرف اس قدر کہ اس کی انتہائی پرواز یہ ہوگی کہ اس کا یوں نظارہ کرے جس طرح زمین والے آسمانی ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اس میں دخول اور اس پر فائز ہونا محال قطعی ہے اور مرزا صاحب نے اپنے پر آیت: ”عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا“ چسپاں کر کے صریح کفر اور شرک فی الرسالة کیا ہے جس کے بعد کلمہ توحید پر ایمان نصیب ہی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہ حوالہ باوجود غیر مسلم ہونے کے صرف اصطلاح صوفیاء سے ناواقف پڑنی تھا اور یہ اعتراض بھی سابقہ اعتراضات کی طرح بالکل لاجواب ہے۔

(۴)

### وما ارسلناک الا رحمة للعالمین

مخبر مدعا علیہ نے یہاں بھی دانستہ اعتراضی پہلو سے گریز کر کے غیر متعلق جواب دیا اور اپنے اس طرز سے اس کے لاجواب ہونے کو بھی تسلیم کر لیا۔

بحث نہ لفظ رحمة للعالمین میں ہے نہ رحمة اللہ، رحمة عالم میں بلکہ اس آیت کریمہ: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کے خطاب اور مصداق میں ہے کہ یہ بعینہ آیت کسی اور پر چسپاں ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ہم نے اصل بحث میں قرآن پاک کے سیاق و سباق نیز دیگر عقلی و نقلی دلائل سے یہ امر اچھی طرح سے واضح کر دیا ہے کہ: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ آنحضرت ﷺ کے خصوصی خطاب اور اخص ترین مقام میں اس میں کوئی نبی و ولی و رسول و قطب آپ کا شریک و سہیم نہیں۔ نہ آج تک تیرہ سو سال میں کسی نے اس آیت کریمہ کو سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی نبی یا ولی یا اپنے اوپر چسپاں کیا جو بھی اس خصوصی خطاب میں اپنے آپ کو یا کسی کو شریک مانے یا

اس پر اس آیت کو چسپاں کرے وہ شرک فی الرسالۃ ہے اور آنحضرت ﷺ کی ہتک کرنے والا اور ان کے ناموس پاک پر حملہ کرنے والا ہے کہ ایمان کسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ پر نہیں ہو سکتا اور مرزا صاحب نے (حقیقت الوسی ص ۸۲، خزائن ج ۲۲ ص ۸۵) وغیرہ پر ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کا خطاب اپنے کو بتا کے یہ آیت کریمہ اپنے اوپر چسپاں کی ہے۔ لہذا ان کا ایمان کبھی کلمہ توحید کے دوسرے حصہ پر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ پہلے حصہ پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کی تخصیص مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ لکھتے ہیں کہ: ”پھر دوسری جگہ کہا: ”وما ارسلنا الا رحمة للعالمین“ یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر تجھے رحمت کرنے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے۔ پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت ﷺ تمام جہاں کے لئے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دنیا کے ساتھ ہے نہ کسی خاص قوم سے۔“ (مضمون لمحہ چشمہ معرفت ص ۱۶، خزائن ج ۲۳ ص ۳۸۸) مختار مدعا علیہ نے بھی اسے اولاً نقل کیا ہے اور گویا تخصیص مان لی ہے۔ مگر تاویل یہ کرتا ہے کہ: ”مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی مسعود ہونے کا ہے اور پہلے علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مہدی بھی رسول کریم ﷺ کی طرح رحمتہ للعالمین ہوگا۔“

اس کے ثبوت میں بجائے کسی مسلم حوالے کے دو جدید غیر مسلم حوالے پیش کئے ہیں۔ پہلا حوالہ اشاعة الاشرار الساعۃ کا ”فالمہدی رحمة اللہ کما کان رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین والمہدی یقضوا شرہ ولا یخطی فلا بد ان یکون رحمة“ یعنی مہدی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ خدا کی رحمت تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مہدی آنحضرت ﷺ نقش قدم پر چلے گا۔“

**الجواب:**

- ۱..... اولاً یہ سید محمد شریف کوئی مسلم عالم نہیں نہ ان کی کتاب مسلمات فریقین سے ہے۔
  - ۲..... یہ ان کی ذاتی رائے ہے جس کے ثبوت میں نہ کوئی آیت قرآنی ہے نہ حدیث نہ کسی امام کا قول نہ کسی بزرگ کا ارشاد نہ کسی فقیہ یا متکلم و محدث و مفسر کا ارشاد اور ان کی رائے ہم پر یا کسی مسلمان پر جتہ نہیں۔
  - ۳..... یہ ماہہ النزاع سے غیر متعلق ہے۔ مہدی کا اللہ کی رحمت ہونے کا اس میں ذکر ہے۔ اللہ کی رحمت ہونا اور شئے ہے اور ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کا مخاطب ہونا اور اس آیت کو چسپاں کرنا اور چیز ہے۔ اللہ کے تمام نیک بندے انبیاء، اولیاء سب دنیا پر اللہ کی رحمت ہیں۔ جیسے جھوٹے مدعیان نبوت اور بدکاروں اور دشمنان خدا دنیا کے لئے اللہ کی لعنت اور عذاب ہیں۔
- مگر ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کی رحمت کے لئے یعنی آپ صرف رحمت ہی ہیں اور سرتاپا رحمت ہیں۔ بخلاف انبیاء و رسل سابقین کے کہ وہ تعین اور احباب کے لئے رحمت تھے نہ مخالفین و اعداء کے واسطے۔ کیونکہ ان کا تختہ الٹا جاتا تھا، زمین میں دھنسا جاتے تھے، صورتیں مسخ کر کے خنزیر بندر بنائے جاتے تھے، پتھر برسائے جاتے تھے، انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کیا جاتا تھا۔ مگر ہمارے آقا ﷺ کا یہ طغرائے امتیاز ہے کہ دنیا میں قدم رکھا اور یہ تمام عذاب اور عالم گیر عقوبتیں آپ کی رحمت کے کرمہ میں بند کر دی گئیں۔ دنیوی عذاب سے آپ کے اصحاب بھی مامون رہے اور اعداء ابو جہل و ابولہب وغیرہ بھی اور نبیوں میں رحمت کی بھی شان تھی اور عقوبت و عذاب کی بھی۔ مگر یہاں دنیوی لحاظ سے صرف رحمت ہی رحمت ہے اس لئے اور کسی نبی کو یہ خطاب عطا نہ ہوا۔ بلکہ صرف مدنی تاجدار، سیدالابرار ﷺ کو خطاب ہوا کہ: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ پس یہ وہ مخصوص لقب ہے جس کی تخصیص کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ مسلمان کا بچہ بچہ واقف ہے کہ: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“

صرف آنحضرت ﷺ کا بلا شرکت غیر کے امتیازی لقب ہے جس لقب کو نہ آدم علیہ السلام حاصل کر سکے نہ نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام نہ اولیاء اللہ بطور وراثت پاسکیں۔ اسے مرزا غلام احمد اپنے لئے استعمال کر رہے ہیں:

زور ہی کیا تھا جفائے باغبان دیکھا کئے  
آشیاں لٹتا رہا ہم بے زباں دیکھا کئے

”یا لیتنی مت قبل هذا و کنت نسیامنسیا (مریم: ۲۳)“

## دوسرا حوالہ

”لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں بلکہ دیگر انبیاء و اولیاء و دیگر علماء ربانین بھی موجب رحمت عالم کہتے ہیں۔ اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہذا ایک دوسرے کے لئے اس لفظ کو بتاویل بولا جائے تو جائز ہے۔“

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۳)

## الجواب:

- ۱..... مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا بعض گواہوں کے سلسلہ اکابر میں ہونا اور بات ہے اور ان کی طرف منسوب شدہ ہر کتاب کے ہر جزو کا مسلم ہونا اور بات۔
- ۲..... فتاویٰ رشیدیہ نہ حضرت مولانا گنگوہی کی تصنیف ہے نہ ان کے زمانہ میں جمع کی گئی نہ انہوں نے نظر ثانی کی۔
- ۳..... فتاویٰ رشیدیہ میں کچھ فتاویٰ ہیں جن میں اکثر مولانا کے ہیں اور بہت سے دوسروں کے بھی۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے بھی ان میں فتاویٰ ہیں اور مولوی لطف اللہ صاحب کے بھی۔
- ۴..... ان کو جمع کر کے اولاً ایک غیر مقلد عزیز الدین مراد آبادی نے شائع کرایا ہے اور غیر مقلدین کو حضرت سے خصوصی عناد تھا۔
- ۵..... اس پر کسی معتبر عالم نے نظر ثانی بھی نہیں کی نہ کوئی تصدیق و توثیق۔
- ۶..... ان میں اکثر فتاویٰ کے متعلق اکابر علماء دیوبند برابر فرماتے رہے ہیں کہ مولانا کے نہیں، بلکہ غلط ان کی طرف منسوب ہیں۔
- ۷..... القاسم الرشید وغیرہ میں اس کے کل فتاویٰ نہ معتبر ہونے کا نوٹ بھی مل سکتا ہے۔
- ۸..... مولانا تصانیف کثیرہ کے مصنف ہیں۔ نیز ان کی احادیث کی تقاریر بھی چھپ چکی ہیں۔ ان کی کسی تحریر، تصنیف یا تلامذہ و اصحاب کے نقل میں یہ مسئلہ موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف نقلیں موجود ہیں۔
- ۹..... مختار مدعا علیہ نے اس عبارت کے نقل کرنے میں دیدہ و دانستہ خیانت کی اور اس کے اوپر لفظ الجواب تھا حذف کر دیا۔ تاکہ اس کا قبل سے رابطہ نہ معلوم ہو سکے۔
- ۱۰..... یہ دراصل ایک مستفیق کے استفتاء کا جواب ہے جسے خیانت مختار مدعا علیہ نے نقل کیا۔ حالانکہ تمام فتاویٰ مستفیق کے سوال کے استفتاء کے تابع اور اسی روشنی میں لکھے اور دیکھے جاتے ہیں۔
- ۱۱..... میں اوپر عرض کر آیا ہوں کہ یہاں گفتگو رحمۃ للعالمین لفظ رحمۃ عالم وغیرہا میں نہیں بلکہ مسلم ہے کہ تمام انبیاء، اولیاء، بلکہ صلحاء امت موجب رحمت عالم ہیں۔ بلکہ بحث یہ ہے کہ یہ مخصوص خطاب اور یہ خاص آیت نمبر: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کس اور پر چسپاں ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کا یہاں کوئی تذکرہ نہیں۔ لہذا یہ اس جگہ سے غیر متعلق ہے۔
- ۱۲..... یہ فتویٰ بھی نظر غائر سے دیکھا جائے تو ہمارے دعویٰ کی تائید ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ رحمۃ عالم ہونے میں سب سے اعلیٰ اور تمام انبیاء و اولیاء کو آپ سے ادنیٰ فرما رہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ کا خطاب اور خصوصی لقب ادنیٰ کو نہیں دیا جاسکتا: ”وما ارسلناک الا

رحمة للعالمین“ کا خطاب سوائے آنحضرت ﷺ اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔

۱۳..... آیت میں تو خطاب خاص ہے ہی لفظ ”رحمة للعالمین“ بھی دراصل کسی کے لئے تجویز نہیں فرماتے ہیں بلکہ یوں فرما رہے ہیں: ”کہ اگر دوسرے کے لئے بتا دیا جائے تو جائز ہے۔“ بلا تاویل اصلی استعمال اس کا بھی جائز نہیں۔ تاویل کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس لفظ کا استعمال بھی رسول کریم ﷺ کے علاوہ کسی کے واسطے احتیاط کے تحت خلاف ہے۔

۱۴..... اس میں تصریح لفظ رحمة للعالمین ”دوسرے کے لئے اس لفظ“ بار بار اس مصنف کے لفظ کو دہرانا بھی بتا رہا ہے کہ اس کے اصلی معنی یا آیت کریمہ: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کو حضرت مولانا بھی مخصوص خطاب تسلیم فرما رہے ہیں۔ ورنہ بار بار لفظ کا اعادہ نہ فرماتے اور ہماری گفتگو صرف آیت: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کے خطاب اور اس کے کسی پر بلفظہ چسپاں کرنے میں ہے جس کی آدم علیہ السلام سے آج تک سوائے مرزا صاحب کے کسی مسلمان کے کلام میں ایک نظیر نہیں۔ گویا اس پر ایک قسم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ یہ مخصوص خطاب ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ صرف آنحضرت ﷺ کو ہے اور یہ آیت کسی پر چسپاں کرنا شرک فی الرسالة، منافی کلمہ توحید، موجب تنقیص شان محمد ﷺ ہے جس کے بعد مرزا صاحب کے کفر میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بالا تقریر سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارا یہ اعتراض بھی بالکل لا جواب ہے اور یہ دونوں حوالے علاوہ اس قدر شبہات اور قطعی نہ ہونے کے بالکل غیر متعلق ہیں اور مختار مدعا علیہ نے دانستہ اعتراضی پہلو بچا کر جواب دیا ہے جس میں دراصل اس کے لاجوابی کا بزبان حال اقرار ہے۔ **فالله الحمد!**

**نوٹ:** یہ بھی واضح ہو چکا کہ کوئی بھی ترجمہ اور تاویل ہو اس آیت کا کسی غیر پر چسپاں کرنا ہی شرک فی الرسالة اور موجب تنقیص شان سید المرسلین ﷺ ہے۔ کیونکہ خصوصی القاب و خطابات کسی غیر کے واسطے بلفظہ استعمال کرنا گو کسی معنی میں ہوں جرم قرار دیا جاتا ہے اور کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

### (۵)

”قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله“ جو کام مشرکین مکہ اور کسی بدترین یہودی اور آریہ نے نہیں کیا۔ اس پر چودھویں صدی کے مدعی نبوت نے کمر باندھ رکھی ہے اور خدا جانے ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین ﷺ سے مرزا صاحب کو دیرینہ عداوت ہے آپ کا کوئی بھی خصوصی کمال نہیں چھوڑتے جس پر بے باکی سے حملہ نہ کریں۔ کون دنیا میں وہ مسلمان ہے جو اس سے واقف نہیں کہ محبوبیت خداوندی حاصل ہونا آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد سے صرف آنحضرت ﷺ کی غلامی میں ہے اور اسلام کا بچہ بچہ واقف ہے کہ: ”قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله“ آنحضرت ﷺ کو خصوصی خطاب ہے اس سے بھی اور کسی کو نہیں نوازا گیا۔ اس کو اپنے یا کسی اور پر چسپاں کرنا آنحضرت ﷺ کی ہمسری کرنا اور موجب تنقیص و شرک فی الرسالة منافی کلمہ توحید ہے جس کے بعد ”لا الہ الا الله محمد رسول الله“ پر ایمان ناممکن ہے۔

قرآن پاک کی یہ آیت اور یہ خطاب ماقبل و مابعد سے تلاوت فرمائیں۔ نص قطعی سے اس خطاب کی تخصیص سرکار دو عالم ﷺ کے لئے ثابت ہے۔ مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”مختار مدعیہ کے اس الہام پر اعتراض کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں اس آیت میں آنحضرت ﷺ ہی مراد ہیں۔ لیکن اس الہام میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے کہ وہ آپ کی پیروی کریں..... الخ!“ محض لغو اور لچر عذر بلکہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نزول قرآن کے زمانہ میں تو یہ آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا۔ مگر مرزا کے الہامی زمانہ میں مخصوص نہ رہا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! آنحضرت ﷺ کی اتباع کا موجب محبوبیت الہی ہونا، ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے قیامت تک ہے۔

یہ آیت کریمہ قرآن مجید میں ہو یا الہام میں، کسی اور پر چسپاں ہو ہی نہیں سکتی اور کیا کوئی الہام قرآن کے خلاف ہو سکتا ہے۔ مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ قرآن میں یہ آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ مگر یہ ہی بعینہ الہام میں اس کے خلاف مرزا صاحب کے لئے ہے۔ دراصل اس کا اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے الہام، الہی الہام ہیں۔ کیونکہ فریقین کے مسلمہ بزرگ سید الطائفہ شیخ اکبر اور علامہ عبدالوہاب شحرانی (کبریت احمرنی علوم الشیخ الاکبر ص ۱۱۹) پر اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، بلکہ الہام و کشف شریعت ظاہرہ یا نص کے مقابل کفر اور تلبیس شیطانی فرمایا ہے اور ایسے شخص کو احسین اعمال میں شمار کیا ہے۔

بہر حال یہ مخصوص خطاب اور یہ آیت کسی پر کسی طرح چسپاں ہونا جائز نہیں، نہ حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک کسی آسمانی کتاب، کسی نبی کے قول، کسی صحابی، ولی، امام، بزرگ، عالم ربانی کے اشارات میں اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ نہ مختار مدعا علیہ کوئی ایک حوالہ اس آیت کے چسپاں کرنے کا کہیں سے پیش کر سکا۔ مختار مدعا علیہ کا یہ قول کہ: ”مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کی پیروی کر کے محبوبیت کے درجہ تک پہنچے ہیں۔ اس لئے آپ کی پیروی..... الخ!“

بالکل بدیہی البطلان ہے کیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جنہیں افضل امتی من امتی ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ”لو كنت متخذًا خليلاً غير ربي لاخذت ابا بكر خليلاً“ کے گرانقدر اور بے مثل لقب سے نوازا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے پیرو اور محبوب تھے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا تو لقب ہی حب النبی رضی اللہ عنہ یعنی آنحضرت ﷺ کا محبوب تھا۔ مگر کسی کو اس آیت کے خطاب میں کسی مسلمان نے شامل نہ کیا نہ یہ آیت کریمہ اس پر چسپاں کی۔ میر درد کا یہ حوالہ کہ ”فمن اطاعك فقد اطاع الله ورسول..... الخ!“ (علم الکتاب ص ۶۱) محض غیر متعلق یہاں نقل کر دیا یہ کوئی قرآن کی آیت نہیں نہ اس میں کہیں نبی کریم رضی اللہ عنہ کے خطاب کی شرکت ہے۔ نہ آیت: ”قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله“ کا تذکرہ ہے۔ نہیں معلوم مختار مدعا علیہ نے کیوں یہ حوالہ یہاں نقل کر دیا۔ کیونکہ بحث آیت: ”قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله“ میں تھی۔ اس کی نظر میں یا یہی آیت کسی دوسرے پر چسپاں ہوتی یا اس جیسی دوسری یا محض آیت ہی ہوتی نہ اس جیسی۔

یہاں تو صرف یہ ہے کہ تم صرف قرآن و حدیث کی لوگوں میں تبلیغ کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم لوگوں تک پہنچاؤ، جو تمہارا کہنا مانے گا وہ اللہ اور رسول کا پیرو ہو جائے گا۔ یہ حوالہ محض بے ربط اور غیر متعلق ہے۔

گفتگو تو یہ ہے کہ یہ آیت یا اس کا مفہوم کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع محبوبیت خداوندی کا موجب ہے کسی پر چسپاں نہیں ہو سکتی، اس کے خلاف تمام دنیا میں ایک نظیر نہیں، نہ مختار مدعا علیہ اس قدر جدوجہد کی ایک نظیر پیش کر سکے۔

دوسرا حوالہ اشاعت السنۃ مولوی محمد حسین بنالوی غیر مقلد کا ہے کہ: ”اس آیت کے معنی وہ (مؤلف براہین) یہی سمجھتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے خطاب میں ہے اور اس میں آنحضرت کا اتباع امت پر لازم کیا گیا ہے اور جب انہی الفاظ میں (نقرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتے ہیں اور اپنے اتباع سے اتباع آنحضرت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ (ص ۵۰۲) کتاب، ان الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی اتباع رسول مقبول کرو..... تا..... خدا تم سے محبت کرے۔

(اشاعت السنۃ ج ۷ ص ۲۱۹)

الجواب:

..... مولوی محمد حسین غیر مقلد ہیں اور مدعیہ نیز اس کا گروہ مقلد و حنفی لہذا مخالف کی رائے حجت نہیں، بلکہ یہ تو فریقین کو غیر مسلم ہیں۔

- ۲..... مولوی صاحب موصوف شروع میں مغالطہ میں تھے بعد کو متنبہ ہوئے اور انہیں وجوہات سے مرزا صاحب کو کافر و مرتد قرار دیا۔ کیونکہ براہین کے وقت مرزا صاحب کا کفر مستور تھا بعد میں ہویدا ہو گیا۔ (ملاحظہ ہوا شامۃ السنۃ ج ۷ ص ۲۱۹)
- ۳..... اس جواب کا ما حاصل بھی وہی ہے جو مختار مدعا علیہ کا جس کا مفصل جواب عرض کر چکا ہوں۔ پھر جب کہ اس آیت کو آنحضرت ﷺ کے خطاب میں مان لیا تو تخصیص تو ثابت ہوئی گئی۔ اس کے بعد کسی طرح کسی پر چسپاں کرنا اس تخصیص کو باطل اور شرک فی الرسالۃ کرنا ہے بلکہ شان محبوبیت ﷺ کو گھٹانا ہے جو سوائے مرزا صاحب اور مرزائیوں کے کسی کا شیوہ اور محبوب مشغلہ نہیں۔
- ۴..... اس حوالہ میں بھی کسی آیت یا حدیث و تفسیر و فقہ کسی صحابہ امام بزرگ عالم کے قول سے اس کا ثبوت نہیں کہ یہ آیت کسی اور پر چسپاں ہو سکتی ہے یا کی گئی ہے۔ بلکہ جب تک وہ مرزا کے معتقد مرزائی تھے، مرزائیوں کی طرح تا وہ بلیں کرتے تھے۔ جب اللہ نے توبہ و رجوع کی توفیق دی تو جس قدر تردید و تکفیر کی ہے وہ دنیا پر واضح ہے۔ مولوی صاحب موصوف کے اسی رسالہ شامۃ السنۃ کے اگلے فائل ملاحظہ فرمائیں۔ مرزائیت کی جڑیں ہلا دیں ہیں اور مرزا صاحب اور ان کے قبعین کے دجل و فریب آشکارا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ نمونہ ملاحظہ ہوں ۸ عقائد باطلہ مخالف دین اسلام و ادیان سابقہ کے علاوہ جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا آپ کا ایسا وصف لازم بن گیا ہے کہ گویا وہ آپ کی سرشت کا ایک جزو ہے۔ زمانہ تالیف براہین احمدیہ کے پہلے آپ کی سوانح عمری کا میں تفصیلی علم نہیں رکھتا۔ مگر زمانہ تصنیف براہین سے جو جھوٹ بولنا دھوکا دینا آپ نے اختیار کیا ہے۔ خصوصاً ۱۸۸۶ء سے جب سے آپ نے الہامی بیٹا تولد ہونے کی پیش گوئی کی اور اس قسم کی اور پیش گوئیاں مشتہر کی ہیں۔ علی الخصوص ۱۸۹۰ء سے جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مشتہر کیا ہے۔ اس سے آپ کی کوئی تحریر کوئی تقریر کوئی خط کوئی تصنیف خالی نہیں۔ اس پر قیاس ہو سکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں خصوصاً امتحان معناری میں فیل ہونے اور پھر عدالت میں ساہا سال اپنے مقدمات کرنے کے وقت آپ کا یہی حال رہا ہوگا۔ (اشامۃ السنۃ)

قول مختار مدعا علیہ:

”اور اس الہام میں مولویوں کی تکفیر کا رد بھی ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب (نشان آسانی ص ۳۵، جزائن ج ۳ ص ۳۹۸) میں اس الہام کو ذکر کر کے کہتے ہیں کہ منکر کافر ہو جاتا ہے اور ایک طرف مولوی لوگ فتویٰ لکھ رہے ہیں کہ اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور ایک طرف خدا تعالیٰ اپنے اس الہام پر متواتر زور دے رہا ہے۔ یعنی مخالفین کو اس الہام میں جواب دیا گیا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا عاشق و صادق ہے اور اس کا شیدائی ہے۔ اس لئے اس کی پیروی اور اس کی تقلید انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔“

الجواب: مولویوں کا رد نہیں بلکہ ان کی تائید ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کے ذخیرہ کفریات میں اس سے ایک عدد کا اضافہ ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کی شان میں اچھے الفاظ استعمال کرنا محض مرزا صاحب کا دجل اور فریب ہے۔ ورنہ وہ اپنے لقب کو آنحضرت ﷺ کا ہر خصوصیت میں ہمسرا و شریک و سہیم سمجھتے ہیں اور برابر جنک و توہین میں سرگرم رہتے ہیں۔ ان کے نمائشی ایمان و اسلام کا کوئی اعتبار نہیں۔ دراصل جیسا کہ دلائل سے ثابت ہو چکا، مرزا صاحب اور مرزائیوں کا ایمان نہ ”لا الہ الا اللہ“ پر ہے، نہ محمد رسول اللہ پر، نہ ایمان مجمل پر نہ مفصل پر۔ مرزا صاحب کی تقلید انسان کو خدا اور رسول کا دشمن اور شیطان لعین کا دوست بناتی ہے۔ جیسا کہ مفصل گزرا اور آگے آ رہا ہے۔

خلاصہ

مخصوص اعتراضی پہلو کہ یہ آیت کسی پر چسپاں نہیں ہو سکتی اور اس خطاب میں مشارکت شرک فی الرسالۃ ہے۔ مختار مدعا علیہ بالکل دانستہ نظر انداز کر گیا اور اس کی ایک نظیر مسلم و غیر مسلم نہ لاسکا۔ لہذا یہ اعتراض بھی بالکل لا جواب رہا۔

(۶)

## وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى

یہاں بھی مختار مدعا علیہ یہ کہہ کر اس کا بھی وہی جواب ہے جو سابق کا اعتراض پہلو سے گریز کیا بحث صرف اس قدر ہے کہ یہ خصوصی خطاب آنحضرت ﷺ کا امتیازی طغرائے افتخار ہے۔ اس کا کسی اور پر چسپاں کرنا، موجب ہتک و تنقیص شان گرامی سید المرسلین ﷺ ہے اور شرک فی الرسالہ کی یہ بھی ایک قسم ہے جس کے بعد کلمہ توحید پر ایمان بانی نہیں رہ سکتا۔

اس خطاب کو آدم سے آج تک نبی، صحابی، ولی، امام، بزرگ نے اپنے یا کسی کے لئے استعمال کرنا یا اسے چسپاں کر کے جائز نہ سمجھا۔ مختار مدعا علیہ اس کی ایک نظیر بھی کسی غیر مسلم کتاب کی بھی نہ پیش کر سکا، بلکہ اس کی خصوصیت کا اعتراف مرزا صاحب کے الفاظ میں کر گیا کہ: ”ہمارے سید و مولا سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے جنگ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعاء کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی۔ مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہو گئی کہ مد ہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اس معجزہ کی طرف اللہ جل شانہ اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے: ”وما رمیت اذ رمیت..... الخ!“، یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا، بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا۔ یعنی درپردہ طاقت الہی کام کر گئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔“

لہذا یہ اعتراض بھی بالکل بے لوث جواب ہے۔ کیونکہ ہمارا اعتراض جیسا کہ ابھی ذکر کیا، صرف خطاب میں مشارکت اور اس آیت کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے کسی پر چسپاں کرنے کا تھا، جس کا جواب بن پڑا اور مختار مدعا علیہ نے پہلو بچا کر استدلال ہی خبط کر دیا کہ: ”یہ اعتراض کہ آنحضرت ﷺ کے معجزے کو اپنی طرف منسوب کر لیا، بالکل غلط اور محض بہتان ہے۔“ یقیناً بہتان ہے۔ کیونکہ میں نے یہ اعتراض ہی نہیں کیا۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ آیت خصوصیات نبویہ سے ہے۔ جیسا کہ اصل بحث میں دلائل پتہ سے واضح کر آیا ہوں اس کا آنحضرت ﷺ کے علاوہ کسی پر چسپاں کرنا کسی معنی سے درست نہیں، بلکہ توہین نبوی ہے اور کسی مسلمان نے کسی تاویل سے حقیقتاً یا مجازاً اس کو کسی پر چسپاں کرنا روا نہیں سمجھا۔ مسلمانوں کے اعتراضات کے بعد مرزا صاحب کی یہ تشریح کہ: ”اس سے اشارہ ان اشارات کی طرف معلوم ہوتا ہے جو حال میں شامل ہو رہے ہیں۔“ (البشری ج ۲ ص ۹۷)

علاوہ معطلہ انگیز ہونے کے اصل اعتراض یعنی آیت قرآنی کو جو خصوصیات محمدیہ سے تھی۔ مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کیا اس کا جواب نہیں بن سکتا۔ جب تک کوئی نظیر اس کی عالم اسلامی سے پیش نہ کریں یا کوئی آیت، حدیث، کسی صحابی، امام، بزرگ، عالم کا قول اس تاویل سے جواز استعمال کا پیش کریں۔

مزید برآں جس البشری سے اسے نقل کیا ہے اس میں بھی نقل کی خیانت موجود ہے۔ کیونکہ وہاں آیت کا وہی ترجمہ موجود ہے جو قرآنی آیت کا اسے درمیان سے دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیا۔ اصل یوں ہے کہ: ”۳، ۳۳، ۳، ۱۹۰۵ء“ وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى (ترجمہ) تو نے مٹھی خاک نہیں پھینکی تھی، مگر اللہ نے پھینکی تھی (تشریح) حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ اس سے اشارہ اشتہارات..... الخ!“ اب اس آیت کے اس ترجمہ کے بعد پھر کسی تو جہہ سے کسی پر چسپاں کرنا قباحت اور کفر کو دو بالا کر دے گا۔ اس لئے مختار مدعا علیہ نے (البشری ج ۲ ص ۹۷) درمیان سے قطع و برید کی خیانت کا ارتکاب کیا۔ بہر حال یہ اعتراض بھی سابق اعتراضات کی طرح بالکل لا جواب ہے۔ جواب کی طرف اشارہ تک نہیں، بلکہ جو تاویل کی اس سے اصل اعتراض اور مضبوط ہو گیا۔

(۷)

## وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى

تمام مسلمان امم سابقہ کے مقابل نبی کریم ﷺ کے اس خصوصی امتیاز کو نہایت فخر و مباہات کے ساتھ پیش کرتے چلے آئے ہیں کہ یہ فخر کسی دلی اور متبع کو کجا اولوالعزم انبیاء کرام صغی اللہ اور خلیل اللہ، کلیم اللہ و روح اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی میسر نہ ہوا کہ ان کی تمام گفتگو اللہ کی وحی ہو۔ حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از خلقوم عبد اللہ بود  
مرزا صاحب کو صبر نہ آیا اور اس عزت پر بھی حملہ کر ہی دیا اور اس میں بھی آنحضرت ﷺ کا ہمسربن بیٹھا اور کلمہ شریف پر ایمان سے ہاتھ دھویا۔

مختار مدعا علیہ سے ان کفریات کا جواب بن نہیں آتا، ادھر ادھر کی لائینی غیر متعلق تاویلات سے وقت پورا کرنے کی سعی کرتا ہے اعتراض تو یہ ہے یہ آیت انھیں ترین خصوصیات محمدیہ میں سے ہے۔ اس کا استعمال اور اس کو کسی پر چسپاں کرنا سخت ترین توہین اور شرک فی الرسالہ ہے جس کے بعد کلمہ شریف کی جزو ثانی پر ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔ سیدنا آدم سے آج تک کسی نے اسے اپنے یا کسی نبی دلی پر چسپاں نہیں کیا۔ اگر کیا ہو تو ایک مثال غیر مسلم کتاب ہی سے دکھادیں۔ مثال تو نہ ملی نہ جواب بن پڑا۔ یہ تاویل کر کے جان بچائی کہ: ”مختار مدعیہ کا اس الہام پر وہی اعتراض ہے جو پہلے الہاموں پر کیا ہے۔ اس لئے ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے مصداق تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں اور مرزا صاحب کے اس الہام سے یہ مراد ہے کہ آپ کے الہامات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں..... الخ!“

الجواب:

۱..... یہ کہنا کہ یہ وہی اعتراض ہے اور وہی ہمارا جواب ہے کس قدر لغو ہے۔ اصل اعتراض سے جواب نہ بنا، یوں ٹال دیا۔ ہم بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جس طرح پہلے اعتراضات لا جواب ہیں۔ اسی طرح یہ بھی لا جواب ہے اور ان شاء اللہ العزیز! قیامت تک جواب ناممکن ہے۔

۲..... یہ عجیب مضحکہ خیز جواب ہے کہ ”ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى“ قرآن پاک میں جب مذکور ہو تو آنحضرت ﷺ ہی مراد ہوں اور خصوصیات محمدیہ ﷺ سے قرار پائے۔ مگر مرزا صاحب کی (اربعین نمبر ۳ ص ۳۷، خزائن ج ۱ ص ۴۲) پر بے بنیاد یہ آیت مرزا صاحب کی خصوصیت بن جائے۔

۳..... جواب تو جب ہو سکتا ہے کہ کسی آیت یا حدیث یا صحابی دلی غوث کے کلام سے اس کی تخصیص باطل کر دیں یا کسی اور کے واسطے جواز استعمال کی نظیر پیش کریں اور یہ ان شاء اللہ! تا قیامت ناممکن ہے ان بے سود تاویلات سے کفر نہیں ٹل سکتا نہ آنحضرت ﷺ کی توہین کا اس سے ازالہ ہو سکتا ہے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”چنانچہ آپ اس الہام کا ترجمہ پہلے ان دو الہاموں کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ پس تم قرآن کریم کو چھوڑ کر کس حدیث پر چلو گے۔ ہم نے اس بندہ پر رحمت نازل کی ہے اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا، بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے۔“

(اربعین نمبر ۳ ص ۳۷، خزائن ج ۱ ص ۴۲)



صرف اس ترجمہ کو لانے کے واسطے اس کے ساتھ دو الہام جو اس سے کچھ ربط نہ رکھتے تھے، ساتھ ترجمہ میں نقل کر دیئے اور اس کے متصل بعد کا الہام جو مستقل ایک کفر تھا چھوڑ دیا۔ ”دنا فعدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ“ باوجود اس تمام فریب کے آیت: ”ما یسطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی“ کا وہی ترجمہ مرزا صاحب نے بھی کیا جو مسلمان کرتے ہیں کہ: ”یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم کہتے ہو خدا کی وحی ہے۔“ اس ترجمہ سے بجائے کسی کے جواب کے اعتراض اور مضبوط ہو گیا۔ کیونکہ یہ خصوصی امتیاز اور یہ آیت کریمہ اسی ترجمہ کے ساتھ جو خصوصیات محمدیہ سے ہے۔ بلا کسی تاویل کے مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کی اور اپنے کو سید المرسلین ﷺ کا ہمسر اور آپ کے کمالات و فضائل جو خصوصیات محمدیہ سے ہے بلا کسی تاویل کے مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کی اور خصوصیت شریک و سہم ٹھہرا دیا جس سے بڑھ کر کیا تو بین ہوگی اور اس عظیم الشان شرک فی الرسالہ کے بعد کلمہ شریف پر ایمان کیونکر میسر ہو سکتا ہے۔

قول مختار مدعا علیہ:

”اور اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی تو بین لازم نہیں آتی، بلکہ آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے..... الخ!“ یہ محض غلط ہے اتنی بڑی تو بین کو فضیلت سمجھنا صرف مختار مدعا علیہ کی رائے ہے۔ ورنہ جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان کا شائبہ ہے، وہ بلا تاویل اسے تو بین ہی خیال کرتا ہے۔

پھر ایک غیر متعلق حوالہ (علم الکتاب ص ۸۲) سے نقل کیا ہے: ”الہام خاص آن سرت کہ او سبحانہ بندگان خاص در حالت قرب مع اللہ بر قلوب ایشان بے دخل فکر و اندیشہ و بے متوسط حواس دیگر بالقاء رحمانی مے اندازد و در ناء نفوس ایشان کلمات بے صدائے خود میسر آید و لیکن اولیاء را اس حالت دائم مے شود و پیچ گاہ خود در میان نے باشند و آئندہ وار مرتبہ ”ما یسطق عن الہوی“ مے گردند و ہمہ کلمات چنیں اے خاص الہامات الہی است و فاش از مشاہدہ و گاہ یا بعض اوقات بوساطت ملائکہ باواز صوت ہم پیغام خود حق سبحانہ باولیاء خویش مے رساند دریں آواز سرود مے خواند و احساس این صدائے سرود گاہ گوش ظاہری ہم کردہ مے شود و اکثر ہمہ گوش باطن مے شود۔“

اس میں کہیں بھی اس آیت کریمہ کا خطاب و تعلق کسی اور سے نہیں بتلایا نہ اس آیت کریمہ کو اپنے یا کسی اور پر اس مذکورہ ترجمہ سے چسپاں کیا ہے۔ اس میں تو صرف یہ الفاظ ہیں کہ: ”و پیچ گاہ خود در میان نے باشند و آئندہ وار مرتبہ ما یسطق عن الہوی می گردند“ یعنی جب کہ در میان سے خودی اٹھ جاتی ہے تو آئینہ کی طرح مرتبہ (مقام) ما یسطق عن الہوی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس کی تحقیق اور پر شیخ عربی کے الفاظ میں پیش کر چکا ہوں کہ کوئی ولی مقامات نبوۃ سے کسی مقام پر فائز اور داخل نہیں ہو سکتا۔ اس میں دخول کی ہمیشہ کے لئے ممانعت ہے۔ وراثت کسی مرتبہ کے مشاہدہ کی انتہاء یہ ہے کہ جیسے زمین پر سے آسمان کے ستاروں کو دیکھیں اور میر درد کے لفظ ”خود در میان نے باشد“ اور لفظ ”آئینہ دار“ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ بہر حال اس مرتبہ کا آئندہ وار مشاہدہ اور چیز ہے اور آیت: ”ما یسطق عن الہوی“ کا مصداق ہونا اور بات ہے اور بحث صرف آیت کے کسی پر چسپاں ہونے میں بھی جس کی ایک نظیر بھی کسی غیر مسلم کتاب سے بھی نہ پیش کر سکے۔ لہذا یہ اعتراض بھی بدستور سابق لا جواب ہی رہا۔ اعتراضی پہلو کا تذکرہ تک نظر انداز کر دیا جواب کیا دے سکتے ہیں۔

(۸)

### وماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم

یہاں بھی مختار مدعا علیہ نے وہی اصل اعتراض سے پہلو تہی کی روش اختیار کی ہے اور ہمارا اعتراض بدستور لا جواب ہے۔ اعتراض تو صرف یہ ہے کہ مخصوص اور خصوصی لقب صرف نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی ذات نہ صرف دوستوں، بلکہ دشمنوں کے واسطے بھی

رحمت ہے اور آپ رحمۃ للعالمین کے ہوتے ہوئے باری تعالیٰ دشمنان نبوی و کفار مکہ پر بھی عذاب نہیں بھیجتا اور جب تک آپ ان میں رہیں عذاب سے مامون و محفوظ رہیں گے۔

اس آیت کریمہ کا مصداق بھص قرآن اور سیاق و سباق نیز احادیث صحیحہ بلکہ اجماع امت کے صرف نبی کریم ﷺ ہیں۔ کسی آسانی صحیفہ، حدیث، تفسیر، تاریک، صحابی، ولی، عالم کے اقوال و اشارات میں اسے کسی اور پر چسپاں نہیں کیا گیا نہ مختار مدعا علیہ باوجود انتہاء جدوجہد کے ایک غیر مسلم ضعیف سے ضعیف نقل پیش کر سکا۔ پس مرزا صاحب کا شرک فی الرسالۃ اور نبی کریم ﷺ کی ہمسری اور تنقیص و توہین پورے طور پر واضح ہو گیا جس کے بعد کلمہ شریف پر ایمان محال قطعی ہے۔ پس اس میں قادیان کا اضافہ یا یہ تاویل کہ قرآن میں آیت سے اہل مکہ اور اس الہام میں قادیان کے باشندے مراد ہیں۔ محض بے سود اور اصل اعتراض سے غیر متعلق ہے۔ کیونکہ اعتراض کسی ترجمہ یا تاویل پر نہیں، بلکہ اس آیت کے کسی پر سوائے آنحضرت ﷺ کے چسپاں کرنے پر تھا جو بدستور سابق بالکل لا جواب ہے بلکہ جواب کا اشارہ تک نہیں۔

(۹)

### سبحان الذی اسرئ بعبدہ..... الخ!

”اور پاک ذات وہی خدا ہے جس نے ایک رات میں تجھے سیر کرایا۔“ (حقیقت الوحی ص ۸، خزائن ج ۲۲ ص ۸۱)

یہاں بھی وہی مغالطہ ہے ہر مسلمان واقف ہے کہ: ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ“ کی خلعت فاخرہ صرف محبوب رب العالمین ﷺ کے خصوصیات سے ہے۔ آدم علیہ السلام سے آج تک کسی نبی، ولی کو اس سے نوازا نہ گیا۔

اس آیت کو کسی طرح اپنے یا کسی پر چسپاں کرنا بارگاہ رسالت کی سخت ترین توہین اور شرک فی الرسالۃ ہے جس کے بعد کلمہ شریف پر ایمان نہیں رہ سکتا۔ مگر مختار مدعا علیہ اس سے پہلو بچا کر بجائے اس کے کہ اس کے چسپاں اور استعمال کرنے یا عدم تخصیص کا کوئی ضعیف سے ضعیف حوالہ پیش کرتے یہ بے سود تاویل پیش کی کہ: ”اس اعتراض کا بھی وہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں جس اسرئ کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے اور اس الہام میں جس اسرئ کا ذکر ہے وہ اور ہے۔“ خواہ جواب ہو یا نہ متعلق ہو یا غیر متعلق یہی الفاظ جواب کے واسطے پیش ہیں۔

عدالت خود توجہ فرمائے کہ جب یہ آیت: ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ..... الخ!“ باقر مختار مدعا علیہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے تو یہ تفصیل کہ قرآن میں مختص ہے اور حقیقت یا الہام میں نہیں محض لغو ہے۔ یہ خصوصی القاب دنیا جہان میں جہاں کہیں بھی جس رنگ میں ہوں آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہیں۔ ان کا کسی پر کسی طرح چسپاں کرنا درست نہیں، نہ ابتدائے آفرینش عالم سے آج تک الہام یا اختراعاً سوائے مرزا صاحب کے کسی نے چسپاں کئے ہیں۔ تمام مذہبی لٹریچر میں ایک نظیر موجود نہیں۔ اس کی تشریح (البشری ج ۱ ص ۲۸) سے یہ پیش کرنا کہ:

۵۳..... ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلاً“ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت میں سیر کرایا یعنی ضلالت و گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے معرفت اور یقین تک لدنی طور پر پہنچایا محض بے سود اور لغو ہے۔

..... اؤلاً اس لئے کہ یہ مرزا صاحب کی تشریح نہیں بلکہ باوجود منظور الہی کلرک محکمہ تارک تشریح اور ترجمہ جو مرزا صاحب کے ترجمہ حقیقت الوحی سے کچھ مغاڑ بھی ہے اور باوجود منظور الہی اور ان کے ترجمہ کتاب کے غیر مسلم ہونے کو مختار مدعا علیہ اور گواہان مدعا علیہ اسمع و لدی کے تحت میں شد و مد سے کہہ آئے ہیں۔

۲..... جہاں مرزا صاحب کی تشریح ہوتی ہے۔ وہاں مؤلف لفظ تشریح یا مرزا صاحب کا اسم گرامی اضافہ کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح ہے۔

۳..... یہ الہام (حقیقت الوحی ص ۸، خزائن ج ۲۲ ص ۸۱) سے منقول ہے، وہاں یہ ترجمہ بھی نہیں نہ اس تشریح کا پتہ ہے۔

۴..... کوئی بھی تاویل ہو اعتراض بدستور لا جواب ہے۔ کیونکہ اعتراض اس آیت کے چسپاں کرنے پر تھا۔ اس کا کچھ بھی جواب نہ ہو سکا۔ دوسرا حوالہ (براہین حصہ پنجم ص ۸۵، خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۲) کا پیش کیا ہے۔ ”ایک ہی رات سے سیر کرانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کی تمام تکمیل ایک ہی رات میں کر دی اور صرف چار پہر میں اس کے سلوک کو کمال تک پہنچایا۔“

اس تاویل سے بھی اعتراض آیت کریمہ کے چسپاں کرنے اور اپنے لقب کو اس خطاب میں شریک و سہم کرنے کا بدستور باقی رہا۔ بلکہ نظر غائر سے دیکھا جائے تو مضبوط ہی ہو گیا۔ یہ راتوں رات انتہائی مدارج تک پرواز کرنا بھی آنحضرت ﷺ کی شان ہے۔

۳..... تیسرا ایک جدید بالکل غیر مسلم حوالہ (سوانح عمری امام ربانی مطبوعہ لاہور ص ۱۱) کا پیش کیا۔ ”جو کمالات اوروں کو سا لہا سال سے پیش کرتے ہیں حضرت کو آفاقی نابیر محبوبی و مرادی حاصل ہوئے۔“

الجواب:

۱..... اولاً یہ کتاب غیر مسلم سوانح غیر معروف شخص محمد حسین ابن حکیم قادر بخش صاحب کی تالیف ہے۔ باب عقائد میں اس کا تذکرہ بھی بیکار ہے۔

۲..... یہ ایک خوش عقیدہ مرید کا اپنے پیر کے حق میں حسن ظن ہے۔ کسی پر کیا حجت۔

۳..... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے معتبر سوانح حیات یا ان کی تالیفات میں اس کا پتہ تک نہیں۔

۴..... اس غیر مسلم جدید حوالے سے بھی جواب نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس آیت کی بحث ہے، یعنی ”سبحان الذی اسرى بعبده لیلًا..... الخ!“ اس کا یہاں تذکرہ اشارۃً و کنایۃً بھی نہیں محض غیر متعلق چیز ہے۔

یہاں تو صرف اس قدر ہے کہ جو اوروں نے برسوں کی کوشش سے حاصل کئے وہ اللہ نے آپ پر تھوڑے وقت پر منکشف کر دیئے۔ یہاں آیت کریمہ یا اس کے کسی شخص پر چسپاں کرنے کا تذکرہ تک نہیں اتنی غیر متعلق باتوں کے باوجود اصلی اعتراض کو ہاتھ تک نہ لگایا اور وہ بدستور لا جواب رہا۔

(۱۰)

## لولاک لما خلقت الافلاک

(ترجمہ مرزا) اگر میں تجھے (یعنی مرزا صاحب) پیدا نہ کرتا تو آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ (حقیقت الوحی ص ۹۹، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۲)

اگرچہ باعتبار سند اس کے حدیث ہونے میں محدثین کو تامل ہے۔ مگر اس پر تمام محدثین متکلمین مفسرین اور ائمہ و بزرگان دین سلف و خلف کا اتفاق ہے کہ سب ایجاد عالم اور باعث تخلیق افلاک بلکہ تمام زمین و زمان، انس و جان، عرش و کرسی، لوح و قلم و تمام کائنات عالم صرف ذات گرامی سید المرسلین ﷺ ہے نہ کوئی اور مخلوق، ساری مخلوق تمام کائنات آپ کے صدقہ و طفیل پر وہ عدم سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ یہ فقرہ ”لولاک لما خلقت الافلاک“ سنداً و جہی ہو یہاں اس کی سند زیر بحث نہیں صرف یہ گفتگو ہے کہ یہ خصوصی لقب آنحضرت ﷺ کا ہے اور یہ اس تخصیص میں اس قدر مشہور ہے کہ صاحب لولاک سید لولاک بجز لہ آپ کے اسم گرامی کے مستعمل ہے۔

مولانا گرامی فرماتے ہیں:

گیرم دامن آن سید لولاک در محشر  
گرامی در قیامت آن نگاہ مغفرت خواهد  
کہ محشر بر نہ تابد تاب حسن بے حجابش را  
کہ در آغوش گیرد جرہائے بے حسابش را  
خواہ سند کے لحاظ سے اسے حدیث نہ کہیں یا صحاح میں اس کا تذکرہ نہ ہو مگر یہ لقب کسی اور پر چسپاں کرنا جب کہ یہ باتفاق مسلمین  
خصوصیات نبویہ سے ہے اور سیر کی کتب میں مذکور ہے۔ یقیناً شرک فی الرسالۃ اور تنقیص بارگاہ رسالت ﷺ ہے جس کے بعد کلمہ توحید پر  
ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔ اس فقرہ لولاک لما خلقت الافلاک کی تخصیص اور آنحضرت ﷺ ہی کے اصلی مصداق ہونے کا اعتراف  
مخبر مدعا علیہ کو بھی ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے: ”اصل مصداق لولاک لما خلقت الافلاک کا تو آنحضرت ﷺ کا وجود باوجود ہی ہے،  
کیونکہ آپ نوع انسانی کے جو کہ اشرف انواع مخلوقات ہے، اکمل واعلیٰ فرد ہیں جس پر کمال انسانی کا خاتمہ ہے۔“ مگر پھر بھی مرزا صاحب  
کی ہمسری و مشارکت کے واسطے تین مندرجہ ذیل تاویلیں کی ہیں۔

۱..... اس میں نئے آسمان وزمین جو نئے مصلح کے وقت پیدا ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ جیسے (حقیقت الوحی ص ۹۹، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۲ احاشیہ)  
سے ثابت ہے یعنی مرزا صاحب روحانی آسمان سے علت غائی ہیں۔ (ملخصاً)

۲..... اصلی مصداق لولاک لما خلقت الافلاک آنحضرت ﷺ ہی ہیں، مگر ظلی طور پر مرزا صاحب بھی مصداق لولاک  
لما خلقت الافلاک ہیں۔

۳..... حدیث نسائی ”فضل المؤمن اعظم عند الله من زوال الدنيا اور ابن ماجہ لزوال الدنيا اھون عند الله من قتل  
مومن بغير حق“ کے حاشیہ سندھی میں یہ درج ہے کہ: ”المراد بالمومن الكامل الذی یکون عارفاً بالله تعالیٰ و صفاته فانہ  
المقصود من خلق العالم لکونہ مظهر الايات الله و اسرارہ ما سواہ فی هذا العالم الحسی من السموات و الارض  
مقصود لاجلہ و مخلوق لیکون مسکنالہ و محلاً لتکفرہ مضار زوالہ اعظم من زوال التابع“ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۰ حاشیہ  
مصری) کہ حدیث میں مؤمن سے کامل مؤمن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات کا عارف ہو۔ کیونکہ پیدائش عالم سے وہ ہی مقصود  
ہے۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے آیات اور اسرار کا مظہر ہے اور اس کے علاوہ جو عالم محسوسات میں زمین و آسمان ہیں۔ اس کی خاطر ان  
کے بنانے کا مقصد کیا گیا اور اس لئے وہ پیدا کئے گئے تاکہ وہ کامل مؤمن کہا جائے، سکونت اور محل تفکر ہوں۔ لہذا کامل مؤمن کا زوال اعظم  
ہے تابع کے زوال سے۔“

الجواب:

۱..... پہلا دوسرا نمبر آپس میں متعارض ہیں۔ کیونکہ پہلے میں روحانی آسمان مراد ہے اور دوسرے میں یہی محسوس آسمان صرف ظلی  
و بروزی کا فرق ہے۔

۲..... نیز پرانے آسمان مراد ہوں یا نئے خدا کے پیدا کئے ہوں یا بقول مرزا صاحب اپنے کشفی بنائے ہوئے تمام کائنات عالم کے علت  
غائی آنحضرت ﷺ اور ان کا وجود باوجود ہی ہے۔ نئے پرانے جسمانی روحانی کی تفصیل نہیں۔ یقیناً آنحضرت ﷺ ہر لحاظ سے مصداق  
”لولاک لما خلقت الافلاک“ ہیں۔ کسی تاویل سے یہ لقب سیدنا آدم علیہ السلام سے آج تک کسی نبی، ولی، قطب، غوث نے اپنے یا  
کسی دوسرے کے واسطے نہ جائز رکھا نہ استعمال کیا۔ اس کو کسی پر کسی طرح خواہ ظلی و بروزی طور پر کیوں نہ ہو۔ چسپاں کرنا شرک فی الرسالۃ  
موجب تنقیص سید المرسلین ﷺ اور منافی ایمان کلمہ توحید ہے۔

اعتراض صرف استعمال اور چسپاں کرنے پر ہے کسی مخصوص لحاظ، مخصوص معنی اور مخصوص تاویل پر نہیں، مختار مدعا علیہ اعتراضی پہلو یہاں بھی نظر انداز کر گیا اور اس اعتراض کو بھی لاجواب چھوڑا۔

## تیسری تاویل کا جواب

۱..... یہ حدیث بیان سے بالکل غیر متعلق ہے۔ کیونکہ اس میں تو صرف اس قدر ہے کہ کسی مؤمن کو ناحق قتل کرنا اللہ کے نزدیک دنیا زائل ہونے سے زیادہ بڑھ کر ہے۔

اور ظاہر ہے کہ تمام دنیا انسان اور انسان کامل مؤمن کی خادم اور وہ مخدوم ہے اور مخدوم کے مقابلے میں خادم کی حیثیت ہی کیا۔  
”لو لاک لما خلقت الافلاک“ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

۲..... حاشیہ سنڈی غیر مسلم جدید حوالہ ہے نہ وہ حاشیہ کسی مسلم محدث کا ہے کہ کسی پر حجت ہو۔

۳..... اس میں کہیں بھی ”لو لاک لما خلقت الافلاک“ کا خطاب مؤمن کامل یا کسی کے واسطے نہیں بتایا ہے۔ اس میں تو صرف مندرجہ ذیل امور مختار مدعا علیہ کے اپنے من مانے ترجمہ سے نکلے ہیں۔

۱..... مؤمن کامل عارف باللہ تمام مخلوق میں مخلوق بالذات ہے۔

۲..... عالم محسوسات زمین و آسمان اس لئے پیدا کئے گئے تاکہ وہ کامل مؤمن کی جائے سکونت اور محل تفکر ہوں۔

مؤمن کامل کی نفع رسانی اور محل سکونت اور جائے تفکر ہونا اور بات ہے اور کسی کا علت غائی مصداق ”لو لاک لما خلقت الافلاک“ ہونا کہ اگر اسے پیدا نہ کرتا تو آسمان پیدا نہ کرتا یہ اور چیز ہے۔ نفع اور سکونت میں انسان کے ساتھ حیوانات بھی شریک ہیں۔ ہاں! انسانی نفع مقصود بالذات ہے اور حیوانی مقصود بالطبع۔ یہ بات نہیں کہ اگر مومن کامل کو پیدا نہ کرتا تو افلاک و دنیا پیدا نہ کرتا، سب اسی کے صدقہ میں موجود ہوا۔

بلکہ یہ شان صرف سید بنی آدم، باعث ایجاد عالم ﷺ ہی کی ہے جن کو باری عزاسمہ نے فرمایا: ”لو لاک لما خلقت الافلاک“ اور مختار مدعا علیہ کو بھی آنحضرت ﷺ ہی کو اصل مصداق ماننا پڑا۔ بہر حال ماہہ النزاع سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہاں ”لو لاک لما خلقت الافلاک“ کسی پر چسپاں ہے، نہ کسی کو علت غائی وجود افلاک قرار دیا ہے۔ صرف یہ ہے کہ زمین انسان کامل کے رہنے اور آسمان اس کے تفکر میں بھی مستعمل ہے۔ باقی پیدا وہ بھی صدقہ میں سید المرسلین ﷺ کے ہے بلکہ مؤمن کامل اور خود ایمان کا وجود بھی آنحضرت ﷺ ہی کا صدقہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کو پیدا نہ کیا جاتا تو نہ صرف زمین و آسمان، بلکہ مؤمن اور ایمان، جنت و دوزخ، عرش و کرسی اور کائنات عالم کا ایک ذرہ بھی پیدا نہ ہوتا۔ مرزا صاحب کے قبعین مرزا صاحب کو باعث ایجاد عالم یا ایجاد افلاک مانتے ہیں، مسلمان تو صرف اللہ کے محبوب اولین، خلق سید الاولین والآخرین کو مصداق ”لو لاک لما خلقت الافلاک“ اور ”لو لاک لما خلقت الدنيا“ مانتے ہیں اور کسی اور پر اسے چسپاں کرنا آنحضرت ﷺ کی سخت ترین توہین اور شرک فی الرسالہ اور منافی کلمہ توحید بتاتے ہیں۔ جیسا کہ اصل بحث میں مدلل پیش کر چکا ہوں۔

## حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی پر بہتان

مختار مدعا علیہ نے (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۲۰) سے ایک فتویٰ پیش کیا ہے جس میں اول ما خلق اللہ نوری وغیرہ بعضی احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ مولانا جواب دیتے ہیں کہ: ”یہ حدیثیں کتب صحاح میں موجود نہیں۔ مگر شیخ عبدالحق نے اول ما خلق

اللہ فوری کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔“

اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت مولانا اس کے منکر ہیں اور مؤمن نہیں محض بہتان ہے۔ یقیناً یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔ گو دوسری احادیث کی کتب میں ہے مگر سند کے لحاظ سے محدثین کو اس کے حدیث ہونے میں تامل ہے۔ مگر مضمون پر سب متفق ہیں کہ افلاک اور تمام عالم صرف آنحضرت ﷺ کے وجود باجود کا صدقہ ہے اور حدیث: ”لولاک لما خلقت الدنیا“ جو اس مضمون کی مؤید ہے سنداً بھی درست ہے جس کی تصحیح علامہ ابن حجر کی نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔ بہر حال سند کی تو یہاں بحث ہی نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی یا کسی اور عالم نے مصداق ”لولاک لما خلقت الافلاک“ اور باعث ایجاد عالم و تخلیق مساوات کسی اور کو بتایا ہو تو پیش کریں، مگر ہرگز نہیں کر سکتے۔ ”ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا“ بہر حال یہ اعتراض بھی بوجہ اس کے کہ اعتراضی پہلو نظر انداز کر دیا جائے۔ بالکل لا جواب ہے۔ مفصل اصل بحث سے ملاحظہ فرمایا جاوے۔ اعادہ بخوف تطویل نہیں کرتا۔

## عیسیت کا دعویٰ

”محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار“

شُرک دو قسم کا ہوتا ہے۔ شرک فی الذات اور شرک فی الصفات۔ مرزا صاحب اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے ایک ایک خصوصی صفات میں شرک کا دعویٰ کرتے کرتے عین محمد ﷺ بن گئے۔ چنانچہ بحث میں اس کے واسطے مندرجہ ذیل حوالہ پیش کئے ہیں۔

.....۱

منم مسیح زمان ومنم کلیم خدا منم محمد احمد کہ مجتبیٰ باشد  
(تزیاق القلوب ص ۳، خزائن ج ۱۵ ص ۱۳۴)

.....۲ ”اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد واحد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت کا وجود قرار دیا ہے۔“

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲)

.....۳ ”پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی الہی ہے کہ: ”محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار“  
اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔“ (ضمیر حقیقت النبوۃ ص ۲۶۲، ایک غلطی کا ازالہ ص ۱، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷)

.....۴ حقیقت الوحی میں جہاں اپنے لئے سب نبیوں کے نام گنائے ہیں۔ وہاں محمد واحد ہوں بھی موجود ہے اور ان کے مریدین نے انہیں عین محمد تسلیم بھی کر لیا، بلکہ ان سے بڑھ کر جیسا کہ قاضی ظہور الدین اکمل ایڈیٹر تحفید الاذہان لکھتے ہیں:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور بڑھ کر پہلے سے ہیں عزو شان میں  
محمد دیکھنے ہوں جس کو اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

(اخبار البدر ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

یہ جو کہیں کہیں ظل و بروز کے الفاظ اور حیلہ معلوم ہوتا ہے۔ اسے خلیفہ محمود صاحب محض بے معنی صرف افساری پر محمول کرتے ہیں ورنہ دراصل اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

..... کتاب ہینڈ بل بحوالہ الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء کہ: ”ہم جیسے خدا کی دوسری وحیوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام کو نبی پڑھتے ہیں۔ ایسی ہی خدا کی آخری وحی میں مسیح کو بھی یا نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں اور اس نبی کے ساتھ کوئی لغوی یا ظلی یا بروزی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے کہ اپنے آپ کو ایک مجرم فرض کر کے اپنی بریت کرنے لگیں بلکہ جیسے اور نبیوں کی

نبوت کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دے دیتے ہیں۔“ اس سے یہ امر ثابت ہوا کہ مرزا محمود کے نزدیک ظلی بروزی فرق وحی الہی نے نہیں کیا بلکہ خود مرزا صاحب کا تصنیف کردہ ہے اور اس کی بناء کوئی حقیقہ واقعیہ نہیں ہے بلکہ محض انکساری و فروتنی ہے۔ جیسا کہ (پینڈل بل ۳۳۸) پر ہے: ”خدا نے صاف صاف لفظوں میں آپ کا نام نبی رکھا اور کہیں بروزی اور ظلی نہ کہا۔ پس ہم خدا کے حکم کو مقدم کریں گے اور آپ کی تحریریں جن میں انکساری و فروتنی کا غلبہ ہے جو نبیوں کی شان ہے۔ اس کو ان الہامات کے ماتحت کریں گے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ظلی و بروزی خدا کے کلام میں نہیں بلکہ خلاف واقع بھی ہے۔ صرف انکساری کے طور پر مرزا صاحب نے یہ کہہ دیا ہے۔“

اب اس قسم کی واضح عینیت اور دعویٰ محمد رسول اللہ ہونے کے بعد کیونکر ایمان قائم رہ سکتا ہے جو شخص اپنے آپ کو عین محمد رسول اللہ کہتا ہو اور آیت کریمہ: ”محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار“ اپنے اوپر بے نیام چسپاں کرتا ہو اور خود کو محمد رسول اللہ ﷺ سمجھتا ہو۔

وہ کروڑ مرتبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے محمد رسول اللہ پر اس کا ایمان محال ہے۔ ہاں! اپنے اوپر ایمان دار ہو تو ہو یا ان دونوں محمدوں پر یکدم تو شرک فی الرسالۃ بلکہ شرک فی الذات رہا جو شرک فی الصفات سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور سخت ترین ہے جو کسی دشمن خدا اور رسول نے نہیں کی اور اس کے بعد کلمہ پر ایمان بالکل نامسوع ہے۔

نیز جب کہ مرزا صاحب اور تمام ان کے متبعین صاحبان مرزا غلام احمد صاحب کو بھی محمد رسول اللہ سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں خدا نے یہ نام اس آیت: ”محمد رسول اللہ والذین معہ ..... الخ!“ میں مرزا صاحب کو دیا ہے تو جب وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں تو قابل سوال یہ امر ہے کہ اس محمد رسول اللہ سے مراد ان کے محمد رسول اللہ ہیں یا ہمارے آقا؟ اور ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کا امتی، محمد رسول اللہ سے مرزا صاحب ہی کو مراد لے گا۔ لہذا کسی کا ایمان اس کلمہ پر نہیں ہو سکتا۔ جب تک مرزا صاحب محمد رسول اللہ ہونے سے انکار نہ کریں اور ان کے متبعین اس کے ماننے سے رجوع نہ کریں۔

۲..... یہ بھی قباحت بحث میں پیش کر چکا ہوں کہ آیت: ”محمد رسول اللہ والذین معہ ..... الخ!“ بھص قطعی بلکہ بہ شہادت خدا وندی و کفیٰ باللہ شہید! صرف آنحضرت ﷺ کے واسطے بلا شرکت غیر ہے، اسے مرزا صاحب کا اپنے اوپر چسپاں کرنا علاوہ دعویٰ عینیت نص قطعی کا انکار و شہادت خدا وندی کی تکذیب ہے، جو نہ صرف ایک دو بلکہ بے شمار کفروں پر مشتمل ہے۔

۳..... عین محمد اور انہی کا وجود ہونے میں مندرجہ ذیل کفریات ہیں:

- ۱..... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازوج مطہرات کی ہنک کہ جب عین محمد ﷺ ہیں تو ان سے کیا رشتہ رہا۔ (العیاذ باللہ)
- ۲..... سیدہ فاطمہ زہراء سیدنا ابراہیم و دیگر اولاد کی ہنک کہ جب عین محمد ہیں تو ان کے والد (عیاذ باللہ) ٹھہریں گے۔
- ۳..... سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ و امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کہ ان کے نانا جان ہوئے۔ وغیرہ وغیرہ!
- ۴..... تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، اہل بیت رضی اللہ عنہم، اولیاء، اقطاب و ابدال بلکہ تمام امتہ کی توہین، توہین انبیاء کے تحت میں یہ مفصل آئے گا۔ تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعیہ نمبر ۴ سلسلہ توہین انبیاء و توہین نبی کریم ﷺ۔

مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ کا جواب

اؤ لایہ کہ کوئی بھی تاویل کریں اعتراض ہی لا جواب ہے۔ کیونکہ بنیاد یہاں بھی آیت کریمہ: ”محمد رسول اللہ والذین معہ ..... الخ!“ کے اپنے اوپر چسپاں کرنے پر ہے جس کی جرأت کسی نبی، صحابی، ولی، قطب نے نہ کی، نہ کسی آسمانی صحیفہ احادیث تفسیر کلام

فقہ یا کسی غیر مستند کتاب ہی میں اس کی کوئی نظیر ہے نہ مختار مدعا علیہ اس کی ایک نظیر پیش کر سکا۔ لہذا اصل اعتراض تو لا جواب ہی رہا اور بجز اللہ! اس پینڈنگ میں ہر اعتراضی پہلو بچایا اور تمام اعتراض لا جواب اور قراری کفر ہے۔

۲..... مرزا صاحب کا دعویٰ عین محمد ہونے کا مختار مدعا علیہ اور اس کے گواہوں کو مسلم ہے۔ نیز ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“ کا مصداق بھی مرزا صاحب کو مانتے ہیں اور جواب میں صرف رکیک تاویلیں پیش کرتے ہیں۔

۱..... آپ نے کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ میں جسمانی لحاظ سے وہی محمد ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آئے تھے۔

۲..... آپ فرماتے ہیں کہ میں ظلی اور بروزی طور پر وہی محمد ہوں۔

۳..... خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ میرا تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افادہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد ﷺ کو ملحوظ رکھ کر۔

۴..... مشابہت کی وجہ سے محمد کہا گیا۔

### الجواب:

۱..... اوّل جسمانی و روحانی کسی طرح عین محمد بننا تو بین نبوی ﷺ ہے، مگر مختار مدعا علیہ کی خاطر مرزا صاحب نے یہ بھی تصریح فرمادی ہے کہ: ”اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد و احمد رکھا اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دیا۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲) فرمائیں عین محمد ہونے کے ساتھ اپنے کو آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دے رہے ہیں۔ اس سے زائد کیا تصریح ہوگی۔

اب یہ مختار مدعا علیہ کی رائے ہے کہ جن محمد ﷺ کی عینیت کا دعویٰ ہے وہ وہی ہیں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے دنیا میں ان ظاہری آنکھوں کے سامنے جلوہ افروز تھے یا کوئی اور؟

۲..... ظلی و بروزی کی تاویل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کی ذات گرامی اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ ظلی و بروزی طور پر بھی اس بے مثیل ہستی کا کوئی مثیل اور ظل و بروز نہیں ہو سکتا نہ کسی طرح اس کا عین بن سکتا ہے۔ اسی طرح کہ اس کا وجود عین وجود محمد ﷺ ہو جائے۔ جیسا کہ مرزا صاحب ہیں آپ کی شان محبوبیت کی یکتائی کا تقاضا ہے کہ کوئی ان کا شبیہ اور سہیم و شریک بھی نہ ہو۔ شیطان لعین ہر ایک کی شکل بن کر آ سکتا ہے، مگر اللہ کے محبوب کی شکل خواب میں بھی نہیں بن سکتا۔ خود ارشاد فرماتے ہیں: ”من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یترابی ولا یتمثل بی او کما قال ﷺ (بخاری شریف)“ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی مجھی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میرا نقشہ نہیں پاسکتا، نہ میری شکل بن سکتا ہے۔

بہر حال کسی تاویل سے عینیت محمدیہ ہو اور اپنا وجود آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا جائے درست نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بروز سے ہی کوئی مغائرت پیدا نہ ہوئی۔ جیسا کہ مرزا صاحب خود کہتے ہیں: ”اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دیا گیا بروز میں دوئی نہیں ہوتی۔“ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲)

۳..... جواب یہ ہے کہ مرزا محمود صاحب جن پر گواہوں نے اپنا ایمان بتایا ہے اور جس کی تصانیف ان پر حجت ہیں، ظلی و بروزی کی تفصیل خدا کی وحی میں نہیں بتاتے بلکہ محض مرزا صاحب کی انکساری و فروتنی پر محمول کرتے ہیں۔ گویا اصل یہ واقعہ نہیں، بلکہ یہ آؤ ظلی و بروزی کی ہے۔ ورنہ دراصل وہ انکساری کے طور پر ہے۔ (ملاحظہ ہو حوالہ پینڈبل سابقہ)



۴..... یہ کہنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام فیوض کا واسطہ ہیں۔ اس لئے عینیت محمدی کا دعویٰ ہے، محض لغو ہے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ واسطہ اور ذی واسطہ غیر غیر ہوتے ہیں اور آج تک کسی عقلمند نے واسطہ اور ذی واسطہ کی عینیت کا قول نہیں کیا۔

۵..... مشابہت تامہ کی وجہ سے عین محمد کہا گیا ہو۔ اولاً یہ تاویل لغو ہے۔ کیونکہ خود مرزا صاحب تصریح فرما رہے ہیں کہ خدا نے مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دیا ہے اور ظہور الدین اکمل تو عین محمد اور پہلے سے بڑھ کر مانتے ہیں:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور بڑھ کر پہلے سے ہیں عز و شان میں  
محمد دیکھنے ہوں جس کو اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

(اخبار الہدٰی ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء ص ۱۳)

قاضی صاحب کا یہ عقیدہ مرزا صاحب کے کلام کی روشنی میں ہے۔ جیسا کہ اوّل بحث میں بحوالہ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۸، ۲۵۹) گزر چکا کہ صرف عین محمد بلکہ پہلے سے کامل ہیں۔ عیاذ اللہ! دوسرے اللہ کے محبوب آنحضرت ﷺ سے کسی کی مشابہت تامہ ماننا بھی کفر ہے۔ انتہائی پرواز مقربان بارگاہ الہی کی یہ ہے کہ ان کے مقامات و کمالات کا یوں نظارہ کریں۔ جیسے زمین والا آسمان کے ستارے کو دیکھتا ہے۔ جیسے کفریقین کی مسلم کتاب الیواقیت والجوہر کے حوالہ سے پیش کر چکا ہوں۔

بزرگان دین پر مختار مدعا علیہ کا صریح بہتان

مختار مدعا علیہ نے اس سلسلے میں تین حوالہ پیش کئے ہیں اور تینوں غیر مسلم پیش کئے ہیں:

۱..... مقامات امام ربانی۔ ۲..... شرح خصوص الحکم قاشانی۔ ۳..... حاشیہ مشنوی بحر العلوم۔

الجواب:

۱..... مقامات امام ربانی سلسلہ مجددیہ کے ایک غیر معروف اور غیر مسلم شخص کی مرتب کردہ سوانح ہے جو حجۃ نہیں ہو سکتی۔ اس کا مؤلف نہ مفسر ہے نہ محدث نہ کوئی عالم نہ مسلم بزرگ نہ کتاب کی توثیق کسی بزرگ نے کی۔

عقائد اور ایسے نازک مرحلہ کفر و اسلام میں ان تصانیف کا ذکر ہی فضول ہے۔ خود گواہان مدعا علیہ اپنے بیانون اور جرح میں تسلیم کر چکے ہیں کہ عقائد میں قطعیت کا اعتبار ہے، نہ کہ ظنیات کا۔ احادیث صحیحہ جو احاد کے درجہ میں ہوں، ان کا بھی اعتبار نہیں۔ علاوہ بریں گفتگو تو یہ ہے کہ عین محمد کا دعویٰ صحیح ہے یا نہ اور ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“

علاوہ سرکار دو عالم ﷺ کسی اور پر چسپاں ہو سکتا ہے یا کوئی اور اس کا مصداق کسی طرح ہو سکتا ہے۔ اس کا اس حوالہ میں کہیں پتہ نہیں۔ اصل حوالہ ملاحظہ ہو: ”حقیقت محمدی یا مقام محمدی محبت و محبوبیت معترجہ ذاتیہ حضرت رسول اکرم ﷺ کا ہے۔ اس مقام میں تابع کو اپنے سے ایسی مشابہت و مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا جمعیت درمیان سے اٹھ گئی اور امتیاز تابع و متبوع زائل ہو جاتا ہے اور ایسا توہم ہوتا ہے کہ گویا تابع و متبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ ہم آغوش ایک کنار اور ایک بستر ہیں۔ مگر تابع اپنے تئیں طفیلی اپنے متبوع کا جانتا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل فقرات قابل لحاظ ہیں۔

۱..... ”حقیقت محمدی یا مقام محبت و محبوبیت معترجہ آنحضرت ﷺ“

۲..... ”اس مقام میں تابع کو اپنے متبوع سے ایسی مشابہت و مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا جمعیت درمیان سے اٹھ گئی۔“ امتیاز تابع اور متبوع زائل ہو جاتا ہے۔“

۳..... ”ایسا متوہم ہوتا ہے کہ گویا تابع و متبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں“ مگر تابع اپنے تئیں طفیلی اپنے متبوع کا جانتا ہے۔“

## تفصیلی جواب

اولاً یہاں گفتگو حقیقت محمدیہ اور مقام محبت میں اس تعلق پر ہے جو آنحضرت ﷺ کا خدا کے ساتھ ہے جس کا ثبوت پہلا فقرہ ”حقیقت محمدی یا مقام محبت و محبوبیت ممتزجاً آنحضرت ﷺ“ ہے اور وہ بھی وحدۃ الوجود کے طرز پر جس سے مرزا صاحب برأت ظاہر کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام بہ حوالہ سابق)

یہاں کسی کا ذات محمدی یا وجود پاک محمد ﷺ میں شرکت کا تذکرہ تک نہیں جس کا مرزا صاحب کو دعویٰ ہے کہ: ”خدا نے آج سے تیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد و احمد رکھا اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دیا۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲) ۲..... یہاں عینیت کا ذکر تک ہی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایک ایسی مناسبت ہو جاتی ہے کہ گویا جمعیت درمیان میں اٹھ گئی۔ ملاحظہ ہو فقرہ نمبر ۲ نہ یہ کہ تابع و متبوع عین ہوں گے اور دعویٰ عینیت درست ہو گیا۔

۳..... عینیت کی صاف تردید ہے، صرف اس قدر ہے کہ دونوں ہمکنار متوہم ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فقرہ نمبر ۳ ”ایسا متوہم ہوتا ہے کہ گویا تابع و متبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پی رہے ہیں۔ ہم آغوش محل ایک کنار اور ایک بستر ہیں۔ یہ اور شے ہے اور عینیت اور شے۔“ ۴..... اس کی صاف تصریح ہے کہ باوجود ہم کناری اور ہم بستری کے اور کمال اتصال معیت کے دعویٰ عینیت نہیں کر سکتا، بلکہ اپنے آپ کو اپنے متبوع کا طفیلی بنائے گا۔ ملاحظہ ہو فقرہ نمبر ۴ مگر تابع اپنے تئیں طفیلی اپنے متبوع کا جانتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ نے اس حوالہ سے محض فریب دیا تھا اور دراصل یہ حوالہ ہمارا مؤید اور ان کی تمام تاویلات کا خاتمہ کرنے والا ہے کہ انتہائے محبت و اتصال میں بھی دعویٰ عینیت نہیں بلکہ متبوع طفیلی اپنے تابع کا رہے گا۔ اللہ الحمد!

ہوا ہے کہ مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا دوسرا حوالہ شرح خصوص قاشانی کا ہے کہ: ”مہدی کا باطن محمد ﷺ کا باطن ہوگا۔“ (شرح خصوص مصری ص ۵۲، ۵۳)

اولاً یہ شارح مسلم ہیں نہ یہ شرح نہ کسی اہل طریقت نے اسے مسلم شروع سے شمار کیا نہ یہ ہم پر یا کسی پر جتہ ہو سکتی ہے۔ ۲..... یہ حوالہ قطع و برید کر کے پیش کیا گیا ہے اور صرف ایک فقرہ ورنہ کوئی مغالطہ نہ ہوتا۔ عدالت سیاق و سباق ملاحظہ فرمالمے۔ ۳..... اس عینیت کے دعویٰ یا ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“ کے علاوہ محمد ﷺ کسی اور پر چسپاں ہونے کا ذکر تک نہیں۔ یہاں تو صرف یہ ہے، مہدی اخلاق محمدی سے آراستہ ہوں گے باطن کا لفظ عام طور پر اخلاق و سیرت پر بولا جاتا ہے اور یہ فقرہ دراصل شرح ہے۔ اس حدیث کی جو ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ مہدی نبی کریم ﷺ کی سیرت اور اخلاق میں مشابہ ہوں گے نہ صورت میں ”یشبہ فی الخلق لا یشبہ فی الخلق (ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب اشراط الساعة)“

پس اس میں عینیت کا دعویٰ کجا عینیت کی زبردست تردید ہے اور اگر ان جزوی مشابہتوں سے دعویٰ عینیت کا جواز ہوتا تو تیرہ سو سال میں کوئی تو کرتا۔ حالانکہ ایک نظیر موجود نہیں کہ کسی نے عین محمد ﷺ ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ ہاں! خدائی کے جھوٹے دعوے دار اور وحدۃ الوجود کے رنگ میں سکر کی حالت میں انسا الحق کہنے والے بزرگ بھی بہت ملیں گے، مگر عین محمد ہونے والے دستیاب نہیں ہوتے۔ یہ مرزا صاحب کا اختراع ہے۔

تیسرا حوالہ حاشیہ مثنوی بحر العلوم حاشیہ نمبر ۱۵ دفتر چہارم برشعر:

گفت زیں سو بوئے یارے میرسد کاندیں رہ شہر یارے میرسد  
الجواب: مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی نے امام ہیں نہ محدث نہ مفکر نہ فقیہ ایک منطقی اور فلسفی مشہور ہیں۔ کسی نے ان کا صوفیہ میں بھی

شائیں کیا۔ ان کی رائے کسی پر کیا حجتہ ہو سکتی ہے۔ خصوصاً عقائد میں۔

۱..... نہ مثنوی شریف میں کہیں عین محمد کا دعویٰ یا اس کا دور کا اشارہ ہے نہ کسی شرح میں نہ کسی قطب نے کبھی عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ خود بایزید بسطانی نے یہ کلمہ زبان سے نکالا، نہ کبھی کسی نے یہ ہوش میں کہا، نہ سکر میں۔

حاشیہ نمبر ۱۵ پر مولانا عبدالعلی بحر العلوم صاحب لکھنوی لکھتے ہیں کہ چونکہ قطب کا قلب (یعنی باطن و سیرۃ) محمد ﷺ کے قلب (یعنی سیرۃ) پر ہوا کرتا ہے اور جو کسی کے قلب (سیرۃ باطن) پر ہو وہ گویا وہی شخص ہو جاتا ہے۔ پس بایزید بسطامی چونکہ قطب وقت ہیں (گویا عین رسول اللہ ﷺ ہوئے۔

یہ مولانا عبدالعلی کی اپنی منطق ہے جس کا کوئی حوالہ کسی بزرگ کے کلام سے نہیں۔ لہذا قابل التفات بھی نہیں اور اصل مدعا ثابت نہیں کہ کسی نے عین محمد ﷺ ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“ اپنے یا کسی پر چسپاں کیا ہو یا کسی کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہو۔ بہر حال باوجود غیر مسلم ہونے کے یہ حوالے غیر متعلق بھی ہیں۔

۲..... مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ عبارت اس ترتیب سے وہاں نہیں بلکہ یہ خیانت تقدیم و تاخیر اور قطع و برید سے پیش کی گئی ہے۔ آخر میں مختار مدعا علیہ نے یہ کہا کہ: ”تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بیان گواہ نمبر ۱۔ وہاں بھی یہی بعینہ تاویلات اور بھی حوالے ہیں۔ صرف مکتوبات کے دو اور حوالہ ہیں جس میں آنحضرت ﷺ کا تعلق اور خصوصی اتصال محبت کا ذکر ہے۔ اس دعویٰ عینیت یا مصداق آیت: ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“ کا تذکرہ تک نہیں اور ایسی کھلی ہوئی خیانت اور قطع و برید اس کے نقل میں کی ہے کہ اس پر انسانیت شرماتی ہے۔ چونکہ وہاں دو حوالہ تو ہیں انبیاء کے سلسلہ میں درج ہیں۔ لہذا اسی ہیڈنگ کے تحت ان کا مفصل تذکرہ اور خیانت بتائی جائے گی۔ ان شاء اللہ! غالباً اسی کمزوری کا خیال کر کے مقامات امام ربانی اور شرح فصوص اور حاشیہ مثنوی کے حوالہ کو یہاں مختار مدعا علیہ نے ذکر کر دیا اور ان دونوں حوالوں کا نام تک نہ لیا اور محض مغالطہ دینے کے واسطے چند صفحات کا حوالہ دے دیا تاکہ لوگ مغالطہ میں رہیں۔ کچھ اور قوی مفصل دلائل ہوں گے۔ حالانکہ ان مذکورہ بالا تاویلات رکیکہ کے سواء وہاں کچھ بھی نہیں۔ الفاظ تک تقریباً وہی مکرر نقل کئے ہیں۔

بہر حال عین محمد ہونے کا دعویٰ اور آیت: ”محمد رسول اللہ والذین معہ..... الخ!“ اپنے پر چسپاں کرنے کا کفر بدستور سابق لا جواب رہا۔ ایک ضابطہ کا بھی جواب نہ ہو سکا۔

## (۱۲)

منم مسج زمان ومنم کلیم خدا منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد  
اس کا مفصل جواب الجواب عینیت کے ہیڈنگ کے تحت پیش کر چکا ہوں۔ دعویٰ عینیت کی مذکورہ بالا تصریحات کے بعد تریاق القلوب کے دوسرے جمل گول مول مغالطہ آمیز اشعار اور (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۹، خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۶) کی مغالطہ آمیز وہ عبارت نہ اس کا جواب بن سکتی ہے، نہ اس کی تشریح، نہ اس کا اصل اعتراض پہلو اور پیش کردہ پوائنٹ سے کسی قسم کا تعلق ہے۔ نیز اس شعر پر علیحدہ ۱۲) ڈالنا بھی اس لئے ہے۔ ورنہ عینیت کے دعویٰ کے تحت یہ مذکور ہے اور اسی نمبر کا حوالہ ہے۔

## مرزا صاحب کا جواب

مختار مدعا علیہ نے اس ہیڈنگ کے ماتحت ایک عمومی جواب کارنگ دے کر پھر مکرر بحث کا اعادہ چاہا ہے تاکہ اپنے مغالطہ کی تکمیل کر سکے۔ اس سلسلہ میں تین جواب نقل کئے ہیں۔

پہلے جواب میں (براہین احمدیہ ج ۳، ۴) اور (ازالہ اوہام) کے چند وہ حوالہ پیش کئے ہیں جس میں وہی ظلی و بروزی واسطہ و ذی واسطہ تابع و متبوع کی تاویلیں ہیں جن کا مفصل جواب گزر چکا جن کا خود مختار مدعا علیہ اس کا نتیجہ یہ نکالتا ہے۔ ”آپ پر ان انعامات کا نزول بابرکت متابعت مصطفیٰ ﷺ آپ کے مخدوم اور متبوع کے ہے اور آپ ان کے خادم اور تابع ہیں۔“

مگر کبھی خادم عین مخدوم، تابع عین متبوع و رعایا، عین سلطان یا اس کے خصوصی امتیازی القاب میں شریک و سہیم نہیں ہو سکتا، نہ اس کے القابات اپنے اوپر اس لحاظ سے چسپاں کر سکتا ہے۔

دوسرا جواب: مرزا صاحب نے اپنی کتاب (اربعین نمبر ۲) اور انجام آتھم میں تحریر کر کے مخالفین کو مباہلہ اور بالمقابل دعاء کرنے کے لئے دعوت دی ہے۔ چنانچہ الہام:

”الارض والسماء معک کما هو معی“ (اربعین نمبر ۲ ص ۹، خزائن ج ۱ ص ۳۵۳، انجام آتھم ص ۵۲، خزائن ج ۱ ص ۵۲)

”انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی“ (اربعین نمبر ۲ ص ۹، خزائن ج ۱ ص ۳۵۳، انجام آتھم ص ۵۱، خزائن ج ۱ ص ۵۱)

”انت اسم الاعلیٰ“ (اربعین نمبر ۲ ص ۳۴، خزائن ج ۱ ص ۳۸۲)

”انت منی ..... تا الخلق“ (اربعین نمبر ۲ ص ۳۲، خزائن ج ۱ ص ۳۸۰، انجام آتھم ص ۵۱، خزائن ج ۱ ص ۵۱)

”کان اللہ نزل من السماء“ (انجام آتھم ص ۶۲، خزائن ج ۱ ص ۶۲)

”انا فتحنالک فتحاً مبیناً“ (اربعین نمبر ۲ ص ۶، خزائن ج ۱ ص ۳۵۲، انجام آتھم ص ۵۸، خزائن ج ۱ ص ۵۸)

”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ“

(اربعین نمبر ۲ ص ۵، خزائن ج ۱ ص ۳۵۲، انجام آتھم ص ۵۱، خزائن ج ۱ ص ۵۱)

(اربعین نمبر ۳ ص ۲۳، خزائن ج ۱ ص ۳۱۰)

(اربعین نمبر ۲ ص ۳۳، خزائن ج ۱ ص ۳۸۱، انجام آتھم ص ۵۲، خزائن ج ۱ ص ۵۲)

(انجام آتھم ص ۵۳، خزائن ج ۱ ص ۵۳)

(اربعین نمبر ۲ ص ۳۶، خزائن ج ۱ ص ۳۲۶)

(اربعین نمبر ۲ ص ۳۵، خزائن ج ۱ ص ۳۸۴، انجام آتھم ص ۵۸، خزائن ج ۱ ص ۵۸)

میں مندرج ہیں اور ان تمام الہامات پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ ”انجام آتھم میں مرزا صاحب نے یہ الہامات معہ دیگر الہامات لکھ کر..... الخ!“

یہ عجیب جواب رہا کہ مرزا صاحب نے یہ کفریات لکھ کر مخالفین کو مباہلہ اور بالمقابل بددعا کی دعوت دی ہے۔ لہذا یہ سب سچے مسلمان ہیں۔

اگرچہ مقابلہ و مباہلہ کی دعا و صداقت وغیرہ مقدمہ تنازعہ سے غیر متعلق ہے اور برابر عدالت کی طرف سے ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ مگر چونکہ جو ابی بے ضابطہ بحث میں ریکارڈ پر یہ آ گیا ہے۔ اس لئے نہایت مختصر جواب عرض ہے جن مخالفین کو دعوت مباہلہ ہے۔ اس میں مولوی ثناء اللہ امرتسری بھی ہیں جنہوں نے بطور فرض کہا: جو جھوٹا ہو اس کا انجام بد اس کے سامنے ہے۔

خود مرزا صاحب نے بھی اپنے تمام مخالفوں سے فرمایا تھا اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے بارے میں لکھا: ”یا اللہ! میں تیرے ہی تقدس کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے۔“

اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے۔ ”ربنا افتح بیننا وبين قومنا..... الخ!“ (بدر ۲۵) اپریل ۱۹۰۷ء، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۷۹) پھر کیا ہوا یہ کہ:

لکھا تھا کاذب مرے گا پشتر کذب میں پکا تھا پہلے مر گیا  
(از مہابہ مرزا، ۱۱ ستمبر ۱۹۲۱ء)

منفصل بحث مولوی ثناء اللہ صاحب کے رسالہ فیصلہ مرزا میں موجود ہے۔

بہر حال مہابہ اور بالمقابل دعا سے بھی بجائے ان کفریات کی تائید کے ان کی تردید اور مرزا صاحب کا مفتزی علی اللہ اور کافر و مرتد ہونا ہی ثابت ہوا۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا  
محمد رسول اللہ ہیڈنگ کے لاجواب نمبر

۱..... خصوصیات نبویہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جرح گواہ نمبر اکبر مارچ ۱۹۳۳ء انکار خصوصیات انکار ذات ہے..... الخ!  
(وہ نمبر جس میں مخصوص اعتراض پہلے نظر انداز کر دیا)

۲..... اسلامی عقیدہ آخری نبی سے انکار حوالہ کی چنداں حاجت نہیں۔

۳..... معراج جسمانی کا انکار اور اپنے لئے اس جیسے متعدد ثابت کرنا سیر معراج جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا، بلکہ اعلیٰ درجہ..... تا..... اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔  
(ازالہ اوہام ص ۹۹، خزائن ج ۳ ص ۱۵۴)

۴..... شق القمر کو خسوف قمر کہہ کے اس سے دو بالا اپنے لئے بتایا:

لہ خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران المنیران اتنکر  
(ترجمہ مرزا) اس کے یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا  
(تصدیہ اعجازی ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

۵..... اپنی فتح کو آنحضرت ﷺ کی فتح پر ترجیح۔

”اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ“

(خطبہ الہامیہ ص ۱۹۴، خزائن ج ۱۶ ص ۲۸۸، ۲۸۹)

تیسرا جواب: ”براہین احمدیہ جب شائع ہوئی تو اس پر مولوی محمد حسین بنا لوی نے ریو لکھا اور خلاصہ مطالب کتاب جس میں ایک عنوان مؤلف الہامات بھی ہے لکھ کر ان الفاظ میں اس کتاب براہین کی تعریف کی اور یہ عبارت صرف اس امر کے اثبات کے لئے پیش کرتا ہوں کہ جو الہامات براہین احمدیہ میں درج ہیں، قابل اعتراض نہیں۔ کتاب کی توثیق مقصود نہیں۔ یہ اس کتاب کا خلاصہ مطالب ہے۔ اب ہم اس پر اپنی رائے..... تا..... مزابھی چکھا دیا ہو۔“ (اشاعہ النج ۷ نمبر ۶ ص ۱۶۹) مؤلف براہین احمدیہ کے الہامات پر ایک دو مولویوں نے اعتراض کئے جن کا مولوی محمد حسین بنا لوی نے مفصل اور مدلل جواب دیا اور کہا کہ ایسے الہامات کا ہونا جائز ہے اور اسی کتاب میں یہ الہامات بھی مندرج ہیں جن پر مختار مدعیہ نے اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ بشری میں بحوالہ براہین احمدیہ الہامات درج ہیں۔

- .....۱ ”الارض والسماء كما هو معي“ (البشری ج ۱ ص ۱۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۲۸۷ حاشیہ در حاشیہ، خزائن ج ۱ ص ۵۷۹)
- .....۲ ”قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۲۲، خزائن ج ۱ ص ۶۲۳)
- .....۳ ”ربنا عاج“ (البشری ج ۱ ص ۴۳، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۵۴ حاشیہ، خزائن ج ۱ ص ۶۶۲)
- .....۴ ”انت منی بمنزلة لا يعلمها الخلق“ (البشری ج ۱ ص ۴۶، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۶۱، خزائن ج ۱ ص ۶۶۸ حاشیہ در حاشیہ)
- .....۵ ”كان الله نزل من السماء“ یہ الہام ۱۸۸۶ء کا ہے۔ (البشری ج ۱ ص ۶، داغ البلاء ص ۶، خزائن ج ۱ ص ۲۲۶)
- .....۶ ”انا فتحنا لك فتحا مبينا“ (البشری ج ۱ ص ۳۷، براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۲، خزائن ج ۱ ص ۲۶۷)
- .....۷ ”هو الذي ارسل رسوله بالهدى“ (البشری ج ۱ ص ۱۲، براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۹، خزائن ج ۱ ص ۲۶۵)
- .....۸ ”انا اعطيناك الكوثر“ (البشری ج ۱ ص ۳۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۱۷، خزائن ج ۱ ص ۶۱۷)
- .....۹ ”عسى ان يعثك ربك مقاما محمودا“ (تاریخ نزول الہام ۱۸۸۸ء، البشری ج ۲ ص ۱۰، داغ البلاء ص ۷، خزائن ج ۱ ص ۲۲۷)
- .....۱۰ ”وما ارسلناك الا رحمة للعالمين“ (البشری ج ۱ ص ۳۰، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۰۶، خزائن ج ۱ ص ۶۰۳)
- .....۱۱ ”قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله“ (البشری ج ۱ ص ۱۲، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۰۵، خزائن ج ۱ ص ۶۰۰)
- .....۱۲ ”وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى“ (البشری ج ۱ ص ۱۲، براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۹، خزائن ج ۱ ص ۲۶۵)
- .....۱۳ ”وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم“ (البشری ج ۱ ص ۳۶، براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۱، خزائن ج ۱ ص ۲۶۷)
- .....۱۴ ”سبحان الذي اسرى بعبدہ“ (البشری ج ۱ ص ۲۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۰۵، خزائن ج ۱ ص ۶۰۰)
- .....۱۵ ”محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار“ (البشری ج ۱ ص ۳۷، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۱۶، خزائن ج ۱ ص ۶۱۶)
- بلکہ ان کے علاوہ براہین میں اور بھی الہامات اس قبیل سے ہیں، جیسے ”انک علی صراط مستقیم، فاصدع بما تو مو“ (البشری ج ۱ ص ۲۷، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۰۴، خزائن ج ۱ ص ۵۹۹) ”وانذر عشیرتک الاقربین“ (تذکرہ ص ۲۳۲، طبع ۳۷، طبع چہارم) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس وقت ان الہامات کا نزول ہو سکتا ہے اور ایسا ہونا قابل اعتراض نہیں۔
- یہ جواب اگر نقل کرتے تو پھر کیا تھا۔ اس نے تو اور کفریات کی ایک مکمل لسٹ پیش کر دی اور براہین احمدیہ وغیرہ کی تاویلات بیکار کر دیں۔ کیونکہ یہی مولوی محمد حسین بٹالوی جنہوں نے تعریف کی ہے اور براہین کی گول مول تاویلات سے مغالطہ کھایا ہے۔ جب انہیں دیگر کتب مرزا صاحب اور ان کے دعاوی سے حقیقت حال کا انکشاف ہو گیا تو سب سے پہلے مرزا صاحب کی انہیں کفریات کی بناء پر زبردست تکفیر کی ہے اور مرزا صاحب کے اتباع سے تاب ہو کر ان کا کفر و ارتداد آخروقت تک چار دانگ عالم میں شائع کرتے رہے ہیں۔
- (اشاعت السنہ ج ۱ ص ۱۵، وج بحوالہ سابق وایک تادس)
- .....۶ دجال و ابن مریم کے متعلق اپنا علم آنحضرت ﷺ کے علم سے زیادہ بتانا اور آنحضرت ﷺ کے علم پاک کی تنقیص و توہین۔ (بحوالہ ازالہ اوہام ص ۶۹۰، ۶۹۳، خزائن ج ۳ ص ۴۷۲، ۴۷۳)
- .....۷ آنحضرت ﷺ پر اپنی فضیلت کی تمہید اشوک اللہ علی کل شئی۔
- .....۸ خدا نے تجھے ہر چیز میں سے چن لیا۔

- ۹..... آسمان سے کئی تخت اترے پس تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ (حقیقت الوحی ص ۸۹، خزائن ج ۲۲ ص ۹۲)
- ۱۰..... دنیا میں کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔
- ۱۱..... ”وآتانی لم یوت احداً من العالمین“ تمام عالموں میں جو کمالات کسی کو نہ دیئے گئے وہ اللہ نے مجھے دیئے۔

(الجاترہ استثناء ص ۸۷، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵)

مندرجہ ذیل خطابات خصوصی والقابات کو اپنے اوپر چسپاں کرنا اور آنحضرت ﷺ کا شریک و سہم ہونا۔ حالانکہ اولین و آخرین میں کسی نے اپنے یا کسی پر انہیں چسپاں نہیں کیا۔

- ۱۲..... ”وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى“ (حقیقت الوحی ص ۷۰، خزائن ج ۲۲ ص ۷۳)
- ۱۳..... ”قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله“ (حقیقت الوحی ص ۷۹، خزائن ج ۲۲ ص ۸۲)
- ۱۴..... ”سبحان الذى اسرى عبده ليلاً“ (حقیقت الوحی ص ۷۸، خزائن ج ۲۲ ص ۸۱)
- ۱۵..... ”اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو بھی اس آیت کا مصداق ہے کہ هو الذى ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله“ (اعجاز احمدی ص ۷، خزائن ج ۲۲ ص ۱۱۳)
- ۱۶..... ”عسى ان يعثك ربك مقاما محمودا“ (دافع البلاء ص ۷، اربعین نمبر ۳ ص ۴۱، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲)
- ۱۷..... ”انا اعطيناك الكوثر“ (ضمیمہ حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۱۳)
- ۱۸..... ”لولاك لما خلقت الافلاك“ (ضمیمہ حقیقت الوحی ص ۸۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۲، ۱۳)
- ۱۹..... ”وما ارسلناك الا رحمة للعالمین“ (حقیقت الوحی ص ۸۲، خزائن ج ۲۲ ص ۸۵، اربعین نمبر ۳ ص ۲۳، خزائن ج ۱۷ ص ۴۱)
- ۲۰..... ”وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى“ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۶، خزائن ج ۱۷ ص ۴۲)
- ۲۱..... ”ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم“ (دافع البلاء ص ۶، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲)

منم مسج زمان و منم کلیم خدا منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(تزیاق القلوب ص ۳، خزائن ج ۱۵ ص ۱۳۴)

۲۳..... ”پھر اس کتاب میں اسی مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے کہ: ”محمد رسول الله والذین معہ اشد آء علی الکفار“ اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰)

۲۴..... ”میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں محمد و احمد ہوں۔“ (حقیقت الوحی ص ۷۳، حاشیہ، خزائن ج ۲۲ ص ۷۶)

۲۵..... ”اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد و احمد رکھا اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دیا ہے۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲)

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲)

واضح رہے کہ یہ مرزا صاحب کی عادت اتفاقاً نہیں بلکہ طریقہ مستمرہ ہے تلاش کر کے آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں مداخلت اور آنحضرت ﷺ کی توہین ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ اس کی تائید میں صرف حقیقت الوحی سے بحوالہ سابق اتنے الہامات اور تائیدی طور پر نمونہ پیش کرتا ہوں۔

۲۶..... ”قل انی امرت وانا اول المؤمنین“

- .....۲۷ ”قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً“
- .....۲۸ ”الرحمن علم القرآن“
- .....۲۹ ”انا فتحنا لك فتحا مبيناً“
- .....۳۰ ”يا شمس يا قمر انت منى وانا منك“
- .....۳۱ ”داعيا الى الله وسراجا منيرا“
- .....۳۲ ”انك باعيننا“ (خاص الخاص خصوصيت)
- .....۳۳ ”دنا فتدلىٰ فكان قاب قوسين او ادنىٰ“
- .....۳۴ ”ان الذين يباعدونك انما يباعدون الله. يدالله فوق ايديهم“
- .....۳۵ ”قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم الله واحد“
- .....۳۶ ”ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر“ (خاص الخاص)
- .....۳۷ ”وعلمك ما لم تكن تعلم“
- .....۳۸ ”انا ارسلنا اليكم رسولا شاهدا عليكم كما ارسلنا الى فرعون رسولا“
- .....۳۹ ”يس. انك لمن المرسلين على صراط مستقيم. تنزيل العزيز الرحيم“
- .....۴۰ ”الم نشرح لك صدرك“

## نتیجہ

پس جو شخص باوجود اقرار ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ خود محمد رسول اللہ بنے اور عین محمد کہے اور کہلائے آنحضرت ﷺ کو آخری نبی نہ مانے آپ کے معراج جسمانی کا انکار کر کے اپنے واسطے بارہا ثابت کرے۔ معجزہ شق القمر کو معمولی دکھا کے اس سے بڑھ کر اپنے لئے بتائے، اپنی فتح کو آنحضرت ﷺ کی فتح میں پر ترجیح دے، اپنا علم دینی امور میں آنحضرت ﷺ پر زائد بتائے اور ”لو لا ک لما خلقت الافلاک“ خود بے ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ اپنے کو سمجھے ”ما ينطق عن لہوی. عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا“ اپنی شان میں ٹھہرائے۔ ”سبحان الذی اسرىٰ. دنا فتدلىٰ فكان قاب قوسين او ادنىٰ“ مشارکت روا رکھے۔ ”ان الذین یباعدونک انما یباعدون الله“ بھی اپنے اوپر چسپاں کرے۔ ”انا فتحناک فتحا مبینا لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر. وانک باعیننا. داعیا الى الله وسراجا منیرا. یس انک لمن المرسلین“ جیسی ایک دو دفعہ نہیں تقریباً چالیس (۴۰) خصوصیات میں شریک و سہیم بن بیٹھے اور پھر بھی ان کا ایمان کلمہ پر قائم رہے، کیونکر باور ہو سکتا ہے۔ ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ ایسا شخص کروڑ ہا مرتبہ ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ کا اقرار کرے۔ جب تک ان کفریات سے رجوع نہ کرے۔ ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ پر ایمان ناممکن ہے۔

بھرا اللہ! مرزا صاحب اور ان کے تبعین کا کلمہ توحید ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ پر ایمان نہ ہونا ۶۳ مرزا صاحب کے لاجواب دلائل وحوالوں سے ثابت ہو گیا جس کے فیصلہ کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ یقیناً مرزا نے اپنی اختیار کرنا کفر اور کھلا ہوا ارتداد ہے جس کے بعد نکاح یقیناً منسوخ ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابتدائی بحث میں تحقیقات کی روشنی میں مفصل پیش کر چکا ہوں۔ کلمہ توحید پر ایمان ہونے کا مسئلہ ختم ہو گیا۔



## مرزا صاحب اور ان کے متبعین کا ایمان ایمان مجمل پر بھی نہیں

امنت باللہ كما هو باسمائه وصفاته وقبلت جميع احكامه

اس سلسلہ میں مفصل تقریباً ۱۲ دلائل پیش کر کے ابتدائی بحث میں ثابت کیا گیا کہ ایمان مجمل کے کسی حصہ پر مرزا صاحب اور ان کے مریدین کا ایمان نہیں ہے نہ جب تک اسے ترک نہ کریں ہو سکتا ہے۔ مختار مدعا علیہ نے اس کے جواب کا اشارہ و کنایہ نام تک بھی نہ لیا۔ گویا تسلیم کر لیا کہ ایمان مجمل کے کسی حصہ پر مرزا صاحب کا ایمان نہیں۔ (ایمان مفصل پر مرزا صاحب اور ان کے امتیوں کا ایمان نہیں) (ایمان مفصل منقول از ازالہ اوہام ٹائٹل، خزائن ج ۳ ص ۱۰۲)

(۱) امنت باللہ (۲) وملئکتہ (۳) وکتبہ (۴) ورسلہ (۵) والبعث بعد الموت۔

..... امنت باللہ۔ مختار مدعا علیہ نے یہاں اس سلسلہ میں کوئی جواب نہیں دیا، پہلے لا الہ الا اللہ کے سلسلہ کے جوابات میں اکتفاء کیا۔ پس ہم بھی عدالت کی ان متروک لاجواب سوالوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جن کا جواب میں نام تک نہ آیا اور ان کے ہوئے امنت باللہ پر کسی طرح ایمان نہیں ہو سکتا۔

۲..... وملئکتہ۔ ملائکہ پر ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ زبان سے ملائکہ کہے ورنہ یہود بھی تو ملائکہ پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر انہیں ان کی حقیقت کے خلاف بنات اللہ خدا کی بیٹیاں اور فلاسفہ بھی زبانی اقرار کر رکھے تھے۔ مگر کواکب اور سیارات کو ملائکہ قرار دیتے تھے۔ بلکہ ملائکہ کی اس حقیقت اور صفت پر ایمان لانا ضروری ہے جو قرآن پاک اور احادیث و اصطلاح شرع میں موجود ہے۔

۳..... قرآن پاک میں ملائکہ کے متعلق اس قدر آیات ہیں کہ ان کی حقیقت اور تصور شرعی بالکل ہو پیدا ہو جاتی ہے۔ اصل بحث میں کسی قدر تفصیل عرض کر چکا ہوں۔ یہاں نمونہ چند آیات پیش ہیں۔

.....۱ “تتنزل علیہم الملائکة ان لا تخافوا (حم السجدة: ۳۰)“

.....۲ “تتنزل الملائکة والروح فیہا باذن ربہم (القدر: ۴)“

.....۳ “علیہا ملئکة غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یؤمرون (التحریم: ۶)“

.....۴ “ومن عنده لا یتکبرون عن عبادتہ ولا یتحسرون (الانبیاء: ۱۹)“

.....۵ “بل عباد مکرمون (الانبیاء: ۲۶)“

.....۶ “واذ قلنا للملائکة السجدوا لادم (البقرة: ۳۴)“

.....۷ “واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفۃ (البقرة: ۳۰)“

.....۸ “جاعل الملائکة رسلاً اولی اجنحة مثنی وثلاث ورباع (فاطر: ۱)“

.....۹ “وتری الملائکة حافیین من حول العرش یسبحون بحمد ربہ (الزمر: ۷۵)“

.....۱۰ “فالمدبرات امرأ (النزعات: ۵) تلک عشرة كاملة (البقرة: ۱۹۶)“

یہ صرف نمونہ ہے ورنہ بہت سی آیات مفصل موجود ہیں۔

شرعاً ملائکہ کی حقیقت

چونکہ ملائکہ کے وجود کی نسبت فلسفیانہ تاویلات اور حکیمانہ توجیہات بیان کی گئی ہیں اور تعلیم اسلام پر دساتیر و وید کی تعلیم کو ترجیح دی گئی ہے۔ ملائکہ کے فی الخارج وجود کا انکار کیا ہے اور وید اور دساتیر کے مذہب کے موافق ان کو ارواح کو اکب بتلایا ہے ان کا چلنا، پھرنا،

زمین پر آنا محال کہا ہے۔ اس لئے چند آیات واحادیث سے اس عقیدہ کی تکذیب وتردید کی جاتی ہے۔

..... ”ولمّا جاءت ولسنا لوطا سّی بہم وضاق بہم ذرعا وقال لهذا یوم عصب ..... تا ..... وامطرنا علیہم حجارة من سجيل منصود (ہود: ۷۷ تا ۸۲)“

(ترجمہ) ”جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ ان کے آنے سے خفاء ہوا اور اپنے جی میں رک گیا اور بولا آج کا دن بڑا سخت ہے اور اس کے پاس اس کی قوم بے اختیار دوڑتی آئی یہ پہلے سے برے کام کرتے تھے۔ (حضرت لوط نے کہا) لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تم کو ان سے پاک تر ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور مجھ کو میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی نیک راہ نہیں ہے (لوگوں نے کہا) تو جان چکا ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ دعویٰ نہیں اور تجھ کو تو معلوم ہے جو کچھ ہم چاہتے ہیں (لوط نے کہا) اگر مجھ کو تمہارے سامنے زور ہوتا یا میں مضبوط جگہ میں ہوتا (تو تم ایسا نہ کر سکتے) مہمان بولے: اے لوط! ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں یہ لوگ تجھ تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ تم کچھ حصہ رات سے اپنے گھر والوں کو (اپنی عورت کے سوا) لے کر نکلو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ دیکھے تیری عورت پر تو وہی کچھ آئے گا جو ان پر آئے گا۔ ہاں! ان کے وعدہ کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح نزدیک نہیں؟ پس جب ہمارا حکم پہنچا ہم نے وہ بستی زیروز بر کردی اور اس پر تہہ پتھر یاں برسائیں۔“

قوم لوط جیسے فساق نیا کر ملائکہ کو جو تمثیل بہ بشر تھے دیکھنا حضرت لوط علیہ السلام کا گھر گھیر لینا حضرت کی پریشانی فرشتوں کا حضرت کو اطمینان دلانا، اگلی صبح تمام بستی کو خراب و تباہ کر دینا۔ کیا یہ سب کچھ ارواح کو اکب کا بیان ہے، روح تو حیوانات کو بھی نظر نہیں آتی، ان غیر مادی اجرام کی روح نے تمثیل کیونکر حاصل کر لیا اور اگر فرشتے ایک ذرہ برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ (توضیح المرام ص ۳۳، خزائن ج ۳ ص ۶۸) تو یہ کیوں تھے جو یہ سب کر شے لوط اور قوم لوط کو دکھلا گئے۔

۲..... ”هل اترك حديث ضيف ابراهيم المکرمين (والذاریات: ۲۳)“

(ترجمہ) کیا تجھ کو ابراہیم کے عزت والے مہمانوں کی خبر پہنچی۔

حضرت ابراہیم کے گھر فرشتوں کا مہمان بن کر آنا خلیل الرحمن کا ان کے لئے کھانا تیار کرنا، فرشتوں کا نہ کھانا، بیٹے کی ولادت کا وعدہ اور بشارت خدا کی طرف سے دینا کیا یہ ارواح کو اکب کا نام اور کام ہے۔

”اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ..... مسومین (آل عمران: ۱۲۳، ۱۲۵)“ جب تو مومنوں کو کہنے لگا تم کو کفایت نہیں کہ تمہارا رب تم کو مدد بھیجے تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہوں۔ البتہ تم ٹھہر رہو اور پرہیز گاری کرو اور وہ اسی دم تم پر آویں تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو پلے ہوئے گھوڑوں پر ہوں۔

پہلے تین ہزار فرشتوں کی تعداد کا بتانا اور منزلیں ان کی صفت لانا پھر پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ امداد کا کیا جانا اور مسومین ان کی صفت بتلانا۔ کیا یہ سب ارواح کو اکب میں کیا یہی وہ ارواح ہیں جن کو ذرہ بھر بھی جنبش نہیں۔

”فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لها بشراً سوياً (مریم: ۱۷)“ ترجمہ پھر ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ اس کے سامنے بھر پور مرد بن کر کھڑا ہوا۔

غور کیجئے یہاں بھی کو اکب ہی بھیجے گئے یا روح القدس پھر بھر پور مرد بن کر کون کھڑا ہوا تھا اور یہ جواب بھی کس نے دیا: ”قال انما انا رسول ربک لک غلاماً زکیاً (مریم: ۱۹)“ ترجمہ اس نے کہا کہ میں تو تیرے خدا کا فرشتہ ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک سترالذکا دے جاؤں۔

کیا یہ سب روح کو اکب کے ہی کرشمے ہیں جس کو ذرہ بھر جنبش نہیں۔

اب احادیث کی طرف رجوع کیجئے، اڈل اس حدیث کو لیجئے کہ ایک سائل آیا اس کی صورت وضع لباس صحابہ کو حیرت میں ڈال دینے والے تھے۔ اس نے اسلام اور ایمان کے متعلق سوال کئے اور چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم“ (ترجمہ) یہ حضرت جبرئیل تھے اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھائیں۔ (رواہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابی داؤد، ابن ماجہ) یا درہے کہ اس کے راوی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲..... دوسری حدیث: ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ یوم بدر هذا جبرئیل اخذ براس فراسہ علیہ اادات الحوب (رواہ البخاری)“

(ترجمہ) بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہے جو سلاح جنگ پہننے گھوڑا پکڑے کھڑا ہے۔

سلاح ہو کر گھوڑے پر سوار ہو کر آنا روح کو اکب کا کام ہے یا خداوند کے فرشتے کا۔ جبرئیل رضی اللہ عنہ کا گھوڑے پر چڑھ کر آنا جنود فرعون کا ان کو دیکھنا، سامری کا خاک نعل اسپ اٹھالینا، بائبل اور قرآن مجید میں بھی ہے۔ انکار کرنا آسان نہیں۔ احادیث صحیحہ اور بھی اس امر میں بے شمار مل سکتی ہیں۔ مثلاً دو روز تک جبرئیل رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھوانا، رمضان میں رسول کریم کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرنا، وحیہ صحابی کی شکل پر آنا، رسول کریم کا ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ یہ جبرئیل ہے اور تم کو سلام پہنچاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

سچے مسلمانوں کو لازم ہے کہ بمقابلہ ارشادات نبوی کے معتقدات مجوس کو صحیح خیال نہ کر بیٹھیں اور ادیان مختلفہ کی کتابیں ان دیکھ کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ میں صرف اسی عام جواب پر اکتفاء کرتا ہوں جس میں تقریباً ان تمام تاویلات رکیکہ کا قرآنی الفاظ میں جواب ہے جو مختار مدعا علیہ نے کی نہیں۔ فرشتوں کی ایک دو تعداد بھی نہیں، بلکہ بے شمار ہے۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی بوجہ کثرت دوبارہ باری نہیں آتی۔

”قال النبی ﷺ فی صفت بیت المعمور فاذا هو یدخلہ کل یوم سبعون ملکا لا یعودون الیہ“

تفسیر و کتب عقائد

تفسیر اور کتب عقائد کے بعض حوالہ بحث کے وقت ذکر ہو چکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مختار مدعا علیہ نے ان کے جواب کا تذکرہ تک نہ کیا۔ عقائد و تفسیر کی کتابوں میں ملائکہ کی شرعی مکمل صفت موجود ہے۔ میں اس وقت صرف ایک گواہ مدعا علیہ اور مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ امام عبدالوہاب شعرانی کی سب سے مستند کتاب ایواقیت والجوہر کے حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو

(یواقیت والجوہر ج ۲ ص ۴۴، بحث ۳۹)

وہ سارا بحث ہی ان کی شرعی مذکورہ بالا حقیقت اور ارواح کو اکب کی تردید میں ہے۔

مرزا صاحب کا فرشتوں کے متعلق عقیدہ

- ۱..... فرشتے نفوس فلکیہ اور ارواح کو اکب کا نام ہے۔ (مخص توضیح المرام ص ۳۳، خزائن ج ۳ ص ۶۷)
- ۲..... جو کچھ ہوتا ہے وہ سیارات سے ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ (توضیح المرام ص ۳۳، ۳۴، خزائن ج ۳ ص ۶۸)
- ۳..... جبرئیل نہ زمین پر آئے، نہ آتے ہیں۔ (توضیح المرام ص ۶۸، ۷۱، خزائن ج ۳ ص ۸۸، ۸۹، مخص)

## اصل اعتراض

اولاً ملائکہ کو نفوس فلکیہ اور ارواح کو اکب ماننا بالکل شریعت کے خلاف ہے۔ البتہ یونانیوں اور وید پرستوں کا ضرور یہ عقیدہ ہے۔ دوسرے کو اکب و سیارات سے تمام انتظامات منسلک کرنا۔ جیسا کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں: ”اور آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمان میں سیارات اور کو اکب پائے جاتے ہیں، وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔“

اور احادیث میں بخاری و مسلم کی حدیث: ”مطرنا بنوء کذا..... الخ!“ موجود ہے جس میں ان لوگوں کو باری تعالیٰ کی زبان پر کافرین باللہ قرار دیا گیا ہے جو بارش ہونے کی نسبت ستارہ یا پختہ کی طرف کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث میں یہ بھی تصریح موجود ہے کہ جس نے ستاروں میں علاوہ تین امور کے کوئی اور تاثر اور کام مانا اس نے اللہ پر زبردست افتراء کیا۔ (۱) زینت سماء دنیا (۲) رجوم شیطین (۳) ہدایت راہ۔ پس ملائکہ کی یہ حقیقت شرعی کے سراسر خلاف ہے۔ لہذا ان عقائد کے ساتھ ایمان بالملائکہ نہیں ہو سکتا۔

## مختار مدعا علیہ کی تاویلات عقلیہ

## خلاصہ تاویلات ایمان بالملائکہ

- ۱..... مرزا صاحب کے سراج منیر، براہین احمدیہ، ایام الصلح، آئینہ کمالات، چشمہ معرفت کے چھ حوالے حمامۃ البشری کے۔
- ۲..... توضیح مرام سے چند گول مول حوالے تاویل کے لئے نقل کئے۔
- ۳..... تفسیر عزیز، یواقت، تفسیر سرسید۔

## جواب نمبر ۱:

۱..... یہ تقریباً کتب اس زمانہ کی ہیں۔ جب کہ مرزا صاحب کا کفر بہت کچھ مشہور تھا اور وہ بھی متضاد باتیں کر کے دنیا کو دھوکے میں رکھنے کی سعی کرتے تھے۔

۲..... میں اصل بحث اور اس جواب الجواب میں مرزا صاحب کے متعارضات کی ایک لسٹ پیش کر چکا ہوں اور ان کی یہ عادت ہی ہے۔ مطلقاً مدعی نبوت کو کافر بھی کہتے ہیں اور دعویٰ نبوت بھی کرتے ہیں۔ اپنے کو نبی کہنے والوں کو دجال بھی کہتے ہیں اور مسلمان بھی، مدعی نبوت پر لعنت بھی بھیجتے ہیں اور رحمت بھی۔ وغیرہ وغیرہ!

۳..... میں نے صریح عبارت پیش کی ہے۔ اس کے جواب میں گول مول مجمل عبارات جواب اور تاویل کے واسطے کافی نہیں۔

۴..... جس کو متناقض اور متعارض باتوں کی عادت ہو، اس کی ایک عبارت دوسری عبارت کی شرح نہیں بن سکتی۔

۵..... کسی کا کفر و ارتداد قطعی دلائل اور صریح حوالہ جات سے واضح ہونے کے بعد اس قسم کی تاویلات قابل التفات بھی نہیں۔ زیادہ تفصیل کا وقت نہیں۔ اصل بحث کے حوالہ پر چھوڑتا ہوں۔

جواب نمبر ۲: توضیح مرام سے میں نے جو حوالہ پیش کیا ہے وہ نہایت صریح ہے اور مختار مدعا علیہ نے جو حوالے پیش کئے ہیں۔ ان سے صرف اشارۃً یہ تاویل نکالنی چاہتا ہے کہ تعلق ملائکہ کا ارواح سے اس قسم کا ہے۔ یا دراصل ملائکہ ارواح کو اکب کا نام نہیں بلکہ روح یا جان کا لفظ صرف ان کے شدید تعلق کی وجہ سے استعمال کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

مگر اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں کہ ملائکہ بھی امور غیبیہ میں سے ہیں۔ ان کی حقیقت ہم خود اپنی عقل سے نہیں قائم کر سکتے بلکہ شریعت غزاء کی تعلیم کردہ حقیقت پر اکتفاء کرنا ہوگا اور بلاشبہ اب کوئی بھی تاویل کی جائے۔ مرزا صاحب نے وہ حقیقت شرعی بدل ڈالی۔ لہذا ان کا ایمان ملائکہ پر ہونے نہیں سکتا۔ جب تک اس سے صاف الفاظ میں اولاً رجوع کر کے اس شریعت کی پیش کردہ تعریف پر قناعت نہ کریں۔ تفصیل بخوف تطویل نہیں کرتا عدالت ملاحظہ فرمائے۔

جواب نمبر ۳:

۱..... تفسیر عزیزی کا حوالہ۔ اس میں کہیں ارواح کو اکب کو ملائکہ قرار نہیں دیا۔ مطلب بالکل واضح ہے۔ عدالت خود اصل کتاب سے ملاحظہ فرما سکتی ہے۔ نیز ملائکہ کی تفسیر بالکل شریعت کے مطابق ایک دو نہیں متعدد جگہ اسی تفسیر میں موجود ہے اور فلاسفہ وغیرہ کا رد ہے۔ بخوف تطویل عبارات نقل نہیں کرتا۔

۲..... یواقت کا حوالہ ج ۲، ص ۵۵، ایڈیشن نمبر ۲ ص ۴۴، بحث ۳۹۔

”ان جمیع النجوم الی فقد استحق العزل“

اس میں مختار مدعا علیہ کے مفید مطلب کوئی بات نہیں۔ کیونکہ ملائکہ کا کو اکب و نجوم وغیرہ پر مسلط ہونا اور بات ہے اور ارواح کو اکب ہونا اور چیز ہے مرزا صاحب تو نفوس فلکیہ اور ارواح کو اکب کا نام ملائکہ بتاتے ہیں جس کی نفی صاف الفاظ میں اسی صفحہ کے اگلے صفحہ پر موجود ہے۔ ان آسمانی فرشتوں کی حقیقت و صفات شرعیہ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ: ”قال الشیخ وھذا بخلاف ارواح الکواکب السماویہ فانما تنزل بالاسماء والبخورات واشباہ ذالک“ (یواقت ج ۲ ص ۴۵، بحث ۳۹) شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی مسلم گواہ مدعا علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ملائکہ ارواح کو اکب سے بالکل خلاف و متضاد حقیقت ہیں۔ کیونکہ ارواح کو اکب اسماء و بخورات قابو آسکتی ہیں اور فرشتے کسی عمل سے قابو نہیں آسکتے..... الخ! لہذا حضرت شیخ کا دامن قدس مرزا صاحب کی تائید سے پاک ہے یہ صرف مختار مدعا علیہ کا مغالطہ ہے۔

جواب نمبر ۴: سرسیدی کی تفسیر مسلمانوں پر حجت نہیں اور اس قسم کے نیچری اور دہری عقائد کی بناء پر لوگ ان کے اسلام میں شبہ کرتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمیں اپنے اکابر سے موثق طور پر معلوم ہوا ہے کہ وہ آخر عمر میں ان تمام بد عقیدگیوں سے تاب ہوئے تھے۔ اس لئے ہم انہیں اسلامی زمرہ میں شامل کرتے ہیں اور اسلامی القابات سے یاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ مرزا صاحب کی اگر تمام کفریات اور دعوی نبوت سے توبہ ثابت ہو جائے تو انہیں بھی ہم رحمۃ اللہ علیہ کہیں گے۔ کوئی ذاتی نزاع تو ہے نہیں۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا صاحب کا ایمان اسلامی ملائکہ پر نہیں اور ان کا عقیدہ کفریہ کی ایک بھی نظیر اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی محض مختار مدعا علیہ کا مغالطہ ہے۔

نزول ملائکہ

مختار مدعا علیہ نے بلاوجہ اس بحث کو طول دیا۔ اختلاف اس قدر ہے کہ مرزا صاحب نزول جبرئیل اور ملائکہ کے سرے سے منکر ہیں اور صرف اثر اندازی بناتے ہیں۔

”نزول کی اصل حقیقت جو صرف اثر اندازی کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر یاد رکھنی چاہئے۔ توضیح مرام سیارات کے نفوس نورانیہ کی تاثیرات کا نام نزول ملائکہ ہے۔“ (توضیح مرام ص ۳۹، ۴۰، خزائن ج ۳ ص ۷۱ ملخصاً)

”نفوس فلکیہ، ارواح کو اکب ملائکہ ایک ہی ہیں۔“  
 عبارات بالا سے واضح ہے کہ ملائکہ کے حقیقی طور پر نزول کے مرزا صاحب صاف منکر ہیں اور انہیں سیارات یا نفوس فلکیہ اور ان کی اثر اندازی کا نام نزول بتاتے ہیں۔ قرآن و احادیث سے ملائکہ کا نزول حقیقی پایا جاتا ہے، نہ صرف اثر اندازی۔

..... ”فتمثل لها بشرا سويا (مریم: ۱۷)“ انسان ہو کر ان کے سامنے آئے۔

..... ۲ غار حرا میں وحی لے کر اترنا۔ (بخاری)

..... ۳ جبرئیل علیہ السلام کا کسی انسانی شکل اور درجہ کلبی صحابی کی صورت میں حقیقت، نہ اثر اندازی کے طور پر اترنا اور صحابہ کا دیکھنا۔

(بخاری شریف)

..... ۴ جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت پر آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ دیکھا۔ (مسلم)

..... ۵ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چہرہ سباز و تھے۔ (بخاری ذکر الملائکہ)

..... ۶ نزول کے متعلق، تفصیل اور اس کے اقسام کے واسطے مسلم فریقین کے بزرگ علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الیواقیت والجوہر بحث (۳۹) ملاحظہ ہو۔

بہر حال خواہ انسانی شکل میں آئیں یا کسی اور اصلی ہو یا مثالی، یہاں صرف بحث اس قدر ہے کہ نزول حقیقی ہے۔ صرف اثر اندازی ارواح کو اکب یا نفوس فلکیہ کا نام نہیں۔

مرزا صاحب کے اس اذعاء پر باطل پر کہ نزول کی اصلی کیفیت صرف اثر اندازی کے طور ہے نہ واقعی طور پر۔

مخبر مدعا علیہ ایک حوالہ بھی اسلامی لٹریچر سے نہ پیش کر سکا، مثالی اور غیر مثالی شکل پر بحث کرتا رہا جو موضوع سے بالکل غیر متعلق ہے۔ تمام اہل اسلام نزول ملائکہ خواہ مثالی شکل ہو یا حقیقی واقعی طور پر مانتے ہیں اور یہی قرآن اور احادیث و کتب عقائد سے ثابت ہے۔

اور مرزا صاحب صرف اثر اندازی مانتے ہیں نہ واقعی نزول، پس نزول ملائکہ کا واقعی طور پر انکار کر کے یعنی مرزا نے اپنی کفریات میں ایک اور کفر کا اضافہ کیا۔

وکتبہ

نبی کریم ﷺ یا انبیاء سابقین پر وحی یا کتب منجانب اللہ نازل ہوئیں، وہ قطعی اور یقینی ہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ وحی نبوة کا بالاتفاق دروازہ بند ہے۔ لہذا یہ صورت وحی اگر کسی کو کچھ منکشف ہو وہ الہام ہی ہے اور وحی نبوة کی طرح قطعی نہیں۔ ملاحظہ ہو (الیواقیت والجوہر بیان وحی الہام) آگے وحی کے سلسلہ میں اس کی تفصیل آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! پس اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی اپنی وحی والہام پر جس طرح ایمان رکھتا ہے ویسا ہی ایمان اللہ کی منزلہ کتابوں پر بتائے یا ان میں سے کسی ایک کی بھی تو ہیں کرے یا موہم تنقیص فقرات استعمال کرے۔ اس کا ایمان کسی طرح کتب الہیہ پر قابل اعتناء نہیں ہو سکتا۔ گوزبان سے کتنا ہی کہتا رہے۔

مرزا صاحب نے مذکورہ بالا امور کا ارتکاب کیا۔

ملاحظہ ہوں حوالہ جات ذیل۔

..... ”جب کہ مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن کریم پر۔“

(اربعین نمبر ۴ ص ۱۹، خزائن ج ۱ ص ۲۵۴)

- ۲..... ”قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔“  
(حقیقت الوحی ص ۸۴، خزائن ج ۲۲ ص ۸۷)
- ۳.....  
آنچه من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دانش ز خطاء  
بجو قرآن منزہ اش دانم از خطایا ہمیں است ایمانم  
(درشین ص ۷۷، نزول آسمان ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۷۷)
- ۴..... مرزا صاحب کی عادت بد زبانی اور سخت کلامی کی تھی۔ چنانچہ جب مرزا صاحب سے لوگوں نے اس کی گرفت کی تو جواب یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اولاً یہاں واقعہ کچھ اس طرز کا ہوا۔ گالی نہیں۔ دوسرے اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تندی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے۔“ (ازالہ بارہم ص ۱۴، خزائن ج ۳ ص ۱۰۹) یہ وہی مرزا صاحب کی قدیمی عادت ہے کہ اپنی تمام غلطیاں قرآن پاک اور نبی کریم ﷺ کے ذمہ لگاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)
- ۵..... قرآن پاک کے سوا کسی آسمانی وغیر آسمانی، الہامی یا غیر الہامی کتاب کے الفاظ تحدی کے واسطے پیش نہیں کئے گئے، یہ صرف قرآن پاک کی ان خاص الخصاص امتیازی شان ہے کہ: ”ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثله (البقرۃ: ۲۳) قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا لقرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا (بنی اسرائیل: ۸۸)“
- مگر مرزا صاحب نے اپنا قصیدہ اعجازیہ بطور تحدی اور مقابلہ کے قرآن کی طرح اعجاز قرار دے کر پیش کیا۔ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر مرزا صاحب اور ان کے مریدین کا ایمان و کتبہ پر نہیں ہو سکتا۔ مفصل ابتدائی بحث میں ملاحظہ ہو۔
- مختار مدعا علیہ کی تاویلات**
- خلاصہ تاویلات:
- ”قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔“
- ۱..... (تاویلات) چونکہ مجموعہ الہامات میں درج ہیں، لہذا میرے منہ سے خدا کا منہ مراد ہوگا۔
- ۲..... اخبار الہدرا ۱۱ جولائی ۱۸۹۵ء سے ایک تاویل۔
- الجواب:** مجموعہ الہامات میں درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام متکلم ضمیریں خدا ہی کی طرف ہوں۔ اسی مجموعہ الہامات سے نمونہ ملاحظہ ہو۔
- ۱..... نعمدک ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔  
اس ضمیر سے خدا مراد نہیں۔
- ۲..... ”یا نبی اللہ کنت لا اعرفک“  
یہاں بھی ضمیر متکلم سے خدا مراد نہیں، مرزا صاحب خود یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اے خدا کے نبی میں تجھے شناخت نہیں کرتا تھا۔
- ۳..... ”رب علمنی ماہو خیر عندک“  
(حقیقت الوحی ص ۱۰۳، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۶)
- ۴..... ”ان ربی قوی قدیر“  
(حقیقت الوحی ص ۱۰۴، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۷)
- ۵..... ”انی صادق انی صادق وشہد اللہ لی“  
(حقیقت الوحی ص ۱۰۴، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۷)

(ترجمہ مرزا صاحب) میں صادق ہوں اور خدا میری گواہی دے گا۔

۶..... ”ان امرت من الرحمن فانونی“ (ترجمہ) میں خدا کی طرف سے خلیفہ کیا گیا ہوں، بس تم میری طرف آ جاؤ۔

(حقیقت الوہی ص ۱۰۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۸)

۷..... ”انسی لاجد ریح یوسف..... الخ!“ (ایضاً) اور مجھے گم گشتہ یوسف کی خوشبو لائی ہے۔ اگر تم یہ نہ کہو کہ یہ شخص بہک رہا ہے (حقیقت الوہی ص ۱۰۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۸) کیا مختار مدعا علیہ ان متکلم کے ضماڑے سے بھی خدا مراد لے گا۔ اس لئے کہ یہ مجموعہ الہامات میں درج ہے۔

### مختار مدعا علیہ کا اقرار

مختار مدعا علیہ اپنی بحث لالہ کے ہیڈنگ کے تحت الہام نمبر ۱۶ میں: ”اصلی واصوم واسهر وانام واجعل لک انوار القدوم واعطیک یا یدوم..... الخ!“ (حقیقت الوہی ص ۱۰۳، ۱۰۴، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۷) میں یہ تاویل کہ یہ مجموعہ الہام میں سے ہے۔ سب ضمیریں خدا کی طرف ہونا فراموش کر کے تسلیم کر لیا کہ پہلے حصہ میں متکلم ضمیریں ملہم کی طرف اس کی شان کے اظہار کے واسطے ہیں اور دوسرے میں خدا کی طرف۔ لہذا اسی کے اقرار سے یہ تاویل غلط ہو گئی اور ہر معمولی اردو داں بھی اس کا مطلب سمجھ سکتا ہے۔ ”قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں“ منہ سے مرزا صاحب کا منہ مراد ہے، نہ خدا تعالیٰ کا۔ ورنہ اردو عبارت بالکل مختل ہو جائے گی۔ بہر حال یہ تاویل محض لغو اور بے سود بلکہ عجز کا اقرار ہے تاویل نمبر ۲۔

الجواب: ہمارا اعتراض حقیقت الوہی کے الہام پر ہے جو ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کی ہے اور جواب الہام ۱۱ جولائی ۱۹۰۵ء سے عنایت ہو رہا ہے۔ سبحان اللہ!

(۲۱)

### فبأی حدیث بعدہ یؤمنون

مختار مدعا علیہ نے اس پر طول طویل تقریر کی، مگر اصل مدعی و اعتراض کو ذکر تک نہ کیا۔ اعتراض صرف آیت سے نہ تھا، بلکہ اس کی تفسیر جامع البیان و مدارک سے نقل کی تھی کہ: ”مع انه لاحدیث یساویہ او یداینہ فلا حدیث احسن بالایمان منہ جامع البیان معہ انه معجزۃ باہرۃ من بین کتب سماویہ فبأی کتاب بعدہ یؤمنون“ (مدارک) یعنی کوئی کتاب کوئی بات قرآن پاک کے مساوی اور ہم پلہ نہیں۔ نہ کوئی آسمانی کتاب اس جیسی معجزہ ہے۔ بس کسی کتاب پر اس جیسا اس کے بعد ایمان نہیں ہو سکتا۔

اور مرزا صاحب فرماتے ہیں: ”مجھے میری وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن پر۔“

(اربعین نمبر ۲ ص ۱۹، خزائن ج ۱ ص ۲۵۴)

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک داعش ز خطاء  
ہجو قرآن منزہ اش دانم از خطاہا ہمیں است ایمانم  
(درشین ص ۷۷، نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱ ص ۲۷۷)

اس کے بعد جواب میں مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ مختار مدعی نے آیت تو پیش کر دی۔ اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ حالانکہ میں نے اپنا مطلب نہیں بلکہ ائمہ مفسرین کا نقل کیا ہے۔ پھر خود تراشیدہ اپنی تفسیر اور لا طائل تاویلات کرنا کہ تشبیہ سے یہ مراد ہے منہ سے یہ مطلب ہے وہ



نہیں، محض بے سود اور ناقابل التفات ہیں۔ کیونکہ جب اصل پوائنٹ ہی چھوڑ دیا تو غیر متعلق امور کا جواب ہم سے متعلق نہیں۔ ہم نے تبرعاً جواب دیا ہے ورنہ ہماری طرف سے غیر متعلق کہنا کافی تھا۔

جواب تو یہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جیسی تو ہیں آمیز عمارت کسی مسلمان کے کلام سے پیش کرتے صرف اپنی طرف سے اس واضح عمارت میں تاویلات پیش کرنا محض بے سود ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کی وحی قرآن کے بالکل موافق ہے۔ اس کا کوئی کلمہ بھی قرآنی تعلیم کے معارض نہیں۔ محض غلط بلکہ بالکل قرآن کے خلاف تحدی ہے۔ جب کہ اوپر نمونہ گزر چکا ہے۔

جیسا کہ مختار مدعا علیہ کو یہ مسلم ہے کہ:

..... ۱ مرزا صاحب نے قصیدہ اعجازیہ کو بطور تحدی پیش کیا۔

..... ۲ اور خطبہ الہامیہ کے ٹائٹل پر لفظ آیت لکھا اور یہ بھی کہ اس کے مثل کوئی نہیں لاسکتا۔

..... ۳ خطبہ الہامیہ پر ہے: ”وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَنْطِقَ بِمِثْلِي..... الخ“ میری طرح کوئی بشر نہیں کہ یوں قلم برداشتہ عبارت لکھ سکے۔ پھر قرآن کے مقابلہ میں کونسی کسر اٹھا رکھی۔ کوئی آسانی کتاب یوں مقابلہ کے چیلنج سے پیش نہ کی گئی۔ خواہ آنحضرت ﷺ باوجودیکہ افض العرب تھے اور خود فرماتے ہیں: ”انما افصح العرب والعجم ولا فخر“ کبھی اپنا کلام یوں مقابلہ کے واسطے پیش نہ کیا یہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک قرآن ہی کی خصوصیت تھی، مگر مرزا صاحب نے اسے خاک میں ملا دیا۔ مسلمان تو اسے توہین ہی سمجھتے ہیں۔ ہاں! مختار مدعا علیہ کو توہین سمجھ میں نہیں آسکتی وہ معذور ہیں۔

مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ

مسئلہ واضح ہے جواب کی حاجت ہی نہ تھی مگر تبرعاً تاویلات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں تاکہ ان کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

..... ۱ اور جب آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کو عربی انشاء پرداز کی کا معجزہ جس میں آپ تمام دنیا کے آدمیوں پر غالب رہے اور عرب و عجم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا اس لئے عطاء ہوا تھا..... الخ!

الجواب: یہ بات کہ ان کو عربی انشاء پرداز کی کا معجزہ عطاء ہوا تھا اور عرب و عجم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا، نہایت مضحکہ خیز ہے۔ قصیدہ اعجازیہ کی صرفی نحوی معانی کی غلطیاں علماء نے شائع کر دی ہیں جس کو مبتدی طالب علم بھی نہیں کر سکتا۔ قصیدہ اعجازیہ کا صرف ایک شعر بحوالہ سابق ملاحظہ عدالت کے واسطے پیش ہے۔

واما حسین فاذا كروا دشت كربلا  
السیٰ هذا الايام تبكون فانظروا

(اعجاز احمدی ص ۶۹، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۱)

باقی یہ تاویل کہ قرآن کے حقائق ظاہر کرنے کو یہ معجزہ ملا تھا، محض لغو ہے۔ قرآن پاک کی ہمسری کسی لحاظ سے ہو توہین کلام الہی ہے اور قرآن کے حقائق وغیرہ کا حیلہ محض مغالطہ ہے۔

تاویل نمبر ۲: اس سے اب تک لازم آنا بالکل باطل قطعاً ناقابل التفات ہے..... الخ!

الجواب: جب کوئی مدلل جواب سے عاجز آجاتا ہے تو یہی کہا کرتا ہے کہ بالکل باطل قطعاً ناقابل التفات ہے۔ اس کا ہمیں کوئی شکوہ نہیں۔

تاویل نمبر ۳: اگر اس سے قرآن کی توہین ہے تو قرآن کو بھی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا..... الخ!

الجواب:

- ۱..... یہ وہی بات ہے کہ مرصاحب نے کلام کا اعتراض قرآن پاک پر دہرایا۔  
 ۲..... اعتراض صرف لفظ آیت پر نہیں، بلکہ اس پر ہے کہ کوئی اس جیسا لائیں سکتا۔  
 تاویل نمبر ۳: ”الهدی ولجنه النور“ وغیرہ سے تاویلات۔

الجواب: اپنی بلاغت قرآن کے بعد یا قبل جو کچھ انہیں تحدی اور مقابلہ میں اپنا کلام قرآن کی طرح پیش کر کے قرآن پاک کی خصوصیت پر جو جود ہے اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

(۴)

## قرآن گالیوں سے پر ہے

مختار مد عالیہ اپنی عادت کے مطابق اعتراض اور استدلال کا خلاصہ قطع و برید کر کے نقل کرتا ہے اور مختار مد عالیہ کے ذمہ لگا تا ہے۔  
 یہاں اس فقرہ مذکورہ بالا پر اعتراض نہیں بلکہ اعتراض یہ ہے کہ مرصاحب کی سخت کلامی جس کا نمونہ اوپر پیش کر چکا ہوں آگے آئے گا۔ جب اعتراض کیا گیا تو فوراً اسے بیان واقعہ کہہ کے قرآن پاک کے ذمہ لگا دیا کہ اگر یہ گالیاں جو بیان واقعہ ہیں گالیاں  
 ٹھہریں تو قرآن پاک کو گالیوں سے پر ماننا پڑے گا۔

بس اعتراض صرف اس قدر ہے کہ مرصاحب کی فحش کلامی اور بد زبانی، حیا سوز کلمات کو اگر سب و شتم کو گالی کہا جائے تو بقول مرزا صاحب قرآن پاک کو گالیوں سے پر ماننا پڑے گا۔ یہ مقابلہ قرآن سے اپنی سخت کلامی کا ان دلائل اور دیگر حوالہ جات سے جو اوپر پیش ہو چکے ہیں۔ مرصاحب کے ایمان بالقرآن کو خطرہ میں ڈالتے ہیں اور ان امور کے بعد ایمان بکتبہ کا دعویٰ محض زبانی اور غلط ہے۔ عبارت کاٹ کے نہیں پیش کی کہ تاویل کافی ہو جائے نہ اتنے فقرہ پر صرف اعتراض ہے کہ قرآن گالیوں سے پر ہے۔ یہ تو مختار مد عالیہ کی تصنیف ہے۔ ہمارا اعتراض تو پورے مضمون اور اپنی سخت کلامی کا قرآن پاک کے پاکیزہ طرز خطاب پر قیاس کرنے کا ہے جس کے جواب کی طرف مختار مد عالیہ نے اشارہ تک نہ کیا۔ غیر متعلق باتیں اور تیز کلامی کر کے صفحہ سیاہ کر ڈالا اور یہ اعتراضی پوائنٹ لا جواب کالا جواب ہی رہا۔

باقی مرصاحب کا کشتی نوح اور مواہب الرحمن وغیرہ میں قرآن کے محامد بیان کرنا جواب کے لئے کافی نہیں۔ جب کہ صریح توہین لا جواب اوپر پیش ہو چکی اور مرصاحب کی چونکہ عادت ہی متعارض بولنے کی تھی۔ اس لئے ان کا ایک کلام دوسرے کی شرح کیا بن سکے گا۔ جیسا کہ اوپر مفصل عرض کر چکا ہوں۔ بہر حال مرصاحب کا ایمان بکتبہ اسلامی اصول پر ثابت نہ ہو سکا۔

نوٹ: مختار مد عالیہ نے مضمون خطبہ کر کے اور مغالطہ کے واسطے توہین کے دو نمبر (۵) بشارۃ اسم احمد اور (۶) حدیث کی توہین بے ربط توہین کے سلسلہ سے لے کر یہاں ایمان مفصل کے سلسلہ میں چھوڑ دیا ہے اور پھر اس کے بعد درسلہ شروع کیا۔ میں یہ نمبر (۵) و (۶) اسی توہین کے سلسلہ میں ذکر کروں گا تاکہ یہ مضمون بے ربط نہ ہو جائے اور ایمان مفصل کے وکتبہ کے جواب کا ختم کر کے درسلہ شروع کرتا ہوں۔

ورسلہ

مختار مد عالیہ نے ہماری پیش کردہ ایک دلیل کا بھی جواب نہ دیا بلکہ ذکر تک نہ کیا اور صرف اس کہنے پر اکتفاء کیا کہ مرصاحب اور آپ کے تمام پیرو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس زبانی اقرار کی تائید حقیقت الوحی، ازالہ اوہام، چشمہ معرفت سے پیش کی کہ وہاں رسول بھیجے یا ان پر ایمان لانے یا دیگر ایمانیت کا ذکر ہے۔ حالانکہ اعتراض یہ تھا کہ جو شخص انبیاء کرام

اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ:

من بعرفان نہ مكرم ز كسے  
داد آن جام را مرا تمام  
هر رسولے نهال به پیرانم  
(نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷، ۴۷۸)

میرے آنے سے ہوا کامل مجملہ برگ و بار  
(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۲، خزائن ج ۲۱ ص ۱۴۴)

در برم جامہ ہمہ ابرار  
(نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد  
(تربیاق القلوب ص ۳، خزائن ج ۱۵ ص ۱۳۴)

نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار  
(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۰۳، خزائن ج ۲۱ ص ۱۳۳)

عیسیٰ کجا است تا نجد پا بہ منبرم  
(ازالہ اوہام ص ۱۵۸، خزائن ج ۳ ص ۱۸۰)

اس سے بہتر غلام احمد ہے  
(دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۴۰)

انبیاء گرچہ بودہ اند بے  
آنچه داد ست هر نبی راجام  
زنده باشد هر نبی بآمدنم

روضہ آدم کہ تھا نا مکمل اب تک

آدم نیز احمد مختار

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں

ایک منم کہ حسب بشارات آدم

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔

تو وہ گوزبان سے ایمان بالرسول کا قائل ہو۔ مگر اس کا ایمان اللہ کے رسولوں پر نہیں ہو سکتا۔ مختار مدعا علیہ نے بھی اسے لاجواب سمجھ کر یہاں نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ مرزا صاحب کے ان کفریات اور دعاوی کے بعد ان کا ایمان بالرسول ثابت کرنا واقعی محال ہے۔ ورنہ کچھ اشارہ کنایہ حوالہ تو ہوتا۔ فاللہ الحمد!

(والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ)

مرزا صاحب نے بھی ازالہ اوہام میں یہ دونوں فقرے اپنے ایمانیت کی فہرست سے خارج کر دیئے۔ بس ان کے کسی امتی سے ان کے متعلق لب کشائی کی کیا توقع تھی۔ بہر حال اس سلسلہ کے تمام حوالے اعتراضات بھی لاجواب رہے۔

(والبعث بعد الموت)

اس سلسلہ میں جو پیش کیا تھا اس کا جواب کیا بن پڑتا اس کا نام تک نہ لیا گیا بحث میں اس کا ذکر بھی نہ تھا اور دراصل مرزا صاحب کے متبعین اس عقیدہ کے اثبات میں سخت عاجز ہیں۔ کیونکہ ایک طرف مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ مرنے والا فوراً جنت یا دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اب اگر قیامت میں نفع صورت کی طلبی پر قبر سے اٹھیں تو جنت اور دوزخ کے بعد دخول خروج ماننا پڑے گا جو جائز نہیں۔ لہذا قبر سے مردے نہ اٹھیں گے بلکہ ترقی مدارج ہوگی۔

(مخلص ازالہ اوہام ص ۳۴۴ تا ۳۴۸، خزائن ج ۳ ص ۲۷۵ تا ۲۸۲)

دوسری طرف نص قطعی قرآن حکیم میں موجود ہے کہ مردے قبروں سے قیامت میں اٹھیں گے۔

.....۱ ”ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون (یس: ۵۱)“

.....۲ ”وان اللہ یربعث من فی القبور (حج: ۷)“

.....۳ ”اذا القبور بعثرت (الانفطار: ۴)“

.....۴ ”الا یظن اولئک انهم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العالمین (المطففین: ۶ تا ۴)“

.....۵ ”منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری (طہ: ۵۵)“

مسلمانوں کا عقیدہ کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے نکل کر حساب کتاب کے لئے میدان محشر میں جمع ہوں گے۔

”ونفخ فی الصور فاذا هم ..... ینسلون (یس: ۵۱) قال من یحیی العظام ..... تا ..... خلق علیہم

(یس: ۷۸، ۷۹) كما بدأنا اول ..... کنا فاعلین (الانبیاء: ۱۰۳) كذلك یحیی اللہ الموتی (البقرۃ: ۷۳) ان اللہ یربعث

من فی القبور (الحج: ۷) منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخری (طہ: ۵۵) افلا یعلم اذا بعث

مافی القبور (العنکبوت: ۹) اذا القبور بعثرت. علمت نفس ما قدمت و اخرت (الانفطار: ۴، ۵) یقولون ء انا

لمردودون فی الحافرة. ء اذا کنا عظاما نخره (النزعات: ۱۰، ۱۱) یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا (النبأ: ۱۸)

ونفخ فی الصور ..... لرب العالمین (الزمر: ۷۸ تا ۷۵)“ سے صاف ثابت ہے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ نیز ”یا یتھا النفس

المطمئنة ..... و ادخلی فی جنتی (الفجر: ۲۷ تا ۳۰) و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و الارض .....

فادخلوها خالدین (الزمر: ۷۸ تا ۷۳) و نفخ فی الصور ذلک یوم الوعد ..... ذلک یوم الخلود (ق: ۲۰ تا ۳۲)“

نوٹ: (مکتوٰۃ شریف ص ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۷) پر مصرح احادیث صحیح لوگوں کے قبروں سے نکل کر محشر میں جمع ہونے وغیرہ کی مفصل موجود

ہیں۔ بخوف طوالت ترک کی جاتی ہیں۔

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جنت میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے۔ ”ما ہم

بخارجین“ اس موقع پر ہے ورنہ حضرت آدم و حوا جنت سے کیسے نکالے گئے۔ ہاں! قیامت سے پہلے دخول روحی تھا۔ اب جسمی ہوگا۔

لہذا مرزا صاحب کا ایمان کسی تاویل سے بعث بعد الموت پر نہیں ہو سکتا اور مختار مدعا علیہ کے سکوت نے اسے اور بھی مضبوط

کر دیا۔ پس ”امنن باللہ و ملتکتہ و کتبہ“ کے جواب نہ بن سکتے اور رسلہ کے جواب ناکافی اور والیوم الآخر و القدر خیرہ

و شرہ من اللہ و البعث بعد الموت کے تذکرہ تک نہ کرنے سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جس طرح مرزا صاحب کا ایمان کلمہ توحید

اور ایمان مجمل پر نہیں، اس طرح مرزا صاحب اور ان کے ماننے والوں کا ایمان مفصل اور اس کے کسی جز پر نہیں اور جب تک ہمارے پیش

کردہ عقائد سے صاف لفظوں میں رجوع نہ کریں، قیامت تک ایمانیات کے کسی شعبہ کسی جزء پر ایمان نہیں ہو سکتا۔

استدعا

یہ وہ حوالہ جات تھے جو جرح میں گواہان مدعا علیہ کو بھی مسلم ہیں۔ بس میں عدالت عالیہ کی توجہ اس بات کی طرف منعطف کرانا

چاہتا ہوں کہ علمی مباحث تو آگے آئیں گے۔ فیصلہ کے واسطے یہی حصہ کافی دوانی ہے۔

کیونکہ مدعا علیہ کو اپنے احمدی ہونے کا اقرار ہے گواہ نمبر ۱ نے یکم مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں احمدی اور قادیانی اور مرزائی ایک

ہی تسلیم کیا ہے۔

لہذا تنقیح نمبر ۱ کے پہلا حصہ کو ”کیا مدعا علیہ نے مذہب قادیانی یا مرزائی اختیار کیا ہے۔“ بلاشبہ ثابت ہو گیا۔  
تنقیح نمبر ۱ کے دوسرے حصہ کہ کیا اس سے ارتداد لازم آتا ہے۔

اس کے اثبات کے واسطے یہ کافی سے زائد ہے کہ مرزائیت اختیار کرنے سے نہ لا الہ الا اللہ پر ایمان قائم رہے، نہ محمد رسول پر، نہ ایمان مجمل امننت باللہ کما هو باسمائہ و صفاتہ و قبلت جمیع احکامہ پر، نہ ایمان مفصل امننت باللہ و ملفکتہ و کتبہ و رسلہ و الیوم الآخر و القدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ و البعث بعد الموت پر۔  
یہ ایمان کی بنیادیں اور اصول تھے۔ اس کے بعد ایمان کیا چیز ہے۔ پس مرزا صاحب کی اتباع اور کفر و ارتداد لازم و ملزوم ہیں۔  
پس تنقیح نمبر ۱ کا دوسرا حصہ بھی ثابت ہو گیا۔

باقی ارتداد سے فسخ نکاح ہونا جو دوسری تنقیح ہے وہ ہر دو گواہوں کو مسلم ہے کہ عام حکم اور تعالٰیٰ فسخ نکاح کا ہے، جیسا کہ گزر چکا۔  
پس اس صورت میں ڈگری بخت مدعیہ ہونی چاہئے۔ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ (ایمان مجمل و مفصل کی بحث ختم ہوگی)

## وجوہات تکلیف و ترتیب شہادت

(۱)

### دعویٰ وحی نبوت ..... بحث متعلقہ وحی

مختار مدعا علیہ کی تمہیدی تقریر:

”اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ گواہان مدعیہ نے مطلق اذعائے وحی کو کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ گواہ نمبر ۳ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ اذعائے وحی کفر ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو، تب بھی کافر ہے اور بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے اور غیروں کے لئے کشف، الہام یا وحی لغوی ہو سکتی ہے اور وحی کی یہ تعریف کی ہے۔ فرشتہ بھیجا جائے، فلاں سے جا کر یہ کہہ دو اور اپنی تائید میں شرح شفاء کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے صرف وحی رسالت کو بند قرار دیا ہے۔ گواہ نمبر ۳ کا بیان مختار مدعیہ کے اس دعویٰ کو باطل ثابت کرتا ہے۔

نیز گواہ نمبر ۱ نے ۲۱ اگست کو جو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ آیت: ”ماکان لبشر“ میں جو طرق وحی بیان کئے گئے ہیں وہ امت محمدیہ پر بند ہیں اور گواہ نمبر الف و ب نے مطلق وحی کے بقاء سے یہ کہہ کر انکار کیا ہے کہ وحی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نبوت اور وحی لازمی ہے۔ اگر دوسری وحی آ سکتی ہے تو ممکن ہو جائے گا کہ قرآن شریف کا کون سا حکم منسوخ ہو جائے۔“

الجواب: مختار مدعا علیہ کا یہ محض مغالطہ و فریب ہے۔ اس نے اپنی شہادت میں لکھوایا تھا کہ: ”فریق دوم نے لکھوایا کہ اذعائے وحی کفر ہے۔ آخری بحث میں میں نے اس کی یہ کذب بیانی بے نقاب کی اور گواہ نمبر ۲ کی اصلی عبارت نقل کر دی کہ وہ لکھواری ہے کہ: ”ایسے ہی اذعائے نبوت اور اذعائے وحی نبوت بھی کفر ہے۔“ کتنی واضح عبارت میں وحی نبوت کی تصریح فرما رہے ہیں، مگر مختار مدعا علیہ کو مطلق وحی نظر آتی ہے، اس کا کوئی علاج نہیں۔

اب جوابی بحث کے اس ابتدائی مذکورہ بالا حصہ میں مندرجہ ذیل الہامات پیش کئے ہیں اور اپنی مغالطہ دہی کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ میں عدالت کی سہولت کے لئے ایک کالم میں اس کا بہتان اور دوسرے میں اصل حقیقت پیش کرتا ہوں۔

## بہتان

- .....۱ چنانچہ گواہ نمبر ۳ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ اذاعاء وحی کفر ہے اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو۔
- .....۲ اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے خواہ نبوة کا مدعی نہ بھی ہو تب بھی کفر ہے۔
- .....۳ گواہ نمبر ۱ نے ۲۱ اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے آیت ماکان لبشر میں جو طرق وحی بیان کئے ہیں وہ امتہ محمدیہ پر بند ہیں۔
- .....۴ گواہ نمبر الف و نمبر ب نے مطلق وحی کے بقاء سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ وحی نہیں ہو سکتی، کیونکہ نبوة وحی لازمی چیز ہے..... الخ!

## اصل حقیقت

.....۱ محض بہتان ہے اصل عبارت یوں ہے: ”اذاعاء وحی کفر ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کہے کہ نبوة آ نحضرت ﷺ کے بجائے مجھ پر وحی ہوتی ہے اور وہ قرآن کی طرح ہے تو وہ کافر ہے۔“ ملاحظہ فرمائیں کہ گواہ نمبر ۳ نے کس صفائی سے خود ہی معنی کر کے تفسیر کر دی کہ اذاعاء اس کا کفر ہے جو قرآن کی طرح (یعنی وحی نبوت) ہو۔ اس نے کہیں مطلق وحی نہیں کیا، نہ مطلق وحی کا لفظ ہے۔ بلکہ قرآن پاک جو مسلمہ فریقین وحی نبوت ہے۔ اس کی طرح جو اپنی وحی کا دعویٰ کرے وہ کافر۔

.....۲ پس گواہ نمبر ۳ پر یہ بہتان ہے کہ اس نے مطلق وحی کے دعویٰ کو کفر بتایا، بلکہ وحی نبوت اور رسالت کو کفر بتایا ہے جو قرآن کی طرح ہو۔ لہذا مختار مدعا علیہ کے دعویٰ سے سر موخلاف نہیں محض افتراء ہے۔ یہ عبارت بھی پہلی عبارت سے متصل ہے اور مطلق کا لفظ ہرگز وہاں مذکور نہیں۔ مختار مدعا علیہ کی تصنیف اور اس کا مفاطلہ ہے۔ اس وحی نبوت کو جو قرآن کی طرح سمجھی جائے۔ گواہ نمبر ۳ بیان کر رہے ہیں، نہ وہاں لفظ مطلق وحی ہے نہ خواہ نبوت کا دعویٰ نہ ہو۔ اصل عبارت یہ ہے: اگر کوئی شخص کہے کہ نبوت آ نحضرت ﷺ کے بعد مجھ پر وحی ہوتی ہے اور وہ وحی قرآن کی طرح (یعنی وحی نبوت و رسالت ہے) تو وہ کافر ہے۔ اس کے کفر کے اثبات کے لئے تمام مذکورہ عبارات کافی ہیں۔ کیونکہ وحی (یعنی مذکورہ بالا) لازم نبوت ہے۔ جو شخص اس (وحی نبوت مذکورہ) کا مدعی ہو، اگرچہ بظاہر نبوة کا مدعی نہیں، مگر فی الحقیقت مدعی نبوت ہے۔ (کیونکہ وحی نبوت کا دعویٰ در پردہ نبوت کا دعویٰ ہے)

پس ثابت ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ نے گواہ نمبر ۳ کا بیان اپنے لفظوں میں نقل کر کے اس پر افتراء کیا۔ ورنہ وہ دراصل دعویٰ وحی نبوة کی تکفیر کو کہہ رہے ہیں نہ مجازی و لغوی۔ کیونکہ اس وحی نبوت کو پیغمبروں کے ساتھ مخصوص کر کے لکھتے ہیں کہ: ”غیروں کے لئے کشف والہام یا وحی لغوی ہو سکتی ہے۔“ جب وحی لغوی کی غیروں کے واسطے صراحت فرماتے ہیں تو مطلق وحی کا دعویٰ کفر کیونکر لکھ سکتے ہیں۔

.....۳ بالکل صحیح ہے یہاں یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے اور اس آیت میں جو طرق مذکور ہیں، وہ اس کے شان نزول کے لحاظ سے وحی نبوت اور رسالت کے ہیں اور وحی نبوة کا تیرہ سو سال سے بند ہونا اور اس پر مہر لگ جانا تو مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ ان اقسام کی تخصیص بالانبیاء اور وحی رسالت و نبوة مراد ہونے کی دلیل درکار ہو تو بخاری شریف کی پہلی حدیث معہ شرح حافظ بدرالدین عینی ملاحظہ فرمائیں: ”وفی الاصطلاح الشرع هو کلام الله الی قوله کما وحی ربک الی النحل (النحل: ۶۸)“

.....۴ محض دروغ بے فروغ ہے۔ اس کا رد شہادت مسل پر موجود ہے۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ کہیں ”مطلق وحی“ کا لفظ نہیں، بلکہ وحی نبوة کے متعلق حکم دے رہے ہیں۔ لازم نبوت وحی نبوت ہوتی ہے نہ مطلق وحی۔ ورنہ ”واحدی ربک الی النحل“ شہد کی کبھی کو بھی وحی ہوئی ہے وہ نبی نہیں ہوگی نہ وہ وحی نبوت ہے۔ گواہ نمبر الف نے تو اپنے بیان میں مرزا صاحب کے مدعی نبوت ہونے پر بہت سے دلائل و قرآن نقل کئے ہیں۔ علیٰ ہذا! گواہ نمبر ب نے گواہ نمبر ۲ کے یہ الفاظ ہیں: ”ایسے ہی اذاعاء نبوت اور اذاعاء وحی نبوت بھی کفر ہے۔“ بہر حال

بوضاحت ثابت ہو گیا کہ یہ محض مختار مدعا علیہ کا مغالطہ تھا۔ ورنہ گواہان مدعیہ نے بھی وہی بیان دیا ہے جو مختار مدعا علیہ نے بحث میں کہا کہ دعویٰ وحی نبوت و رسالت کفر ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے متبعین اگر مغالطہ نہ دیں اصل بات یہ ہے کہ میری تمہید جو میں نے اس ہیڈنگ کے تحت مسئلہ کو متنیق کرنے کے لئے پیش کی تھی وہ چونکہ لاجواب تھی۔ اس لئے اس اضطرابی اور بہتان طرازی کا ثبوت دیا گیا۔ ملاحظہ عدالت کے واسطے بلطفہ پیش کرتا ہوں۔

## تنقیح بحث

کشف والہام، وحی تین علیحدہ علیحدہ امور ہیں جن کی تفصیل گواہان مدعیہ خصوصاً گواہ نمبر سوم حضرت سید محمد انور شاہ صاحب میں مفصل درج ہے۔ پھر ہر ایک کے لغوی واصطلاحی حقیقی و مجازی معنی میں شہد کی مکھی کو بھی لغوی و مجازی وحی کی گئی ہے۔ ”قال اللہ تعالیٰ و اوحی ربک الی السی النحل..... الخ! (النحل: ۶۸)“ کہ تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی بھیجی۔ مگر حضور والا واقف ہیں کہ اس بحث میں شہد کی مکھی والی وحی یا اس قسم کے دیگر لغوی و مجازی اقسام وحی اور مجازی و محاورات زیر بحث نہیں۔ بلکہ گفتگو صرف اس میں ہے کہ وحی نبوت بعد آنحضرت ﷺ مسدود ہے اور اس کا مدعی کافر ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہان مدعیہ خصوصاً بیان گواہ نمبر ۲۔ یہاں اس کا یہ دعویٰ کہ ایسے ہی اذعاء نبوت اور اذعاء وحی نبوت بھی کفر ہے۔ بڑی تفصیل سے مدلل کیا گیا ہے۔

پس تنقیح نمبر ایک یہ ہوئی کہ مطلق وحی کی بحث نہیں بلکہ دعویٰ وحی نبوت کفر ہے۔

تنقیح دوم جو وحی انبیاء کرام پر جس خصوصی پیرایہ میں اترتی ہے وہ وحی نبوت کہلاتی ہے۔ وہ کسی اور پر نہیں اتر سکتی۔

بجائے اس کے کہ اس تنقیح کے اقسام بیان کر کے اسے طول دوں یہ زیادہ مسلم ہے کہ مرزا صاحب کی عبارت وحی نبوت کی مراد اور اس کی تنقیح میں پیش کروں تاکہ ان حضرات پر بھی حجت ہو سکے۔ جن پر سوائے مرزا صاحب اور ان کے دونوں خلفاء کے مطلق نہ قرآن حجت ہے، نہ حدیث، نہ فقہ، نہ کلام، نہ تفسیر، نہ اللہ کا کلام اور نہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان، نہ صحابہ کے فیصلے، نہ بزرگان دین کے اقوال نہ ائمہ دین کے استنباط بلکہ مرزا صاحب کی بات بنانے کے لئے سب کی تاویل کر لیتے ہیں اور سب پر اتہام لگانے میں تامل نہیں کرتے۔

## مرزا غلام احمد کے نزدیک وحی نبوت کے معنی

..... ”کیونکہ جس میں شان نبوت پاتے ہیں اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوت ہے۔“ (ایام الاح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳) مسلم گواہ نمبر ۲ ج ۲ مارچ ۱۹۳۳ء۔

”نبی کی وحی وحی نبوت کہلائے گی۔“ (سراج منیر ص ۲، خزائن ج ۱۲ ص ۶)

..... ۲ رسول کو علم دین جو سب جبرئیل ملتا ہے؟ (ازالہ ادہام ص ۶۱، خزائن ج ۳ ص ۵۱۱) بیان گواہ مدعیہ نمبر ۲۔

..... ۳ ”ایک فقرہ بھی جبرئیل لائیں وہ بھی وحی نبوت و رسالت ہے جو بند ہے۔“ (ازالہ ادہام ص ۵۷۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۱) گواہ مدعیہ نمبر ۲۔ تنقیح سوم جو وحی بندوں پر حجت ہو اور اس کی اتباع لازم ہو وہ تشریحی کہلاتی ہے یا جس میں نیا حکم ہو ملاحظہ ہو۔ جرح گواہ نمبر ۱،

مؤرخہ ۷/مارچ ۱۹۳۳ء۔

جس میں نئے احکام ہوں وہ تشریحی ہے۔

ہر نبی تشریحی ہوتا ہے اور اس کی وحی خواہ پرانی وحی کیوں نہ ہو تشریحی اور لوگوں پر حجت ہوتی ہے۔ نیز کوئی نہ کوئی نیا حکم اس میں

مستقلہ ضرور ہوتا ہے خواہ صرف اپنی نبوت کے اعلان ہی کا۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱، مؤرخہ ۷/مارچ ۱۹۳۳ء۔

نیز ملاحظہ ہو: (ازالہ اوہام ص ۵۷، خزائن ج ۳ ص ۳۱۱) تھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ تفصیل کے لئے بیان گواہ مدعیہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔  
مرزا صاحب کی عبارت اور تنقیح نمبر سوم کی رو سے وحی نبوت کی تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

۶- الف ..... جس میں شان نبوت ہو یا نبی ہو اس کی وحی وحی نبوت ہے۔

ب ..... بتوسط جبرئیل ہو خواہ ایک ہی فقرہ وحی نبوت ہے۔

ج ..... جو بندوں پر حجت ہو۔ ایضاً

د ..... جس کی اتباع لازم ہو۔

ہ ..... جس میں نیا حکم ہو۔

و ..... صرف اپنی نبوت کے اعلان ہی کا حکم ہو وہ بھی وحی نبوت بلکہ تشریحی ہے۔

یہ (۶) چھ صورتیں وحی نبوت و رسالت کی ہوں۔

## اقراری ڈگری

ہمارے مدعا کا جہاں تک تعلق ہے وہ نہ صرف مرزا صاحب کی امت کو بلکہ ان کے خود ساختہ صاحب نبی کو بھی مسلم ہے۔ کیونکہ  
ہمارا دعویٰ انسداد وحی نبوت و رسالت ہے اور وحی نبوت و رسالت کا انسداد مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالہ جات مندرجہ ذیل۔

۱ ..... ”لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سول برس سے مہر لگ گئی۔“ (ازالہ اوہام ص ۵۳۴، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷)

۲ ..... ”حالانکہ وحی نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد منقطع ہو چکی ہے۔“ (حماتہ البشری ص ۳۴، خزائن ج ۷ ص ۲۱۹)

اب اس تسلیم کے بعد کسی جدید استدلال اور بحث کی ضرورت ہی نہ تھی مگر پھر بھی عوام کو مغالطہ سے بچانے کے واسطے اصل بحث  
میں نے تمام پیش کردہ آیات و احادیث و اقوال کا مدلل جواب دیتے ہوئے ان کی خیانت اور قطع و برید بے نقاب کر دی تھی۔ اب  
جواب بحث میں بجائے ان کا کوئی معقول جواب دینے کے انہیں فرسودہ دلائل کا مکرر اعادہ کیا گیا ہے اور کہیں کہیں شرمناک خیانتیں اور  
تحریف ہے۔ اس لئے پھر مفصل جواب کی طرف رجوع کرتا ہوں ورنہ ضرورت ہی نہ تھی۔ یہاں تک میرے دعویٰ کا تعلق ہے۔ مدعا علیہ اور  
اس کے نبی اور گواہوں کو مسلم ہے۔

مخارمہ عالیہ نے مندرجہ ذیل ہیڈنگ قائم کئے ہیں۔

۱ ..... کیا وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے؟

۲ ..... کیا آنحضرت کے بعد باب وحی غیر تشریحی مسدود ہے؟

۳ ..... کیا قرآن مجید سے بقاء وحی پر کوئی دلیل نہیں؟

۴ ..... کیا احادیث سے بقاء وحی غیر تشریحی عقیدہ سلف صالح کے خلاف ہے؟

۵ ..... کیا بقاء وحی غیر تشریحی عقیدہ سلف صالح کے خلاف ہے؟

۶ ..... کیا مسیح موعود کے نزدیک ہر قسم کی وحی بند ہے؟

۷ ..... کیا مسیح موعود اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتے ہیں؟



(۱)

وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں۔

اس سلسلہ میں بظاہر سات بے ربط وغیر متعلق آیات معانی اور مطالب بگاڑ کر تحریف معنوی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ مگر دراصل پانچ جن کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ یہ تمام آیات وحی لغوی یا الہام کے متعلق ہیں اور ہماری گفتگو وحی نبوت وحی رسالت میں ہے۔ اس کی تخصیص کا دعویٰ ہے جو مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ مطلق وحی کی تخصیص کا نہ ہمارا دعویٰ ہے نہ ہم اس کے جواب کے مکلف ہیں۔

تبرماً تفصیلی جواب بھی پیش کرتا ہوں

آیت اول: ”ما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحياً..... الخ! (الشورى: ۵۱)“ خلاصہ استدلال مدعا علیہ۔ بشر نبی اور غیر نبی کو عام ہے۔ لہذا وحی انبیاء سے مخصوص نہیں۔

یہ یعنی شہادت والا استدلال مکرر دہرایا ہے جس کا جواب مکمل اور مدلل و مفصل ابتدائی بحث میں دے چکا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں خدا کے انسان سے ہم کلام ہونے کے اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ وحی نبوت کا انبیاء سے مخصوص ہونے کا ذکر تک نہیں اور اگر اس سے خارجی دلائل اور شان نزول کی روشنی میں وحی نبوت مراد ہو تو بشر سے نبی مراد ہوگا۔ جیسا کہ اس کے شان نزول سے ظاہر ہے اور نبی بھی بشر ہوتا ہے۔ صرف وحی الہی نبی کا عام بشر کے افراد سے ممتاز کرتی ہے۔

”قال الله تعالى قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ..... الخ! (الکہف: ۱۱۰)“

مختر مدعا علیہ کا جواب یہ کہ لیکن مختار مدعیہ نے اس آیت میں بشر سے نبی مراد لیا ہے۔ حالانکہ اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو بشر کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کرے۔

بالکل قابل التفات نہیں کیونکہ جواب کی شق اول تو بہر حال مسلم رہی اور اس آیت کا غیر متعلق ہونا ثابت ہو گیا۔ بشر کی تخصیص نبی کے ساتھ شق ثانی پر ہے جب کہ وحی سے مراد وحی نبوت ہو۔ پس جس طرح وحی نبوت کی تخصیص بلحاظ شان نزول ہوگی۔ یوں ہی بشر سے نبی کی تعیین شان نزول سے ہے نہ کہ ظاہری الفاظ سے۔ ہاں! جب کہ مختار مدعا علیہ وحی عام مراد لیتا ہے نہ کہ وحی نبوت اور بحث وحی نبوت میں تھی نہ کہ الہام اور وحی مجازی و لغوی میں۔ پس اس آیت کا غیر متعلق بے ربط ہونا، گویا اسے بھی مسلم ہے اور محض بحث کو طول دینے کے واسطے اسے پیش کیا ہے۔ ورنہ اس کا شانی اور اہل جواب ابتدائی بحث میں گزر چکا ہے۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔

(فتوحات مکہ ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷) سے مختار مدعا علیہ کا یہ نقل کرنا کہ: ”ان تمام طرق سے اولیاء امت کو بھی وحی ہوتی ہے اور نبی ولی کی وحی میں فرق ہے۔“ ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ ہمارے خلاف کیونکہ جب یہ وحی اولیاء امت کو وحی کو بھی شامل ہے جو بالافتاق بمعنی الہام ہے تو لامحالہ اس آیت میں لغوی وحی مراد ہوگی، نہ حقیقی اصطلاحی، نہ وحی نبوت۔ لہذا پھر غیر متعلق اور بے ربط رہی۔ مختار مدعا علیہ نے چونکہ باقرار خود فتوحات کا کل مطالعہ نہیں کیا ہے۔ ورنہ ایسی فاش غلطی نہ کرتا۔ کیونکہ حضرت شیخ نے تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف الہام باقی ہے اور وحی بالکل مسدود و بند ہے۔

”اعلم اننا لنا من الله الالهام لا الوحی فان سبیل الوحی قد انقطع بموت رسول الله ﷺ“

(فتوحات مکہ ج ۳ ص ۳۰۳ و ۳۱۶)

یعنی جان لو کہ ہم کو اللہ کی جانب سے الہام ہو سکتا ہے نہ کہ وحی، کیونکہ وحی کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کی موت کے بعد یقیناً بلاشبہ منقطع ہو چکا ہے۔

(ج ۲، باب ۳ ص ۳۱) پر تصریح فرمادی کہ آثار نبوت سے صرف مبشرات یعنی رؤیاء صالحہ باقی ہیں اور سب مسدود و ختم ہو چکے ہیں۔ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے تو حضرت شیخ کی عبارت قطع و برید کر کے بگاڑنا صرف مختار مدعا علیہ کا شیوہ ہے جن کا مقصد مغالطہ کے سوا کچھ نہیں۔

دوسری آیت: ”واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعہ..... الخ! (القصص: ۷)“  
خلاصہ استدلال، ام موسیٰ نبی نہ تھیں پھر بھی ایسی شانداران پر وحی ہوئی۔

**الجواب:** یہاں وحی شاندار اور غیر شاندار کا ذکر تک نہیں بلکہ وحی نبوت کے متعلق بحث ہے اور وحی نبوت اس میں مراد نہیں۔ جیسا کہ مختار مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے کہ: ”گواہ مدعا علیہ کا مقصود اس آیت سے غیر انبیاء پر وحی کا نزول ثابت کرنا ہے۔ نہ وحی نبوت ملخصاً۔“

نیز اس آیت میں وحی بمعنی الہام ہے۔ جیسا کہ (جامع البیان علی ہاشم جلاہین ص ۲۳۶) پر ہے۔ ”واوحینا الہمنا الیٰ ام موسیٰ“ یعنی ”واوحینا الہمنا“ کے معنی میں ہے کہ ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا یوں ہی (جلاہین ص ۲۳۵) پر تصریح ہے کہ وحی بمعنی الہام ہے۔ پس جب یہاں الہام مراد ہے تو غیر متعلق ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔

تیسری آیت: ”اذکر فی الكتاب مریم..... الخ! (مریم: ۱۶)“

چوتھی آیت: ”واذ قالت الملائکہ یا مریم ان اللہ یشرک..... الخ! (آل عمران: ۴۵)“

پانچویں آیت: ”واذ قالت الملائکہ یا مریم ان اللہ اصطفاک (آل عمران: ۴۲)“

خلاصہ استدلال۔ مریم نبی نہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام پیغام لائے اور ان پر وحی ہوئی۔

**الجواب:** یہ یعنی وہی استدلال ہے جو شہادت میں آچکا اور ابتدائے بحث میں اس کا غیر متعلق و بے ربط ہونا پیش کر چکا جس کے لاجوابی کا مختار مدعا علیہ کو بھی اعتراف ہے۔ کیونکہ اس جواب کا ذکر تک نہیں کیا۔ میں مکرر عادیہ کر کے طول دینا نہیں چاہتا۔ عدالت خود ابتدائے بحث سے ملاحظہ فرمالمے۔ یہاں صرف اس قدر کافی ہے کہ غیر انبیاء پر ہمیشہ وحی بمعنی الہام ہوتی ہے اور نزول جبرئیل نبی کریم ﷺ کے قبل غیر انبیاء پر بھی ہوا ہے گو بصورت الہام ہے۔ لہذا یہ آیت وحی نبوت کی تخصیص پر دلالت نہیں کرتی اور وحی بمعنی مجازی الہام وغیرہ کی تخصیص بلا نبی کے ہم ہی مدعی نہیں۔ لہذا یہ حوالہ محض بیکار ہے۔

چھٹی آیت: ”وامرأته قائمۃ فضحکت فبشرناھا باسحق..... الخ! (ہود: ۷۱)“

**الجواب:** یہاں بھی وحی نبوت مراد نہیں بلکہ الہام ہے۔ جیسا کہ تفاسیر میں مصرح ہے اور مفصل جواب ابتدائی بحث میں دے چکا ہوں جس کا جواب الجواب کیا ہو سکتا، نام تک نہیں لیا گیا اور اس کی لاجوابی کا زبان حال سے اعتراف ہی کرنا پڑا۔

ساتویں آیت: ”قلنا یا ذالقرنین اما ان تعذب (الکہف: ۸۶)“

یہاں بھی شہادت کا مکرر استدلال دہرایا ہے۔ میں بھی ابتدائی بحث کے مدلل جواب کی طرف عدالت کی توجہ مبذول کراتا ہوں جو حضرت ذوالقرنین کو نبی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو یہ آیت انبیاء سے مخصوص ہے اور جو انہیں نبی نہیں کہتے ان کے نزدیک یہ الہام ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے کہا ہے: ”لم یکن نبیاً“ پس انہوں نے یہ تفسیر کی ہے: ”قلنا یا ذالقرنین بالہام“ ہم نے ذوالقرنین سے بذریعہ الہام گفتگو کی (جلاہین ص ۱۶، ۱۹۰، نظامی دہلی) لہذا یہ الہام ہوا اور گفتگو وحی بلکہ وحی نبوت میں ہے اور یہاں وحی نبوت کا مطلق وحی کا

بھی لفظ نہیں۔ لہذا بالکل غیر متعلق ہے۔

مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ سکندر کے متعلق نبی وغیر نبی کا اختلاف مختار مدعیہ نے ابن جریر کی طرف منسوب کیا۔ محض افتراء اور بہتان ہے۔ میں نے صرف تفسیر کا ذکر کیا ہے اور مختار مدعا علیہ کے سوال پر تفسیر کبیر کا حوالہ بتایا تھا۔ تفسیر کبیر کا اسے بھی مسلم ہے۔ جلالین کا حوالہ پیش کر دیا گیا۔

تفسیر ابن جریر کا حوالہ بتایا ہی نہیں گیا۔ جواب بن نہیں پڑتا۔ اس قسم کے لایعنی اور شرمناک بہتان و افتراء سے عہدہ بر آری چاہتا ہے۔

## نتائج مختار مدعا علیہ کا جواب

قول مختار مدعا علیہ:

ان مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱..... وحی انبیاء علیہم السلام سے مختص نہیں۔

۲..... جن طریقوں سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہیں طریقوں سے غیر انبیاءوں اور اولیاءوں وغیرہ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر ایک سے ظاہر ہے۔

۳..... فرشتوں کا نزول بھی غیر انبیاءوں پر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی بات فرشتوں کے ذریعہ پہنچاتا ہے جیسا کہ آیت ۶۵، ۴ سے ظاہر ہے۔

## جوابات مرتبہ

۱..... بحث وحی نبوت میں ہے اس کا غیر انبیاء پر ہونا ثابت نہ ہو سکا۔

۲..... اس آیت میں جب وحی نبوت مراد ہے تو انبیاء سے مخصوص ہے اور اولیاء کو وحی بمعنی الہام ہوتی ہے۔ یہ اس آیت کے تحت میں اگر داخل مانی جائے تو یہ ہم کلامی بمعنی وحی عام یعنی لغوی ہوگی جس کی یہاں بحث نہیں۔ یہاں صرف وحی نبوت کی تخصیص کا تذکرہ ہے۔ ورنہ شہد کی کبھی کو بھی وحی ہوتی ہے۔ ”واوحی ربک الی النحل (النحل: ۶۸)“ پس اس معنی میں انبیاء کے ساتھ کون عقل مند تخصیص کر سکتا ہے۔

۳..... یہ پیغام بھی گو بواسطہ ملائکہ ہو۔ مگر الہام ہے۔ جیسا کہ فتوحات میں مصرح ہے کہ الہام بواسطہ ملک بھی ہوتا ہے۔ تفصیل کے واسطے فتوحات سے باب الہام کا بیان ملاحظہ ہو نیز اصل ابتدائی بحث میں۔

۴..... یہ وحی نہیں بلکہ الہام ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۴، ۷ میں وحی کا لفظ بھی نہیں۔

۵..... یہاں بھی الہام مراد ہے نہ وحی جیسا کہ مفصل اوپر عرض کر چکا ہوں۔

(۲)

آنحضرت ﷺ کے بعد باب وحی غیر تشریحی مسدود نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے دلائل اسناد وحی نبوت کے جواب دینے کی لا حاصل سعی کی ہے جس کی حقیقت ابھی ان شاء اللہ آشکار ہو جائے گی۔

قول مختار مدعا علیہ:

”گواہان و مختاران مدعیہ نے ایک آیت یا حدیث بھی ایسی پیش نہیں کی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی الہی بند ہونا ثابت ہوتا ہو..... الخ!“

معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعا علیہ کے یہ مخصوص الفاظ ہیں جنہیں لامحالہ دہرانا ضروری ہے، خواہ موقعہ ہو یا نہ ہو۔ یہی الفاظ تقریباً شہادت میں تھے جن کا مکمل جواب۔

دلائل انسداد وحی نبوت بعد خاتم النبیین ﷺ

کا ہیڈنگ قائم کر کے دے چکا ہوں۔ تفصیلی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

پھر بھی مختار مدعا علیہ کی طرف سے ثبوت کا مطالبہ ہے کہ ثابت ہو۔ جواباً گزارش ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ جس میں شان نبوت باقی ہے۔ اس کی وحی بلاشبہ نبوت ہے۔ (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳) نیز نبی کی وحی، وحی نبوت کہلائے گی۔ (سراج منیر ص ۴، خزائن ج ۱۲ ص ۶) نیز وحی نبوت لوازم نبوت سے ہے۔ (گواہ نمبر ۳ ص ۵۳)

پس تمام وہ اڈلہ جو انقطاع نبوت بعد مینا ﷺ یا ختم نبوت پر پیش کئے گئے وہ سب اس مسئلہ پر واضح دلیل ہیں۔ اسی لئے صرف ایک آیت کے اعادہ پر اکتفاء کی گئی جس پر مرزا صاحب کے متبعین نے یہ مغالطہ دیا کہ کوئی بھی آیت سوائے ایک آیت کے نہیں نہ کوئی حدیث۔ بس سنئے کہ علاوہ آیات کے خاتم النبیین کے تحت مندرج ہیں۔

۱..... ”الذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (البقرة: ۴)“

۲..... ”اوحی الی ہذا القرآن لاندکر کم بہ ومن بلغ (الانعام: ۱۹)“

۳..... ”تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیراً (الفرقان: ۱)“

نوٹ: (۱) قرآن میں بعد کے تصریح کی ساتھ وحی مطلق کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ (جرح گواہ ۲ ص ۳۴)

۴..... ”ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک (الزمر: ۲۵)“

۵..... ”کذلک یوحی الیک والی الذین من قبلک (الشوری: ۳)“

۶..... ”قولوا انا باللہ وما انزل الینا..... تا..... مسلمون (البقرة: ۱۳۶)“

۷..... ”الم تر الی الذین یزعمون..... الی بہ (النساء: ۶۰)“

۸..... ”وما ارسلنا قبلک من المرسلین (الفرقان: ۲۰)“

اس کا ترجمہ و مطلب و استدلال وغیرہ بیانات گواہان مدعیہ اور بحث مختار مدعیہ سے ملاحظہ ہو۔ پھر مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ کوئی بھی آیت سوائے ایک آیت کے پیش نہ کی، محض مغالطہ ہے اس قدر آیات بیانات شاہد ہیں۔ البتہ ہر ہیڈنگ کے نیچے مفصل مکرر نقل نہیں کی گئی، اکثر جگہ حوالوں پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

نمونہ ملاحظہ ہو۔ (احادیث مفصل (۲۵) بلکہ دعویٰ امور حوالہ ۲۰۰ سے زائد کا)

۱..... ”عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ قال لا یبقی بعدہ من النبوت شیء الا المبشرات. قالوا یا رسول اللہ

المبشرات قال الرؤیا الصالحة یراها المسلم وترى له“ (کنز العمال نمبر ۳ ص ۳۰)

۲..... ”عن عمران اناساً کانوا یواخذون بالوحی فی عہد رسول اللہ ﷺ وان الوحی قد انقطع“

(بخاری ج ۱ ص ۲۶۰)

۳..... ”عن عمر لما قبض رسول الله ﷺ وارتدت العرب وقالوا لا نؤدى زكوة وقال ابو بكر لو منعوني عقلاً لجاهدتهم عليه وقلت يا خليفة المسلمين..... وقال اجبار فى الجاهلية وخوار فى الاسلام انه انقطع الوحي وتم الدين ينقص وانا حي“

۴..... ”عن انس بن مالك قال ﷺ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدى ولا نبي. قال شق ذلك على الناس وقال ولكن المبشرات قالوا يا رسول الله وما المبشرات قال رؤيا الرجل المسلم وهو جزء من اجزاء النبوة..... الخ!“

مفصل ترجمہ و مطلب بیانات اور بحث ابتداء میں ملاحظہ ہو۔ مختصر یہ کہ اس میں مندرجہ ذیل امور مصرح موجود ہیں۔

۱..... نبوت کے لوازم و آثار اور اجزاء سے سوائے روایہ صالحہ کچھ بھی بعد نبی کریم ﷺ باقی نہیں۔

۲..... ”ان الوحي قد انقطع“ وحی نبوت یقیناً منقطع ہو چکی۔

۳..... ”انه انقطع الوحي“ یقیناً معاملہ یہ ہے کہ وحی منقطع ہو چکی۔

۴..... کوئی بھی نبوت و رسالت کا جزو سوائے مبشرات روایہ صالحہ باقی نہیں (نہ وحی نہ کچھ اور)۔

## اقوال سلف صالحین و مسلم بزرگان دین

گواہ مدعا علیہ نمبر اوختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ شیخ ابن عربی کی تصریح ”واعلم ان لنا من الله تعالى الالهام لا الوحي فان سبيل الوحي قد انقطع بموت رسول الله ﷺ۔

(ترجمہ) جان لو ہمارے واسطے اللہ کی جانب سے صرف الہام ہو سکتا ہے، وحی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے بالکل منقطع و مسدود ہو چکا۔

نیز مسلمہ گواہان مدعا علیہ و مختار مدعا علیہ

۲..... (علم الکتاب ص ۱۱، حضرت خواجہ میر درد) اقسام وحی کہ آں نیز مثل الہام دو قسم است۔ یکے وحی عام کہ اصلاً پہنچ تخصیص ندارد و یکے وحی خاص کہ مخصوص بانبیاء است و بیان اقسام پنج اصول آں و منقطع شدن کارخانہ وحی بعد خاتم الانبیاء و من بعد عدم جواز اطلاق لفظ وحی بمعنی عامش نیز۔

۳..... ”من اعتقد وحيا بعد محمد ﷺ فقد كفر باجماع المسلمين“ (فتاویٰ حدیثیہ علامہ ابن حجر کی گواہ نمبر ص ۲۰)

۴..... ”و كذلك من ادعى لهم انه يوحى اليه وان لم يدعى النبوة فهتولاء كلهم كفار يكذبون النبى ﷺ“

(شفاء ج ۲ ص ۲۷۰، ۲۷۱، گواہ نمبر ص ۶۹)

۵..... و بحوالہ مذکورہ (نیم الرياض ج ۲ ص ۵۰۲)

۶..... شرح شفاء ص ۵۱۹، ۵۲۰، گواہ نمبر ص ۳۶

غرض یہ کہ صرف دعویٰ وحی نبوت ہی چونکہ مستلزم نبوت ہے اس لئے اسے بھی کفر اور تکذیب نبی کریم ﷺ قرار دیا گیا۔ گو دعویٰ نبوت نہ ہو، جیسا کہ اوپر بحوالہ شفاء و شرح شفاء ملا علی قاری و نیم الرياض وغیرہ سے عبارات نقل کی گئی ہیں۔

زیادہ تفصیل بیانات گواہان مدعیہ نمبر الف و نمبر ۲ و نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

اتنے مفصل دلائل کے بعد یہ کہنا کہ کوئی آیت اور حدیث پیش نہ کی گئی، محض بددیانتی ہے۔

مختر مدعا علیہ نے بحث کی پیش کردہ آیات کا کوئی مکمل جواب ہی نہ دیا صرف یہ کہہ کر ٹالنا چاہا ہے کہ وحی کا ذکر نہ ہونا اور بات ہے اور مسدود ہونا اور۔ حالانکہ میں نے مفصل عرض کیا تھا کہ یہاں صرف عدم ذکر نہیں، بلکہ باوجود اقتضاء مقام کے اس کا ترک ہے جو صراحتاً انسداد وحی پر بھی دال ہے۔ ورنہ ذکر قصد ترک نہ کیا جاتا۔

صرف ایک آیت کا بے ربط جواب دیا ہے۔ گویا بحث کی پیش کردہ کل آیات سوائے ایک کے بالکل لا جواب ہیں اور احادیث واقوال سلف کل لا جواب ہیں۔

البتہ تین آیات گواہ نمبر کے بیان سے لے کر کچھ غیر متعلق جواب کی لا حاصل سعی کی ہے۔ ان آیات کا جواب گونا گونا قابل التفات ہے۔ تاہم ہماری جانب سے مختار مدعا علیہ کا مغالطہ آشکار کرنے کے واسطے مفصل چاروں آیتوں کا جواب الجواب پیش ہے۔

..... پہلی آیت: ”والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (البقرة: ۴)“

خلاصہ تاویلات مختار مدعا علیہ

جواب کیا ہو سکتا تھا جواب کا نام رکھ کر تاویلیں کی ہیں۔

..... عدم ذکر عدم وحی کو مستلزم نہیں، پس یہ لازم نہ آیا کہ آپ ﷺ کے بعد وحی نازل ہونے والی نہیں۔

..... ۲ اس آیت میں وحی تشریحی کا ذکر ہے اور وحی تشریحی تو نہیں آسکتی۔ لیکن غیر تشریحی آسکتی ہے۔ جیسا کہ (یواقیت ج ۲ ص ۹۴) پر ہے: ”انہ

لم یجعی لنا خبر الہی ان بعد رسول اللہ ﷺ وحی تشریحی ابدانما لنا وحی الہام قال اللہ تعالیٰ ولقد اوحی الیک“

..... ۳ مسیح موعود پر وحی ہوگی لہذا اس آیت سے وحی بند کیوں کر ہو سکتی ہے۔

..... ۴ اگر مطلق وحی مراد ہو تو بالآخرة سے آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والی وحی جو آپ کے بعد آنے والی نبوت یا رسالت کو مستلزم ہے

مراد ہوگی۔ اس سے اسلوب بدل کر بالآخرة فرمایا..... الخ!

الجواب:

..... ۱ یہاں عدم ذکر نہیں بلکہ فہرست ایمانیات سے بالقصد خارج کرنا ہے جو صریح دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی وحی نبوت نہیں ہو سکتی

جس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ ورنہ اسے فہرست ایمانی کا سلسلہ میں ترک نہ کیا جاتا۔ مقام ذکر میں بالقصد ترک اور عدم ذکر میں فرق ہے

ترک میں نفی صراحتاً ہے اور عدم ذکر میں حکم مسکوت عنہ رہتا ہے۔

..... ۲ اس آیت میں صرف وحی نبوت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ”من قبلک“ سے انبیاء مراد ہیں اور انبیاء پر وحی بتصریح مرزا صاحب وحی

نبوت ہوتی ہے۔ اگر وحی تشریحی مراد لی جائے تو ”ما انزل من قبلک“ کا عموم باطل ہو جائے گا۔ نیز جو انبیاء ماسبق صاحب شریعت نہ

تھے۔ ان کی وحی خارج ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ پس وحی نبوت خواہ تشریحی ہو یا غیر تشریحی آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہے۔ جو کچھ

باقی ہے، وہ صرف الہام یا وحی مجازی۔ یہی تصریح یواقیت کے حوالہ میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اصطلاح شرع کی وحی تو رسول

اللہ ﷺ کے بعد بالکل بند ہے۔ صرف ہمارے لئے الہام ہے اور پھر اس کو ایک قرآنی آیت سے ثابت کیا ہے۔ یہ حوالہ تو ہماری تائید ہے

نہ مختار مدعا علیہ کی۔ اس میں لفظ تشریحی سے مغالطہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے مقابل باقی رہنے والی چیز صرف الہام ہے، جو مجازاً وحی کہلا سکتی

ہے اور شیخ کی یہ مقرر شدہ مشہور اصطلاح ہے کہ وہ الہام کے مقابل وحی تشریحی سے وحی نبوت مراد لیتے ہیں کہ وحی نبوت مسدود ہے۔ صرف

الہام باقی ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ فتوحات ہی میں اس کی تصریح فرمادی ہے کہ:

”اعلم ان لنا من الله الهام لا الوحي فان سبيل الوحي قد انقطع بموت رسول الله ﷺ“

(فتوحات ج ۳ باب ۳۵۳ ص ۳۱۶)

کہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم لوگوں کے واسطے صرف ایک الہام باقی ہے نہ کہ وحی۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے پردہ فرمانے سے بالکل یقیناً منقطع و مسدود ہو چکا۔

۳..... مسیح موعود پر بھی الہام ہوگا نہ کہ وحی اور جہاں کہیں وحی کا لفظ آیا ہے وہاں الہام ہی مراد ہے۔ جیسا کہ شروع میں مصرح موجود ہے اور مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ علامہ عبدالوہاب شحرانی اور امام محمد الدین ابن عربی یواقیت و فتوحات میں نزول کے بیان میں تصریح فرما رہے ہیں۔

۴..... ”وبالاحرة هم يوقنون“ سے آخری وحی مراد لینا محض جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ تیرہ سو سال میں آج تک کسی کا وہم گمان بھی نہ گیا کہ اس سے مرزا صاحب کی وحی آخری مراد ہے۔ خود نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تمام مفسرین صالحین آخرتہ سے قیامت کا دن مراد لے رہے ہیں۔ مگر مرزا صاحب کی امت اس سے مرزا صاحب کی وحی مراد لیتی ہے:

بسوخت عقل زحیرت کہ این چه بوالعجیت

یہ کھلی ہوئی تحریف قرآن پاک ہے باقی تفصیل اصل ابتدائی بحث میں پیش کر چکا ہوں، عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔

دوسری آیت: ”قولوا اٰمنوا بالله وما انزل الينا وما انزل الی ابراهيم واسماعيل واسحاق ويعقوب والاسباط وما واتى موسى وعيسى وما واتى النبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون (البقرة: ۱۳۶)“  
خلاصہ استدلال گواہ مدعیہ۔ مفصل تمام انبیاء سابقین کی وحی پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا اور بعد آنحضرت ﷺ کی وحی کو باوجود مقام ذکر ہونے کے ترک کر دیا، جو تصریح اس امر کی ہے کہ آپ کے بعد کوئی وحی نبوت نہیں ہو سکتی جس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ ورنہ فہرست ایمانیات سے وہ خارج نہ کی جاتی۔ بلکہ وحی نبوت کا سلسلہ ہی بند ہے۔

اس کا مختار مدعا علیہ سے کچھ جواب نہ ہو سکا۔ صرف یہ کہہ دیا کہ جو پہلا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے۔ لہذا میں بھی بیگواراں کرتا ہوں کہ پہلی آیت کے سلسلہ میں جو تاویلات رکیکہ کا جواب الجواب پیش ہو چکا، وہی یہاں بھی کافی ہے۔

تیسری آیت: ”الم تر الی الدین یزعمون انهم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک (النساء: ۶۰)“  
خلاصہ جواب: پہلا ہی جواب دہرا کے یہ کہہ دیا کہ مسیح موعود کی وحی چونکہ قرآن اور حدیث کے موافق ہے۔ لہذا ”ما انزل من قبلک..... الخ!“ میں شمار ہوگی۔

الجواب: یہ جواب قابل غور ہے تو ”ما انزل الیک وما انزل من قبلک“ فرمایا کہ جو آپ پر اور آپ کے پہلے نازل ہو چکا ہے اور مختار مدعا علیہ بعد کا نازل شدہ بھی اس میں شامل کر رہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک خدا نے ”ما انزل الیک وما انزل من قبلک“ کا لفظ محض عبث اور بیکار و مہمل (عمیاذ باللہ) استعمال کیا۔ مرزا صاحب کے قبیحین مرزا صاحب کی تائید میں قرآن پاک اور سرکار دو عالم ﷺ پر بے باکی سے حملہ کرنے میں تاثر نہیں کرتے۔ یہ جواب تو اس قدر مہمل ہے کہ قابل التفات ہی نہیں۔ مفصل جواب آیت نمبر ۱ کے جواب الجواب اور اصل بحث سے ملاحظہ ہو۔

حضرت مولانا گنگوہی پر بہتان

”یہ بات بڑی دلچسپی سے دیکھے جانے کے قابل ہے کہ مختار ان مدعیہ مرزا صاحب کی وحی کو بھی منزل من اللہ ماننے کو تیار نہیں اور

ان کے خاتم الحدیث مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مجتہدین کے اجتہادات کو بھی منزل من اللہ تعالیٰ قرار دیتے ہیں۔“  
میں عدالت کی توجہ مختار مد عالیہ کے اس صریح بہتان کی طرف دلاتا ہوں اور بجائے کسی جواب کے مختار مد عالیہ کی پیش کردہ عبارت نقل کئے دیتا ہوں۔

استنباط مجتہدین بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اشارات و دلالات نصوص سے مستخرج ہیں وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے۔ (سبیل الرشاد ص ۳۶) ملاحظہ فرمائیں، کتبی صاحب تصریح ہے کہ چونکہ مجتہد نے اسی آیت سے جو منزل من اللہ ہے یہ حکم اشارۃً یا دلالتاً نکالا ہے۔ لہذا یہ حکم بھی اسی آیت کا ہے، نہ اس کا تراشیدہ اور طبع زاد اور کہاں یہ پاکیزہ حکم کہاں مرزا صاحب کی وحی نبوت اور اس کا جواب اور منزل من اللہ ہونا جس کا دروازہ جس قطعی بند ہو چکا۔ جو دعویٰ کرے کافر ہو جائے۔ استنباطات و اجتہادات مجتہدین بتصریح قرآن اور حدیث باقی ہیں۔ پس یہ مختار مد عالیہ کا افتراء اور محض مغالطہ ہے۔

چوتھی آیت: ”وما ارسلنا قبلك من المرسلین (الفرقان: ۲۰)“

اس آیت کا جواب تو کچھ بن نہ آیا۔ عموم ترک کر کے شان نزول سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ حالانکہ یہی جواب ”ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ“ کا جب ہماری طرف سے دیا گیا تھا تو اس پر اعتراض تھا کہ اس کا عموم باطل ہو رہا ہے۔ یہی جواب ہم بھی پیش کرتے ہیں۔ اعتبار عموم الفاظ کا ہے نہ خصوصی مورد کا۔ بس یہ جواب بھی غیر متعلق ہے اور ہمارے استدلال کو مجروح نہیں کرتا۔ اصل استدلال شہادت گواہ نمبر ۱ میں ملاحظہ ہو۔

پس یہ تمام آیات یقیناً قطعی طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی بھی وحی تشریحی نہیں آئی ہے بلکہ کارخانہ وحی بعد آنحضرت ﷺ منقطع و مسدود ہے۔ جیسا کہ انہیں اور ان جیسی آیات سے بھی مطلب بزرگان دین نے استنباط کیا ہے، میں تائید میں صرف دو حوالہ گواہ اور مختار مد عالیہ کے مسلم پیش کرتا ہوں۔

..... (علم الکتب میر درد دہلوی ص ۱۱)

”اقسام وحی کہ آن نیز مثل الہام دو قسم است یکے وحی عام کہ پہنچ اصلاً تخصیص ندارد و یکے وحی خاص کہ مخصوص بانبیاء است و بیان اقسام پنج اصول آں و منقطع شدن کارخانہ وحی بعد خاتم الانبیاء و من بعد عدم جواز اطلاق لفظ وحی بمعنی عامش نیز۔“ (مسلم گواہ نمبر ۲) پس بصراحت انقطاع وحی نبوت ثابت ہو گیا بلکہ یہ بھی کہ باوجود کہ وحی یعنی الہام ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی آنحضرت ﷺ کے بعد لفظ وحی کا استعمال بھی کسی کے واسطے جائز نہیں۔

یہ وجہ تکفیر ایسے دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جس کا جواب تا قیامت ناممکن ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

دلائل بقاء وحی غیر تشریح از روئے قرآن شریف

مختار مد عالیہ نے اس سلسلہ میں مکرر وہی آیات مع اسی طرز استدلال کے نقل کر دی ہیں جو اس نے شہادت میں پیش کی تھیں۔ صرف ترتیب کو بدلا ہے۔ حالانکہ ان کا نہایت مکمل اور مفصل جواب ابتدائی بحث میں دیا جا چکا ہے جس کی طرف نا تمام سا اشارہ کہیں کہیں خود کرتا ہے۔ میں صرف اشارہ کے طور پر اس کی پیش کردہ آیات پر معمولی سا تبصرہ کر کے تفصیل ابتدائی بحث کے حوالہ پر چھوڑتا ہوں۔

آیت اول: ”رفیع الدرجات ذوالعرش یلقى الروح من امرہ علی من یشاء من عباده لینذر یوم التلاق

(المؤمن: ۱۵)“

خلاصہ استدلال: اللہ تعالیٰ کا رفیع الدرجات ذوالعرش ہونا اور اس کے مبذول کا پایا جانا۔ نیز ضرورت انداز نزول وحی کی علت ہیں۔ پس



جب کہ یہ تینوں باتیں بعد نبی کریم ﷺ بھی موجود ہیں تو نزول وحی کے مسدود ہونے کے کیا معنی۔  
روح سے صحیح یہ ہے کہ وحی مراد ہوگی، جیسا کہ جلالین اور تفسیر کبیر میں ہے۔

**الجواب:**

۱..... یہ آیت بالکل اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے کہ وحی غیر تشریحی باقی ہے۔ کیونکہ یہ آیت تو آنحضرت ﷺ کے متعلق اتری ہے اور آپ پر وحی تشریحی ہوتی تھی۔ پس اس لئے وحی غیر تشریحی مراد لینا محض لغو ہے۔

۲..... بیان نزول وحی کی علت نہیں بیان کی جاتی ہے، بلکہ ’علیٰ من یشاء من عبادہ‘ کی علت پیش کی گئی ہے۔ کیونکہ کفار مکہ کے ذہن میں نبوت کا معیار کثرت مال اور دنیاوی جاہ و جلال تھا اور کہا کرتے تھے کہ: ’انزل علیہ الذکر من بیننا‘ (کیا ہم سب میں سے اس پر وحی اور کتاب اتاری گئی) یعنی یہ شخص کیوں مستحق وحی و نبوت ہو گیا۔ ہم سب باوجود وجاہت و عزت ظاہری و مال و منال کے کیوں محروم رہے۔ خدا نے جواب دیا کہ یہ چیزیں صرف ہماری نظر انتخاب پر ہیں، جسے چاہیں نواز دیں۔ تمہارے خود ساختہ معیار ناقابل التفات ہیں، کیونکہ یہ چیز کسی نہیں بلکہ وہی ہے۔ باجاء قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ’واللہ یختص برحمته من یشاء‘ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے۔ ’اللہ یعلم حیث یجعل رسالته‘ خدا جانتا ہے کہ کسے رسول بنانا چاہئے کوئی اس کا معیار نصاب نہیں یہ صرف وہی شے ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست گرنہ بخشد خدائے بخشندہ  
وہی ہونا گواہان مدعا علیہ اور خود مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔

غرض یہ کہ یہاں صرف یقینی الروح۔ نزول کا مطلقاً ذکر نہیں، بلکہ اس کے ساتھ لفظ ’علیٰ من یشاء من عبادہ‘ کا بھی ہے کہ نزول وحی کے واسطے اپنے جس بندہ کو چاہتا ہے، منتخب کرتا ہے۔ نبی بنانا اور مہبط وحی ٹھہرانا، اس کی نظر انتخاب پر موقوف ہے نہ کسی کسب پر۔ مختار مدعا علیہ نے امور ثلاثہ صرف نزول وحی کی علت قرار دے کر عدالت کو مغالطہ دیا ہے۔ مگر دراصل یہ علت نظر انتخاب کی ہے نہ نزول وحی کی۔ جب کہ خود اس آیت اور دوسری آیات نیز تفاسیر میں مصرح موجود ہے۔ مفصل جواب کے لئے اصل بحث ملاحظہ ہو۔ اس کا جواب مختار مدعا علیہ سے کچھ نہ بن سکا۔ صرف یہ کہہ کر نال دیا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت انتخاب جس طرح پہلے موجود ہے، اب بھی موجود ہے۔ جیسا کہ یقینی الروح کے مضارع سے معلوم ہوتا ہے جو استمرار تجدیدی پر دلالت کرتا ہے۔

**الجواب:** یہ محض مغالطہ ہے ورنہ یہی دلیل کوئی آدمی نزول قرآن و شریعت کے متعلق قائم کرے گا۔ یہ صفت قرآن اور شریعت یا مستقل نبی بھیجنے کی جس طرح اللہ میں پہلے موجود تھی، اب بھی موجود ہے اور جا بجا ان سے اسم فاعل یا مضارع سے تعبیر کیا ہے، جو استمرار تجدیدی پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا وحی تشریحی قرآن تشریحی نبی برابر قیامت تک آتے رہیں گے۔ حالانکہ یہ مختار مدعا علیہ اور خود مرزا کو بھی مسلم نہیں اور یہی کہتے ہیں کہ شریعت کامل ہو چکی۔ قرآن کامل کتاب ہے۔ لہذا کسی شریعت اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ وحی بھی کامل ہو چکی۔ اب کسی وحی کی ضرورت نہیں۔ قرآن اللہ کی آخری وحی ہے۔ اس کے بعد کوئی بھی وحی نہیں، بلکہ جو ہوگا الہام ہوگا۔ خواہ لفظ وحی استعمال ہو جس کے ثبوت میں، میں اس سے پہلے ہیڈنگ میں متعدد آیات اور صریح احادیث نیز مرزا صاحب کی تصریحات پیش کر آیا ہوں۔

نیز مختار مدعا علیہ اور گواہ مدعا علیہ کے بھی دو مسلم پیشوا حضرت میر درد دہلوی اور شیخ ابن عربی کی تصریح پیش کر دی ہے۔ ثانی الذکر امام کی تصریح مکرر پیش کرتا ہوں کہ: ’اعلم ان لنا من اللہ الہام دون الوحی ان سبیل الوحی قد انقطع بموت رسول

(فتوحات ج ۳، باب ۳۵۳ ص ۳۱۶)

اللہ ﷺ‘

کہ خوب سمجھ لو ہمارے لئے خدا کی جانب سے صرف الہام ہے وحی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وحی کا راستہ یقیناً بعد وصال آنحضرت ﷺ بالکل بند ہو چکا۔

اور میر درد کارخانہ وحی بند فرماتے ہیں۔ اس تصریح کے بعد مختار مدعا علیہ کا (فتوحات ج ۲ ص ۴۱۷) سے اس آیت کے متعلق ایک حوالہ نقل کرنا محض مغالطہ ہے۔ وہاں تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ وحی کی ایک غرض بشیر و نذیر ہونا بیان فرماتے ہیں اور مبشرات کا سلسلہ آثار نبوت سے باقی ہے، جو بصورت الہام یا رؤیاء صالحہ کے ہوتا رہتا ہے۔ وحی اور نبوت مطلقاً مسدود ہے۔ چنانچہ اسی (فتوحات ج ۲ ص ۳۱) پر تصریح موجود ہے: ”فان المبشرات ہی التي ابقى الله لنا من آثار النبوت التي سد بابها وانقطع اسبابها“ یعنی اللہ نے صرف مبشرات (رؤیاء صالحہ یا الہام) آثار نبوت سے ہمارے واسطے باقی رکھا ہے۔ باقی نبوت کا دروازہ اور اس کے تمام اسباب مسدود و منقطع ہو چکے ہیں۔ یہی تصریح (ج ۲ ص ۶۹، ۱۰۵، ۲۴، ۳۰۹، ۳۵۹، ۳۳۳، ۳۹۴، ۷۸۶، ۷۳، ۴۶، ۸۸) وغیرہ میں کافی سے زائد موجود ہے یہ صرف مختار مدعا علیہ کی قطع و برید ہے۔ اس میں لفظ تشریح اور شرع وغیرہ سے مغالطہ دینا چاہا ہے۔ حالانکہ اصل بحث میں، میں اس اصطلاح کے متعلق اسی فتوحات سے پیش کر چکا ہوں کہ جو نبی و رسول ہوتا ہے وہ مشرع اور صاحب شریعت ضرور ہوتا ہے اور وحی انبیاء کے ساتھ مختص ہے جس کا انسداد ہو چکا۔ اولیاء کے واسطے صرف الہام ہے نہ وحی۔ یہ حوالہ گواہ نمبر ۱، مورخہ ۸ مارچ گواہ نمبر ۲، مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۳ء میں بجواب جرح تسلیم کر چکا ہے۔

نیز شیخ کی آخری تصنیف فصوص الحکم سے ۲۷/۳ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں گواہ نمبر ۲ تسلیم کر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مشرع یا مشرع لہ یعنی صاحب شریعت یا تابع شریعت متقدم نہیں بنایا جاسکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے نبی نہ بنائے جائیں گے، بلکہ ان کا دعویٰ آپ ﷺ سے پہلے ہو چکا ہے۔ اس امت میں بحیثیت امتی اور مجدد نزول فرمائیں گے۔ جیسا کہ آگے آگے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

دوسری آیت: ”ينزل الملكة بالروح على من يشاء من عباده (النحل: ۲)“

اس کا وہی استدلال اور وہی جواب ہے اس کے ترجمہ میں بھیجتا ہے اور بھیجا کرے گا۔ مختار مدعا علیہ کی تحریف ہے، مضارع دراصل حالاً استقبال کے لئے آتا ہے۔ استمرار تجدیدی کبھی مجازی طور پر قرینہ صارفہ کی موجودگی میں لئے جاتے ہیں اور یہاں کوئی بھی قرینہ حقیقی معنی سے روکنے والا نہیں، بلکہ اس مجازی معنی کے روکنے کے لئے وہ تمام آیات و احادیث موجود ہیں جو میں پہلے سلسلہ ختم نبوت وحی نبوت میں پیش کر چکا۔

بہر حال ان دنوں آیات سے آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیر تشریحی کا سلسلہ ثابت نہیں ہو سکتا جو بصراحت قرآن و حدیث بند ہو چکا۔ جو کچھ باقی ہے وہ صرف الہام یا وحی لغوی و مجازی ہے اور یہ آیتیں چونکہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئیں اور نبوت وحی تشریحی سے متعلق ہیں۔ پس اگر اس سے نزول وحی کا استمرار بقول مختار مدعا علیہ لیا جائے تو وحی تشریحی بھی بند نہ ہو سکے گی۔ حالانکہ اس کا وہ بھی قائل نہیں۔

تیسری آیت: ”اذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان (البقرہ: ۱۸۶)“

وہی شہادت والا استدلال مکرر دہرایا ہے۔

**الجواب:** اس بناء پر تو خدا کی ہم کلامی ہر کافر سے بھی ثابت ہو جائے گی۔ یہاں تو صحابہ کرام کے اس سوال کا جواب ہے کہ خدا قریب ہے، جسے ہم چپکے سے پکارا کریں یا بعید ہے کہ بلند آواز سے پکارنے کی حاجت ہے۔ جواب یہ مرحمت ہوتا ہے کہ میں قریب ہوں دعاء کرنے والے کی دعاء قبول کرتا ہوں یا پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں، جب جو پکارتا یا دعا کرتا ہے۔

اور پکارنے والی کی پکار کے جواب کا مطلب بھی قبولیت ہی ہے۔ جیسا کہ تمام تفاسیر میں مصرح ہے۔ یہاں وحی غیر تشریحی کے

بقاء کا تذکرہ بھی نہیں اور اگر مختار مدعا علیہ کے مسلک پر لیا جائے تو بھی مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کا بندے کی پکار کا جواب دینا بصورت الہام بھی ہوتا ہے اور بصورت وحی بھی۔ جب کہ اوپر دلائل قاطعہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ وحی بعد آنحضرت ﷺ منقطع ہو چکی، صرف الہام باقی ہے۔ تو اب جواب بھی بصورت الہام نہ وحی۔ لہذا اصل مدعا اس سے بھی ثابت نہ ہو سکا۔ مفصل ابتدائی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اس ہمارے جواب کے لئے مختار مدعا علیہ نے لا حاصل اور ناقابل التفات سعی کی ہے اور باوجودیکہ مطلب بگاڑ کر نقل کیا ہے۔ پھر بھی جواب نہ ہو سکا۔ عدالت خود مقابلہ کر لے۔

خواہ دعا قبول کرنے کے معنی ہوں، جیسا کہ عام مفسرین کا خیال ہے یا جواب دینے کے۔ جیسا کہ بعض کا بقاء، وحی غیر تشریحی کا ثبوت نہیں نکلتا۔ جب کہ اس کا بھی انسداد دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا اور جواب کے لئے الہام کافی ہے، وحی کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ شیخ محی الدین ابن عربی کی تصریحات پیش کر چکا ہوں۔ مختار مدعا علیہ کا صرف ایک شق یعنی اجیب کے معنی دعا قبول کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن اس پر عقل انکل سے بلا کسی سند کے احتمال قائم کرنا میرے مدلل بحث کے جواب کے لئے محض ناکافی اور ناقابل التفات ہے۔

نیز میں نے یہ بھی پیش کیا تھا کہ آج تک تیرہ سو سال میں کسی نے اس سے بقاء وحی کا استدلال کیا ہے؟ تو پیش کرے جس کے پیش کرنے سے عاجز رہا اور استدلال گویا لا جواب تسلیم کر لیا۔

چوتھی آیت: ”ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا (حم السجدة: ۳۰)“

یہاں بھی جواب کی دو شقیں تھیں، ایک یہ کہ اس سے مراد نزول ملائکہ عند الموت ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے یا نزول ملائکہ مطلقاً ہے۔ جیسا بعض فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں بقاء وحی پر اس سے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بحث تو وحی نبوت کے بقاء کے متعلق ہے۔ وحی مجازی یا وحی الہام کے بقاء کے تو ہم بھی منکر نہیں اور وحی نبوت کا انسداد خود مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ باقی یہ امر کہ الہام یا وحی مجازی وغیرہ میں نزول ملک بھی ہوتا ہے۔ اس کا جواب اصل بحث میں مختار مدعا علیہ اور گواہ مدعا علیہ کے مسلم بزرگ کے الفاظ میں دے چکا ہوں کہ کبھی الہام ملک الہام کے ذریعہ سے ہوتا ہے، کیونکہ تمام کارخانہ کائنات ملائکہ کے نظام سے وابستہ ہے۔ البتہ نزول وحی نبوت یا فرشتہ وحی کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں۔ مختار مدعا علیہ نے بجائے کسی جواب کے عاجز آ کر صرف یہ کہہ دیا کہ مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ مختار مدعا علیہ کا یہ قول کہ ایسا موت کے وقت ہوتا ہے، ناقابل التفات ہے۔ حالانکہ نہ صرف اس آیت بلکہ متعدد آیات میں موت کے وقت نزول ملائکہ کا تذکرہ موجود ہے اور ہم کلامی بھی۔ ”الم تکن ارض اللہ واسعة“ اور اس آیت کے متعلق مفسرین نے یہ تصریح بھی فرمادی ہے۔ بہر حال اصل بحث کا جواب کجا اس شق کا بھی یہی جواب دیا کہ ناقابل التفات ہے اور دلیل کچھ نہ پیش کر سکے جس سے عدالت استدلال کی کمزوری خیال فرما سکتی ہے۔

پانچویں آیت: ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (آل عمران: ۳۱)“

خلاصہ استدلال: اصل غرض تخلیق محبت الہی ہے اور بندہ اور خالق میں محبت و عشق کا رشتہ ہونا چاہئے۔ وہ یا گفتار سے ہوگا یا دیدار سے۔ دیدار سے اس عالم میں ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کی ذات وراء الوراہ ہے۔ پس اگر وحی کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے بعد مانا جائے تو گفتار بھی نہ رہی۔ پس محبت کیوں کر ہو سکتی ہے۔

الجواب:

..... یہ بقاء وحی کا ایسا اچھوتا اور عجیب و غریب استدلال ہے جو ساڑھے تیرہ سو سال میں آنحضرت ﷺ سے لے کر سوائے مرزا

صاحب کسی پر منکشف نہ ہوا۔

۲..... اور زیادہ تعجب اس پر ہے کہ اپنی حالت پر خدا کو قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ مخلوق کی محبت کا اظہار گفتگو اور دیدار کی شکل میں ہوتا ہے۔ اسی پر قیاس کر کے خدا کی محبت کو بھی گفتار و دیدار کا پابند ٹھہرایا۔ حالانکہ تمام اسلاف و مفسرین خدائے تعالیٰ کی محبت کا یہ مطلب لیتے آئے ہیں کہ ایصال خیر اور فیوض برکات سے مالا مال کرنا بیضاوی شریف اور کشف میں ضابطہ مقرر کیا ہے کہ محبت و غضب وغیرہ جو نفسانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب کبھی بھی خدا کی نسبت استعمال ہوں گے، اس سے اس کے نفسانی مبادی مراد نہ ہوں گے۔ بلکہ اس کے نتائج انعام اور انتقام وغیرہ مراد لئے جائیں گے۔

۳..... یہاں صرف مدعیان محبت الہی کے لئے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ وہ اگر دراصل محبت رکھتے ہیں تو اتباع نبوی اختیار کریں۔ خدا اس سے محبت کرے گا اور گناہ بخش دے گا۔ یہاں ابقاء وحی کا ذکر تک نہیں، بلکہ ”یغفر لکم ذنوبکم..... الخ!“ خود اس کی شرح کر رہا ہے اور ہم کلامی کا ترجمہ یا تفسیر کسی ایک بزرگ عالم مفسر نے نہ کیا۔

نیز اس میں تو اتباع نبوی مدار محبت قرار دیا گیا ہے۔ پس جتنے بھی متبع نبی کریم ﷺ ہیں خصوصاً گواہان مدعا علیہ کے نزدیک مرزا محمود صاحب ان سب پر نزول وحی اور خدا سے ہم کلامی پر فخر ماننا ہوگا۔ حالانکہ مختار مدعا علیہ اور اس کے فریق کو یہ مسلم نہیں۔ اگرچہ اس سے ہم کلامی مراد لینا قرآن پاک کی تحریف اور تفسیر بالرائے ہے مگر اگر بقرض محال کوئی تسلیم بھی کر لے تو بھی ابقاء وحی ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کی ہم کلامی بصورت وحی اور بصورت الہام دونوں طرح ہوتی ہے اور اوپر دلائل سے واضح ہو چکا کہ بعد آنحضرت ﷺ وحی کا دروازہ بند ہے۔ صرف الہام یا وحی مجازی و لغوی ہے۔ لہذا ہم کلامی بھی بصورت الہام یا وحی مجازی ہوگی۔ لہذا ابقاء وحی نبوت کا ثبوت نہ ہو سکا۔ مفصل جواب بحث میں دے چکا ہوں جس کا مختار مدعا علیہ سے کچھ بھی جواب نہ بن آیا اور صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مختار مدعا علیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے کہ پھر وحی نبوت صحابہ پر بھی ہونی چاہئے۔ حالانکہ بحث اس موقع پر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیر تشریحی ہونی چاہئے۔

گزارش یہ ہے کہ اگر مختار مدعا علیہ کی مراد وحی غیر تشریحی سے مجازی وحی بمعنی الہام اور اس وحی کے مراد ہے جو شہد کی کبھی کو بھی ہو سکتی ہے تو اس سے کسی کا انکار نہیں، نہ اس میں بحث ہے، جو قیامت تک جاری رہے گی اور وحی نبوت کا اسناد براہین قاطعہ اور دلائل واضح سے ثابت کر چکا۔ اس کا جواب کجا یہاں بھی مختار مدعا علیہ نے تسلیم ہی کر لیا۔ لہذا یہ تمام دلائل غیر متعلق اور بے ربط ہیں اور ان میں وحی کا لفظ تک نہیں نہ کوئی اشارہ اور تاویلاً اگر کوئی دروازہ اشارہ ہے تو وہ الہام اور وحی مجازی کا ہوگا جو ہمیں مضرت نہیں۔

چھٹی آیت: ”ومن اضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامة..... الخ!“

(الاحقاف: ۵)

خلاصہ استدلال: سچے خدا کی یہی نشانی قرار دی ہے کہ وہ پکار کا جواب دیتا ہے۔ اس کا مدلل جواب ۱۱ اکتوبر کی بحث میں دیا جا چکا اور تیسری آیت کے تحت میں جواب الجواب کے سلسلہ میں بھی گزر چکا ہے۔ خواہ اس کے معنی قبولیت دعا کے لئے جائیں یا پکار جواب کے، بہر صورت مطلب ایک ہی ہے، یہ معنی نہیں کہ جس طرح انسان ایک دوسرے کی پکار کا جواب دیتا ہے خدا بھی ویسا ہی جواب دے گا اور اگر کسی کو ویسا جواب نہ دے تو سچا خدا نہ رہے۔ انبیاء کرام کو خدا کا جواب بصورت وحی نبوت، اولیاء اللہ کو بصورت الہام، عام مومنین کو بصورت اجابت دعا و قبول رحمت وغیرہ ہوتا ہے۔ چونکہ دلائل قطعیہ بلکہ مسلم فریقین سے بعد آنحضرت ﷺ اسناد وحی ثابت ہو چکا۔ اب جواب کے یہ معنی لے کر یہی الہام مراد ہو سکتا ہے نہ وحی۔ دوسرے یہاں یہ تو نہیں کہ ہر شخص کو ہر پکارنے والے کو بروقت جواب بصورت کلام

دیتا رہتا ہے۔ ورنہ ہم اور آپ بلکہ کفار تک برابر ہر روز خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پکارتے ہیں۔ حالانکہ ہم کلامی کا شرف میسر نہیں آتا۔ کیا مرزا صاحب کی جماعت خدا کو نہیں پکارتی۔ پھر کیا خدا ان سب سے ہم کلام ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تو صرف ان غیر ذی روح بتوں اور خدائے تعالیٰ کی امتیازی شان بتانا منظور ہے کہ خدائے تعالیٰ کی شان سبج، بصیر و مجیب الدعوات ہے یہ شان بتوں کی نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا کو پکارو دیکھو! ابھی جواب دے گا۔ ورنہ وہ سچا خدا نہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک! پھر تفاسیر میں ہر دو معنی مصرح موجود ہیں۔ اس پر مختار مدعا علیہ کا یہ فقرہ کہ مختار مدعیہ کے اس قسم کے اعتراضات سے علم قرآن سے اس کی محرومی ظاہر ہوتی ہے۔ عدالت کے امتیاز خصوصی کے حوالہ کرتا ہوں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص دلائل کے جواب سے عاجز ہو جائے، اس قسم کی باتیں شروع کر دیتا ہے۔ دلائل کا جواب دلائل سے ہو سکتا ہے نہ تیز کلامی سے۔

ساتویں آیت: ”الم یروا انہ لایکلمہم (الاعراف: ۱۳۸)“

نیز اس کی تائیدی آیات۔

خلاصہ استدلال: بطنان الوہیت معبودان باطلہ پر عدم تکلم کو دلیل ٹھہرایا ہے..... الخ!

الجواب: ہم بھی تو یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی صفت متکلم ہونا ہے، مگر اس کی یہ صفت ازلی وابدی ہے۔ جب کوئی مخاطب نہ تھا جب بھی وہ متکلم تھا، اب بھی ہے، جب کوئی نہ ہوگا تو بھی رہے گا۔ اس کے تکلم کو اپنے اوپر قیاس کرنا ہی جہالت ہے اور متکلم بلا اصوات ولسان و تلفظ ہے اور اگر صرف معبود حق و باطل کی شناخت متکلم ہونا ہے تو جو لوگ عیسیٰ و عزیر علیہ السلام کو خدا اور معبود سمجھتے تھے وہ مختار مدعا علیہ کے نزدیک حق بجانب ہوں گے۔ کیونکہ وہ تو متکلم تھے۔ یہ محض تفسیر بالرائے کا نتیجہ ہے۔

یہاں کفار کی مزید حماقت کا ذکر ہے کہ علاوہ اور وجوہ کے دیکھو یہ ایسے کی پرستش کر رہے ہیں جس سے خود افضل ہیں۔ وہ بات بھی نہیں کر سکتے نہ وہ انہیں راستہ بتا سکتے ہیں اور یہ خود بات کرنے اور راستہ بتانے پر قادر ہیں۔ پس یہ لوگ کس قدر احمق اور ظالم ہیں۔ یہاں کہیں ابقاء وحی کا اشارہ تک نہیں۔ مگر مختار مدعا علیہ اسے قطعی دلیل قرار دے رہا ہے کہ خدا کی صفت متکلم ہر زمانہ میں جلوہ گر رہتی ہے۔ نہیں معلوم ان دنوں ان کے نزدیک کس سے ہم کلام ہے۔ عیاذ باللہ! خدا کی حقیقی ہم کلامی بصورت وحی نبوت تھی جس کا سلسلہ خدائے تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کے بعد بند فرما دیا۔ جیسا کہ نصوص پتہ اور مسلم فریقین بزرگوں کی تصریحات سے پیش کر چکا۔ اب صرف الہام اور وحی مجازی باقی ہے۔ اس میں بحث نہیں۔ لہذا یہ آیت بھی بالکل غیر متعلق ہے اور دراصل اس کے ثبوت میں مختار مدعا علیہ کے پاس ایک ضعیف سے ضعیف بھی دلیل نہیں۔ اس لئے غیر متعلق اور بے ربط دلائل پیش کر رہا ہے۔

آٹھویں آیت: ”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم (الفاتحہ: ۶، ۵)“

اس کا استدلال عدالت خود اصل بحث سے ملاحظہ فرمالے۔ اگر یہی دلائل ابقاء وحی کے ہیں تو پھر انسداد وحی نبوت پر ”الم“ سے ”والناس“ تک ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ بصراحت دلالت کرتا ہے۔ یہاں انبیاء اور صدیقین اور صلحاء کا سیدھا راستہ طلب کیا جا رہا ہے کہ صراط مستقیم پر ہیں اور گمراہ نہ ہوں۔ مگر مختار مدعا علیہ اس سے مرتبہ نبوت مراد لے رہا ہے اور اس سے ابقاء وحی ثابت کر رہا ہے۔ پس کیا قرآن میں جہاں اللہ کا راستہ طلب کیا گیا ہے، وہاں خدا تعالیٰ کا دعویٰ اور شان الوہیت بھی آجائے گی۔ غالباً مرزا صاحب کا دعویٰ خدائی اور اپنے اندر الوہیت کی موجیں اس کے تحت ہوں گی۔ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا“

نویں آیت: ”کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (آل عمران: ۱۰)“

عدالت عالیہ یہ استدلال بھی اصل بحث مدعا علیہ سے ملاحظہ فرمالے۔

خیرامۃ ہونے کی علت ظاہر ہے کہ خیر الرسل کے امتی ہیں۔ یہاں بھی علت کی تصریح ہے کہ: ”اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ (ایضاً)“ کہ لوگوں کے واسطے شاہد بننا، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کرنا اور اللہ پر ایمان لانا نیز اور بہت سی قرآن و احادیث میں خصوصیات مذکور ہیں۔ ام سابقہ پر ان کا گواہ ہونا ”لتکونوا شہداء علی الناس (البقرہ: ۱۴۳)“ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جنت میں بھی ان کا اول داخل ہونا، وغیرہ وغیرہ! احادیث سے ثابت ہے۔ یہ بات کہ ان پر وحی نبوت ہوتی رہے یا انبیاء بنتے رہیں، جیسی تو خیرامۃ ہوں گے۔ محض مختار مدعا علیہ کی تصنیف کردہ طبع زاد ہے۔ تیرہ سو سال میں ایک سطر نہ پیش کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ! باقی مریم اور ام موسیٰ علیہما السلام کے واقعہ سے تائید اس میں اسلاف کے نقول پیش کر چکا ہوں کہ وہ الہام تھا۔ الہام کے بقاء کا کوئی منکر نہیں۔ گفتگو بقاء وحی نبوت میں ہے۔ اس کی ایک ضعیف سے ضعیف دلیل بھی مختار مدعا علیہ یا اس کا کوئی گواہ پیش نہ کر سکا۔ فاللہ الحمد!

مختار مدعا علیہ نے اپنی تائید میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے یہ نقل کیا کہ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے یہی ثابت کرنے کے لئے کہ امت محمدیہ کے کالمین کو بذریعہ الہام غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔ اس آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ بعد تسلیم اس امر کے تا پیش کرنے کے (اثنا عشر النہ نمبر ۷ ص ۲۰۵، ۲۰۶) اس سے تو مختار مدعا علیہ کا خانہ ساز استدلال ختم ہو گیا۔ کیونکہ خود کہہ رہا ہے کہ بذریعہ الہام غیب پر مطلع کیا جاتا ہے اور بحث الہام میں نہیں وحی میں ہے۔ دونوں میں فرق کے واسطے بیان گواہ مدعیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

### مختار مدعا علیہ کا مغالطہ اور ان کا جواب

میرے اس امر کے جواب میں کہ اس آیت سے تیرہ سو سال میں کسی نے بقاء وحی نہ سمجھا خود نبی کریم ﷺ صحابہ کرام، سلف صالحین بلکہ قرآنی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔ مندرجہ ذیل تاویلات مختار مدعا علیہ نے پیش کی ہیں۔

..... تفاسیر کے بعض حوالے میں نے پیش کئے ہیں یہ محض جھوٹ ہے۔ اس کی تائید میں ایک حوالہ بھی نہیں کہ اس سے کسی بقاء وحی پر استدلال کیا ہے۔

۲..... قرآن کریم عربی زبان میں ہے اور اس کے مطابق اس کی تفسیر کی جاتی ہے اور جو تفسیر میں نے کی ہیں وہ قرآن، حدیث اور عربیت سے بالکل صحیح ہیں۔

**الجواب:** محض جھوٹ ہے۔ قرآن و احادیث اور اقوال صحابہ میں مصرح انقطاع وحی کی تصریح موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر حوالہ نقل کر چکا اور اصل بحث میں آیات اور احادیث نیز اقوال صحابہ و بزرگان بلکہ ان کے بھی مسلم بزرگ علامہ محی الدین ابن عربی کے ایک دو نہیں متعدد حوالے صاف صاف غیر مشتبہ پیش کر چکا۔ پس یہ تفسیر علاوہ غیر منقول ہونے کے قرآن پاک، احادیث، اقوال صحابہ کرام کے بالکل خلاف اور متضاد ہے۔ ایسی تفسیر قطعاً تفسیر بالرأے اور حرام و ناجائز بلکہ بفسرحت حدیث حد کفر تک پہنچ جاتی ہے۔

۳..... جو تفسیر قواعد عربیہ کے مطابق ہے گو کسی اور نے تفسیر نہ کی ہو تفسیر بالرأے نہ ہوگی۔

**الجواب:** مگر شرط یہ ہے کہ قرآن و حدیث و اقوال صحابہ کے خلاف نہ ہو۔ جیسا کہ مرزا صاحب بھی برکات الدعاء میں تسلیم کر چکے ہیں اور یہ تفسیر قرآن و حدیث و اقوال صحابہ کرام کے مخالف ہے۔ جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا۔

۴..... (تخذیر الناس ص ۴۰) کا حوالہ جس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جو بھی قواعد عربیہ کے مطابق ہو، گو کوئی اسے نقل نہ کرے تفسیر بالرأے نہ ہوگی۔

**الجواب:** یہ محض مغالطہ ہے۔ اس سے بالکل متصل یہ فقرات ہیں۔ (ہاں! اگر انصاف ہو تو اس حدیث کے معنی میں عرض کرتا ہوں) ہاں! نئے معنی نہیں قائم کئے، بلکہ عقلی و نقلی ہو یا کوئی قرینہ عقلی و نقلی ہو اور پھر بقدر قوت دلیل و قرینہ کوئی شخص کسی احتمال کو راجح کہے ہرگز کفر نہیں۔ پس

مولانا نے اس تفسیر کو تفسیر بالرائے نہیں کیا ہے جس کی تائید حدیث یا عقلی اور نقلی قرائن سے کی ہے اور اس میں بھی نئے معنی نہیں قائم کئے بلکہ عقلی اور نقلی دلائل سے مختلف معنی سے ایک معنی کو ترجیح دے دی ہے۔

اور مختار مدعا علیہ نے بلا دلیل و قرینہ جو طبع زاد تفسیر کی اور پھر خلاف تصریحات و آیات و احادیث و اقوال صحابہ و سلف صالحین کی ہے۔ اس کے متعلق اس سے متصل (تخذیر الناس ص ۴۱) پر یہ الفاظ ہیں کہ: ”ہاں! جب نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ تو پھر ترجیح احد الاحتمالات محض اپنی عقل نارسا کا ڈھکوسلا ہے۔ اس کو تفسیر بالرائے اعمیٰ تفسیر بالہویٰ اور تفسیر عند نفسہ کہہ سکتے ہیں۔“ آگے چل کے نتیجے کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں: (تخذیر الناس ص ۴۲) ”بالجملہ تفسیر بالرائے وہ ہے جو امر مجمل اور مفصل میں اصلاً نہ ہو، بلکہ اس امر میں کلام مجمل ساکت ہو اور مرتبہ تفسیر و تفصیل میں وہ امر داخل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کا داخل کرنا تصرفات خیالی ہیں جو ہمارے عقول ناقصہ کا کام ہوتا ہے۔“

مختار مدعا علیہ نے اسی اصول پر تفسیر کی ہے جو حضرت مولانا کی تصریح کے مطابق بھی تفسیر بالرائے اور ناجائز و حرام ہے۔ باقی خود جو تفسیر فرمائی ہے، اس کے متعلق اس سے متصل ارشاد ہے کہ: ”باقی جو باتیں بوسیلہ کسی دلیل عقلی یا نقلی کے شامل کی جائیں اس کو اہل ظاہر گو تفسیر کہیں۔ پس حقیقت میں تفسیر نہیں ہوتیں، بلکہ دو کلاموں کے مضمونوں کو اکٹھا کر دیا کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں وہ کوئی نئی تفسیر نہیں کر رہے بلکہ قرآن و احادیث کے مختلف دو جگہ کے مضمونوں کو یکجا کر دیا ہے۔ اس میں اپنے عقل و رائے کو دخل نہیں، بلکہ عقلی و نقلی دلیل کی روشنی میں ہے اور مختار مدعا علیہ نے تو قرآن و حدیث و اقوال صحابہ و سلف صالحین بلکہ اپنے مسلم بزرگوں کی تصریح کے خلاف محض اپنی رائے سے تفسیر کی جو قطعاً حرام ہے۔ میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ (تخذیر الناس ص ۴۰، ۴۱، ۴۲) ملاحظہ فرمائے تاکہ مختار مدعا علیہ کا مغالطہ اور افتراء اچھی طرح آشکار ہو جائے۔

مختار مدعا علیہ نے میرے اس اعتراض کا کہ اس سے پھر وحی نبوت تشریح کا بقاء بھی لازم آئے گا۔ یہ جواب دیا ہے کہ دوسری آیات مثلاً خاتم النبیین۔ اکملت لکم دینکم (المائدة: ۳) ومن یطع اللہ (النساء: ۶۹) وغیرہ سے وحی شریعت جدیدہ کا انسداد ثابت ہوتا ہے۔

پس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ مذکورہ بالا آیات نیز انسداد وحی نبوت پر جس قدر آیات و احادیث صحیحہ و اقوال بزرگان و سلف صالحین اور پرپیش کر چکا ہوں، ان سے صراحتاً وحی نبوت کا انسداد ثابت ہوتا ہے۔ خواہ تشریحی ہو یا غیر تشریحی۔ لہذا مکالمہ الہیہ صرف صورت الہام یا وحی مجازی ہو سکتا ہے۔ اس میں ہمیں بھی خلاف نہیں۔ بہر حال کسی ایک آیت سے وحی نبوت کا بقاء نہ ثابت ہو سکا۔ زائد سے زائد الہام کا بقاء ثابت ہو اور مدعا سے غیر متعلق ہے۔

## دلائل بقاء وحی از احادیث

میں نے ابتدائی بحث میں ۲۵ سے زائد احادیث کا اس سلسلہ میں حوالہ دیا تھا کہ اس سے وحی نبوت کا انقطاع ثابت ہے۔ کیونکہ جس قدر احادیث انقطاع نبوت پر دلالت کرتی ہیں، وہ سب انقطاع وحی نبوت پر بلا اختلاف دلالت کریں گی۔ کیونکہ یہ تو مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے کہ جس میں شان نبوت باقی اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوت ہے۔ (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳) نبی کی وحی، وحی نبوت کہلائے گی۔ (سراج منیر ص ۴، خزائن ج ۱۲ ص ۶) اور لطف تو یہ ہے کہ جب تک مرزا صاحب نے نبوت کا صریح دعویٰ نہ کیا تھا۔ خود بھی اس مسئلہ میں ہمارے ہم نوا تھے۔ فرماتے ہیں کہ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۵۳۳، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷) یہاں کوئی تفصیل تشریحی اور غیر تشریحی کی نہیں۔ حتیٰ کہ مختار مدعا علیہ کی تاویلات قابل التفات ہوں۔

پھر میں نے صراحتاً انقطاع وحی نبوت کے سلسلہ میں (۴) صحیح احادیث کنز العمال، بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف اور ابن جریر

سے پیش کیں، جو مثل سے پیش کی گئی تھیں۔ پہلی میں تصریح ہے کہ شعبہ ہائے نبوت سے صرف مبشرات باقی ہیں۔ دوسری میں ”ان الوحی قد انقطع“ کے الفاظ ہیں کہ وحی بعد آنحضرت ﷺ یقیناً منقطع ہو چکی۔ تیسری میں ”انہ انقطع الوحی“ کا لفظ ہے کہ واقعہ یہ ہے کہ وحی بعد زمانہ آنحضرت ﷺ منقطع ہو چکی تھی۔ میں نے بھی تمام اجزاء نبوت سے صرف مبشرات کو باقی مانا ہے۔

پس ان صریح احادیث کے مقابل مختار مدعا علیہ کا دو غیر متعلق حدیثیں ایک محدث والی اور ایک عیسیٰ علیہ السلام پر وحی اترنے کی پیش کرنا، یہاں تک قابل قبول ہے۔ بہر حال میں باوجود کہ دونوں کا مدلل جواب اصل بحث میں پیش کر چکا ہوں۔ مگر اب جوابی بحث کی روشنی میں پیش کرتا ہوں۔

حدیث اول: ”واوحی اللہ الی عیسیٰ علیہ السلام (مشکوٰۃ و مسلم)“ اس حدیث کی تحریف کے لئے جو مرزا صاحب کی تاویلات نقل کی ہیں اس سے ہمیں سروکار نہیں۔ استدلال صرف یہ کیا گیا ہے کہ مسیح موعود کو وحی ہوگی اور روح المعانی و حج الکرامہ سے یہ پیش کیا ہے کہ یہ وحی بواسطہ جبرئیل ہوگی۔

الجواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی جو نازل ہوگی اس میں لفظ وحی ضرور ہے مگر بمعنی الہام نہ کہ وحی نبوت۔ چنانچہ مسلم کے شرح نے خود اس کی تصریح کر دی ہے مگر وہ وحی بطور الہام کے ہوگی۔ خواہ وہ دل میں ڈالی جائے یا بواسطہ فرشتہ الہام ہو، جسے ملک الہام کہتے ہیں۔ میں اس جگہ صرف وہ حوالہ پیش کرتا ہوں جو مسلمہ فریقین ہے اور اس بزرگ سے جنہیں گواہ نمبر مدعا علیہ بھی تسلیم کر چکا ہے۔ یعنی امام عبدالوہاب شعرانی اور امام محمد بن عربی وہ تصریح فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام امت محمدیہ کے آخری اور خاتم الاولیاء ہیں اور اگرچہ وہ اولوالعزم اور خواص رسل سے ہیں۔ مگر بوجہ خصوصیت زمانہ کے وہ سرکار دعوالم ﷺ کا زمانہ ہے۔ ان کی نبوت و رسالت کا حکم زائل ہو جائے گا اور وہ اس منصب پر نہ ہوں گے۔ بلکہ ایک ولی ہو کر تشریف لائیں گے جن کی نبوت بلا حکم کے مطلق ہوگی اور ان پر شرع محمدیہ ﷺ کا الہام اس طرح ہوگا۔ جیسا کہ اولیاء امت کو ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو (الیواقیت والجوہر ج ۲ ص ۷۹، بحث ۲۷) ”ناقلا عن الفتوحات فاما خاتم الولاية علی الاطلاق فهو عیسیٰ علیہ السلام فهو الولی الی قوله ویلہم بشرع محمد ﷺ ویفہمہ علی وجہہ کا الاولیاء المحدثین فختمت النبوة بمحمد والولاية بعیسی“

ملاحظہ فرمائیں کس قدر تصریح ہے کہ ان پر امت محمدیہ کے اولیاء کی طرح الہام ہوگا اور وہ خاتم الاولیاء ہوں گے۔ جیسے نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگی۔ کوئی آپ ﷺ کے بعد نبی نہیں۔ یوں ہی اس امت کے آخری ولی حضرت عیسیٰ ہوں گے۔ میرے خیال میں اس تصریح کے بعد مختار مدعا علیہ کو بھی لب کشائی کا موقعہ نہیں۔ کیونکہ الہام یا وحی مجازی کو ہم بھی بند نہیں بتاتے نہ لفظ وحی پر بحث ہے وہ تو شہد کی مکھی کے واسطے بھی مستعمل ہے۔ ”واوحی ربک الی النحل“ بحث وحی نبوت میں ہے۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر نہ ہوگی۔ بلکہ وحی بمعنی الہام ہوگی۔ جیسے کہ اولیاء امت کو الہام ہوا کرتا ہے۔ اس سے صریح عبارت ملاحظہ ہو۔ ”انہ عیسیٰ لا یومنا آما ای بسنتنا فله الکشف اذا نزل والالہام کما لہذہ الامۃ“ یعنی ان کے نزول کے بعد انہیں اس امت کی طرح کشف والہام ہوگا۔ (فتوحات ج ۳ باب ۳۵ ص ۲۳۸) (۳) نزول الہام بلا جبرئیل کے ہوں گے۔

الجواب: جبرئیل نہ آئیں گے۔ ملاحظہ ہو (یواقیت بحث ۳۵ ص ۸۸، ۸۹)

مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر جبرئیل وحی لائیں گے، محض غلط اور تحقیق کے خلاف ہے۔ اسے شاید اپنے گھر کا حال نہیں معلوم۔ ورنہ ایسا کبھی نہیں کہتا۔ مرزا صاحب کی تو یہاں تک تصریح ہے۔ وحی کجا ایک فقرہ کہ پہلی شریعت پر عمل کرو یہ بھی جبرئیل نہیں لاسکتے۔ یہ بھی بند ہے۔ ملاحظہ ہو: ”وحی رسالت وہی ہے جو بتوسط جبرئیل ہو۔“

(ازالہ اوہام ص ۶۱، خزائن ج ۳ ص ۵۱۱)



”ایک فقرہ بھی جبرئیل لائیں وہ بھی وحی نبوت و رسالت ہے جو بند ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۷۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۲)

اب گو ہمیں ضرورت نہ تھی کہ حج الکرامۃ یا روح المعانی کے متعلق کچھ عرض کریں، لیکن اتمام حجت کے واسطے گزارش ہے کہ: حج الکرامہ اولاً نہ ہماری مسلم کتاب ہے نہ اس کے مصنف۔ ہم مقلدین سے ہیں بلکہ ہمارا اور ان کا اصولی اختلاف ہے۔ ہم تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں وہ شرک تک بتاتے ہیں۔ حالانکہ ایک حنفی پر کسی اہل حدیث یا غیر مقلد کی ذاتی رائے، خصوصاً جب کہ وہ بزرگان سلف شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ کے بھی خلاف ہو حجیۃ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ ان کے پاس اس کے ثبوت میں کوئی آیت یا حدیث یا قول صحابی نہیں۔ پس اس کی کوئی بھی وقعت نہیں ہو سکتی۔ ہمارے گواہوں نے نواب صدیق حسن خان مولف حج الکرامہ کو مسلمان مانا ہے۔ مسلمان ہونا اور چیز ہے اور مسلم ہونا اور بات ہے۔ بہت سے مسلمان ہیں بلکہ عالم بھی، مگر وہ مسلم و مستند نہیں۔

مولانا گنگوہی نے انہیں مسلم کہیں نہیں لکھا۔ بلکہ انہیں رئیس عالمین بالحدیث لکھا ہے۔ یعنی غیر مقلدین کے سرگروہ کیونکہ غیر مقلدین کو وہابی، اہل حدیث مدعیان عمل بالحدیث عامل حدیث وغیرہ کے لفظ سے یاد کیا کرتے ہیں۔ جیسے مرزا یوں کو قادیانی اور احمدی کہتے ہیں۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی نے ان کے حوالے غیر مقلدین پر حجت قائم کرنے کے واسطے الزام دئیے ہیں۔ جیسے کہ ہم نے مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے کتنے حوالے دیئے ہیں تو کیا کوئی عقلمند اس سے سمجھ سکتا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء ہمیں مسلم ہیں۔ نیز مولانا گنگوہی کا مسلم ہونا بھی جوڈیشل اصول سے مسل پر موجود نہیں۔ بہر حال نواب صدیق حسن خان صاحب اور وہ بھی اپنی ذاتی ہم بزرگوں کی تصریحات کے خلاف حجت نہیں، نہ مختار مدعا علیہ کو اسے نقل کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ تو ان کے نبی کی تصریح کے بھی خلاف ہے۔ باقی رہا حوالہ روح المعانی وہاں بھی ایک شخص ابن حجر بیہمی کی ذاتی رائے ہے نہ وہ ہمارے مسلم ہیں نہ امام۔ وہ ہم پر حجت نہیں۔ روح المعانی کے فیصلہ کا مسلم ہونا اور چیز ہے اور اس میں کسی شخص کی ذاتی رائے نقل کی جائے اور وہ بھی ضعیف احادیث وائمہ کے خلاف اس کا حجت ہونا اور بات ہے۔ بہر حال اتنی آیات اور صحیح احادیث اور فیصلہ اسلاف بلکہ مرزا صاحب کی تائید کے باوجود نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اور ابن حجر بیہمی جیسے غیر مسلم اصحاب کی رائے کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی نہ ہم پر حجت ہو سکتی ہے۔

باقی ہمارے نزدیک حدیث یقیناً صحیح ہے۔ ہم تو مختار مدعا علیہ پر بطور الزام حجت قائم کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس حدیث کو صحیح نہیں مانا۔ ہم نے تو حدیث مان کر جواب دیا ہے کہ یہ وحی الہام ہے نہ وحی نبوت۔ جیسا کہ تمام شرح اور خصوصیات سے مختار مدعا علیہ اور گواہان مدعا علیہ کے مسلم بزرگ امام ابن عربی نے تصریح فرمادی ہے۔

باقی اس جواب الجواب کی روشنی میں جو تاویلات رکیکہ اور جرح وحوالوں کی قطع و برید اور لایعنی طوالت دی گئی وہ ناقابل

التفات ہے۔ عدالت خود مقابلہ فرمائے۔

دوسری حدیث: ”ابی ابن کعب“ (روح المعانی ج ۷ ص ۶۲)

یعنی اس نے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی ”اللهم لك الحمد..... الخ!“ پھر ابی بن کعب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے

اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔

**الجواب:** اس سے یہاں کوئی علاقہ نہیں نہ یہاں جبرئیل کسی صحابی پر وحی لے کر اترے نہ اس زمانہ میں نزول جبرئیل مسدود تھا۔ بلکہ صرف اس قدر ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے سے اللہ کی حمد کرتے ہوئے کسی کی آواز سنی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل کی سنی تھی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ بقاء وحی نبوت یا نزول جبرئیل کیونکر ثابت ہوا؟ ہاں! جبرئیل کی آواز سننا ثابت ہوا۔ اس میں کیا استعجاب ہے صحابہ نے تو وحیہ کلبی کی شکل پر بار بار انہیں دربار رسالت میں حاضر باتیں کرتے دیکھا ہے۔ ہاں! مرزا صاحب کے یہ خلاف ضرور ہے جو

فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ کبھی زمین پر نازل نہیں ہوئے۔

تیسری حدیث: ”محدث ہونے کی مشکوٰۃ بخاری سے۔“

**الجواب:** اس سے بھی وحی نبوت کا بقاء بعد آنحضرت ﷺ ثابت نہ ہو سکا۔ کیونکہ محدث کی شرح خود گواہ مدعا علیہ اور مختار مدعا علیہ نے حدیث سے نقل کر دی ہے کہ فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔ اس میں خدا کے ہم کلام ہونے کا ذکر نہیں ہے، نہ فرشتہ کے اتر کر وحی کرنے کا۔

مختار مدعا علیہ نے اس کلام اور محدث کی تائید میں جو ملا علی قاری کا قول نقل کیا، اس سے اپنا تمام کارخانہ استدلال ختم کر دیا کہ:

”هو الملهم المبالغ فيه الذي انتهي اى درجة الانبياء فى الهام“

یعنی محدث سے مراد ہے جس پر الہام کیا جائے اور بہت مبالغہ سے جو الہام میں انبیاء کے درجہ کے قریب ہو جائے، اس میں تصریح ہے کہ اس پر الہام ہوگا نہ وحی اور گفتگو بقاء وحی میں ہے نہ الہام میں۔ شاید مختار مدعا علیہ طول کی وجہ سے موضوع بحث فراموش کر گیا۔ ورنہ الہام کو وحی کے سلسلہ میں نقل نہ کرتا۔

ان دونوں بلکہ تینوں حدیثوں کا غیر متعلق ہونا ایسا اظہر من الشمس ہے کہ کسی شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے اور اصل بحث میں جو مدلل تقریر کی گئی تھی، اس کے جواب کی طرف اشارہ تک نہ کیا گیا۔ گویا مختار مدعا علیہ نے اس کی لاجوابی اور اپنا عجز تسلیم کر لیا۔ ہماری پیش کردہ ۲۵ احادیث کے حوالہ کو مغالطہ اور غلط بتانا مختار مدعا علیہ کی ناواقفی کا بین ثبوت ہے۔ میں ابتداء میں عرض کر چکا کہ جس قدر احادیث ختم نبوت کے باب میں ہیں، ۲۵ کیا بلکہ اس سے بھی زائد وہ سب نبوت کے اسناد کی دلیل قطعی ہیں۔ کیونکہ نبی کو وحی بقول مرزا صاحب بہر حال وحی نبوت ہوتی ہے۔ اسی واسطے گواہوں نے مکرر باب وحی میں بالفصیل نقل کی ضرورت نہ تھی۔ باقی بالفصیل میں نے جو چار حدیثیں پیش کی تھیں جس میں صراحتاً وحی نبوت کے اسناد کی تصریح تھی، اس میں حدیث نمبر (۱) و (۲) کو مختار مدعا علیہ نے بالکل لاجواب سمجھ کر نام تک نہ لیا اور نمبر (۲) و (۳) کا طبع زادیہ جواب دے کر ٹال دیا کہ اس میں ”ان الوحي قد انقطع“ اور ”انه انقطع الوحي“ سے وحی تشریحی مراد ہے۔ حالانکہ یہ تاویل محض بدیہی البطلان ہے اور صریح غیر مشتبہ الفاظ کو بلا دلیل موڑنا ہے۔ الف ولام جنسی ہے جس سے جنس وحی اور اس کی حقیقت کا نہایت زور دار الفاظ میں انقطاع بتایا جا رہا ہے۔ مجازی وحی والہام کا البتہ تذکرہ نہیں۔ پس مختار مدعا علیہ کی یہ رکیکہ تاویل بالکل لغو اور الفاظ حدیث کی تحریف معنوی کے برابر ہے جو کسی طرح قابل التفات نہیں۔ ورنہ اگر تاویلات کا دروازہ اس قدر وسیع کھول دیا جائے تو دین سے امان اٹھ جائے گا اور صریح سے صریح چیزیں ملحدین کی طرح تاویل کر کے اس کی حقیقت بدل کر اسلام کا کفر اور کفر کا اسلام بن جائے گا۔ عیاذاً باللہ!

**خلاصہ:** اس بحث سے یہ تو وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ یا گواہان مدعا علیہ کے پاس قرآن و حدیث کی ایک دلیل بھی بقاء وحی نبوت پر نہیں، بلکہ محض تاویلات رکیکہ ہیں یا الہام اور وحی مجازی و لغوی کو ناواقفی سے وحی نبوت سمجھ لیا ہے۔ بخلاف گواہان مدعیہ کے کہ صریح آیات و احادیث انقطاع وحی پر پیش کی ہیں جن کا جواب باوجود انتہائی مغالطہ دہی کے ضابطہ کا بھی نہ ہو سکا۔ فاللہ الحمد!

عدالت خود دلائل کو سامنے رکھ کر موازنہ فرمائے کہ دلائل اور حقانیت کدھر ہے اور محض تاویلات اور مغالطہ سے کون کام لے رہا ہے۔

عقیدہ سلف صالحین بقاء وحی غیر تشریحی کے خلاف نہیں

اس جوابی سلسلہ میں اصل جواب سے عاجز آ کر مختار مدعا علیہ نے صرف مغالطہ سے کام لیا۔ میں نے صوفیاء کرام کی عبارات کے مطالب ان کی اپنی اصطلاح کی رو سے پیش کئے تھے اور وہ بھی مسل سے کوئی نیا حوالہ نہ تھا۔ مگر اس نے گواہوں کا تحت اللفظ ترجمہ لے کر بحث سے ٹکرانا چاہا۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ ترجمہ اور شے ہے اور مطلب اور۔ ترجمہ سے بظاہر اکثر مراد متکلم مستور اور مجمل رہتی ہے۔

جب ہی تو تفسیر اور مطلب بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترجمہ کے ظاہری الفاظ اور اصطلاحی مراد و تفسیر میں تعارض سمجھنا خام خیال ہے۔ چونکہ میری بیان کردہ اصطلاحات صوفیاء اور خود اصطلاحات شیخ اکبر مختار مدعا علیہ نے اولاً تو نظر انداز کیا اور بعض کو اصل عبارت اور مطلب کے خلاف ہوا کہ قطع و برید کر کے اصل پوائنٹ عدالت کے سامنے مشتبہ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس لئے اولاً میں اس کے پیش کردہ حوالہ جات جن کا وہ حوالہ بیان گواہ نمبر امدعیہ سے دے رہا ہے، نقل کر کے ان کا اصل جواب مکرر نقل کرتا ہوں تاکہ وہ خیانت اور مغالطہ عدالت کے نوٹس میں لایا جاسکے جو اس نے جواب بحث میں مختار مدعا علیہ کے مطالب کے نقل میں روا رکھا ہے اور پھر جوابی بحث کی تاویلات رکیکہ کو بے نقاب کر کے عدالت میں پیش کرتا ہے۔

گواہان مدعا علیہ نے اس سلسلہ میں متعلق و غیر متعلق کل (۸) حوالہ پیش کئے ہیں۔

(۱) فتوحات مکیہ (۲) مکتوب امام ربانی (۳) مثنوی عارف رومی (۴) منصب امامت مولانا شہید (۵) یواقیت کا حوالہ برائے شرح الہام و وحی (۶) روح المعانی (۷) حج الکرامۃ (۸) یواقیت۔

پہلا حوالہ (فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷) ”قال الشيخ اکبر بعد ذکر الایة ماکان لبشر ان یکلمه الله..... الخ! هذا کلام موجود فی رجال الله من الاولیاء والذی اختص به النبی ﷺ من هذا دون الولی الوحی بالتشریحی“  
الجواب: اس حوالہ کے نقل کرنے میں گواہ مدعا علیہ نے ایک زبردست شرمناک مغالطہ دیا اور حضرت شیخ کے لفظ تشریح کو ان کی اصطلاح کے خلاف محمول کر لیا۔ اسی لئے انہوں نے وصیت فرمائی ہے کہ تم پر میری کتب کا مطالعہ حرام ہے، جب تک میرے محرم راز نہ ہو۔ اس کی وجہ صرف گواہ کی حضرت شیخ کی کتب و اصطلاحات سے ناواقفی ہے۔ جیسا کہ گواہ خود اقرار کر چکا ہے کہ میں نے فتوحات کل نہیں دیکھی۔ مارچ ۱۹۳۳ء اور اصطلاحات تصوف میں کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔

اصل اصطلاح یہ ہے کہ اولیاء اللہ جو جنوب بمعنی لغوی بصورت ولایت ہوتی ہے اور جو وحی بمعنی عام مجازی ہوتی ہے جس کا حقیقی نام الہام ہے۔ اس کے مد مقابل اصطلاح شرع میں جنوب حقیقی ہے، اسے حضرت شیخ نبوت تشریح (یعنی شرعی نبوت) اور اس کی وحی نبوت و رسالت کو وحی تشریح کہتے ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ جو شریعت جدیدہ لائے وہ نبی تشریحی ورنہ غیر تشریحی۔ صرف اپنی اور حضرت شیخ کی اصطلاح کو مختلط کر کے یہ مغالطہ دیا ہے۔ ثبوت کے واسطے اپنی (فتوحات ج ۳) کے حوالہ ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ جنہیں صرف مغالطہ دینے کے واسطے چھپایا گیا۔

نبوت تشریح یا نبوت شرائع سے مراد وہ حقیقی نبوت ہے جو اولیاء کو نہیں ہو سکتی۔ (فتوحات مکیہ ج ۲ باب ۵۹ ص ۱۵ ص ۲۵۸)  
یعنی ہماری یہ خاص اصطلاح ہے کہ ہم نبوت شرائع یا تشریح بول کر وہ حقیقی اصطلاحی نبوت مراد لیتے ہیں جو اولیاء کو نہیں ہو سکتی۔ ولایت کے مد مقابل جنوب ہے۔ وہی نبوت حقیقہ اور نبوت تشریح اور نبوت شرائع وغیرہ سے نامزد کی جاتی ہے۔ تشریح کے معنی شریعت جدیدہ وغیرہ یہ مرزا صاحب اور ان کے تبعین کی طبع زاد اصطلاح ہے۔ حضرت شیخ کا دامن اقدس اس سے پاک ہے۔

وحی نبوت و رسالت مطلقاً منقطع ہے؟

اسی پیش کردہ (فتوحات ج ۲ باب ۵۵ ص ۲۵۳) پر تصریح موجود ہے کہ: ”وانما انقطع الوحی الخاص بالرسل والنبی من نزول الملک علی اذنه وقلبه و تحجیر اسم النبی والرسول..... الخ!“  
یعنی وہ وحی نبوت و رسالت جو نبی و رسول کے ساتھ مختص ہے کہ فرشتہ اس کے گوش و قلب پر اترتا ہے، منقطع ہو چکی اور نبی و رسول کا لفظی خطاب بھی روک دیا گیا۔ اب کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔ کس قدر وضاحت سے انقطاع وحی نبوت و رسالت کی تصریح فرما رہے ہیں۔

## فرشتہ وحی آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے قلب پر وحی لے کر نہیں اتر سکتا

”لان الملک لا ینزّل بوحي علی قلب غیر نبی اصلاً“ کیونکہ فرشتہ وحی، وحی لے کر غیر نبی کے قلب پر ہرگز نہیں اترتا۔ اسی عبارت کے تتمہ پر نہ صرف نبوت بلکہ ادعاء نبوت کا بھی انقطاع فرما رہے ہیں: ”و ادعاء نبوت قد انقطعت“ ہر قسم کی نبوت کا دعویٰ منقطع ہو چکا۔ (فتوحات ج ۳ ص ۱۱۰ س ۲۳ ص ۳۸) یہاں لفظ نبوت کیونکر رکھا۔ الف لام بھی داخل نہ کیا کہ تاویلات کا موقع ہو کہ کوئی خاص قسم کی نبوت مستقلہ وغیر مراد ہے۔ بلکہ نکرہ رکھا جو ہر قسم کی ظلی و بروزی نبوت کا خاتمہ کر رہی ہے۔

## مبشرات یعنی الہام اور رویاء صالحہ کے سوا کوئی بھی قسم وحی کی باقی نہیں

”الا تنظر الی مبادی الوحی الالہی النبوی انما ہی المبشرات وہی التی بقیت فی الامۃ بعد انقطاع النبوة“

(فتوحات ج ۳ ص ۱۱۰ س ۲۱ ص ۳۹) کیا تو نہیں دیکھتا، مبادی وحی الہی نبوی کو جو مبشرات (یعنی اچھی خوابیں یا الہام ہیں) وہی صرف امت میں نبوت کے انقطاع کے بعد باقی ہیں اور بس۔

## مبشرات والا شخص نبی ہرگز نہیں ہو سکتا

حضرت شیخ اسی (فتوحات ج ۳ سوال ۱۷ ص ۴۳۵) پر مبشرات کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ: ”وہی جزء من اجزاء النبوة وان لم یکن صاحب المبشرۃ نبیاً فتظن لعموم رحمة اللہ فما تطلق النبوة الا من انتصب بالمجموع“ یعنی مبشرات اجزاء نبوت کا ایک جزو ہیں۔ اگرچہ صاحب مبشرات نبی نہیں ہوتا۔ کیونکہ لفظ نبوت سوائے اس شخص کے جو مجموعہ اجزاء سے متصف ہے، کسی پر بولا ہی نہیں جا سکتا۔

اسی (ج ۳) میں تصریح موجود ہے کہ وحی مطلقاً مسدود ہے، صرف الہام باقی ہے۔

واعلم ان لنا من اللہ الالہام لا الوحی فان سبیل الوحی قد انقطع بموت رسول اللہ ﷺ وقد کان الوحی قبلہ ولم یجی خیر الہی بعدہ ﷺ وحیا لما قال اللہ تعالیٰ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک ولم یذکروا وحیا بعدہ وان لم یلزم هذا وقد فی الخبر النبوی الصادق فی عیسیٰ علیہ السلام وقد کان ممن اوحی الیہ قبل رسول اللہ ﷺ لا یعمل الا لسنننا فله الکشف اذا نزل والہام کما لہذہ الامۃ ولا تخیل فی هذا الہام انه لیس بخبر الہی ماہو الامر کذا لک بل هو خبر الہی واخبار من اللہ للعبد علی ید ملک بقیت عن ہذہ الملہم وقد یلہم من وجہ الخاص بالرسول والنبی ویشهد الملک او یراہ رویۃ بصر عن ما یوحی الیہ وغیر الرسول یحس باثرہ ولا یراہ رویۃ بصرہ فیلہم اللہ ما شاء ان یلہمہ او یوتیہ من وجہ الخاص“ (فتوحات ج ۳ ص ۳۰ س ۲۳۸)

حضرت شیخ نے اس عبارت جزیلہ میں تمام تاویلات و شبہات کا خاتمہ کر دیا اور غیر مشتبہ الفاظ میں مدعیہ کی تائید فرمادی اور اتفاق سے یہ بزرگ گواہ مدعا علیہ کو بھی مسلم ہیں۔

(ترجمہ) خوب سمجھ لو ہمیں خدا کی طرف سے صرف الہام ہو سکتا ہے نہ کہ وحی۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے یقیناً بلاشبہ منقطع ہو چکا۔ ہاں! آنحضرت ﷺ سے قبل وحی آیا کرتی تھی اور کوئی ایک بھی خدا کی جانب سے اطلاع نہیں آئی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی وحی ہو سکتی ہے یا وحی ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ: ”ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک“ اور آپ کے

بعد کسی قسم کی وحی کا ذکر نہ فرمایا اور نہایت صحیح خبر نبوی صادق میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے (جو ان لوگوں میں ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ سے قبل وحی ہو چکی ہے) کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام صرف ہماری سنت پر عمل کریں گے۔ پس ان کے نزول کے بعد صرف ان پر کشف والہام ہوگا۔ جیسا کہ اس امت پر ہوتا ہے۔ اس الہام میں یہ شبہ نہ ہے کہ یہ خدا کی خبر ہی نہیں۔ یہ بات ہرگز نہیں بلکہ وہ خدا ہی کی خبر ہے۔ مگر فرشتہ الہام کی معرفت جو ملہم سے پوشیدہ ایک الہام کرتا ہے اور کبھی مخصوص طور سے الہام ہوتا ہے۔ پس رسول و نبی فرشتہ کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غیر رسول اس کے اثر کو محسوس کرتا ہے، اسے دیکھتا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام پر جو چاہے گا، الہام کرے گا..... الخ!

اس سے مندرجہ ذیل امور بوضاحت ثابت ہو گئے۔

- .....۱ آ نحضرت ﷺ کے بعد وحی کے تمام سلسلے یک دم مسدود ہیں۔
- .....۲ آپ ﷺ کے بعد صرف کشف والہام باقی ہے اور بس۔
- .....۳ کسی آسانی خبر آیت میں آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی وحی کا ذکر تک نہیں۔
- .....۴ عیسیٰ علیہ السلام پر نزول کشف اور الہام ہوگا۔
- .....۵ کبھی الہام بھی بواسطہ فرشتہ الہام ہوتا ہے۔
- .....۶ الہام میں غیر رسول فرشتہ کو دیکھتا نہیں، نہ اس پر نزول حقیقی ہوتا ہے، بلکہ اس کا اثر محسوس کرتا ہے۔
- .....۷ نبی رویت بصری سے فرشتہ وحی کو دیکھتا ہے۔

اس سے بوضاحت ثابت ہو گیا کہ حضرت شیخ نے فتوحات ہی میں ان تمام اصطلاحات کی تصریح اور وضاحت فرمادی ہے۔ نیز اس امر کو بوضاحت فرمادیا ہے کہ وحی کا سلسلہ ہر طور سے منقطع ہو چکا ہے، صرف الہام اور کشف باقی ہے۔ اس کے بعد کوئی شخص حضرت شیخ کے دامن قدس پر بہتان لگائے کہ وہ بعد آنحضرت ﷺ بقاء وحی کے قائل ہیں، تو صحیح نہ ہوگا۔ مختار مدعا علیہ نے غضب تو یہ کیا کہ فتوحات کی یہ پیش کردہ عبارت بھی قطع و برید کر کے پیش کی اور اسی سے متصل اگلا فقرہ ”ولا یشرع الانبی ولا یشرع الا رسول“ کاٹ دیا جس میں اس کے مغالطہ کی حقیقت کھول دی ہے کہ تشریح کے وہ معنی نہیں جو وہ تصنیف کرتے ہیں بلکہ جو بھی نبی و رسول ہے وہ مشرع کہلاتا ہے۔ گویا نبی و رسول کی وحی و وحی با تشریح کہلاتی ہے۔ یعنی وحی نبوت و رسالت منقطع ہے۔ اگر کچھ باقی ہے تو الہام و کشف و اچھی خوابیں جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ اس زبردست خیانت کے بعد عدالت خود فیصلہ فرما سکتی ہے کہ گواہان مدعا علیہ کی شہادت کی جو ڈیٹیل حیثیت سے کیا وقعت ہے۔

**نوٹ:** میں نے ان حوالوں کے نقل کرنے میں بہت ہی اختصار سے کام لیا۔ ورنہ (ج ۳۲) میں ایسے صریح صریح حوالے سو سے زائد موجود ہیں۔ نیز اس اصطلاح کی شرح اور توضیح مطلب اور تصریح مراد کے واسطے بالقصد میں نے حضرت شیخ کی دیگر تصانیف اور اصطلاحات صوفیہ کے حوالوں سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اسی پیش کردہ فتوحات بلکہ زیادہ تر اسی جلد کے آگے اور پیچھے سے پیش کیا تاکہ کسی تاویل اور عذر کا موقع نہ ہو اور عدالت پر ان کی خیانت اور مغالطہ اچھی طرح آشکارا ہو جائے۔ **فلا للہ الحمد!**

اس کے جواب کے متعلق مدعا علیہ کی تاویلات

- .....۱ کبھی تو کہہ دیا کہ گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے اس عبارت کا بھی ترجمہ یہ کیا ہے..... الخ!
- .....۲ کبھی کہا کہ لفظ تشریح کی تشریح کے ساتھ فیصل و محرم و بیچ وغیرہ الخ بھی ہے اور یہ مخصوص وحی ہوگی۔
- .....۳ کبھی گواہ نمبر ۳ کی جرح میں قطع و برید کر کے عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نبوت ثابت کرنا چاہی۔

مگر میں نے جس قدر واضح عبارات پیش کر دی ہیں، ان سے اس عبارت کی شرح اور شیخ کا مقصد اس قدر واضح ہو گیا ہے کہ مختار مدعا علیہ کی ان تاویلات رکیکہ کی طرف کسی التفات ہی کی حاجت نہیں۔ ترجمہ عبارت کا وہی صحیح مگر مطلب تو وہی ہوگا جو حضرت شیخ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کیا۔ ہمارے شاہدوں نے شہادت میں شیخ کی مراد بالکل واضح کر دی ہے۔ لہذا ترجمہ کو اس سے مراد کوئی تعارض نہیں۔

نمبر ۲ میں مختار مدعا علیہ نے حضرت شیخ کی عبارت میں قطع و برید تو تسلیم کر لی۔ مگر آگے فیصل سے جو تصریح کی ہے، اس کی آڑ لے کر اپنے کفریات ثابت کرنا چاہتا ہے۔ میں عدالت عالیہ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ: ”الوحی بالتشريع“ کی شرح کا جہاں تک تعلق ہے وہ ”ولا یشرع الانبی ولا یشرع الا رسول خاصه“ پر ختم ہو چکی۔ آگے ”فیحل ویحرم ویبیح“ سے اس پر ایک قسم منجملہ اقسام وحی نبوت کے ہے۔ میں اوپر حوالے پیش کر چکا کہ وہ وحی کے تمام اقسام سوائے کشف اور الہام اور اچھی خوابوں کے سب بند ہیں اور تشریح کی اصطلاح خود شیخ کی زبان فیض ترجمان سے پیش کر چکا کہ اس سے مراد وحی نبوت ہے۔ خواہ جدیدہ احکام ہوں یا نہ۔ صرف اولیاء کے واسطے کشف والہام روایا صالحہ باقی رہ گئے ہیں اور تمام اجزاء نبوت منقطع ہو چکے ہیں۔ پس مختار مدعا علیہ کا یہ عذر صحیح نہیں۔

نمبر ۳ میں نزول کے متعلق جو گواہ نمبر ۳۳ کا نام تمام فقرہ اس کی مراد کے خلاف نقل کیا ہے وہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ عیسیٰ چونکہ پہلے نبی ہو چکے ہیں ان پر وحی نبوت آ چکی ہے۔ اب وہ اس امت میں بحیثیت ولی ہوں گے۔ ان پر وحی نہ ہوگی۔ گولفظ وحی مجازاً بوجہ اس کے کہ وہ پہلے نبی تھے اور ان پر وحی نبوت آتی تھی بولا جائے۔ مگر دراصل وہ الہام و کشف ہوگا۔ اس کی کافی توضیح حضرت شیخ کی عبارت سے پیش کر چکا ہوں۔ بظاہر نبوت وحی ہونا اور چیز ہے اور درحقیقت وحی نبوت ہونا اور۔ بہر حال یہ تاویل بھی محض بے کار اور صرف لاجوابی کی پریشانی میں لکھی گئی ہے۔ ورنہ شاید کوئی عقل مند آدمی میرے مدلل اور واضح بیان پر یہ نہ کہتا۔ میں پھر مکرر عدالت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرتا ہوں کہ وہ میرا جواب ان تاویلات کو سامنے رکھ کر ملاحظہ فرمائے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مختار مدعا علیہ نے اس موقع پر کس قدر مغالطہ سے کام لیا ہے اور اس کی خیانت کس قدر واضح اور ناقابل معذرت ہے۔

دوسرا حوالہ مکتوبات (مکتوب نمبر ۵۱ ج ۲ ص ۹۹) اس کا میں نے جو مفصل اور مکمل جواب دیا تھا۔ اس کی لاجوابی کا اندازہ عدالت اس سے لگا سکتی ہے کہ جواب میں بجائے کسی معقول بات کے مختار مدعا علیہ تیر کلامی اور مخول پر اتر آیا۔ اصل الفاظ مختار مدعا علیہ ملاحظہ ہوں۔

کیونکہ مختار مدعیہ نے تو اس حوالہ کو اپنے مدعا کا مثبت قرار دیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ نمبر ۳، مورخہ ۲۹ اگست کو جو جواب جرح کہہ چکا ہے کہ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۹۹ مکتوب ۵۱) میں جو لکھا گیا ہے وہ کشفی یا الہامی ہے جو حجت نہیں اور یہ ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ دونوں کے لئے یہ کہنے کا موقع ہے:

زخمی کرے مجھی کو میری آہ دل افسوس میرا ہی تیر میرے کلیجہ کے پار ہو گواہ مدعیہ نے تو مکتوبات کے مذکورہ بالا حوالہ کو یہ کہہ کر کشفی یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہنے کے بعد بھی کہ یہ ہمارے لئے مثبت مدعا ہے، غلط توجیہ کر کے ٹال دینا چاہا ہے۔

اس طرز کلام کو عدالت ملاحظہ فرمائے۔ میں تو اصل مدعا اور مختار مدعا علیہ کے مغالطہ پر صرف روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ مختار مدعا علیہ سمجھ بیٹھا ہے کہ گواہ مدعیہ اور مختار مدعیہ کے جواب میں تعارض ہے۔ حالانکہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو جواب ہیں۔ گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے تو یہ جواب دے دیا کہ کسی بزرگ کی ذاتی تحقیقات یا اس کا کشف والہام کوئی حجت شرعی نہیں۔ پس جب کہ مسئلہ قرآن وحدیث اور دیگر حجج شریہ سے واضح ہو چکا تو یہ حوالہ ہمارے مدعا کو خراب نہیں کر سکتا۔

## اس میں دو امر قابل تحقیق ہیں

- ۱..... یہ کہ یہ مجدد صاحب کی ذاتی تحقیق ہے۔
- ۲..... کسی کا قول و کشف و الہام حجت نہیں۔

اڈل کا ثبوت اس مکتوب کے آخر میں موجود ہے کہ: ”فافہم فان هذا معرفة شريفة فلما تتكلم بها احدا“ سے سمجھ لو کیونکہ یہ عجیب نکتہ و معرفتہ ہے۔ کوئی بھی اسے نہ کہے گا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ ان کی ذات اور کشفی یا الہامی یا علم لدنی کی تحقیق ہے۔ دوسرے کا ثبوت مکتوبات ہی سے پیش کرتا ہوں کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی تحقیقات ذاتی شرع میں حجت نہیں۔

## مجدد الف ثانی کا فیصلہ اقوال بزرگان دین کے متعلق

”کلام محمد عربی ﷺ درکار راست نہ کلامے محی الدین ابن عربی و صدر الدین مولوی و عبدالرزاق حماسی مارا بھص کار راست نہ بھص فتوحات مدینہ از فتوحات مکہ مستغنی ساخته است (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی حصہ دوم دفتر اڈل ص ۱۰۰) یعنی حجت شریعہ کے لئے کلام محمد عربی ﷺ درکار ہے نہ محی الدین ابن عربی و صدر الدین مولوی و عبدالرزاق کاشانی ہمارا کام نص (شرعی) سے نہ فص (فصوص الحکم) سے فتوحات مدینہ (یعنی تعلیمات آقائے مدینہ ﷺ) نے فتوحات مکہ (یعنی تصنیف ابن عربی) سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:

نیست حجت ہیچ قول و فعل پیر قول حق او فعل احمد راہ گیر  
مکتوبات میں جا بجا ملے گا کہ اس شریعت کے مرد میدان ابوحنیفہ اور ابو یوسف ہیں نہ شبلی و جنید۔ غرض یہ کہ پہلا جواب گواہ مدعیہ نے یہ دے دیا کہ یہ کوئی حجت شرعی نہیں۔ ان کی ذاتی کشفی تحقیقات ہے جو ظنی ہے اور عقائد میں قطعیات حجت ہوتے ہیں۔ مختار مدعا علیہ کو شاید یاد نہیں رہا، وہ بحیثیت گواہ مارچ ۱۹۳۳ء کہہ چکا ہے کہ باب عقائد میں ظنیت حتیٰ کہ احادیث احاد کا بھی اعتبار نہیں۔

دوسرا جواب میں نے پیش کیا ہے کہ اگر اسے ہم ایک قسم کی حجت ہی فرض کر لیں تو بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ مؤید ہے۔ کیونکہ حضرت مجدد صاحب نے بلا واسطہ کلام الہی کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک انبیاء سے مختص ہے جسے وحی نبوت کہا جاتا ہے اور وحی نبوت کی وہ ایک قسم ہے۔ دوسرا وہ جو اولیاء امت کو جمعیت و وراثت سے ہوتا ہے جس کا انتہائی کمال یہ ہے کہ وہ محدث ہو جائے اور اوپر مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ حوالہ سے پیش کر چکا ہوں کہ محدث پر وحی نہیں ہوتی، بلکہ کثرت سے خصوصی الہام ہوتا ہے۔

میں مختار مدعا علیہ کا پیش کردہ حوالہ مع اسی کے ترجمہ کے پیش کرتا ہوں۔ ”الملمہ المبالغ فیہ الذی انتھی ای درجۃ الانبیاء فی الہام“ یعنی محدث سے ایسا ملمہ مراد ہے جو الہام میں انبیاء کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ان کا کامل فرد بتایا ہے۔ (مرقات ج ۵ ص ۵۳۱)

اب عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ اس سے صرف اس کلام الہی کا بعد آنحضرت ﷺ ہونا ثابت ہوا جو محدث پر ہوتا ہے جو الہام کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ اس سے صرف الہام کا بقاء بعد آنحضرت ﷺ ثابت ہوا۔ (خواہ نام الہام سے بڑھ کر ہو اور جدا گانہ نام اصطلاحی کوئی کیوں نہ رکھے) اس سے بقاء وحی نبوت ثابت نہیں۔ پس یہ حوالہ صراحتہ ہمارے موافق اور مدعا علیہ اور اس کے گواہان و مختار کے سراسر خلاف ہے۔ اس سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہو گیا کہ گواہ مدعیہ اور مختار مدعیہ کے جواب میں کوئی بھی تعارض نہیں، بلکہ ایک جواب تقدیر عدم تسلیم اور ایک بر تقدیر تسلیم ہے۔ اسے تعارض سوائے مختار مدعا علیہ کے کوئی عقل مند نہیں سمجھتا۔ اس کا خلاصہ تو صرف یہ ہے کہ اڈل تو یہ حوالہ

حجت ہی نہیں اور ان کی خاطر اگر حجت مان ہی لیں تو یہی ہمارے موافق اور ان کے سراسر خلاف ہے۔

تیسرا حوالہ: مثنوی عارف رومی کا ہے:

غلق نفس از وسوسہ خالی شود      مہمان وحی      احبب لی      شود  
نے نجوم است نہ رسل است نہ خواب      وحی حق      واللہ اعلم      بالصواب  
از پے روپوش عام در میان      وحی دل      گویند آزا      صوفیان

(مثنوی شریف دفتر چہارم ص ۱۵۱) مختار مدعا علیہ نے صرف اس کے چوتھے مصرع سے مفاظ دینا چاہا تھا کہ وحی باقی ہے۔ مگر اللہ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے عارف رومی قدس سرہ العزیز پر کہ اگلے شعر اور چھٹے مصرعہ میں اصل حقیقت اور اپنی نیز صوفیاء کرام کی اصطلاح بتا دی کہ: ”وحی دل گویند آزا صوفیان“ کہ اس کا نام اصطلاح تصوف میں وحی دل ہے اور بھی گزر چکا ہے کہ وحی دل اور الہام ایک ہی شے ہے۔ کیونکہ الہام کے معنی دردل آگندن کے ہیں۔ مفصل اصل بحث سے ملاحظہ ہو۔ پس اس سے بقاء الہام بعد آنحضرت ﷺ ثابت ہوا نہ بقاء وحی نبوت۔ پس یہ حوالہ بھی ہمارا مؤید ہوا اور مختار مدعا علیہ کے سراسر خلاف ہے۔ اس کے جواب کے لئے لب کشائی تک کی ہمت نہ ہوئی۔ فاللہ الحمد!

چوتھا حوالہ (منصب امامت ص ۳۱، ۳۲) اس حوالہ کو بھی ماقبل وما بعد اور درمیان سے قطع و برید کر کے شرمناک خیانت سے پیش کیا ہے۔ میں اس سے اوّل و آخر ملا کر یوں نقل کرتا ہوں جس سے ایک طرف تو اصل عبارت کا مطلب اور مختار مدعا علیہ اور اس کے گواہوں کی خیانت آشکار ہوگی۔ دوسری طرف درمیان سے جو عبارت اڑادی ہے، وہ تمام ہی آیات ہیں جو مختار مدعا علیہ نے بقاء وحی کے سلسلہ میں پیش کی ہیں۔ مگر حضرت مولانا شہید نے سب کو الہام قرار دیا ہے جس سے تمام استدلال مختار مدعا علیہ کا خورد برد ہو جاتا ہے اور یہ وہی حضرت مولانا شہید ہیں جن کو گواہان مدعا علیہ نے بھی مجدد تیرہویں صدی تسلیم کیا ہے اور اپنی تائید میں (تج الکرامہ ص ۱۳۹) کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔ اصل عبارت منصب امامت ملاحظہ ہو۔

”تنبیہ ثالث در میان حقیقت بعثت باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام امور شونہ بہ تبلیغ احکام بسوئی خواص و عوام ظاہر ہر ہمیں است کہ از جانب حق جل و علا بطریق وحی یا الہام امر تبلیغ احکام بایشاں پرسد“ پھر اس کی تفصیلات پانچویں تنبیہ پر ختم فرمائیں۔ دوسری قسم کی پہلی تنبیہ کا عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں: ”تنبیہ اوّل در میان آنکہ بعضی از بندگان مقبولین ہر چند منصب نبوت نمی دارند اما از کمالات مذکورہ نصیب فراخور استعداد خود میدارند۔“ اس کے بعد ذکر مجوبیت رب العالمین و ذکر عزت در ملائکہ و ذکر ولایت وغیرہا کا ذکر کے لکھتے ہیں کہ: ”اما ذکر ولایت اجمالاً من لدنا علماً“ تک تقریباً دو صفحہ از (منصب امامت ص ۳۰، ۳۱، ۳۲) عبارت مذکورہ سے مندرجہ ذیل نتائج ثابت ہوئے۔

- ۱..... انبیاء کرام کو بھی وحی ہوتی ہے اور الہام بھی۔
- ۲..... چونکہ انبیاء کا الہام بھی قطعی ہوتا ہے، لہذا وحی کہلاتی ہے۔ اس کا حکم بھی وحی ہوتا ہے۔
- ۳..... جو الہام غیر انبیا کو ہو وہ وحی نہیں ہوتا بلکہ تحدیث کہلاتا ہے۔
- ۴..... قرآن میں اس عام الہام کو بھی مجازاً وحی کہا گیا ہے۔
- ۵..... مطلق الہام کی چند صورتیں:
- ۱..... بصورت کلام از پردہ غیب جیسے: ”واذا اوحیت الی الحوارین. و اوحینا الی ام موسیٰ قلنا یاذا القرنین“ یہ سب الہام و تحدیث ہے نہ کہ وحی نبوت۔



۲..... یہی الہام بواسطہ ملک الہام ہوتا ہے۔ جیسے تمام وہ آیات جو اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے پیش کی ہیں۔

۳..... کبھی اس الہام کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ خود بخود صاحب الہام کے دل سے جوش مارتا ہے۔

۴..... اس میں سے جو قسم الہام کی انبیاء کرام کو ہوتی ہے، اسے نقش فی الروح کہتے ہیں اور جو اولیاء اللہ کو ہوتی ہے اسے نطق سکینہ کہتے ہیں۔

عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ کس قدر وضاحت کے ساتھ وحی والہام کی تقسیم فرمائی ہے اور وحی مطلقاً بمعنی وحی نبوت اور الہام کی وہ قسم جو وحی کہلا سکتی ہے۔ انبیاء کے ساتھ مختص کر دی ہے۔ بعد کے واسطے کوئی سلسلہ وحی نہ چھوڑا۔ صرف الہام کے وہ اقسام جو اولیاء اللہ میں پائے جاتے ہیں اور تحدیث یا نطق سکینہ یا الہام وکشف سے نامزد کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فتوحات سے مفصل پیش کر چکا باقی بتایا ہے۔ پس اس سے بھی ہماری ہی تائید ہوئی، الہام باقی ہے نہ وحی، نہ الہام بمعنی وحی۔ لہذا بقاء وحی غیر تشریحی کی دلیل کا اس میں اشارہ تک نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف تصریح ہے یہ صرف مختار مدعا علیہ کا مغالطہ تھا۔ عدالت خود اصل عبارت بلکہ اصل کتاب ملاحظہ فرمائے۔

مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ

”واما ذکر ولایت اجمالاً فقد قال الله تعالى الا ان اولیاء الله لا خوف علیہم ولا هم یحزنون الذین

امنوا وكانوا یتقون لهم البشری فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة. وقال الله تعالى ان اولیاء الا الممتقون“

واما ذکر شعیب آن تفصیلاً پس باید دانست کہ ازان جملہ الہام است ہمیں الہام کہ بانبیاء اللہ ثابت است آنرا وحی میگویند۔ و اگر

بغیر ایشان ثابت میشود اور تحدیث میگویند وگا ہے۔ در کتاب اللہ مطلق الہام را خواہ بانبیاء اللہ ثابت است خواہ باولیاء اللہ وحی نامند و ایں

مطلق الہام گا ہے در صورت کلام پردہ غیب ممکن لاریب نازل میگردد۔ ”کما قال الله تعالى اذ اوحیت الی الحوارین ان امنوا

بی وبرسولی وقال الله تعالى واحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه و اذ اخفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا

تحزنی انا رآدوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین. وقال الله تعالى قلنا یا ذالقرنین اما ان تعذب و اما تتخذ فیہم

حسناً وقال النبی ﷺ قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد انه عمر“

وگا ہی ہمیں الہام بواسطہ ملک میشود ”کما قال الله تعالى و اذکر فی الكتاب مریم اذا نبتت من اهلها مکاناً

شرقیاً فاتخذت من دونهم حجاباً فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لها بشراً سوياً قالت انی اعدو ذبالرحمن منک ان

کنت تقیاً قال انما ان رسول ربک لاک غلام زکیاً قالت انی یكون لی غلام ولم یمسننی بشر ولم

اک بغیا قال کذا لک قال ربک هو علیٰ هین ولنجعلہ آیت للناس ورحمة منا وکان امرامقضیاً وقال الله

تعالى واذ قالت الملائکة یامریم ان الله اصطفاک وطهرک واصطفاک علی نساء العالمین یا مریم اقتنی

لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین وقال الله تعالى اذ قالت الملائکة یامریم ان الله یشرک بکلمة منه

اسمہ المسیح عیسیٰ بن مریم و جیہاً فی الدنیا و الآخرة و من المقربین“

وگا ہے ہمیں الہام بہ ہمیں طریق واقع می شود کہ خود بخود ازل صاحب الہام کلامی جوش می زند و آن را بر زبان می آرند و فی الحقیقت

آن کلام رحمانی است بہ زبان او جاری گشتہ نہ کلام نفسانی این قسم الہام کہ بانبیاء اللہ می شود اور انقش فی الروح گویند ”کما قال النبی ﷺ

الا ان روح القدس نفث فی روعی“ اگر بہ نسبت اولیاء اللہ می شود اور انقش سکینہ میگویند چنانچہ صحابہ ذکر فرمودہ اند ”ما کنا نعد ان

السکینة تنطق علی لسان عمر و قلبه“ و بسبار قصص از مثال ایں از جناب فاروق اعظم مروی است و از جملہ اقسام الہام خوب

است کہ کسی را از مقبولین عالی مقام در حالت منام برامرے از امور غیبیہ مطلع می فرمائید۔ ”قال النبی ﷺ لم یبق من النبوة الا

المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤيا الصالحة يريها المؤمن او ترى له“ (وازمہ کمالات ولایت تعلیم نبوی است) ”قال الله تعالى وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا قالوا انى يكون له الملك علينا ونحن احق بالملك منه ولم يوت سعة من المال قال ان الله اصطفى عليكم وزاده بسطة فى العلم والجسم“ وظاهر است کہ طالوت نبی بہ بود“ وقال الله تعالى فوجدنا عبدا من عبادنا اتيناه رحمة من عندنا و علمناه من لدنا علما“ (منصب امامت ص ۳۰ تا ۳۲) عبارت مذکورہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

- ۱..... انبیاء کرام کو بھی وحی ہوتی اور الہام بھی۔
- ۲..... چونکہ انبیاء کا الہام بھی قطعی ہوتا ہے لہذا وحی کہلاتی ہے۔ اس کا حکم بھی وحی کا ہوتا ہے۔
- ۳..... جو الہام غیر انبیاء کو ہو وہ وحی نہیں ہوتا۔ بلکہ تحدیث کہلاتا ہے۔
- ۴..... قرآن میں اس عام الہام کو بھی مجازاً وحی کہا گیا ہے۔

### مطلق الہام کی چند صورتیں

- ۱..... بصورت کلام از پردہ غیب۔ جیسے ”واوحینا الی الحوارین۔ واوحینا الی ام موسیٰ۔ وقلنا یا ذا القرنین“ یہ سب الہام و تحدیث ہے نہ کہ وحی نبوت۔
- ۲..... یہی الہام بواسطہ ملک الہام ہوتا ہے۔ جیسے ”فارسلنا الیہا روحنا۔ اذ قالت الملائکة یا مریم“ وغیرہ! تمام وہ آیات جو مختار مدعا علیہ نے پیش کی ہیں۔
- ۳..... کبھی اس الہام کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ خود بخود صاحب الہام کے دل سے جوش مارتا ہے۔
- ۴..... اس میں سے جو قسم الہام کی انبیاء کرام علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ اسے نفث فی الروح کہتے ہیں اور جو اولیاء اللہ کو ہوتی ہے، اسے نطق سیکنہ کہتے ہیں۔

عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ کس قدر وضاحت کے ساتھ وحی الہام کی تقسیم فرمائی ہے اور وحی مطلقاً بمعنی وحی نبوت اور الہام کی وہ قسم جو وحی کہلا سکتی ہے۔ انبیاء کے ساتھ مخصوص کر دی ہے۔ بعد کے واسطے کوئی سلسلہ وحی نہ چھوڑا۔ صرف الہام کے وہ اقسام جو اولیاء اللہ میں پائے جاتے ہیں اور تحدیث یا نطق سیکنہ یا الہام و کشف سے نامزد کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فتوحات سے مفصل پیش کر چکا باقی جو بتایا ہے۔ پس اس سے بھی ہماری تائید ہوئی الہام باقی ہے نہ وحی، نہ الہام بمعنی وحی۔ لہذا ابتداء وحی غیر تشریحی کی دلیل کی اس میں اشارہ تک نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف تصریح ہے۔ یہ صرف مختار مدعا علیہ کا ملاحظہ تھا۔ عدالت خود اصل عبارت بلکہ اصل کتاب ملاحظہ فرمائے۔

اس قدر واضح اور صریح عبارت کے متعلق مختار مدعا علیہ کی مندرجہ ذیل تاویل کسی قدر بہتان و افتراء پر جرأت و جسارت ہے کہ:

”مگر دونوں کے مسلم و مقتداء پیشوا جناب مولوی اسماعیل صاحب کا جو حوالہ گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے، وہ ان دونوں کے خلاف اور احمدیوں کی تائید ہے۔“

### الجواب:

۱..... مولانا شہید کا علم و فضل روشن ہے مگر مختار مدعا علیہ انہیں مدعیہ یا گواہ مدعیہ یا مختار مدعیہ کا مسلم مقتداء و پیشوا جو لکھ رہا ہے یہ جوڈیشیل اصول پر درست نہیں۔ کوئی ایک سوال جرح میں ان کے متعلق نہیں آیا۔ اس پر عدالتی ریوٹ موجود ہے کہ فریق اول کو ان الفاظ پر یہ اعتراض ہے کہ یہ الفاظ انہوں نے تسلیم کئے۔ مختار مدعا علیہ اس کا حوالہ مسل سے پیش کرے مگر وہ نہ پیش کر سکا۔

۲..... اس کو احمد یوں کی تائید سمجھنا شاید بناء غلط فہمی ہو۔ ورنہ اس میں کہیں تائید کا اشارہ کنایہ تک نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے آیتوں کا دعویٰ بقاء وحی غیر تشریحی ہے اور یہاں وحی مطلقاً بلکہ وہ الہام بھی جو معنی وحی انبیاء کرام کو ہوتا ہے بند ہے۔ صرف الہام اور تحدیث و نطق سکینہ یا رویاء صالحہ باقی ہیں اور باقی تمام سلسلہ وحی منقطع و مسدود۔ پس اس سے اپنی تائید کا نامحتمل مدعا علیہ کی خوش فہمی ہے۔ ورنہ مطلب واضح ہے۔

۵..... پانچواں حوالہ تفسیر (روح المعانی ج ۷ ص ۶۵) اس میں ابن حجر بیہقی کا قول نقل کیا ہے کہ عیسیٰ پر وحی وقت نزول بواسطہ جبرئیل ہوگی۔

**الجواب:** اس کا مکمل جواب اوپر گزر چکا مختار مدعا علیہ حسب عادیب ایک ایک چیز کو متعدد مرتبہ لاکر طول دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابن حجر بیہقی کی ذاتی رائے ہے جو قرآن وحدیث اور علماء سلف کے سراسر خلاف ہے جو کسی پر حجت نہیں۔ مسلمہ فریقین کے بزرگ امام محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ: ”قله الكشف اذ نزل والالهام“ کہ نزول کے بعد اس پر کشف والہام ہوگا نہ وحی۔ گولفظ وحی کا مجازاً بمعنی الہام اس پر بولا جائے۔ پورا حوالہ اس سے قبل (فتوحات ج ۳ ص ۳۵۳ ص ۳۳۸) سے نقل کر چکا ہوں۔

گواہ مدعا علیہ کے مسلم بزرگ امام شعرانی (یواقیت بحث ۳۵ ص ۱۸۸، ۱۸۹) پر فتوحات سے نقل کرتے ہیں کہ: ”وهذا باب الخلق بعد موته محمد ﷺ فلا يفتح لاحد المي يوم القيامة ولكن بقى للاولياء وحى الالهام المي قوله قال ولو ان الوحي على لسان جبرئيل ﷺ كان باقياً محمد ﷺ لكان عيسى ﷺ اذا نزل لا يحكم بشريعة محمد ﷺ وانما يحكم بشريعة ان يوحى اليه جبرئيل المي قوله اعلم ان الوحي لا ينزل به الملك على غير قلب النبي اصلاً“

وحی کا بیان کر کے فرمایا کہ یہ دروازہ وحی نبوت بعد وفات محمد ﷺ بند ہو چکا۔ اب یہ قیامت تک کسی کے واسطے نہیں کھل سکتا۔ اولیاء کے واسطے صرف وحی الہام ہے نہ کوئی وحی۔ آگے تصریح فرمائی کہ اگر بواسطہ جبرئیل سلسلہ وحی بعد آنحضرت ﷺ باقی ہوتا تو عیسیٰ ﷺ بعد نزول شریعت محمدیہ کے کیوں پیرو ہوتے وہ اسی وحی کی اتباع کرتے جو جبرئیل لاتے۔ کتنی وضاحت سے امام شعرانی اور امام ابن عربی جو گواہ مدعا علیہ کے بھی مسلم بزرگ ہیں۔ تصریح فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ ﷺ پر بعد نزول صرف کشف والہام بلا واسطہ جبرئیل ہوگا۔ وحی بواسطہ جبرئیل ہرگز نہ ہوگی۔

اس کے مقابل پر ابن حجر بیہقی جیسے غیر مسلم شخص کی شخصی رائے پیش کرنا صرف مختار مدعا علیہ کی رائے ہے اور تعجب تو اس پر ہے کہ اپنے نبی کے خلاف اس نے ابن حجر بیہقی کو کیوں مان لیا۔ حالانکہ مرزا صاحب کے خلاف احادیث نبویہ بھی عیاذاً باللہ ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں اور خود مرزا صاحب (ازالہ اوہام ص ۲۱۱، خزائن ج ۳ ص ۵۷) پر فرماتے ہیں کہ: ”ایک فقرہ بھی جبرئیل لائیں وہ بھی وحی نبوت و رسالت ہے جو بند ہے۔“ ملاحظہ فرمائیں وحی تو بڑی چیز ہے۔ ایک فقرہ لانے کو بھی ممانعت فرما رہے ہیں۔ اس سے علاوہ ہمارے جواب کی تکمیل کے مختار مدعا علیہ کو خود مرزا صاحب کی کتب سے ناواقف اچھی طرح واضح ہوگی۔ بہر حال یہ حوالہ بھی مدعا علیہ کے لئے مفید اور ہم پر جت نہ ہو سکا۔

ساتواں حوالہ حج الکرامۃ

کہ: ”آرندہ وحی یسوی او جبرئیل باشد بلکہ ہمیں یقین دارم“

**الجواب:** یہی ماسبق جواب بیچنہ کافی ہے۔ تفصیل اوپر گزر چکی۔ نواب صدیق حسن خاص غیر مقلد کی ذاتی اور شخصی رائے کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور مسلم بزرگان دین و اسلام کے خلاف ہرگز جیہ نہیں ہو سکتی، نہ وہ امام ہیں، نہ مسلم عالم، نہ ہمارے فرقہ کے، نہ مرزا صاحب کے۔ ان کا حوالہ بالکل غیر متعلق ہے۔ باقی گواہوں کا انہیں مسلمان کہنا یہ اور چیز ہے اور مسلم ہونا اور بات۔ دنیا میں ہزاروں مسلمان فاش غلطیاں کرنے والے فاسق و فاجر بھی ملیں گے اور جو مسلمان بھی ہیں۔ پھر انہیں مسلم کون مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں انہیں رئیس عالمین بالمحدیث یعنی غیر مقلد بتا کے ان کے حوالے غیر مقلدین پر اتمام حجت کے لئے نقل کئے ہیں۔ اس سے ان کا مسلم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تمام مسلمان مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے حوالے الزاماً نقل کرتے ہیں۔ کیا خلفاء یا مرزا صاحب کو تسلیم کر لیا۔ مفصل جواب اوپر دو مرتبہ عرض کر چکا ہوں۔

آٹھواں حوالہ بھی پہلے حوالہ کا ترمو ہی تشریح اور غیر تشریح کے متعلق یواخت کا ہے جس کا جواب مکمل پہلے نمبر میں آچکا ہے اور اصل بحث میں جو جواب دیا تھا، مختار مد عالیہ نے اسے لا جواب سمجھ کر نام تک نہ لیا۔ لہذا اسی کا حوالہ دے کر عدالت کی توجہ گرامی اصل بحث کی طرف مبذول کرانا ہوں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی مختار مد عالیہ کی طرح بار بار وہی عبارت دہراتا رہتا۔ ملا علی قاری نے صرف اس حدیث کی باعتبار سند کے تردید کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”ان جبرئیل لا یمنزل ..... الخ!“ اس سے اس کا نواب صاحب کا مؤید ہونا نہیں پایا جاتا۔ نیز کسی کا قول نقل کرنا اور چیز ہے اور تائید کرنا اور بات ہے۔ یہی مضمون کتاب الاشاعت کا ہے۔ غرض ایک ہی چیز ہے، مگر نقل سے مکرر دلیل نہیں بن سکتا۔

### خلاصہ بحث

مختار مد عالیہ اور اس کے گواہ ایک آیت یا ایک حدیث یا ایک کسی مسلم بزرگ کا قول نہ پیش کر سکے جس سے بقاء وحی غیر تشریحی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو سکتا۔ ہاں! الہام کے بقاء کے متعلق حوالے نقل کئے، وہ ہمارے مؤید ہیں اور ان کے مخالف ہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ وحی نبوت مطلقاً بند ہے۔ الہام، کشف، وحی مجازی، لغوی باقی ہے۔

بخلاف اس کے انسداد وحی نبوت پر ہم نے سات آیات خاتم النبیین کی تفسیر سے اور آیات مفصل کل (۱۵) آیات اور (۲۵) مفصل اور چار صریح حدیثیں اسی سلسلہ کی نیز مسلم بزرگان دین کے فتوحات، یواخت، علم الکتاب، فتاویٰ ابن حجر کی، شفاء شریف، شرح شفاء ملا علی قاری، نسیم الریاض علامہ خفاجی وغیرہ سے متعدد صریح صریح حوالے پیش کئے جس میں اکثر تو ایسے لا جواب ہیں، جن کا بحث میں مختار مد عالیہ نے نام تک نہ لیا اور بعضوں میں مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کی جس کی حقیقت جواب الجواب میں آشکار ہو گئی۔ بہر حال ہم نے یہ مسئلہ بحمد اللہ ۲۵، ۵۰ دلیلوں سے روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ منقطع و مسدود ہے۔ مرزا صاحب کے مریدین کے واسطے مرزا صاحب کی بھی سند پیش کر دی کہ جب تک دعویٰ نبوت صاف نہ تھا فرماتے ہیں کہ: ”لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی۔“

”آپ کی وفات کے بعد وحی نبوت منقطع ہو گئی ہے اور آپ کے ساتھ نبوت کو ختم کر دیا ہے۔“

(ازالہ اوہام ص ۵۳۴، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷)

(حماتہ البشری ص ۴۹، خزائن ج ۷ ص ۲۴۳)

### (۶)

### مرزا صاحب کے نزدیک صرف تشریحی وحی بند ہے

اس سلسلہ میں بلاوجہ (توضیح مرام، ازالہ اوہام، کشتی نوح، استغناء برانی تحریریں، براہین احمدیہ، حقیقت الوحی، مواہب الرحمن، آئینہ کمالات اسلام، ضمیمہ براہین ج ۵، ایک غلطی کا ازالہ، چشمہ معرفت، سرمہ چشم آریہ، تمہ حقیقت الوحی، الوصیہ، تجلیات الہیہ) کے متعدد جدید حوالہ دے کر لا حاصل طول دیا اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس وحی کو مرزا صاحب بند فرماتے ہیں۔ وہ وحی تشریحی ہے ورنہ مطلق وحی کا دعویٰ اور یہ کہ آپ کو وحی ہوتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی کل کتب میں تقریباً لکھا ہے۔

الجواب:

- ۱..... اس سے ہمارا نقصان کیا گویا یہ تو اقراری کفر ہے۔
- ۲..... مرزا صاحب کی عادت ہی متعارض اقوال کی ہے اور بھی کافی دلیل اس امر کی ہے کہ ان کے کشوف اور الہامات رحمانی نہیں۔ جیسا کہ شیخ نے فتوحات میں جا بجا لکھا ہے اور تائید میں ’ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً‘ پیش فرمایا ہے۔
- ۳..... ان عبارات میں یا وحی تشریحی اور غیر تشریحی کا ذکر ہے یا مطلق وحی کا۔ مگر میں نے وحی نبوت و رسالت کا انقطاع و انسداد مرزا صاحب کی عبارت سے پیش کیا ہے جو میرا دعویٰ تھا اور صریح عبارت پیش کی ہے۔
- پھر ملاحظہ فرمائیں کہ:

- ۱..... ”کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے۔ اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوت ہے۔“ (ایام الصلح ص ۱۴۶، خزائن ج ۱۴ ص ۳۹۳)
- ۲..... ”نبی کی وحی، وحی نبوت کہلائے گی۔“ (سراج منیر ص ۴، خزائن ج ۱۲ ص ۶)
- ۳..... ”ایک فقرہ ہی جبرئیل علیہ السلام لائیں وہ بمعنی وحی نبوت و رسالت ہے جو بند ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۵۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۱)
- ۴..... ”لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی۔ کیا یہ مہر روشن وقت ٹوٹ جائے گی۔“ (ازالہ اوہام ص ۵۳، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷)
- ان واضح عبارات کی شرح ان گول مول عبارات سے ناممکن ہے۔

(۷)

## کیا مسیح موعود کے نزدیک آپ کی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے

مذکورہ بالا حوالہ جات جو عنوان نمبر ۲ میں درج کئے گئے وہ تو جب کے ہیں کہ اس وقت تک دعویٰ نبوت نہ تھا اور ختم نبوت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے ہمنوا تھے۔ اس کے بعد دعویٰ نبوت بلکہ نبوت مستقلہ اور وحی وغیرہ کا کیا اور وحی بھی کوئی گھنٹیا نہیں۔ بلکہ قرآن کے ہم پلہ۔ اس کی طرح منزه قابل ایمان لانے کے ملاحظہ ہو۔

- ۱..... ”جب کہ مجھے اپنی وحی پر ایسا ایمان ہے۔ جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۱۹، خزائن ج ۱ ص ۲۵۴)
- آنچه من بشنوم زوحی خدا بخدا پاک دانش زخطا بچو قرآن منزہ اش دامن از خطا ہا ہمیں است ایمانم
- (درشین فارسی ص ۷۷، نزول المسیح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

اس کی تاویلات رکیمہ جو مختار مد عالیہ نے پیش کی ہیں یا مرزا صاحب کی دوسری مجمل عبارات الہدیٰ، نزول المسیح وغیرہ سے پیش کی ہیں۔ ان کے متعلق یہی گزارش ہے کہ وہ جواب نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ مفصل بحث اوپر سلسلہ ایمانیات میں گزر چکی ہے۔ اس کا اعادہ نہیں کرتا۔ صرف حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں اور عدالت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرتا ہوں کہ واضح عبارت کا محل مجمل اور محتمل المعنی عبارت سے نہیں ہوا کرتا۔ نیز جس شخص کی عادت متعارضات اور اختلاف گوئی کی ہو۔ اس کی ایک عبارت دوسری کی شرح نہیں بن سکتی۔

پہلی وجہ تکفیر یعنی دعویٰ وحی نبوت ختم ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ختم نبوت

دوسری وجہ تکفیر ختم نبوت کا انکار اور خاتم النبیین کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا اور اپنے آپ کو تشریحی نبوت کا مدعی سمجھنا اور احکام شرعیہ میں تغیر و تبدل کرنا۔

## دوسری وجہ تکفیر کا رد

جماعت احمدیہ حضور ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے

قول مختار مدعا علیہ:

دوسری وجہ تکفیر فریق مخالف نے یہ بیان کی ہے کہ: ”مرزا صاحب اور آپ کے معتقدین آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین کے منکر ہیں اور آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دینی سے کسی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ لہذا مرزا صاحب اور ان کے متبعین کافر ہوئے۔“

اس مدعا کے نقل میں اسی مدعا و مغالطہ سے کام لیا ہے۔ صرف خاتم النبیین کا انکار نہیں۔ بلکہ خاتم النبیین کا اسلامی معنی کے روسے انکار ہے۔ جیسا کہ میں اصل بحث میں بوضاحت پیش کر چکا ہوں جس کا جواب تو کجا ذکر تک بھی نہیں کیا گیا اور یہی خاتم النبیین بمعنی تمام نبیوں کے آخری نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے۔ ضروریات دین سے ہیں جس کے واسطے شہادت اور بحث میں حوالہ مندرجہ ذیل تفصیل سے پیش ہو چکے۔

..... ۱ ”اول الانبیاء آدم و آخرهم محمد ﷺ“ (شرح عقائد ص ۹۹)

..... ۲ ”اذ لم يعرف ان محمد ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانه من ضروریات الدین“ (اشاہ و النظائر ص ۲۹۶)

یہی تصریحات تقریباً ۱۵ اکتب سے جن میں (بجرا لائق ج ۵ ص ۱۳۰) بھی ہے جسے گواہ نمبر ۱ نے بجواب جرح ۷/ مارچ ۱۹۳۳ء مسلم

مانا ہے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین بمعنی تمام نبیوں کا آخری ہونا ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور ظاہر ہے کہ مرزا صاحب آخر وقت تک اسی کفر پر قائم رہے اور ان کے امتی اس وقت تک اس کفر پر مصر ہیں۔ لہذا ان کے کفر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

مختار مدعا علیہ نے اصل اعتراض کو نظر انداز کر کے لفظ خاتم النبیین کا اقرار مرزا صاحب کی کتب ذیل سے پیش کیا ہے۔

(۱) انجام آتھم۔ (۲) الحکم ۷/ مارچ ۱۹۰۵ء۔ (۳) ازالہ اوہام۔ (۴) آئینہ کمالات۔ (۵) ایام الصلح۔ (۶) کرامات

الصادقین۔ (۷) ایک غلطی کا ازالہ۔ (۸) مواہب الرحمن۔ (۹) حقیقت الوحی۔ (۱۰) استفتاء۔ نیز بیان گواہ نمبر ۱۔

## اصل معاملہ

بات یہ ہے کہ مرزا صاحب جب تک خود کھل کے نبی نہ بنے تھے اور وہ نبوت پر پردے ڈال رکھے تھے۔ اس وقت تک تو خاتم النبیین کے لفظ کا بھی اقرار ہے اور اسلامی معنی کا بھی ملاحظہ ہو۔

..... (ایام الصلح ص ۷۷، خزائن ج ۱۳ ص ۳۰۸) ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین“ اور حدیث میں ہے: ”لانیسی بعدی“..... تا اور اگر کوئی نبی نیا پراانا آوے تو ہمارے نبی ﷺ کیونکر خاتم الانبیاء رہیں۔ ہاں! وحی ولایت و مکالمات الہیہ کا دروازہ بند نہیں۔“

..... ۲ (ایام الصلح اردو ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۲)

..... ۳ ”صبح کیونکر آسکتا تھا، وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار اس کو آنے سے روکتی ہے۔ سواس کے ہمرنگ آیا وہ رسول نہیں، مگر رسولوں کے مشابہ ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۵۲۲، خزائن ج ۳ ص ۳۸۰)

..... ۴ ”اکیسویں آیت: ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین“ یعنی محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں۔ مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔“ (ازالہ اوہام ص ۶۱۴، خزائن ج ۳ ص ۳۳۱)

..... ۵ ”قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پراانا ہو۔ کیونکہ رسول کو علم دین جو توسط جبرئیل علیہ السلام ملتا ہے اور باب نزول جبرئیل بہ پیرا یہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے، مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔“ (ازالہ اوہام ص ۷۶۱، خزائن ج ۳ ص ۵۱۱)

..... ۶ (حماۃ البشری ص ۲۰، خزائن ج ۷ ص ۲۰۰) ”الا تعلم ان الرب الرحیم الی قوله وختم اللہ به النبیین“

..... ۷ ”اور سیدنا مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کافر اور کاذب جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صغی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی۔“

(اشتراہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء، مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۳۰، ۲۳۱، حقیقت النبوۃ ص ۸۹، انوار العلوم ج ۲ ص ۴۲۳، ۴۲۴)

..... ۸ (آسمانی فیصلہ ص ۳، خزائن ج ۳ ص ۳۱۲) وغیر ہا وغیر ہا۔

مگر یہ عقیدہ مسلمانوں کے مطابق ۱۹۰۱ء سے قبل تھا۔ اس کے بعد نبوت سے پردہ اٹھا اور خود نبی و رسول بلکہ تمام رسولوں سے اعلیٰ جس سے تمام رسول زندہ ہو گئے تو صرف لفظ خاتم النبیین فرماتے رہے اور معنی بدل ڈالے۔ چنانچہ پیش کردہ حوالوں سے جو ۱۹۰۱ء کے بعد کے ہیں۔ صرف لفظ خاتم النبیین ضرور ہے مگر اسلامی معنی جو ضروریات دینی سے ہے کہ ایسے آخری نبی جس کے بعد کسی قسم کا کوئی بھی نبی نہ بن سکے۔ ہرگز نہیں ہے۔

لہذا بلحاظ اسلامی معنی مرزا صاحب کا خاتم النبیین سے منکر ہونا بدستور رہا۔ اس مغالطہ سے اس کا جواب نہ بن سکا۔ باقی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ! آگے اپنی جگہ پر آئے گی۔

## جمع مسلمان بعد حضرت ﷺ ایک نبی کا آنا مانتے ہیں

اس ہیڈنگ میں بھی لفظوں کے ہیر پھیر کا ایک مغالطہ ہے جو آگے معلوم ہوگا۔ یہاں صرف یہ گزارش ہے کہ جمع مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتظر ضرور ہیں۔ مگر ایک مسلمان بھی آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا نبی بنایا جانا یا کسی کو آپ کے بعد منصب نبوت عطا ہونا جائز نہیں سمجھتا۔ بلکہ آپ کے بعد دعویٰ نبوت کو کفر سمجھنا اجماعی عقیدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ پس کسی گزشتہ نبی کا بحیثیت امتی یا مجدد آنا اور چیز ہے اور کسی کا منصب نبوت پر فائز ہونا اور۔ آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت ہو کر نبی بننا اور معاملہ ہے ہر عقلمند دونوں کے فرق کو سمجھتا ہے۔ مختار مدعا علیہ بلاوجہ مغالطہ دینا چاہتا ہے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار!

## خلاصہ استدلال مختار مدعا علیہ

اس ہیڈنگ کے تحت مختار مدعا علیہ نے جو پیش کیا ہے۔ اس کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ اگر خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو یہ معنی تمام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بحیثیت نبی کے مانتے ہیں اور گواہ مدعیہ نمبر ۴ کی جرح سے تائید کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نبی ہوں گے۔ یوں ہی ملا علی قاری سے کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلوب التبوہ ہو کر آئیں گے وہ کافر ہو گیا۔ کیونکہ نبی سے اس کی موت کے بعد بھی وصف نبوت زائل نہیں ہوتا۔ پس اگر خاتم النبیین سے مراد ہر قسم کے نبی ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی دوبارہ نہیں آ سکتے۔

اگر کہوئے کہ آنا منع ہے، پرانے کا نہیں تو ہم بڑے ادب سے کہیں گے کہ اگر پرانے نبیوں کا استثناء ہو سکتا ہے تو نئے امتی غیر تشریحی کا بھی استثناء ہو سکتا ہے۔ (مخلصاً بلطفہ)

## خلاصہ

اس میں لفظی متعدد مغالطہ ہیں۔ وضاحت کے واسطے حسب ذیل عنوانات قائم کرتا ہوں۔

- ۱..... خاتم النبیین کے معنی مسلمان کیا کرتے ہیں۔
- ۲..... کیا مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بحیثیت نبی کے مانتے ہیں۔
- ۳..... کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلوب التبوہ ہوں گے۔
- ۴..... کیا ان پر وحی بواسطہ جبرئیل ہوگی۔

## الجواب:

۱..... خاتم النبیین کے معنی مسلمان کیا کرتے ہیں۔

مختار مدعا علیہ نے خاتم النبیین کے جو یہ معنی مسلمانوں کی طرف منسوب کئے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ یہ محض مغالطہ ہے۔ بلکہ مسلمان یہ معنی کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ: ”حضور سرور کائنات ﷺ تمام انبیاء ورسل اور نبوت ورسالت کے ختم کرنے والے اور آخر الانبیاء ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد خدائے تعالیٰ کسی کو نبی نہیں بنائے گا نہ کسی کو آپ کے بعد منصب نبوت ورسالت عطا کیا جاسکتا ہے۔ باب نبوت ورسالت آئندہ مطلقاً مسدود ہے۔“

## اس کا ثبوت ملاحظہ ہو

۱..... مرزا صاحب کے مسلم رئیس المفسرین فرماتے ہیں: ”ولکن رسول الله وخاتم النبیین الذی ختم النبوة قطع علیہا فلا تفتح بعده الی یوم القيامة“ یعنی آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ جنہوں نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر اختتام لگ گئی۔ اب بات نبوت قیامت تک کسی کے واسطے نہ کھلے گا۔“

۲..... علامہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”وقد اخبر الله تعالیٰ فی کتابہ ورسول ﷺ فی السنة المتواترہ لانی بعدی لیعلموا ان کل من ادعیٰ هذا للمقام کذاب دجال مضل وضال..... الخ!“ (ابن کثیر ج ۸ ص ۹۱) (ترجمہ) یعنی خدائے اپنی کتاب اور نبی کریم ﷺ نے سنت متواترہ میں خبر دے دی کہ ”لانی بعدی“ تا کہ معلوم ہو جاوے کہ جو بھی آپ کے بعد اس منصب کو پانے کا دعویٰ کرے۔ وہ کذاب، دجال، گمراہ کنندہ اور خود گمراہ ہے۔



۳..... ”ومعنی کونہ آخر الانبیاء وانہ لا نبی بعدی احد بعدہ. وعیسیٰ نبی قبلہ فحین یُنزل عاملا علی شریعتہ محمد ﷺ مصلیا الی قبلتہ کانہ بعض امتہ“ (تفسیر کشاف ج ۲ ص ۲۳۳، گواہ مدعیہ نمبر ۱)

یعنی آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین و آخر الانبیاء کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے نبی بن چکے ہیں اور دعوائے قبل ہو چکا ہے۔ پس وقت نزول شریعت محمدیہ پر عامل اور محمدی قبلہ کی سمت پر نماز ادا کریں گے۔ گویا آپ کی امت کے ایک فرد ہوں گے۔

۴..... ”ولا یقدح فیہ نزول عیسیٰ بعدہ فانہ اذا نزل کان علی دینہ مع ان لمراد منہ انہ اخر“ یعنی خاتم النبیین اور آخر الانبیاء کے معنی پر آپ کے بعد نزول عیسیٰ کی زد نہیں پڑ سکتی۔ کیونکہ وہ بعد نزول آپ کے ہی دین پر ہوں گے اور خاتم النبیین کی یہ مراد ہے کہ آپ نبی بننے والوں اور منصب نبوت پانے والوں کے آخری نبی یعنی آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔

(تفسیر بیضاوی ص ۲۲، گواہ مدعیہ نمبر ۱)

۵..... ابی السعود میں اسی قسم کی تفصیل کے بعد ہے: ”فان معنی قولہ خاتم النبیین لانہ لا نبیاً احد بعدہ وعیسیٰ نبی قبلہ“ یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص خلعت نبوت سے نوازا نہ جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان انبیاء سے ہیں کہ آپ کے قبل یہ خلعت عطا کیا جا چکا ہے۔

۶..... ”المراد بكونہ خاتم النبیین انقطاع حدوث وصف النبوة فی احد من الثقلمین بعد تحلیلہ بہا“ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر کر کے کہتے ہیں: ”کان نبیا قبل تحلی نبینا ﷺ بالنبوة“ (روح المعانی ج ۹ ص ۳۲، گواہ مدعیہ)

یعنی خاتم النبیین سے مراد ثقلمین جنس و انس میں حدوث و ایجاد وصف نبوت کا انقطاع ہے۔ بعد اس کے کہ اس عالم میں آنحضرت ﷺ خلعت نبوت سے سرفراز ہو چکے اور عیسیٰ علیہ السلام کو تو یہ خلعت اس عالم میں ہمارے نبی کریم ﷺ سے قبل عطا کی گئی۔

۷..... اس سلسلہ میں گواہ مدعا علیہ کے مسلم بزرگ شیخ محمد بن الدین ابن عربی یہ فرماتے ہیں: ”وإدعاء النبوة قد انقطعت“

(فتوحات ج ۳ پ ۳۱۰ ص ۲۳۳ ص ۳۸)

یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد ہر قسم کا دعویٰ نبوت یقیناً منقطع ہو چکا۔

۸..... خود مدعا علیہ اور اس کے گواہان و مختاران کے نبی قبل دعویٰ نبوت مسلمانوں کے ہم نوا ہی تھے۔

”ماکان اللہ ان یرسل نبیا بعد نبینا خاتم النبیین وماکان یحدث سلسلۃ النبوت بعد انقطاعہا“

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۷۷، خزائن ج ۵ ص ۳۷۷)

یعنی ہمارے نبی کریم خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بنا کر نہیں بھیجے گا اور نہ سلسلہ نبوت بند و منقطع ہونے کے بعد دوبارہ از سر نو ایجاد کرے گا۔

پس ثابت ہو گیا کہ مسلمان یہ نہیں کہتے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی بنایا نہیں جائے گا اور نہ سلسلہ نبوت بند ہونے کے بعد از سر نو جاری ہوگا اور نہ کوئی آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرے گا۔ بلکہ ہر مدعی نبوت بعد آنحضرت کے حسب ارشاد گرامی دجال و کذاب ہوگا۔

یہ محض مختار مدعا علیہ کا کھلا ہوا مغالطہ اور افتراء و بہتان تھا۔

دوسری تنقیح کا جواب کہ کیا مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بحیثیت نبی مانتے ہیں۔

یہ بھی ایک مغالطہ ہے اور سفید جھوٹ و افترا ہے۔ ان میں صفت نبوت ہونا اور چیز ہے۔ جیسا کہ گواہ نمبر ۴ مدعیہ نے کہا کہ جب نازل ہوں گے، نبی ہوں گے۔ یعنی متصف بہ صفت نبوت اور منصب نبوت پر ہونا اور بحیثیت نبی کے ہونا اور چیز ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں۔ آپ کو آنحضرت ﷺ سے قبل اس عالم میں خلعت نبوت سے نوازا گیا۔ یہ صفت آپ کی بحال، مگر اس امت میں زمانہ نبوت آنحضرت ﷺ کی عالمگیری کی وجہ بحیثیت نبی نہیں آئیں گے۔ بلکہ بحیثیت مجدد و خلیفہ رسول اللہ ﷺ اور امتی کے ہوں گے، منصب نبوت پر نہ ہوں گے۔

اور مرزا صاحب یا کسی اور امتی کو آپ کے بعد نبی ماننے سے بعد خاتم النبیین کے نبی کا بننا اور از سر نو سلسلہ نبوت بند و منقطع ہونے کے بعد کھلنا پایا جاتا ہے۔ یہ بالاتفاق کفر ہے۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

### احادیث

..... "قال النبی ﷺ کانت بنوا اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکشرون۔"

(بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۱، مسلم شریف ج ۲ ص ۲۶)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے جب بھی ایک نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا تھا اور میرے بعد یقیناً کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ ہاں! خلفاء ہوں گے اور بکثرت ہوں گے۔

کس صفائی سے سلسلہ نبوت کو ہمیشہ کے لئے ہر طرح کے لئے ختم کر کے سلسلہ خلافت کو جاری فرمایا ہے۔

..... ۲ "ابن عساکر قال النبی ﷺ الا ان ابن مریم لیس بینی و بینہ نبی ولا رسول الا انه خلیفی فی امتی من بعدی"

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خبردار اور واقف ہو جاؤ کہ ابن مریم اور میرے درمیان نہ کوئی نبی غیر مستقل و غیر تشریحی ہے، نہ رسول مستقل صاحب شریعت ہے۔ یقیناً ابن مریم میری امت میں میرے بعد صرف خلیفہ ہوں گے۔ یعنی بحیثیت نبی نہ ہوں گے بلکہ بحیثیت امتی و خلیفہ ہوں گے۔

(فتاویٰ ابن حجر کی)

..... ۳ "عن الشیخ الاکبر قال فاما خاتم الولاية علی الاطلاق فهو عیسیٰ علیہ السلام فهو الولی بالنبوة المطلقة فی زمان هذه الامة وقد حیل بینہ و بین التشريع و الرسالة فینزل آخر الزمان وارثا و خاتم لا ولی بعده نبوة مطلقة کما ان محمد ﷺ خاتم النبوة لان نبوة تشريع بعده فیعلم ان عیسیٰ ولو کان بعده و من اولی العزم و خواص الرسل و قد زال حکم من هذا المقام بحکم الزمان علیه الذی هو بغيره فی رسل و لیا ذالنبوة مطلقة و یلهم بشرع محمد ﷺ و یفهم لا علی وجهه کلا و لیا و المحدثین فهو منا فهو سیدنا فكان آخر الانبیاء کما کان آدم اول من نبیا فحتمت النبوة بمحمد و الولاية بعیسیٰ"

(یواقیت ج ۲ بحث ۷ ص ۷۹، ۸۰)

یعنی بہر حال مطلقاً ہر قسم کی ولایت کا اختتام کرنے والے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پس وہ دل میں اس صفت نبوت کے ساتھ جس کی ڈیوٹی اور منصب اس امت کے زمانہ میں ختم ہوگا۔ پس وہ آخر زمانہ میں وارث نبی اور خاتم ولایت ہو کر اتریں گے جن کے بعد کوئی کسی قسم کا ولی نہ ہو سکے گا اور اس صفت نبوت پر ہوں گے جس کا حکم و نفاذ و مذہب ختم ہو چکا ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ آپ کے بعد نبی ہوں گے اور اولو العزم و خواص رسل سے ہیں۔ مگر ان کی نبوت کا حکم اور منصب زائل ہو چکا ہے بوجہ زمانہ نبوت غیر۔ یعنی آنحضرت ﷺ لہذا وہ متصف بھفت نبوت مطلقہ جس کا زمانہ و حکم ختم ہو چکا ہوگا اور اولیاء امت محمدیہ کی طرح ان پر شرع محمدی کا الہام ہوگا

اور اس امت کے اولیاء میں امتی ہوں گے اور ہم سب کے سردار ہوں گے۔ پس نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو چکی اور ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گئی۔ مفصل حوالہ سلسلہ وحی والہام جس میں یہ مضمون بھی واضح کیا گیا ہے۔ (فتوحات ج ۳ ص ۳۵۳ ص ۲۳۸) سے اوپر پیش کر چکا ہوں۔ ان حوالہ جات میں نہایت صفائی سے تصریح موجود ہے کہ عیسیٰ بحیثیت نبی نہ اتریں گے بلکہ بحیثیت ولی و امتی مجدد ہوں گے۔ ان پر شریعت محمدیہ کے متعلق الہام ہوگا۔ نیز یہ بھی وضاحت موجود ہے کہ ان میں پہلے کی عطاء شدہ نبوت ہی ہوگی۔ مسلوب التبوۃ نہ ہوں گے۔ البتہ چونکہ زمانہ نبوت نبی آخر الزمان کا ہے۔ اس لئے اس نبوت کا حکم زائل شدہ ہوگا اور وہ منصب نبوت پر نہ ہوگا۔ کیونکہ حکم اور حکومت نبوت نبی آخر الزمان ہوگی۔ کوئی بھی نبی نہیں بن سکتا، پرانا باوجود صفت نبوت کے منصب نبوت پر نہیں رہ سکتا۔

اس سے گواہ نمبر ۳ کے فقرہ جرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو نبی ہوں گے، کی بھی شرح ہو گئی۔ نبی تو ہوں گے، صفت نبوت ان سے سلب نہ ہوگی، مگر خصوصیت زمانہ نبوی کی وجہ سے اس کا حکم زائل ہوگا۔ وہ منصب اور ڈیوٹی نبوت پر نہ ہوں گے۔ بلکہ امتی ہوں گے اور خلیفہ و مجدد۔ نیز ملا علی قاری کے ارشاد کی بھی شرح ہو گئی کہ جو صفت نبوت سے انہیں مسلوب مانتا ہے وہ کافر ہے۔ کیونکہ مسلمان تو انہیں متصف بھفت نبوت مانتے ہیں۔ ہاں! منصب نبوت پر بوجہ خصوصیت زمانہ نہیں مانتے اور خاتم النبیین کے معنی اس پیش کردہ عبارت کے آخر میں تو خود مسلمانوں کے موافق کر رہے ہیں کہ: ”ومعناہ عند العلماء انه لا یحدث بعدہ نبی“ کہ علماء کے نزدیک ”لا نبی بعدی“ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی بنایا نہ جائے گا یا نہ بنے گا۔ ”لا یحدث“ کا لفظ ہے جس کے معنی نیا بنانا یا نیا ایجاد کرنا ہوتا ہے، اس کی نفی فرما رہے ہیں۔ اسی کے (ص ۲۲۶) پر ہے: ”فہو علیہ السلام ان کان خلیفۃ فی الامۃ محمدیہ فہو رسول و نبی علی حالہ“ یعنی اس امت میں صرف خلیفہ ہوں گے، ورنہ پہلی صفت نبوت بحال ہے۔

چونکہ اس سلب نبوت کے مسئلہ کو درمیان میں متعدد جگہ چھیڑا ہے۔ لہذا اس کو میں ایک محسوس مثال سے واضح کرتا ہوں تاکہ نبی ہونے اور منصب نبوت کے حکم پر نہ ہونے کا فرق اچھی طرح واضح ہو جائے۔ ہر شخص واقف ہے کہ اگر کسی خصوصی کام یا اعانت کے واسطے سرکار نظام فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ ہمارے سرکار فرمانروائے ریاست بہاول پور حفظہ اللہ ملکہ کے حدود مملکت میں تشریف لائیں تو ظاہر ہے کہ کوئی معاملہ پڑنے پر وہ یہیں کے قوانین کے پابند ہوں اور یہاں جو کام یا سرکاری اعانت فرمائیں گے تو یہیں کے قانون کے ماتحت ہوگی۔ باوجودیکہ وہ بدستور والی ریاست دکن ہیں اور صفت سلطانیہ ان سے مسلوب نہیں ہوئی۔ مگر منصب سلطنت اور اس کی ڈیوٹی و حکمرانی بوجہ حدود سلطنت غیر بھمتی ہمارے سرکار عالی جاہ جاری نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ملک اور یہاں کا زمانہ سلطنت دوسرے کا ہے۔ یوں ہی حضرت عیسیٰ نبی ہیں۔ ان کی صفت نبوت سلب نہیں کی گئی۔ مگر ملک اور زمانہ سید المرسلین آقائے دو عالم نبی آخر الزمان کا ہے۔ پس ان کا مذہب نبوت نہ ہوگا۔ بلکہ تابع اور امتی اور مجدد اور معین شریعت و قوانین محمد ﷺ ہوں گے نہ سلب نبوت کا اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ آپ کے بعد نبی ہونے کا، نہ نیا نبی بنے گا نہ کوئی اور اس سے۔“

۳..... ”تیسری تنقیح بھی کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلوب النبوت ہو کر آئیں گے۔“

بالکل صاف ہو گیا اور مدلل بلکہ مسلم حوالوں سے اس کا قطعی جواب ہو گیا۔

۴..... چوتھی تنقیح کہ: ”کیا انہیں وحی بواسطہ جبرئیل ہوگی۔“

اس پر سلسلہ اسناد وحی نبوت، بہت کچھ بحث ہو چکی ہے اور مسلم فریقین حوالے پیش کئے جا چکے ہیں۔ صرف مسلم فریقین بزرگ امام شعرانی و امام ابن عربی کے دو مختصر فقرہ اس میں سے مکرر نقل کرتا ہوں: ”فله الکشف اذا انزل والہام کما لہذا الامۃ“

(فتوحات ج ۳ ص ۲۳۸)

یعنی گوجازا لفظ وحی بولا جائے۔ مگر اس پر صرف کشف والہام نزول کے بعد ہوگا۔ جیسا کہ اولیاء امت محمدیہ پر ہوتا ہے۔ ”ولو ان الوحي على لسان جبرئيل كان باقياً بعد محمد ﷺ لكان عيسى اذا نزل لا يحكم بشريعة محمد ﷺ وانما يحكم بشرع الذي يوحى به اليه جبرئيل“ (بواقیت بحث ۳۵ ص ۱۸۸، ۱۸۹، منقول از فتوحات باب ۲۲)

اوپر سے یہ لکھ رہے ہیں کہ وحی نبوت مکلیہ گو بند ہو چکی۔ صرف الہام باقی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پر بھی الہام ہی ہوگا اور اگر وحی بواسطہ جبرئیل بعد محمد ﷺ بالفرض باقی ہوتی تو عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول شریعت محمدیہ پر عمل نہ کرتے۔ بلکہ جبرئیل علیہ السلام کی لائی ہوئی وحی پر عمل پیرا ہوتے۔ پھر نہایت مفصل مدلل الہام عیسیٰ علیہ السلام پر اور آنحضرت ﷺ کے بعد انقطاع نزول وحی و جبرئیل پر بحث کی ہے۔

بحمد اللہ! چاروں محسین مدلل ثابت ہو گئیں اور مختار مدعا علیہ کا مسلمانوں پر بہتان اور مغالطہ آشکارا ہو گیا۔

غالباً اسے اپنے ہاں کا پتہ نہیں کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے مرزا صاحب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو نبی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اس کے متعلق مسلمانوں کی طرح عقیدہ رکھتے ہیں کہ مجازاً ہی حقیقی نہیں ملاحظہ ہو: ”ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے جس نے سمجھا ہو سمجھ لے۔“ (سراج منیر ص ۴، خزائن ج ۱۲ ص ۶)

ملاحظہ فرمائیں وہ بھی نزول کے وقت انہیں مجازی نبی باعتبار ماکان مانتے ہیں۔

## خاتم النبیین سے کیا مراد ہے؟

### آنحضرت ﷺ لفظ خاتم النبیین کے معنی کیا سمجھے؟

اس سلسلہ میں ان کے پاس ایک حوالہ بھی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کسی ایسے مشتبہ لفظ میں کی ہو، جہاں مغالطہ کی گنجائش ہو۔ الگ سے ایک غیر متعلق باربط حدیث جو خاتم النبیین کی تفسیر کے سلسلہ میں آپ نے نہیں فرمایا اور نہ وہاں لفظ خاتم النبیین ہے اور حدیث بھی سنداً متناً معناً قابل استناد نہیں، پیش کی ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانون میں حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً معنیاً کی بناء پر یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی خاتم النبیین سے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ نہ سمجھے۔

**الجواب:** اس کی صحت و سقم و مطلب کی بحث آگے آرہی ہے۔ میں عدالت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ کس قدر مغالطہ اور حق پوشی ہے کہ جہاں حضرت ﷺ نے دراصل لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کی ہے اور اس کی مراد بتائی ہے۔ اسے پوشیدہ رکھ کر جہاں اس کی تفسیر سے دور کا تعلق بھی نہیں اسے پیش کیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ لفظ خاتم النبیین سے کیا سمجھے اور مخصوص اسی لفظ کی کیا تفسیر فرمائی۔ یہ گواہان مدعا علیہ کے بیان میں مفصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تفسیر لفظ خاتم النبیین۔

۱..... ”ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی“ یعنی میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا۔ (بخاری و مسلم)

۲..... ”لا تقوم الساعة حتى تبعث دجالون کذابون کلہم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی“

(ابوداؤد و ترمذی گواہ مدعیہ نمبر ۲)

یعنی قیامت نہ آئے گی جب تک بہت سے دجال و کذاب نہ آئیں جن سب کا یہ دعویٰ وزعم ہوگا کہ وہ نبی ہیں۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ ”لا نبی بعدی“ میرے بعد کسی قسم کا کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا۔

۳..... (بخاری ج اول ص ۱۵۰ اور مسلم ج ۲ ص ۲۳۸) پر ایک محل کی محسوس مثال سے اس کی حقیقت کو سمجھایا اور اپنے آپ کو خاتم النبیین بمعنی اس نامکمل محل کی آخری اینٹ قرار دیا کہ: ”فانا اللبنة وانا خاتم النبیین“

ملاحظہ فرمائیں کہ خاتم النبیین کے لفظ سے آنحضرت ﷺ ”لا نبی بعدی“ بلا کسی قسم کی تخصیص کے سمجھ رہے ہیں کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہ ہوگا۔ اب اگر کوئی تخصیص کرے تو یقیناً وہ بقول مرزا صاحب بے دین و شریر ہوگا۔ ملاحظہ ہو (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳)

### مرزا صاحب کی اس پر مہر تصدیق

مرزا صاحب بھی ۱۹۰۱ء سے قبل جب کہ دعویٰ نبوت نہ تھا۔ یہی ”لا نبی بعدی“ آنحضرت ﷺ کی تفسیر اور اسی عمومی نفی کے معنی میں قرار دیتے تھے اور کسی قسم کی تخصیص کرنا شرارت بتاتے تھے۔ ملاحظہ ہو: ”لیکن ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا شرارت ہے نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث ”لا نبی بعدی“ میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرأت ہے اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ و قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جاوے اور خاتم النبیین کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جاوے اور بعد اس کے جو جی نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جاوے۔“

(ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳)

اب کسی امتی کو حق نہیں کہ: ”لا نبی بعدی“ میں اس کے نبی تو نفی عام کہتے ہیں اور وہ کسی قسم کی تخصیص کرے۔ ”یا لافسی! آیا علی لا سیف الا ذوالفقار یا اذا هلک کسری فلا کسری بعدہ“ وغیرہ! کی آڑ لے۔ ورنہ اپنے نبی کے فتویٰ کی رو سے شریر گستاخ خیالات رکیکہ کی پیروی کرنے والا عمداً نصوص صریحہ قرآنہ کو چھوڑنے والا ٹھہرے گا۔

۲..... اب آنحضرت ﷺ کے اس واضح فیصلہ اور کھلی ہوئی خاتم النبیین کی تفسیر کے بعد اس سے روگردانی کرنا کسی مؤمن مسلمان کا کام نہیں بلکہ کافر اور گمراہ ہوگا جو اس فیصلہ سے روگردانی کرے۔

”قال الله تعالى 'ما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضلّ ضلالاً مبيناً (الاحزاب: ۳۶)“

حدیث: ”لو عاش ابراهيم لكان صديقاً نبياً“

اگرچہ اس حدیث کا تفسیر لفظ خاتم النبیین سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں۔ جیسے کہ اوپر عرض کر چکا۔ مگر مختار مدعا علیہ کے پاس صرف یہی ایک مجروح اور ضعیف حدیث کے نام پر ہے جس کی وجہ سے نہ صرف صحیح بلکہ اصح الصحاح بخاری و مسلم نیز دیگر صحاح ستہ وغیرہ کی کثیر التعداد صحیح اور واضح احادیث رد کی جاتی ہیں اور مرزا صاحب کی بے جا حمایت میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات صحیحہ و واضحہ کی توہین اور غلط تاویلات کر کے تحریف کی جاتی ہے۔ لہذا اس کے متعلق کچھ تفصیل سے گزارش کرتا ہوں اور ان کے استدلال اور اپنے جواب کا خلاصہ عدالت کے اولاد ہن نشین کراتا ہوں تاکہ جو ابی بحث کی تاویلات رکیکہ سمجھنے میں سہولت ہو اور واضح ہو جائے کہ جواب تو بن نہ آیا پہلو بچا کر مغالطہ دینے کی ناکام و لا حاصل سعی کی جو مدعی علم کی شایان شان نہ تھی۔

مختار مدعا علیہ کے استدلال کا خلاصہ

(ابن ماجہ گواہ مدعا علیہ نمبر اول)

”لو عاش ابراهيم لكان صديقاً نبياً“

۱..... اگر نبوت ختم ہو چکی تھی تو اس میں فضیلت ہی کیا تھی، بلکہ لغو تھا۔ پھر نبی، اے، ایف، اے، ایم، اے کی مثالیں دیں۔ ملاحظہ ہو گواہ  
نمبر ۲، مدعا علیہ۔

۲..... نبی کی اولاد کا نبی ہونا ضروری نہیں، لہذا اسے نبوت کا اجراء بتانا تھا۔

۳..... خدا کو ایسا ڈرتھا تو پیدا ہی نہ کرتا۔

## حدیث کی تصحیح

۱..... شہاب علی البیضاوی نے صحیح کہا۔

۲..... ملا علی قاری نے موضوعات میں کہا۔

**الجواب:** ہمارے مفصل جواب کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ حدیث باعتبار سند اور اصول حدیث کے ضعیف غیر قابل احتجاج، باعتبار متن اور الفاظ کے امکان کے واسطے نص قطعی نہیں، باعتبار صحیح معنی کے مرزا صاحب کے مریدین کے خلاف اور مسلمانوں کے موافق ہے۔

۱..... سند حدیث: یہ حدیث دو طرح نقل کی جاتی ہے۔ ”لو عاش ابراہم لکان صدیقاً نبیا“ یہ تو بالکل حدیث ہی نہیں۔ علامہ شوکانی نے (فوائد مجموعہ فی بیان احادیث الموضوعہ ص ۱۳۴) پر لکھا ہے کہ: ”قال السنوی ما روی عن بعض المتقدمین لو عاش ابراہیم فباطل وجسارۃ علی الغیب وقال ابن عبد البر لا ادری ما هذا ولد نوح غیر نبی“

نوی فرماتے ہیں کہ بعض متقدمین سے جو لو عاش ابراہیم مروی ہے۔ یہ باطل ہے اور غیب پر جسارت ہے۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا یہ کیا ہے، کیونکہ نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی نہیں تھا۔ بہر حال ان الفاظ میں حدیث ہی نہیں۔ باقی روایت ابن ماجہ ”لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً“

اس میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہے جس کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کا فیصلہ فن جرح و تعدیل کی مسلم کتاب میں حسب ذیل ہے۔  
۱..... میزان الاعتدال علامہ حافظ شمس الدین ذہبی یہ جرح کی کتاب ہے جسے ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں گواہ نمبر تسلیم کر چکا ہے کہ یفن جرح کی کتاب ہے۔ یہ راوی ثقہ (یعنی قابل اعتبار) نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ضعیف ہے۔ امام بخاری نے اس سے سکوت اختیار کیا۔ امام مسلم فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے جس کی حدیثیں ترک کر دی گئیں۔ (تقریب التہذیب ص ۱۲) میں بھی یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث۔ (۲) (مدارج النجۃ ج ۲ ص ۲۶۷) اس کے متعلق سخت جرح منقول ہے۔

۳..... تہذیب التہذیب میں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ راوی منکر حدیث ہے (جس کی بات ثقہ کے مقابل بالکل غیر معتبر ہے) امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ضعیف الحدیث۔ ائمہ حدیث نے اس سے اعراض کیا ہے اور اس کی حدیثیں ترک کر دی ہیں۔

۴..... وہیں ابن ماجہ کے بین السطور میں لکھا ہے کہ: ”یہ راوی ناقابل اعتبار ہے۔“

اب امام بخاری، امام مسلم، امام جرح و تعدیل یحییٰ ابن معین، امام احمد ابن حنبل۔ امام بخاری امیر المؤمنین فی الحدیث فرماتے ہیں: امام ترمذی، امام ابو حاتم جیسے جلیل القدر ائمہ کے قطعی فیصلہ کے بعد ماوشما اور شہاب علی البیضاوی۔ جیسے لاکھ بلکہ کروڑ آدمی اس حدیث کو صحیح ثابت کرنا چاہیں، صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مرزا صاحب کی (برکات الدعا حاشیہ ص ۱۲، خزائن ج ۶ ص ۱۵) سے پیش کر چکا ہوں کہ: ”ہر ایک فن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔“ ملاحظہ ہو جرح ۸ مارچ ۱۹۳۳ء

اور امام یحییٰ ابن معین کا امام فن جرح و تعدیل اور بڑا محدث ہونا، میزان الاعتدال کا فن جرح و تعدیل کی کتاب ہونا گواہ نمبر ۱ کو مسلم ہے۔ ملاحظہ ہو جرح ۸ مارچ ۱۹۳۳ء اور شہاب کے متعلق جب گواہ سے ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کو پوچھا گیا کہ وہ امام جرح و تعدیل یا محدث ہیں تو جواب دیا کہ مفسر ہیں، امام حدیث نہیں۔ لہذا ان کی رائے تفسیر میں قابل لحاظ ہو تو ہو، حدیث کے متعلق محض بیکار قابل رد ہے۔ خصوصاً ائمہ حدیث اور امام جرح و تعدیل کے فیصلہ کے مقابل۔ لہذا یہ حدیث نہ صرف مجروح بلکہ شدید ترین جرح سے پر ہے اور مجروح حدیث عقائد میں کجا، اعمال میں بھی حجت نہیں بلکہ غیر معتبر ہوتی ہے۔ مختار مدعا علیہ کے اطمینان خاطر کے واسطے ان کے نبی کا فیصلہ پیش ہے کہ: ”حدیث بشرطیکہ جرح سے خالی ہو معتبر ہوگی۔“

اور یہ حدیث جرح سے خالی نہیں۔ لہذا بالاتفاق غیر معتبر ہوگی۔

اس کے متعلق مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ

مختار مدعا علیہ سے اس علمی بحث کا جواب ناممکن تھا۔ نہایت اضطراب کا اس کی تاویلات میں ثبوت دیا ہے۔

### خلاصہ تاویلات

- ۱..... میزان میں لکھا ہے کہ وہ قاضی تھے اور منصف قاضی بھی ہوں گے اور ایسا شخص قاضی کیسے ہو سکتا ہے۔
- ۲..... شعبہ نے ایک مخصوص روایت کی وجہ سے انہیں جھوٹا قرار دیا۔
- ۳..... شعبہ کی تکذیب کا منصف میزان الاعتدال نے خود رد کیا ہے۔
- ۵..... ابن معین نے اس کا عادل ہونا یزید بن ہارون سے نقل کیا ہے۔
- ۶..... وہ قاضی تھے اور فیصلہ کرتے وقت کسی کی رعایت نہ کرتے ہوں گے اس لئے مخالفوں نے انہیں بدنام کیا۔
- ۷..... اس حدیث کی تصحیح بڑے بڑے علماء نے کی ہے۔ جیسے شہاب علی البیضاوی۔
- ۸..... مختار مدعیہ اصل میں شہاب سے ناواقف ہے۔ ان کا یہ نام ہے یہ تصانیف ہیں۔
- ۹..... ملا علی قاری نے (موضوعات کبیرہ ص ۵۹) پر لکھا ہے یہ حدیث موضوع نہیں، بلکہ صحیح ہے۔
- ۱۰..... مرقات میں ملا علی قاری نے اس پر بحث کی ہے اور ابن حجر کا قول نووی کی تردید میں نقل کیا ہے۔
- ۱۱..... ابن ابی اوفی کا قول اس کی صحت کی دلیل ہے۔
- ۱۲..... ان ائمہ کو یقین نہیں جب ہی تو مختلف الفاظ کہے۔

الجواب: اجمالی جواب: عدالت خود مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ ملاحظہ فرمालے۔ کیا ان ائمہ محدثین اور امام جرح و تعدیل کے واضح فیصلوں کے بعد یہ تاویلات اور انکلیں جو مختار مدعا علیہ نے پیش کی ہیں وہ ذرہ برابر بھی قابل التفات ہیں جن میں ایک ثبوت بھی اس کے معتبر ہونے کا کسی مسلم امام جرح و تعدیل سے نہ پیش کر سکا۔ گولہ حسب عادت بہت ہی سخت اور درشت کیا۔

### مفصل و مرتب جواب

۱..... قاضی ہے اور عادل ہوں گے اور ایسا شخص کیسے عادل ہو سکتا ہے۔

یہ عجیب و غریب مضحکہ خیز جواب ہے۔ قاضی ہونے سے توثیق کیا ہوگی۔ وہی علامہ ذہبی جنہوں نے قاضی ہونا لکھا ہے (اور عادل ہونا بھی مختار مدعا علیہ کی طبع زاد تصنیف ہے) انہیں علامہ نے خود اور تمام بڑے بڑے اکابر ائمہ حدیث و جرح و تعدیل سے غیر ثقہ، متروک

الحدیث، ضعیف اور منکر الحدیث وغیرہ نقل کیا ہے اور یہی قطعی فیصلہ قرار دیا ہے۔ کیا انہیں قاضی ہونا معلوم نہ تھا۔ پھر قاضی کیا قاضی بنانے والے حاکم اور سلطان تک غیر ثقہ ہوتے ہیں۔ کوئی ان میں سے کسی امام سے توثیق نقل کرتے تو تھا بھی یہ تو اور اپنے عجز اور پریشانی واضطراب کی دلیل ہے۔

۲..... شعبہ نے ایک مخصوص روایت کی وجہ سے انہیں جھوٹا قرار دیا۔

**الجواب:** شعبہ سے ہم نے نقل نہیں کیا، نہ جھوٹا ہونا یہ ائمہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہا جاسکے کہ یہ شعبہ کی تقلید میں کہتے ہیں نہ شعبہ کے مقلد و پیرو ہیں۔ یہ ائمہ مستقل اپنی تحقیقات سے اسے ضعیف، منکر الحدیث، متروک وغیرہ لکھ رہے ہیں، نہ کسی مخصوص روایت کی وجہ سے بلکہ مطلقاً اور نقل کرنے والے امام یحییٰ ابن معین، امام احمد ابن حنبل، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی۔ وغیرہ! جیسے تعجب ہے کہ مختار مد عالیہ ان ائمہ کی تحقیق کی اصلاح کر رہا ہے۔

اور شاید انہیں بھی علم حدیث سے ناواقف بے بہرہ خیال کر رہا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ علم حدیث کی وہ مایہ ناز ہستیاں ہیں کہ جن کے متفقہ فیصلہ کے بعد تمام دنیا کے علماء مل کر اسے صحیح قابل اسناد ثابت نہ کر سکیں گے۔

۳..... ابن معین نے اس کا عادل ہونا یزید بن ہارون سے نقل کیا ہے۔

**الجواب:** مگر نقل کر کے اسی کی تردید میں ان ائمہ اور اعیان علم حدیث کے فیصلے پیش کئے ہیں۔

مختار مد عالیہ کسی ناواقف کو مغالطہ دیتا تو تھا بھی اور کسی اجنبی نادر کتاب کا ہوتا تو شاید کامیاب ہو جاتا۔

اللہ اللہ یزید بن ہارون کا مقابلہ یحییٰ ابن معین، امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد بن حنبل، امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ سے بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بوالہجی ست۔

۵..... وہ قاضی ہیں اور فیصلہ کرتے وقت کسی کی رعایت نہ کرتے ہوں گے۔ اس لئے مخالفوں نے انہیں بدنام کیا۔

**الجواب:** اس قدر برا احتمال اور لغو تاویل ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اول تو یہ مختار مد عالیہ کو خود ساختہ انکل ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ دوسرے اس کے معنی نعوذ باللہ! یہ ہوئے کہ امام بخاری اور امام مسلم اور امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل امیر المومنین فی الحدیث، امام ترمذی، امام نسائی جیسے بزرگ بھی قابل اعتبار نہیں کہ انہوں نے محض ذاتی کاوش کی وجہ سے کہ وہ قاضی صاحب حق فیصلہ کرتے تھے۔ دشمنی سے انہیں بدنام کیا۔ اس میں صراحتہ ان کی دیانت اور امانت پر جو حملہ ہے وہ عدالت پر پوشیدہ نہیں۔ انہیں پتہ نہیں کہ وہ قاضی عادل ہی نہ تھے۔ اس وجہ سے محدثین نے انہیں غیر ثقہ کہا۔ غیر ثقہ کبھی عادل ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ حق بجانب فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ نمبر ۵ جواب ایسا اچھوتا ہے کہ تیرہ سو سال بھی کسی مصنف مؤرخ کو تو کیا چکلڑ الویوں کو نہ سوچھا۔

۶..... ابن عدی انہیں معتبر کہتے ہیں۔ (قابل مراجعت میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۰)

اسی جگہ میزان الاعتدال میں اس کی تردید میں تمام مسلم ائمہ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل امیر المومنین فی الحدیث جیسوں کا فیصلہ موجود ہے۔ اس قسم کے مغالطے یہاں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ کہاں ابن عدی اور کہاں امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی امیر المومنین فی الحدیث امام احمد بن حنبل کے متعلق محدثین فرماتے ہیں کہ جیسے وہ کہہ دیں کہ یہ حدیث نہیں، وہ حدیث ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم نے تو متفقہ فیصلہ پیش کیا ہے صرف کسی شخص کا قول نہیں۔

۷..... اس حدیث کی تصحیح بڑے بڑے علماء نے کی ہے جیسے شہاب علی الیغدادی۔



**الجواب:** ماشاء اللہ شہاب علی البیضاوی بڑے محدث ہیں جن کے متعلق جب گواہ مدعا علیہ سے ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں پوچھا گیا کہ شہاب کوئی امام جرح و تعدیل یا کوئی بڑے محدث ہیں تو جواب دیا کہ: ”مفسر ہیں، امام نہیں۔“

نہیں معلوم وہی گواہ نمبر مختار ہونے کی حیثیت میں اپنا وہ اقرار کیوں بھول گیا۔ جب وہ مفسر ہیں، امام حدیث نہیں تو ان کا فیصلہ ائمہ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد بن حنبل جیسے بزرگوں کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتا ہے۔ ایک شہاب کیا کروڑوں شہاب اور تمام مفسرین لرح حدیث کے متعلق ایک فیصلہ دیں اور یہ ائمہ حدیث جو اس فن کے مسلم امام ہیں۔ اس کے خلاف کریں تو انہی کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ غالباً مختار مدعا علیہ یہ بھی بھول گیا ہے کہ خود ان کے نبی کا یہ فیصلہ ہے کہ ہر ایک فن میں اس شخص کی شہادت معتبر سمجھی جاتی ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ (برکات الدعا حاشیہ ص ۱۲، خزائن ج ۶ ص ۱۵)

۸..... اور غالباً مختار مدعا علیہ اپنا بیان بھی فراموش کر چکا ہے جس میں مفسرین کے متعلق ایک مستقل ہیڈنگ ہے کہ جس کے چند فقرات درج ذیل ہیں: ”یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ مفسرین کے اقوال کو بلا سوچے سمجھے من و عن تسلیم کر لیا جائے اور جو کچھ وہ اپنے خیال و عقیدہ کے ماتحت لکھ گئے ہیں، اسے حرف بحرف مان لیا جائے۔“

”محققین کی تفسیریں عمدہ اور ردی دونوں باتوں سے پر ہیں۔“

”پس مفسرین کے اقوال پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ!“

مگر چونکہ تنخواہ دار مرزا صاحب کے ملازم ہیں جب کہ ان کی طرف داری مفسرین کے غیر معتبر بنانے میں ہوئی۔ غیر معتبر کہہ دیا، معتبر کہتے طرف داری نکلتی تھی۔ اب یہ کہنے لگے نہ یہ صحیح نہ وہ۔

تعب ہے کہ وہ مفسر ہیں۔ ان کا مفسر ہونا مختار مدعا علیہ اور گواہ کو بھی مسلم مگر تفسیر میں وہ ناقابل اعتبار اور باوجودیکہ امام حدیث نہیں۔ پھر بھی حدیث کے متعلق ان کی رائے تمام چوٹی کے ائمہ حدیث کے فیصلہ کے خلاف معتبر۔

۸..... مختار مدعیہ اصل میں شہاب سے ناواقف ہے، اس کا یہ نام ہے یہ تصنیفیں ہیں۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ نے واقفیت کا کیا ثبوت دیا۔ ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں انہیں صرف مفسر مانا ہے۔ امام حدیث نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ اس کے بعد نام و پتہ سے کیا کام چلتا ہے۔ جب کہ اسے بحیثیت گواہ اس فن میں ماہر ہونا مسلم ہے۔ پس ان کی رائے اس فن میں کیونکر معتبر ہوگی۔ خصوصاً ائمہ دین کے خلاف۔

۹..... ملا علی قاری نے (موضوعات کبیر ص ۵۹) پر لکھا کہ: ”یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے۔“

**الجواب:**

۱..... مختار مدعا علیہ نے اپنی جرح اور شہادت کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور آج اس کے خلاف بحث کر رہا ہے۔ انہیں ملا علی کی نسبت ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کو جرح میں اس سوال کے جواب میں کہ کیا ملا علی قاری حافظ حدیث یا امام جرح و تعدیل ہیں۔ یہ تسلیم کر چکا ہے کہ: ”ملا علی قاری حافظ حدیث اصطلاحاً نہیں اور اصطلاحاً امام جرح و تعدیل کے بھی نہیں۔“

پس حافظ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل کے مقابلے میں ان کی رائے کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی۔

۲..... ملا علی قاری نے کہیں بھی موضوعات میں یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ محض مختار مدعا علیہ کا ان پر افتراء اور بہتان ہے۔ ان کی اصلی عبارت اس حدیث کے متعلق اسی صفحہ سے یعنی وہی نقل کرتا ہوں: ”وقد اخرج ابن ماجہ وغیرہ من حدیث ابن عباس قال لما مات ابراهیم ابن النبی ﷺ قال انه له مرضعاً فی الجنة ولو عاش ابراهیم لکان صدیقاً نبیاً ولو عاش لا عقت

اخواله من القبط وما استرق قبطن الا ان في سنده ابا شيبه ابراهيم بن عثمان الواسطي وهو ضعيف ولكن له طرق ثلاثة يقوى بعضها ببعض“ (ابن ماجہ)

یعنی ابن ماجہ اور اس کے علاوہ دوسروں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہے جو ضعیف ہے۔ ہاں! اس کے تین طریقے ہیں جو بعض بعض سے مل کر فی الجملہ قوی ہو جائیں گے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ نہ صرف ابن ماجہ بلکہ اس کے سوائے دوسری سندیں بحالہ ہیں اور اس لئے اخرج ابن ماجہ کے ساتھ وغیرہ کا لفظ اضافہ کیا کہ ابن ماجہ اور اس کے سوائے دوسروں نے جو حدیث نقل کی ہے۔ سب کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم راوی ہے جو ضعیف ہے۔ صحیح یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ نہیں۔ آخر میں یہ فرمادیا کہ اس کے صرف تین طریقے ہیں جو سب مل کر فی الجملہ کچھ ہوں گے۔ یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ نحض باطل اور موضوع خود ساختہ نہیں، باقی صحیح ہونا تو نہ نکلا۔ جب کہ ہر سند میں وہ ضعیف راوی موجود ہے اور اس کے ضعف کا ملّا علی قاری نے کوئی بھی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اسے دفع کیا۔ ۸/مارچ ۱۹۳۳ء کو گواہ نمبر ۱ نے بجواب جرح تسلیم کر لیا ہے کہ اس کتاب میں راوی کے ضعف دفع کرنے کے متعلق کوئی بحث نہیں کی ہے۔ پھر وہ تینوں اخرج ابن ماجہ وغیرہ اور سب میں وہ ضعیف راوی موجود ہے۔ اس راوی کے علاوہ کوئی بھی اس کا طریقہ نہ موضوعات کبیر میں ہے نہ کہیں اور پتہ ہے۔ جیسا کہ گواہ نمبر ۱ نے ۸/مارچ ۱۹۳۳ء میں بجواب جرح خود تسلیم کیا ہے۔

پس یہ مختار مدعا علیہ کا اپنی شہادت اور جرح کے خلاف ملّا علی قاری پر صریح بہتان اور افتراء ہے اور کہیں بھی انہوں نے غیر ضعیف یا صحیح نہیں فرمایا۔

۱۰..... مرقاۃ میں ملّا علی قاری نے اس پر بحث کی ہے اور ابن حجر کا قول نووی کی تردید میں نقل کیا ہے۔

وہاں مرقاۃ میں جس حدیث کی بحث ہے اور جسے امام نووی باطل قرار دے رہے ہیں۔ وہ یہ حدیث نہیں: ”ولو عاش ابراهيم لكان صديقاً نبياً“ بلکہ وہ ان الفاظ کی حدیث ہے کہ: ”لو كان ابراهيم حيا لكان نبياً“ صرف ان الفاظ کی حدیث پر بحث ہے۔ مکرر مرقاۃ کا مطالعہ فرمائیں۔ نیز انہیں الفاظ: ”لو عاش ابراهيم لكان نبياً“ کے متعلق امام نووی سے (مرقاۃ موضوعات کبیر ص ۵۸، فوائد مجموعہ ص ۱۲۲) پر یہی منقول ہے کہ حدیث: ”لو عاش ابراهيم لكان نبياً قال النووي في تهذيبه هذا حديث باطل وجسارت على الكلام بالمغيبات مجاذفة وهجوم على عظيم وقال ابن عبد البر لا ادري ما هذا“ اس کے بعد ہے۔ قال ابن حجر ابن حجر مکی اس حدیث کے متعلق نووی کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ مگر ملّا علی قاری ابن حجر مکی کی تردید اور نووی کی تائید کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

مختار مدعا علیہ اور اس کے گواہوں کی مسلم کتاب (موضوعات کبیر پنجہائی ص ۵۸)

”واما قول ابن حجر المکی فیعید جدا ان لا یفہم الا مامان الجلیلان مثل هذه المقدمة..... الخ!“ کہ ابن حجر مکی یہ تردید بہت ہی بعید از عقل ہے کہ اتنے بڑے بڑے امام، امام نووی اور امام ابن عبد البر جیسے محدثین یہ معاملہ نہ سمجھیں۔ بہر حال ابن حجر کے قول کو موضوعات میں رد کیا ہے۔ نیز ثابت ماننے کے بعد ہی اس حدیث کے متعلق نہیں بلکہ وہ حدیث ہے کہ جس کو میں نے شروع بحث میں لکھا ہے۔ اس تنازعہ فیہ حدیث کے وہی تین طرق سب نے حتیٰ کہ ابن حجر نے نقل کئے ہیں اور سب میں وہی ضعیف راوی ہے اور حدیث کی تصحیح کسی امام نے نہیں کی۔ بہر حال یہ مغالطہ بھی بے سود رہا۔

۱۱..... ابن ابی اوفی کا قول اس کی صحت کی دلیل ہے۔

**الجواب:** اسی جواب بحث میں اسی شبہ کے بعد تیسرے شبہ کا بیان ایک ہیڈنگ قائم کر کے خود مختار مدعا علیہ نے لکھا ہے کہ یہ فہم صحابی ہے اور علم حدیث سے واقف شخص پر مخفی نہیں کہ فہم صحابی حجت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا قول حجت ہو سکتا ہے جب کہ اس کے مخالف صحابی کا قول موجود ہے۔ کیونکہ صحابی فہم قرآن اور حدیث میں غلطی کر سکتا ہے۔

پس اس کے بعد مختار مدعا علیہ کو ابن ابی اوفی کے قول کو صحت حدیث کی تائید بتانے کا کون سا حق رہتا ہے۔ یہ محض بے سود ہے۔ دوسرے وہاں اس حدیث یا اس کے الفاظ تک کا پتہ نہیں۔ وہاں تو وہ ایک اپنی رائے اور اپنا فیصلہ فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو

(بخاری شریف ج ۲ ص ۹۱۳ ہاشمی)

”حدثنا اسماعيل قال قلت لابن ابى اوفى ارئيت ابراهيم ابن النبی ﷺ قال مات صغيراً ولو قضی ان يكون بعد محمد ﷺ نبي عاش ابنه ولكن لا نبي بعده“، یعنی اسماعیل تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی صحابی سے پوچھا کہ آپ نے ابراہیم صاحبزادہ نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ فرمایا: ہاں! صغریٰ میں وہ فوت ہو گئے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں بعد محمد ﷺ کسی بھی نبی کا ہو سکتا ہوتا تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے، مگر فیصلہ یہ ہے کہ ”لا نبي بعدی“ آپ کے بعد کوئی بھی کسی قسم نبی نہیں ہو سکتا۔

عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ یہاں اس حدیث: ”لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبياً“ کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ بلکہ تمام اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کو کچھ بھی فرمان منقول نہیں۔ یہ بھی مختار مدعا علیہ کا مغالطہ اور صریح بہتان ہے۔

۱۲..... ان ائمہ کو بھی یقین نہیں جب ہی تو مختلف الفاظ لکھے۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ جو چاہے دیدہ و دانستہ الزام لگائے۔ یہ تاویل ہی مضحکہ خیز ہے ایک امام سے بھی متضاد امور منقول نہیں، نہ آپس میں کوئی تعارض ہے۔ مختلف عیوب ہیں۔ مختلف ائمہ نقل کرتے ہیں۔ جیسے کسی کے متعلق ایک کہے کہ جھوٹا ہے۔ دوسرا کہے دعا باز ہے۔ تیسرا کہے سود خور ہے۔ چوتھا کہے بے نمازی ہے۔ ان میں کوئی تعارض نہیں بلکہ وہ شخص اور بھی بے اعتبار ہو جائے گا۔

یوں ہی اس راوی کے متعلق ایک امام کی رائے ہے کہ وہ ثقہ نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔ امام مسلم متروک الحدیث، امام ترمذی منکر الحدیث کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

پس اتنے محقق عیوب اور ضعف کے بعد وہ معتبر کیونکر ہو سکتا ہے۔

بحمد اللہ! ان تمام تاویلات و رکیکے کا جواب ہو گیا اور روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حدیث نہایت مجروح ہے جو کسی طرح معتبر اور قابل استناد اور حجت نہیں۔ چر جائے کہ صحیح احادیث کا مقابلہ اس سے کیا جاوے۔

یہ مختار مدعا علیہ کے دوسرے شبہ کا جواب ہے جو سند کے متعلق تھا۔

حدیث مذکورہ بالا باعتبار متن اور الفاظ حدیث کے بھی اپنے مدعا کے اثبات میں نص قطعی نہیں۔ پس ایسی دور از کار تاویلات و رکیکے سے ایک محتمل وہ بھی غیر معقول اور خلاف منقول معنی لے کر قطعیت کے ذخیرہ اور نصوص کو کس طرح رد کیا جاسکتا ہے اور صریح قطعی آیات و احادیث صحیحہ واضحہ اور اجماع خلف و سلف کے خلاف ایک جدید کفر کی اس ضعیف آڑ سے بنیاد ڈالنا کہاں کی دیانت ہے۔ اس حدیث سے مختار مدعا علیہ نے آنحضرت ﷺ کے بعد قطعی طور پر امکان نبوت ثابت کرنا ہے۔ مگر اس کے متن میں لفظ (لو) موجود ہے اور اس کے قرآن پاک سے متعدد حوالہ پیش کر کے گواہ نمبر ۱ سے ۸ مارچ ۱۹۳۳ء میں سوال کیا گیا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ لو جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ اکثر وقوع نہیں ہوتا۔

اس طرح دوسرا گواہ بھی اس کے فرضی طور پر استعمال کو مؤید ہے۔ لہذا ایمان ایک فرضی صورت ہے جس سے امکان یا وقوع مقصود نہیں۔ قرآن پاک اور احادیث میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی اور اگر یہاں ”لو عاش ابواہیم..... الخ!“ سے امکان نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ مختار مدعا علیہ کے طرز پر لیا جاوے تو یہ آیت: ”لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدنا“ میں خدا کے سوا اور دوسرے معبودان کا بھی امکان نکل آئے گا۔ اگر یہ عذر کیا جاوے کہ دوسرے دلائل توحید واضح اور قطعی موجود ہے تو ادھر بھی گزارش ہے کہ ختم نبوت کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ اس قدر موجود ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے۔ ایک لمحہ کے واسطے کوئی مسلمان بعد آنحضرت ﷺ امکان نبوت کا قائل نہیں ہو سکتا اور ایسے لفظ سے جو عموماً اور اکثر فرضی طور پر استعمال ہوتا ہے۔ امکان کے معنی تمام قرآن و حدیث و اجماع کے خلاف لینا درست نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ محض فرضی ہے۔ امکان میں نص نہیں۔ بخلاف ”لا نبی بعدی“ وغیرہ کے جو امتناع کے واسطے نص قطعی ہیں اور مرزا صاحب کو بھی قبل دعویٰ مسلم ہیں۔ پس یہ امکان نبوت بعد آنحضرت ﷺ کے کسی طرح دلیل نہیں ہو سکتی۔ مفصل اصل بحث ملاحظہ ہو۔

### تاویلات مختار مدعا علیہ

خلاصہ تاویلات جن کو پہلے شبہ کا جواب کا عنوان دے کر جوابی بحث میں لکھا ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں:

۱..... یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ بلکہ جیسے ”لو انہم صبروا الآیة لو عاش لعنقت..... الخ!“ میں ہے۔

۲..... مقام مدح میں محال اور ناممکن الوقوع شے سے فضیلت کا اظہار عبرت نہیں۔ جیسے ایک ایف۔ اے پاس شدہ کی وفات پر کہا جائے کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ضرور بی۔ اے پاس کر لیتا۔ اس سے ہر عاقل و فرزانہ یہ سمجھے گا کہ بی۔ اے کوئی درجہ ہے۔ جیسے وفات شدہ طالب علم بوجہ موت حاصل نہ کر سکا۔ نہ یہ کہ بی۔ اے کوئی درجہ نہیں، اس کا حصول ناممکن ہے۔

۳..... یہ کیا ضرورت ہے کہ نبی کی اولاد بھی ضرور نبی ہو کہ ان کی وفات کی علت نبی نہ ہو سکتا قرار دیا جاوے۔

۴..... اگر یہی وجہ وفات کی تھی تو ان کو پہلے سے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ انہیں اس ڈر سے مارنا پڑا کہ کہیں نبی ہو جاوے۔  
الجواب: اولاً ہم اس حدیث کو صحیح تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہ جواب تو آپ کے اصول پر صحیح تسلیم کر کے پیش کیا گیا ہے تاکہ مغالطہ نہ ہو۔ دوسرے مفصل و مرتب جواب یہ ہے کہ تاویل نمبر ایہ قاعدہ کلیہ نہیں..... الخ!

الجواب: کلیہ نہ سہی اکثر یہ تو مختار مدعا علیہ کو بھی بحیثیت گواہ مدعا علیہ مسلم ہے۔ لہذا جب کہ عدم امکان احتمال اکثر یہ پیدا ہو گیا تو یہ مدعا کے واسطے ناطق اور نص صریح نہ ہوا۔ کیونکہ یہاں تو احتمال اکثر ہی موجود ہے۔ ادنیٰ احتمال بھی استدلال کو باطل کر دیتا ہے کہ: ”اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“ احتمال پیدا ہونے سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ پھر یہ احتمال نہ اکثر یہ احتمال ہے، بلکہ قرآن پاک، احادیث صحیحہ، اقوال سلف و خلف، بلکہ اجماع امت کی اس کے ساتھ تائید موجود ہے۔ پس ایک آدمی مثال میں وقوع بھی مان لیں تو بھی استدلال اور اثبات مدعی میں نص نہیں ہو سکتا۔ یہی ہمارا مدعا تھا جو اب بن نہ آیا۔ مغالطہ ہی کی ناکام سعی شروع کر دی۔

۲..... مقام مدح میں محال اور ناممکن الحصول شے سے فضیلت کا اظہار عبرت ہے..... الخ!

سبحان اللہ! غالباً علم معانی و بلاغت کے خلاف دانستہ یہ بات مختار مدعا علیہ نے کہہ دی ہے۔ اس میں نہ تو صرف مدح بلکہ کمال مدح ہے کہ مدوح کے اندر وہ کمالات و دبیحہ تھے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو سب کچھ انسانی فضائل حتیٰ کہ ناممکن حصول فضیلت بھی حاصل کر لیتے جس کا اب حاصل کرنا ناممکن ہے۔ مثال کے لئے اسی منتہی کا قول پیش ہے جس سے مختار مدعا علیہ نے بحیثیت گواہ استناد کیا ہے اور دلیل میں لایا ہے:

لو طائر ذو حافر قبلہا

لطار و لکنہا لم یطیر

کہ اگر ناپوں والا جانور اڑسکتا تو یہ بھی گھوڑا اڑتا۔ مگر ناپوں والا اڑ نہیں کرتا۔ دیکھئے مقام مدح میں مبالغہ فی المدح کے واسطے ناممکن الحصول فضیلت پیش کی ہے۔

معانی کے کتب کا مطالعہ فرمایا جائے۔ بے شمار امثلہ اس قسم کے موجود ہیں۔ بخوف طوالت ذکر نہیں کرتا۔ اسی قبیل سے آنحضرت ﷺ کا فاروق اعظم ﷺ کی فضیلت میں ”لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب“ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔ حالانکہ ”لا نبی بعدی“ سے ہر قسم کی نبوت ملنے کا دروزہ بند ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث میں متعدد مثالیں موجود ہیں جنہیں بخوف طوالت ذکر نہیں کرتا اور نہ یہ جواب میری بحث کے مطالعہ کے بعد قابل التفات ہی رہتا ہے۔

میں نے بجز اس جیسی ایک مثال شعر سے اور ایک مسلم فریقین صحیح حدیث پیش کر دی ہے۔ باقی یہ کہنا کہ ایف۔ اے پاس شدہ کی موت پر یہ کہا جائے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور بی۔ اے پاس کرتا۔ اس لئے اس درجہ کے حصول کا امکان پایا جاتا ہے۔

اولاً تو سابق جواب اس کے واسطے کافی ہے۔ مزید وضاحت کے واسطے مختصراً گزارش ہے کہ اس تعبیر میں اس کی استعداد بی۔ اے پاس کر سکنے کا اعتراف ہے کہ اگر زندہ رہتا تو اس کی استعداد بی۔ اے پاس کرنے کی تھی۔ ہاں! اگر کلاس ہی توڑ دی گئی اس میں اس کے کسب و استعداد کو کوئی دخل نہیں نہ اس کی فضیلت میں کوئی فرق آتا ہے۔ جیسے کہ حضرت فاروق اعظم ﷺ میں کمالات نبوت بدرجہ اتم موجود تھے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو فاروق اعظم ﷺ نبی ہوتے۔ ”لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب“ مگر یہ کلاس ہی توڑ دی گئی۔ یہ دروازہ ہی ”خاتم النبیین لا نبی بعدی“ اور ”لا نبوة بعدی انقطع النبوة والرسالة“ سے ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا۔ پس ”لو عاش ابراہیم..... الخ!“ اگر بالفرض صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ کمالات نبوت ان میں موجود تھے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو نبوت کے حق دار رہتے۔ یعنی اپنی استعداد کی وجہ سے۔ ہاں! انسداد باب نبوت اس کو ضرور مانع ہے۔ اس میں ان کے کمالات کی کوئی تنقیص نہیں۔ میرے خیال میں یہ جواب بہت کافی ہے اور دراصل میں نے اسے اصل بحث میں واضح کر دیا تھا، مگر مختار مدعا علیہ نے بلفظہ باوجود جواب ہو جانے کے شہادت سے پھر نقل کر دیا۔ یہی قصہ تقریباً اور تمام مباحث میں کیا گیا ہے۔

۳..... نبی کی اولاد کا نبی ہونا کب ضروری ہے..... الخ!

الجواب: یوں ہی مسلمان بھی کہتے ہیں کہ نبی کی امت سے نبی ہونا کب ضروری ہے، مگر مرزا صاحب کے مرید یہ جواب دیتے ہیں کہ پہلی امتوں میں نبی ہوئے ہیں۔ لہذا گو ضروری نہ ہو۔ مگر ایک فضیلت ضرور ہے جس کا نہ ہونا ایک قسم کی تنقیص ہے۔ یہی جواب اس کا خیال فرمائیں کہ نبی کا بیٹا نبی ہونا ضروری نہیں۔ مگر فضیلت ضرور ہے اور اسے مقام فضیلت میں خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے: ”الکریم ابن الکریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم“ مقام مدح میں نبی کا بیٹا ہونا مذکور ہے۔ (بخاری شریف) پس گونبی کے بیٹے کا نبی ہونا ضروری نہ سہی مگر اس میں فضیلت ضرور ہے کہ دیگر انبیاء کو یا ان کی اولاد کو یہ شرف ملے اور آنحضرت ﷺ کو نہ مل سکے۔ مگر چونکہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین تھے اور باب نبوت آپ پر مسدود ہو چکا تھا۔ پس اس کی تلافی باری تعالیٰ نے یوں فرمائی کہ انہیں قبل سن نبوت وفات دے دی اور اپنے نبی پاک ﷺ کی زبانی ان کے کمالات نبوت سے متصف ہونے کا اعلان کر دیا کہ: ”لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً“ جس کی شرح مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ موضوعات کبیر میں اسی جگہ اسی صفحہ پر یوں موجود ہے جسے مختار مدعا علیہ نیز گواہان مدعا علیہ نے قطع و برید کر کے مغالطہ دیا ہے۔

”قولہ تعالیٰ ماکان محمد اباً احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین فانہ یوحی الیہ بانہ لم

بعش له ولد ولا يصل الى مبلغ الرجال فان ولده من صلبه يقتضى ان يكون له قلب كما يقال الولد منزل بعد ولو عاش وبلغ اربعين وصار نبياً لزم ان لا يكون نبياً خاتم النبیین“ (موضوعات کبیر ج ۱ ص ۵۸)

(ترجمہ) ”ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین“ کیونکہ یہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کوئی بھی لڑکا زندہ نہ رہا کہ مرد بالغ کی حیثیت تک پہنچتا۔ کیونکہ آپ کا صلی بیٹا آپ کے قلب کا جو ہونا تھا۔ جیسا کہ الولد سرلابیہ کہتے ہیں اور اگر وہ زندہ رہتے اور چالیس سال تک پہنچتے اور نبی ہوتے تو لازم آتا کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم النبیین نہ رہیں..... الخ!

پس اس عبارت سے جواب بالکل مکمل اور واضح ہو گیا خود مختار مدعا علیہ اور اس کے گواہوں کی یہ مسلم اور پیش کردہ چیز ہے۔ فاللہ الحمد! ۴..... اگر یہی وجہ تھی تو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ انہیں اس ڈر سے مارنا پڑا کہ نبی نہ ہو جائیں۔

الجواب:

۱..... یہ خدا تعالیٰ سے پوچھیں کہ انہیں کیا ڈر تھا اور کیوں پیدا کر کے اس وجہ سے مار ڈالا۔

۲..... قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے واقعہ میں ہے کہ ایک جگہ حضرت خضر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان بچہ کو قتل کر ڈالا اور پھر بعد کو اس کا جواب یہ فرمایا کہ: ”واما الغلام فكان ابواه مؤمنین فخشینا ان یرھقہما طغیاناً وکفرأ (کہف: ۸۰)“ ملاحظہ فرمائیں کہ اس بچہ کو صرف اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو گمراہ اور کفر میں ملوث نہ کر دے۔

یہی اعتراض اہل باطل شیطان اور دجال وغیرہ کی پیدائش پر کرتے ہیں:

جو بشنوی سخن اہل دل بگو کہ خطا است سخن شاس نہ دلبر این جا است مختار مدعا علیہ کو چاہئے کہ اس کا فائدہ آنحضرت ﷺ کے کسی غلام سے پوچھ لے۔

اصل یہ ہے کہ آپ کے اولاد ذکور کے نہ ہونے پر کفار کا ایک طعنہ تھا کہ اولاد ذریعہ جو ایک دنیوی بڑی برکت ہے۔ اس سے مدعی محبوبیت کیوں محروم ہے۔ اللہ نے اولاد ذریعہ عطا فرمائی۔ پھر ان کی وفات پر بھی طعنہ زن تھے کہ محبوب خدا کو یہ صدمہ کیونکر ہوا۔ پس اس کا جواب بارگاہ رسالت سے یہ دلوا لیا کہ: ”لو عاش ابرہیم لکان صدیقاً نبیاً“

اور یہ بھی ایک نکتہ ہے اللہ کے راز و نیاز اور اسرار اللہ کے سواء مخلوق کی قدرت نہیں کہ سمجھ سکے اور نہ ہم ان علل و نکات و حکم کے مکلف ہیں۔ بجز اللہ! مکمل اس کا جواب ہو گیا اور اچھی طرح وضاحت ہو گئی۔ اس حدیث سے امکان نبوت یا خاتم النبیین کے معنی مختار مدعا علیہ کے استدلال کے مطابق سے لینا نہ صرف غلطی بلکہ آنحضرت ﷺ پر افتراء ہے۔ (معناً بھی یہ حدیث مثبت مدعا نہیں)

اس سلسلہ میں مفصل دلائل ابتدائی بحث میں پیش کر چکا ہوں جن کا اعادہ نہیں کرتا۔

مختصر یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب جو مختار مدعا علیہ پیش کرتا ہے وہ محض غلط ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ کرام جو وقت وفات صاحبزادہ ابراہیم وہاں موجود تھے وہ بھی یہ مضمون نہ سمجھے۔ حالانکہ بالاتفاق صحابہ اذکیاء امت سے ہیں۔ بلکہ وہ بالکل اس مضمون کے خلاف اظہار فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو (بخاری ج ۲ ص ۹۱۲) ”حدثنا اسماعیل..... الخ!“ وابن ماجہ یعنی اسماعیل تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی صحابی سے پوچھا کہ کیا آپ نے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کو دیکھا تھا۔ فرمایا: ہاں! صغریٰ میں وہ فوت ہو گئے تھے اور اگر اللہ کے فیصلہ میں کسی کا نبی ہو سکتا بعد آنحضرت ﷺ ہوتا تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے۔ مگر فیصلہ ”لانیسی بعدی“ ہے کہ آپ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا۔

پس تمام صحابہ کے خلاف اس حدیث کا یہ غلط مطلب لینا کیونکر درست ہوگا۔

مختار مدعا علیہ کی رکیک تاویل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی

(خلاصہ تاویلات)

- ۱..... مخفی نہیں ہے کہ فہم صحابی حجت نہیں۔
- ۲..... ابن ابی اوفی کا قول حجت نہیں، کیونکہ اس کے خلاف صحابی کا قول موجود ہے۔
- ۳..... صحابی فہم القرآن اور حدیث میں غلطی کیا کرتے تھے (بعض امثلہ بزعم خود اس کے متعلق)
- ۴..... قول عائشہ رضی اللہ عنہا اس مفہوم کے خلاف موجود ہے۔

**الجواب:** اجمالاً۔ اولاً یہ گزارش ہے کہ اس کے یہ کہہ دینے سے کہ صحابہ فہم قرآن اور حدیث میں غلطی کرتے ہیں۔ اصل مدعا ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ کوئی شخص اسے تسلیم بھی کرے تو اس سے کیا یہ ثابت ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ جو مطلب خود ساختہ امکان نبوت پیش کرتا ہے جس کا مؤید تیرہ سو سال میں ایک متنفس بھی نہیں، وہ درست ہو جائے گا اور عیاذُ ابا اللہ! صحابہ تو مطلب بزعم خود مختار مدعا علیہ قرآن و حدیث کو صحیح نہ سمجھتے ہیں۔ مختار مدعا علیہ کو کیا حق حاصل ہے کہ کہے کہ میں صحیح سمجھتا ہوں۔ نیز مختار مدعا علیہ تو بزعم اپنے نبی کے خود بھی صحابی ہے۔ کیونکہ وہ فرما گئے ہیں: "فمن دخل فی جماعتی دخل فی صحابۃ سید المرسلین" (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۸)

کہ جو میری جماعت میں شامل ہو وہ سید المرسلین رضی اللہ عنہم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں داخل ہو گیا۔ پس یہ بھی تو اسی غلطی کرنے والی جماعت میں شامل ہو گئے۔

۱..... مخفی نہیں کہ فہم صحابی حجت نہیں۔

**الجواب:** یہاں اس بحث میں میں اس وقت نہیں الجھتا کہ فہم صحابی کہاں حجت ہے کہاں نہیں اور اس کے کیا معنی ہیں۔ میں تو یہ صرف گزارش کرتا ہوں کہ قرآن پاک کی قطعی آیات احادیث مرفوعہ صحیحہ قطعہ متواتر اجماع صحابہ بلکہ اجماع امت کے موافق یہ فہم ابن ابی اوفی صحابی ہے اور انہوں نے تائید میں اسی مسلم فریقین حدیث: "لانی بعدی" یا بعدہ کو پیش کیا ہے۔ پس اس کے رد کے معنی نہ صرف ان کی تحقیق بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ امت اور قرآن پاک کے رد کرنے کے ہیں۔

اور مختار مدعا علیہ کا صرف یہ کہہ دینا کہ مخفی نہیں، کوئی دلیل تو نہیں۔ جب تک کوئی اپنا مؤید حوالہ قواعد اصول حدیث سے نہ پیش کریں اور وہ یہ نہ کر سکا۔

۲..... نیز یہ مضمون کہ صاحبزادہ کی وفات بوجہ انسداد باب نبوت ہے۔ صرف انہیں سے منقول ہے۔ اس کے خلاف کوئی ایک صحابی کی آواز نہیں۔ پس ایسا غیر مختلف فیہ مضمون کیونکر حجت نہ ہوگا۔

مزید براں مختار مدعا علیہ کا اپنا مطلب تو اپنی اثبات مدعا میں صریح اور حجت نہ رہا۔ لہذا یہ حدیث ان کے واسطے تمام صحیح احادیث کے خلاف اپنے معنی میں صریح اور حجت نہ بن سکی۔

۲..... ابن ابی اوفی کا قول حجت نہیں ہے کیونکہ اس کے خلاف صحابی کا قول موجود ہے۔

**الجواب:** یہ مغالطہ دینے کے واسطے ہے۔ ورنہ کسی ایک صحابی سے اس بارہ میں اس مضمون کے خلاف ضعیف سے ضعیف اور موضوع تک روایت نہیں، نہ مختار مدعا علیہ نے شہادت سے بحث تک پیش کی۔

۳..... صحابی فہم قرآن وحدیث میں غلطی کرتے ہیں۔

**الجواب:** یہ محض غلط ہے۔ صحابہ اذکیاء امت سے ہیں اور احادیث و نزول قرآن کے عینی شاہد اور مختار مدعا علیہ جس مثال سے مغالطہ دینا چاہتا ہے وہ محض ناواقفی پر ہی ہے۔ نہ اس کا وہ مطلب ہے جو سمجھ رہا ہے۔ اس سے کسی نے قول صحابی کا حجت نہ ہونا نہ نکالا اور اگر ان کا قول حجت نہ رہے تو سارا دین ہاتھ سے جاتا ہے۔ کیونکہ تمام دین کے اولین مشاہد صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور اصول ہے کہ جس بات کو غیر معتبر ثابت کرنا ہو تو اس کے گواہوں کو مجروح کر کے غیر معتبر ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔

۴..... قول عائشہ رضی اللہ عنہا اس مضمون کے خلاف موجود ہے۔

**الجواب:** محض جھوٹ اور افتراء اور بہتان ہے۔ کہیں ذخیرہ حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول بھی اس مضمون مخصوص کے متعلق منقول ہی نہیں۔ چہ جائے کہ مخالف وموافق اگر مختار مدعا علیہ اس سے ”وقولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی“ سمجھ رہا ہے تو یہ غلط ہے۔ وہاں تو اس مضمون کا پتہ ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ہونا فیصل شدہ ہے نہ اس لئے صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ہو گیا ہے۔ بلکہ اس قول میں اس مضمون کا کوئی اشارہ بھی نہیں۔ نیز ان کا یہ قول صحیح سند سے ثابت بھی نہیں نہ کسی حدیث کی معتبر کتاب میں یا صحاح ستہ وغیرہ میں اس کا وجود ہے نہ اس کے سوائے اس کے کوئی اور مطلب ہے کہ آپ کا لقب خاتم النبیین خدا کا دیا ہوا ہے، وہی زبان سے کہو اور مقام مدح میں لانی کا لقب استعمال نہ کرو۔ کیونکہ خدائی الفاظ مخلوق کی تعبیر سے زیادہ جامع ہیں۔ اگر ”لا نبی بعدی“ میں صرف خاتمیت زمانی ہے تو خاتم النبیین میں ذاتی اور زمانی دونوں موجود ہیں۔ مفصل بحث اپنی جگہ پر ان شاء اللہ آئے گی۔

غرض یہ قول بالکل بے ربط اور غیر متعلق ہے۔ پھر یہ کہنا کہ اگر یہ غلط ہوتا تو صحیح بخاری جیسی مستند معتبر کتاب میں ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ نقل نہ کیا جاتا۔

**الجواب:** پس اس سے ثابت ہو گیا کہ اس اثر ابن ابی اوفی کا بھی جواب مختار مدعا علیہ کے پاس نہیں ہے۔

اس کی تائید کے واسطے شہاب اور ملا علی قاری گوہ مدعا علیہ کے نزدیک بھی امام حدیث یا جرح وتعدیل یا کم از کم حافظ حدیث بھی نہیں۔ نیز قطع و برید کر کے یہ مطلب ملا علی قاری کی طرف منسوب کیا ہے۔ ورنہ ان کا بھی صاف فیصلہ بالکل وہی ہے جو ابن ابی اوفی صحابی کا ہے۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو: ”ولو عاش وبلغ اربعین و صار نبیاً لزم ان لا یكون نبیاً خاتم النبیین“

(موضوعات کبیرہ صحابی ص ۵۸)

اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور چالیس سال کو پہنچتے اور نبی ہوتے تو لازم آتا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ خاتم النبیین نہیں۔ بالکل وہی مضمون ہے۔ جو صحابی نے نقل کیا۔ یہ حوالہ گزر چکا ہے۔

پس یہاں قطع و برید کر کے صرف مختار مدعا علیہ مغالطہ دے کر ایسے بزرگ پر بہتان باندھنا چاہتا ہے کہ ورنہ نہ صرف اسی ایک رسالہ میں یہ ہے جس کا موضوع بحث بیان عقائد نہیں بلکہ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری جو عقائد میں ہے، نیز مرقات جو شرح حدیث ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ ”خاتم النبیین“ اور ”لا نبی بعدی“ کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ہر قسم کا مدعی نبوت کافر ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ شرح فقہ اکبر پیش کردہ گواہ مدعیہ نمبر ۱، ۲، ۵۔

نیز مرقات تحت شرح لا نبی بعدی۔ مفصل حوالہ جات اپنے اپنے محل پر آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!



جو میں نے پیش کیا ہے دراصل یہی حق ہے

ممکن ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ مرزا صاحب کی عداوت کی وجہ سے ازراہ تعصب مسلمان یہ مطلب لیتے ہیں۔ اس لئے میں نہایت ہی معتبر و مستند احمدی کا حوالہ پیش کرتا ہوں جس سے مختار مدعا علیہ ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ان کی بے حد تعریف کی ہے اور کوئی معمولی وغیر مسلم نہیں نہ صرف احمدی بلکہ امیر جماعت احمدیہ جناب محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اپنی کتاب (آخری نبی ص ۱۲ تا ۱۸) پر اسی حدیث کے متعلق باوجود مرزا صاحب پر ایمان لانے کے مندرجہ ذیل تحقیقات پیش فرماتے ہیں۔

عبارت رسالہ آخری نبی

”اب میں میاں صاحب کی اس شہادت کو لیتا ہوں۔ یہ ابن ماجہ کی حدیث ہے: ”لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً“ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اس سے میاں صاحب کے خاتم النبیین کے معنی حل ہو گئے۔ کیا اس حدیث نے بتا دیا کہ خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اتباع سے لوگ نبی بنا کریں گے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اس کے پیش کرنے سے کیا حاصل؟ انہیں تو اجماع کے خلاف رسول کریم ﷺ کی وہ آواز پیش کرنی چاہئے جو ان کے معنی کو صحیح ثابت کرے۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ یہ روایت کوئی ایسی اعلیٰ پایہ کی نہیں۔ اڈل تو صرف ابن ماجہ کی روایت ہے اور کسی کتاب میں نہیں۔ دوسرے اس کے راویوں میں ابوشیبہ ابراہیم ہے جسے متروک الحدیث قرار دیا گیا ہے۔ ایسی کمزور حدیث کو اس قدر اعلیٰ پایہ کی احادیث کی تردید میں پیش کرنا سخت جرأت ہے۔ تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد کیا ہے۔ اتنا تو میاں صاحب کو مسلم ہے کہ یہ فرض کے طور پر ہے۔ مگر میاں صاحب ایک قانون اپنے دماغ سے بنا کر سب سے پہلے اسے منوانا چاہتے ہیں۔ ”جو بات اپنی ذات میں ناممکن ہو اس کو شرطیہ طور پر بھی نہیں کہہ سکتے۔“ سب سے مشکل میاں صاحب کی تحریر کے جواب میں یہی ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی بات کے پروا کرنے کے قانون بناتے چلے جاتے ہیں۔ مریدوں کی کیا جرأت کہ دریافت کریں کہ یہ قانون کہاں لکھا ہوا ہے۔ بفرض محال یا بفرض بیبیوں دفعہ میاں صاحب اور ان کے مریدوں نے استعمال کیا ہوگا۔ مگر جب میاں صاحب نے کہہ دیا۔ جو بات نہ ہوتی ہو وہ شرطیہ طور پر بھی نہیں کہہ سکتے تو مریدین بھی دم بخود ہیں۔ مرید کی کیا مجال کہ سوال کرے۔ ”قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (الزمر: ۱۳)“ تو کیا قرآن شریف میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہے۔ کہہ دے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں تو کیا میاں صاحب کے نزدیک رسول کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہی ممکن نہ تھا۔ ”لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر: ۲۵)“ اگر تو شرک کرے تو تیرا عمل جط ہو جائے تو کیا آنحضرت ﷺ کا شرک کرنا بھی ممکن تھا۔ ان کا ”ن للرحمن ولد فانا اول العابدین (الزخرف: ۸۱)“ اگر رحمن کا بیٹا ہوتا تو خدا کا بیٹا ہونا بھی ممکن ہے اور سب سے بڑھ کر ”لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدتا“ اگر (زمین و آسمان) دونوں میں سے سوائے خدا کے معبود ہوتے تو ان کا نظام بگڑ جاتا۔ تو کیا اور خدا ہونے بھی ممکن ہے۔ اس حدیث کے الفاظ بالکل اس آیت کے مطابق ہیں تو جیسے آیت میں یہ بتایا کہ جس طرح فساد کا ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح دو خدا ہونا بھی ناممکن ہے۔ اس طرح حدیث میں بتایا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے بعد نبی کا ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح خود ابراہیم کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ میاں اتنا ہی غور کر لیتے کہ یہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمایا جب کہ حضرت ابراہیم فوت ہو چکے تھے۔ اگر حضرت ابراہیم کی زندگی میں ایسے لفظ فرماتے تو کہا جاسکتا تھا کہ: ”لو“ بمعنی ان و محض شرطیہ ہے۔ لیکن جب حدیث صاف بتاتی ہے کہ ابراہیم کی وفات کے بعد آپ نے فرمایا تو اس سے خود ظاہر ہے

کہ اس وقت فرمایا جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابراہیم کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ پس جب وہی ناممکن ہے تو ”لو کان نبیاً“ خود ناممکن ہو اور میاں صاحب نے محض اس حدیث سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے لو شرط کے لئے قرار دیا ہے۔ حالانکہ ”لو“ امتناع کے لئے بھی آتا ہے تو کیا معنی وہ لیں گے جس سے یہ حدیث بھی دوسری حدیثوں کے مطابق ہو جائے یا وہ جس سے اعلیٰ پایہ کی حدیثیں ردی کی ٹوکری میں پھینکی پڑیں۔ چہارم ابن ماجہ نے اس روایت سے پیشتر عبداللہ بن ابی اوفی کا اثر بیان کیا ہے۔

”قال مات هو صغيره لو قضی ان يكون بعد محمد ﷺ نبي لعاش ابنه ولكن لا نبي بعده“ یعنی (ابراہیم نے) وفات پائی اور وہ چھوٹا تھا اور اگر یہ مقدر ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد نبی ہو تو آپ کا بیٹا زندہ رہتا۔ لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ابوشیبہ والی روایت میں الفاظ ٹھیک محفوظ نہیں رہے۔ اس دوسری روایت کو بخاری نے بھی لیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے۔ میاں صاحب خوب جانتے ہیں کہ احادیث قصص ایسی محفوظ نہیں۔ جیسی وہ احادیث جن کا تعلق عقائد و اعمال سے ہے تو ایک متروک روای کی حدیث کو لے کر اس قدر زور دینا اور پھر کے معنی بھی بجائے دوسری احادیث کے مطابق کرنے کے ان کے خلاف نکالنا اجتہاد نہیں کہلا سکتا یہ غرض پرستی ہے۔ غلطی تو بلاشبہ ہر شخص کو لگ سکتی ہے اور اسی کا استدلال بھی غلط ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں عمداً چالیس احادیث کی شہادت کو چھپا کر سب اعلیٰ پایہ کی حدیث کو ایک متروک الحدیث روای کی حدیث سے رد کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اجتہادی دیانت داری کے خلاف ہے۔ نووی جیسے امام نے اس حدیث کو جسارت کہا ہے اور ابن عبداللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور اس کا روای متروک الحدیث ہے تو اول حدیث ایسی مجروح اور پھر اس کے معنی صاف کرنے کے لئے دوسری روایات موجود، جن میں صاف لفظ ہیں کہ اگر یہ مقدر ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ہے تو آپ کا بیٹا زندہ رہتا جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کے بعد نبی نہیں ہو سکتا۔ بایں صرف ان کے خلاف بلکہ دوسری حدیث صحیحہ کے خلاف جو تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ میاں صاحب نے اس کے معنی کر کے اپنی مطلب برآری کے لئے انہما حق سے کام لیا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ حدیث مجروح ہے۔ اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو معنی صاف ہیں۔ یعنی نہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ہونا مقدر تھا نہ ابراہیم کا زندہ رہنا۔ اس معنی کی تائید میں بخاری اور خود ابن ماجہ کا اثر پیش کیا ہے۔ اس کے صحیح ہونے پر قرآن شریف کی آیت: ”لو كان فيهما الهة الا الله لفسدنا“ پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ لو امتناعی ہے۔ پھر اس ایک اکیلی حدیث کے معنی چالیس حدیثوں کے خلاف نہیں کئے جاسکتے۔ بلکہ اس معنی کے جو میاں صاحب کرتے ہیں بالکل خلاف دوسری حدیث پڑی ہوئی ہے۔ ”لو كان بعدى نبي لكان عمر“ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ﷺ ہوتا تو یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور دوسری طرف یہ فرمائیں کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا اگر ابراہیم زندہ رہ کر نبی ہو سکتا تھا تو حضرت عمر ﷺ باوجود زندہ رہنے کے نبی کیوں نہ ہوتے اور اگر یہ کہا جائے کہ نبوت بھی گدی کی طرح خاندانی ورثہ ہوتی ہے تو پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کے متعلق یہ الفاظ کیوں استعمال فرمائے۔ پس ابراہیم کا زندہ رہنا اور نبی ہونا ممکن تھا تو حضرت عمر ﷺ جو زندہ رہے تو ضرور تھا کہ نبی ہوتے اور اس حدیث: ”لو كان بعدى نبي لكان عمر“ کو میاں صاحب نے صحیح تسلیم کر کے حسب ذیل جواب کبھی دیا تھا۔ جواب شاید یاد نہ ہو۔ اگر رسول کریم ﷺ کے بعد فوراً ہی آپ کی جماعت کو سنبھالنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت ہوتی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھی تو حضرت عمر ﷺ ہی آپ کے بعد نبوت کے مقام پر ترقی پاتے، لیکن چونکہ آپ ایک ایسی جماعت کو تیار کر کے رخصت ہونے والے تھے جو اپنی نیکی اور تقویٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت سے کئی درجہ زیادہ تھی اور مکمل تھی۔ اس لئے آپ کے بعد فوراً کسی نبی کی بعثت کی ضرورت نہ تھی۔

تو اب سوال یہ ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو وہ فوراً بعد نبی ہوتے جس کی بقول میاں صاحب ضرورت نہ تھی یا مسیح موعود کے بعد نبی بنتے۔ کیونکہ تیرہ سو سال تک کسی نبی کی ضرورت پیش نہ آئی تھی اس کا جواب غالباً یہ ہی دیا جائے گا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے فوراً بعد نبی کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے ابراہیم فوت ہو گئے تو پھر یہ ماننے میں کیا مصیبت پیش آتی ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد مطلق نبی کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے فوت ہو گئے اور اگر اس حدیث سے امکان نبوت ہی نکلتا ہے تو وہ فوراً بعد ہونے کا امکان ہے۔ مگر فوراً بعد کوئی نبی نہ ہوا۔ اب فیصلہ میاں صاحب خود کریں گے کہ جب کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی کی ضرورت ہی نہ تھی تو آنحضرت ﷺ نے یہ کیوں فرمایا۔ یہ تو حدیث کی شہادت ہے۔ میاں صاحب صرف ایک مجروح حدیث سے آنحضرت ﷺ کے اپنے سارے اقوال کو جن کی صحت سے وہ بھی انکار نہیں کر سکے رد کرنا چاہتے ہیں۔ غرض آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے یا خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونے کے خلاف میاں صاحب کے ہاتھ ایک تنکے کے وزن کے برابر بھی شہادت نہیں۔ مگر اس تنکے سے وہ اس پہاڑ کو اڑانا چاہتے ہیں جس پر اجماع امت کی بنیاد ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس حدیث میں بھی وہ معنی خاتم النبیین کے نہیں کئے گئے جو میاں صاحب کرتے ہیں تو اگر ایک مجروح حدیث میاں صاحب نے بہت سی صحیح احادیث کے خلاف پیش بھی کر دی تو کیا اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ میاں صاحب حق بجانب ہیں۔ وہ تو اس وقت حق بجانب ہوں گے۔ جب چالیس نہ سہی، چار نہ سہی، ایک ہی حدیث اور حدیث نہ سہی، ایک ہی قول کسی صحابی کا پیش کر دیں کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ شخص جس کے اتباع سے آئندہ لوگ نبی بن جایا کریں گے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ وہ قیامت تک بھی کتابوں کی ورق گردانی کریں تو بھی ایک کمزور سے کمزور بلکہ موضوع حدیث تک بھی اپنے معنی کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے اور جب تک وہ پہلے ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ اس وقت تک ان کا اعلیٰ پایہ کی ایک دوسرے کی مؤید حدیثوں کو بعید از قیاس تاویل کرنا یا ان کی طرف توجہ تک نہ کرنا دین میں رخنہ اندازی ہے۔ پہلے آپ نے ساری نظارتوں کو اس قدر تلاش میں لگائیں کہ ایک حدیث کہیں سے خاتم النبیین کے ان معنوں کو بیان کرنے والی نکال لاؤ جو انہوں نے ایجاد کئے ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کے مقابلے میں آئیں۔ ورنہ اپنے ایمان کی فکر کریں کہ اپنی رائے کے اتباع میں وہ رسول خدا کے الفاظ کو کس طرح عمداً پیٹھ کے پیچھے پھینک رہے ہیں۔“

(محمد علی لاہوری کا اقتباس ختم ہوا)

## خاتم النبیین کے صحیح معنی

اس ہیڈنگ کے تحت مختار مدعا علیہ نے اس مستند و معتبر و مسلم علم لغات کے حوالہ مغالطہ دے کر بیکار ثابت کرنے کی لا حاصل سعی کی ہے جو اس امر میں نص قطعی تھی کہ اصل و حقیقی معنی خاتم کے خواہ فتح التاء پڑھا جائے یا بالکسر آخر کے آتے ہیں اور خصوصیت سے اس لفظ خاتم النبیین میں تمام ماہرین فن لغت کا فیصلہ قطعی ہے کہ اس کے معنی یہاں زینت یا مہر کے نہیں، بلکہ آخر الانبیاء کے ہیں اور ماہرین فن لغت کا فیصلہ معتبر ہو سکتا ہے۔ نہ مختار مدعا علیہ کی رائے خود مرزا صاحب تصریح فرماتے ہیں کہ: ”ہر ایک فن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔“

(حاشیہ برکات الدعا ص ۱۲، خزائن ج ۵ ص ۱۵)

ائمہ لغت کے فیصلہ کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل آٹھ (۸) لغت کے حوالہ پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) قاموس۔ (۲) منتہی الارب۔ (۳) مجمع البحار۔ (۴) منجد۔ (۵) مفردات۔ (۶) محیط القطر اور یہ کتب مذکورہ گواہ نمبر ۱ کے

سا ۸ مارچ ۱۹۳۳ء اور گواہ نمبر ۲ کے سا ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء میں پیش ہو چکی ہیں۔

البتہ مفردات امام راغب اصفہانی حرف گواہ نمبر ۲ کے سا ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو پیش کی گئی اور اس کا یہ بھی اقرار موجود ہے کہ

یہ صرف معانی قرآن کی لغت ہے۔

یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ اس جیسی کتاب مفردات قرآن اور اس کے لغات میں روئے زمین پر نہیں لکھی گئی۔

ان تمام کتب میں یہ نہیں کہ صرف خاتم یا خاتم کے معنی بتادیئے ہوں۔ بلکہ ترجمہ کے ساتھ عرب کا محاورہ بھی پیش کر رہا ہے جس شرط کے لحاظ سے تمام کتب لغت معتبر ہیں۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ ۲۶/ مارچ ۱۹۳۳ء۔

”بشرطیکہ وہ کسی لفظ کا ترجمہ کرتے وقت کسی عرب کے کلام یا محاورہ سے استشہاد پیش کریں اور بطور سند پیش کریں۔“

اصل عبارت قاموس وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ سب میں خاتم القوم، خاتم القوم وغیرہ کے محاورہ پیش کر کے آخر کے معنی بتائے ہیں۔

ان کے ساتھ دو ایسے حوالے بھی پیش ہیں جن کا مسلم ہونا مرزا صاحب اور گواہ مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ یعنی لسان العرب و تاج

العروس ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ ۲۶/ مارچ ۱۹۳۳ء۔

”بڑی بڑی ڈکشنریاں لسان العرب و تاج العروس ہیں۔“

دوسرے سوال کے جواب میں کہا کہ: ”یہ کتابیں جس طرح مشہور زیادہ ہیں۔ اسی طرح معتبر بھی ہیں۔ کیونکہ یہ صحیح اور بڑی

ہیں۔“ گواہ مدعا علیہ ۱۶/ مارچ ۱۹۳۳ء۔

مرزا صاحب (من الرحمن ص ۷ حاشیہ ص ۱۸، خزائن ج ۹ ص ۱۵۲) پر نہ صرف ان دونوں کتابوں کو معتبر بلکہ نہایت معتبر بتاتے ہیں۔

”لسان العرب اور تاج العروس جو فقہ کہ نہایت معتبر کتابیں ہیں۔“

پس ایسی مسلم و معتبر کتب کے حوالے کے بعد بھی گنجائش نہیں کہ اس میں تامل کیا جائے۔

..... لسان العرب میں خاتم کے معنی آخر کے لئے ہیں اور اس کے واسطے محاورہ عربی بھی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ”ختام القوم

و خاتمہم و خاتیمہم و خاتم النبیین ای آخرہم قال وقد قرأ خاتم“ (لسان العرب) یعنی ”خاتم القوم و خاتمہم

و خاتمہم“ کا محاورہ پیش کر کے یہ بتایا کہ خاتم بالکسر یا بالفتح جب بھی قوم یا جماعت کی طرف منسوب ہوگا تو اس محاورہ کی رو سے اس کے

معنی آخر کے ہوں گے۔ اسی محاورہ کی رو سے خاتم النبیین کے معنی بھی آخری نبی کے بتائے۔ کیونکہ یہاں بھی خواہ خاتم بالفتح ہو یا بالکسر

جماعت کی جانب مضاف ہے۔

۲..... تاج العروس ”الخاتم آخر القوم، الخاتم و خاتم و خاتم النبیین ای آخرہم“

اس کے بعد گواہ مدعا علیہ یا اس کے مختار کا یہ کہنا کہ خاتم بفتح التاء کے اصل معنی عربی زبان میں مہر ہے یا انگوٹھی کے ہیں۔ محض ادعاء

باطل ہے۔ کیونکہ خاتم کے اصل معنی آخر کے بھی ہیں۔ جیسا کہ لسان العرب اور تاج العروس کے حوالوں سے بھی ظاہر ہے۔

خلاصہ تاویلات مختار مدعا علیہ

۱..... خاتم کے معنی میں مضاف و مفرد کا فرق ناقابل التفات ہے۔

۲..... مضاف کے معنی کے واسطے بھی مفرد کے معنی دیکھے جائیں گے۔

۳..... گواہ مدعا علیہ نمبر ۳ نے ۲۹/ اگست بہ جواب جرح کہا کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح التاء مہر کے معنی میں بھی ہے۔

۴..... آپ ﷺ مہر یا انگوٹھی نہیں بلکہ زینت و احاطہ وغیرہ وجہ شہ ہے۔

۵..... اور کمال کے اظہار کے لئے لغت عرب اور دوسری زبانوں میں خاتم و خاتم کا لفظ بکثرت مستعمل ہے اور پھر بک ختم

الولاية اور: ”فجمع القریض بخاتم الشعراء“ و فیات الاعیان سے پیش کیا ہے۔

۶..... وجہ شبہ مہر بمعنی تصدیق ہو۔

۷..... خاتم کے معنی علامہ کے بھی ہیں۔ حوالہ مجمع البحار وغیرہ۔

اگر چہ اوپر کی تحقیقات کے بعد ان تاویلات کی طرف توجہ بیکار ہے۔ پھر بھی مختصر جواب ترتیب وار درج ہیں۔

جواب:

۱..... مضاف و مفرد کا فرق اس لئے ضروری ہے تاکہ ایک مفرد کے متعدد حقیقی و مجازی معنی میں سے ایک کی تعیین ہو جائے۔ اسی تعیین کے واسطے لسان العرب وغیرہ میں محاورہ پیش کیا ہے اور تمام محاورات کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہے کہ لفظ خاتم کے مفرد یا کسی دھات یا شخص کی طرف منسوب ہو کر انگوٹھی کے معنی دیتا ہے۔ مگر قوم و جماعت کی طرف منسوب ہو کر حقیقتاً آخر کے معنی میں ہوتا ہے۔ مجازاً خاتم الحمد ثین و خاتم المفسرین وغیرہ! دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

اور یہ بات کسی حوالہ کی محتاج نہیں کہ مجازی معنی وہاں معتبر ہوتے ہیں جہاں حقیقی معنی معتبر ہوں۔ مگر ظاہر ہے کہ حقیقی معنی معتبر نہیں، بلکہ ماہرین لغت کا فیصلہ موجود ہے کہ یہی آخر کے معنی یہاں مراد ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔ اس کے مقابل مختار مدعا علیہ کی تاویلات قابل التفات نہیں۔ کیونکہ اس کا شمار ماہرین لغت میں نہیں اور بقول مرزا صاحب ہرفن میں اس کے ماہر کی رائے معتبر سمجھی جاتی ہے۔ پس ائمہ لغت کے فیصلوں کے مقابل یہ تاویلات ہرگز قابل وقعت نہیں۔

۲..... مضاف کے معنی کے واسطے بھی مفرد کے معنی دیکھے جائیں گے۔ یہ درست ہے مگر متعدد معانی سے ایک کی تعیین اضافت وغیرہ کے قرینہ سے ہوگی۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا۔

۳..... مختار مدعیہ نمبر ۳ نے یہ نہیں کہا کہ صرف مہر کے معنی ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ مہر کے بھی معنی ہیں اور جب متعدد معانی ہوں تو محاورات و قرآن سے تعیین مراد کریں گے اور لسان العرب و تاج العروس وغیرہ میں محاورات و قرآن سے معانی کی تعیین کی گئی ہے کہ جب قوم یا جماعت کی طرف منسوب ہو تو حقیقی طور پر معنی آخری کے ہوتے ہیں۔

۴..... نبی کریم ﷺ کو مہر و انگوٹھی کے معنی میں حقیقتاً مختار مدعا علیہ بھی نہیں مانتا بلکہ زینت و احاطہ وغیرہ کے معنی میں مجازاً لیتا ہے اور جب تک حقیقی معنی درست ہو سکتے ہوں، مجازی معنی کسی کے کلام میں نہیں لئے جاسکتے۔ چہ جائے کہ باری تعالیٰ کے کلام میں۔ یہاں مہر و انگوٹھی و تصدیق و زینت وغیرہ کے مجازی معنی جو مختار مدعا علیہ لے رہا ہے کہ حدیث یا قول صحابہ میں نہیں بلکہ محض مفسرین کی ذاتی رائے ہے۔ جیسا کہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۸ نے ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں تسلیم کیا ہے کہ خاتم التبيين کے معنی جو زینت کے لئے ہیں۔ اس کے متعلق کسی صحابی کا قول میری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ مفسرین کا قول میری نظر سے گزرا ہے۔ خاتم کے معنی خاتم التبيين میں مہر کے لینا صحابہ کی تفسیر سے مجھ تک نہیں پہنچے۔ بلکہ مفسرین کے اقوال ہیں۔ بخلاف آخر التبيين کے معنی خود سید الانبياء ﷺ نے لیا ہے۔

”انا آخر الانبياء وانتم آخر الامم وانا آخر الانبياء ومسجدى آخر المساجد الانبياء وانا آخر التبيين فى البعث و آخرهم فى الخلق“ وغیرہ وغیرہ! جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکے۔

بہر حال حقیقی معنی اور وہ معنی جو تمام ائمہ لغت نے لئے اور خود آنحضرت ﷺ نے وہی معنی لئے، مختار مدعا علیہ کی تاویلات رکیکہ کو باطل کرنے کے لئے کافی ہیں۔

۵..... اظہار کمال کے واسطے خاتم کا لفظ یقیناً مجازاً مستعمل ہوا ہے۔ غیر زبانوں میں یہاں استدلال فضول ہے۔ عربی کے بک تسختم

الولایۃ میں تو خاتم کا لفظ نہیں بلکہ تختہ ہے اور شعر میں ضرور خاتم ہے۔ مگر مجازی معنی میں مستعمل ہے اور ہماری گفتگو اصلی اور حقیقی معنی میں ہے۔ لہذا اڈالا تو یہ غیر متعلق ہے۔ دوسرے شاہد کے طور پر وہ محاورہ پیش کیا جاسکتا ہے جو مسلم اہل زبان کا ہو۔ یہ شعر شعراء جاہلی یا اسلامی جن کا کلام بطور سند کے پیش ہو سکتا ہے، ان میں سے کسی کا نہیں بلکہ ایک متاخر شاعر کا ہے۔ جو مولدین محدثین میں سے ہے اور اس کا قول حجت نہیں ہو سکتا۔

اس کا ثبوت کہ یہ شاعر مولدین محدثین میں سے ہے یہ کافی ہے کہ یہ شاعر جس بزرگ کا مرثیہ پڑھ رہا ہے۔ یعنی ابی تمام حبیب بن اوس طائی وہ خود مولدین محدثین میں سے ہے۔ ان کا کلام ہی حجت و قابل استدلال نہیں۔ چہ جائے کہ جو ان کے بعد ہو۔

..... ملاحظہ ہو حاشیہ بیضاوی شہاب خفاجی جن کا معتبر ہونا گواہ و مختار مدعا علیہ کو بھی مسلم ہے۔ (ملاحظہ ہو بحث لو عاش ابراہیم) علامہ خفاجی شعراء کے طبقات جاہلی، مخضری، اسلامی مفصل لکھ کر فرماتے ہیں کہ: ”المحدثون وهم من بعدہم کا بی تمام والبحتری و متاخرون لمن حدث بعدہم من شعراء الحجاز والعراق لا يستدل بشعر هؤلاء بالانفاق“

(بیضاوی مجتہائی ص ۱۸۴)

یعنی محدثون اور وہ وہی شعراء ہیں جو طبقات مذکورہ کے بعد ہوئے۔ جیسے ابی تمام حبیب بن اوس طائی اور متاخرون جو ان کے بعد ہوئے۔ شعراء حجاز و عراق سے ان کے اشعار بالاتفاق استدلال و سند میں پیش نہیں ہو سکتے۔

۲..... سید احمد ہاشمی نے تاریخ لغت پر ایک شہرہ آفاق تصنیف لکھی ہے جس کا نام جواہر الادب ہے۔ ادبیات و انشاء العرب کی ہے جس میں جلد ثانی کے شروع میں سند اور زبان کے محاورے معتبر اور غیر معتبر وغیرہ نقل کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو (ص ۲۵۵ پھر ص ۳۷۳ طبقات الشعراء) کا مستقل ہیڈنگ قائم کیا ہے جس میں جاہلی، اسلامی، مخضری طبقات نقل کر کے چوتھے نمبر پر محدثین مولدین کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں: ”وہم الذین نشاء وزمن فساد العربیہ و امتزاج العرب بالعجم“، یعنی محدثین اور مولدین وہ ہیں کہ جنہوں نے زبان کے خراب اور عربی و عجمی زبان کے اختلاط کے زمانہ میں پرورش پائی ہے۔ پس وہ زمانہ جس میں زبان اور محاورات میں فساد ہو چلا ہو۔ اس کے محاورات یا اس طبقہ کے کلام کا کیا اعتبار، نہ بطور شاہد کے پیش ہو سکتا ہے نہ سند بن سکتا ہے۔

۳..... علامہ حسن چلیپی (حاشیہ مطول ص ۲۴۳ نمبر ۷) پر شعراء کے طبقات مفصل نقل کر کے محدثین و متاخرین کے متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ: ”ولا استشہاد بکلامہم“ کہ ان کے کلام سے کسی محادہ کا استشہاد نہیں ہو سکتا۔

پس مختار مدعا علیہ کی تمام طول و طویل تاویلات و بحث کا صرف ایک یہ جواب ہے کہ نہ یہ شعر معتبر ہے نہ اس شاعر کے کلام سے استشہاد و استدلال کیا جاسکتا ہے اور مختار مدعا علیہ و گواہان مدعا علیہ اس غیر مستند و غیر معتبر ناقابل استناد استشہاد شعر کے علاوہ کوئی بھی کسی معتبر و مستند جاہلی، مخضری، اسلامی شاعر کا حوالہ یا کوئی محاورہ عرب اپنی تائید میں نہیں لاسکے۔ بخلاف اس کے گواہان مختار مدعا علیہ نے لغت کی مستند کتابوں اور مرزا صاحب کی مسلم و معتبر لغت لسان العرب و تاج العروس سے محاورہ عرب پیش کیا ہے جس کا کوئی بھی جواب مختار مدعا علیہ کے پاس نہیں۔ ادھر ادھر کی بے ربط چیزوں سے وقت گزاری کی ہے جس کے جواب کے ہم مکلف نہیں۔

جب کہ یہ ثابت ہو چکا کہ یہ شعر اس لائق ہی نہیں کہ اس سے کلام عرب پر کوئی سند یا دلیل لائی جاسکے تو اس کے متعلق تمام بحث بیکار و لاطائل ہے اور اگر یہ لائق استشہاد و بفرض محال ہوتا تو بھی یہ بجائے گواہان مدعا علیہ یا مختار مدعا علیہ کے مدعیہ اور اس کے گواہان و مختار کو مقید ہوتا۔ کیونکہ شاعر نے اس شعر میں خاتم الشعراء بمعنی آخر الشعراء مراد لیا ہے۔ گواڈاء ہی سہی جو ہمارا دعویٰ ہے۔ مہر یا کمال یا زینت

وغیرہ کے معنی ہرگز مراد نہیں لئے۔ اس قرینہ اور شاہد اس کا اگلا شعر ہے جو باوجودیکہ اس سے متصل اور معنوی تعلق رکھتا ہے۔ مختار مدعا علیہ نے ذکر نہ کیا تا کہ شاعر کی مراد واضح نہ ہو جائے۔ اگلا شعر ملاحظہ ہو:

ماتامعافتجاورا فی حفرة وکذالک کانا قبل فی الاحیاء

ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر وضاحت سے شاعر کہہ رہا ہے کہ شعر اور حبیب شاعر دونوں ساتھ ہی ساتھ ہو کر ساتھ ہی ساتھ قبر میں سو رہے ہیں۔ یوں ہی ان کی موت سے پہلے دونوں زندوں میں تھے۔ گویا وہ شاعر ادائی طور سے حبیب ابن اوس طائی کو آخری شاعر تسلیم کر رہا ہے کہ اس کی موت کے ساتھ شعر بھی مر کر اس کے ساتھ مدفون ہو گیا نہ شعر رہا نہ کوئی شاعر بننے کا امکان۔ لہذا حبیب سب شعراء کے آخری شاعر ہے۔

اب یہ امر کہ شعر اس کے ساتھ مر اور قبر میں دفن ہوا اور وہ آخری شاعر فی الواقع ہوا یا نہ، اس کے متعلق گزارش ہے کہ شاعرانہ اذعاء ہے اور اس کے متعدد نظائر فارسی، اردو و شاعری میں بھی موجود ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں:

زسم ستو راں دراں پہن دشت زمیں شش شد و آسمان گشت ہشت  
(وسیم فرماتے ہیں)

تربت استاد پہ کندہ ہو یہ مصرع وسیم خانہ دیں بے نبی ملک معانی بے امیر  
اس وجہ سے حضرت گنجوی فرماتے ہیں کہ:

در شعر میچ کہ در فن او چو اکذب اوست احسن او  
بہر حال شاعر نے خاتم الشعراء بھی یعنی آخری شعراء اس جگہ پر استعمال کیا ہے۔ لہذا یہ بھی اگر مسلم ہوتا تو ہماری تائید تھانہ کہ مختار مدعا علیہ کی۔

آخر میں ہم اس سارے قصہ کو ختم کرنے کے واسطے مرزا صاحب کے قبعین اور مختار مدعا علیہ کے مسلم اعجازی کلام کا محاورہ پیش کرتے ہیں اور محاورہ بھی تمام شرائط کا جامع کہ لفظ خاتم علاوہ لفظ ”قبعین“ کے جو ماہہ النزاع ہے ایک اور لفظ کی طرف مضاف ہے اور یہ وہ لفظ بھی جمع مذکر سالم ہے۔ مگر معنی آخری کے ہیں۔ یعنی خطبہ الہامیہ جس کے متعلق مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ کسی بشر کو اس جیسے کلام کی طاقت نہیں اور یہ مجھے الہاماً سکھا یا گیا ہے اور یہ میرا معجزہ ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ متعلق (خطبہ الہامیہ ص ۱۶ ج ۳۰۹)

”کان عیسیٰ خاتم الخلفاء بلسلسة الکلیمیہ بہا کا آخر اللبنة وخاتم المرسلین“ (ایضاً) یعنی جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم سلسلہ کلیمیہ کے تھے اور اس کے لئے مثل آخری زینت اور خاتم المرسلین یعنی آخری رسول تھے۔ ملاحظہ ہو کہ یہاں خاتم المرسلین بالکل خاتم التبتیین کی طرح ہے اور آخر التبتیین کے معنی میں مستعمل ہے اور اس عربی اعجازی کلامی میں جو مدعا علیہ اور اس کے فریق کو بلا اختلاف مسلم ہے۔ اس کے بعد کسی اور محاورہ کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب جیسا کہ تمام مسلم لغات اور محاورات عرب سے خاتم بفتح التاء کے معنی اصلی و لغوی و حقیقی آخر کے پیش کر چکا اور مرزا صاحب کے اعجازی کلام سے اس کی تائید پیش کر دی تو اس کے مجازی استعمال اور اس کے لئے چار وجہ شبہ جو پیش کی گئی ہیں ان کے جواب کی ضرورت نہ نہیں۔ نیز تقریر بالا سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان دلائل و براہین قاطعہ اور مسلم و معتبر حوالوں کے بعد مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ زبان عربی میں خاتم بفتح التاء کا لفظ آخر کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا..... الخ! محض اذعاء باطل اور دعویٰ بلا دلیل ناقابل التفات ہے۔

## خاتم کے معنی آخر کے

قول مختار مد عالیہ:

مختار مد عالیہ نے صرف ایک حوالہ لسان العرب اور منتہی الارب سے پیش کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ خاتم القوم آخر ہم لیکن جیسا کہ ہم نے محاورات اقوال و استعمالات پیش کئے ہیں ایسے نہیں ہیں۔ کیونکہ مصنف نے اسے کسی ادیب کی طرف منسوب نہیں کیا۔

**الجواب:** عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے آٹھ حوالے پیش کئے ہیں جن میں دو لسان العرب اور تاج العروس کے وہ تھے جنہیں مرزا صاحب مسلم اور نہایت معتبر مان رہے ہیں۔ جیسا کہ جرح سے حوالہ گزر چکا ہے۔ مگر مختار مد عالیہ کو وہ صرف ایک حوالہ معلوم ہوتا ہے۔ باوجودیکہ لسان العرب اور منتہی الارب دو کتابوں کے نام خود ہی لے رہا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ جیسا کہ ہم نے محاورہ پیش کیا ہے۔ ویسا نہیں یہ لغو ہے۔ کیونکہ وہ تو محاورہ قابل استناد اور حجت ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ مفصل گزر چکا یہ کہنا کہ یہ محاورہ تو ہے۔ مگر کسی ادیب کی طرف منسوب نہیں کیا گیا محض لغو ہے۔ ڈکشنریوں اور لغت کی مستند کتابوں میں جو بھی محاورات نقل کئے ہیں وہ سب معتبر و مسلم اہل زبان کے ہوتے ہیں۔

ہر محاورہ کے واسطے ادیب کا نام پیش نہیں کیا جاتا۔ لسان العرب اور قاموس اور تاج العروس میں صرف محاورات ہی محاورات مندرج ہیں اور یہ التزام ہے کہ یہ تمام مسلم اہل زبان کے ہیں۔ آج تک کسی نے ایک محاورہ پر کلام نہیں کیا۔ ان کا صرف محاورہ نقل کرنا یا ”یقال و قولہم“ وغیرہ کہہ دینا اس کے مسلم اہل زبان کے محاورہ ہونے کا کفیل ہے۔ نام بنام محاورہ کے ساتھ ادباء و اہل زبان کے نام کی ضرورت نہیں۔ نیز لغت کی ان مذکورہ کتب میں مولدین و محدثین کے کلام کے محاورہ کو نہیں لیا گیا۔ یہاں تک اس پر کلام ہو سکے۔

ہاں! جہاں کہیں غریب اور وحشی الفاظ کی بحث آتی ہے۔ وہاں بوقت ضرورت شعروں کے ساتھ شعراء کے نام بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

بہر حال ہم نے محاورات عرب پیش کر دیئے جن کا مختار مد عالیہ کے پاس کوئی جواب نہیں اور ایک دو نہیں بلکہ متعدد اور مختار مد عالیہ ایک ہی معتبر محاورہ اپنے معانی کی تائید میں نہ لاسکا اور جب آخر کے معنی ثابت ہی ہو گئے تو لفظ آخر میں مندرجہ ذیل تاویلات کہیں کہ: ”لیکن بر تقدیر صحت میں کہتا ہوں کہ یہ حوالہ بھی فریق مخالف کو مفید نہیں ہے۔ کیونکہ محاورات عرب میں ایسے مقام پر آخر کے معنی آخری فرد کے نہیں ہوتے بلکہ اشرف اور افضل ہیں۔“

**الجواب:** پہلے تو یہ مطالبہ تھا کہ خاتم کے آخر معنی بتاؤ اور محاورہ پیش کرو اور جب متعدد حوالے پیش کر دیئے تو اب یہ کہا جاتا ہے کہ آخر کے معنی افضل کے ہیں۔ حالانکہ لغت میں تصریح ہے کہ: ”ومن كل شيء عاقبتہ و آخرتہ“ ہر چیز کے انجام اور آخر کا یہ نام ہے کہ عدالت خود محاورات اصل کتب لغت سے ملاحظہ فرمائے۔ وہاں کوئی بھی تاویل نہیں ہو سکتی اور حقیقی طور پر خاتم آخر کے معنی میں مستعمل ہے۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ یہ ایک عجیب مضحکہ خیز تسلسل ہے۔ پہلے تو خاتم کے معنی آخر دکھانے پر زور تھا کہ کہیں لغت عرب میں آخر کے معنی میں نہیں آیا اور جب نہایت معتبر کتب لغت سے جنہیں مرزا صاحب بھی نہایت معتبر فرما رہے ہیں محاورات پیش کر دیئے اور آخر کے معنی ثابت ہو چکے تو اب لفظ آخر کی بحث شروع کر دی کہ اس کے معنی افضل کے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تحقیق منظور نہیں بلکہ صرف طوالت مقصود ہے۔ پھر آخر کے معنی کی تحقیق کے لئے ایک حماسہ کا شعر پڑھ دیا:

شـری و دى و شـکـری من بـعید  
لا خـر غـالب ابـد اربـیع  
پھر مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی سے اس کا ترجمہ نقل کیا کہ: ”ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر اور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثال ہے خرید لیا۔“ اور نتیجہ یہ نکالا کہ محاورات عرب میں ”خاتم القوم آخر ہم“



کے معنی بھی اشرف اور افضل کے ہوں گے۔

**الجواب:** عدالت عالیہ خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ یہ جواب کس قدر بے معنی و لغو ہے۔ اس اعتبار سے دنیا میں کسی لفظ کے کوئی بھی حقیقی معنی ثابت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ لفظ کہیں نہ کہیں مجازی طور پر دوسرے مجازی معنی میں ضرور مستعمل ہوگا۔ پس اسی کو اس شرح بتا کے انہیں معنی پر ڈھال لیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ یہاں آخر اپنے حقیقی معنی میں گواڈعاء سہی مستعمل ہے۔ محض مختار مدعا علیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ چنانچہ اس کے پیش کردہ ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب کے آخری فقرہ ملاحظہ ہو کہ: ”جو بنی غالب میں آخری معنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثال ہے۔“ پس جب کہ آخر بمعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثال ہو اور کبھی اس کے بعد اس کی مثل نہ ہو سکا تو وہ آخری ہو اور حقیقی آخری نہ کہ افضل و اشرف کے معنی میں۔ البتہ شاعرانہ مبالغہ ضرور ہے اور یہ شعر میں ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

بہر حال لفظ خاتم محاورہ عرب میں حقیقی طور پر آخر کے معنی میں مستعمل ہونا بوضاحت ثابت ہو چکا اور تاویلات رکیکہ محض لغو اور بے سود ہیں۔ ایک بھی محاورہ ہمارے خلاف پیش نہ کر سکے۔ ہاں! اپنے طور پر جو چاہا معنی چسپاں کئے جو کوئی حجت نہیں۔

### خصوصی استدعا

عالی جاہ! حضور والا نے غور فرمایا ہوگا کہ گفتگو اس امر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام نبیوں کے آخر ہیں۔ آپ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ اس کے واسطے دنیا کی جس قدر تعبیرات ہو سکتی تھیں شریعت نے استعمال فرمائیں۔ ”خاتم النبیین“ فرمایا۔ ”لابسی بعدی“ فرمایا۔ محل کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنے کو اس کی آخری اینٹ قرار دیا۔ یہ بھی واضح فرمایا کہ میرے بعد نبی نہیں بلکہ خلفاء ہوں گے۔ ”وسیکون خلفاء“، ”انا آخر الانبیاء“، ”آخر ہم فی البعث“، ”آخر ولدک من الانبیاء“ کہ آدم کی اولاد میں آخری نبی، ”انا آخر الانبیاء ومسجدی آخر مساجد الانبیاء“ میں آخری نبی اور میری مسجد نبیوں کی مسجدوں میں آخری مسجد۔ لفظ آخر بھی مع مکمل تشریح کے فرما دیا۔

آخر اس کے سوا اس مضمون کو ادا کرنے کے واسطے دنیا کی وہ کون سی تعبیر ہو سکتی ہے اور کس طرح آپ کا سب نبیوں سے آخری نبی ہونے کا مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے۔ اتنا واضح اور روشن مسئلہ اس میں بھی اس قدر تاویلات رکیکہ کی ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اتنی وضاحت کے بعد اگر کسی ایک تاویل کا بھی جواب نہ دیا جائے تو بھی بجز اللہ! مسئلہ کا جہاں تک تعلق ہے بالکل واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی بھی کسی طرح کا نبی نہیں ہو سکتا ہے اور بیانات گواہان مدعیہ میں اس قدر حوالہ جات موجود ہیں کہ ان کے بعد کسی قسم کی تاویل قابل التفات نہیں ہو سکتی۔ کوئی بھی عرب کا محاورہ مذکورہ بالا مضمون کے ادا کرنے کا ایسا نہیں مل سکتا جو آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق نہ فرمایا ہو۔ مگر کوئی انکار ہی کرتا جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

### خاتم النبیین کے معنی کا ضروریات دین سے ہونا

خلاصہ قول مختار مدعا علیہ:

گواہان مدعیہ کی طرح مختار مدعیہ نے بھی خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے جس کے بعد اور کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ مجمع علیہ اور ضروریات دین سے بتایا ہے۔ حالانکہ کسی کے کہنے سے ضروریات دین سے نہیں بن سکتا بلکہ کسی چیز کے ضروریات دین ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ وہ امر قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے بدرجہ غایت صحت کے ثابت ہو اور اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: ضروریات دین وہ امور ہیں جو قرآن مجید اور حدیث مشہور اور اجماع متواترہ سے ثابت ہوں۔ (شفاء لطلیل)

**الجواب:** اس سلسلہ میں میرے ایک حوالہ پر تبصرہ کر کے اسے غلط ثابت نہ کر سکے میں نے خود اسے ضروریات دین سے نہیں کہا اور نہ یہ دعویٰ شہادت یا بحث میں بلا دلیل چھوڑا ہے بلکہ بحمد اللہ! وہاں کافی دلائل پیش کئے ہیں اور اعیان نقل کی شہادتیں منقول ہیں۔ بحمد اللہ! بالکل لا جواب رہی ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ان میں سے بطور نمونہ کے پیش ہے۔ ”اذا لم يعرف ان محمد ﷺ آخر الانبياء فليس بمسلم لانه من ضروريات الدين“

یعنی آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین، آخر الانبیاء نہ ماننے والا مسلمان ہی نہیں کیونکہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔ پس میں نے ضروریات دین میں سے ہونے کی تصریح پیش کی ہے۔ اس کے مقابل نہ مختار مدعا علیہ نے اس کی کوئی باسند حوالہ سے تردید پیش کی نہ اپنی تائید میں کہ یہ معنی ضروریات دین سے نہیں کوئی حوالہ پیش کیا، نہ اس پر کوئی حوالہ دے سکے کہ ان کے تصنیف کردہ معنی ضروریات دین سے ہیں۔ اب ایک معنی ضروریات دین کے واسطے قائم کئے ہیں اور شفاء العلیل کا حوالہ دیا ہے جس کا خلاصہ تین امور ہیں۔ جہاں وہ مجتمع ہوں وہ ضروریات دین سے ہے۔

۱..... قرآن مجید سے ثابت ہو۔

۲..... احادیث متواترہ یا مشہورہ سے۔

۳..... اجماع صحابہ سے۔

جواباً گزارش ہے کہ جب میں مستند علماء اور ارباب نقول سے ضروریات دین ہونے کی تصریح پیش کر دی تو ہمیں ضرورت نہ تھی کہ ہر جزو کا ثبوت پیش کریں۔ مگر محض اتمام حجت کے واسطے گزارش ہے کہ مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ ہر سہ امور کے معیار پر بھی بحمد اللہ! ہمارے پیش کردہ معنی خاتم النبیین ضروریات دین میں سے ہیں۔ تفصیلاً اصل بحث میں بیانات گواہان مدعیہ کے حوالہ سے یہ اپنے پیش کردہ معنی اولاً قرآن مجید سے پھر احادیث متواترہ مشہورہ سے پھر اجماع صحابہ و امت محمدیہ سے پیش کر چکا ہوں جن کو بخوف طوالت مکرر نقل نہیں کرتا۔ صرف حوالے اس امر کے پیش کرتا ہوں کہ ہماری طرف سے پیش کردہ معنی خاتم النبیین مختار مدعا علیہ کے ہر سہ معیار کے مطابق بھی ضروریات دین میں سے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو ایک جامع حوالہ۔

۱..... ”کونہ ﷺ خاتم النبیین مما نطقت به الكتاب وثبت به السنة واجتمعت عليه الامة فيكفر مدعي خلافه ويقتل ان اصر“

(روح المعانی ج ۸ ص ۳۹، گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳، ۴)

یعنی آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا قرآن مجید، احادیث رسول مقبول ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کے خلاف دعویٰ کرنے والا کافر اور اگر مصر ہو تو اسلامی سلطنت میں قتل کیا جائے گا۔

عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ ہر سہ اصول قائم ہوں وہ مختار مدعا علیہ موجود ہیں۔

۱..... قرآن مجید بحث میں متعدد آیات مدلل و مفصل آچکیں نیز حوالہ ماسبق کافی ہے۔

۲..... احادیث متواترہ مشہورہ ”وبذالك ورد احاديث المتواتره عن رسول الله ﷺ“

۳..... اجماع صحابہ سے ”من حديث جماعة من الصحابة“

(ابن کثیر ج ۸ ص ۸۹، گواہ مدعیہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵)

یعنی اس پر کہ معنی خاتم النبیین یہ ہیں کہ جس کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہ بن سکے۔ احادیث متواترہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے آئی ہیں۔

نیز گواہ نمبر کے بیان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہونا بیان میں گزر چکا ہے۔ پس بھرا اللہ! ہر پہلو سے اس مسئلہ کا ضروریات دین سے ہونا اور اس کے منکر کا کافر ہونا ثابت ہو گیا۔ اس کے بعد مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ یہ معنی قرآن مجید و احادیث متواترہ و اجماع صحابہ سے ثابت نہیں محض لغو ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ بعض فرقہ اہل حدیث وغیرہ اس اجماع کو اجماع ہی نہیں کہتے..... الخ! محض بیکار لغو ہے۔ بعض اہل حدیث نہ سمجھیں تمام مقلدین و ائمہ دین تو سمجھتے ہیں اور امام مالک وغیرہ کے قول کے متعلق بحث میں مفصل گزر چکا آئندہ بھی ان شاء اللہ! بحث اجماع کے تحت میں آئے گا۔

پھر مولوی محمد حسین بنا لوی کا اجماع کے خلاف ایک حوالہ دیا ہے کہ ایک جماعت کا اتفاق ہے اجماع نہیں کہلاتا۔

اولاً مولوی محمد حسین بنا لوی غیر مقلد مسلم ہی نہیں نہ ائمہ کے مقابل ان کی ذاتی رائے قابل التفات ہے۔ دوسرے اس مسئلہ متنازعہ اور معنی خاتم النبیین کے معاملے میں ایک جماعت کا اتفاق نہیں، بلکہ تمام صحابہ اور تمام امت کا اجماع ہے۔ جیسا کہ مختصر اجماعی عرض کر چکا اور مفصلاً بحث میں گزر چکا جس کا کوئی بھی جواب نہ ہو سکا۔

اس مسئلہ میں مولوی محمد حسین صاحب بنا لوی بھی اختلاف نہیں رکھتے۔ مرزا صاحب کی تردید کے سلسلہ میں (اشانۃ السنۃ کے بھی پیش کردہ ۱۰، ۹، ۸ نمبر) ملاحظہ ہوں اور جن بزرگوں پر اس کی مخالفت کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس کا محض مغالطہ اور بہتان صریح ہونا۔ بحث میں مدلل آچکا اور اپنی جگہ پر جواب الجواب میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ! مختصر آئے گا۔

اس کے بعد مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”یہ معنی قطعاً ضروریات دینی سے نہیں ہو سکتے۔“ محض دعویٰ بلا دلیل اور ناقابل التفات ہے اور بھرا اللہ! ان معنی کا ضروریات دینی سے ہونا نہ صرف میرے پیش کردہ دلائل بلکہ ائمہ دین کی تصریحات سے مصرح ثابت ہے جس کی کوئی بھی تاویل نہیں ہو سکتی۔ نہ مختار مدعا علیہ سے کوئی تاویل بن سکی۔

کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہو سکتا ہے

یہ وہی شہادت والا عنوان ہے جس کے ایک ایک حرف کا مدلل جواب بحث میں پیش کر چکا اور عدالت کی یادداشت میں بھی موجود ہے۔ پھر بھی اسے انہیں الفاظ میں دلائل سے مکرر دہرایا گیا۔

مجھے مکرر جواب کی حاجت نہیں صرف یہ گزارش کر دوں کہ یہ امر زیر نزاع بھی نہیں کہ: ”کیا تاویل سے کوئی کافر ہو سکتا ہے یا نہ۔“ صرف تاویل پر بحث نہیں جس پر بلاوجہ طوالت دی۔ بلکہ بحث یہ ہے کہ ضروریات میں تاویل کرنے والا کیا کافر ہے؟ میں اس کے متعلق کہ ضروریات دینی میں تاویل سے کافر ہو جاتا ہے۔ متعدد حوالہ بحث میں شفاء شریف، رد المختار، سائرہ وغیرہ بیانات کے حوالہ سے پیش کر چکا۔ جن کا اعادہ نہیں کرتا۔ مفصل یہ بحث دیکھنا ہو تو کتاب ”اکفار الملحدين في ضروریات الدين“ ملاحظہ فرمائیں جس کا موضوع ہی یہ ہے کہ ضروریات دینی میں تاویل ناجائز و کفر ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ عمومی رنگ میں یہاں متعلق نہیں۔ بیان سے صرف اس قدر تعلق ہے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ اس میں تاویل جائز ہے یا نہ، اس پر مختار مدعا علیہ نے ایک بھی حوالہ پیش نہ کیا۔ باوجودیکہ میں نے متعدد مصرح حوالہ بحث میں بیانات گواہان مدعیہ سے پیش کئے تھے۔ ایک نمونہ پیش ہے کہ: ”لانه صلی اللہ علیہ وسلم انه خاتم النبیین لا نبی بعده واخبر عن الله تعالى انه خاتم النبیین وانه ارسل كافة للناس واجتمعت الامة على حمل هذا الكلام على ظاهره وان مفهومه هو المراد به دون تاویل وتخصیص فلا شک فی کفره هؤلاء الطوائف کلها قطعاً واجماعاً وسعماً“

(شفاء شریف، قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۷۱)

یعنی نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ میں ایسا خاتم النبیین ہوں کہ میرے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا اور باری تعالیٰ نے اپنا خاتم النبیین اور تمام لوگوں کی طرف رسول بن کر بھیجے جانے کی خبر دی اور تمام امت نے بلا استثناء اجماع کر لیا کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا یہی ظاہری مفہوم (کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا) بلا کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس (اس کے مخالف) ان تمام فرقوں کے کفر میں قطعاً اجماعاً و سماعاً ذرہ برابر شک نہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو مدعیہ کی طرف سے پیش کئے گئے۔ ان میں کسی طرح کی بھی تاویل جائز نہیں۔ لہذا اب تاویل کی عمومی بحث کے لایعنی سلسلہ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مدّعا بالکل واضح ہے اور مفصل جواب ابتدائی بحث میں موجود ہے۔ عدالت وہیں سے ملاحظہ فرمائے۔

## مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی

اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے تقریباً ۵۵ صفحہ لکھے ہیں اور (الوصیۃ، حقیقت النبوة، الحکم، چشمہ معرفت، لیکچر سیا لکوث، ایک غلطی کا ازالہ، اخبار عالم، چشمہ مسیحی، مواہب الرحمن، خطبہ الہامیہ، کشتی نوح، اربعین، تحفہ گولڑویہ، حقیقت الوحی، استفتاء وغیرہ وغیرہ) اکثر جدید حوالے پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جہاں کہیں مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ آپ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آ سکتا۔ وہاں وہ نبی مراد ہیں جو مستقل صاحب شریعت ہو..... الخ!

یہ محض مغالطہ دیا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے تک مرزا صاحب کو اپنی نبوت کا پتہ ہی نہ تھا، نبوت پر پردہ ہی پڑا تھا۔ ملاحظہ ہو:

(حقیقت النبوة ص ۱۴۳، ۱۴۵)

”اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان حکمتوں میں سے ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحم فرما کے اور ان کے ایمانوں کو آہستہ آہستہ مضبوط کرنے کے لئے بعض باتوں کو رفتہ رفتہ ظاہر کرتا ہے..... اگر آپ کو یک لخت مسیح کی وفات اور اپنی نبوت کے اعلان کرنے کا حکم ہوتا تو آپ کی جماعت کے لئے سخت مشکلات کا سامنا ہوتا..... اسی طرح آپ کو براہین کے زمانہ ہی میں نبی قرار دیا لیکن اس پر بھی ایک پردہ تھا ڈالے رکھا..... اور پوشیدہ اس لئے رکھا تا متلاشیان صداقت پر حد سے زیادہ نہ بوجھ پڑ جائے۔ پھر دس سال بعد وفات مسیح کے مسئلہ پر سے پردہ اٹھا دیا۔ لیکن مسئلہ نبوت پر ایک پردہ پڑا رہا تا کہ جماعت اپنے اندر ایک مضبوطی پیدا کر لے۔ حتیٰ کہ ۱۹۰۱ء میں اس پردہ کو بھی اٹھا دیا اور حقیقت کھل گئی..... الخ!

پس ۱۹۰۱ء سے قبل تمام مسلمانوں کی طرح موافق قرآن وحدیث مرزا صاحب کا یہی عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ نہ اس میں کوئی تخصیص واستثناء ہو سکتا ہے، نہ امکان تخصیص ہے۔ بلکہ خود مرزا صاحب نے تصریح فرمادی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تخصیص واستثناء نہیں۔ ملاحظہ ہوں حوالہ جات مندرجہ ذیل ہیں:

..... ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمی نبینا ﷺ خاتم الانبیاء بغير استثناء وفسره نبینا فی قوله لا نبی بعدی بیان واضح للطالبین ولو جوزنا ظهور نبی بعد نبینا ﷺ لجوزنا انفتاح باب النبوت بعد تغلیقها وهذا خلف کما لا یخفی علی المسلمین وکیف یجئ نبی بعد رسولنا ﷺ وقد انقطع الوحی بعد وفاته وختم الله به النبیین“ (حماة البشری ص ۲۰، جزآن ج ۷ ص ۲۰۰)

(ترجمہ) ہم نے محمد ﷺ کو کسی مرد کا باپ نہیں بنایا۔ ہاں! وہ اللہ کا رسول اور نبیوں کا خاتم ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اس محسن رب نے ہمارے نبی کا نام خاتم الانبیاء کہا ہے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اور آنحضرت ﷺ نے طالب علموں کے لئے بیان واضح سے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اگر ہم آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز رکھیں تو لازم آتا ہے کہ وحی نبوت کے دروازہ کا

انفتاح بھی بند ہونے کے بعد جائز خیال کریں اور یہ باطل ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی کیونکر آئے۔ حالانکہ آپ کی وفات کے بعد وحی نبوت منقطع ہو گئی ہے اور آپ کے ساتھ نبوت کو ختم کر دیا ہے۔

۲..... حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ بھی ہے، ہر نبوت رابر و شد اختتام۔

۳..... ”آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے..... لیکن ختم نبوت کا بہ کمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے..... اور حدیث: ”لا نبی بعدی“ میں بھی نفی عام..... الخ!“ (ایام الصلح ص ۱۳۶، جزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳)

۴..... ”قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔“

(ازالہ ادہام ص ۷۱، جزائن ج ۳ ص ۵۱۱)

۵..... ”اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔“

”ماکان اللہ ان یوسل نبیاً..... الخ!“ خدا کوئی بھی نبی بعد ہمارے نبی خاتم النبیین کے نہیں بھیجے گا۔

(آئینہ کمالات ص ۳۷۷، جزائن ج ۵ ص ۳۷۷)

عبارات مذکورہ بالا میں فقرات مندرجہ ذیل خصوصیت سے قابل لحاظ ہیں۔

۱..... ہمارے نبی کا نام خاتم الانبیاء رکھا اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

۲..... آنحضرت ﷺ نے تفسیر یہ کی ہے کہ: ”میرے بعد کوئی بھی نبی نہیں۔“

۳..... آنحضرت کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز رکھیں..... الخ!

۴..... آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی کیونکر آئے..... الخ!

۵..... ہر نبوت رابر و شد اختتام۔

۶..... آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے۔

۷..... پرانے یا نئے نبی کی تفریق شرارت اور لانی بعدی میں نفی عام ہے۔

۸..... قرآن کریم بعد خاتم الانبیاء کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔

۹..... خاتم الانبیاء کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا، نیا ہو یا پرانا۔

۱۰..... خدا کوئی بھی نبی بعد ہمارے خاتم النبیین کے نہیں بھیجے گا۔

اب عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ بلا استثناء عموم اور لفظ کسی اور نبی اور ہر نبوت غرض جس قدر بھی عموم کے لفظ ہو سکتے ہیں، سب ہی موجود ہیں۔ اس پر بھی مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ اس سے مراد صرف مستقل صاحب شریعت نبی نہیں، محض غلط اور بے معنی ہے۔ پھر جس پر گواہان مدعا علیہ کا ایمان تھا کہ خلیفہ دوم صاحب وہ بھی ۱۹۰۱ء سے قبل تک وہی مانتے ہیں جو میں نے عرض کیا۔ لہذا مختار مدعا علیہ کی یہ ریکیک تاویل بالکل خلاف واقع اور ناقابل التفات ہے۔

انقطاع نبوت پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب

دوسری آیت: ”الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ: ۳)“

## خلاصہ جواب:

- ۱..... اس آیت میں انقطاع نبوت کا ذکر نہیں، بلکہ اکمل دین و اتمام نعمت کا ہے۔
- ۲..... اکمال دین و انقطاع نبوت لازم و ملزوم نہیں، پہلے دین کی اشاعت کے لئے بھی نبی آتا ہے۔
- ۳..... اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ صاحب شریعت جدیدہ نہیں آئے گا۔
- ۴..... گواہان اور مختار مدعیہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی حیثیت میں نزول کے قائل ہیں۔
- ۵..... اگر دین کا مکمل ہونا کسی نبی کے آنے کو مانع ہے تو اسرائیلی نبی دین کی ترویج کے لئے کیوں آئے گا۔

## الجواب علی ترتیب السوال

۱..... اکمال دین اور اتمام نعمت سے مراد انقطاع نبوت ہی ہے۔ کیونکہ یہاں نعمت سے نعمت نبوت ہی مراد ہے۔ اس کی تائید میں قرآن وحدیث ودیگر اسلاف و اخلاف کے اقوال سے بیان گواہ مدعیہ نمبر الف ۲، ۳ میں مصرح موجود ہے جس پر ایک بھی اعتراض نہیں پڑتا۔ عدالت مسل سے ملاحظہ فرمائے۔

۲..... اکمال دین و اتمام نعمت و انقطاع نبوت یقیناً لازم و ملزوم ہیں۔ جب ہی تو جس پر یہ آیت اتاری اسی کو خاتم النبیین قرار دیا۔ خود مختار مدعا علیہ کو اس کا اسی تحت میں اعتراف ہے۔ لیکن آیت صرف محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے تو آپ خاتم النبیین ہوئے۔ کیونکہ آپ نے کوئی حکمت اور کوئی ہدایت اور کوئی علم اور کوئی سزا ایسا نہیں چھوڑا جس کی ضرورت ہو اور آپ نے نہ بتایا ہو۔

پہلا کوئی بھی دین کامل و مکمل نہ تھا، کسی میں افراط، کسی میں تفریط تھی۔ بہر حال ناقص تھے۔ اس لئے نبی آ کر وحی الہی کی روشنی میں تبلیغ کرتا تھا اور یہ دین کامل و مکمل ہے جس کے بعد بقول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و جی منقطع ہے۔ ”انہ تم الیدین و انقطع الوحی“ (بحوالہ سابق) پس کوئی بھی نبی نہیں آ سکتا نہ ضرورت ہے۔ اشاعت و تبلیغ پہلے انبیاء کا کام تھا اور اب ہر عالم مسلمان ”بسلغوا عنی ولو آیتہ ولو حدیثا..... الخ! اسی لئے اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح قرار دیئے گئے کہ جو کام بنی اسرائیل میں ترویج و تبلیغ دین انبیاء کرتے تھے وہ اس امت میں بوجہ ختم ہو جانے سلسلہ بعثت نبوت کے علماء ربانیین کریں گے۔ جیسا کہ آج تیرہ سو سال تک تعامل رہا۔

۳..... اس سے ہرگز صاحب شریعت جدیدہ کا نہ آنا نہیں نکلتا۔ خیر یہ تو مان لیا کہ انقطاع نبوت نکلتا ہے۔ گویا صاحب شریعت جدیدہ سہی۔ اب گزارش ہے کہ اصل بحث اور بیان گواہان مدعیہ میں عموم پر قرآن وحدیث واقوال سلف سے حوالہ گزر چکے۔ اس کے مقابل مختار مدعا علیہ کی بلا کسی قرینہ وثبوت کے محض ذاتی رائے کہ صاحب شریعت جدیدہ کا اسی سے انقطاع نکلتا ہے۔ محض لغو و ناقابل التفات ہے۔

۴..... عیسیٰ علیہ السلام کا منصب نبوت پر نازل ہونا کوئی بھی نہیں مانتا۔ ہاں! صفت نبوت ان سے مسلوب نہ ہوگی۔ مگر منصب نبوت اور اس کی ڈیوٹی نہ ہوگی۔ بلکہ امتی اور مجدد کی حیثیت میں ہوں گے جس کے مفصل حوالے فتاویٰ ابن حجر اور فتوحات مکیہ جو وغیرہ سے گزر چکے اور احادیث کے سلسلہ میں بعض پر آئیں گے۔ گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳ نے جرح میں بھی اسے صاف کر دیا ہے۔

۵..... یہ کہنا کہ اگر دین کا مکمل ہونا کسی نبی کے آنے کو مانع ہے تو اس سے اسرائیلی نبی ترویج دین کے لئے کیوں آئے گا، محض مغالطہ ہے۔ کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی آئے تو یہ اعتراض تھا۔ وہ تو امتی اور مجدد ہونے کی شان سے آئیں گے۔ پس جیسے مجددین سے خاتم النبیین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یوں ہی ان کے آنے سے بھی کوئی خرابی نہ ہوگی۔ بلکہ اس میں اور شان نبوت محمدیہ کا اظہار ہے کہ آپ کی نبوت ایسی تام ہے کہ بنی اسرائیل کا جلیل القدر نبی بھی اس امت کے شمار میں آ کر ایک امتی کی طرح تبلیغ دینی و ترویج سنت نبویہ ﷺ کرتا ہے۔ باقی مفصل جواب کچھ اور پر بھی آچکا ہے۔ باقی سلسلہ احادیث میں آئے گا۔ عدالت پر یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے اس آیت کا خاتم التبيين کی تفسیر اور انقطاع نبوت پر دال ہونا، قرآن وحدیث اقوال سلف ائمہ ومفسرین سے مدلل ثابت کیا ہے۔ بخلاف مختار مدعا علیہ کے کہ اس کا جواب محض احتمالات عقلیہ اور اپنے ذاتی خیالات اور تاویلات سے دینا چاہا ہے جو قابل التفات ہی نہیں۔ کیونکہ تفسیر بالرائے تو مرزا صاحب بھی جائز نہیں بتاتے۔ ملاحظہ ہو (برکات الدعاء مرزا صاحب) آخر میں مختار مدعا علیہ نے ایک چھٹا نمبر ڈال کر اصل بات کا عنوان دے کر یہ کہا ہے کہ اکمال دین و اتمام نعمت ہی چاہتا ہے کہ آپ کی پیروی سے نبی بنیں اور اس پر بیان گواہ مدعا علیہ نمبر کا حوالہ دیا ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ ان تحیلات اور بلادلیل تاویلات سے اعتقادیات کا ثبوت اور تفسیر کلام الہی تو ہونی سکتی۔ اکمال دین یا اتمام نعمت کے معنی کسی نے آج تک نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام، علماء سلف و خلف نے یہ نہ سمجھا۔ کتاب کی اجتناب سے نبی بنتے رہیں گے۔ یہ محض دعویٰ بلادلیل ہے اور تمام آیات ختم نبوت واحادیث صحیحہ واجماع امت واجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ لہذا قابل التفات نہیں۔ تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعیہ نمبر ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ و بحث مختار مدعیہ۔ اس کے بعد کتاب (انسان کامل سید عبدالکریم جیلی کی ایک عبارت ص ۷۶) سے نقل کر کے مغالطہ دینا چاہا ہے اور جس قدر امور اس سے بطور نتیجہ اخذ کئے ہیں۔ وہ سب محض مغالطہ ہیں بلکہ وہ تو یہاں بکمال تصریح ختم نبوت کو بیان فرما رہے ہیں اور آپ کے بعد وہ نبوت کا جواز ہی نہیں مانتے اور کوئی حکمت ہدایت اور علم باقی نہیں مانتے جس کے واسطے کوئی نبی آئے اور لفظ تشریح سے معنی غلط خلاف اصطلاح مصنف لے کر مغالطہ کی سعی کی ہے۔ تفصیل کے واسطے (انسان کامل ص ۶۸) ملاحظہ ہو جو گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، ۲۸، مارچ ۱۹۳۳ء جرح میں پیش ہو چکا ہے۔ نیز یہ عبارت من جملہ دلائل ختم نبوت گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳ نے اپنے اصل بیان میں مفصل لیا ہے۔ وہیں سے ملاحظہ ہو جس کے بعد یہ مغالطہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مختار مدعا علیہ نے آیت (۲) ”وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سبا: ۲۸)“ (۳) ”قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (الاعراف: ۱۵۸) ولکل قوم ہاد (الرعد: ۷)“، نقل کی ہیں اور اپنے لفظوں میں ایک مطلب گواہان مختار مدعیہ کی طرف منسوب کر کے مندرجہ ذیل تاویلیں کی ہیں۔

۱..... ان آیات میں آئندہ نبی آنے نہ آنے کا کوئی ذکر نہیں۔

۲..... بتصریح حدیث اس میں عموم دعوت کا ذکر ہے۔

۳..... جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے نبی تھے۔ پھر بھی دوسرے نبی ان کے ماتحت آئے۔ یوں ہی آپ کی امت میں نبی کا آنا عمومیت دعوت کے منافی نہیں۔

۴..... ”انا ارسلنا الیکم رسولاً شہدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً (المزمل: ۱۵)“ کی رو سے آنحضرت ﷺ جب مثیل موسیٰ ہوئے تو اس کی تکمیل کے لئے، جیسے ان کے بعد نبی آئے یہاں بھی آنا چاہئے اور چونکہ خاتم التبيين بھی آپ کی صفت ہے۔ لہذا مستقل نہ ہوگا بلکہ آپ کے تابع ہوگا۔

الجواب: اجمالاً یہ گزارش ہے کہ عدالت ان آیات کا مدلل گواہ مدعیہ نمبر الف، ۲، ۳، ۴ کو سامنے رکھ کر ان جوابات اور محض انکال کی تاویلات رکیکہ کا مقابلہ فرمائے کہ یہ تاویلات کس قدر بے ربط اور لاجوابی کا ثبوت ہیں۔

## مرتب تفصیل جواب

۱..... مدلل بیانات میں پیش ہو چکا کہ قیامت تک عمومیت دعوت و عموم رسالت مستلزم انقطاع نبوت کو ہے اور اس سے زائد تصریح نہیں ہو سکتی کہ آپ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آ سکتا۔ تفصیل کے واسطے بیان گواہ مدعیہ نمبر الف اور ان آیات کی تفسیر میں تفسیر ابن کثیر وابن جریر

ملاحظہ ہو۔ اکثر حوالے بیانات گواہان مدعیہ میں موجود ہیں۔

۲..... جب کہ اس میں عموم دعوت تسلیم کر لیا تو انقطاع نبوت جو اس کا لازم ہے وہ بھی لازماً تسلیم کرنا ہوگا۔ کیونکہ قیامت تک تمام بنی نوع کے واسطے عموم دعوت اتمام نعمت کے بعد کوئی دوسرا نبی بن ہی نہیں سکتا۔

۳..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسرے نبی آنے پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ تمام بنی نوع کے لئے نہ تھے۔ نیز ان کی دعوت کا عموم نہیں تھا۔ ان پر تکمیل دین و اتمام نعمت ہی یوں نہ ہو۔ انہیں خاتم النبیین بھی نہیں ٹھہرایا گیا، بخلاف سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ کے۔ پس یہ قیاس مع الفارق محض لغو ہے۔ صرف عموم دعوت بنی اسرائیل کو نہ دیکھا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ دوسرے امور مذکورہ بھی قابل لحاظ ہیں۔ جب ہی تو یہ آیات تائیداً پیش کی گئی ہیں، نہ منقطعاً۔

۴..... خاتم النبیین نے خود ہی مستقل کی تخصیص کر دی۔ حالانکہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی جسے کے بعد کوئی بھی کسی طرح کا نبی ظلی و بروزی نہ اس کے مدلل ثابت ہو چکا۔ پس مثیل ہونا صرف اس امر میں ہے کہ جیسے وہ نبی تشریحی تھے۔ ایسے ہی آنحضرت ﷺ بھی نبی تشریحی ہیں۔ چنانچہ اس آیت: ”انا ارسلنا الیکم“ میں تمام ائمہ و مفسرین بلکہ گواہ و مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ شیخ عبدالوہاب و امام محی الدین ابن عربی نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو شہادت گواہ مدعیہ نمبر ۱، ۲، ۳۔

مختار مدعا علیہ کی چند آیات کے متعلق عاجزی

اس کے بعد مختار مدعا علیہ نے گواہ مدعیہ نمبر ۱ کے بیان سے (۱) سراجاً منیراً (الاحزاب: ۴۶) (۲) قفل لئن اجتمعت الانس (بنی اسرائیل: ۸۸) (۳) بالحق انزلناہ (بنی اسرائیل: ۱۰۵) (۴) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (النساء: ۵۹) (۵) میثاق النبیین (آل عمران: ۸۱) (۶) انا نحن نزلنا الذکو (الحج: ۹) یہ چھ آیات نقل کی ہیں مگر جواب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد یہ فرماتے ہیں کسی آیت سے ایسی نبوت کا جس کے ہم قائل ہیں، انقطاع ثابت نہیں ہوا۔ وغیرہ وغیرہ!

محض تاویلات رکبکہ بلا کسی دلیل کے پیش کی ہیں جن کے دیکھنے سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ مختار مدعا علیہ کے پاس کچھ بھی ضابطہ کا بھی ان کے متعلق جواب نہیں۔ میں بجائے کسی تفصیلی کے جواب کے عدالت عالیہ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ان تاویلات کو بیان گواہ نمبر الف سے ملا کر ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں کوئی مطلب اپنی عقل و رائے سے نہیں بیان کیا گیا، بلکہ مدلل نقل پیش کی گئی ہیں اور ان تمام تاویلات کا سدباب کر دیا ہے۔

پھر آخر میں مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”آنحضرت ﷺ کی اولاد روحانی میں سے ایک فرد کو حضور کی پیروی کی برکت سے اگر مقام نبوت حاصل ہو جائے تو اس میں کون سا گناہ لازم آتا ہے۔“ محض لغو اور بیکار ہے گناہ کیا ساری دین کی عمارت ہی مسمار ہو جائے گی۔ اس میں قرآن پاک، احادیث نبویہ، تمام صحابہ کرام ائمہ دین کی مخالفت کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی سخت توہین اور کفر عظیم ہے۔ تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳ و بحث مختار مدعیہ۔

بھم اللہ! گواہ مدعیہ کی پیش کردہ تمام آیات بالکل لا جواب ہیں اور اپنے الفاظ میں اس کا مطلب ڈھال کر بھی مختار مدعا علیہ جواب نہ دے سکا۔ عدالت جب بیانات کا مقابلہ و ملاحظہ فرمائیں گے تو اصل حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

(آیات کا جواب الجواب ختم ہوا)

پیش کردہ احادیث کا صحیح مطلب

خلاصہ قول مختار مدعا علیہ:



- ..... ۱ گواہان مدعا علیہ نے ان کے جوابات دیئے تھے مگر مختاران مدعیہ نے اس سے سکوت کر کے صحیح تسلیم کر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔
- ..... ۲ مختار مدعیہ کا دوسوا سترہ کہنا مغالطہ ہے، صرف تیرہ احادیث پیش کی ہیں۔
- ..... ۳ ان تیرہ میں بھی بعض ضعیف ہیں۔

### الجواب:

..... ۱ جو قابل اعتناء جواب تھا، اس کا ایسا فیصلہ کن جواب الجواب دیا گیا تھا کہ اس کے بعد امید تھی کہ مختار مدعا علیہ اس کا نام بھی یہ نہ لیتا۔ مگر تعجب ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ سکوت اختیار کیا اور صحیح تسلیم کر لیا۔ یہ ضرور ہے کہ تمام اعتراضات کا صرف ایک جامع جواب دیا تھا کہ ان تمام جوابات گواہان مدعا علیہ کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ: ”لا نسی بعدی“ یا ”لا نبوت بعدی“ وغیرہ میں نبوت تشریحی و مستقل وغیرہ کی تاویل ”لافتی آلا علی فلا کسریٰ بعدہ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب“ وغیرہ سے کرتے ہیں۔ مگر غالباً انہوں نے مرزا صاحب کی تصانیف کا پورا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ تو اس تخصیص کو شرارت اور گستاخی بتاتے ہیں اور ”لا نسی بعدی“ میں نفی عموم کے معنی میں لیتے ہیں اور اس کے واسطے (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۴ ص ۳۹۳) سے تقریباً سترہ (۱۷) سطرین پیش کی تھیں۔ اس کے بعد یہ گزارش کی تھی کہ اس حوالہ کے بعد غالباً مختار مدعا علیہ ان جوابات کا مکرر نام بھی نہ لیں۔ کیونکہ ایک اجمالی جواب کافی ہے اور اگر پھر بھی وہ تاویلات رکیکہ دہرائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! ان کی تقفی کے لائق مفصل ہر ایک کا جواب علیحدہ علیحدہ ہی پیش کر دیا جائے گا۔ یہ حوالہ اسی سلسلہ میں بحث ابتدائی میں پیش کر چکا ہوں۔ لہذا یہ کہنا کہ سکوت اختیار کر کے صحیح تسلیم کر لیا محض جھوٹ اور افتراء خالص ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اسے جواب نہ خیال کریں۔ حالانکہ یہ جواب مرزا صاحب کے الفاظ میں ہے۔ یہ تو زیادہ قابل لحاظ ہونا چاہئے تھا۔

..... ۲، ۳ دوسو (۲۰۰) احادیث اس سلسلہ میں ہونے کا قول کثرت احادیث ہونے کے سلسلہ میں، بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر ۳ پیش کیا گیا تھا، نہ یہ کہ دوسو (۲۰۰) احادیث پیش کی گئیں۔ عدالت ملاحظہ فرمائے اصل بحث کے وقت گواہ نمبر ۳ کے اصل الفاظ پیش کئے تھے۔ سترہ (۱۷) کو مغالطہ اور صرف تیرہ (۱۳) پیش کردہ بتانا بالکل صحیح نہیں۔ ہاں! شاید اس سے مغالطہ لگ گیا ہو کہ احادیث پیش شدہ کو میں نے مطلق حکم نبوت بعد آنحضرت ﷺ علیحدہ اور تفسیر خاتم النبیین کی علیحدہ اور جن میں آخر الانبیاء یا آخر النبیین کی تصریح ہے۔ وہ علیحدہ ہیڈنگ کے تحت جمع کی تھیں اور کل اس سلسلہ کی بیانات گواہان مدعیہ اور جرح سے (۲۶) نقل کی تھیں میں صرف ان کا حوالہ بلا نقل دیتا ہوں۔

احادیث (۳) بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی) از بیان گواہ مدعیہ نمبر الف، ۴، ۳، ۲، ۱۔

حدیث (۱) بروایت ابی حازم رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم) بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر الف، ۴، ۳، ۲، ۱۔

حدیث (۱) بروایت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم مشکوٰۃ، مرقات) بحوالہ گواہ نمبر الف، ۴، ۳، ۲، ۱۔

حدیث (۲) بروایت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم و ابن کثیر) بحوالہ نمبر الف، ۴۔

حدیث (۱) بروایت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ (مسلم شریف ج ۲) بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر الف۔

حدیث (۱) بروایت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (طبرانی شریف) بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر ۳۔

حدیث (۲) بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (کنز العمال) بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر الف و جرح گ مدعیہ نمبر ۱، ۲۔

حدیث (۱) بروایت ابی امامہ رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ) بحوالہ گواہ الف و جرح گواہان مدعا علیہ۔

احادیث (۱۴) بروایت مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم (بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و کنز) بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر الف، ۴، ۳، ۲، ۱ و جرح

گواہان مدعا علیہ۔

یہ کل (۲۶) ہیں جو مفصل پیش کر چکا۔ مگر مختار مدعا علیہ کو چونکہ (۱۳) کا جواب کچھ نہ کچھ دینا ہے۔ اس لئے اس نے تیرہ بتائیں اور بعض ضعیف بھی کہا۔ حالانکہ ضعف ثابت نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ بھی بیانات گواہان مدعیہ میں احادیث ہیں جن میں بعض کا مضمون مکرر تھا۔ گواحدیث جدا جدا ہیں۔ اس لئے بخوف طوالت بحث میں نہ دہرایا گیا تھا۔

## پہلی حدیث کا جواب

”قال لعلی انت منی منزلة الی قوله لا نبی بعدی“

خلاصہ جواب:

- ۱..... بعد کے معنی غیر حاضری کے ہیں، یعنی متصل غزوہ تبوک میں جانے کے بعد زمانہ میں کوئی نبی نہیں یا تو نبی نہیں۔
- ۲..... اگر بعدی کے معنی میری موت کے بعد کے لئے جائیں تو دونوں جملوں میں کوئی متعلق نہیں رہے گا۔ نہ تشبیہ درست ہوگی۔ کیونکہ ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

جواب الجواب:

۱..... اس میں شبہ نہیں کہ کبھی بعد کے معنی بعدیہ متصلہ کے بھی آئے ہیں اور آیات پیش کردہ میں وہی سہمی، مگر اس حدیث: ”لا نبی بعدی“ میں وہ معنی مراد نہیں۔ کیونکہ یہاں اس تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گویا یہ منقول ہے۔ مگر یہ قول: ”لا نبی بعدی“ بمنزلہ ضابطہ کلیہ کے ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ ضابطہ کلیہ نہ صرف اس جگہ بلکہ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے متعدد جگہ استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً: ”انا خاتم النبیین لا نبی بعدی و سیکون خلفاء“ وغیرہ جہاں کسی قسم کی بعدیت متصلہ کے ساتھ تخصیص ناممکن ہے۔ نیز بعض روایات میں ”لا نبی بعدی“ کے ساتھ و سیکون خلفاء بھی موجود ہے جو قطعی دلیل ہے کہ بعدی کے معنی بعدیت متصلہ کے نہیں، بلکہ مرنے کے بعد کے ہیں اور بعدیت متصلہ سے مفید کرنے میں عموم نفی سے جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ (ایام اصح ص ۱۳۶) پر مرزا صاحب بھی فرماتے ہیں کہ: ”لا نبی بعدی“ میں نفی عام ہے۔ عدالت خود اس حدیث کو بیانات سے لے کر اس تاویل سے مقابلہ فرمائے۔

۲..... ”لا نبی بعدی“ کے معنی بعد فوت کے لینے ہی متعین ہیں جس پر دوسری روایت میں و سیکون خلفاء کا قرینہ واضح موجود ہے اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح خلافت بعد آنحضرت رضی اللہ عنہ کی موت ہی کے ہوگی۔ اب یہ امر کہ دونوں جملوں کا تعلق و تشبیہ درست نہ ہوگی، یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ مشبہ و مشبہ بہ میں بین مشارکت تامہ تمام اجزاء میں نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ صرف وجہ شبہ میں ہوتی ہے۔ وہ موجود ہے کہ جیسے کہ طور پر موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ چھوڑا تھا، میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔ تشبیہ صرف مطلب خلافت میں ہے۔ پس ہر دو جملوں کا تعلق اور تشبیہ بدستور قائم ہے۔ البتہ اس تشبیہ سے اس شبہ کا احتمال تھا کہ کوئی تشبیہ تامہ سمجھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی نہ سمجھنے لگے یا وہ خود نبی نہ سمجھیں۔ ”قال الہ لست نبیاً“ نبی یا قاعدہ کلیہ ”لا نبی بعدی“ سے اسے دفع فرما دیا کہ چونکہ میرے بعد کوئی نبی ہونا و بننا نہیں۔ اس لئے صرف خلیفہ تو ہونا نبی ہونا ناممکن نہیں۔ عدالت اصل بیان سے ملاحظہ فرمائے اس شبہ کا شائبہ تک نہیں۔ اگرچہ اس کے اخیر میں مدعا علیہ نے اپنے بیان کا حوالہ دیا ہے۔ مگر وہاں اس سے زائد کوئی بات نہیں۔ سوائے توضیح امثلہ یا تطویل عبارت کے (علماء نے ”لا نبی بعدی“ کے کیا معنی کئے ہیں)

۱۲۔ مختصر حوالہ جات مختار مدعا علیہ

۱..... اقتراب الساعة نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی۔

۲..... قول ملا علی قاری بحوالہ اشاعت لاشراط الساعۃ للسید شریف بزرگی۔

۳..... دوسرے حوالوں کے واسطے بیان کا حوالہ دیا گیا ہے۔

**الجواب:**

۱..... اقترب الساعۃ اور اس کے مصنف نواب صدیق حسن خان صاحب ہمارے مسلم نہیں۔ جیسا کہ مفصل اوپر گزر چکا ہے نیز گواہان مدعیہ نے جرح میں صاف کر دیا ہے۔

نیز یہ ان کی ذاتی رائے ہے جس پر کوئی سند نہیں بلکہ صریح احادیث کے خلاف ہے اور غیر مسلم ہے۔ پس ہم ان دونوں کے جواب کے مکلف نہ تھے۔ مگر عدالت غور فرمائے تو ان دونوں کا جواب ہماری طرف سے پیش ہو چکا۔ اسی طرح صاحب کلمہ مجمع البحار کہ ”لا نبی ینسخ شرعہ“ بھی بیعہم یہی مطلب اور یہی واقعہ اور تقریباً انہیں الفاظ میں ادا فرما رہے ہیں اور اس کا جواب بیعہم اس کا جواب ہے۔ کلمہ کی ماقبل عبارت کا نئے سرے سے یہ شبہ پیدا ہو گیا، ورنہ ہرگز نہ ہوتا۔ یوں ہی اقترب الساعۃ اور اشاعت کی عبارت اوپر سے ملاحظہ فرمائیں۔ مطلب بالکل واضح ہے۔ یہاں صرف نزول عیسیٰ علیہ السلام کی بحث ہے جس پر مختلف اعتراضات وارد ہوتے ہیں جنہیں رفع کیا ہے اور حدیث: ”لا وحی بعدی“ کو سنداً مجروح قرار دیا اور صاحب کلمہ نے مغیث سے ایک اور حدیث نقل کی جس کے الفاظ یہ تھے ”مغیث فی حدیث عیسیٰ انہ یقتل الخنزیر ویکسر الصلیب ویزید فی الحلال“ یعنی عیسیٰ نازل ہو کر قتل خنزیر اور کسر صلیب فرمائیں گے اور حلال میں زیادتی فرمائیں گے۔ اب خیال تھا کہ حلال میں زیادتی تو جدید شریعت ہوگی۔ اس کا جواب دیا کہ مطلب یہ ہے کہ: ”ای یزید فی حلال نفسہ بان یتزوج ویولدلہ وکان لم یتزوج قبل رفع الی السماء فزاد بعد الہبوط فی الحلال فحینئذ یؤمن کل احد من اهل الكتاب للیقین بانہ بشر“ یعنی حال میں زیادتی سے کوئی نئی حلت کا ایجاد نہیں، بلکہ اپنے اعمال میں حلال یعنی نکاح کا اضافہ فرمائیں گے۔ اس طور پر شادی کریں گے اور اولاد ہوگی۔ کیونکہ قبل ”رفع الی السماء“ شادی نہ کی تھی۔ اب زمین پر اترنے کے بعد شادی فرماویں گے جس سے اہل کتاب ان کی بشریت کا یقین کر کے ان پر ایمان لائیں گے۔ (جو پہلے خدا سمجھتے یا مخالف تھے)

پھر اسی نزول عیسیٰ علیہ السلام پر قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محمول فرمایا ہے۔ اس کے بعد یہ لفظ ہے کہ ”وہننا لا ینافی حدیث لا نبی بعدی“ کہ یہ حدیث ”لا نبی بعدی“ کے منافی نہ ہوا۔ کیونکہ اس زیادتی حلال سے تو شادی کرنا مراد ہے اور ”لا نبی بعدی“ کا مراد کسی نبی کا نہ آنا ہے جو شریعت محمدی کے لئے یہاں تو اسی کے مطابق عمل کیا۔ پس وہ نبی نہ بنے بلکہ عامل بالشرع الحمدی رہے۔ عدالت خود اس خیانت کو ملاحظہ فرمائے کہ وہاں ”لانہ“ ارادہ ہے اور گواہ مدعا علیہ نے لانا کا لفظ کاٹ کر کے صرف ارادہ الخ سے عبارت لی۔ تاکہ ماقبل سے ربط نہ معلوم ہو سکے۔ پس اس قسم کے قطع و برید کے حوالہ جات قابل التفات ہی نہیں۔ لہذا دراصل وہ عبارت اسلامی عقیدہ کے منافی نہیں۔ نیز وہ تو صرف نزول عیسیٰ علیہ السلام من السما کے متعلق ہے اور جو اس کا قائل نہیں۔ ان سے کہنا ہی اس کا فضول ہے۔ اسی جگہ نبی تشریحی کی ”اذا ہلک کسری فلا کسری بعدہ..... الخ!“ اور ”لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار“ وغیرہ سے بھی ہرگز درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مرزا صاحب کی تحقیق سے بھی منافی ہے۔ جیسا کہ اصل بحث میں عرض کر چکا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی ”لا نبی بعدی“ میں نفی عموم کی ہے اور تخصیص کرنا شارت ہے۔

پھر یہ بھی ملاحظہ ہو کہ امثلہ مذکورہ یا ان جیسی اور چند مثالوں میں نفی کمال بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ ”لا نبی بعدی“ میں نفی کمال ہی مراد ہے۔ کیا کسی ایک حدیث یا قول یا محاورہ میں نفی کمال مراد ہو جانا اس امر کو مستلزم ہے کہ سب جگہ بھی معنی

چلائے جائیں اور اگر یہ عام ضابطہ کلیہ بن گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ: ”لا الہ الا اللہ“ یا ”لا الہ الا هو“ یا ”لا ریب فیہ“ ہر نئی کمال نہ لی جائے۔ کیونکہ جب یہی اجتہاد اور یہی قیاس ہو تو ایک بت پرست ہندو کہہ سکتا ہے کہ: ”لا الہ الا اللہ“ میں بھی نئی کمال ہے۔ یعنی کامل معبود سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ اگرچہ غیر مستقل اور غیر شارح معبود ہو سکتے ہیں اور یہی تمام بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔ یوں ہی کوئی قرآن کا منکر کہہ سکتا ہے کہ: ”لا ریب فیہ“ میں یہی نئی کمال ہے۔ یعنی کامل ریب و شک قرآن میں نہیں۔ اگرچہ بعض اقسام ریب اور شک کے موجود ہے۔ اگر کسی دلیل سے اس مخالف بت پرست کو نئی کمال مراد لینے سے روکا جاسکتا ہے تو وہی دلیل ہماری جانب سے بھی۔ ”لانہی بعدی“ میں نئی کمال مراد ہونے پر تصور فرمائیں۔ پس جب کہ تمام قرآن و حدیث و اقوال سلف حتیٰ کہ مرزا صاحب کے (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳) کی تصریح سے ثابت ہو گیا کہ ”لانہی بعدی“ میں نئی عموم کی ہے اور تخصیص شرارت اور گستاخی ہے۔ پس یہ تاویلات یقیناً بلکہ مسلم طور سے ناقابل التفات ہیں۔

## ایک مغالطہ کا جواب

”اذا ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و اذا ہلک قیصر فلا قیصر بعدہ“، تخصیص کے لئے عجیب و غریب تقریر تصنیف کی ہے اور اس کا مدار اس پر ہے کہ کسریٰ اور قیصر خاص دو شخصوں کے نام نہیں۔ بلکہ ہر بادشاہ فارس کو کسریٰ اور شاہ روم کو قیصر کا لقب دیا جاتا ہے۔

اور چونکہ ان دونوں ملکوں میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے اب تک کوئی نہ کوئی بادشاہ ہی ہوتے رہے ہیں۔ پس معنی یہ ہیں، اگرچہ باقی ہوں گے، مگر اسلام کے زیر نگین۔ یوں ہی یہاں نبی تو آئیں گے مگر آنحضرت ﷺ کے تابع۔ مگر یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ خود ایک مطلب تصنیف کیا اور اس پر بنیاد رکھ دی۔ یہ محض غلط ہے کہ کسریٰ و قیصر اب تک موجود ہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں حضرت امام شافعی اور تمام علماء سے نقل فرماتے ہیں: ”فلا کسریٰ بالعراق ولا قیصر بالشام“ یعنی ان دونوں اقلیموں میں ان کی سلطنت نہ رہے گی۔ چنانچہ بلا شک اس طرح ہوا کہ کسریٰ اور کسرویت کا تو بالکل خاتمہ ہو گیا اور قیصر نے ملک شام سے بھاگ کر کسی اور جگہ پناہ لی۔ غرض ان دونوں اقلیموں میں کسریٰ و قیصر نہ رہے۔ اس لئے سوال اس پر ہے خود یہ کہنا ہی غلط ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی میں مستعمل نہیں۔ حتیٰ کہ اس پر ”لانہی بعدی“ کو قیاس فاسد کر کے تحریف کریں اور اگر تھوڑی دیر کے واسطے بقرض محال اس حدیث فلا کسریٰ میں کسی خارجی وجہ سے کوئی تخصیص مرزا صاحب کے متبعین کی طرح فرض کر لے تو اس سے یہ کب لازم آیا کہ ”لانہی بعدی“ میں بھی تخصیص کر دی جائے۔ کیا کسی ایک حدیث کا کسی وجہ سے مؤول ہو جانا۔ اس کو مستلزم ہے کہ تمام احادیث صریح کو بگاڑ کر اس کے مطابق بنایا جائے۔

اور (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳) کی تصریح کے بعد مرزا صاحب کے مسلک پر بھی اس حدیث: ”لانہی بعدی“ میں تخصیص شرارت اور گستاخی ہے۔

یہ محض غلط ہے کہ ان احادیث کے جواب کا جواب ابتدائی بحث میں نہ آیا۔ کیونکہ ابتدائی بحث میں التزام تھا کہ جو چیز ایک مرتبہ جس سلسلہ میں گزر گئی۔ اعادہ کسی رنگ میں نہ کیا گیا۔

صوفیائے کرام کے حوالوں کی تشریح کے تحت اصل بیانات اور بحث میں شیخ محی الدین ابن عربی کے قول: ”انما ارتفعت نبوة التشريع فهذا معنى لانہی بعدی“ اور ”بل اذا كان يكون تحت حکم شرعی“ کا مکمل جواب اور لفظ تشریح کی شرح وغیرہ ربط و تفصیل سے گزر چکی۔ اب یہ کہنا کہ اس کا جواب نہ ہوا صحیح نہیں اور چونکہ جواب الجواب میں بجائے کسی جواب کے کچھ کمی زیادتی اور

جوانی رنگ کے مکرر پیش کیا ہے۔ لہذا مختصر جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ اگرچہ اس اصول تحقیقی کے بعد ضرورت نہ تھی۔

## اصولی تمہید

۱..... عقائد میں قطعیات کتاب ”اللہ والرسول“ یا بقول گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ وحی مرزا صاحب ہی معتبر ہے اور کچھ معتبر نہیں ملاحظہ ہو

جرح گواہ نمبر ۲، ۲۸/مارچ ۱۹۳۳ء۔ لہذا نہ باب عقائد میں ان اقوال کے لانے کی ضرورت اور نہ جواب کی حاجت۔

۲..... شریعت کے خلاف جو شیخ کی عبارت نظر آتی ہے، وہ ان کی نہیں بلکہ مدسوس اور خارج سے ملائی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو (یواقیت ص ۷)

”وجميع معارض من كلامه ظاهر هو الشريعة وعليه الجمهور فهو مدسوس عليه ..... الخ!“ حضرت شیخ کا وہ قول

جو ظاہر الشریعت اور جمہور کے مسلک کے خلاف ہے وہ ان کا نہیں بلکہ مدسوس اور خارج سے اضافہ ہے۔ یوں ہی دوسرے مسلم بزرگوار

(محمد الدلف ثانی) (مکتوبات ج ۴ دفتر اول ص ۱۱۲) میں تصریح فرماتے ہیں۔ بوجہ خوف طوالت صرف حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔

از عجائب کار باراست شیخ محی الدین ابن عربی..... تاہمہ اکرمہ۔ اس سے ناواقف کو مغالطہ سے بچانے کے لئے (شامی ج

ص ۲۹۴) سے پیش کی گیا تھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے خود وصیت فرمائی ہے کہ: ”نحن قوم يحرم النظر في كتبنا“ کہ ہماری

کتب ہر شخص کو دیکھنا ٹھیک نہیں جس کا غلط مطلب کے لئے مختار مدعا علیہ نے جو کچھ کہنا تھا کہا۔

اصل جواب الجواب: ہر شخص اور ہر فن کی ایک اصطلاح خاص ہوتی ہے۔ ”لكل ان يصطلح“ بھی مسلم ہے اور کسی کے اصطلاح کے

خلاف مطلب لینا ہرگز درست نہیں۔ ملاحظہ ہو (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۶/مارچ ۱۹۳۳ء) نیز (یواقیت مسلمہ فریقین ص ۱۱) ملاحظہ ہو۔ ”ولا

يجوز الانكار على القدم معرفته مصطلهم في الفاظهم اذا رأينا بعد ذلك في كلامهم مخالفاً للشريعة“

یعنی صوفیاء کرام پر اعتراض جب تک ان کے خصوصی الفاظ کی اصطلاح سے واقف نہ ہو جائیں جائز نہیں۔ البتہ واقفیت اصطلاح

کے بعد بھی اگر ظاہر شریعت کے خلاف ہے تو اسے پھینک دیں گے اور قبول نہ کریں گے اور گواہان مدعا علیہ کا خود اقرار ہے کہ فصوص الحکم

وفتوحات بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا اور اصطلاح صوفیہ میں کوئی بھی کتاب نہیں پڑھی۔ ملاحظہ ہو (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۸/مارچ ۱۹۳۳ء

نمبر ۱) پس انہیں عبارات میں مغالطہ لگنا کوئی تعجب کی بات نہیں صرف شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاحات پر مستقل تصانیف میں من جملہ ان

کے کبریت احمرنی علوم الشیخ الاکبر بھی ہے جس میں ان کی اصطلاحات نبوت و رسالت کے متعلق یہ ہے کہ: ”اعلم ان النبوة هي

الاخبار عن شئ سارية في كل موجود عن اهل الكشف والوجود لكذا لا يطلق على احد منهم اسم نبی ولا

رسول الا على الملائكة الذين هم الرسل فقط..... ماصح“ یعنی شیخ کی اصطلاحات میں لفظ نبوت کے معنی کسی چیز کی خبر دینا اور

یہ نبوت تمام موجودات میں صوفیاء کرام کے نزدیک موجود و ساری ہیں۔ مگر اسم نبی رسول اللہ سواء اس کے کسی پر نہ بولا جائے گا جس کو

اصطلاح شرح میں نبی و رسول کہتے ہیں۔ ہاں! ملائکہ بھی ”بوجه رسالہ فیما بینہ تعالیٰ و بین الانبیاء رسول“ کہلاتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔ نبوت کے معنی مطلق خبر دینے کے کس قدر عام حیوانات کے اندر بھی مانتے ہیں۔ نیز اس کے مقابل تشریح بھی شریعت کی

اصطلاح مراد لیتے ہیں۔ حضرت شیخ کے نزدیک رسالت بمعنی تبلیغ مستعمل ہے۔ ملاحظہ ہو (فتوحات ج ۲، باب ۲۸) اور ولایت نبوت کے مقابل

برابر فتوحات، فصوص الحکم میں مستعمل ہے۔ البتہ لفظ رسول و نبی صرف اصطلاح شریعت کے نبی کو کہتے ہیں۔ یہی معنی تشریح کے ہیں کہ شرعی

اصطلاح کا نبی و رسول نہ یہ کہ صاحب شریعت جدیدہ۔ ملاحظہ ہو (فتوحات مکہ بحوالہ بیانات) ”وهذا كله موجود في رجال الله من

الاولياء والذي اختص به النبي دون الولي والوحي التشريع ولا يشروع الا النبي ولا يشروع الا الرسول که یہ کل

مردان خدا اولیاء اللہ میں موجود ہیں اور وہ وحی جو سوا ولی کے نبی کے ساتھ مختص ہے۔ وحی الشرعی یعنی اصطلاحی وحی نبوت ہے اور جو نبی

ورسول ہے وہی مشرع ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ تشریح یا شرع وہی اصطلاحی نبی رسول کو قرار دیا ہے جو اولیاء اللہ کے مقابل ہے نہ بمعنی صاحب شریعت جدیدہ۔ پس جہاں کہیں لفظ تشریح یا مشرع یا اس کے ہم معنی حضرت شیخ کی اصطلاح میں مستعمل ہے۔ اس سے اصطلاح شرع کا نبی مراد ہے نہ لغوی نبوت جو حیوانات تک میں مانتے ہیں۔

اب اس اصطلاح کے معلوم ہو جانے کے بعد پیش کردہ عبارات کا مطلب بالکل واضح ہے۔ کوئی اس کے حل کرنے میں دشواری نہیں۔ مزید برآں مختار مدعا علیہ و گواہان مدعا علیہ اگر حضرت شیخ کی عبارت قطع برید کر کے نہ پیش کرتے تو اس قدر مغالطہ کبھی نہ لگتا۔ صرف اس خیانت نقل سے یہ مغالطہ پیدا ہوا اور اس واسطے اس پیش کردہ فقرہ: ”انما ارتفعت نبوة التشريع“ کا ابتدائی لفظ: ”ولهذا قلنا“ کو کاٹ کر پیش کیا گیا تاکہ کوئی اس کا ماقبل سے ربط نہ سمجھ لے جس سے حضرت شیخ کا صحیح مسلک اس معاملہ میں معلوم اور واضح ہو جائے۔ اصل کل عبارت ملاحظہ ہو۔ ”اول ما بدی به رسول الله ﷺ من الوحي الرويا فكان لا يري رؤيا الا اخرجت مثل فلق الصبح وهي التي ابقى الله على المسلمين وهي من اجزاء النبوة فما ارتفعت النبوة بالكلية ولهذا قلنا انما ارتفعت النبوة التشريعية فهذا معنى لا نبى بعده“ یعنی وحی جو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر آئی تو وہ رؤیا تھی۔ پس آپ کوئی رؤیا (خواب) نہ دیکھتے مگر وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا ہوتا تھا اور یہی صرف سچے خواب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے باقی رکھا ہے اور یہ اجزاء نبوت سے ہیں۔ اس لئے نبوت بکلی نہیں اٹھائی گئی اور اس لئے ہم نے کہا ہے کہ نبوت تشریحی (یعنی علاوہ خواب شریعت کی اصطلاح والی) اٹھائی گئی اور یہی معنی ”لا نبی بعدی“ کے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں کہ کس صفائی سے یہاں شیخ اکبر نے اجماعی مذہب کو اپنا مذہب قرار دیا ہے کہ جو چیز باقی رہ گئی ہے، وہ رؤیا ہے اور اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہے اور پھر آگے لکھا ہے: ”اسم النبى زال بعد رسول الله“ یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد کہ نبی کا نام زائل ہو گیا۔ یعنی اور کوئی شخص نبی بن کر نہیں کہلا سکتا۔ اسی سلسلہ میں دوسرے مقام پر لکھا ہے: ”مع هذا الا يطلق اسم النبوة ولا نبى الا على المشرع خاصة“ یعنی نبوت اور نبی کے نام کا اطلاق سوائے مشرع یعنی سوائے شرعی نبی کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔

پس اصطلاح شریعت میں وہ ایسے لوگوں کو اولیاء اللہ ہی کہتے ہیں اور نبی کا نام ان پر جائز نہیں سمجھتے اور پھر شیخ اکبر اس سے بھی زیادہ صفائی سے لکھتے ہیں: ”وهذا كله“ یعنی یہ سب کچھ (وحی کا آنا) اللہ کے ان بندوں میں پایا جاتا ہے جو اولیاء اللہ میں سے ہیں اور وہ چیز جس سے نبی کو خاص کیا جاتا ہے اور ولی سے ممتاز کیا جاتا ہے، وہ شرعی اصطلاح کی وحی ہے۔ پس سوائے نبی کے کوئی شارح نہیں ہو سکتا اور سوائے رسول کے کوئی شارح نہیں ہو سکتا۔

پس ملاحظہ فرمائیں کس صفائی سے شیخ اکبر شارح اور نبی کو ایک قرار دیتے ہیں اور تشریح سخت کے مقابل پر ولایت کا ذکر کر کے تصریح فرما رہے ہیں کہ ولایت کے علاوہ ہر قسم کی نبوت نبوت تشریحی ہی ہے۔ مختار مدعا علیہ نے نحض مطلب برآری کے لئے ان کے اقوال میں سے ایک ٹکڑا نقل کر دیا اور جن اقوال میں سے وہ قول ان کا صاف ہوتا تھا اور ان کے اصل مذہب پر روشنی پڑتی تھی اسے کاٹ دیا۔ حضرت شیخ اکبر کے اس قسم کے بہت سے اقوال موجود ہیں جو جرح میں آچکے ہیں۔ اس وقت طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کرتا، وہیں سے مفصل ملاحظہ فرمائے جائیں جو مخصوص اس عبارت سے متعلق ہیں۔ ان کا صرف اوّل و آخر پتہ کے لئے بطور حوالہ کے درج کرتا ہوں۔

۱..... (بحوالہ فتوحات)

”فهم ورثة الانبياء..... تا..... لا يكون مشرعاً“

۲..... (بحوالہ فتوحات)

”من حفظ القرآن فقد ادرجت النبوة“

۳..... (بحوالہ فتوحات)

”وهذه نبوة سارية في الحيوان..... الخ“

۴..... ”و كذلك تنقطع في الاخرة بعد دخول الجنة والنار نبوة التشريع لانبوة العامة“

۵..... ”ولذا كان يؤل به..... تابين جنة“ (یواقیت)

۶..... ”و ادعاء نبوة قد انقطعت..... الخ!“

کے ہر قسم کی (ظلی و بردوزی مستقل و غیر مستقل) کا دعویٰ منقطع ہو چکا۔

اس مسئلہ کے متعلق شیخ اکبر کا آخری مصرح اور قطعی فیصلہ

حضرت شیخ اکبر محمدی الدین ابن عربی اپنی سب سے آخری تصنیف فصوص الحکم میں تصریح فرماتے ہیں کہ: ”اعلم ان الولاية.....

تا والسنة“ (فصوص الحکم ج ۲ تاویل الحکم ص ۴۲۷، ۴۲۸ و جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء)

اس حوالہ میں مشرع اور مشرع لہ دونوں قسموں کے نبی کی تصریحاً نبی موجود ہے۔ یعنی نہ امتی نبی بن سکتا ہے، نہ غیر، نہ صاحب شریعت، نہ غیر صاحب شریعت بلکہ یہاں تک شیخ کے کلام میں تصریح موجود ہے کہ صرف اوامر و نواہی کا دعویٰ بھی بعد نبی کریم ﷺ گویا اصطلاح شرع کی نبوت کا دعویٰ ہے۔ ”سواء وافق شرعنا او خالف“ خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف اور مستقل ہو یا غیر مستقل ”فان كان مكلفا ضربنا عنقه والا ضربنا عنه صحفاً“ کہ اگر وہ مجنون نہیں تو اس کی گردن ماری جائے گی۔ ورنہ اس سے اعراض کیا جائے گا۔ یہ حوالہ بیانات اور جرح میں (یواقیت ج ۲ بحث ۳۵ ص ۴۸) پر موجود ہے۔ مفصل حوالہ جات ۲۹ مارچ کی جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ سے ملاحظہ فرمائی جائے۔ اس کے بعد حضرت شیخ کی عبارت کو قطع و برید کر کے ان کی طرف کسی عبارت کو منسوب کر کے یہ مطلب لینا کہ ان کے نزدیک امتی نبی آ سکتا ہے اور صرف مستقل صاحب شریعت نبی کا آنا بند ہے جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو۔ صریح ظلم اور بہتان عظیم ہے۔

دوسری حدیث

”كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء..... الخ!“

خلاصہ تاویلات مختار مدعا علیہ:

۱..... بنی اسرائیل میں سیاسی و غیر سیاسی نبی ہوتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس سیاست کو شروع کیا اسے ناقص چھوڑ کر وفات پا گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد سیاست کے لئے نبی کی ضرورت نہیں بلکہ خلفاء ہر کام انجام دیں گے۔ اس میں یہ نہیں کہ امتی نبی نہ آئے گا۔

۲..... بحوالہ بیان تاویل بعدیت متصلہ۔

الجواب:

۱..... اس پہلے جواب کا مدار صرف یہ ہے کہ اس میں یہ نہیں کہ امتی نبی نہ آئے گا۔ حالانکہ اس میں ”وانه لا نبی بعدی“ موجود ہے جس میں باتفاق علماء ہر قسم امتی و غیر امتی، ظلی و بردوزی نبی بننے کی نفی ہے اور لافنی جنس نفی عموم ہی کے لئے حقیقتاً استعمال ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے بھی ”لا نبی بعدی“ میں نفی عام مانا ہے۔ (ایام الصلح ص ۱۳۶، خزائن ج ۱۳ ص ۳۹۳) پس یہ تاویل محض بے سود ہے اور نہ صرف علماء و ائمہ و اسلاف بلکہ مرزا صاحب کی تصریح کے بھی خلاف ہے۔

۲..... اس بیان کا بلاوجہ حوالہ دیا۔ اس میں بعدیت متصلہ بلا کسی قرینہ کے مراد لیا ہے۔ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ یہاں ہرگز

بعدیت متصل نہیں، ورنہ ضابطہ کلیہ نہ رہے گا اور عموم نفی باطل ہو جائے گی۔ نیز ”وسیکون خلفاء“ خود بتا رہا ہے کہ یہ متصل نہیں تمام زمانہ بعد مراد ہے۔ تفصیل کے واسطے اصل حدیث معہ تشریح (بیان گواہ مدعیہ نمبر الف، ۲، ۳) ملاحظہ فرمائی جائے۔

## تیسری حدیث ختم نبی التبت کا جواب

خلاصہ تاویلات مختار مدعا علیہ:

۱..... اگر ختم کے معنی بھی لئے جائیں تو الف و لام تخصیص یا عہد کے لئے ہوگا۔ یعنی جو بالاستقلال نبی تھے، آپ کے فیض سے نبی بننے کی نفی نہیں۔

۲..... حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے قہیمات الہیہ میں یہ معنی کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا کوئی نبی نہ ہوگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے شارع بنائے۔

### الجواب:

۱..... اصل الف و لام تخصیص عہد کے واسطے نہیں بلکہ حقیقتاً جنس کے واسطے آتا ہے۔ خصوصاً جب کہ مصادر پر داخل ہو۔ لہذا یہاں کسی طرح تخصیص جائز نہیں۔ نہ کسی شارح حدیث نے اس کی تخصیص کی۔ یہ محض مختار مدعا علیہ کی ذاتی رائے ہے۔ تمام شرح حدیث نے تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ بلا تخصیص ہر قسم کی نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔ اکثر حوالے بیانات میں بسلسلہ ختم نبوت گزر چکے ہیں۔ اس کے خلاف معنی قرآن پاک اور صریح صحیح احادیث کے بالکل معارض ہوں گے۔ لہذا وہ کسی طرح قبول نہیں ہو سکتے۔

۲..... شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز یہ مراد نہیں لیا۔ مختار مدعا علیہ نے اپنی مرضی کا ترجمہ کر دیا۔ وہاں لفظ یہ ہیں کہ: ”ای لا یوجد من یامرہ الا سبحانہ بالتشریح علی الناس“ جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسا کوئی نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ امر فرمائے۔ لوگوں پر شریعت بیان فرمانے کا تشریح کے معنی لغت عرب میں صرف شریعت بیان ہی کرنے کے ہیں، نہ شارع بنانے کے ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ الارب)

پس حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا مطلب بالکل واضح ہے۔ اس کا تو احتمال ہی نہ تھا کہ کوئی صاحب شریعت نبی آئے، غیر صاحب شریعت جس کا کام صرف شریعت بیان کرنا ہو وہ بھی نبی نہیں آ سکتا۔ یہ حوالہ تو صریح ہمارے موافق مؤید ہے۔ صرف مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کی یا اپنی اصطلاح میں غلط ترجمہ کر کے مطلب مختل کر دیا تھا ورنہ مطلب بالکل واضح ہے۔

اور اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس کے معنی شارع بنانے کے ہیں بھی، ایک مغالطہ یہ رہ جاتا ہے کہ من کا لفظ عام تھا۔ اس کے معنی یوں کرنا کہ ایسا کوئی نبی نہ ہوگا۔ محض اپنی ایجاد ہے۔ ترجمہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ نہ پایا جائے گا وہ شخص جس کو خدا شارع بننے کا حکم کرے یا شارع یعنی نبی بنائے اور یہی ہم کہتے ہیں۔ باقی شارع نبی کا مراد ہونا، علاوہ بدیہی ہونے کے فتوحات مکہ سے بحث وحی میں پیش کر چکا ہوں کہ: ”لا یشروع الا النبی ولا یشروع الا الرسول خاصة“ (فتوحات مکہ بحوالہ سابق) یعنی شارع نبی غیر مستقل اور شارع رسول یعنی نبی مستقل ہوتا ہے۔ پس شارع بمعنی نبی ہوا۔ مستقل صاحب شریعت ہو یا غیر مستقل۔

کیونکہ نبی کو بھی شارع بتایا اور رسول کو بھی اور فتوحات میں تصریح ہے کہ نبی بلا شریعت جدیدہ والے کو اور رسول صاحب شریعت جدیدہ کو کہتے ہیں۔

لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت بالکل مسلمانوں کے مطابق ہے۔ کہیں مختار مدعا علیہ کی تائید کا شبہ تک نہیں۔ اپنی طرف سے اس نے لفظ نبی اضافہ کر کے شبہ میں ڈالا تھا۔



## چوتھی حدیث ان العاقب ..... الخ!

اس کے جواب میں صرف ”لا نبی بعدی“ کو مدرج اور راوی کا اضافہ بتایا ہے اور میں نے جو ترمذی سے پیش کیا تھا، اسے بحوالہ حاشیہ فتح الباری فظا ہر الادراج سے رد کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ یہ صرف مغالطہ ہے۔ ”لا نبی بعدہ“ ضرور راوی کا ہے اور (مسلم ج ۲ ص ۲۶۱) یا ترمذی کی ایک روایت میں ہے اور (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷) پر جو لفظ میں نے پیش کیا ہے کہ: ”قال انا العاقب والعاقب الذی لیس بعدی نبی“ کہ میں عاقب ہوں اور خود ہی نبی کریم ﷺ عاقب کی تفسیر فرماتے ہیں کہ عاقب کے یہ معنی ہیں کہ میرے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں۔ لہذا میں عاقب بمعنی بالکل پچھلا نبی ہوں۔ اس کو کسی نے مدرج نہ بتایا بلکہ خود امام ترمذی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: ”ہذا حدیث حسن صحیح“ کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

پس نبی کریم ﷺ کی تفسیر کے بعد بخاری کے حاشیہ سے نقل کر کے اور تفسیر بنانا متکلم کی تصریح کے خلاف ہے۔ دوسرے وہاں (بخاری ج ۲ ص ۳۲۷) کے (حاشیہ نمبر ۷) قسطانی نے لغوی معنی اس کے نقل کئے ہیں۔ اسے تفسیر اور مراد متکلم قرار نہیں دیا۔ حتیٰ کہ اس تفسیر سے متعارض ہے اور آج تک کوئی بھی ترجمہ اور تفسیر میں متعارض نہ سمجھا گیا لفظ میں فرق ہو۔

## پانچویں حدیث لم یبق من النبوة الا المبررات

اس کا جواب دیا کہ بہر حال نبوت کا ایک جزو مبررات تو باقی ہے۔ پس نبوت باقی رہی اور اس کی تائید میں مولانا محمد حسن کی کتاب (کواکب دریں ص ۱۲۷، ۱۲۸) سے پیش کی ہے۔

اس کے جواب ہی کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر بقائے نبوت سے صرف اچھی خواہیں دیکھنا مراد لیتے ہیں تو اس میں کسے اختلاف ہے۔ مگر میں اوپر بحوالہ فتوحات و یواقیت پیش کر چکا ہوں۔ اس میں لفظ نبی اور رسول کا اطلاق یا دعویٰ نبوت کسی قسم کا جائز نہیں۔ کواکب دریں باوجود غیر مسلم ہونے کے ہمارے خلاف نہیں۔ اس پیش کردہ عبارت کا آخری حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ ”وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریحی جو ختم ہوگئی دوسری نبوت بمعنی خبردادن ہے، اس کو مبشر کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ جس میں روایا ہے باقی ہے۔ (کواکب دریں ص ۱۳۸)

نبوت تشریحی کو بند اور نبوت لغوی بمعنی خبردادن جس میں مبررات ہیں۔ باقی بتاتے ہیں، اس میں کسے خلاف ہے۔ نبوت حقیقی تو

باقی نہیں۔

## چھٹی حدیث

”انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم ومسجدی آخر المساجد“

ایسی روایت سے ابن ماجہ اس کے دو راویوں کو تقریباً ایک صفحہ میں مجروح کرنے کی سعی کی ہے۔ حالانکہ کسی ایک دو کے کلام کرنے سے راوی مجروح نہیں ہو سکتا۔ ائمہ جرح و تعدیل کا آخری فیصلہ اس کی صحت کا ہے اور جو روایات ابن ماجہ کی مجروح ہیں۔ اس میں اسے شمار نہیں کرتے۔ مزید برآں روایت ابن ماجہ کے علاوہ آخر انبیاء یا آخر ہم کی اور حدیثیں بھی ہیں۔ مثلاً:

(مسلم شریف بحوالہ گواہ مدعیہ نمبر ۱)

..... ۱ ”انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم“

(کنز العمال گ مدعیہ نمبر ۱)

..... ۲ ”جعلتک آخر النبیین“

(کنز العمال گ مدعیہ نمبر ۱، الف)

..... ۳ ”آخر ہم فی البعث“

ان میں پہلی تو حدیث صحیح مسلم کی ہے جو بخاری کے ہم پلہ صحیح میں شمار ہے۔ دوسری دونوں کنز العمال کی سند صحیح ہیں۔ پھر ہم نے آخر المساجد کی شرح اسی کنز العمال کی دوسری روایت ”انما آخر الانبياء ومسجدى آخر مساجد الانبياء“ سے پیش کر دیا تھا کہ پہلی روایت میں راوی نے اختصار سے کام لیا۔ ورنہ صحیح روایت یہ ہے کہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد نبیوں کی تیار کردہ مساجد سے آخری ہے نہ کوئی نبی آسکتا نہ کوئی نبی کی مسجد بنے گی۔

یہ تمام احادیث لا جواب ہیں۔ صرف مخصوص ابی امامہ کی حدیث ابن ماجہ کو لے کر جرح نقل کی۔ اس سے کچھ لینا صحاح احادیث پر اثر نہیں پڑسکتا۔

## ساتویں حدیث

”مثلى ومثل الانبياء من قبلى ..... الخ!“

اس کا کچھ بھی جواب نہ بن آیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو دو امر۔

۱..... جیسے پہلے نبی آئے تھے ایسے نہ آئیں گے۔

۲..... یہ کہ پہلے نبیوں سے اب کوئی باقی نہیں۔

حالانکہ یہ تخصیص محض تاویل ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی قرینہ تخصیص نہیں۔ آنحضرت ﷺ تمام قصر نبوت کی اپنے آپ کو آخری اینٹ اور خاتم النبیین قرار دیتے ہیں۔ وہ نبوت جس میں صاحب شریعت وغیرہ صاحب شریعت تشریحی وغیر تشریحی دونوں شامل ہیں، اس کی آخری اینٹ کے بعد کوئی بھی گنجائش نہیں۔ اصل استدلال ”انما تلک اللبنة“ آپ ﷺ کی آخری اینٹ قصر نبوت کی ہونے سے جو بحالہ باقی ہے۔ (بخ الباری ج ۶ ص ۲۰۷) پر بھی اس کی تائید ہے کہ آپ نے انبیاء و نبوت اور ان کے بعد وارثانہ طور سے قبول سے تشبیہ دی۔ وہاں کہیں بھی مستقل وغیر مستقل کی تفصیل نہیں اور محض ایک کلز نقل کر کے مغالطہ کی سعی کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ یہ حدیث اس قدر قطعی اور صریح ہے کہ کوئی بھی تاویل ناممکن ہے۔ اصل حدیث معہ توضیح و تشریح (بیان گواہ مدعیہ نمبر الف، ۲، ۳) سے ملاحظہ فرمائی جائے۔

## آٹھویں حدیث

”لو كان بعدى نبى لكان عمر“

کیونکہ اس سے اسناد نبوت پر خود مرزا صاحب نے استدلال کیا تھا اور وہی پیش کیا گیا تھا۔ جو ابی بحث میں کچھ جواب نہ ہو سکا اور یہ کہہ کر ٹالا۔ اس سے مرزا صاحب کی مراد وہی نبوت ہے جو مستقل طور پر براہ راست ہے اور تفصیل کے لئے بیان کا حوالہ دیا۔ حالانکہ نہ بیان کوئی جواب ہو سکا ہے اور نہ وہاں اصل حدیث معہ تشریح و توضیح۔ (بیان گواہ مدعیہ ص ۲، الف) سے ملاحظہ ہو۔

## نویں حدیث

”سيكون فى امتى“

اس کے جواب کے لئے بیان کا حوالہ دیا۔ مگر اس کا جواب الجواب مطلق بلا تفصیل محدود جالوں اور قریباً من ثلاثین کے الفاظ سے دیا جا چکا ہے کہ تعداد نہیں بلکہ تقریباً اور اندازاً باشوکت مدعیان کا ذب کا ذکر ہے۔ اب اس جو ابی بحث میں اس میں ..... لے کر بات اور قابل غور ہے سے یہ نیا اضافہ کیا کہ تیس کا عدد مدعیین فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا ضرور ہو گیا۔ یہ تاویل محض ناقابل قبول ہے۔ جب کہ اس تعداد سے زائد اور قریباً من ثلاثین وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں کہ اسی تعداد میں محدود نہیں۔ یہ صرف اندازہ یا باشوکت مدعیان

کاذب کے لئے ہے۔ جیسا کہ اصل شہادتوں میں حوالوں سے گزر چکا اور گواہان مدعیہ نے جرح میں اس پر کافی روشنی ڈال دی ہے۔ اس کی تائید میں اکمال الاکمال سے ایک نہایت ضعیف حدیث بھی بحوالہ طبری نقل کی ہے جو محدثین کے نزدیک حدیث ہی نہیں اور ہم اسے اگر صحیح بھی مان لیں اور جرح و تعدیل میں نہ الجھیں تو بھی معنی کے لحاظ سے مدعا علیہ کے مفید مدعا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ من شاء اللہ سے صرف نزول عیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا علیہ السلام مستثنیٰ کیا جائے۔ وہ بحیثیت ایک مجدد امتی ہوں گے، بحیثیت نبی نہ ہوں گے۔ گوان میں صفت نبوت و رسالت سابقہ باقی ہو۔ مفصل اوپر گزر چکا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

پھر مرزا صاحب کی (براہین حصہ پنجم ص ۱۴۲، ۱۴۶، خزائن ج ۲۱ ص ۳۱۱، ۳۱۴) سے اس حدیث کے متعلق نقل کرنا محض بے سود ہے۔ وہ کیا حجت ہے جب کہ دعویٰ نبوت بلکہ اس سے پردہ اٹھنے کے بعد کی ہے۔ کیونکہ اس کا سن تالیف اپریل ۱۹۰۵ء ہے جب کہ تمام قرآن و احادیث کے معنی بدل کر تخریف کر چکے تھے۔

اپنے دعویٰ کے مطابق تیرہ احادیث پیش کی ہیں جن میں کل نو احادیث کی تاویل پیش کی جس کی حقیقت اوپر پیش کر چکا ہوں۔ چار ان میں سے بھی لا جواب رہیں اور چونکہ پیش کردہ احادیث کل چھبیس ہیں، لہذا بقیہ تیرہ بھی لا جواب ہیں۔ پس سترہ احادیث تو ایسی لا جواب ہیں کہ جن کے جواب کا تذکرہ تک بھی نہیں کیا۔ **فَاللّٰهُ الْحَمْد!**

(۱۳)

## اجماع کی بحث

مختار مدعا علیہ کی جوابی تقریر کا خلاصہ:

- ۱..... ان معنی پر نہ صحابہ کا اجماع ہوا نہ ان کے بعد ثابت ہے۔
- ۲..... ہم نے علماء کے اقوال سے اس کے خلاف ثابت کیا۔
- ۳..... ایسے مسائل جو فہم و اجتہاد سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس کے متعلق تمام امت کے اجماع کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔
- ۴..... سوائے اجماع صحابہ کے باقی کا انکار کفر نہیں۔
- ۵..... لایختلف فیہ الاثنان سے اجماع ثابت نہیں ہوتا۔
- ۶..... (گواہ مدعیہ نمبر ۳) نے ۲۸ اگست کو اصول حنفیہ اجماع صحابہ کے منکر کو کا فر اور مابعد کے منکر کو فاسق و مبتدع بتایا ہے۔
- ۷..... کتاب الابانہ میں ”اجتمعت الامۃ علی ان اللہ عزوجل رفع عیسیٰ الی السماء“ ہی پر امام مالک نے ان کی وفات کی تصریح فرمائی ہے۔ (اور گواہ مدعیہ نمبر ۳) مورخہ ۲۹ اگست کی جرح میں اس کے خلاف کوئی قول نہ پیش کر سکا۔ اسی طرح اور بھی اکابر نے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو تسلیم کیا ہے۔
- ۸..... امام رازی کے قول کا جواب فوائح الرحمت سے دیا گیا۔ حالانکہ اسی پیش کردہ کتاب کے حاشیہ میں رازی کے قول کی تائید موجود ہے۔
- ۹..... مرزا صاحب نے (شہادت القرآن) میں تو اتر معنوی کا ذکر نہیں کیا۔

**الجواب:**

- ۱..... محض غلط ہے میں صحابہ اور تمام امت کا اجماع پیش کر چکا۔ ملاحظہ ہو بحث مختار مدعیہ ہیڈنگ ”اجماع امت جہاں (شفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۲۷۱، ۳۶۲، بحوالہ گواہ نمبر ۳)“ لاناہ اخبارنا اجماعاً سمعاً“ نیز حوالہ (روح المعانی ج ۸ ص ۳۹) ”مما نطقت بہ

الکتاب ..... الخ! وغیرہ وغیرہ!

۲ ..... ہرگز کسی ایک عالم کے قول سے اس کے خلاف ثابت نہ کر سکے۔ ہاں! قطع و برید اور اول و آخر و درمیان میں عباراتیں تراش کر کے غلط ترجمہ کر کے خلاف تصریح اور مراد متشکم کچھ حوالے پیش کئے تھے جن کا مدلل جواب اور خیانتوں پر تنبیہ پیش ہو چکی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۳ ..... یہ مسئلہ فہم و اجتہاد سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ عقائد اور ضروریات دین سے ہے۔ اس معنی کے انکار و اقرار پر کفر و اسلام کا دار و مدار ہے۔ جیسا کہ اشباہ وغیرہ کے حوالہ گواہان مدعیہ کے بیان میں اپنی جگہ پر گزر چکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴ ..... یہ بھی غلط ہے بلکہ اس کے سوا بھی اگر کسی منصوص شے پر اجماع ہو تو وہ بھی قطعی ہوتا ہے جس کے منکر کا وہی حکم ہے۔ یہ بھی بحوالہ (نور الانوار ص ۲۲۱) ”حکمه فی الاصل ..... الخ!“ و (ص ۲۲۰) ”کونه من الصحابه او العترة لا یشرط ..... الخ!“ اصل بحث میں بسلسلہ اجماع گزر چکا کسی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۵ ..... ”لا یختلف فیہ انسان“ باوجودیکہ اجماع کے الفاظ میں سے علماء کو مسلم ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں رکھتا۔ لیکن ہم نے تو اسے مدار نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ تصریح ”اجتمعت الامۃ“ کی کہ تمام امت صحابہ سے آج تک اجماع ہے۔ بحوالہ (شفاء و روح المعانی داہن کثیر) وغیرہ نقل کیا۔ اس لفظ ”ویختلف فیہ انسان“ میں تاویل ہو تو اسے ترک کر دیا جائے۔ صریح لفظ ”وعلیہ الاجماع“ و اجتمعت الامۃ میں تو کسی قسم کی تاویل ہی ناممکن ہے اور نقل بھی ائمہ دین کی ہے۔

۶ ..... گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے جن بعد والے اجماع کے منکر کو فاسق و مبتدع بتایا ہے، وہی اجماع ہے جو غیر منصوص شے پر ہو۔ نیز اس مسئلہ تنازعہ میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام ائمہ و امت کا اجماع ہے۔ لہذا یہ بحث ہی فضول ہے۔

۷ ..... کتاب الابابۃ سے حوالہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھانے کے متعلق تمام امت (صحابہ و ائمہ مسلمین) کا اجماع ہے۔ اس کی تردید میں جو امام مالک کا قول نقل کیا وہ محض غلط ہے۔ امام مالک ہرگز وفات کے قائل نہیں۔ اسی جگہ اکمال میں ابن رشد سے منقول ہے یعنی ”بموتہ خو وجہ من عالم الارض الی عالم السماء“ (اکمال ص ۲۶۵) یعنی اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ وہ عالم ارض سے عالم سماء کی طرف منتقل ہو گئے۔ وفات ہرگز مراد نہیں۔ یہ کہنا کہ گواہ نمبر ۳ مدعیہ جرح میں اس کے خلاف نہ پیش کر سکا، محض افتراء ہے۔ اسی وقت حضرت شاہ صاحب نے وہی اکمال لے کر اور ایک ورق الٹ کر (ص ۲۶۶، ۲۶۸) سے تصریح امام مالک حیات عیسیٰ اور ان کے نزول کی پیش فرمادی تھی اور اسی عصبیہ کے حوالے سے اول و آخر ملاحظہ ہو۔ ”وفی العتبیۃ قال مالک بینا الناس تالاهل الارض“ (ص ۲۶۶) و ایضاً ”وقد تقدم تالاهل الارض عیسیٰ قد نزل“

عدالت خود جرح سے ملاحظہ فرمائے تاکہ غلط بیانی معلوم ہو جائے۔ یہ کہنا کہ اس طرح اور بھی اکابر نے وفات مسیح تسلیم کیا ہے۔ محض غلط ہے۔ کسی ایک نے بھی تسلیم نہیں کیا۔ صرف قطع و برید والہام ہے۔ موضوع بحث نہیں۔ ورنہ تمام حوالہ جات موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو تلخیص الجبر ص ۳۱۹، فتح البیان ج ۲ ص ۳۳۴، بحر الحیط ج ۲ ص ۴۷۳، نہر المادج ج ۲ ص ۴۷۳، جبر ص ۵۴)

اور مختار مدعا علیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم بزرگ امام شعرانی کی (یواقیت ج ۱ ص ۱۳۰) جس میں مفصل تمام صحابہ و ائمہ مسلمین سے تصریح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور کوئی ایک مسلمان بھی خلاف نہیں۔

۸ ..... امام رازی کا قول جہاں مسلم الثبوت میں نقل ہے۔ وہیں علامہ بحر العلوم نے اس کی تردید نقل فرمادی ہے کہ وہ صحیح نہیں بلکہ غلط نسبت ہے۔ اس پر مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ اس کے حاشیہ میں تائید قول امام رازی موجود ہے، محض غلط اور ناقابل التفات ہے۔ مطالبہ کیا، پیش نہ

کر سکے، مطمح دریافت کیا، بتانا نہ سکے صرف یہ کہتے رہے کہ جو کتاب مختار مدعیہ نے پیش کی تھی اسی کے حاشیہ میں ہے۔ حالانکہ بار بار کہا گیا کہ وہ معری تھی۔ اس پر کوئی حاشیہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی یہی کہتے رہے اور حوالہ نہ پیش کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ یونہی فرضی اور غیر معتبر بات ہے۔

۹..... یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے شہادت القرآن میں تو اتر معنوی ذکر نہیں کیا یہ بھی غلط ہے۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ خصوصاً فقرات ذیل: ”تو اور بھی اس تو اتر کی قوت اور طاقت ثابت ہوتی ہے۔“

”اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوگی کہ اس کے تو اتر سے انکار کیا جائے۔“ (شہادت القرآن ص ۲، خزائن ج ۶ ص ۲۹۸)

”ان کی قطعیت اور تو اتر کی نسبت کلام کرنا تو درحقیقت نبوت اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔“ (شہادت القرآن ص ۵، خزائن ج ۶ ص ۱۰۳) اور یہ ایک حدیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کے تو اتر معنوی کے متعلق ہے۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔

(۱۴)

(مسیلمہ کذاب وغیرہ کے قتال کی وجہ)

(۱۵)

(اسلامی بادشاہوں کے فیصلے)

(۱۶)

(مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا)

اس کا کوئی بھی جواب سوائے حوالہ شہادت گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے نہ پیش کر سکا۔ ہم بھی اس کے متعلق گواہان مدعیہ اور بحث مختار مدعیہ کے حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں تاکہ طوالت اور تکرار نہ ہو۔ نیز ملاحظہ ہو جرح (گواہان مدعیہ، خصوصاً گواہ نمبر ۳، گواہ مدعیہ نمبر ۳) کی جرح سے ایک فقرہ نقل کیا کہ اس نے احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا۔ حالانکہ وہ تغیر اس قسم کا ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے کیا یہ بھی وہی تصریح ہے۔ اصل کل جواب ملاحظہ فرمایا جائے تاکہ مطلب واضح ہو جائے کہ وہ مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں تھا بلکہ اتباع میں اور اذان میں ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ ہی کہلواتا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو۔ (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۹/۳۳، مؤرخہ ۲۸/۳۳، مؤرخہ ۲۸/۳۳)

(۱۷)

(علماء نے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے)

خلاصہ تاویلات -

- ۱..... مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں جو حجت نہیں، مفسرین تو کجا رہے، صحابہ کرام کا فہم بھی حجت نہیں۔ ان سے بھی غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔
- ۲..... پھر تقلید کے خلاف کچھ حوالے عقد الجحد سے نقل کئے ہیں۔
- ۳..... آخر میں یہ کہ اگر مفسرین کے اقوال کا نمونہ دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو۔ (بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱)
- الجواب: اصل جواب اور بحث سے گریز کر کے غیر متعلق باتیں اٹھادیں۔ میں بوجہ خوف طوالت کے مفصل جواب اس وقت پیش کرنا نہیں چاہتا۔ اجمالاً مرتب جواب نہایت ہی اختصار سے عرض ہے۔
- ۱..... میں نے صرف مفسرین ہی کے اقوال نقل نہیں کئے۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین متکلمین اور فقہاء کے مفصل اقوال و تحقیقات

درج کی ہیں، جن کا کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ اصل میری بحث اور بیانات گواہان مدعیہ سے عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ نیز اکثر مفسرین کے حوالے نقل کئے ہیں کہ جن کی صحت میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ خصوصاً ابن جریر طبری جنہیں مرزا صاحب نے بھی رئیس المفسرین مانا ہے اور ابن کثیر جن کے حوالے مرزا صاحب نے بھی بڑے وثوق سے دیئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۶۸، خزائن ج ۵ ص ۱۶۸) اور (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۳ء) جس کا مفصل حوالہ ابتدائی بحث میں دے چکا ہوں۔ مرزا صاحب خود اس تاویل کے خلاف تصریح فرما رہے ہیں۔

۲..... ایسے بڑے بڑے علماء اور ارباب بصیرت توفی کے معنی آسمان پر اٹھانا بیان کر رہے ہیں تو پھر کسی کی کیا حقیقت دوسرا یہ ہے کہ اس تفسیر کو توڑ سکے۔ (اربعین نمبر ۳ ص ۸ ملخصاً، خزائن ج ۱ ص ۳۹۳)

جوان تفسیر کو نہ مانے وہ درحقیقت اس بات کا قائل ہے کہ گویا ائمہ مفسرین نے نادانی سے ایسی تفسیر کی نعوذ باللہ منہ۔

(اربعین نمبر ۳ ص ۳ ملخصاً، خزائن ج ۱ ص ۳۸۸)

باقی یہ کہنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ یہ اگرچہ پچھلے مباحث اور بیانات میں صاف ظاہر ہو چکا ہے۔ زیادہ ضرورت نہیں۔ پھر بھی بر تقدیر تسلیم گزارش ہے کہ دینی امور خصوصاً ایمانیات و عقائد میں کسی ایک شخص نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غلطی پر نہ کہا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے ان کا اختلاف بھی اختلاف صحابتی رحمة سے رحمت فرمایا اور ہر صحابی کے ہدایت پر ہونے کی تصریح اصحابی کالنجوم باہم اقتدیتم اھتدیتم کلھم علی ہدی سے فرمادی۔ پس اس مسئلہ نبوت و ختم نبوت میں ان کی تحقیقات کے متعلق خصوصاً جب کہ وہ بالکل قرآن پاک و احادیث صحیحہ صریحہ کے موافق ہے۔ نیز سب کا اجماع بھی ہے۔ ایک شخص کی رائے بھی نہیں۔ کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ مسئلہ تقلید کو راندنا سوال یہاں بے محل ہے۔ نہ مسئلہ تقلید زیر نزاع ہے۔ ورنہ اصل حوالہ جات پیش کردہ کی تشریح و دیگر حوالہ جات پیش کرتا۔ یہاں تو اس قدر گزارش ہے کہ وہ تقلید بلا دلیل قرآن و احادیث و اجماع کے صریح خلاف کے متعلق ہے، جو جاہلانہ تقلید ہے جس کی مذمت علماء نے کی ہے اور یہاں تقلید محمود کا ذکر ہے جو ان مسائل کے متعلق ہے جو قرآن پاک و احادیث و ائمہ ہدیٰ و اجماع صحابہ و مسلمین کے سر موخلاف نہیں۔ اس لئے نمبر ۲ کا بھی جواب ہو گیا۔

### مختار مدعا علیہ کی صریح غلط بیانی

اگر مفسرین کے اقوال کا نمونہ دیکھنا منظور ہو تو ملاحظہ ہو (بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱) جو بیان عدالت میں داخل ہوا ہے۔ اس میں اقوال کا نمونہ داخل نہیں۔ سب کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی گواہ مدعا علیہ نے یہاں غلط بیانی کی اور مغالطہ کے طور پر بیان کا حوالہ دے دیا۔ یوں ہی متعدد جگہ غیر داخل شدہ بحث کا حوالہ دیا ہے جو ریکارڈ میں نہیں۔ گو مطبوعہ کا پی بھی ہے۔

### پہلا حوالہ

(ابن کثیر ج ۸ ص ۹۱، ۹۲) اس کا کچھ بھی جواب نہ ہو سکا۔ ایک تاویل کر کے صرف یہ کہہ دیا کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ایسے انبیاء کی آمد ممنوع ہے جو مسیلمہ و اسود غسی کی طرح ہوں جو جھوٹے یا فاسق یا فاجر وغیرہ ہوں اور پھر مرزا صاحب کی صداقت پر بحث شروع کی۔

جس پر یہ عدالتی نوٹ موجود ہے کہ: ”مگر اس حوالہ سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا جو مختار بیان کرتا ہے۔ مرزا صاحب کی صداقت کا سوال چونکہ مقدمہ زیر بحث میں نہیں لایا گیا۔ اس لئے یہ حوالہ خارج از بحث کیا جاتا ہے۔“

بس ہمیں بھی اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ عدالت خود اس ابن کثیر کے حوالہ کو بیان (گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳، ۴) پر ملاحظہ فرمائے۔ کوئی بھی اس میں تاویل کی گنجائش نہیں اور ضمناً کسی ایک مثال کے دینے سے وہ مسئلہ اسی میں منحصر نہیں ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق (اشاعت السنۃ ج ۷ ص ۹) سے براہین کا ریو یو نقل کیا ہے۔ اس کے جواب کے واسطے بھی اشاعت السنۃ سے میرا پیش کردہ مولوی محمد حسین صاحب کا خط مرزا صاحب کے نام ملاحظہ فرمایا جائے۔

## دوسرا حوالہ

(روح المعانی ج ۷ ص ۶۵) ”و کونہ ﷺ خاتم النبیین“

خلاصہ تاویل:

۱..... ضمیر کا مرجع یا خاتم النبیین ہے یا آنحضرت ﷺ۔ پس اس کے معنی یہ ہوں گے جو ایسی نبوت کا دعویٰ کرے جس کی وجہ سے وہ کہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا یا آنحضرت ﷺ کے خلاف دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہوگا۔

الجواب: عدالت خود اس حوالہ کو (گواہ مدعیہ نمبر الف، ۲، ۱، ۳) کے بیان سے ملاحظہ فرمائے۔ اولاً خاتم النبیین کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے نبیوں کے آخری نبی بعد اس کے اس معنی سے خاتم النبیین ہونا کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی تصریحات اور اجماع امت کے موافق بن کر حکم لگایا ہے کہ اس کے خلاف دعویٰ کرنے والا کافر ہوگا اور اگر اصرار کرے تو قتل کیا جائے گا۔ مرجع ضمیر خاتم النبیین بمعنی مذکور ہے۔ نہ صرف لفظ خاتم النبیین یا آنحضرت ﷺ اور ہر قسم کے دعویٰ نبوت سے انکار خاتم النبیین کے منافی ہے۔ کسی قسم کی تخصیص نہیں۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

## تیسرا حوالہ

(شرح شفاء ملاء علی قاری ج ۲ ص ۵۱۸، ۵۱۹) خلاصہ تاویلات مختار مدعا علیہ۔

۱..... اس میں مسیلہ، اسود عسلی اور قبائل یہودی مثالیں ہیں۔ پس مستقل اور حقیقی نبوت ناسخ شریعت کے دعویٰ کا کفر ہونا مراد ہوگا۔

۲..... اخیر عبارت میں کھولا ہے کہ اگر اس سے حقیقی مراد لیں۔ ورنہ مجازی نبوت کفر کا موجب نہیں ہوتی۔

۳..... مرزا صاحب مجازی کے مدعی ہیں۔ جیسا کہ (ضمیمہ حقیقت الوحی ص ۶۵، خزائن ج ۲۲ ص ۶۸۹) اور (انجام آقظم ص ۲۸، ۲۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸، ۲۷) اور (سراج منیر ص ۳، ۲، خزائن ج ۱۲ ص ۵) میں نیز بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۔

## الجواب:

۱..... یہ تخصیص تاویل محض بے محل ہے۔ عدالت خود اس حوالہ کو بیان (گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳) سے ملاحظہ فرمائے کسی قسم کی تخصیص کا احتمال ہی نہیں۔ وہاں تو حکم مطلق دعوے دار نبوت کے واسطے ہے، خواہ صاحب شریعت ہو یا نہ۔ کسی ایک مثال سے وہ قاعدہ کلیہ اسی جزئی میں منحصر نہیں ہو جاتا۔

۲..... ہم بھی کہتے ہیں کہ مجازی نبوت بھی بشرات وغیرہ جس میں کوئی کسی قسم کا دعویٰ نبوت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: ”من حفظ القرآن فقد ادرج النبوت بین جنبہ“ جس نے حفظ قرآن کیا اس نے نبوت اپنے سینے میں بھری یا لغوی معنی نبوت کے بمعنی خبردادن جسے شیخ اکبر نے حیوانات میں بھی مانا ہے کہ وہی ساریۃ فی الحیوانات اسے کوئی بھی کفر نہیں کہتا۔

۳..... باقی مرزا صاحب کی مختلف عبارات کوئی ۱۸۹۸ء کی کسی اور سن کی جو مختلف پیش کر کے یہ چاہا ہے کہ وہ مجازی نبوت کے مدعی نہیں۔

حالانکہ ان کے حقیقی اذعاء نبوت پر (گواہ مدعیہ نمبر ۱) نے بہت سے حوالہ اور (گواہ مدعیہ نمبر ۲) نے مختلف واضح تصریحات پیش کر دی ہیں۔ ان متعارض عبارات اور اختلاف کا فیصلہ ہم مرزا صاحب کے خلیفہ دوم جناب مرزا محمود صاحب پر رکھتے ہیں جن پر گواہان مدعا علیہ کا ایمان ہے۔

## فیصلہ مرزا محمود صاحب

”پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں، بلکہ حقیقی نبی ہیں۔“ (حقیقت النبوت ص ۴۱، انوار العلوم ج ۲ ص ۴۹۳) نیز ملاحظہ ہو کتاب مذکور (۶۱، ۶۲، ۱۸۸، ۲۳۷) ملاحظہ فرمائیں۔ کس صفائی سے وہ مجازی کی نفی اور حقیقی کی تصریح فرما رہے ہیں۔ البتہ محمد علی صاحب ایم۔ اے اس کے خلاف ہیں جو انہیں مسلم نہیں اور اسی وجہ سے ان کے ساتھ اصولی اختلاف بتاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مختار مدعا علیہ نے صرف تین حوالوں (۱) ابن کثیر (۲) روح المعانی (۳) شرح شفاء میں کچھ تاویل کی جس کا حال اوپر معلوم ہو چکا۔ باقی اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حوالے بالکل لا جواب رہے، تذکرہ تک نہ کیا۔

(۱) ابن جریر طبری (۲) ابن اثیر (۳) ابن کثیر (۴) تفسیر کبیر ج ۶ (۵) بیضاوی شریف (۶) ابی السعود (۷) شفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۲۷۱ (۸) شرح فقہ اکبر (۹) شرح عقائد (۱۰) مواہب لدنیہ (۱۱) صبح الالشی (۱۲) عقیدہ طحاوی (۱۳) غنیۃ الطالبین (۱۴) تاریخ الخلفاء (۱۵) کتاب الفصل (۱۶) نسیم الریاض (۱۷) الصارم المسلول (۱۸) ملل والنحل (۱۹) یواقیت بحث ۳۵ (۲۰) انسان کامل ج ۱ ص ۹۷ (۲۱) اشاہ والنظار (۲۲) شرح حموی لاشاہ (۲۳) عالمگیری (۲۴) بحر الرائق (۲۵) رد المحتار۔ ملاحظہ ہوں بیانات گواہان مدعیہ۔ یہ پچیس حوالے لا جواب ہیں جن میں ابن جریر مسلمہ فریقین رئیس المفسرین اور یواقیت و بحر الرائق مسلمہ فریقین کتاب ہے۔ نیز غنیۃ الطالبین بھی مسلم بزرگ کی ہے۔

نوٹ: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تحذیر الناس کا حوالہ کئی مرتبہ بحث میں مختلف رنگ میں دے کر کہیں تطویل اور کہیں اختصار سے لایا گیا ہے۔ مفصل جواب تو حسام الحرمین اور دیوبندیوں و بریلویوں کی بحث کے سلسلہ میں آئے گا۔ یہاں مختصراً یہ گزارش کردوں کہ یہ مولانا پر محض افتراء ہے۔ مختلف مقامات سے غیر مرتب فقرہ کاٹ کر یہ کفریہ بنایا گیا ہے، ورنہ ختم نبوت زمانی کی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی ہو، اس حوالے کے آگے پیچھے موجود ہے۔ بعض فقرات ملاحظہ ہوں۔ اسی پیش کردہ (ص ۳) کی عبارت بنائے خاتمیت ..... تا ..... ہو جاتی۔

سواگر اطلاق ..... تا ..... جیسا کہ اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر کافر ہوگا۔ (ص ۱۰) اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔ جرح گواہان مدعیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مصنف نے خود اپنی شرح اس کتاب کی کی ہے۔ لکھتے ہیں: ”اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ ﷺ کسی اور نبی ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں۔“ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۰۳، گزارش ابراہیم مراد آباد) (گواہ مدعا علیہ نے ۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء) کی جرح میں تسلیم کیا ہے کہ مخالف کے قول سے اگر صحیح ہوتا سیدہ ہوسکتی ہے اور پھر یہ مندرجہ ذیل تائید بھی جرح میں کوٹ کر دی گئی ہے۔

تائید از محمد علی صاحب ایم۔ اے (جرح گواہ مدعا علیہ ۱۸ مارچ) چھٹی شہادت مولوی محمد قاسم نانوتوی کی ہے ..... تا ..... نہ مانتے تھے۔ (آخری نبی ص ۲۶، ۲۷) نتیجہ یہ نکالا ہے کہ: ”ایسے شخص کے متعلق یہ کہنا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے کا قائل نہیں پر لے درجہ کی حق پوشی ہے ..... تا ..... یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو آخری نبی نہ مانتے تھے (ص ۲۷) ملاحظہ ہو (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱،



مؤرخہ ۸ مارچ ۱۹۳۳ء) اور تعجب یہ ہے کہ یہ رسالہ کل ۴۲ صفحات کا ہے اور اس پر اعتراض وہ شخص قطع و برید کر کے پیش کر رہا ہے جس نے کل تذییر الناس نہیں پڑھی بلکہ اکثر حصہ پڑھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۸ مارچ ۱۹۳۳ء) اب نتیجہ عدالت خود اخذ فرمائے مفصل ابتدائی بحث میں پیش کر چکا۔

(۱۸)

(علماء کے نزدیک رسول و نبی کی تعریف)

اس سلسلہ میں علماء کے پیش کردہ معانی میں مغالطہ دینے کی سعی کی ہے اور کچھ قطع و برید بھی یہاں کوئی خاص ایسی چیز نہیں پیش کی جو لائق جواب ہو۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ سے یہ تعریف بیانات گواہ مدعیہ میں مفصل موجود ہے جس کے بعد کوئی بھی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ بخود طوالت مکرر حوالہ کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔

(۱۹)

(غل و بردوزی)

اس سلسلہ میں صرف گواہ مدعا علیہ کے بیان کا حوالہ دیا ہے۔ میں بھی گواہ (مدعیہ نمبر ۲، ص ۳) کے حوالہ پر قناعت کرتا ہوں جہاں پوری مکمل بحث ہے، جس میں کوئی بھی تاویل نہیں ہو سکی۔ نہ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت ہے۔ پھر حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ العزیز (اشارات فریدی حصہ دوم کے حوالہ ص ۱۱۰ تا ۱۱۲) نقل کئے ہیں۔ مگر یہ بروز بمعنی خبر دینا جس کے مرزا صاحب قائل ہیں۔ عدالت خود بیانات گواہان مدعیہ مرزا صاحب کی عبارت سے اس کا مقابلہ فرمائے۔ بلکہ وہ رنگ ہمہ اوست و وحدت الوجود میں ہے جس کے مرزا صاحب قائل نہیں۔ نیز ظل اللہ وغیرہ جو اب جرح گواہان مدعیہ میں موجود ہے۔

(۲۰)

(کیا مرزا صاحب تناخ کے بھی قائل تھے)

یہ بحث میں نہ آیا تھا اور عدالت نے اسے خارج بھی کرا دیا تھا۔ لہذا اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۲۱)

(کیا مرزا صاحب نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا)

اولاً تقریباً (۱۴) مختلف حوالوں سے اس کے خلاف مرزا صاحب کا مسلک ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ مگر کسی تصریح کے بعد مبہم عبارت اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ نیز چونکہ مرزا صاحب کی عادت ہی متعارض اقوال کی ہے۔ لہذا حسب ضابطہ سابق ایک دوسرے کی شرح نہیں ہو سکتے۔ اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت بیان (گواہ مدعیہ نمبر ۲) و (بحث مختار مدعا علیہ نمبر ۲) یعنی مولانا سید محمد تفسی صاحب سے ملاحظہ فرمایا جاوے کہ یہ دعویٰ اس قدر مصرح ہے کسی بھی تاویل کی گنجائش نہیں۔ چوتھے حوالہ کے جواب میں (منصب امامت ص ۶۳، ۶۴) پیش کیا ہے اور حضرت مولانا شہید کو تیرہویں صدی کا مجدد (بحوالہ حج اکرامہ ص ۱۴۷) بتایا۔ لیکن وہاں امام وقت کی اطاعت کا بیان ہے نہ کسی دعوے دار نبوت کے تعلیم کے مدارجات ہونے کا یہ اس سے بالکل ہی تعلق نہیں رکھتا۔ عدالت یہ عبارت اصل بیان (گواہ مدعیہ نمبر ۶) سے مقابلہ فرمائے۔ دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

آٹھویں حوالہ کے سلسلہ میں فتاویٰ رشیدیہ و فتح المبین سے بعض اسلامی فرقوں کے اشخاص کے پیچھے نماز ناجائز یا مکروہ ہونے کا فتویٰ کا ذکر کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ طغری کے معنی کوئی نیا حکم نکالنا نہیں بلکہ قرآن و حدیث و فقہ کی تصریحات نقل کر کے حکم ثابت کرنا ہے۔ بخلاف مرزا صاحب کے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے اور ائمہ دین کی تصریح کے خلاف ایک نیا حکم جو صرف انہیں کو بتایا گیا اور حلت و حرمت سے متعلق ہے۔ فرما رہے ہیں یہ اضافہ شریعت محمدیہ پر ہے۔ اس کی عبارت ملاحظہ ہو: ”پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تم پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکلف و مکذب یا مردود کے پیچھے نماز پڑھو۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۲۸ حاشیہ، خزائن ج ۱ ص ۱۷۷ ص ۱۷۷)

بیان (گواہ مدعیہ نمبر ۳۰۲) ملاحظہ فرمائیں۔ شریعت کا کوئی سابقہ ثابت شدہ فتویٰ نہیں دے رہے ہیں۔ بلکہ مستقل خدا سے نماز حرام ہونے کے حکم کی اطلاع کا اعلان فرما رہے ہیں۔ یہ حرمت کا حکم براہ راست خدا سے جدید حکم نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملا لیا جاوے کہ مرزا صاحب کا مندرجہ ذیل قول کہاں تک درست ہے۔ ”ہم نہ شریعت میں کچھ بڑھاتے ہیں اور نہ کچھ کم کرتے ہیں۔ ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں کرتے۔“ (نورالحق حصہ اول ص ۵، خزائن ج ۸ ص ۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عبارت خلاف حقیقت واقع ہے۔

### (مسئلہ جہاد)

خلاصہ تاویلات:

- ۱..... یہ حکم ان کا خود نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کا ہے جو مسیح موعود کے حکم میں فرمایا کہ جب وہ آئے گا تو دینی جنگ کا خاتمہ کر دے گا۔
- ۲..... کچھ مسلمانوں کے عقیدہ پر اعتراض کیا ہے۔
- ۳..... چونکہ اس زمانہ میں موجبات جہاد نہ ہوں گے۔ اس لئے قطعاً جہاد کو حرام قرار دیا۔ (اعجاز احمدی) کا حوالہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی تردید پر محمول کر لیا۔ (حقیقت المہدی، تحفہ گولڈویہ) کو وقت گزرنے پر محمول کیا۔
- ۴..... ہم نہیں کہتے کہ حکم جہاد بالسیف قرآن میں نہیں یا تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔
- ۵..... جہاد سیفی کی حقیقت اور وقت و جوہ قرآن و حدیث سے بتایا ہے۔

### (مرتب تفصیلی جواب)

- ۱..... آنحضرت ﷺ کا ہرگز یہ حکم نہیں کہ مسیح موعود آتے ہی دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ بلکہ جہاد بالسیف اور قتال کو قیامت تک باقی رکھا ہے اور آخر مقابل جہاد بالسیف کرنے والا مسیح موعود کو قرار دیا ہے جو دجال سے قتال بالسیف کریں گے۔ وہ احادیث جن میں قیامت تک جہاد کے باقی رہنے کا حکم ہے۔
  - ۱..... ”الجهاد ماضی الی یوم القیامة“ جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔
  - ۲..... ”من یرح هذا الدین قائماً یقاتل علیہ عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة“ (مسلم مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۳) ہمیشہ یہ دین قائم رہے گا اور ایک مسلمانوں کی جماعت اس دین کے لئے (قتال) یعنی جہاد بالسیف کرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔
- ملاحظہ فرمائیں لفظ قتال کی تصریح ہر جہاد کا یہی لفظ نہیں کہ جہاد بالنفس وغیرہ کی تاویل کا رگر ہو۔

## وہ حوالہ جس میں مسیح علیہ السلام کے قتال کرنے کی تصریح ہے

۱..... ”لانزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین علی نادرہم حتی یقاتل اخرہم المسیح الدجال“ (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۲۶۵) ایک گروہ میری امت کا ہمیشہ دینی لڑائیاں کرتا اور حق پر قائم رہے گا اور تمام مخالفین پر غالب رہے گا۔ یہاں تک کہ آخری شخص یعنی مسیح موعود دجال سے (قتال) دینی لڑائی کرے گا۔

۲..... ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ..... فیقاتل الناس علی الاسلام تا فیصلی علیہ المسلمین“ (ابوداؤد) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں اور وہ تم میں اتریں گے۔ جب ان کو دیکھو تو پہچان لو کہ ان کا درمیانہ ہوگا۔ رنگ سرخ سفید اور لباس زردی مائل۔ گویا ان کے سر سے باوجود ترنہ کرنے کے پانی ٹپکتا ہوگا۔ وہ اسلام کے لئے لوگوں کے لئے لڑیں گے۔ کسر صلیب اور قتل خنزیر کریں گے اور جزیہ نہ قبول کریں گے۔ ان کے زمانہ میں خدا تمام مذاہب کو محو کر دے گا۔ وہ دجال کو ہلاک کریں گے..... الخ! خصوصیت سے ”فیقاتل الناس علی الاسلام“ کہ لوگوں سے دینی لڑائی کریں گے۔ قابل غور ہے اور مختار مدعا علیہ کی کذب بیانی کی صاف تردید ہے کہ: ”حدیثوں میں ہے کہ مسیح موعود دینی لڑائیوں کا خاتمہ کریں گے۔“

البتہ جب دنیا میں صرف اسلام رہ جائے گا، کوئی اور ملت نہ ہوگی تو ضرور جہاد نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ لوگ موجود نہیں جن پر جہاد کیا جاسکے۔ ایک روایت بھی ایسی نہیں کہ مسیح آتے ہی دینی جنگوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

۲..... مسلمانوں کے عقیدہ پر جو اعتراض کیا ہے۔ چونکہ اس کا ثبوت احادیث سے ہو چکا۔ اب جواب ترکی بترکی نہیں دیتا۔ عدالت خود ان کی سخت کلامی پر غور فرمائے۔

۳..... موجبات جہاد کفار اور امام کا ہونا نیز قدرت ہے۔ کفار تو موجود ہی نہیں۔ امام ہونے کے مرزا صاحب خود ہی مدعی ہیں۔ باقی رہی قدرت وہ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ نہ ہونے کے حکم پر عمل نہ ہو سکتا اور چیز ہے۔ مگر نہ ہونے پر حکم ہمیشہ کے لئے بند کر دیا اور کہنا کہ: ”اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔“ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص ۱۲، خزائن ج ۱ ص ۱۵) پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔ (اربعین نمبر ۴ ص ۱۵ حاشیہ، خزائن ج ۱ ص ۴۳۳) دین میں کھلا ہوا ایک نیا حکم خلاف شرع مستزاد کرتا ہے جو بالاتفاق کفر ہے۔ پھر (نمبر ۴، ص ۶۵) میں یہ کہنا کہ مولوی محمد حسین کی تردید کے لئے یا وقت گزرنے پر محمول ہے۔

اور ہم نہیں کہتے کہ حکم جہاد بالسیف قرآن میں نہیں یا تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔ مرزا صاحب کی مندرجہ ذیل تصریحات کے بعد بالکل ناقابل التفات ہے۔

۱..... ”بل صارت هذه الامر كشریعتہ نسخت تا اقيم مقام هذا اتمام الحجة بالدلائل واضحه..... الخ!“ یعنی جہاد بالسیف کا حکم شریعت منسوخہ اور طریقہ متبدلہ کی طرح ہو گیا۔ اب جنگ و محاربہ کی حاجت نہیں۔ اس کے قائم مقام دلائل واضح اور دعویٰ کا براہین صحیحہ سے ثابت کرنا قرار دیا گیا۔“ (حقیقت المہدی ص ۲۵، خزائن ج ۱ ص ۴۶۱)

ملاحظہ فرمائیں کہ کس وضاحت سے حکم جہاد سنی ہمیشہ کے لئے منسوخ کر کے دلائل کو ان کے قائم مقام کر رہے ہیں اور لطف یہ کہ لفظ بھی ”نسخت“ منسوخ ہونے کا استعمال فرمایا ہے۔ اس سے تو صراحتہ مدعی صاحب شریعت جدیدہ ناخ شریعت محمدیہ ہو گئے۔

۲..... ”دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے..... الخ!“ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص ۱۵، خزائن ج ۱ ص ۱۵) نئے حکم لانے کی کیسی صاف تصریح ہے۔ یہ نہیں کہ شریعت میں کوئی حکم ہے جسے سنا تا ہوں۔

۳..... ”مسح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔“ (اربعین نمبر ۴ ص ۱۵ حاشیہ، خزائن ج ۱۳ ص ۴۳۳) مختار مدعا علیہ تو اس کی علت نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی وغیرہ بتاتا ہے۔ مگر خود مرزا صاحب اس کی غرض صرف اعانت گورنمنٹ برطانیہ اور ان کی خوشنودی قرار دیتے ہیں۔

ملاحظہ ہوں حوالہ جات ذیل

۴..... ”یہ بات تو بہت اچھی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیال کو دلوں سے ہٹایا جائے۔“

(الغاز احمدی ص ۳۴، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۴)

۲..... ”جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک..... تا اگر میں نے یہ اشاعت گورنمنٹ انگریزی کی سچی خیر خواہی سے نہیں کی تو مجھے ایسی کتابیں عرب اور بلاد شام اور روم وغیرہ بلاد اسلامیہ میں شائع کرنے سے کس انعام کی توقع تھی۔“

(کتاب البریہ ص ۷، خزائن ج ۱۳ ص ۷)

ملاحظہ ہو جہادی خیالات روکنے کی اشاعت اور خصوصاً ممالک اسلام میں اس کی غرض مرزا صاحب صرف گورنمنٹ انگریزی کی سچی خیر خواہی قرار دے رہے ہیں۔ مختار مدعا علیہ جو چاہے تاویل کرے۔ مرزا صاحب نے تمام تاویلات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے۔ بخوف طوالت اسے طول نہیں دیتا۔

۷..... جہاد کی تین قسمیں: جہاد اکبر، جہاد کبیر، جہاد اصغر کرنا اور پھر حدیث: ”الکلمة حق عند سلطان جائز الجهاد الاکبر“ مشکوٰۃ کے حوالے سے پڑھنا جو کہ ان الفاظ میں ثابت ہی نہیں اور ایک ضعیف حدیث (روح المعانی ج ۱ ص ۱۹۰) سے لانا اور پھر ”رجعنا من جہاد الاصغر الی جہاد الاکبر“ والی حدیث بلا کسی حوالے کے لے آنا۔ حالانکہ حدیث سے معمولی سا تعلق رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اس کا موضوع ہونا تقریباً شہرت کی حد کو پہنچ چکا ہے۔

پھر کسی شخص کے واسطے بعض حالات مخصوصہ میں جب کہ اس کے واسطے جہاد فرض عین نہ تھا بلکہ کفایہ تھا۔ اس پر فرض عین یعنی خدمت والدین کو ترجیح دینے سے غلط تقسیم جو مختار مدعا علیہ نے قائم کر کے جس کو آنحضرت ﷺ اسلام کی چوٹی قرار دیں۔ ”وذروہ سنامہ الجہاد“ (مسلم) کم درجہ بتایا ہے اور ایک کئی آیت سے جو حکم جہاد بالسیف سے پہلے نازل ہوئی اور آیت سیف نے ان سب کا حکم ختم کر کے جو نیا حکم قیامت تک کے واسطے قائم کیا ہے اسے چھپانے کی سعی کرنا اسلام کے اصول پر ایک ایسا زبردست حملہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ احادیث صحاح کا اس کے متعلق ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف (کتاب الجہاد) اور قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں اس جہاد بالسیف سے بڑھ کر کوئی بھی عبادت و ریاضت ایسی کیا اس کے قریب ہی قرار نہ دی گئی اور ایمان کا مدار ہی اسے قرار دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مجھے تمنا ہے کہ اللہ کے راستہ میں دینی لڑائی کرتا ہوا قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ ہوں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں..... الخ!

نیز فرمایا کہ: ”الجنة تحت خلال السیوف“ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ یہ حدیث حضرت ابی موسیٰ اشعری نے جب بیان فرمائی کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ فوراً ایک معمولی ہیبت کا آدمی اٹھا اور پوچھا کہ: ”انت سمعته من رسول اللہ ﷺ“ تم نے یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں! یہ سنتے ہی تلوار اٹھائی اور میان کو توڑ کر لوگوں کو آخری سلام کیا اور اسی راہ سے جہاد کر کے جنت جا پہنچا۔ (مسلم شریف) میں احادیث کے طویل ذخیرہ کو چھوڑ کر قرآن پاک کی روشنی میں جو مختار مدعا علیہ کے نزدیک احادیث صحیحہ متواترہ پر بھی راجح ہے، اس مسئلہ کو واضح کرتا ہوں۔

## قرآن پاک اور جہاد بالسیف

جہاد فی سبیل اللہ بہت سی زبانیں تو اس کے ذکر ہی سے گنگ ہیں۔ شیاطین الانس کا خوف ان کے رگ و پے میں اس درجہ اثر کئے ہوئے کہ وہاں اللہ کے خوف کے لئے جگہ نہیں۔ ”یخشون الناس کخشية الله او اشد خشية (النساء: ۷۷)“ اور جنہیں ابھی بولنے کی طاقت حاصل ہے وہ اسے جہاد بانفس پر محمول کرتے ہیں اور ”ورجعنا من جہاد الا صغر الی جہاد الا کبر“ کی غلط اور موضوع حدیث سے ان کا نفس خادع تمسک و اعتصام کرتا ہے۔ گویا ابلیس نے ان علماء سوء کو اپنے اعمال شیطانی کے لئے ایک آلہ بنا لیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے، ان سے کام لیتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ: ”ان الله يحب الذين يقاتلون فی سبيله صفاً كانهم بنیان مرصوص (صف: ۴)“

بے شک خدا ان لوگوں کو محبوب رکھتا جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں سے تمام تعلقات و روابط منقطع کئے گئے وہ تین جلیل القدر صحابہ تھے جو کالی کی بناء پر جنگ تبوک میں شامل نہ ہوئے۔

”وعلى الثلاثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم ووطنوا ان لاملجاء من الله الا اليه ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التواب الرحيم (التوبة: ۱۱۸)“ اور ان تین پر بھی جو بانتظار امر خداوندی ملتوی رکھے گئے تھے۔ یہاں تک جب زمین بادل جو درخانہ ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی تاکہ وہ آئندہ کے لئے توبہ کئے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں، ان کی نسبت فرمایا کہ نہ صرف یہی مصیبتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بنیں گے بلکہ ان کی وجہ تمام قوم بتلائے آلام ہوگی۔

”واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب (الانفال: ۲۵)“ اور اس بلاء سے ڈرتے رہو جو خاص کر انہیں لوگوں پہ نازل نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے۔ بلکہ سب اس کی زد میں آ جاؤ گے اور جانتے رہو کہ اللہ کی مار بہت بری ہے۔

جس طرح ہر شخص اپنی انفرادی زندگی کے بقاء و قیام کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں پر حیات اجتماعی کے قائم و دائم رکھنے کے لئے جہاد کو لازم اللوازم قرار دیا۔

”واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (الانفال: ۶۰)“ اور سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے، کافروں کے لئے ساز و سامان مہیا کئے رہو کہ ایسا کر لینے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔

پھر نبوت کے اعمال مہمہ میں سب سے اشرف و اعلیٰ مقام اسے نوازش کیا گیا۔

”يا ايها النبي حرض المؤمنین على القتال (الانفال: ۶۵)“ اے نبی مسلمانوں کو جنگ و قتال کے لئے ابھارو۔ عالم الغیب والسرائر کو اس امر کی اطلاع تھی کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی تمام تر زندگی بطالت و بد عملی اور جبن و نامراد کی تصویر ہوگی۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بچنے کے لئے طرح طرح کے حیلہ تراش کر نفس خادع کے فریب میں مبتلا ہو جائیں گے اور قتال فی سبیل الحق

والحریۃ ترک کر دیں گے۔ اس لئے سورۃ توبہ میں ان کے ایک ایک عذر لنگ کو بیان کیا۔ ہر ایک کی حقیقت آشکارا کر دی اور بتایا کہ تمہیں کسی طرح بھی اس فرض اہم و اقدم سے نجات نہیں مل سکتی۔ یہ فوجی خدمت ہر مسلم مرد و عورت، امیر و غریب، بادشاہ و فقیر، آقا و غلام پر لازمی ہے اور اس سے کسی کو حق استثناء حاصل نہیں۔ ہم اس وقت صرف اشارات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ تفصیل کا مقام دوسرا ہے۔

الف ..... مخالفین و معاندین اسلام نے اپنی مجتمع قوت سے اسلامی حکومت کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے تمام بلاد و امصار تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ حمیت مذہبی کی وجہ سے مسلمان مقابلہ کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ دشمنان دین فوراً اپنے مواعید کا ذبحہ کا اعلان کر دیتے ہیں کہ فرزند ان اسلام کے تمام حقوق کی حفظ و نگہداشت کی جائے گی۔ ان کے مقدس مقامات کا احترام کیا جائے گا اور ان کے مذہبی و سیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روانہ رکھی جائے گی۔ اس قسم کی دل فریب باتیں سن کر اکثر حیلہ جو طبیعتیں پکار اٹھتی ہیں کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا حد درجہ کی سفاہت و بد اخلاقی ہے۔ یہ تو پیکر فرہنگی و ملوکیت ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ان پر اعتماد کرنا جہل و نادانی ہے۔ وہ اپنے وعدے پورا نہ کریں گے۔

”ماکان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ شہیدین علیٰ انفسہم بالکفر (التوبہ: ۱۷)“ مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد رکھیں اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں۔

ب ..... مسلمان اپنے گھروں میں نیک کام کرتے ہیں۔ علماء کرام قرآن و حدیث کے درس میں مصروف ہیں۔ گروہ صوفیہ خانقاہوں میں اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے کہ تزکیہ نفس حاصل ہو۔ ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو ان سے اپنی تفنگی کو دور کرتے اور سیراب ہو کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ یہ لوگ ان اعمال صالحہ کو پیش کر کے اپنے آپ کو قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن لسان الہی انہیں ظالم قرار دیتی ہے۔

”اجعلتم سقایۃ الحجاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ والیوم الآخر و جاہد فی سبیل اللہ لایستون عند اللہ واللہ لایہدی القوم الظالمین (توبہ: ۱۹)“ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد رکھنے کو اس شخص کی خدمتوں جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے۔ اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنے سال کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ تین ماہ تجارت کرتے تھے، تین ماہ درس حدیث میں مصروف رہتے، تین مہینوں میں حج کرتے اور باقی ایام جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کرتے۔ انہوں نے حضرت فضیل بن عیاض کو خط بھیجا جو اس وقت بیت اللہ میں معتکف تھے اور حضرت عبداللہ مصروف جہاد۔ اس خط کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا  
فضیل روپڑے اور کہا ابو عبد الرحمن سچ کہتا ہے۔  
لعلمت انک بالعباد تلعب

ج ..... دنیاوی ضرورتیں ماں باپ کی محبت، رشتہ داروں کی خبر گیری، مساکین و غرباء کی اعانت اور زمین و جائیداد کی حفاظت ان میں سے ایک چیز بھی جنگ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی۔

”قل ان کان اباؤکم و ابنائؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموالنا اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مسکن ترضونها احب الیکم من اللہ و رسوله و جہاد فی سبیلہ فترضوا حتیٰ یأتی اللہ بامرہ واللہ لایہدی القوم الفاسقین (التوبہ: ۲۴)“

کہہ دو اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، کنبہ دار مال جو تم نے کمائے ہیں، سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ اور مکانات جن کو تمہارا جی چاہتا ہے، اللہ اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو صبر کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو سرتابی کریں۔

..... قلت تعداد، فقدان اسباب اور ضعف ظاہری کی بناء پر جہاد کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔

”لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً وضائق علیکم الارض بمارحبت ثم ولیتم مدبرین (التوبة: ۲۵)“ اللہ بہت سے موقع پر تمہاری مدد کر چکا اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا تو وہ تمہارے کچھ کام بھی نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے لگی تم پر تنگی کرنے پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

..... تاجرانہ تعلقات اور ملازمت کے روابط کی بناء پر کسی قوم سے جنگ کو ملتوی نہیں کیا جاسکتا اور یہ خیال نہ ہو کہ اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں گے۔

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِنَّمَا الْمَشْرُکُونَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا (التوبة: ۲۸)“

مسلمانو! مشرک تو گندے ہیں تو اس برس کے بعد حرمت والی مسجد کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں اور اگر ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

پس ان تمام آیات نے واضح کر دیا کہ جب تک آنکھوں میں بصارت ہے، کان سن سکتے ہیں، ناک سونگھ سکتی ہے، زبان میں قوت گویائی، ہاتھوں میں پکڑنے کی طاقت اور پاؤں میں چلنے کی قابلیت ہے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے۔ تمام محبتوں اور چاہتوں پر اس کی شیفٹنگی و وارفتگی غالب رہے۔ اسی کا سودا سر میں ہو اور اسی کی زنجیر پاؤں میں ہو کہ یہی احب الاعمال الی اللہ ہے۔ یہی سنم الاسلام ہے۔ یہی عصا رہ ایمان اور مغز عبادت ہے۔

”وجاهدوا فی اللہ حق جہادہ ہو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابيکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل وفي هذا لیکون الرسول شهیداً علیکم وتكونوا شهداء علی الناس فاقیموا الصلوة واتوا الزکوة واعتصموا باللہ هو مولکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر (الحج: ۷۸)“ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اس نے تم کو تمام انبیاء کی قوموں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لئے چن لیا۔ پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لئے کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔ ملت تمہارے وارث اعلیٰ خلیل اللہ کی ہے اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ گزشتہ زمانوں میں بھی اور اس میں بھی تا کہ رسول تمہارے لئے اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لئے شاہد ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کے رشتہ کو مضبوط پکڑو جان و مال دونوں کو اس کی عبادت میں لٹادو۔ وہی تمہارا آقا اور مالک ہے اور پھر جس کا خدا مالک ہو، اس کا کیا چھاما مالک ہے اور کیا قوی مددگار۔

احادیث نے اس کی اہمیت کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”والذی نفس محمد بیدہ لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل“ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں۔ پھر شہادت کا درجہ حاصل کر کے زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہو کر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں۔

دوسری حدیث میں ہے: ”رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیہا“ ایک دن اللہ کے راستہ میں چوکیداری

کرنی بہتر ہے۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے جس شخص نے جہاد کا ایک لمحہ کے لئے بھی ارادہ نہ کیا ہو اور اسی حالت میں مر گیا ہو، اس کی نسبت فرمایا کہ وہ منافق کی موت مرا ہے۔

”ومن مات ولم یغزوا ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شبعۃ من نفاق“ جو شخص مر گیا نہ تو اس نے اپنی زندگی میں کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا ہوا وہ نفاق کی موت مرا۔

ایک موقعہ پر یوں ارشاد ہوا: ”ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف“ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔ پھر اس کی کوئی بھی حد قائم نہ فرمائی۔

”وقاتلوہم حتی لا یتکون فتنۃ یوبکون الدین کلہ للہ (الانفال: ۳۹)“ ان سے برابر مذہبی جنگ جاری رکھو جب تک فتنوں کا استیصال اور تمام دین اللہ کے واسطے نہ ہو جائے۔ ”الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ“ قیامت تک جہاد باقی رہنے والی چیز ہے اور آخری مذہبی لڑائی مسیح موعود کے ہاتھوں ہوگی۔ شرائط کے کسی وقت فقدان کی وجہ سے بالفعل اس پر عمل نہ ہونا اور چیز ہے، مگر جہاد کے (عیاذ باللہ) بقول مرزا صاحب خراب مسئلہ کو گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کے واسطے قربان کرنا اور صرف سچی خیر خواہی گورنمنٹ کے واسطے اعلان کرنا کہ میں ایک حکم خدا سے لے کر آیا ہوں اور یہ کہ اب سے دینی لڑائیوں کا خاتمہ ہے۔ باری تعالیٰ سے کھلی ہوئی بغاوت کا اعلان ہے جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہمیشہ قیامت تک باقی رکھیں۔ اس کا خاتمہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے کہ کہے اب یہ حکم جہاد شریعت منسوخ ہو گیا۔ قرآن پاک کی قطعی آیات اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی احادیث اب چودھویں صدی کے ایک شخص کے حکم سے منسوخ قرار پائیں۔ اس سے زائد کوئی کفر یہ ناممکن ہے۔ کسی عذر سے کسی حکم پر کسی زمانہ میں عمل نہ ہو سکتا اور امر ہے اور اس سے انکار کر کے اسے ختم یا منسوخ کر دینا اور چیز ہے۔ عمل نہ کرنا کفر نہیں مگر بدلنا انکار و منسوخ کرنا صریح کفر ہے جس کے بعد ایمان ممکن ہی نہیں۔

## جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے

اس سلسلہ میں کئی زندگی اور کئی منسوخ آیات اور بعض صحابہ کے اقوال سے جو اس کی خانہ جنگی سے متعلق تھے۔ غلط نتائج اخذ کئے ہیں اور جہاد کو صرف دفاعی قرار دیا ہے۔ حالانکہ جہاد کی دونوں قسمیں قرآن پاک و احادیث میں مصرح موجود ہیں۔ مدافعتی بھی اور جارحانہ بھی ایک قسم کو مستقلاً حذف کر دینا بھی دین میں کمی کرنا ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں کہ تمام شرائط اور ان کی نوعیت پر روشنی ڈالی جائے۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جب شرائط نہ ہوں تو بالفعل ضروری نہیں، مگر اس کی ہمیشہ کے لئے منسوخی و خاتمہ کا اعلان کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ کیا کسی شخص پر یا جماعت پر بوجہ عدم استطاعت حج فرض نہ ہونے سے تمام دنیا کے واسطے مسئلہ حج کے خاتمہ کا اعلان و حکم کیا جاسکتا ہے؟ پھر اگر ہندوستان میں مجبوری تھی تو اس مسئلہ جہاد کے خاتمہ کا اعلان بلا دعر ب و شام اسلامی ممالک میں انہیں جہاد سے روکنے کے واسطے رسائل کثیرہ کی اشاعت کی کیا غرض تھی؟ مختار مدعا علیہ کوئی بھی تاویل کریں مرزا صاحب (کتاب البریہ ص ۷، خزائن ج ۱۳ ص ۷) پر صاف اعلان فرما رہے ہیں کہ کوئی بھی غرض ممالک اسلامیہ میں اس کے روکنے اور خاتمہ کے اعلان کے سوائے خوشنودی و سچی خیر خواہی گورنمنٹ برطانیہ کی ہرگز نہ تھی۔ (ملخصاً)

## بزرگان دین پر بہتان عظیم

پھر حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید اور ان کے پیر حضرت سید احمد بریلوی پر یہ بہتان باندھا ہے کہ ان کا مذہب بھی مرزا صاحب کی طرح تھا۔ ماشاء اللہ ان کا رسالہ جہاد یہ و حیات طیبہ ملاحظہ ہو۔



اور سوانح احمدیہ سے ان کا ایک خطبہ بلکہ ایک دو فقرات نقل کئے ہیں۔ عدالت خود اسے ملاحظہ فرمائے۔ نقل عبارت میں طول ہوگا کہ کیسا کھلا ہوا بہتان عظیم ہے۔ اس میں تو سراسر اس کے خلاف ہے۔ وہ جب سکھوں سے جہاد کرنے کے واسطے نکلے تو اعلان فرما دیا کہ کسی اسلامی بادشاہ یا موجودہ سلطنت سے ہمارا نزاع نہیں۔ صرف سکھوں سے اس وقت جہاد کرنا ہے۔

اس میں جب کہ وہ خود جہاد بالسیف میں مصروف ہیں تو جہاد کے مسئلہ کو خراب اور اس کے ہمیشہ کے لئے خاتمہ اور منسوخ کا کیونکر اعلان فرما سکتے ہیں۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے کیا۔ البتہ ایک وقت میں تمام دنیا سے جہاد نہ کیا۔ اس سلسلہ میں بلاوجہ گورنمنٹ برطانیہ کے محامد اور ان کا سایہ رحمن ہونا بھی زیر بحث لایا گیا ہے اور باوجود یکہ بحث کے وقت احتجاج کے ساتھ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ میں ایک لسٹ اس کے مظالم اور مداخلت فی الدین کرنے کی دوں گا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے مذہب پاک پر کیسے اور اس قدر عظیم الشان حملے کئے ہیں۔ مگر چونکہ عدالت کی اجازت اس قسم کے غیر متعلق امور کے تذکرہ کی نہیں۔ اس لئے احترام عدالت کے لحاظ سے ترک کرتا ہوں۔ بہر حال اس مسئلہ جہاد کے خاتمہ کرنے میں مرزا صاحب نے خود دین میں کمی زیادتی کی۔ اس کا جواب تاقیامت ناممکن ہے۔ عدالت خود ہمارے پیش کردہ حوالہ جات (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص ۵؛ خزائن ج ۷ ص ۱۵) میں سے ملاحظہ فرمائے۔

### تیسری وجہ تکفیر (دعوئی نبوت)

اس سلسلہ میں مدعیہ کی جانب سے کوئی بھی ثبوت اس ہیڈنگ کے تحت پیش نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ بوضاحت بسلسلہ ختم نبوت قرآن پاک، احادیث نبویہ صحیحہ، اقوال صحابہ، قرآنیہ سلف صالحین سے کثیر التعداد حوالے اور تقریباً (۵۰) سے زائد بالکل لا جواب جن کے جواب میں تذکرہ تک نہ آیا گزر چکے جن کا اعادہ نہیں کرتا اور ان سے صراحتاً ثابت ہو گیا کہ کسی قسم کا ظلی، بروزی نبوت کا دعویٰ بعد خاتم النبیین اور آخر الانبیاء باجماع امت کفر اور قطعی کفر ہے۔

مخبر مدعا علیہ نے اس سلسلہ میں وہی شہادت کی پیش کردہ آیات اسی طرز استدلال سے اور وہی کچھ معتبر اور غیر معتبر احادیث الفاظ معنی میں تحریف و تاویل کر کے دہرائیں جن کا غیر متعلق اور سرے سے بے ربط اور موضوع سے دور اشارہ و کنایہ بھی مثبت مدعا نہ ہونا اصل بحث میں ثابت کر چکا ہوں۔ اب گو کچھ زائد کہنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اس کی جوابی بحث کی روشنی میں نہایت اختصار سے گزارش کرتا ہوں۔

### قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل

بحوالہ بیان (گواہ مدعا علیہ نمبر ۱) ”یٰٰسٰی آدَمَ..... الخ! (الاعراف: ۳۱)“ (۲) ”اللّٰهُ یصطَفٰی..... الخ! (الحج: ۷۵)“ (۳) ”اذکروا نعمۃ اللّٰہ..... الخ! (الاحزاب: ۹)“ (۴) ”ظہر الفساد..... الخ! (الروم: ۴۱)“ (۵) ”صراط الذین انعمت علیہم“ بحوالہ (گواہ مدعا علیہ نمبر ۲) (۶) ”واذ ابتلیٰ ابراہیم (البقرہ: ۱۲۴)“ (۷) آیت بیثاق (۸) ”ومن یطع اللّٰہ والرسول (النساء: ۶۹)“ (۹) ”ماکان اللّٰہ لیزدر (آل عمران: ۷۹)“ (۱۰) ”کلا ہدینا (الانعام: ۸۴)“ (۱۱) آیت استخلاف (۱۲) ”وسیق الذین کفروا الیٰ جہنم زمراً (الزمر: ۷۱)“

ان سب کا مدلل جواب اصل بحث میں پیش کر چکا ہوں اور عدالت نے اس پر نوٹ بھی قائم فرمائے تھے۔ ان میں سے صرف چند آیات نمبر (۱)، (۲)، (۵)، (۶)، (۸)، (۱۱) کا جواب بحث میں تذکرہ کیا اور پوری چھ یعنی نصف درجن کے جواب کا ذکر تک نہ کیا اور ان کا جواب صحیح تسلیم کر لیا۔ لہذا اب اس سلسلہ میں صرف چھ آیات ان کے پاس ہیں جن کے جواب کو جوابی بحث میں لانے اور میرے

جواب میں مغالطہ کی سعی کی ہے جس کی حقیقت پر مرتب و مفصل مگر نہایت ہی اختصار سے روشنی ڈالتا ہے۔

مختار مدعا علیہ کی تاویلات کا خلاصہ

۱..... اس آیت میں خطاب حضرت آدم علیہ السلام کے وقت کے بنی آدم کو ہونا جن کے واسطے مختار مدعیہ نے ابن جریر کی روایت پیش کی ہے۔ سیاق و سباق کے خلاف ہے۔

۲..... سیاق و سباق سے وہی ثابت ہوتا ہے جو گواہان مدعیہ نے کیا ہے۔

۳..... اس سے پہلے آیت: ”بنی آدم خذوا زینتکم (الاعراف: ۳۱)“ ہے جس کا شان نزول کفار مکہ ہیں۔

۴..... اور بعد کی بھی آیات ہمارے معنوں کو مؤید ہیں۔ ”قال ادخلوا فی..... الخ! (الاعراف: ۳۸)“

۵..... یہ کہنا غلط ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے اس پر کوئی حوالہ نہیں دیا بلکہ حوالہ اتقان کا موجود ہے۔

۶..... روایت ابن جریر میں آدم اور زریٹ آدم دونوں کا ذکر ہے اور آیت میں صرف بنی آدم کا۔

۷..... قرآن میں حکایت عن الماضی کا اشارہ تک نہیں۔

۸..... عبدالرحمن بن زیاد اور بیان ضعیف ہیں جو روایت ابن جریر میں ہیں۔

۹..... اقوال تابعین و مفسرین حجت نہیں۔ حوالہ اتقان، ابن خلدون۔

۱۰..... مرزا صاحب نے ابن جریر کو رئیس المفسرین کیوں کہا۔

۱۱..... ”یا بنی آدم یا ایہا الناس“ کے فرق کا جواب۔

۱۲..... ہدیۃ الشیعہ۔

۱۳..... نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ اخبار میں۔

۱۴..... اتنا کی بحث۔

الجواب:

۱..... ہرگز سیاق و سباق اس کے خلاف نہیں۔ میں نے اولاً اس کے عموم خطاب کو سیاق و سباق اور اسلوب قرآن سے اصل بحث میں

ثابت کیا ہے اور قرآن پاک سے ثابت کیا ہے کہ ہر جگہ یا بنی آدم سے اولاد آدم مراد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اصل الفاظ کا مدعا ہے اور جب بھی

کہیں تخصیص پیدا ہوتی ہے، وہ مجاز آخر جی قرآن یا شان نزول وغیرہ کے لحاظ سے۔ ورنہ اصل الفاظ کی وضع ہی عموم کے واسطے ہے۔ ملاحظہ

ہو بحث مختار مدعیہ۔

۲..... یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ جیسا کہ ما قبل سے مستفاد ہوتا ہے اور آگے آ رہا ہے۔

۳..... اس پہلی آیت میں ”بنی آدم خذوا زینتکم..... الخ! (الاعراف: ۳۱)“ میں خطاب عام اولاد کو ہے اور تخصیص خارج

سے شان نزول کی مدد سے جو پیش کی ہے وہ اصل عموم الفاظ کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ خصوصی مورد کا۔ تعجب ہے کہ

دوسرا شان نزول پیش کرے تو اسی ضابطہ سے مختار مدعا علیہ اسے مسترد کر دیتا ہے اور اپنے لئے اسی سے دلیل لاتا ہے۔ مفصل ابتدائی بحث

میں پیش کر چکا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں ”یا بنی آدم..... الخ!“ سے عام اولاد آدم بلا تخصیص امت محمدیہ یا زمانہ محمدیہ کے

لوگوں کے مراد ہیں۔ البتہ حکم اس قسم کا ہے کہ ختم نہیں ہوا۔ اب تک اس امت میں موجود ہے۔ پس یہ ماسبق کی آیت خلاف ہمارے مدعا کے

نہ ہوئی بلکہ اسی کو مؤید رہی۔

۴..... مابعد ایک آیت بھی مختار مدعالیہ کے معنی کی مؤید نہیں بلکہ تائید کا اشارہ تک نہیں۔ دراصل مختار مدعیہ کے پیش کردہ معنی سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ پیش کردہ آیت میں ازل کا ذکر تھا اور اس میں ابد و آخرہ یا قیامت و وقت دخول جنت کا، وہ حکایت حال ماضیہ تھی، یہ حکایت حال۔ آیت دوسرے سیاق و سباق کی فکر مختار مدعالیہ کو فضول ہے۔ جب کہ وہ خود اقراری ہے کہ: ”اور حضرت آدم کا واقعہ ضمنی طور پر درمیان میں آیا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اس میں ضمناً جملے معترضہ بھی ہیں جن کا ماقبل و مابعد سیاق و سباق سے حل کرنا اسی کے قول کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ ورنہ میں نے تو اس کا حل مختصر یہاں اور مفصل اصل بحث میں پیش کر دیا ہے۔ نیز گواہان مدعیہ نے بجواب جرح بھی اسے ایک حد تک صاف کر دیا ہے۔

۵..... یقیناً یہ کہنا صحیح ہے کہ مختار مدعالیہ نے اس پر کوئی بھی دلیل پیش نہیں کی اور ہمارے اس قول کو کوئی بھی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ مختار مدعالیہ کی یہ غلط بیانی ہے کہ اس نے آیت تنازعہ کے متعلق اتقان کا حوالہ پیش کیا۔ بلکہ ماقبل کی آیت: ”خذوا زینتکم“ کے متعلق اتقان کا حوالہ پیش کیا تھا اور اسی سچلی آیت کے تحت سے ایک ضابطہ عام نقل کیا تھا۔ مگر اس کا غیر متعلق ہونا اچھی طرح ابتدائی بحث میں واضح کر چکا ہوں اور واقعہ صرف اس قدر ہے کہ ایک عام قاعدہ کی اتقان میں ایک مثال دی ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہ اس آیت تنازعہ میں یا جہاں بھی یہ لفظ آئے یہی مطلب ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۶..... جس طرح روایت ابن جریر میں حضرت آدم اور اس کی ذریت دونوں کا ذکر ہے۔ یوں ہی آیت میں اولاد آدم مع آدم کے مراد ہیں اور ایسا قرآن پاک میں جا بجا ہے۔ ”اعملوا ال داؤد میں داؤد اور آل فرعون میں فرعون بھی بالاتفاق شامل ہے۔ اسی طرح اس تنازعہ آیت میں بھی بنی آدم کے ساتھ آدم علیہ السلام بھی شامل ہیں اور یہ خاص اس کلام بلاغت نظام کا اسلوب ادا ہے جسے (کشاف و بیضاوی اور اعجاز القرآن) میں مفصل بیان کیا ہے۔ یہاں موقع تفصیل کا نہیں کہ عرض کیا جائے۔

۷..... قرآن میں حکایت حال ماضی کا اشارہ کیا تصریح موجود ہے۔ کیونکہ یہ آیت گویا قدرے تفصیل ہے: ”فاما یاتینکم منی ہدیٰ فمن تبع ہدای فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (البقرہ: ۳۸)“ کی اور یہ بہر حال سلسلہ ہدایت و اتیان رسل شروع ہونے سے پہلے کی ہونا چاہئے۔ ورنہ رسول آچکنے کے بعد اس کا کہنا ہی محض عبث و فضول ہوگا۔

جسے ذرہ سی بھی قرآن دانی سے مناسبت ہے۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ سلسلہ ارسال رسل و انزال کتب سے قبل کی یہ باری تعالیٰ کی اولاد آدم کو وصیت ہے۔ اس سے انہیں آدم علیہ السلام کے قصہ اور ان کے جنت سے خروج کے متصل بیان کیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ بھی اسی ازل کا واقعہ ہے اور یہ کل بطور حکایت حال ماضیہ بیان ہوا ہے اور ایسی مثالیں حکایت حالی ماضیہ کی قرآن پاک میں متعدد موجود ہیں۔

۸..... مختار مدعیہ کی پیش کردہ روایت ابن جریر کے دونوں راوی عبد الرحمن ابن زیاد اور ہیجان ہرگز ضعیف نہیں، نہ ان کے ضعف کا فیصلہ ہے۔ صرف ایک قول ان کے متعلق بلا سبب و علت بیان کئے ضرور منقول ہے۔ مگر اس قسم کی جرح اصولاً ناقابل اعتبار ہے۔ ملاحظہ ہو (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل ص ۷) ”القول الاول انه یقبل التعديل من غير ذکر سببه..... واما الجرح فانه لا یقبل الا مفسراً بیناً بسبب الجرح..... الخ!“ یعنی پہلا قول یہ ہے کہ کسی کی تعدیل و توثیق تو بلا اظہار سبب ہو سکتی ہے۔ مگر کسی پر جرح قبول نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کا سبب واضح طور پر بیان نہ کیا جائے۔

ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں اسی قول کو ائمہ اور حفاظ و ناقدین و ماہرین حدیث بخاری و مسلم وغیرہ کا مذہب قرار دیا ہے اور حافظ زین الدین عراقی نے اسی قول کو صحیح اور مشہور فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”وقد اکتفى ابن الصلاح فى مقدمته على القول الاول من هذه الاقوال وقال ذكر الخطيب الحافظ انه مذهب الاثمه من حفاظ الحديث ونقاده مثل البخارى ومسلم“؛ ”وقال الزين العراقى فى الشرح الالفى فى القول الاول انه صحيح المشهور“ (کتاب مذکور ص ۷) پس اس قسم کی جرح مبہم ہرگز ہمارے راویوں کی بہترت ماہرین فن جرح مجرد نہیں کر سکتی۔ مزید برآں اسی میزان الاعتدال میں دونوں راویوں کی کافی توثیق موجود ہے جسے مختار مدعا علیہ نے ظاہر نہ کیا ملاحظہ ہو۔ حافظ شمس الدین ذہبی اس عبدالرحمن ابن زیاد کو قاضی افریقہ اور عبد صالح فرماتے ہیں۔ امام بخاری اسے قوی فرماتے ہیں۔ ابوداؤد امام احمد بن صالح سے نقل کرتے ہیں کہ اس کی حدیث حجت ہے۔ یہی ابن قطان جن سے مختار مدعا علیہ نے یہ غیر ثابت شدہ قول کے ان کے متعلق نقل کیا۔ صحیح ان سے وہ ہے جو امام بخاری کے استاد و امام اسحاق ابن راہویہ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ ابن سعید قطان سے سنا کہ عبدالرحمن ابن زیاد ثقہ (معتبر) ہے اور ضعیف ہیں۔ ”وقال اسحاق ابن راهويه سمعت يحيى بن سعيد بقول عبد الرحمن ابن زياد ثقہ“ (میزان الاعتدال طبع ہند ج ۲ ص ۹۴) باقی رہا ہیاچ ابن بسطام خراسانی یہ تابعی ہیں۔ حضرت انس کو دیکھنے کی بھی روایت کی ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ: ”ان کی احادیث لکھنے کے لائق ہیں۔“ سعید بن ہنا فرماتے ہیں میں نے ہیاچ سے زائد کوئی فصیح نہیں دیکھا اور بغداد انہوں نے درس حدیث دیا جس میں ایک لاکھ آدمی مجتمع ہو گئے اور احادیث ان کی لکھیں۔ مالک ابن سلیمان فرماتے ہیں کہ ہیاچ ابن بسطام علم الناس بہت ہی بڑا عالم بہت بڑا بردبار، بڑا فقیہ، بڑا شجاع، بڑا سخی و رحیم تھا۔

اس سے زیادہ اور توثیق اور کیا چاہئے۔ یحییٰ ابن سعید اللہ اس کے معاملہ میں متردد ہیں۔ ایک مرتبہ اسے ضعیف کہہ گئے اور ایک مرتبہ ”لیس بشی“ کہہ دیا۔ یعنی ”قال مرة ليس بشي“ جس کو مختار مدعا علیہ نے غلطی سے مرثہ کو مرثہ کوئی نام سمجھ کر ترجمہ کر دیا کہ مرثہ نے کہا ہے کہ وہ کچھ چیز نہیں۔ حالانکہ کہ مرثہ کسی کا نام نہیں۔ وہاں مرثہ کا لفظ ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ یحییٰ نے کبھی یہ کہا کہ ”لیس بشی“ غرض ان کے تردد سے راوی میں ضعف پیدا نہیں جب کہ ایسی تقویت و توثیق موجود ہے۔ (ملاحظہ ص ۵۵۵) لہذا ابن جریر کی سند بالکل صحیح ہے اعتبار ہے۔ نیز جس تابعی سے یہ روایت ہے۔ یعنی ابی یسار سلمی وہ بالاتفاق ثقہ نہایت معتبر ہے۔ جیسا کہ کتب رجال میں موجود ہے۔

۹..... اب تابعین کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ جب کہ وہ تابعی جس سے ہم نے نقل کیا ہے۔ ابی یسار سلمی معتبر ہے۔ صرف یہ گزارش کر دوں کہ مختار مدعا علیہ نے (فتح البیان ص ۷) جو شعبہ کا حوالہ نقل کیا ہے وہ محض غلط ہے۔ وہاں کوئی موجود نہیں۔ نہ اس کے آگے پیچھے ہے۔ بلکہ تابعین کی ان کے طبقات کے لحاظ سے توثیق موجود ہے۔

تفسیروں کے متعلق جو اتقان کا حوالہ نقل کیا ہے۔ اس میں شرمناک خیانت ہے۔ حوالہ کے قبل لفظ قال کو حذف کر دیا اور آخر سے ذیہ نظر کو حذف کر دیا۔ یہ دوسرے کا قول نقل کر کے تردید فرما رہے ہیں۔

اور سوائے بعض مخصوص تفاسیر کے مستند معتبر خصوصاً یہ ابن جریر وغیرہ کی اسی اتقان میں شد و مد کے سات توثیق ہے اور خصوصیت سے اس ابن جریر کو نہایت ہی معتبر فرما رہے ہیں اور ائمہ دین سے نقول پیش کی ہیں۔ ملاحظہ ہو (اتقان طبقات المفسرین ج ۲ ص ۱۸۹) باقی رہا حوالہ ابن خلدون اس میں بھی خیانت ہے جو اصل بحث میں پیش کر چکا ہوں۔ بیان میں اس کے الفاظ یہ دیئے ہیں: ”تفاسیر المتقدمین مملوءة بالغث والسمين“ یہ الفاظ ہر دو بیانیوں حتیٰ کہ مطبوعہ کاپی میں قول ابن خلدون کر کے موجود ہیں۔ حالانکہ متعدد ایڈیشن بحث میں پیش کر کے دکھا چکا ہوں کہ یہ کہیں نہیں۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ: ”لا ان کتبہم واقوالہم تشتمل“ اس کے متعلق گزارش ہے کہ ابن خلدون مفسر اور مذہبی امام نہیں۔ بلکہ مؤرخ ہیں ملاحظہ ہو۔ (جرح گواہ مدعا علیہ مؤرخہ ۷/مارچ) اور یہ ہے مسلم کہ ہرن میں اسی کے ماہر کی رائے معتبر ہوتی ہے۔ جیسے کہ گزر چکا ہے۔ پھر مفسرین نے رطب دیابس اقول تردید کے واسطے نقل کئے ہیں تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ ان کی تائید نہیں کرتے اور اس سے اس کتاب کا پوزیشن خراب و مخدوش نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۷/مارچ ۱۹۹۳ء) اس کی ایک مثال ابتدائی بحث میں (تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۲۵) تحت آیت: ”لقد همت ..... الخ! (یوسف: ۲۴)“ سے پیش کی ہے۔ علاوہ اس کے ابن خلدون کی یہ رائے صرف قصص و حکایت میں ہے۔ احکام و اعمال و عقائد خود اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۳) یعنی پیش کردہ حوالے کا آخری حصہ جسے گواہان مدعا علیہ نے دانستہ نقل نہ کیا۔

۱۰..... مرزا صاحب نے ابن جریر کو رئیس المفسرین کسی تقلید میں نہیں کہا بلکہ خود اپنی تحقیق ہے اور حوالہ (فتح البیان ج ۱ ص ۱۰) کا حوالہ مغالطہ ہے، وہاں رئیس المفسرین کا..... لفظ نہیں۔ ہاں! بڑے بڑے ائمہ سے اس کی توثیق منقول ہیں۔ قال النووی ”اجمعت الامم لم یصنف مثل تفسیر الطبری“ امام نووی فرماتے ہیں امت کا اجماع ہے کہ تفسیر ابن جریر کے مثال کوئی بھی تفسیر تصنیف نہ ہوئی۔ ابی حامد اسراہئی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ملک چین تک صرف تفسیر ابن جریر کے حصول کے واسطے سفر کرے تو کم ہے۔ (فتح البیان ج ۱ ص ۱۰) پس اس سے تو ہماری تائید ہوئی۔ کیونکہ ہمارا حوالہ اسی مسلم و معتبر کتاب کا ہے جس کو امت نے معتبر و قابل مانا ہے اور جس کے متعلق مرزا صاحب بھی رئیس المفسرین لکھتے ہیں اور اس کے قول سے دلیل لاتے ہیں۔ باقی یہ کہنا کہ پہلے قرآن سے مرزا صاحب نے حل کر کے تائید پیش کی ہے۔ ہم نے بھی پہلے الفاظ قرآنی اور سیاق و سباق سے پیش کر کے یہ نقلی تائید پیش کی ہے۔ لہذا یہ بالافتقار قبول ہونی چاہئے۔

۱۱..... ”یا بنی آدم“ سے اصل یہی ہے کہ عام اولاد آدم بلا تخصیص امت محمدیہ اور ”یا ایہا الذین امنوا“ سے صرف مومنین امت اور ”یا ایہا الذین کفروا“ سے کفار مکہ اور خطاب میں ”یا ایہا الناس“ آتا ہے، اسے اصل بحث میں قرآنی امثلہ سے واضح کر چکا ہوں۔ عدالت خود مقابلہ فرمائے کہ اس کا کوئی بھی جواب نہ ہوگا۔ صرف الفاظ بدلانے ہیں۔

۱۲..... ہدیۃ الشیعہ کا حوالہ جوڈیشل اصول پر غیر مسلم اور جدید ہے۔ نیز وہاں اس آیت کا اس تخصیص میں انحصار کا کوئی بھی ذکر نہیں، عدالت خود اصل حوالہ ملاحظہ فرمائے۔

۱۳..... بیان نسخ اخبار کا کوئی معاملہ نہیں نسخ کی بحث ہے جسے بلاوجہ یہاں چھیڑا جاوے۔ یہاں تو صرف اس قدر ہے کہ اولاد آدم سے خدا نے رسول بھیجے کاروز ازل سے وعدہ فرمایا تھا۔ رسول بھیج کر وہ وعدہ پورا فرما دیا۔ اگر رسول نہ بھیجتا تو خلاف وعدہ خلائی ہوتا۔

اس میں یہ وعدہ ہی نہ تھا کہ قیامت تک آتے رہیں گے۔ یہاں تک خاتم النبیین کو ناسخ بنانا پڑے۔ وہ وعدہ علیحدہ پورا ہو گیا اور یہ حکم علیحدہ ختم نبوت اور انسداد سلسلہ نبوت باب نبوت علیحدہ رہا۔ نسخ سے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ اگر وہاں استمرار کا تذکرہ ہوتا تو ضرور یہ نسخ کہلاتا۔

۱۴..... لفظ انا کی بحث بلاوجہ چھیڑی۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ انا جب کسی مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس سے صرف استقبال مراد ہوتا ہے۔ استمرار کے واسطے نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس آیت سے صرف بنی آدم سے ازل میں رسول آئندہ بھیجے کا وعدہ نکلا۔ ہمیشہ قیامت تک بھیجتے رہنے کا ثابت نہ ہوا۔ اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری غیر متعلق لفظی بحث چھیڑ دی۔

بھرا اللہ! ثابت ہو چکا کہ اس آیت کے متعلق جو تاویلات مفسر مدعا علیہ نے میری بحث پر کی ہیں، ان میں کوئی قوت نہ تھی اور اصل بحث کے اعتراضات استدلال پر لا جواب ہی رہے۔

نوٹ: یہ بھی واضح رہے کہ میں نے اپنے دعویٰ پر (روح المعانی ج ۳ ص ۹۹) کا حوالہ پیش کیا ہے کہ اس جگہ بنی آدم سے تمام انسان مراد ہیں۔ امت محمدیہ کی تخصیص نہیں اور یہ لا جواب رہا۔

دوسری آیت: ”انی جاعلک للناس اماما (البقرة: ۱۲۳)“

اس سے استدلال ہی بے ربط تھا جسے آج تک کوئی بھی سلف و خلف نہ سمجھا۔ یہ کسی جواب ہی کے قابل نہ تھا اور جو کچھ کہ اصل بحث میں اس پر کر چکا ہوں وہ کافی سے زائد ہے۔ اب مختصر آدوچار لفظ جواب الجواب کے سلسلہ میں عرض کرتا ہوں۔

### خلاصہ تاویل مختار مدعا علیہ

۱..... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی نسل میں نبی بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ وعدہ اس وقت تک پورا ہوتا رہے گا جب تک ظالم نہ ہوں۔ پس یاسب کو ظالم مانو یا نبوت کا امکان۔

۲..... مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ ذریت کا لفظ عربی زبان نہیں صرف جسمانی نسل پر بولا جاتا ہے غلط ہے۔ لغت عرب کا حوالہ چھوڑ کر (ہدیۃ الہیعیص ص ۳۰۲) دیکھو۔

۳..... مرزا صاحب بلاریب ابراہیمی نسل سے ہیں۔ جواب الجواب: جواب ہونہ سکا۔ ٹالنا چاہا ہے۔

۱..... ابراہیمی نسل سے وعدہ بصیئہ اسم فاعل کے تھا جو استقبال کے معنی میں ہے وہ پورا ہوا۔ اس میں کہیں استمرار کا پتہ نہیں کہ ہمیشہ پورا ہوتا رہے گا۔ جب تک وہ ظالم نہ ہو جائیں۔ یہ استمرار کے معنی صرف مختار مدعا علیہ کے طبع زاد ہیں جس پر کوئی ایک حوالہ نہیں اور استقبال کے معنی آج تک سلف و خلف لیتے چلے آئے ہیں۔ اب نہ آل ابراہیم کوئی ظالم ماننا پڑتا ہے نہ اجراء نبوت بعد عینا ﷺ کا کفر یہ عقیدہ لازم آتا ہے اور اگر مختار مدعا علیہ کے طرز پر استمرار ہو تو ساڑھے تیرہ سو سال تک آل ابراہیم کو عیاذاً اللہ! ظالم ماننا پڑے گا جس میں تمام فتن رونما ہوئے۔ مگر نبی نہ بنائے گئے۔ حالانکہ ابراہیمی نسل میں اب تک کسی قدر صحابہ کرام، ائمہ قطب، ابدال، غوث، صلحاء امت گزرے۔ یہ محض لغو تاویل ہے۔ اسلاف نے اس کے خلاف تصریحیں کی ہیں۔ غرض استمراری معنی محض تفسیر بالرائے ہے جو حرام قطعی ہے۔

۲..... یقیناً ذریت کا لفظ عربی زبان میں صرف جسمانی ذریت پر بولا جاتا ہے اور انسان کی نسل و فرزند ان پر اطلاق پاتا ہے۔ لغت کی معتبر کتب اس تصریح سے پر ہیں۔ قرآن و احادیث و محاورات عرب میں سینکڑوں حوالے موجود ہیں۔ مختار مدعا علیہ باوجود اس قدر اس معاملہ میں تعلق کے عربی لٹریچر سے ایک بھی مسلم و غیر مسلم حوالہ نہ پیش کر سکا اور اپنے عجز کا ان الفاظ میں اعتراف کیا کہ: ”یہاں پر لغت عرب کے حوالے چھوڑتا ہوں۔ بانی مدرسہ دیوبند کی ہدیۃ الشیعہ پیش کرتا ہوں۔“

واضح رہے کہ ہدیۃ الشیعہ اردو کی کتاب ہے۔ اردو محاورات میں مجازاً ذریت نہ معلوم کس قدر معنوں پر آتا ہے۔ عربی لغت میں عربی کا ایک بھی محاورہ نہ مل سکا اور میرا دعویٰ بجز اللہ! لا جواب رہا۔ مفصل اصل بحث سے ملاحظہ ہو۔

۳..... مرزا صاحب کا بنی فارس یا اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہونا کوئی علم الانساب کے اصول پر نہیں بلکہ ان کا کشفی والہامی ہے جو کسی پر حجت نہیں۔ ہاں! ان کے نسب نامہ میں ہے کہ وہ مغل ہیں۔ مگر مرزا صاحب اس کی تردید فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے پر وحی بھیجی کہ میرے آباء اقوام ترکیہ میں سے نہیں۔ (استفتاء ص ۷۷، خزائن ج ۲۲ ص ۷۰۳)

پس اب نسب نامہ کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں، جب کہ اب تک مغل فارس یا بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہونا ہی طے نہ ہوا، اور سب کا سب خلاف نسب نامہ مشہور کشفی رہا اور اصل نسب نامہ کو مرزا صاحب کے الہام اور وحی الہی نے بزعم ان کے غلط ثابت کر دیا۔

انساب کی کتاب سے مرزا صاحب کا قابل اعتماد ابراہیمی نسل ہونا ثابت نہیں۔ باقی اصل میں اس کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔ جب کہ نہ اس آیت کا یہ مطلب ہے نہ کسی نبی کے آنے کا امکان ہے۔ قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا۔ بہر حال عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ ہماری بحث کا کوئی بھی جواب نہ ہو۔

## خلاصہ تاویلات

تیسری آیت: ”اللہ یصطفی..... الخ! (الحج: ۷۵)“  
..... یصطفیٰ میں حال اور استقبال دونوں مراد لینے پر جو مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے، اس کے لئے (منجد اور جرح گواہ مدعیہ نمبر ۱) کا حوالہ پیش ہے۔

۲..... مشترک کے دونوں معنی یکدم لے سکتے ہیں۔ جیسا کہ رأیت عینہ میں لیتے ہیں۔  
۳..... چونکہ اس آیت میں یہ صیغہ خدا کے واسطے مستعمل ہے۔ لہذا استمرار ہی کے معنی موزوں ہوں گے۔

## الجواب:

..... میرا اعتراض دونوں حال و استقبال کے معنی یکدم حقیقتاً مراد لینے پر تھا اور بتایا تھا کہ اسے اصطلاح میں عموم مشترک کہتے ہیں اور یہ ناجائز ہے۔ اس کے واسطے لاعموم لہ ای المشترك کہ عموم مشترک نہیں ہو سکتا۔ (نور الانوار ص ۸۲، جرح گواہ مدعیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء) سے پیش کیا تھا جو بالکل لا جواب رہا۔

البتہ (منجد اور گواہ مدعیہ نمبر ۱) کی جرح سے پیش کیا کہ مضارع وہ فعل ہے کہ حال و استقبال دونوں پر دلالت کرے۔ مگر میرا اعتراض مضارع کے اس معنی یا دلالت پر نہیں، بلکہ حقیقتاً ایک ہی استعمال میں بطور عدم مشترک مراد ہونے پر ہے اور وہ بجز اللہ! لا جواب ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ مفصل اصل بحث میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲..... رأیت عینہ، اپنی طرف سے مثال گھر گھر میرا پیش کردہ حوالہ (نور الانوار ص ۸۲) عموم مشترک کا نہیں توڑ سکتے۔ بہر حال ایک ہی معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ بحث میں بیان کر چکا۔

۳..... مضارع میں استمراری معنی حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہیں اور یہاں کوئی قرینہ صارفہ مجبور نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ کفریہ مضمون بنانے کے واسطے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی لئے جائیں۔ بلکہ اس کے نہ مراد ہونے پر قرآن ہیں، جو بحث میں پیش کر چکا اور خدا کی طرف نسبت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ استمرار مراد ہو۔ بلکہ حال یا استقبال ہی مراد ہوتا ہے۔ تمام قرآن پاک میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اور مختار مدعیہ کے اذعاء کی ایک بھی نہیں مل سکتی۔ میں نے (خان ج ۵ ص ۲۳) سے اس کا شان نزول پیش کر کے عرض کیا تھا کہ یہاں اجراء نبوت وغیرہ کا کوئی بھی تذکرہ نہیں۔ صرف اہل مکہ کے اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ اللہ نے بشر جو ہم جیسا تھا رسول کیسے بنا لیا۔ جواب مرحمت فرمایا گیا کہ: ”اللہ یصطفیٰ من الملائکة..... الخ! (ابضاً)“ کہ یہ کسی نہیں کہ کوئی معیار ہو بلکہ اللہ کے نظر و انتخاب پر موقوف ہے جسے چاہے برگزیدہ کرے۔ وہ ملائکہ کو بھی رسالت کے واسطے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی۔ چنانچہ چنا اور پھر جب چاہا یہ سلسلہ خاتم النبیین سے بند فرما دیا کوئی محل اعتراض نہیں۔ اس کا کوئی بھی جواب نہ ہو سکا اور اصل اعتراض لا جواب رہی رہا۔

چوتھی آیت: ”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم (الفاتحہ: ۵، ۶)“

اس کے جواب میں مختار مدعیہ سے کچھ بھی نہ ہو سکا اور محض یہ تاویل کی کہ۔

- ۱..... (ایام الصلح) سے جو اسی آیت کے جواب میں تائید پیش کی گئی وہ گواہان مدعا علیہ کے معنی کے متضاد نہیں۔ کیونکہ اس میں اور نبوت کا انکار ہے اور گواہان مدعا علیہ اور قسم کی ثابت کرتے ہیں۔
- ۲..... (کشتی نوح) میں (ایام الصلح) کے خلاف مضمون ہے۔
- ۳..... جو ترجمہ آیت پیش کیا ہے اس دعا کے مفہوم سے مطابق ہے جو اس آیت میں ہے۔

### الجواب:

- ۱..... (ایام الصلح) میں مطلقاً انکار ہے اور یہ کتاب اس زمانہ کی ہے، جب کہ دعویٰ نبوت کا وہم و گمان بھی مرزا صاحب کو نہ تھا، بلکہ نبوت پر پردہ پڑا تھا۔ کیونکہ اس کا سن تالیف یکم جنوری ۱۸۹۹ء ہے۔ عدالت خود (ایام الصلح) کی عبارت سے میرے جواب کا مقابلہ فرمالے۔ تفصیل اصل بحث میں ہے۔
- ۲..... (کشتی نوح) ۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء کی دعویٰ نبوت اور نبوت سے پردہ اٹھنے کے بعد کی ہے۔ لہذا اس سے اس کا تعلق نہیں۔ اس وقت تو تمام آیات و احادیث میں تحریفات کر چکے تھے۔

- ۳..... آیت: ”اهدنا الصراط المستقیم (الفاتحہ: ۵)“ کا یہ ترجمہ کہ: ”ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیرا انعام ہوا۔“ محض تحریف اور غلط ہے اور یہ کہنا کہ بلا اس معنی کے یہ دعا نہ ہوگی، یہ بھی غلط ہے۔ دعا ماننے پر بھی صحیح معنی یہ ہوں گے۔ ”ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا۔“ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ یا اس کے گواہان اپنی مطلب برآری کے واسطے کس قدر غلط تاویلات اور ترجمہ میں تحریف کر لیتے ہیں اور اپنے زعم کے مطابق اپنے کو نبی بنانے کی روزانہ دعا کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں۔ باقی جو اصل جوابات اس آیت کے بحث میں دیئے تھے ان کا نام تک نہ لیا اور وہ لا جواب ہی رہے۔

### خلاصہ تاویل

- پانچویں آیت: ”ومن یطع الله والرسول..... الخ! (النساء: ۶۹)“
- ۱..... مختار مدعا علیہ نے معیت سے نبی ہونا مراد لینے پر بخاری سے قول نبی کریم ﷺ وقت وصال مع الذین انعم علیہم اور حدیث التاجر الصدوق یحشر مع الانبیاء پیش کی اور اگر غور سے دیکھی جائیں تو ہمارے موافق ہیں۔
- ۲..... اس آیت سے یہ مراد کہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے نبی نہ ہوں گے..... الخ! کوئی عقل مند انسان ماننے کے لئے تیار نہیں۔
- ۳..... ”توفنا مع الابرار (آل عمران: ۱۹۳)“ اور ”فکتبنا مع الشاہدین (آل عمران: ۵۳)“ وغیرہ میں مع بمعنی من ہے کہ ہمیں ان کے زمرے سے کر دے۔
- ۴..... خدا کی معیت کی آیاتوں کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔

### الجواب:

- ۱..... اس استعمال سے صرف میں نے یہ بتایا ہے کہ اگر نبی بنا مراد ہوتا تو اسے بطور تحصیل حاصل استعمال نہ فرماتے، نیز اسی اصول پر ہر تاجر صدوق نبی بن جاتا یا بن سکتا۔ حالانکہ یہ مراد نہیں۔ تفصیل اصل بحث سے ملاحظہ ہو۔ اس سے لا جواب ہو کر ادھر ادھر لانا شروع کر دیا۔
- ۲..... یہ کہنا کہ اس آیت سے یہ مراد لینا کہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے، نبی نہ ہوں گے..... الخ! کوئی عقل مند انسان ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا جواب عدالت کے امتیاز خصوصی پر چھوڑنا ہوں اور صرف یہ گزارش کرتا ہوں کہ آج تک نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ و بزرگان دین، سلف و خلف تو یہی معنی کرتے چلے آئے۔ اب مختار مدعا علیہ انہیں جو چاہے کہے اور جو چاہے سمجھے، میں نے تو اس کا شان



نزول اور صحابہ سے روایت مرزا صاحب کے رئیس المفسرین (ابن جریر ج ۲۲ ص ۱۲ د ج ۱ ص ۵۹) سے پیش کر دی تھی جسے لا جواب سمجھ کر جواب میں ذکر تک نہ کیا۔ اصل بحث ملاحظہ ہو خود نبی کریم ﷺ نے بھی یہی مراد سمجھا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۶۰) اصل بحث ملاحظہ ہو، ان درجوں کا وجود دوسری آیت سے پیش کیا تھا۔ اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ بہر حال یہ بھی لا جواب رہا۔

۳..... ان امثلہ میں مع بھنی مجاز مراد ہونے سے یہ کب لازم آیا کہ ہر جگہ یہی مراد ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے ان امثلہ میں یہ معنی لئے ہیں وہ بھی آیات تنازعہ سے یہ مراد نہیں لیتے۔

۴..... خدا کی معیت پر قیاس نہیں کرتا، بلکہ ان امثلہ سے اگر مع کے واسطے یہ قاعدہ کلیہ بنا لیا جائے۔ جیسا کہ گواہان مدعا علیہ نے بنا لیا ہے تو ان کے زعم باطل پر ہر انسان کا خدا بننا یا خدا بننے کی دعا کرنا لازم آئے گا۔ جواب نہ ہو سکا مغالطہ کی سہی کی۔ باقی اصل جو جواب تھا، اس کا ذکر تک نہ کیا۔ اس آیت میں مع سے معیت بمعنی رفاقت مراد ہے اور اس کا ثبوت اسی آیت کا آخری حصہ مصرح موجود ہے کہ ”و حسن اولئک رفیقاً (النساء: ۶۹)“ یہ انبیاء و صدیقین و صلحاء اچھے رفیق ہیں۔ اس سے بھص قرآن اس استدلال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کا جوابی بحث میں اشارہ تک نہیں۔ عدالت خود اصل بحث سے ملاحظہ فرمائے۔ معلوم ہوا کہ یہ جواب بالکل لا جواب ہے کوئی تاویل بھی ممکن نہیں۔

## چھٹی آیت استخلاف

خلاصہ تاویلات:

- ۱..... اس سلسلہ میں جو بحث مختار مدعیہ نے کی ہے وہ قابل التفات ہے۔
- ۲..... گواہ مدعا علیہ نے خلافت روحانی اور جسمانی دونوں پر چسپاں کی ہے بخلاف مختار مدعا علیہ کے۔
- ۳..... صرف صحابہ میں منحصر کرنا عموم الفاظ قرآنی کو باطل کرتا ہے اور چند امثلہ۔
- ۴..... جسمانی بادشاہت تو غیر مؤمنین اور غیر صلحاء کو بھی مل جاتی ہے۔
- ۵..... تفسیر کبیر کے دو حوالے۔

**الجواب:** دراصل اس بحث کا کچھ بھی جواب نہیں۔ عدالت اصل بحث کو اس سے مقابلہ فرمائے۔

- ۱..... الحمد للہ! کہ جواب کے قابل التفات نہ ہونے تو مختار مدعا علیہ نے اعتراف کر لیا۔
- ۲..... یہ غلط ہے کہ مختار مدعا علیہ نے بھی خلافت سے روحانی اور جسمانی کے دونوں مراد لی ہیں۔ البتہ روحانی سے نبی ہونا نہیں بلکہ وارث علوم نبویہ ہونا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ بیٹا باپ کا خلیفہ یا مرید پیر کا ہوتا ہے۔ نیز سلطنت ظاہری ولیمکنہم فی الارض سے مراد لیا ہے اور اس پر صریح قرآنی آیات پیش کی ہیں جن کا کوئی بھی جواب نہ ہو سکا۔ اصل بحث سے ملاحظہ ہو۔
- ۳..... صرف صحابہ میں منحصر کرنا بھی عموم الفاظ کو باطل نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہاں عموم نہیں، بلکہ منکم سے خود ہی تخصیص فرمادی ہے اور تمام امت، ائمہ سلف و خلف آج تک اسے صحابہ کرام کے فضائل و خصوصیات سے شمار کرتی رہی ہے۔
- ۴..... صرف جسمانی بادشاہت نہیں بلکہ روحانی اور وراثت علمی بھی ہمراہ ہے اب کوئی اعتراض نہ رہا۔
- ۵..... تفسیر کبیر کے دونوں حوالے یہاں سے غیر متعلق ہیں اور یہاں انہیں لگانے سے تفسیر بالآیات جو میں نے پیش کی ہے، بالکل باطل ہو جائے گی۔ نیز امام رازی نے بھی اس آیت کو اس معنی اور صحابہ کرام پر محمول کیا ہے۔ نیز کسی مطلب کے صریح آیات اور احادیث سے متعین ہونے کے بعد اس کے مخالف کسی کا قول معتبر نہ ہونا مسلمہ فریقین متفقہ مسئلہ ہے۔ پس یہ قطعاً پیش ہی نہیں ہو سکے۔ بہر حال اس کے

قابل التفات ہونے کا اعتراف ہے اور تاویل جو کی ہے۔ وہ ظاہر ہے جو کچھ بھی ہے عدالت خود ہی اصل بحث سامنے رکھ کر ملاحظہ فرمائے۔  
باقی آیات کا جواب لاجواب رہا۔

## احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت

میں نے اس کا تفصیلاً ایک ایک حدیث کا علیحدہ علیحدہ جواب دیا تھا اور حدیث نو اس بن سمان جس میں نبی اللہ کا لفظ ہے، اس کی تضعیف (ازالہ ابہام ص ۵۷۲، خزائن ج ۳ ص ۴۰۹) سے اور نبی اللہ سے مجازاً نبی ہونا (سراج منیر ص ۳، خزائن ج ۱۲ ص ۵) سے پیش کیا تھا۔ جس سے اجراء نبوت کوئی لازم نہیں آتا۔ اب یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا یہ منشاء نہیں بلکہ وہ ہے۔ عدالت خود اصل سے ملاحظہ فرمائے مطلب واضح ہے۔  
حدیث محدث والی میں بخاری شریف کے اندر تصریح ہے ”من غیر ان یکونوا انبیاء ..... الخ!“ کہ محدث نبی نہ ہوں گے۔ لہذا اس سے بھی اجراء نبوت نہ ثابت ہوا۔ ”ابوبکر خیر الناس بعدی الا ان یکون نبی“ (کنز العمال) اولاً تو کنز العمال میں ”لا ان یکون نبیاً“ بھی ہے کہ ابوبکر نبی نہ ہوں گے۔ باوجود فضل الناس ہونے کے یہ صحیح ہے اور ایسے بکثرت محاورات ملیں گے۔  
مرزا مظہر جان جاناں کی مدح میں کہا گیا ہے کوئی آج اس کے برابر نہیں۔  
وہ سب کچھ ہے۔ الا پیغمبر نہیں۔ باقی کے واسطے بیان گواہ مدعا علیہ کا حوالہ دیا ہے۔ میں بھی اپنی اصل بحث کے حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ بحمد اللہ! ایک دلیل سے بھی اجراء نبوت ثابت نہ ہو سکا۔ ف اللہ الحمد!  
ختم نبوت و دعویٰ نبوت کا مسئلہ ختم ہوا۔

## تیسری وجہ تکفیر کا اثبات و جواب الجواب

### انکار حشر اجساد و نفع صور

گواہان مدعیہ نے بیان کیا تھا کہ مرزا صاحب حشر اجساد اور نفع صور کے منکر ہیں۔ حالانکہ بیسیوں آیات اور احادیث کثیرہ سے یہ بات قطعاً ثابت اور امت کا مسلم عقیدہ ہے جس کا جواب مدعا علیہ نے یہ دیا ہے کہ مرزا صاحب ہرگز ان امور کے منکر نہیں اور مختلف حوالہ جات ان امور کے متعلق پیش کئے ہیں کہ مرزا صاحب ان امور کو پیش کرتے اور مانتے ہیں۔  
مختار مدعا علیہ اور (گواہ نمبر ۱) مدعا علیہ کے بیان و بحث سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ فی الواقع حشر اجساد اور نفع صور کا انکار کرنے والا قرآن و اسلام کا مذہب اور مخالف اور کافر ہے۔ لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ مرزا صاحب ان امور کے منکر ہیں۔ بلکہ وہ مرزا صاحب کو ان امور کا معتقد اور مقرر جانتا ہے۔ لہذا اس وجہ کی بناء پر کافر و مرتد نہیں ہیں۔

مختار مدعیہ کی طرف سے اس کا جواب الجواب یہ ہے کہ گو مرزا صاحب نے بعض مقامات میں ان امور کا اقرار کیا ہے۔ لیکن وہ اقرار محض لفظی اور اجمالی ہے اور جہاں انکار ہے، وہ نہایت بسط اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کے بعد اقرار کی حیثیت محض لفظی رہ جاتی ہے نہ حقیقی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ منافقین کے حق میں فرماتے ہیں: ”اذا جاءک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسوله واللہ لیشہد ان المنافقین لکاذبون اتخذوا ایمانہم جنہ فصدوا عن سبیل اللہ انہم ساء ما کانوا یعملون (المنافقون: ۲۰۱)“ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمؤمنین یخدعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون فی قلوبہم مرض (البقرہ: ۸ تا ۱۰)“

ماحصل ان آیات مبارکہ کا یہ ہے کہ کسی شخص کا اقرار جب کہ اس کی حالت قطعی طور پر یا اس کا قول یقیناً انکار پر دلالت کرتا ہو۔ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ بس مرزا صاحب نے جب کہ وہ باتیں نہایت ببط اور تفصیل سے لکھ دیں جن سے لازمی اور ضروری طور پر حشر اجساد کا انکار یعنی قبروں سے مردوں کا میدان محشر میں جانا غلط ثابت ہوتا ہے تو اب ان کے اقرار اسی قسم کے ہوں گے۔ جیسے کہ منافقین کے اذواء اسلام و رسالت و ایمان ہیں جو محض بے سود ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیات اور ان کی مثل اور آیات سے ظاہر ہے۔

## تفصیل و توضیح

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مرزا صاحب نے یہ اعتقاد پیدا و ایجاد کیا ہے کہ انسان مرنے کے بعد فی الفور جنت یا جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ خواہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قوتوں کے ساتھ داخل جنت و جہنم ہو۔ (جیسے اعلیٰ درجہ کے لوگ صدیق، شہید، انبیاء جو سارے وجود اور قوتوں کے ساتھ داخل جنت ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابل بڑے بڑے کافر جہنم میں سارے وجود اور قوتوں کے ساتھ داخل جہنم ہو جاتے ہیں) یا محض اس کے لئے جنت و دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھول دی جائے۔ جیسا عامہ مؤمنین کے لئے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے یا ان کے مقابل عامہ کفار کے لئے دوزخ کی جانب سے۔ جیسا کہ مرزا صاحب کی کتاب (ازالہ اوہام ص ۳۶۰، ۳۶۱، خزائن ج ۳ ص ۲۸۴، ۲۸۵) کی اس عبارت سے ظاہر ہے جس کو گواہ نمبر ۱ نے اپنے بیان میں پیش کیا تھا۔

نیز مرزا صاحب کی کتاب (حماۃ البشری ص ۵۵، خزائن ج ۷ ص ۲۵۳) میں ہے: ”وقد علمت آنفاً ان اهل الجنة والسعير يدخلون مقاميهما بعد موتهم من غير مكث ولا ينظرون القيامة وقال رسول الله ﷺ من مات فقد قامت قيامته“ یعنی تجھے ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اہل جنت و دوزخ اپنے مرنے کے بعد بلا تاخیر اپنی اپنی جگہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہ قیامت کو دیکھیں گے بھی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو مر گیا اس کی قیامت ہوگئی۔ (۲) جو لوگ سارے وجود اور تمام قوتوں کے ساتھ جنت یا جہنم میں سردست نہیں جاتے وہ بھی یوم الحشر اور یوم الحساب سے پہلے پہلے ترقی کرتے کرتے ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ میں آ جاتے ہیں اور صدیقیوں اور شہیدوں کی طرح سارے وجود اور تمام قوتوں کے ساتھ بہشت میں ہی داخل ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (گواہ نمبر ۱) محولہ عبارت ازالہ اوہام ص ۳۶۱، خزائن ج ۳ ص ۲۸۵) عبارت۔ ”ہاں! جب اس درجہ سے ترقی کرتا ہے تو ادنیٰ سے اعلیٰ میں آ جاتا ہے۔ اس ترقی کی ایک یہ بھی صورت ہے تا آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ شہیدوں اور صدیقیوں کی طرح سارے وجود اور تمام قوتوں کے ساتھ وہ بہشت میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۳۶۰، ۳۶۱، خزائن ج ۳ ص ۲۸۵) اور (ص ۳۶۴، خزائن ج ۳ ص ۲۸۷) میں ہے: ”اب ہماری اس تقریر سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ بہشت میں داخل ہونے کے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ تقریباً تمام مؤمنین یوم الحساب سے پہلے اس میں پورے طور پر داخل ہو جائیں گے اور یوم الحساب ان کو بہشت سے خارج نہیں کرے گا۔“

(۳۶۱، ۳۶۲، خزائن ج ۳ ص ۲۸۵) میں اس بات کی تشریح و توضیح کی گئی ہے جو ایک ذرہ بھی ایمان و عمل والے انسان کو یوم الحساب سے پہلے صدیقیوں اور شہیدوں کی طرح سارے وجود اور قوتوں کے ساتھ بہشت میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس کتاب (ازالہ اوہام) میں تو ادنیٰ مؤمنوں کے لئے بتدریج یوم الحساب سے پہلے داخل بہشت ہونا مانا گیا ہے۔ لیکن (حماۃ البشری ص ۵۵، خزائن ج ۷ ص ۲۵۳) کی محولہ بالا عبارت میں بلا تاخیر اہل جنت اور اہل دوزخ کا اپنے مقام پر پہنچ جانا تسلیم کیا ہے جو بظاہر تدریج کے مخالف ہے۔ لیکن ہماری اس سے کوئی غرض وابستہ نہیں۔ مرزا صاحب نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ اہل دوزخ کی ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کیونکر ہوتی ہے۔ لیکن یہ معمولی بات ہے جس طرح ادنیٰ مؤمن کی ترقی کے اسباب ہوتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی ترقی الیٰ القصرٰ مراتب جہنم کے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

بہر حال مرزا صاحب نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی بہشتی اور کوئی دوزخی بہشت یا دوزخ سے نکالائیں جاتا۔ خواہ کسی درجہ میں ہو۔ ہاں! ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کر جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو (ازالہ اوہام ص ۳۶۰، خزائن ج ۳ ص ۲۸۲، ۲۸۵) ”اب حاصل کلام یہ ہے (سے) تو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ میں آ جاتا ہے۔“ اب جب کہ تمام لوگ یوم الحساب سے پہلے اپنے سارے وجود اور تمامی قوی کے ساتھ یا جنت میں ہوں گے یا جہنم میں اور بموجب عقیدہ مرزا صاحب کوئی آدمی بہشت اور دوزخ سے نکالائیں جاسکتا تو اس سے لازمی اور ضروری طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ حشر اجساد باطل ہے۔ یعنی مردے قبروں سے اٹھ کر میدان حساب میں جسمانی طور پر نہ جائیں گے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے صاف تصریح کر دی ہے کہ میدان حساب میں روحانی طور پر لوگ جائیں گے۔ ملاحظہ ہو (ازالہ اوہام ص ۳۶۵، خزائن ج ۳ ص ۲۸۷) بسلسلہ عبارت محولہ (گواہ نمبر امد عالیہ) کھڑکی کی مثال سے سمجھ لینا چاہئے۔ (سے) اسی طرح روحانی طور پر بہشتی میدان حساب میں بھی ہوں گے اور بہشت میں بھی ہوں گے۔

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا کہ حشر روحانی کی تصریح کی ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر قیامت کے دن حضور رب العالمین میں جسمانی طور پر حاضر ہونے کو یا بالفاظ دیگر حشر جسمانی کو یہودیانہ خیال قرار دیا اور تمام امت کو یہودی سرشت قرار دیا جو آج تک حشر جسمانی کی معتقد چلی آتی ہے۔ چنانچہ (ازالہ اوہام ص ۳۵۱، ۳۵۰، خزائن ج ۳ ص ۲۷۹) ملاحظہ ہو اور قیامت کے دن بحضور رب العالمین ان کا حاضر ہونا، ان کو بہشت سے نہیں نکالتا۔ (سے) گویا جہنمی لوگوں کو نئے سرے سے جہنم میں داخل کرے گی۔

مرزا صاحب نے اس مقام پر تصریح کر دی ہے کہ یوم الحساب میں بھی جنتی جنت میں ہی ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں۔ صرف بہشتیوں پر رحم الہی کی تجلی ہوگی اور دوزخیوں پر قہر الہی کی تجلی ہوگی اور اس طرح پر جنت والوں کو جنت سے نئے رنگ میں دکھلایا جائے گا اور دوزخیوں کو دوزخ نئی شکل میں اور یوم الحساب کے بعد جنت و دوزخ میں داخل ہونے کی یہی حقیقت ہے۔ اسی (حمامہ البشری ص ۵۲، خزائن ج ۷ ص ۲۵۱) میں ہے: ”فیمثل الله الجنة في اعين اهلها بصورة ماراء تھا اعينهم قط كما وعد في كتاب للمسلمين فيكون لهم ذالك اليوم يوم المسرة العظمى والسعادة الكبرى فيدخلونها فرحين امنين“

”و كذالك تمثل جهنم في اعين اهلها في صورة يفجمعهم رؤيتها“

یہاں سے مرزا صاحب کا یہ اعتقاد ثابت ہوا کہ یوم الحساب کے بعد جنت اور دوزخ میں داخل ہونا صرف تمثلی اور محض دکھلاوا ہے اور تحصیل حاصل۔ جیسا سینما کا کھیل۔ مرزا صاحب کے اس عقیدہ سے اسلام کے اس مسلمہ عقیدہ کا انکار لازم آتا ہے جو نصوص قطعہ سے ثابت ہے کہ بعض مومن اپنے فسق و فجور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے جو اپنے اعمال کی سزا بھگت کر یا شفاعت سید المرسلین ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السلام یا شفاعت صالحین سے یا محض رحم رب العالمین سے دوزخ سے نجات پا کر داخل جنت ہوں گے۔ کیونکہ بموجب عقیدہ فاسدہ مرزا صاحب دوزخ سے کوئی خارج نہیں ہو سکتا۔

نیز اصحاب اعراف کا بھی انکار ہو گیا جو نصوص قطعہ قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہے۔ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ مرزا صاحب نے یہ عقیدہ محض کسی غلط فہمی سے ایجاد نہیں کیا اور نہ وہ اس کے ٹھکانہ نتائج سے بے خبر تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اس سے اسلامی عقائد میں سخت انقلاب پیدا ہوگا اور معتقدات اسلامیہ زیر و زبر ہو جائیں گے۔ لیکن چونکہ ان کی ایک خاص غرض اس عقیدہ سے وابستہ تھی اس کے لئے انہوں نے نصوص قرآن و احادیث کی کچھ پروانہ کی اور یہ عقیدہ تراش لیا کہ جنتی لوگ مرنے کے بعد اور جہنمی فوراً جنت اور جہنم میں چلے جاتے ہیں اور پھر وہ کبھی اس سے نکل نہیں سکتے اور اس پر بعض آیات اور احادیث کی غلط تاویل کر کے استشہاد و استدلال کیا اور یہ

ظاہر کیا ہے کہ گویا وہ اسلام اور مسلمانوں پر قرآن کی باہمی مخالف آیتوں میں تطبیق اور توفیق دے کر تعارض کو دور کر کے احسان کر رہے ہیں۔ گواہ مختار مدعا علیہ نے بھی اپنے جدید امام کی تقلید کرتے ہوئے اس کفریہ عقیدہ کا ہمیں احسان جتلیا ہے۔

مختار مدعا علیہ اپنے جواب بحث میں کہتا ہے کہ (مرزا صاحب نے) جو آیات اور احادیث ان مسائل کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ طہرین کے اعتراض کو ملحوظ رکھ کر ان میں تطبیق فرمائی ہے تو یہ تقریر جواز الہ اوہام میں بیان ہوئی ہے تو وہ ان مختلف حدیثوں اور آیات کی تطبیق میں ہے۔ پھر مختار مدعا علیہ نے چند آیات اور احادیث ذکر کر کے کہا ہے کہ: ”پس اگر کوئی شخص مرنے کے بعد جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا تو مختار مدعا علیہ ان آیات اور اپنے عقیدہ میں کہ مردے قبروں سے اٹھیں گے تطبیق کر کے دکھائیں۔“

مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ آیات و احادیث جن کی باہمی تطبیق کے لئے اس نے تحدی اور چیلنج کیا ہے یہ ہیں۔

..... ۱ ”اغرقوا فادخلوا ناراً (نوح: ۲۵)“ کہ نوح کے مخالف غرق کئے گئے پھر انہیں آگ میں داخل کر دیا۔

..... ۲ ”النار يعرضون عليها غدوا وعشيا (المؤمن: ۴۶)“ کہ فرعون صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن ہم حکم کریں گے کہ فرعون کو اشد العذاب میں ڈالو۔

..... ۳ ”يايتها النفس المطمئنه ارجعي (الفجر: ۲۸، ۲۷)“ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو نفس خدا کی طرف تسلی پا گیا ہو اسے دیگر بندگان الہی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس طرح ایک مؤمن کو بلا توفیق بہشت میں جگہ ملتی ہے۔

..... ۴ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”قيل ادخل الجنة قال ياليت قومي يعلمون (يس: ۲۶)“ اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا۔

..... ۵ آنحضرت ﷺ نے جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں تو جنت کو دیکھا اور اس میں اکثر ضعیف تھے۔

..... ۶ شہداء کے متعلق قرآن میں وارد ہے کہ ان کو مردے مت کہو: ”بل احياء عند ربهم يرزقون (آل عمران: ۱۶۹)“ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق کھاتے ہیں۔ پھر (کتاب الفصل ج ۳ ص ۱۳۴) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن حزم کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے نص کے طور پر بیان کیا ہے کہ شہداء کے ارواح جنت میں ہیں اور اسی طرح انبیاء کے ارواح بھی بلا شک جنت میں ہیں۔ یہ تھیں وہ مشکلات جن کی بناء پر مرزا صاحب نے سینکڑوں آیات اور احادیث سے ثابت شدہ عقائد حشر اجماع یعنی مردوں کا قبروں سے اٹھنا اور یوم الحساب کے احوال و احوال اور واقعات بحث حشر، وزن اعمال وغیرہ کا انکار کر دیا اور مختار مدعا علیہ کہتا ہے کہ ان آیات و احادیث کے درمیان اور اپنے عقیدہ قبروں سے مردوں کے اٹھنے کے درمیان تطبیق کر کے دکھاؤ۔ گویا مختار صاحب کے نزدیک ان میں تطبیق محال ہے۔ اس لئے انہوں نے مردوں کے قبروں سے اٹھنے کا انکار کر دیا ہے جس کا دوسرا نام حشر اجماع ہے۔ ”يا بعث من في القبور“ مختار مدعا علیہ نے اپنی مجبوری ظاہر کر دی جس نے ان کو حشر اجماع کا منکر بنایا ہے اور اضطراری طور پر وہ بات انہوں نے مان لی جو ہم منوانا چاہتے تھے اور وہ بڑے اصرار سے انکار کر رہے تھے۔ مرزا اپنی کتابوں میں اور مختار مدعا علیہ نے جواب اور بحث میں آیات و احادیث مذکورہ کی دستاویز سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جو انسان مرتا ہے وہ فی الفور جنت یا جہنم میں چلا جاتا ہے اور مختار مدعا علیہ نے ان آیات اور عقیدہ حشر اجماع یعنی مردوں کا قبروں سے اٹھانے کے درمیان تطبیق کا مطالبہ کیا جو ہم بفضلہ و توفیقہ تعالیٰ پورا کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان آیات و احادیث بلکہ کسی آیت و حدیث سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ہر انسان مرنے کے بعد فی الفور جنت یا جہنم میں چلا جاتا ہے۔ بلکہ دخول جنت یا جہنم، بحث حشر، وزن اعمال، حساب کتاب کے بعد ہوگا۔ البتہ وارد دنیا اور یوم البعث کے درمیان

فی زمانہ میں جس کا نام برزخ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”من وراءهم برزخ الیٰ یوم یبعثون (المؤمنون: ۱۰۰)“ حسب مراتب ثواب یا عذاب ہوتا ہے۔ قرآن سے بھی یہ باث ثابت ہوتی ہے اور احادیث میں اس کی بہت تصریح اور تفصیل آتی ہے۔ نیک انسان جنت کی خوش ہوا، روح و ریحان وغیرہ سے متمتع ہوتا ہے اور جنت کی طرف سے اس کے لئے کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ بد انسان دوزخ وغیرہ کی تکلیف پاتا ہے اور دوزخ کی طرف سے اس کے لئے کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ ماسواء اس کے احادیث میں بہت تفصیل ہے۔ شہداء کے لئے زیادہ خصوصیت سے مذکور ہوا کہ ان کی ارواح جنت میں جا کر متمتع ہوتی ہیں۔ سید المرسلین ﷺ کو تو اس دار دنیا میں ہوتے ہوئے بھی سیر جنت سے مانع نہ تھا، بلکہ واقع میں جیسا کہ احادیث میں مصرح ہے۔ لیکن ان امور میں کس طرح قیاس و گمان کو دخل نہیں جو لصوص سے ثابت ہو، اس کا ماننا ضروری ہے۔ یہ بھی آیا ہے: ”القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفرة النيران“ لیکن یہ باغ اور آگ کا گڑھا محض برزخی اور عارضی ہے جو یوم البعث والحشر پر ختم ہو جائے گا نہ وہ جنت جو یوم الحساب کے بعد عطاء ہوگا جس سے کوئی نکالا نہ جائے گا جس کا نام دار السلام بھی ہے۔ جس میں ادنیٰ آدمی کو زمین و آسمان کی وسعت کے مطابق حصہ دیا جائے گا جس کے بعد اندوہ و رنج کا نام نہ رہے گا۔ علی قلب بشر جس کی نسبت حدیث قدسی میں ہے: ”اعددت لعبادی الصالحین ما لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر“ جس میں سے اہل کبار مومن نکالے جائیں گے اور کفار لا یقضیٰ علیہم فیموتوا ولا یخفف عنہم من عذابہا کے ماتحت وہیں رہیں گے۔ (والنصیل کثیرۃ فی القرآن والا احادیث)

اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ مختار مد عالیہ نے آیت نمبر ۱ پیش کی ہے: ”نوح علیہ السلام کے مخالف غرق کئے گئے اور انہیں آگ میں داخل کر دیا۔“ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اسلامی عقیدہ ”بعث من فی القبور“ اور حشر اجساد کے مخالف ہو۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نار سے جہنم سمجھ لیا ہے اور عام کو بلا وجہ خاص قرار دے کر اپنا دی شوق پورا کر لیا ہے اور خواہ مخواہ قرآن کریم میں تعارض پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہ سعی بالکل بے سود ہے۔ کیونکہ نار کا لفظ نار آخرت اور جہنم کے لئے مخصوص نہیں بلکہ دنیا اور نار برزخ سب کو شامل ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس سے نار آخرت اور جہنم مراد لے لے کہ حشر اجساد کے قطعی اور محکم عقیدہ سے اس کو نکلایا جائے۔ کیوں نہ اس سے مراد نار برزخ اور عذاب قبر لیا جائے اور اگر بالفرض نار آخرت اور جہنم بھی مراد لیا جائے تو بھی توجیہ بخوبی ہو سکتی ہے اور حشر اجساد سے قطعاً کوئی زحمت نہیں ہوتی۔ کیونکہ امور مستقبلہ کو جن کا وقوع قطعی اور یقینی ہو، عموماً قرآن کریم بصیغہ ماضی بیان کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کے اس قسم کے محاروں سے کسی کو انکار نہیں ہوگا اور نہ ہی مختار مد عالیہ ان کا انکار کر سکتے ہیں۔ تاہم مزید تسلی و اطمینان کے لئے کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ”فوقاہم اللہ شر ذالک الیوم ولقاہم نضرة و سرورا و جزاہم بما صبروا و اجنة و حریرا (الدھر: ۱۱، ۱۲)“

اس جگہ تین صیغہ ماضی کے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے امور مستقبلہ کو جو یوم الآخرۃ میں پیش کرنے والے ہیں یقینی اور قطعی الوقوع ہونے کی وجہ سے بصیغہ ماضی ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح ان سے اگلی آیات ہیں: ”و حلوا اساور من فضة و سقاہم ربہم شراباً طہورا“ میں صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ابرار اور نیکوں کی جزاء کا بیان کیا ہے جو دنیا میں نیک کام ایفاء نذر اور مساکین کو طعام دینا وغیرہ اعمال صالحہ کرتے ہیں اور قیامت کے خوفناک دن سے ڈرتے ہیں۔ صرف مردوں کا ذکر نہیں بلکہ جو عہد نبوی میں تھے یا بعد میں ہوئے اور ہوں گے، ان سب کے ثواب کو جو آئندہ ان کو ملنے والا ہے، بصیغہ ماضی بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ”فادخلوا ناراً“ کے ماتحت لکھا ہے: ”المراد عذاب القبر“ یعنی اس ادخال نار سے مراد عذاب قبر ہے۔ یعنی برزخی نار مراد

ہے۔ پھر دوسرا احتمال ذکر کر کے اس کی بھی توجیہ کر دی ہے۔ ”او عذاب الاخرة والتعقيب لعدم الاعتداد بما بين الاغراق والادخال اولاده المسبب كالمتعقب لسبب وان تراخى عنه لفقد شرط الوجود مانع لغيب“ یا عذاب آخرت مراد ہے۔ اسی صورت میں تعقیب یعنی اغراق کے پیچھے ادخال نار کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ درمیانی زمانہ برزخی کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ سبب موجود ہونے کے بعد وجود سبب گو وہ کسی شرط کے نہ موجود ہونے یا کسی مانع کی وجہ سے پیچھے آئے بمنزلہ متعقب ہی کے ہے۔ کمالین حاشیہ جلالین میں ہے: ”المراد بادخالهم النار ادخالهم فيها فى البرزخ قال الضحاك يعرقون فيها من جانب وبحرقون فيها من جانب وقال مقاتل فادخلوا ناراً فى الله اخرة والتعقيب على ذالك لعدم الاعتداد وبما بين الاغراق والادخال كانه نومة“ یعنی ان کو آگ میں داخل کرنے سے برزخ کی آگ میں داخل کرنا مراد (جیسا کہ) ضحاك نے کہا ہے کہ وہ ایک طرف غرق کئے جاتے تھے، دوسری طرف جلائے جاتے تھے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ نار آخرت مراد ہے۔ اس صورت میں تعقب اغراق اور ادخال نار کے درمیانی زمانہ کے اعتبار نہ کرنے سے اور نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہے۔ گویا وہ ایک نیند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صاحب کمالین کا یہ قول کہ گویا وہ ایک نیند ہے بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ قبروں سے نکلنے کے بعد لوگ یہی کہیں گے۔ ”يا ويلنا من بعثنا من مرقدنا (بس)“ اے افسوس ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے جگا دیا۔ پھر خود ہی کہیں یا نہیں کہا جائے۔ ”هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ“

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ نار سے مراد نار برزخ ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں اور نہ کوئی ایسا لفظ ہے جس سے ہم نار جہنم مراد لینے پر مجبور ہو جائیں اور اگر نار آخرت اور عذاب جہنم بھی مراد لیا جائے تو بھی بلا تکلف توجیہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مفسرین کے حوالہ سے ہم نے بیان کیا ہے اور امور مستقبلہ میں ماضی کا استعمال کلام اللہ میں بکثرت ہے۔ لہذا عقیدہ اہل اسلام ”بعث من فى القبور“ یا حشر اجساد سے اس کا کوئی تعارض و تراحم نہیں ہے اور مرزا صاحب کا اس تعارض و تراحم کا بہانہ سے کفریہ عقیدہ کا تراشنا الحاد اور ہوس خام ہے۔

## دوسرا اشکال اور اس کا حل

آیت جس کو مختار مدعا علیہ نے اسلام کے قطعی عقیدہ کے متعارض سمجھ کر اس کی تطبیق کا مطالبہ کیا ہے، وہ ہے جو عذاب فرعون اور فرعونوں کے متعلق سورۃ مؤمن میں ہے: ”النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب (المؤمن: ۴۶)“

اس کے ماقبل ہے: ”فوقاه الله سيئات ما مكروه وحاق بال فرعون سوء العذاب النار يعرضون ..... الخ!“ یعنی مؤمن آل فرعون کو تو اللہ تعالیٰ نے ان کے برے منصوبوں سے بچالیا اور آل فرعون پر برا عذاب نازل ہوا (غرق کئے گئے پھر) صبح اگلے پہر اور پچھلے پہر آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ (تو کہا جائے گا) کہ آل فرعون کو سخت عذاب (یعنی جہنم) میں داخل کر دو۔

علماء نے اس آیت سے عذاب قبر ثابت کیا ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ یہاں کے مختلف وقتوں میں مختلف قسم کے عذابوں کا ذکر ہے ایک غرق ہونے کے بعد قیامت تک اگلے پچھلے پہر آگ پر پیش ہونے کا جو نسبتاً اخف العذاب ہے۔ دوسرا قیامت کے بعد اشد العذاب میں داخل ہونے کا جس سے مراد دخول جہنم ہے۔

اگلے پچھلے پہر آگ پر پیش ہونا عذاب قبر ہے جو قیامت سے پہلے ہے۔ اس کی نسبت بخاری، مسلم، ترمذی میں بھی حدیثیں موجود ہیں جو آل فرعون کے علاوہ اس کی عمومیت پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب اثبات عذاب القبر میں بخاری مسلم کی متفق علیہ

حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مرتا ہے تو اگلے پچھلے پہر ٹھکانا اس کو دکھایا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت سے اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ سے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اٹھائے۔ مشکوٰۃ کے اسی باب کی دوسری فصل میں ترمذی کی ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ دو فرشتے منکر و کبیر نامی قبر میں سوال کرتے ہیں۔ اس کے بعد صحیح جواب دینے والے مؤمن کی قبر فراخ کردی جاتی۔ اس میں روشنی کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا کہ تو شادی شدہ کی طرح راحت سے سو جا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اٹھائے اور اس کے برخلاف کافر کو عذاب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اٹھا کھڑے کرے۔

یہ حدیثیں اور آیت محولہ بالا اتفاق عذاب کی مثبت ہیں۔ ان سے یہ بھی ثابت ہو ا عذاب قبر کے بعد یوم البعث ہوگا جس کی تفصیل اور آیات و احادیث میں آئی ہے۔ سورہ یاسین: ۵۱ میں ہے: ”ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون“ یعنی قرنا پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔ سورہ قمر: ۷ میں ”یسخر جون من الاجداث کانہم جراد منتشر“ قبروں سے اس طرح نکلیں گے۔ گویا وہ پراگندہ ہنڈی دل ہیں۔ اس مضمون کی بہت آیتیں قرآن کریم میں ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ نفع صور کے بعد مردے قبروں سے نکل کر میدان عدالت رب العالمین میں حاضر ہوں گے اور محولہ بالا آیات اور حدیثوں سے یہ بات قطعاً ثابت ہوگئی کہ عذاب قبر یا برزخی عذاب جو اشد العذاب آخرت کے مقابلہ بالکل خفیف ہے اور اسی طرح ثواب ختم ہو کر یوم البعث ہوگا اور مردے قبروں سے نکل کر حاضر عدالت رب العالمین ہوں گے۔

الغرض یہ آیت سربسہ ہمارے مذہب کی مثبت ہے اور مرزا صاحب کے عقیدہ کفریہ اور انکار حشر اجساد کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ مرزا صاحب کا تو یہ مذہب تھا کہ ہر انسان مرنے کے بعد فوراً جنت یا جہنم میں چلا جاتا ہے۔ پھر اس سے نکل نہیں سکتا۔ بڑے سرکش کافر اپنے سارے وجود اور تمام کوئی کے ساتھ داخل جہنم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس آیت نے ثابت کر دیا کہ سب سے بڑا کافر فرعون اور فرعون بھی قیامت کے دن داخل جہنم اور اشد العذاب ہوں گے۔ برزخ میں صرف اگلے پچھلے پہر آگ پر پیش ہوتے ہیں۔ یعنی عذاب القبر میں مبتلا ہیں اور جب احادیث محولہ بالا اور دیگر آیات جن کو کاذکرمحض نمونہ و مثال کے طور کیا گیا۔ اس آیت سے ملا کر یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو بشرطیکہ انسان بالکل انصاف و ایمان سے خالی نہ ہو۔ قطعاً و یقیناً سمجھ لے گا کہ عذاب قبر و برزخ کے بعد حشر اجساد بالکل حق اور عین الحق ہے اور مرزا کا مذہب قطعاً باطل ہے۔

باوجود ایسی کھلی صاف اور واضح نص کے مختار مدعا علیہ کا اس کو اپنے موافق اور ہمارے مخالف سمجھ کر تطبیق کے لئے تحدی کرنا سخت حیرت انگیز ہے۔ لیکن ہم ان کو ایک طرح سے معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا کام محض یہ ہے کہ جو کچھ مرزا صاحب کہہ گئے ہیں، وہی کہے چلے جائیں۔ خواہ وہ بدابہت باطل ہو اور علمی خودداری اس کے کہنے سے صراحتاً روکتی ہو۔

(۳)

”تایبھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی“ (الفجر: ۳۰ تا ۳۱)

اس آیت میں حشر اجساد اور ”بعث من فی القبور“ کے خلاف اور متعارض کوئی لفظ نہیں ہے۔ مختار مدعا علیہ کو مرزا صاحب کی تقلید کی وجہ سے وہم ہوتا ہے کہ ہر نفس مطمئنہ کو مرنے کے وقت یہ حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً بلا توقف جنت میں داخل ہو جا اور جنت سے نکلنا محال۔ لہذا حشر و بعث اجساد محال۔ لیکن اوّل تو اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ حکم دخول جنت بوقت موت دیا جاتا ہے۔ بلکہ سیاق



آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قیامت کو ہوگا اور اگر اس کو بھی بالفرض مان لیا جائے کہ یہ حکم بوقت موت ہی ہے تو یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اس سے مراد وہی جنت ہے جس میں دخول بعد الحساب ہوگا اور جس سے نکلنا محال ہے۔ ممکن کہ اس سے بحکم حدیث مصطفویہ ﷺ: ”القبور روضة من رياض الجنة“ روضہ یعنی جنت قبر ہی مراد ہے۔ اس صورت میں بھی یہ آیت حشر و بعث اجساد کے مخالف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس جنت سے ضرور ضرور قیامت کے دن نکلنا پڑے گا اور اگر بالکل ہی ارخاء عنان کر کے یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہی جنت مراد ہے جس سے کوئی نہ نکلے گا جس میں دخول کے بعد بعث و حشر اجساد ناممکن ہے۔ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ فی الفور بلا تراضی و مہلت داخل ہونے کا حکم ہے۔ تب تک اسلامی قطعی عقیدہ بعث و حشر اجساد سے یہ آیت متعارض نہیں ہو سکتی اور آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس امر کو قطعاً ثابت کرے۔ لہذا اسی صورت میں بھی ممکن ہے کہ یہ محض اذن اور بشارت دخول جنت ہے اور جنت میں داخل ہونے کا تحقق اور وقوع اپنے وقت اور شرائط حشر و بعث و حساب کے بعد ہوگا۔

غرض اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اسی آیت کو عقیدہ بعث و حشر کے خلاف پیش کرنا جس کو نصوص محکمہ قرآن و حدیث قطعاً و یقیناً ثابت کرتی ہیں۔ نفس اتارہ کی پیروی ہے۔ ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ حکم دخول جنت قیامت کو ہوگا۔ اس سے پہلے قیامت ہی کا ذکر ہے: ”کَلَّا اِذَا دَاكُتِ الْاَرْضُ دَاكَا وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفَا صَفَا وَجِيءٌ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنۢى لَهٗ الذِّكۡرُ يَقُوْلُ يٰلَيۡتَنِيۡ قَدِمْتُ لِحَيٰتِي (الفجر: ۲۱ تا ۲۳)“ یہ سب قیامت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد عذاب قبر کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا: ”فَيَوْمَئِذٍ لَا يَعۡذِبُ اِلَّا الَّذِيۡنَ اَعۡدُوۡا لِلّٰهِ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ“ (الفجر: ۲۵، ۲۶) اس دن یعنی قیامت کے دن میں عذاب کا فر کے بعد اسی سلسلہ میں حسب اسلوب اللہ تعالیٰ جو مومن اور کافر کا بالمقابل ذکر کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے نفس مطمئنہ کا ذکر فرمایا اور اس کو دخول جنت اور عباد اللہ الصالحین کی شمولیت کا حکم دیا گیا۔ پس یہ بھی قیامت کے دن سے ہی متعلق ہے۔ اب معاملہ بالکل صاف ہے اور کسی صورت میں بھی ہمارے مخالف اور متعارض نہیں۔

## چوتھی آیت

مخبر مدعا علیہ نے چوتھی آیت یہ پیش کی ہے اور کہا ہے اور ”اسی طرح ایک مومن کو بلا توفیق بہشت میں جگہ ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”قَبۡلَ اِدۡخَالِ الْجَنَّةِ قَالَ يٰلَيۡتَنِيۡ قَوْمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ (یس: ۲۶)“ اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا۔ اس کا جواب بھی وہی ہے جو اس سے پہلے ”فَاَدۡخُلۡنِيۡ فِیۡ عِبَادۡتِیۡ وَادۡخُلۡنِيۡ جَنَّتِیۡ (الفجر: ۲۹، ۳۰)“ میں مذکور ہوا۔ علاوہ براں جس شخص کو اس آیت میں ذکر ہے۔ اگر وہ شہید ہے تو شہداء بالخصوص مازون دخول جنت ہوتے ہیں۔ پس امر دخول جنت بشارت و اکرام اور اذن کے لئے ہے۔ نیز ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ امور مابعد الموت میں قیاس و گمان سے کوئی بات ثابت نہیں کی جاسکتی جس قدر نص سے ثابت اتنا مسلم لیکن زیادتی ناقابل تسلیم ہے۔ پس اس سے یہ خیال کر لینا کہ ہر شخص بلا توفیق جنت میں چلا جاتا ہے، قطعاً ناروا ہے۔

نیز شہداء کا داخل جنت ہونا یوم الحساب کے بعد داخل ہونے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کو جنت میں سیر و ترحیل کا اذن حاصل ہے اور یوم الحساب کے بعد دراثت اور سکونت ہوگی۔ ”تَسۡلُكُ الْجَنَّةِ النَّارِ اَوۡرَثۡمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ“ اور (ج) میں ہے: ”وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِیۡ سَبۡیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ قَتَلُوۡا اَوْ مَاتُوا لَبِیۡرۡزَقۡنَهُمۡ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ خَبِیۡرُ الرَّٰزِقِیۡنَ لَیۡدۡخُلۡنَهُمۡ مَّدۡخَلًا یُرِضُوۡنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیۡمٌ حَلِیۡمٌ“ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ مہاجرین شہید شدہ لوگوں کو یا جو اپنی موت سے بغیر قتل کے مر چکے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ مقام یعنی جنت میں زمانہ مستقبل میں فرمائے گا نہ کہ ان کو داخل کر دیا ہے۔ ماضی کا صیغہ نہیں ہے بلکہ قطعاً صیغہ استقبال ہے۔ شہداء اور انبیاء سب کے سب میدان حساب میں بعث و حشر کے بعد حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ

فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون و اشرفت الارض بنور ربہا ووضع الكتاب وجاتی بالنبیین والشہداء وقضى بینہم بالحق (زم: ۶۸، ۶۹) ”ماحصل یہ ہے کہ فقہ ثانیہ کے بعد انبیاء اور شہداء بھی قضاء رب العالمین کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ پھر فیصلہ الہی کے بعد دوزخی دوزخ کی طرف اور جنتی جنت کی طرف چلائے جائیں گے۔ جیسا کہ ان سے بعد کی آیات میں مذکور ہے۔ غرض بعث و حشر ایک ایسی ضروری اور لا بدی چیز ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ معلوم نہیں کہ ایسی صاف اور قطعی چیز کے انکار کے لئے کیوں حیلے حوالے کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے جس صفائی اور تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان کیا اس میں کسی شک و تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس ضمن میں نمبر ۶ کا جواب بھی ہو گیا جو مختار مدعا علیہ نے شہداء کے متعلق بیان کیا ہے۔ غرض یہ امور بھی کسی طرح اسلامی مسلم عقیدہ کے مزاحم اور متعارض نہیں ہو سکتے۔

یہ جواب جو مذکور ہوا، اس صورت میں ہے کہ اس شخص کو شہید مانا جائے۔ لیکن قرآن کریم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ قرآن کریم سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بحالت حیات ہی اس کو دخول جنت کا حکم دے دیا گیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ”انسی امننت بر بکم فاسمعون قیل ادخل الجنة“ یعنی اس شخص نے اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی رسولوں کا اتباع کرو اور شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ میں اپنے رب پر ایمان لاتا ہوں تو اس سے کہا گیا۔ جنت میں داخل ہو جا، یہاں سے تو اس شخص کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور بحالت زندگی ہی اس کو بشارت اور اکرام کے طور پر کہا گیا اور دخول جنت کا حکم سنا دیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسی وقت زندہ جنت میں چلا جا۔ بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ اپنے وقت پر جنت میں چلے جانا۔ تیرے جنتی ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اسی طرح سورہ مسلات: ۲۹ میں مذہبین کو حکم دیا گیا۔ ”انطلقوا الی ماکنتم بہ تکذبون“ یعنی جس عذاب کو تم جھٹلاتے تھے، اس کی طرف چلو۔ حالانکہ مذہبین کے ساتھ فوت شدہ کی کوئی قید نہیں، بلکہ ”الم نخلقکم من ماء مہین“ کے خطاب سے جو ما قبل میں ہے ان کا زندہ ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ امور مستقبلہ کو جن کا وقوع اس کے علم میں قطعی ہوتا ہے۔ وقوع شدہ کی طرح بیان فرمادیتا ہے اور ان کا حکم فی الحال دے دیتا ہے۔ اگرچہ ان کا وقوع مابعد میں اپنے وقت معین پر ہونے والا ہو۔

### نمبر ۵ کا جواب:

..... اسی طرح سید المرسلین ﷺ بھی اپنے اس علم قطعی کی بناء پر جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا، امور مستقبلہ ان کو بصورت وقوع دکھائے گئے۔ ان مستقبلات کو ایسے الفاظ میں بیان فرمادیتے تھے جو وقوع پر دلالت کرتے ہیں اور ان سے بظاہر یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ باتیں گویا واقع ہو چکی ہیں۔ لیکن دراصل ایسا سمجھنے والا صریح غلطی کرتا ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب اور مختار مدعا علیہ نے کی ہے۔ مختار مذکور کہتے ہیں کہ: ”آنحضرت ﷺ نے جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں اور جنت کو دیکھا تو اس میں اکثر ضعیف تھے۔“ اس سے اس نے یہ سمجھ لیا کہ مرنے والے فوراً جنت اور جہنم میں پہنچ گئے۔ اب حشر و بعث کیونکر ممکن ہے۔ لیکن مرنے والے تو درکنار آنحضرت ﷺ نے تو زندوں کو بھی جنت میں دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ اس دنیا میں موجود تھے۔ ملاحظہ ہو (مکتلہ ص ۵۶۲، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ نے جبل ثبیر سے فرمایا اے ثبیر! ٹھہر جا۔ کیونکہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ یعنی حضرات عمرو و عثمان رضی اللہ عنہما ان کو شہید فرمایا۔ حالانکہ وہ برسوں زندہ رہ کر شہید ہوئے۔

۲..... (مشکوٰۃ ص ۵۶۶) ”ابوبکرؓ فی الجنة وعمرؓ فی الجنة وعثمانؓ فی الجنة وعلىؓ فی الجنة وطلحةؓ فی الجنة والزبیرؓ فی الجنة وعبد الرحمن بن عوفؓ فی الجنة وسعد بن ابی وقاصؓ فی الجنة وسعید بن زیدؓ فی الجنة وابوعبیدہ بن الجراحؓ فی الجنة“، یعنی آنحضرتؐ نے ان دس بزرگوں کی نسبت فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جنت میں جائیں گے۔ بلکہ جملہ اسمیہ کے ساتھ ذکر فرمایا جو استمرار اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

۳..... (مشکوٰۃ ص ۵۴۴) طلحہ بن عبید اللہؓ کی نسبت فرمایا جس نے زمین پر شہید کو چلتا پھرتا دیکھا ہو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔

۴..... (مشکوٰۃ ص ۵۶۶) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میرے کانوں نے آنحضرتؐ کے منہ مبارک سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، طلحہ اور زبیر جنت میں دونوں پڑوسی ہیں۔ اس میں کوئی صیغہ استقبال کا نہیں، بلکہ امر مستقبل کو بصورت وقوع بیان فرمایا۔

۵..... (مشکوٰۃ ص ۱۱۶) آنحضرتؐ نے بلالؓ کو فرمایا میں نے جنت میں اپنے آگے تمہاری جوتیوں کی آواز سنی۔

۶..... (مشکوٰۃ ص ۵۷۴) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو جنت دکھایا گیا تو ابوطلحہؓ کی عورت کو دیکھا اور اپنے آگے آہٹ سنی تو ناگاہ بلالؓ موجود تھا۔

ان احادیث سے جو بطور نمونہ بیان کی گئی ہیں۔ ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کا جنت میں ہونا بیان کیا جو ہنوز زندہ تھے۔ نیز ان لوگوں کو جو زندہ تھے جنت میں ان کی آہٹ سنی ان کو دیکھا۔

اس سے مختار مدعا علیہ کے اس استدلال کا جواب ہو گیا جو اس نے آنحضرتؐ کے جنت و نار کو دیکھنے اور اس کہنے سے کہ: ”دوزخ میں اکثر عورتیں تھیں اور جنت میں اکثر ضعیف لوگ تھے۔“ سے کیا تھا کہ انسان مرکب الفور جنت یا جہنم میں چلا جاتا ہے اور اس حدیث کو اسلامی عقیدہ بحث و حشر اجساد کے متعارض سمجھ کر ہم سے تطبیق کا متحد یا نہ مطالبہ کیا تھا۔ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کی طرف سے اس عقیدہ کے اختیار کرنے کا یہ عذر بیان کیا تھا کہ انہوں نے قرآن کریم اور احادیث میں ان مسائل کے متعلق جو تعارض پایا جاتا تھا اور طہرین اس پر معترض ہوتے تھے۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لئے یہ وجہ تطبیق پیدا کی ہے۔ گویا یہ ایک خالص اسلامی خدمت ہے اور اسلام اور مسلمانوں پر بہت بھاری احسان ہے۔ لیکن یہ بات سراسر غلط ہے اور اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس مسئلہ میں جو الحاد کا دروازہ کھولا ہے وہ محض خود غرضی اور نفس امارہ کی پیروی کے لئے کھولا ہے۔ ورنہ نہ کوئی طہرین کا اعتراض نہ تعارض۔ جیسا کہ ہمارے بیان سے ثابت ہو چکا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے جب مورد وحی الہی اور مامور من اللہ ہونے کے مختلف دعاوی کئے تو اس وقت من جملہ ان دعاوی کے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مسیح بن مریم بنا دیا ہے۔ چنانچہ آپ کا الہام ہے کہ: ”انا جعلناک المسیح ابن مریم“ لیکن ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ میں بوجہ مشابہت روحانی کے مسیح ابن مریم ہوں اور مسیح علیٰ نبینا علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ جیسا کہ (براہین احمدیہ ص ۴۹۸، خزائن ج ۱ ص ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، خزائن ج ۱ ص ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷

اب مرزا صاحب نے وفات مسیح علیہ السلام کے دلائل دھڑا دھڑا قرآن سے پیش کرنے شروع کر دیئے اور جب بزعم خود وفات مسیح علیہ السلام ثابت کر چکے تو ایک شبہ دل میں گزرا کہ اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ مسیح علیہ السلام فوت شدہ ہی مان لئے جائیں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عزیر علیہ السلام کی طرح زندہ کر کے دوبارہ دنیا میں بھیج دے۔ اس ناکہ بندی کے لئے مرزا صاحب نے یہ عقیدہ اختراع کیا کہ انسان مرکب فی الفور جنت یا جہنم میں چلا جاتا ہے اور وہاں سے نکلنا محال ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نہیں آسکتے۔ یہ ہے علت غائی اس عقیدہ کے اختراع کی نہ طہرین کا جواب اور تطہیق۔ جیسا کہ مختار مدعا علیہ نے بیان کیا اور غلط بیانی اور دھوکا دہی کا ارتکاب کیا اور آیت کریمہ: ”و یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا“ کا اپنے آپ کو مصداق بنایا۔

مرزا صاحب کے اس اختراعی اور طہراندہ عقیدہ کی علت غائی جو ہم نے بیان کی ہے۔ اسی مضمون کے سباق میں موجود ہے جس کا مختار مدعا علیہ نے بیان و بحث میں حوالہ دیا ہے۔ مرزا صاحب (ازالہ اوہام ص ۳۲۸، ۳۲۹، خزائن ج ۳ ص ۲۷۸) پر لکھتے ہیں: ”اب ظاہر ہے کہ جب مسیح فوت ہو چکا تو اب وہ موت کے بعد آ نہیں سکتا۔“ پھر اسی (ص ۳۲۹، خزائن ج ۳ ص ۲۷۸) پر لکھتے ہیں: ”ما سواہ اس کے مسیح ابن مریم جس کی روح اٹھائی گئی بر طبق آیت کریمہ: ”یتایہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“ جنت میں داخل ہو چکے۔ اب کیونکر وہ اس غم کدہ میں آجائیں۔“ پھر (ازالہ اوہام ص ۳۵۱، ۳۵۲، خزائن ج ۳ ص ۲۸۰) پر لکھتے ہیں: ”سوال مسیح کے دوبارہ آنے کے ابطال میں جو یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ مسیح کا فوت ہونا ثابت ہے اور ہر ایک مؤمن راست باز مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک جو بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ بر طبق آیت: ”وما ہم منها بمنخرجین“ ہمیشہ رہنے کا بہشت میں حق رکھتا ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔“

ان حوالہ جات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اس خبیث عقیدہ کے ایجاد کی علت غائی خود غرضی اور اپنے غلط دعویٰ مسیحیت کی حفاظت اور بزعم خود حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا ابطال ہے نہ طہرین کے اعتراضات کا جواب اور رفع تعارض آیات واحادیث اب ایک بات قابل غور باقی ہے کہ ممکن ہے یہ عقیدہ مرزا صاحب نے غلطی سے اختیار کیا ہو جس سے بعث وحشر و نشر، میزان حساب وغیرہ اور ان کی ان تفصیل کا جن سے کتاب اللہ اور کتب احادیث رسول اللہ ﷺ مملو و مشحون ہیں اور جن پر مستقل ابواب محدثین نے قائم کر کے ہر ایک باب میں بہت بڑا ذخیرہ احادیث کا رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور اہل اسلام کا سلف سے خلف تک مسلسل عقیدہ چلا آتا ہے، انکار لازم آتا ہے اور مرزا صاحب کو اس لزوم اور خرابی کا علم نہ ہو اور اس فساد عظیم کی طرف توجہ منعطف نہ ہوئی ہو اور یہ کفر عمداً نہ کیا گیا ہو۔ ایسی حالت میں معذور قرار دے کر ان کی تسلیل و تکفیر سے اعراض کیا جائے تو بہتر ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب نے یہ سب کچھ سمجھ کر جان بوجھ کر عمداً محض خود غرضی سے کیا ہے اور نہ اس قسم کا اختراع جس سے معتقدات اسلامیہ قطعیہ پر انقلاب عظیم اور انکار لازم آتا ہو قابل غوا غماض ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جس حالت میں مرزا صاحب ہیں کہ باوجود متنبہ ہونے کے اسی عقیدہ پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو طرح طرح کے مغالطوں سے ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اپنے انتہائی استکبار سے سینکڑوں آیات واحادیث سے جو امور قطعاً و یقیناً ثابت ہیں، ان سب کو ٹھکراتے ہیں۔ مرزا صاحب کو اپنے اختراعی عقیدہ کی سب خرابیاں معلوم ہیں۔ لیکن وہ خود غرضی اور اتباع ہو اور تکبر کی وجہ سے معتقدات اسلامیہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتے اور اپنی ہٹ اور انکار پر بدستور قائم رہتے ہیں۔ بلکہ اس طہراندہ عقیدہ کے اثبات میں اپنے جدوجہد و سعی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے۔ چنانچہ مرزا صاحب (ازالہ اوہام بضم ص ۳۵۱، ۳۵۲، خزائن ج ۳ ص ۲۸۰) پر ایک سوال لکھتے ہیں: ”سوال مسیح کے دوبارہ آنے کے ابطال میں جو یہ دلیل پیش کی گئی ہے مسیح کا

فوت ہونا ثابت ہے اور ہر ایک مؤمن راست باز مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک جو بہشت میں داخل ہو جاتا ہے وہ برطبق آیت: ”و ما ہم منها بمخو جین“ ہمیشہ رہنے کا بہشت میں حق رکھتا ہے۔ یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ قصہ صحیح نہ ہو جو عزیر نبی کی نسبت قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سو برس تک مر رہا اور پھر خدا تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا جبکہ یہ برطبق قاعدہ مفروضہ بالا زندہ ہونے سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ بہشت سے خارج کیا گیا۔ ایسا ہی اس آیت کو ظاہر پر حمل کرنے سے مردوں کا قبروں سے جی اٹھنا اور میدان حساب میں رب العالمین کے حضور میں آنا، یہ سب باتیں اس آیت کے ایسے معنی کرنے سے کہ راست باز انسان مرنے کے بعد بہشت میں بلا توقف داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس میں سے کبھی نہیں نکلتا، باطل ہو جاتے ہیں اور مسلمات عقیدہ اسلام میں ایک سخت انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔“

اس سوال سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو اپنے عقیدہ مخترمہ کے تمام مفاسد معلوم تھے کہ اس سے مسلمات عقیدہ اسلام میں ایک سخت انقلاب پیدا ہو جاتا ہے جس کی تفصیل کسی قدر بیان ہوئی کہ سینکڑوں آیات و احادیث کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب اپنے عقیدہ سے تاب نہیں ہوتے، رجوع نہیں کرتے اور اپنی حقیر غرض کی خاطر نہایت بے پروائی سے معتقدات اور مسلمات اسلام کو ٹھکراتے ہوئے بزبان حال یہ شعر پڑھ دیتے ہیں:

ہم تو مائیں گے وہی جس میں ہو مطلب کا نشان  
باقی سب لغو ہے اور فضول حدیث اور قرآن  
(العیاذ باللہ)

اس سوال کے جواب میں مرزا صاحب نے اسی طرز عقیدہ پر اصرار کیا اور انہیں آیات اور احادیث کو پیش کیا جو مختار مدعا علیہ نمبر ۱ اپنے بیان اور بحث میں پیش کی ہیں جن کا جواب بقدر ضرورت ہم دے چکے ہیں اور مرزا صاحب اور مختار صاحب کے مغالطوں اور استدلال کی کیفیت واضح ہو چکی ہے۔ بہر حال مرزا صاحب نے اپنا وہی عقیدہ قائم رکھا اور تحریف معنوی قرآن شریف میں کر کے بزعم خود اس کو ثابت کیا اور نصوص محکمہ قطعیہ قرآن و حدیث کی تحریف کر کے بہت بڑے الحاد کا دروازہ کھول دیا۔ اس پر یہ ستم ظریفی دیکھئے کہ یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ ہم سب کچھ مانتے ہیں۔ حشر اجماع مانتے ہیں۔ یوم الحساب مانتے ہیں، یہ مانتے ہیں، وہ مانتے ہیں۔ ”صدق اللہ تعالیٰ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ہم بمؤمنین یخضعون للہ والذین امنوا (البقرة: ۸، ۹)“ اسی طرح مرزا صاحب سب کچھ مانتے ہیں اور درحقیقت کچھ بھی نہیں مانتے۔ لفظ مسلم لیکن معنی و مفہوم کا انکار جب کسی چیز کے لوازم کا انکار صاف صاف ہو تو لزوم کا انکار خود بخود ہو جائے گا۔ بھلا جب حشر اجماع ہوگا تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اس کے لوازم کیا ہیں؟ کیا اس کے سوا کوئی صورت متصور ہو سکتی ہے کہ انسان جہاں ہوں جس حالت میں ہوں، درندہ کھا گیا ہو، جل کر راکھ ہو گیا ہو، دریا میں ڈوب مرا ہو، اس کے ذرات ہوا میں ہوں، مٹی کی قبر میں ہوں، چو نے کی قبر میں ہوں: ”کما بدأنا اول خلق نعیده (الانبیاء: ۱۰۴)“ کے ارشاد خداوندی کے ماتحت ٹخہ ثانیہ کے وقت کھڑے ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد حق سبحانہ ہے: ”ثم نفع فیہ اخری فاذا ہم قیام ینظرون (زمر: ۶۸)“ پھر جراد منتشر کی طرح پکارنے والے کی آواز پر محشر کی طرف روانہ ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ”یخرجون من الاجداث کانہم جراد منتشر مہطعین الی الداع یقول الکافرون ہذا یوم عسر (قمر: ۷، ۸) و اشرقت الارض بنور ربہا ووضع الكتاب وجيء بالنبيين والشهداء وقضى بينهم بالحق وهم لا یظلمون، ووفیت کل نفس ما وہو اعلم بما یفعلون، وسیق الذین کفروا الی جہنم زمرا (زمر: ۶۹ تا ۷۱) و نفع فی الصور فاذا هم من الاجداث الی

ربہم ینسلون (یس: ۵۱) و عرضوا علی ربک صفا لقد جنتمونا کما خلقناکم اول مرة بل زعمتم ان لن نجعل لکم موعداً و وضع الكتاب فترى المجرمین مشفقین مما فیہ و یقولون یؤیلتنا ما لہذا الكتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصاها و وجدوا ما عملوا حاضرأ و لا یظلم ربک احدأ (کہف: ۴۸، ۴۹)“

سینکڑوں آیات قرآن مجید کا متشخصی بغیر ان کے کیونکر پورا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے اپنے مقام قبروں سے نکل کر میدان حساب میں رب العالمین کے حضور میں پیش ہوں لیکن مرزا صاحب کسی کو دوزخ اور بہشت سے نکلنے نہیں دیتے، بلکہ ان تمام واقعات یوم الحساب کو یہ کہہ کر ختم کر دیتے ہیں کہ جنتیوں پر جنت میں ہی رحم کی بجلی اور دوزخیوں پر دوزخ میں قہری بجلی ہو کر قصہ ختم ہو جائے گا۔ عرش رب العالمین کا آنا و جانا ربک والملك صفاً صفاً و عرضوا علی ربک صفاً“ بلا ترجمان حساب ہونا وغیرہ مسلمات عقیدہ اسلام یہ سب یہودیت۔ الغرض مرزا صاحب تمام لوازم بحث و حشر و نشر وغیرہ واقعات مسلمہ قطعہ کے منکر اور اپنے طحڑانہ عقیدہ پر جس سے قرآن کریم کے اکثر حصہ اور بے شمار احادیث صحیحہ مسلمہ آنحضرت ﷺ کا انکار لازم آتا ہے۔ قطعاً اسلام سے خارج ہیں اور تاویلات رکیمہ باطلہ جو سراسر تحریف ہیں، ان کو اس کفر سے پناہ نہیں دی سکتیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب عملی طور پر صاف صاف انکار کرتے ہیں۔

## نسخ صور

مرزا صاحب کی کتابوں کے حوالہ سے ثابت کیا گیا تھا کہ وہ نسخ صور کے منکر ہیں اور قرآن میں جو نسخ صور کا ذکر ہے۔ اس سے مسیح موعود مراد لیتے ہیں۔ مختار مدعا علیہ نے جواب میں کہا ہے کہ مرزا صاحب نے نسخ صور کا انکار نہیں کیا بلکہ (بمعنی متعارف اہل اسلام) وہ نسخ صور کے قائل ہیں اور اس پر دو حوالے شہادت القرآن سے پیش کئے۔ ایک (ص ۲۵، خزائن ۶ ص ۳۲۰) سے جس میں مرزا صاحب نے سورہ زمر کی آیت: ”و نفيخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا ماشاء الله“ (قرآن میں من شاء الله ماشاء اللہ نہیں) ”ثم نفيخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون“ کے ماتحت نسخ صور کی دو قسمیں، نسخ اضلال و نسخ ہدایت قرار دی ہیں۔ اس جگہ مرزا صاحب نے دو باتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ آیتیں ذوی الوجہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ مسیح موعود کو کلام الہی میں نسخ صور کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔ مختار مدعا علیہ کی یہ غرض ہے کہ مرزا صاحب نے جن آیتوں کو ذوی الوجہ قرار دے کر دونوں عالم سے متعلق کیا ہے تو اس میں نسخ صور بمعنی متعارف کا جس سے قیامت واقع ہوگی۔ اقرار ہو گیا تو گویا نسخ صور سے ایک ہی کلام میں بیک وقت دو معنی مراد ہوئے۔ حقیقی نسخ صور اور مجازی نسخ صور یعنی مسیح موعود، لیکن یہ بات عربیت کے رو سے ممنوع ہے کہ ایک کلام کے بیک وقت حقیقی اور مجازی معنی معاً مراد لئے جائیں۔ نیز مرزا صاحب کا ذوی الوجہ کہنا بھی ذوی الوجہ ہے۔ اسی کتاب شہادت القرآن کے (ص ۱۶) حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اغلباً مرزا صاحب کی یہ غرض ہے کہ ان آیتوں کا ایک حصہ تو اس عالم سے متعلق ہے جس میں نسخ صور کا ذکر ہے اور اس سے مراد مسیح موعود ہے اور اس بات کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ مرزا صاحب نے اسی جگہ کہا ہے مسیح موعود کو کلام الہی میں نسخ صور کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں علی العموم کلام الہی میں نسخ صور کو مسیح موعود کے لئے استعارہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ فلاں آیت میں استعارہ اور فلاں میں حقیقی معنی نسخ صور مزید برآں یہ کہ نسخ صور کی صرف دو قسمیں اسی مقام پر بیان کی ہیں۔

..... نسخ اضلال۔ ۲ ..... اور نسخ ہدایت۔

صور متعارف اسلامی کا نام تک نہیں لیا۔ اگر مرزا صاحب اس کے قائل ہوتے تو لازم تھا کہ جب انہوں نے نسخ صور سے مراد نسخ اضلال اور نسخ ہدایت کی تفصیل کی تھی جو اس عالم سے متعلق ہے تو نسخ صور جو اس عالم سے متعلق تھا۔ اس کا بھی بیان کر دیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں کے ذوی الوجہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان کا بعض حصہ نسخ صور وغیرہ کا تو اس عالم سے تعلق رکھتا ہے اور بعض دوسرا

آخرت سے۔ کیونکہ وہ کسی طور پر اس عالم پر منطبق نہیں ہو سکتا۔ وہ حصہ یہ ہے: ”ووضع الكتاب وجيء بالشهداء وقضى بينهم بالحق ووفيت كل نفس ما كسبت وهم لا يظلمون وسيق الذين كفروا الى جهنم (زمر)“ چنانچہ یہی بات مرزا صاحب نے (شہادت القرآن حاشیہ ص ۱۶، خزائن ج ۶ ص ۳۱۱) میں آیت: ”ونفخ في الصور فجمعناهم جمعاً وعرضنا جهنم يومئذ للكافرين عرضان الذين كانت اعينهم في غطاء عن ذكرى وكانوا لا يستطيعون سمعاً“ کے متعلق لکھی ہے۔ ”ان آیات میں کسی کم تجربہ آدمی کو یہ شبہ نہ گزرا..... بلکہ قیامت کو ہوگا۔“

دوسرا حوالہ مرزا صاحب کو نفع صورت کا قائل ثابت کرنے کے لئے (شہادت القرآن ص ۶۲، خزائن ج ۶ ص ۳۶۱) سے پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے: ”کیونکہ نفع صورت جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ روحانی احیاء اور اماتت بھی نفع صورت کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔“ مختار مدعا علیہ نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ مرزا صاحب نے جسمانی احیاء اور اماتت کو نفع صورت کے ذریعہ سے چونکہ مان لیا ہے۔ لہذا نفع صورت بمعنی متعارف اسلام کا اقرار ہو گیا۔ لیکن اس میں بھی اس امر کی کوئی تصریح نہیں کی گئی کہ احیاء اور اماتت اخروی بھی نفع صورت سے ہوگی۔ احیاء اور اماتت جسمانی تو دنیا میں بھی ہو رہے ہیں اور ہوتا رہے گا۔ بحث تو آخری احیاء اور اماتت میں ہے جس کی کوئی تصریح مرزا صاحب سے نہیں منقول ہوئی۔ برخلاف اس کے انکار منصوص ہے۔ اسی ص پر چند سطر اس سے پہلے لکھتے ہیں: ”نفع صورت سے مراد قیامت نہیں ہے۔“ اور عبارت محولہ مختار مدعا علیہ سے اگلی سطر میں لکھتے ہیں: ”اور جیسا قرآن میں نسخ سے کسی مجدد کا بھیجنا مراد ہے۔“ اس طرح (ص ۲۵، خزائن ج ۶ ص ۳۲۰) میں ہے: ”بارہویں علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا جس کو کلام الہی میں نفع صورت کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔“ ان حوالوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نفع صورت سے جو قرآن میں آیا ہے۔ مسیح موعود یا مجدد ہی مراد لیتے ہیں۔ لیکن نفع صورت کے معنی متعارف کی کسی جگہ تصریح نہیں کرتے۔

مختار مدعا علیہ نے تسلیم کیا ہے کہ: ”ونفخ في الصور فجمعناهم جمعاً“ میں مرزا صاحب نے مسیح موعود مراد لیا ہے اور تسلیم کر لیا ہے کہ بلحاظ سباق و سیاق یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے۔ لیکن ہم نے مذکورہ بالا حوالوں سے دکھا دیا ہے کہ مرزا صاحب علی العموم نفع صورت سے جو قرآن میں آیا ہے۔ مسیح موعود بتاتے ہیں: اس آیت میں تو وہ بھی مان گئے کہ قیامت کا نفع صورت مراد نہیں۔ وجہ یہ بیان کی کہ سباق و سیاق قیامت مراد لینے سے مانع ہے۔ مگر یہ سراسر غلط ہے، بلکہ سیاق آیت نفع صورت اخروی کو متعین کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”ث“ ونفخ في الصور فجمعناهم جمعاً وعرضنا جهنم يومئذ للكافرين عرضان الذين كانت اعينهم في غطاء عن ذكرى وكانوا لا يستطيعون سمعاً“ یعنی صورت پھونکا جائے گا اور ہم لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور اس دن (یعنی قرنا پھونک کر اکٹھا کرنے کے دن) جہنم کو کافروں کے سامنے کریں گے..... الخ! پس یہ نص قطعی ہے کہ اس جگہ نفع صورت سے مراد قیامت کا آنا ہے، نہ مسیح موعود وغیرہ۔

تو بہن انبیاء

آنچہ داداست ہر نبی راجام داد آں راجام را مراتام  
(نزدل آسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

مرزا صاحب کی تعلی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ان کی نظر میں ہر انسان دنیا کا ان کو اپنے سے نیچے نظر آتا ہے۔ تقار خذاتی کے کلمات ان سے ایسے سرزد ہوتے ہیں کہ انبیاء اولی العزم پر اپنے آپ کو برتر قرار دیتے ہیں۔ شوخی اور گستاخی اس قدر ہے کہ انبیاء کی توہین کو مستلزم ہے۔ یہ اشعار جو مختار مدعا علیہ کی طرف سے بیانوں اور بحث میں پیش کئے گئے۔ اگر ان کو تاویل تخصیص سے الگ کر کے خالی الذہن ہو کر کج بگائی نظر سے دیکھا جائے تو ایک منصف انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب انبیاء علیہم السلام سے اپنے آپ کو برتر ثابت کر رہے ہیں اور

دوسرے انبیاء کی توہین اور استخفاف ہو رہا ہے۔ مختار مدعیہ نے مرزا صاحب کے اس شعر کا یہ مطلب بیان کیا تھا کہ مرزا صاحب ہر ایک نبی کے جام کے حصول کے مدعی ہیں جس میں آنحضرت ﷺ بھی شامل ہیں تو گویا مرزا صاحب تمام کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع ہوئے۔ اس سے تمام انبیاء پر فضیلت ثابت ہوئی۔

مختار مدعا علیہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی کو اپنی معرفت کا جام پلایا بظہیر اللہ آنحضرت ﷺ مجھے بھی پلایا۔ اس میں نہ افضلیت کا ادعاء ہے نہ دوسرے انبیاء کی توہین و استخفاف۔ اگر ان کو ادعاء افضلیت ہوتا تو یہ کیوں کہتے کہ: انبیاء گرچہ بودہ اند بے من برفان نہ مکرّم زکے (نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

یعنی میں عرفان میں کسی نبی سے کم نہیں، بلکہ یوں کہتے ہیں میں ان سے بہت بڑھا ہوا ہوں۔ نیز یہ بھی نہ کہتے کہ: وارث مصطفیٰ شدم یقین شدہ رنگین برنگ یا حسین (نزول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

اور اسی نظم میں یہ کیوں فرماتے:

لیک آئینہ ام ز رب غنی از پنے صورت مہ مدنی (نزول المسح ص ۱۰۰، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۸)

شعر کا مطلب شعر کے الفاظ کے عموم کو ملحوظ رکھ کر دیکھنا چاہئے۔ دوسرے شعر جو مختار مدعا علیہ نے بیان کئے ہیں۔ وہ شعر کی شرح نہیں ہیں اور نہ کسی کو تخصیص کا کوئی حق حاصل ہے۔ لہذا اگر ان کو اس کی شرح بھی قرار دیا جائے تو چند ان فائدہ نہیں اصل شعر کا مفہوم کیا ہے۔ اس شعر میں الفاظ۔ آنچہ۔ ہر نبی اور جام۔ تمام قابل غور ہیں۔ یہ سب الفاظ عموم اور استغراق پر دلالت کرتے ہیں۔ جام سے کیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد انعامات حق سبحانہ ہیں۔ آنچہ کا لفظ عام ہے اور ہر نبی تمام انبیاء کو شامل تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعام کسی نبی کو بخشا وہ سب مجھ کو بھی بخشے، آدم علیہ السلام کو عرفان و نبوت کا انعام دیا، نوح علیہ السلام کو جو کچھ بخشا وہ بھی مجھے بخشا، ابراہیم کو مزید برآں خلت کا انعام بخشا وہ بھی مجھے دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر نبوت تشریحی کا اور کلیم اللہ ہونے کا انعام ملا تو وہ مجھے ملا۔ علیٰ ہذا القیاس! تمام انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ سید الانبیاء ﷺ کو نبوت تشریحی ابدی ناسخ جمیع شرائع سابقہ اور ختم نبوت کا انعام بخشا گیا وہ بھی سب مجھ کو دیا گیا۔ ان کمالات اور انعامات کے ماسواء۔ مرزا صاحب کو کچھ ذاتی کمالات اور انعامات بھی عطاء کئے گئے جو سید الانبیاء ﷺ کو میسر نہ ہوئے اور نہ سہی تو یہی انعام دیکھ لو جو مختار مدعا علیہ نے (چشمہ معرفت ص ۸۲، ۸۳، خزائن ج ۲۳ ص ۹۱، ۹۰) سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تکمیل اشاعت کے سامان نہ دیئے گئے اور مرزا صاحب کو وہ بھی حاصل ہو گئے تو مرزا صاحب چونکہ بقول خود جامع جمیع کمالات انبیاء مع اپنے کمالات خاصہ کے ہیں۔ لہذا وہ بحکم قاعدہ الکل اعظم الجزء سے افضل برتر اور اعلیٰ ہوئے۔ یہی معنی ہیں مرزا صاحب کے اس شعر کے:

زندہ شد ہر نبی بہ آمد نم ہر رسولے نہاں بہ پیرانم (نزول المسح ص ۱۰۰، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۸)

ہر رسول کا لفظ تمام رسولوں کو شامل ہے۔ سید الانبیاء ﷺ بھی اس میں داخل ہیں۔ مرزا صاحب کا پیرا، ہن اتنا وسیع ہے کہ تمام رسول اس کے اندر سما جاتے ہیں اور وہ سب کو محیط ہے۔ ظاہر ہے کہ محیط محاط سے بڑا ہوتا ہے اور یہی معنی ہیں۔ مرزا صاحب کے اس الہام



کے کہ آسمان سے بہت سے تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا جس کی مختار مدعا علیہ یہ تاویل کرتے ہیں۔ یہ یہاں اولیاء امت کے تخت مراد ہیں لیکن مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کی اس تاویل سے سخت توہین کی ہے کیونکہ اس نے مرزا صاحب کو مقام نبوت سے گرا دیا اور مقام ولایت میں ان کے لئے تخت بچھایا۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان کا تخت مقام نبوت میں ہوگا اور سب سے اونچا اور اگر وہ نبی نہیں ہیں۔ دعویٰ نبوت باطل اور افتراء ہے تو مقام ولایت میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ پھر مقام دجالین میں وہ تخت بچھایا جائے گا اور سب سے اونچا۔

مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ اشعار میں تمام انبیاء کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہے اور:

لیک آئینہ ام ز رب غنی از چنے صورت مہ مدنی

(نزدول المسح ص ۱۰۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۷۸)

میں آنحضرت ﷺ سے برابری کا اذعاء اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

آدم نیز احمد مختار دربرم جامہ ہمہ ابرار

(نزدول المسح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۲۷۸)

اس شعر میں انبیاء کا اول و آخر بیان کر کے تمام انبیاء کے صفات و کمالات کا مجموعہ ہونے کا نعرہ لگایا گیا ہے۔ جامہ ہمہ ابرار سے ظاہر کے کپڑے تو مراد نہیں ہو سکتے۔ صفات و کمالات ہی مراد ہوں گے۔ گویا مرزا صاحب تمام انبیاء کے کمالات کو بغفل میں دبائے پھرتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح سو حسین رضی اللہ عنہم گریبان میں:

کر بلا ہست سیر ہر آنم صد حسین است درگر بیانم

الغرض یہ شعر بھی تقریباً انہیں اشعار سابقہ کی طرح ہے اور اس پر وہی کلام ہے جو ان پر تھا۔

زندہ شد ہر نبی بہ آمد نم ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

(نزدول المسح ص ۱۰۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۷۸)

کے جواب کی نسبت مختار مدعا علیہ نے بیان میں گواہ نمبر ۱ کا حوالہ دیا ہے۔ خلاصہ جواب جو بیان میں ہے یہ ہے کہ مرزا صاحب کے آنے سے ہر نبی اس وجہ سے زندہ ہو گیا کہ اس الحاد اور ہریت کے زمانہ میں اکثر لوگوں نے انبیاء کی نبوتوں کا انکار کر دیا تھا اور انبیاء کو مکار فریبی اور دعویٰ میں جھوٹا جاننے تھے اور جو لوگ انبیاء کی وحی اور نبوت کے قائل تھے۔ ان سے استہزاء اور ہنسی کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ پھر وحی کا ثبوت دیا اور بتا دیا کہ جس طرح میں اس بندہ سے مکالمہ کرتا ہوں اور یہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اسی طرح پہلے انبیاء بھی صادق تھے۔ پس مرزا صاحب کا سچا ہونا گویا ان تمام انبیاء کا صادق ہونا ہے۔ گواہ نے کہا ہے کہ اس شعر میں مرزا صاحب نے اس لطیف مضمون کو ادا کیا۔

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ حسب زعم مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کا یہ لطیف مضمون واقعہ کے مطابق ہے یا مخالف و برعکس۔ کیا مرزا صاحب کی نبوت کے دلائل و نشانات ایسے ہیں جن سے نبوت کا وقار جو کھویا جا چکا تھا از سر نو قائم ہو جائے۔ کیا منکرین نبوت انبیاء اور مستہزئین مرزا صاحب کے معجزات کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے؟ کیا دہریت الحاد اور لامذہبی دنیا میں سے اٹھ گئی ہے؟ کیا مرزا صاحب کی نبوت کی روشنی نے منکرین کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے اور معاملہ بالکل برعکس ہے اور تمام مفاسد مذکورہ آگے بہت بڑھ گئے ہیں۔ الحاد دہریت اور لامذہبی کی و باء عام پھیل گئی جو یورپ سے بڑھ کر ہندوستان میں مذہب پر حملہ آور ہو رہی

ہے۔ اسی طرح دیگر مالک میں دن بدن لامذہبی کا مرض پھیل رہا ہے۔ روس نے قانونی طور پر مذہب کو ملک بدر کر دیا ہے۔ لامذہبیت اور بیہمیت ملکی قانون ہو گیا ہے تو ان واقعات کی موجودگی میں یہ کتنی فضول اور بیہودہ لاف زنی ہے کہ مرزا صاحب کے آنے سے تمام انبیاء کی صداقت کے دلائل پیدا ہو گئے بلکہ حق یہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے کئی ایسے دلوں سے بھی احترام نبوت اٹھ گیا ہے جو نبوت کو ایک جلیل القدر منصب خداوندی جانتے تھے اور اکثر غیر مسلم بھی ایسے تھے جن کے دل پر اسلام کا اور نبوت آنحضرت کا رعب تقدس اور وقار تھا۔ لیکن مرزا صاحب نے آکر وہ سب دور کر دیا مرزا صاحب نے اعجاز معجزات کے بلند بانگ دعاوی کئے۔ ہندوؤں، عیسائیوں کو اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے بڑی تحدی سے پیش گوئیاں کیں۔ کیونکہ لے دے کر یہی آپ کے پاس سرمایہ اعجاز تھا۔ لیکن وہ جھوٹی نکلیں تو مرزا صاحب لایعنی تاویلوں اور عذرات لنگ سے ان کی حرمت کرنی چاہی، لیکن ہندو مسلمان عیسائی سب نے مرزا صاحب کو ان معجزات میں جھوٹا جانا۔ یہاں تک کہ مرزا صاحب کی بدولت آریوں اور عیسائیوں نے اسلام کا مضحکہ اڑایا۔ مسٹر عبداللہ آتھم کی پیش گوئی اس کی زندہ مثال ہے۔ محمدی بیگم کی پیش گوئی مرزا صاحب کے معجزات کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا اور مرزا صاحب کا الہام جنگ اور مرزا صاحب کی ہلاکت کی نبوت کی عظمت کو قائم کرنے والا ہے۔ اگر مرزا صاحب نبی تسلیم کر لئے جائیں، نہیں ہرگز نہیں۔ پس اگر مرزا صاحب ہی انبیاء کے مچی اور میت ہیں تو پھر موت ہی متیقن ہے۔ نہ حیات اس صورت میں مرزا صاحب کے لیے یہ کہنا ہی موزوں ہوگا۔ مردہ شد ہر نبی بآدم! (العیاذ باللہ)

یہ تاویل اور مضمون لطیف سراسر باطل ہے اور اصل بات وہی ہے جو اوپر بیان کر چکے کہ مرزا صاحب نے اس شعر اور اس کے ہم مثل اور اشعار میں انبیاء سے افضل اور برتر ہونے کا دعویٰ اور انبیاء کی تحقیر اور توہین کی ہے۔

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار (براین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۱۳، خزائن ج ۲۱ ص ۱۳۴)

مختار مدعا علیہ نے اس شعر کا یہ مطلب بیان کیا کہ مرزا صاحب کی مراد اس سے صرف یہ ہے کہ وہ شخص جس کا آخری زمانہ میں آنا مقدر تھا اور جس کی آمد پر تکمیل اشاعت اسلام موقوف تھی، وہ میں ہوں اور میرے آنے سے وہ بات پوری ہوگئی۔ یہ بھی کہا ہے کہ روضہ آدم سے مراد نسل انسانی ہے اور مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کے ذریعہ سے دنیا کی تمام قومیں دین اسلام کو قبول کر لیں گی۔ اس شعر کا یہ مطلب جو بیان کیا گیا ہے، شعر کے الفاظ سے تو سمجھا نہیں جاتا۔ کیونکہ نہ اس میں اسلام کا نام نہ اشاعت و تکمیل کا ذکر۔ روضہ آدم سے نسل انسانی مراد ہے جس کو مختار مدعا علیہ نے تسلیم کیا۔ افراد انسانی اس باغ کے درخت مرزا صاحب بھی اس باغ کے درخت اور زید، عمر، بکر، مسلم، غیر مسلم، سعید، شقی بھی مرزا صاحب کی طرح اس باغ کے درخت جو اپنے اپنے وقت پر اس باغ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ مرزا صاحب کے وقت بھی، پہلے بھی اور بعد بھی۔

پہلے مصرعہ کے معنی تو صاف ہیں ہر ایک فرد انسانی نسل انسانی کے باغ میں اضافہ کر کے تکمیل کر رہا ہے۔ لیکن دوسرے مصرعہ کا مطلب صاف نہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرزا صاحب کے آنے سے وہ باغ بجملہ برگ و بار مکمل ہو گیا۔ کیا اب کوئی انسان پیدا نہ ہوگا اور نسل انسانی منقطع ہوگئی اور آپ آخری انسان ہیں۔ یہ بات تو بدابہت باطل ہے۔ لہذا اس کی تخصیص ضروری ٹھہری تاکہ مطلب شعر کا بن سکے۔ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب باغ انسانی کی خاص قسم کے مکمل اور آخری درخت ہیں جو اشرف اور اعلیٰ قسم ہے اور چونکہ مرزا صاحب مدعی نبوت ہیں۔ لہذا وہ قسم بھی معین ہوگئی۔ اب اس شعر کے وہ معنی ہوئے جو صحیح حدیث میں قصر نبوت کی مثال میں

آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔ ”ختمت بی البنیان و ختمت بی النبیون“ میرے ساتھ عمارت ختم ہوگئی اور نبی میرے ساتھ ختم ہو گئے۔ لیکن مرزا صاحب کے نزدیک یہ حدیث غلط۔ کیونکہ مرزا صاحب کے اذعاء کے مطابق باغ نبوت کے آخری درخت اور مکمل مرزا صاحب ہیں نہ آنحضرت ﷺ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ افضلیت اس آخریت کے لوازم میں سے ہے جو آخر ہوگا وہ افضل بھی ضرور ہوگا۔ اس طرح پر مرزا صاحب بزعم خود افضل النبیین اور خاتم النبیین بنے۔ (العیاذ باللہ)

منم مسیح زمان ومنم کلیم خدا منم محمد واحد کہ مجتبیٰ باشد  
(تزیق القلوب ص ۳، خزائن ج ۱۵ ص ۱۳۴)

مدعا علیہ کے مختار صاحب کہتے ہیں کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنا مقام بیان کیا ہے کہ میں بروزی طور مسیح، موسیٰ اور محمد واحد ہوں، کسی نبی کی توہین نہیں ہے۔ اس کا جواب ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ آدم نیز احمد مختار الخ کا جواب بھی اوپر ہو چکا ہے۔ نیز میں کبھی آدم کبھی موسیٰ الخ کا جواب بھی ضمناً آ گیا۔

### اذعاء عینیت

مختار مدعا علیہ نے کہا ہے کہ گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب پر یہ الزام لگایا تھا کہ مرزا صاحب نے عین محمد ہونے کا دعویٰ کر کے آنحضرت ﷺ کی توہین کی ہے اور گواہان مدعا علیہ نے جواب دیا تھا کہ مرزا صاحب نے جسمانی طور سے محمد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ بلحاظ روحانیت کے مرزا صاحب کا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود سے علیحدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ عبارت ایک (ایک غلطی کا ازالہ) سے ظاہر ہے۔

پھر کہا ہے کہ مختار مدعیہ کو وہ اعتراض جو اس نے اتحاد کی بناء پر کیا ہے (کہ اگر ایک روح تھی تو تناخ لازم آیا، ورنہ نہیں تو مرزا صاحب کی روح اگر نبی تھی تو ختم نبوت ٹوٹ گئی۔ اگر آنحضرت ﷺ کی روح نبی تھی مرزا صاحب کی نبوت ثابت نہ ہوئی) ہمارے جواب پر وارد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں گواہان مدعا علیہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔

اتحاد روحانیت کے دعویٰ پر جو اعتراض مختار مدعیہ کی طرف سے کیا گیا ہے وہ اٹل ہے اور لا جواب۔ گواہان مدعا علیہ کا بیان اس کا جواب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی جواب الجحش میں کوئی جواب مختار مدعا علیہ نے دیا ہے۔ بلکہ بیان کا حوالہ دے کر پہلو تہی کی ہے۔

مختار مدعا علیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے (۱) عین محمد کے الفاظ اپنے لئے نہیں فرمائے۔ (۲) صرف یہ کہا ہے کہ مجھے بروزی طور پر محمد اور احمد کا نام دیا گیا۔ میرے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان استاد و شاگرد کی نسبت ہے اور ظل اور اصل کی۔

پھر (تحدہ گولڈ ویس ۱۰۱، خزائن ج ۱ ص ۲۶۳) کی عبارت کا حوالہ دیا ہے جو گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے بیان مطبوعہ میں بھی ہے۔

”آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور ہمت اور ہمدردی خلاق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام اور احمد اس کو عطا کیا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔“

اس کے بعد کہا ہے (جواب الجحش میں) پس حضرت مسیح موعود نے حقیقی طور پر محمد ﷺ ہونے کا جو آج سے چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔

اس پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر مرزا صاحب وہ حقیقی محمد نہیں جو آج سے بقول مختار مدعا علیہ چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے اور وہ محض بروزی اور نام نہاد محمد واحد تھے جو جس غرض کے لئے یہ ہیرا پھیرا اور دعاوی بے دلیل کئے تھے وہ باطل ہو گئے۔ کیونکہ مرزا صاحب کا الگ وجود ہوا اور ختم نبوت ٹوٹ گئی۔ کیونکہ یہ مہر تو ٹوٹنے سے اسی صورت میں محفوظ رہ سکتی ہے کہ کوئی غیر نبی نہ ہو اور محمد کی نبوت محمد کے پاس ہی رہے ﷺ اور یہ اسی صورت میں ممکن اور متصور ہے کہ مرزا صاحب اور آنحضرت ﷺ میں عینیت اور اتحاد ہو اور کوئی کا شائبہ

نہ رہ جائے تو بہر حال یا مہر ٹوٹ جائے گی یا عینیت محض ہوگی یا مرزا صاحب نبی نہ ہوں گے اور یہ تینوں باتیں ناممکن اور مختار مدعا علیہ کے نزدیک محال ہیں۔ دو تو اس کے مذہب کے نزدیک محال، تیسری عینیت کا اس کو انکار۔

لیکن اب ہم یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے مذہب کو بیان کرنے میں دیانت کو ملحوظ نہیں رکھا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے اذعاء عینیت سے جو توہین و کفر اور استحالہ لازم ہوتا ہے۔ اس کے خطرات کو وہ برداشت نہیں کر سکتا اور ان کے جواب سے سبکدوش ہونا درحقیقت ناممکن ہے اور بغیر اثبات عینیت دونوں چیزیں، یعنی مرزا صاحب کی نبوت اور حفاظت مہربوت ممکن نہیں۔ اسی لئے مرزا صاحب نے اثبات عینیت کے لئے (جو درحقیقت بداہت عقلی اور شرعی سے باطل ہے) بڑے بڑے فضول اذعاء کئے ہیں اور کفر پر کفر کا ارتکاب کرتے چلے گئے ہیں جن کو مختار مدعا علیہ نے بھی انکار کر کے ملیا میٹ کر دیا ہے۔

## مرزا صاحب کی تصریحات عینیت

۱..... کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں ہو جب آیت: ”واخیرین منہم لما یلحقوا بہم“ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں (تا) مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔

۲..... ”اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد..... ہوں کیونکہ (۳) محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی محمد ﷺ ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات نبوت میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔“

۳..... ”لیکن آنحضرت ﷺ کا صرف یہ مقصود تھا کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کے نام کا وارث، اس کے خلق کا وارث، اس کے علم کا وارث، اس کی روحانیت کا وارث اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائے گا۔“

۴..... ”کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنی اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو۔“

۵..... ”تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنی اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمد اور احمد نام رکھے جانے سے، دو محمد اور دو احمد نہیں ہو گئے۔ اسی طرح بروزی طور نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی۔ کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں۔ اس طرح پر تو محمد کے نام کی نبوت محمد ﷺ تک ہی محدود رہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروز میں دو نبی نہیں ہوتی۔“

۶..... ”غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الہی مہر ہے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ بروزی رنگ میں آ جائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں۔“

۷..... ”اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت ﷺ کا وجود ہے..... اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا، وہ میں ہوں..... ایک بروزی محمدی جمع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا، سو وہ ظاہر ہو گیا۔“

۸..... مورد بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے۔

۹..... ”اب اس تمام تحریر سے مطلب یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں۔ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں۔ نہ نبی ہوں نہ رسول۔ ہاں! میں اس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے۔ پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں۔ وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔ مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بناء پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں۔ بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس رہی۔ (علیہ السلام)“

یہ اقتباسات بالاصرف ایک غلطی کے ازالہ کے ہیں۔ اب دو ایک اقتباس خطبہ الہامیہ کے ملاحظہ ہوں۔

۱۰..... ”وانزل علی فیض هذا الرسول فاطمہ واکملہ وجذب الی لطفہ وجودہ حتی صار وجودی وجودہ..... ومن فرق بینی وبين المصطفىٰ فما عرفنی وما رای“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رسول کریم کا فیض مجھ پر نازل فرمایا۔ پس اس کو پورا پورا اور کامل بنایا اور میری طرف اس نبی کریم کے لطف اور وجود کو یہاں تک کھینچا کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا۔ پس جو میری جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ سیدی خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہو گیا۔ پس جو شخص مجھ میں اور مصطفیٰ میں تفریق کرتا ہے۔ اس نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔ (سطر اخیر سوا لفظ پس کے مرزا صاحب کا اپنا ترجمہ ہے۔ مرزا صاحب نے پس کی جگہ اور لکھا ہے۔ لہذا وہی سمجھا جائے)

اقتباسات مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ مرزا صاحب اپنے وجود کو محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود قرار دیتے ہیں۔ غلام احمد جو مورد بروز ہے وہ حکم نفی میں اور معدوم ہے۔ ”میرا نفس درمیان نہیں، بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔“ غلام احمد بحیثیت غلام احمد نہ رسول ہے نہ نبی لیکن غلام احمد چونکہ محمد مصطفیٰ، خاتم الانبیاء اور جامع جمیع کمالات محمدیہ مع نام اور روحانیت اور منصب نبوت کے ہے۔ اس حیثیت سے وہ نبی اللہ اور رسول اللہ ہے۔ لہذا محمد کی نبوت محمد کے پاس ہی رہی نہ کسی اور کے پاس۔ اگر محمد قدنی محمد مدنی نہ ہوتا کوئی اور الگ انسان ہوتا تو مہر خاتم النبیین کی ٹوٹ جاتی جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ ملاحظہ ہو (اقتباس نمبر ۶) لیکن یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود آ کر اپنی نبوت اور جملہ کمالات کا اظہار کیا ہے۔ لہذا مہر خاتم النبیین بھی محفوظ رہی اور محمد قدنی نبی بھی ہو گئے۔ کیونکہ وہ محمد مدنی ہی ہیں نہ کوئی اور الگ انسان۔

نعوذ باللہ من ذالک سبحانہ هذا بہتان عظیم!

میں نے کسی قدر ترجمانی مرزا صاحب کے خیال کی کر دی۔ اگر بوجہ عدم گنجائش وقت پوری نہیں کر سکا۔ لیکن اس سے ظاہر ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ نے کس قدر اخفاء سے کام لیا اور یہ کہہ دیا کہ مرزا صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ مجھے بروزی طور پر محمد واحد کا نام دیا گیا ہے اور مرزا صاحب کی اور آنحضرت ﷺ کی نسبت استادی و شاگردی کی ہے۔ لیکن اقتباسات بالا سے ظاہر ہو گیا کہ یہ سراسر خیانت اور کتمان واقعہ ہے۔

مرزا صاحب کی سیرت و سوانح عمری دنیا کے سامنے ہے۔ آپ کے افعال معاملات معتقدات معجزات آپ کی کتابوں سے عیاں آجنگاہ نے کجروں کا مال لے کر کھایا اور اس کو حلال بتایا ملاحظہ ہو۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۰۰، ۶۰۱، خزائن ج ۵ ص ۶۰۰، ۶۰۱)

ان جملہ امور کے باوجود آپ محمد مصطفیٰ ہیں اور آپ کے خلق روحانیت تام اور تمام کمالات کے جامع۔ ”فالسالی اللہ الممشکی اگر کوئی سیاہ فام بد صورت کر یہہ المنظر حبشی یہ کہے کہ میں حسن یوسفی رکھتا ہوں اور یوسف علیہ السلام حسن میں برابر ہیں تو تب بھی اتنی تو بین

بلحاظ حسن یوسف علیہ السلام کی نہیں ہو سکتی۔ جتنی اس حسن مجسم ﷺ کی قادیان سے کی گئی ہے۔ خیر اب ہم صبر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ کر گزارش کرتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان کو یہ معاملہ بغور دیکھنا چاہئے۔

وما انتاع اخی الدینا بناظرہ اذا ستوت عنده الانوار والظلم  
یعنی کسی انسان کو نور اور اندھیرے جب یکساں نظر آئیں تو اس کو آنکھ سے کیا فائدہ۔

یہاں تک تو مرزا صاحب کی آنحضرت ﷺ سے ہمسری اور عنینت کی بحث تھی۔ ابھی مرزا صاحب کے ارتقاء کی دو منزلیں باقی ہیں جو اس مضمون ”سید الانبیاء اور مرزا صاحب“ کے متعلق ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ان کو ذکر میں لاؤں۔ ایک ضروری نتیجہ ان اقتباسات کا بیان کرتا ہوں جس کو اس مقدمہ سے بنیادی تعلق ہے۔ یعنی مسئلہ ختم نبوت اور آیت خاتم النبیین کی تفسیر مرزا صاحب نے ان اقتباسات میں جو ”ایک غلطی کے ازالہ“ سے پیش کئے ہیں۔ متعدد جگہ یہ تسلیم کیا ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت محمد ﷺ کے پاس ہی رہی، کوئی الگ انسان دعویٰ نبوت کرے تو مہر ٹوٹ جاتی۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۶، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۴) اقتباس نمبر ۶ میں زیادہ واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت پر خاتم النبیین کی مہر لگ چکی ہے۔ اس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ نہ ٹوٹنے کی صورت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بروزی طور پر تشریف لا کر اپنی نبوت کا اظہار کریں۔ ان اقتباسات کے ماسواء اس اشتہار ”ایک غلطی کا ازالہ“ میں اور بھی کئی جگہ یہ مضمون ہے کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹی محال ہے۔ جس سے واضح اور صریح طور پر ثابت ہو گیا کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی مرزا صاحب کے نزدیک یہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس سے ختم نبوت اور اجراء نبوت کی بحث کا تو فیصلہ ہو گیا۔ فالله الحمد!

باقی رہی یہ بات کہ اگر آنحضرت ﷺ بروزی طور پر خود تشریف لا کر اپنی نبوت کا اظہار فرماویں۔ جیسا کہ بزعم مرزا صاحب قادیان میں تشریف لا کر آپ نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا ہے تو مہر نہیں ٹوٹی۔ یہ ایک الگ بحث ہے جس کے مرزا صاحب مدعی ہیں اور ہمیں اس کا اسی طرح انکار ہے۔ جیسا کہ مسئلہ تثلیث نصاریٰ اور تناخ ہنود کا یہ مسئلہ عقلاً و شرعاً باطل ہے اور تثلیث کے گورکھ دھندے سے کسی طرح کم نہیں۔ ہماری طرف سے اس کا یہی جواب ہے۔ ”ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم و ابائو کم ما انزل اللہ بہا من سلطن ان الحکم الا للہ امر الا تعبدون الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون“ (یوسف: ۳۰)

جائے عبرت ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ مرزا صاحب کہتے تھے کہ آنحضرت کا بلحاظ فطرت۔ جیسا کہ ارفع مقام ہے۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی ارفع و اعلیٰ مرتبہ دینی اور اعلیٰ و ارفع مقام محبت کا آپ کو عطاء ہوا۔ یہ وہ مقام ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے۔

تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے (الی) وحدت تامہ ہے۔ لیکن اب آپ محمد مصطفیٰ اور جامع جمیع کمالات محمدیہ مع نبوت ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی بس نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی روحانیت سے اپنی روحانیت کو کامل اور برتر ثابت کر رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ) تفصیل اس کی یہ ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء اور محمد مصطفیٰ ہونے کا تو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ خطبہ الہامیہ میں فرماتے ہیں کہ: ”آنحضرت ﷺ دو دفعہ مبعوث ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ الف خاس یعنی پانچویں ہزار میں۔ دوسری دفعہ الف سادس کے اخیر میں۔ یعنی چھٹے ہزار مسیح موعود یعنی مرزا صاحب کے وجود میں۔ لیکن پانچویں ہزار میں آپ کی روحانیت کامل نہ تھی۔ بلکہ کمالات کی سیڑھیوں پر پہلا قدم تھا۔ پھر جب آپ چھٹے ہزار میں مسیح موعود بن کر آئے تو آپ کی روحانی قوتیں کمال کو پہنچ گئیں۔ جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔“

”فکذلک طلعت روحانۃ نبینا ﷺ فی الالف الخامس باجمال صفاتها وماکان ذالک الزمان منتهی ترقیاتها بل كانت قدما اولی المعارج کمالاتها ثم کملت وتجلت تلك الروحانية فی آخر الالف السادس اعنی فی هذا الحین“ (ص ۱۸۰) ”واعلم ان نبینا ﷺ کما بعث فی الالف الخامس کذلک بعث فی آخر الالف السادس باتخاذہ بروز المسیح الموعود وذلک ثابت بنص القرآن فلا سبیل الی الحجود“ (ص ۱۸۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۷۱) ”ومن انکر من ان ابعث النبی ﷺ یتعلق بالالف السادس کتحلفه بالالف الخامس فقد انکر الحق ونص القرآن وصار من الظالمین بل الحق ان روحانیتہ کان فی آخر الالف السادس اعنی فی هذه الايام اشد واقوی واكمل من تلك الاعوام بل کالبدر التام“

مرزا صاحب کے (خطبہ الہامیہ) کی یہ عبارتیں بالکل واضح اور صاف ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی روحانی قوتیں جب آپ پانچویں ہزار میں مکہ کے اندر مبعوث ہوئے۔ اجمالی اور ابتدائی تھیں، کامل نہ تھیں۔ بلکہ وہ کمالات کی سیڑھیوں پر پہلا قدم تھا۔ گویا اس وقت آپ کی روحانیت ہلال یعنی پہلی رات کے چاند کی مانند تھی۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ چھٹے ہزار کے اخیر میں مسیح موعود یعنی مرزا صاحب کے وجود میں قادیان کے اندر مبعوث ہوئے تو آپ کی روحانیت نہایت زبردست، بہت قوی اور اعلیٰ درجہ کے کمال پر پہنچ گئی۔ جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے جو اس کا انکار کرے وہ نص قرآن کا منکر ہے جس کا خلاصہ اور ماہصل یہ ہے کہ محمد کی مدنی ﷺ میں اور بزعم مرزا صاحب محمد قادیانی میں جس کو اہل دنیا مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں۔ ہلال اور بدر کی نسبت ہے۔ آنحضرت ﷺ ہلال ہیں اور مرزا غلام احمد بدر یعنی چودھویں رات کا چاند۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا!

اس مضمون کو مرزا صاحب کے ایک مشہور حواری نے جس کا نام قاضی اکمل ہے۔ اپنی ایک رباعی میں اس طرح پر نظم کر دیا ہے:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں  
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں  
(البدر موزخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء ص ۱۴)

## مرزا صاحب کا آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ناپاک حملہ

یہاں تک تو مرزا صاحب کی ان شوخیوں کا ذکر تھا جو مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمسری اور عینیت پھر بعد ازاں اپنی برتری اور افضلیت کے دعویٰ کر کے کی تھیں اور سید المرسلین ﷺ کی ذات گرامی کی نسبت یہ گستاخی کی تھی کہ معاذ اللہ آپ کی روحانیت کامل نہ تھی اور آیت کریمہ: ”وانک لعلیٰ خلق عظیم (القلم: ۴)“ اور اسی قسم کی دوسری آیات قرآنیہ کی تکذیب کی تھی۔ لیکن بحکم آیت کریمہ: ”ثم کان عاقبة الذین اساء والسوآی ان کذبوا بایات اللہ (الروم: ۱۰)“ (یعنی پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے ایسی برائیاں کی تھیں یہ ہوا کہ انہوں نے آیات الہیہ کی تکذیب کی) ان گستاخیوں اور شوخیوں نے مرزا صاحب کو تکذیب آنحضرت ﷺ اور قرآن تک پہنچا دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اصول موضوعہ میں سے مانتے ہیں کہ اکمل اور صافی وحی پانے والوں پر جب خدا (حاشیہ: ۱) کا کلام فصیح و لذیذ نازل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک نور ہوتا ہے جو بتلاتا ہے کہ یہ یقینی امر ہے۔ لہذا نہیں ہے اور ایک ربانی چمک اس کے اندر ہوتی ہے اور کرد و رتوں سے پاک ہوتا ہے۔

(حقیقت الوحی باب سوم ص ۱۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۷، حاشیہ: ۱، وحی الہی کی شناخت)

من جملہ ان علامات کے یہ بھی ہے (الی) کدورتوں سے پاک ہوتا ہے۔

اس سے زیادہ صاف اس مسئلہ کو جو جی الہی کا بنیادی اصول اور امتیازی نشان و معیار ہے، کیا بیان کیا جائے۔

۲..... مرزا صاحب نے اپنی کتاب (نزول المسح) میں بکرات بیان کیا ہے۔ (نزول المسح ص ۸۶، خزائن ج ۱۸ ص ۲۶۴) پر لکھتے ہیں: ”کیونکہ

خدا کا کلام جس قوت اور برکت اور روشنی اور تاثیر اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے۔ خود یقین

دلادیتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں..... الی..... اس لئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایسی وحی کے مورد کے دل میں شبہ پیدا ہو سکے۔ بلکہ وہ شبہ

کو کفر سمجھتا ہے اور اگر اس کو کوئی اور معجزہ نہ دیا جائے تو وہ اس وحی کو جو ان صفات پر مشتمل ہو بجائے خود معجزہ قرار دیتا ہے۔“

۳..... خاص اپنی وحی کی شان میں مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (نزول المسح ص ۸۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۶۶) ”اس سے زیادہ

کوئی بد ذاتی نہیں ہوگی کہ میں یہ کہوں کہ وہ خدا کا کلام نہیں، میں اسی طرح اس کو خدا کا کلام جانتا ہوں جس طرح میں یقین رکھتا ہوں کہ

زبان سے بولتا ہوں اور کانوں سے سنتا ہوں۔“

۴..... (ص ۸۹، خزائن ج ۱۸ ص ۲۶۷) پر فرماتے ہیں ”مگر ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی الہی چلی فرماتا ہے۔

اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی۔ کیا خالص نور کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے۔“

۵..... (ص ۱۱۴، ۱۱۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۹۲، ۲۹۳) پر فرماتے ہیں: ”اگر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ پھر رحمانی الہام کی نشانی کیا ہے۔ اس کا

جواب یہی ہے کہ اس کی کئی نشانیاں میں (۱) اول یہ کہ الہی طاقت اور برکت اس کے ساتھ ایسی ہوتی ہے کہ اگرچہ اس کے ساتھ دلائل ظاہر

نہ ہوں، بڑے زور اور جوش سے بتلاتی ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور ملہم کے دل کو ایسا اپنا مسخر بنا لیتی ہے کہ اگر اس کو آگ میں کھڑا

کر دیا جائے یا ایک بجلی اس پر پڑنے لگے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ الہام شیطانی ہے یا حدیث النفس ہے یا شکی ہے یا ظنی ہے، بلکہ ہر دم اس کی

روح بولتی ہے کہ یہ یقینی ہے اور خدا کا کلام ہے۔“

یہ تو ہیں وحی الہی اور مورد وحی الہی کی شناخت کا طریقہ اور اس کی علامتیں کہ وہ مورد وحی کے نزدیک بوجہ اس نور اور قوت اور جوش

اور الہی برکت اور روشنی اور تاثیر اور لذت اور خدائی قوت وغیرہ موت کے جو خدا کے کلام اور وحی کے ساتھ اترتے ہیں۔ اس کا کلام خدا اور

وحی الہی ہونا ایسا بدیہی ہوتا ہے۔ جیسا ہمارے نزدیک یہ بات بدیہی ہے کہ ہم کانوں سے سنتے، آنکھ سے دیکھتے اور زبان سے بولتے ہیں۔

صاحب وحی کے نزدیک اس میں شک کرنا کفر ہے۔ اس کی روح ہر دم بولتی ہے۔ یہ خدا کا کلام یقینی بغیر کسی شک و شبہ کے ہے۔ اگر اس کو

آگ میں کھڑا کیا جائے یا اس پر بجلی بھی گرنے لگے تو بھی وہ اس کو ظنی یا شکی حدیث النفس یا الہام شیطانی نہیں کہہ سکتا۔

اگرچہ الہام شیطانی اور حدیث النفس کی شناخت کا طریقہ اس مذکورہ بالا کلام مرزا صاحب سے خود بخود سمجھا جاتا ہے کہ یہاں یہ

علامات موجود نہ ہوں اور ملہم اور مورد وحی کو شبہ یا شک یا تردید اس کلام کی نسبت پیدا ہو گیا ہو تو وہ وحی شیطانی ہوگی۔ لیکن اس استنباط کی بجائے

مرزا صاحب کی تصریح ان کی عبارت میں پیش کر دینا زیادہ موزوں ہے۔

(شیطانی الہام) اسی آخری حوالہ منقولہ کے (نزول المسح ص ۱۱۴، خزائن ج ۱۸ ص ۲۹۲) کے اوپر متصل لکھتے ہیں: ”اس جگہ یہ نکتہ خوب

توجہ سے یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جو الہامات ایسے کمزور اور ضعیف الاثر ہوں جو ملہم پر مشتبہ رہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے ہیں یا شیطان کی

طرف سے وہ درحقیقت شیطان کی طرف سے ہی ہوتے ہیں اور گمراہ ہے وہ شخص جو ان پر بھروسہ کرتا ہے اور بد بخت ہے وہ شخص جو اس

خطرناک ابتلاء میں ماخوذ ہے۔ کیونکہ شیطان اس سے بازی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ہلاک کرے۔“



۲..... پھر (نزول المسح ص ۸۶، خزائن ج ۱۸ ص ۴۶۴) تحریر فرماتے ہیں: ”اگر ایک کلام انسان سے یعنی ایک آواز اس کے دل پر پہنچے اور اس کی زبان پر جاری ہو اور اس کو شبہ باقی رہ جائے کہ شاید یہ شیطانی آواز ہے یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی۔ کیونکہ (الی) بجائے خود ایک معجزہ قرار دیتا ہے۔“

مرزا صاحب ان منقولہ بالا عبارتوں میں الہام شیطانی اور وحی الہی میں جو امتیاز قائم کیا ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ بالکل صاف اور واضح ہے لیکن باوجود ان اصول موضوعہ اور مسلمہ کے مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ سید المرسلین کی شان عالی میں جو گستاخی کی ہے۔ اس کو بحالت مجبوری بادل ناخواستہ سومرتبہ العیاذ باللہ! کہتے ہوئے پیش کرتا ہوں۔ نقل کفر کفر نباشد! چنانچہ مرزا صاحب (تتر حقیقت الوہی ص ۱۴۰، خزائن ج ۲۲ ص ۵۷۸) پر لکھتے ہیں: ”آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ فرشتہ جبرئیل ظاہر ہوا تو آپ نے فی الفور یقین نہ کیا بلکہ حضرت خدیجہ کے پاس ڈرتے ڈرتے آئے اور فرمایا کہ: ”خشیت علی نفسی“ یعنی مجھے اپنے نفس کی نسبت اندیشہ بڑا اندیشہ ہوا ہے کہ کوئی شیطانی مکر نہ ہو۔“

جس واقعہ کی طرف مرزا صاحب نے اشارہ کیا ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس میں سورہٴ اقرآء کی یہ پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ ”اقراء باسم ربک الذی خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم“ یہ سب سے پہلا حصہ قرآن ہے جو نازل ہوا۔ (علی المسح) اب مرزا صاحب کی اس تحریر کے رو سے سید المرسلین ﷺ کو اور قرآن کریم کی ان پہلی پانچ آیتوں کو مرزا صاحب کے مسلمہ مذکورہ بالا معیار کے ساتھ اگر دیکھا جائے تو نتیجہ صاف ہے اور ناگفتہ بہ مرزا صاحب نے معاذ اللہ! آنحضرت ﷺ کو مورد الہام شیطانی اور قرآن کریم کو الہام شیطان قرار دیا۔ اس کے بعد تمام قرآن کریم کا یہی حکم ہوگا اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب صاحب قرآن ہی معاذ اللہ! مورد وحی شیطانی ٹھہرا تو قرآن کی نہ صرف یہ پانچ پہلی آیتیں بلکہ کل کا کل الہام شیطانی ہے۔ اب ایک اور بات قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب مرزا صاحب نے نہایت صفائی اور پوری تفصیل کے ساتھ وحی الہی اور شیطانی وحی میں ماہ الامتیاز بیان کر دیئے تھے تو آنحضرت ﷺ کی نسبت کیوں ایسی عبارت تحریر کی جس کا صاف اور کھلا کلام نتیجہ یہ ہے کہ معاذ اللہ! جس سے آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کی قطعی طور پر تکذیب ہوتی ہے۔ شاید واقعات کی مجبوری ہو تو اس کا جواب یہی ہے جس کی طرف ہم اس مضمون کے ابتداء میں اشارہ کر آئے ہیں کہ مرزا صاحب کی ان شوخیوں اور گستاخیوں نے مرزا صاحب کو کھینچ کر اس مقام پر لاکھڑا کیا، جس کا ذکر اجمالاً و مثلاً اوپر گزر چکا ہے۔ ورنہ اس واقعہ میں جو ”خشیت علی نفسی“ سے مرزا صاحب نے بیان کیا، ہرگز شک یا شیطانی مکر کوئی لفظ نہیں ہے۔ مرزا نے محض تکلف اور تحریف اور افتراء سے یہ معنی کئے اور بحکم آیت کریمہ: ”قل من کان فی الضلالة فلیمدد له الرحمن مدا (مریم: ۷۵)“ و بحکم ”نوله ماتولیٰ و نصله جهنم (النساء: ۱۱۵) ثم کان عاقبة الذین اساءوا و السوء ان کذبوا بآیات اللہ (الروم: ۱۰)“ ارتکاب کفر عظیم کی سزا پائی۔

آنحضرت ﷺ نے جو خشیت علی نفسی یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے فرمایا وہ دوسب سے تھا، ایک تو دفعۃً اور اچانک جبرئیل کا بڑی رعب دار صورت میں آ کر آنحضرت ﷺ کو تین دفعہ انتہائی مشقت کی حد تک بھینچنا اور دبانہا جس سے آپ کو جسمانی طاقت پہنچی، یہاں تک کہ بوجہ جاڑا لگنے کے گھر جا کر فرمایا۔ زملونی زملونی دوسرے عظیم الشان باریزوت کی وجہ سے دل میں فکر پیدا ہوا کہ واللہ علم قوم کی طرف سے کیا کیا سلوک پیش آئیں گے۔ ایک طرف بشری ضعف جبلت اور کمزوریوں کا احساس غرض، ان مجموعہ امور سے اگر ”خشیت علی نفسی“ فرمایا تو یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو عین رب العالمین کے حضور اچانک عصا کو سانپ کی صورت میں دیکھ کر بھاگ نکلے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ لوٹ آ اور نہ ڈرتو امن والوں سے ہے۔ ”فلما راها جان ولیٰ مدبرا

ولم يعقب ياموسى اقبل ولا تخف انك من الامنين (القصص: ۳۱) ”پھر موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا خطرہ پیش کیا۔ ”رب انی قتلت منهم نفسا فاخاف ان يقتلون (القصص: ۳۳)“ اے پروردگار میں نے ان کا ایک آدمی (غلطی سے) مار دیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے کہیں قتل نہ کر دیں اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ صاف زبان ہے اس کو میرا مددگار رسول بنا دے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسلی فرمائی۔ جیسا کہ آگے اسی مقام پر مذکور ہے۔ الغرض ابتداءً اندیشہ انبیاء علیہم السلام کو بقیعائے بشریت زیادہ ہوا کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ مذکورہ میں اس امر کی کافی توضیح ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی انہی اسباب کی بناء پر اندیشہ کا اظہار فرمایا نہ یہ کہ معاذ اللہ آپ نے جبرئیل کو شیطان اور آیات قرآن کو شیطانی الہام اور مکر خیال کیا ہو۔ اگر آنحضرت ﷺ کو ہی نعمت یقین و ایمان حاصل نہ تھی تو بھلا اور کس کو ہوگی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”امن الرسول بما انزل الیہ من ربه والمؤمنون (البقرة: ۲۸۵)“ یعنی رسول ہر اس کلام پر ایمان لایا جو اس پر اس کے رب کی طرف سے اتاری گئی اور مؤمن بھی۔ لیکن مرزا صاحب کے نزدیک تو رسول کریم کو یقین یعنی ایمان حاصل نہ ہوا تو بھلا مؤمنوں کو کیونکر ہوگا۔ ”نعوذ بالله من الحور بعد السکور“ مرزا صاحب نے بظلم کیا کہ محض افتراء اور بہتان سے آنحضرت ﷺ پر ناپاک حملہ کیا اور قرآن کی تکذیب اور اسلام کی بیخ کنی کا سامان اپنی کتابوں میں جمع کر دیا اور محض جھوٹ اور افتراء پر دازی کے طور پر یہ طوفان اٹھایا۔ ورنہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، حدیث میں اس کا ذکر نہیں اور اگر بالفرض کوئی ایسی روایت موجود بھی ہوتی جس کا صاف یہ مفہوم ہوتا تو ہوں خصوصاً قطعہ کے سامنے بالکل واجب الرد یا قابل تاویل ہوتی تو تاویل کی جاتی۔ خصوصاً جب کہ وہ اپنے الہام کے مخالف حدیثوں کو بھی ردی میں پھینک دیتے ہیں تو آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کے ابطال پر جو حدیث دلالت کرتی ہو۔ اس کو بطریق اولیٰ باطل اور غلط سمجھ کر رد کر دینا چاہئے تھا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے کوئی حدیث بھی نہیں ہے اور محض افتراء پر دازی اور بہتان طرازی سے قرآن اور نبوت نبی کریم کے ابطال کی سعی کر کے اپنے کفر اور دشمن اسلام ہونے کی تصدیق کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب اپنے الہاموں کی نسبت لکھتے ہیں کہ: ”اس سے زیادہ کوئی بدذاتی نہیں ہوگی کہ میں یہ کہوں کہ وہ خدا کا کلام نہیں۔“ اپنی مزعومہ الہاموں پر یہ وثوق اور ان کو کلام خدا نہ کہنا بہت بڑی بدذاتی ہے تو رسول کریم ﷺ کی نسبت یہ کہنا کہ ان کو جبرئیل اور کلام الہی کی نسبت یقین نہ تھا اور شیطانی مکر کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ کتنی بڑی بھاری بدذاتی ہوگی۔

الغرض مرزا صاحب نے اپنی تحریروں کے رو سے اسلام کی بیخ کنی کا پورا مواد بہم پہنچا دیا ہے۔ دشمنان اسلام اگر ان دستاویزوں کی بناء پر اسلام پر حملہ آور ہوں تو کتنی بڑی بھاری مصیبت کا سامنا ہو، بجز اس کے کیا جواب ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی تحریروں پر، کفر ہے، افتراء اور بہتان ہے اور درحقیقت ہے بھی سراسر بہتان کفر اور قرآن اور بانی اسلام ﷺ کی شان مقدس پر ناپاک اور خطرناک حملہ۔ اعاذ باللہ عن امثال ذالک!

## حقیقی خاتم

مختار مدعا علیہ نے کہا ہے مختار مدعیہ نے (خطبہ الہامیہ ص ب، خزائن ج ۱۶ ص ۳۰۹) کے حوالہ سے ایک یہ اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے متعلق کہا ہے کہ میں حقیقی خاتم اور رسول مقبول ﷺ کو بھی قرآن مجید میں خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز ہوتا ہے تو گویا آنحضرت ﷺ مجازی خاتم النبیین ٹھہرے اور یہ صریح کفر و لجاجد ہے۔

اس کے جواب میں مختار مدعا علیہ نے کہا ہے کہ یہ الزام محض افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے کہیں اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین نہیں کہا اور نہ آنحضرت ﷺ کو مجازی خاتم النبیین کہا ہے۔

..... اس انکار کے بعد خود مانتا ہے کہ جو ختمیت مرزا صاحب کو حاصل ہے، وہ بلحاظ وراثت کے ہے۔

(خطبہ الہامیہ ص ۱۶ ج ۱ ص ۳۱۰)

۲..... مرزا صاحب کی بعثت بروزی طور پر آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے۔

(ایضاً)

۳..... مرزا صاحب کو جو ختمیت حاصل ہے وہ ختمیت ولایت ہے نہ ختمیت نبوت۔

۴..... مرزا صاحب کو آنحضرت ﷺ کے اتباع سے حاصل ہے۔

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۴، خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳)

خیر ختمیت وراثت سے حاصل ہو، اتباع سے ہو، بروز سے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ ختمیت نبوت ہے یا ولایت اور حقیقی ہے یا مجازی۔ اگر ثابت ہو جائے کہ وہ ختمیت نبوت کے ہے اور حقیقی ہے تو مختار مدعیہ کا الزام صحیح ہوگا۔ افتراء اور بہتان نہ ہوگا اور مرزا صاحب کا دعویٰ حقیقی خاتم النبیین کرنا ثابت ہو جائے گا۔ اس صورت میں مرزا صاحب کا کفر والحادی مختار مدعا علیہ کو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اس نے محض انکار کیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ کفر نہیں جس سے معلوم ہو گیا کہ وہ بھی اس کو کفر اور الحاد جانتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو خاتم الاولیاء اور خاتم الخلفاء بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ خاتم الانبیاء ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا ﷺ کو بھی تو خاتم الخلفاء سلسلہ بنی اسرائیل کہا ہے۔ لیکن وہ اس سلسلہ کے خاتم الانبیاء بھی ہیں۔ مرزا صاحب نے خود ان کو انبیاء بنی اسرائیل کا خاتم کہا ہے۔ غرض اس جگہ خلافت اور نبوت میں تضاد نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً مترادف ہیں۔ آخر مرزا صاحب کا دعویٰ بھی تو نبوت کا ہے اور خلیفہ ہونے کا یہی۔ پس خاتم الاولیاء یا خاتم الخلفاء کہنے سے خاتم الانبیاء ہونے کی نفی نہیں ہو جاتی۔

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے کو خاتم الانبیاء کہا ہے خواہ بروزی طور پر ہو۔ ملاحظہ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲) ”کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: ”وآخرین منہم لما یلحقوا بہم“ میں بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔“

اب رہی یہ بات کہ ختمیت حقیقیہ کا بھی دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ تو اب ہم اسی عبارت کو دیکھتے ہیں جس عبارت کو مختار مدعا علیہ اور مختار مدعیہ نے پیش کیا ہے۔ مختار مدعا علیہ کی محولہ عبارت بھی صحیح ہے: ”وقد ختمت النبوة علیٰ نبینا ﷺ“ (خطبہ الہامیہ ص ۱۶ ج ۱ ص ۳۱۰) لیکن مدعیہ کے مختار کو کچھ مضرت نہیں۔ اس نے کب اس کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ اس میں حقیقت کی تصریح نہیں۔ مختار مدعیہ کی پیش کردہ عبارت میں جو مرزا صاحب کے متعلق ہے اور اس سطر کے ایک سطر چھوڑ کر بعد ہے۔ ختمیت حقیقیہ کا لفظ موجود ہے: ”فان الختمیة الحقیقیة كانت مقدرة فی الالف السادس الذی هو یوم سادس من ایام الرحمن لیشاہبہ ابا البشر من کان ہو خاتم نوح الانسان“ (ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ۱۶ ج ۱ ص ۳۱۰) یعنی پس ختمیت حقیقیہ چھٹے ہزار میں (یعنی عہد مرزا صاحب) کے لئے مقدر تھی جو ایام رحمن کا چھٹا دن ہے تاکہ ابوالبشر (آدم علیہ السلام) کے ساتھ وہ شخص جو نوح انسان کا خاتم ہے، (یعنی مرزا صاحب) مشابہ ہو جائے۔ پس اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے لئے ختم نبوت کا اقرار کیا۔ لیکن اس کے ساتھ حقیقت کی صفت بیان نہیں کی۔ اپنے آپ کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں اور بالمقابل اپنی ختمیت کو ختمیت حقیقت کے ساتھ موصوف کیا اور یہی مختار مدعیہ کا دعویٰ تھا کہ حقیقی کے بالمقابل چونکہ مجازی ہوتی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت مجازی ہوئی اور یہ کفر والحاد ہے۔

”مختار مدعا علیہ نے ایک یہ عذر بھی بیان کیا ہے کہ نیز آپ نے اپنی بعثت کو بروزی طور پر آنحضرت ﷺ کی بعثت قرار

دیا ہے۔“

یہ درست ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی بعثت کو آنحضرت ﷺ کی بعثت قرار دیا ہے اور اپنے وجود کو آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے اور تمام کمالات محمدیہ مع نبوت اور ختم نبوت کے حصول کا اپنے لئے دعویٰ کیا ہے۔ باوجودیکہ یہ تمام دعوائی باطل اور سراسر کفر ہیں۔ لیکن تاہم مرزا صاحب کے خیال کی بناء پر اس کو مسلم رکھتے ہوئے اگر مرزا صاحب اپنے لئے مقابلہ کوئی زائد فضیلت بھی ثابت کریں تو فاضل اور مفضول کے مفہوم اضافی کو ملحوظ رکھتے ہوئے فاضل کی افضلیت مفضول کی طرف نہیں لوٹے گی۔ کیونکہ اس صورت میں فاضلیت اور مفضولیت کا مفہوم ہی باطل ہو جاتا ہے جس طرح مرزا صاحب نے (تریاق القلوب ص ۱۵۵، خزائن ج ۱۵ ص ۷۷) میں لکھا ہے کہ: ”حضرت ابراہیم نے اڑھائی ہزار برس کے بعد عبد اللہ پر عبد المطلب کے گھر جنم لیا۔“ (آئینہ کمالات ص ۳۳۳، خزائن ج ۵، ص ۳۳۳) میں آنحضرت ﷺ کو مسیح علیہ السلام کا ظہور قرار دیا ہے تو کیا آنحضرت ﷺ کے کمالات خاصہ سید المرسلین، خاتم النبیین وغیرہ حضرت ابراہیم اور حضرت مسیح علیہ السلام کے کمالات کہلائیں گے اور رسول اللہ ﷺ ان سے افضل نہ ہوں گے۔ اگر آپ افضل ہیں تو بیچنہ اس طرح مرزا صاحب نے بھی اپنی فضیلت آنحضرت ﷺ پر ثابت کی ہے جو محال اور سراسر محال ہے۔ پس اس صورت میں آنحضرت ﷺ کو صرف خاتم النبیین ماننا اور اپنے آپ کو ختمیت حقیقیہ کا مصداق قرار دینا یا بالفاظ حقیقی خاتم النبیین بالمقابل ٹھہرانا صاف تو بہن اور کفر ہے۔

### سید المرسلین ﷺ اور تمام انبیاء کی عملاً تو ہیں

مرزا صاحب کی ان شوخیوں اور گستاخیوں نے جن کا ذکر کسی قدر اوپر گزر چکا ہے۔ دشمنان اسلام کو اس قدر دلیر کر دیا ہے کہ جب وہ مرزا صاحب کے معتقدات دعوائی مرزا صاحب کے اخلاقی نمونہ اور معجزات کو ان کی کتابوں میں اور ان کے مشن کی تحریروں کو پڑھتے ہیں اور ان کو سراسر حیلہ بازی، چالاکی دروغ گوئی مکاری معاملات اور اخلاق کی کجروی کا واقعات کی روشنی میں قطعی ثبوت ملتا ہے اور ساتھ ہی مرزا صاحب کے ان دعوائی کو دیکھتے ہیں کہ آپ تمام انبیاء کے بروز اور ان کی صفات کاملہ کے مظہر اور جامع ہیں۔ تمام نبوتوں کی مرمت اور شکست و ریخت کرنے آئے ہیں۔ آپ محمدی آئینہ ہیں اور بروز محمد اور مظہر روحانیت محمد ہیں۔ بلکہ وہ روحانیت جو اصلی محمد ﷺ کے زمانہ میں ہلال کی طرح بالکل کمزور اور ادنیٰ حالت میں تھی۔ اس بروز یعنی مرزا صاحب کی ذات میں بدر بن کر پوری آب و تاب سے جلوہ گرا اور تاباں ہوئی ہے اور مرزا صاحب کے اس شعر کو پڑھتے ہیں۔

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیونہم  
(نزدول الح ص ۱۰۰، خزائن ج ۱۸ ص ۷۷۸)

تو وہ اسلامی تصنیفات مصنفات تاریخ و سیرت کو چھوڑ چھوڑ کر مرزا صاحب کے احوال مقالات مصنفات اور مشن کی تحریروں کو اسلام قرار دے کر اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم سیرت مقدسہ معجزات اور خلق عظیم کو اور آپ کی نبوت اور جملہ انبیاء کی شان اور نبوت کو مرزا صاحب کی شان اور نبوت پر قیاس کر کے اسی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے مرزا صاحب کی نبوت کو انہوں نے بالکل قریب سے دیکھا ہے۔ اگرچہ بعض دشمن اسلام پہلے بھی محض تعصب کی وجہ سے اسلام پر معترض ہوتے رہے۔ ان کو جواب دندان شکن بآسانی دیئے جاتے۔ مگر اب اسلام کے دشمنوں کو مرزا صاحب اور ان کے مشن کی تحریری اور عملی حالات سے بہت بڑی طاقت اور دلیری ہو گئی ہے۔ بتلائیے اگر نبوت انبیاء سابقین خصوصاً سید المرسلین ﷺ کی نبوت اور معجزات آنحضرت ﷺ اور ان کے اخلاق قدسیہ اور سوانح زندگی کا معیار مرزا صاحب کی سوانح حیات اور معجزات کو قرار دیا جائے تو دشمنان اسلام کو مسلمان منہ دکھانے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی دشمن یہ اعتراض کرے کہ مرزا صاحب نے جو تمام الانبیاء کے بروز ہیں اور ان کے زندہ کرنے والے۔ کجخروں کا مال بھی لے کر دکھایا ہے اور آئینہ کمالات کے اخیر میں اس قسم کے مالوں کو حلال اور جائز ثابت کرنے کے لئے شریعت اسلامی میں ایک نئے حکم کا اضافہ فرمایا ہے کہ نافرمان

آدمی کا مال و جان اس کے ملک سے نکل کر مالک حقیقی کے قبضہ میں آجاتا ہے اور مالک حقیقی کو اختیار ہے کہ اس کو ویسے ہی ہلاک کر دے یا کسی رسول کے واسطے سے یہ تجلی تہری نازل فرمائے۔ اصل عبارت آئینہ کمالات کی ملاحظہ ہو۔ ”اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام حقوق پر خدا تعالیٰ کا حق غالب ہے اور ہر ایک جسم روح اور مال اسی کی ملک ہے۔ پھر جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے تو اس کی ملک اصل مالک کی طرف عود کرتی ہے۔ پھر اس مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا تو سطرسل نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض عدم میں پہنچا دے یا کسی رسول کے واسطے سے یہ تجلی تہری فرمائے بات ایک ہی ہے۔“

اب اگر دشمن اسلام یہ اعتراض کرے کہ قرآن کا تو یہ حکم ہے: ”يَا الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا (المؤمنون: ۵۱)“ یعنی اے رسولو! پاکیزہ مال کھاؤ اور نیک کام کرو تو معلوم ہوا کہ چونکہ مرزا صاحب نے جو تمام انبیاء کا بروز ہیں اور ان کی شان تقدس کو زندہ کرنے والے کنجروں کی اجرت زنا وغیرہ کی کمائی کھائی ہے۔ لہذا وہ بھی پاکیزہ اور حلال طیب ہے اور تمام رسول اس قسم کی پاکیزہ چیزیں کھایا کرتے تھے۔ نیز یہ معلوم بھی ہو گیا کہ زنا بھی حلال ہے۔ (معاذ اللہ)

نیز یہ معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب کی شریعت میں ہندوستان کے اندر تمام ان مسلمانوں کا جو مرزا صاحب کو نہیں مانتے اور ایسا ہی دیگر نافرمان اقوام ہندوؤں عیسائیوں سکھوں وغیرہ کا قتل کر دینا اور ان کے مالوں کو لوٹ لینا سب جائز ہے۔ جیسا کہ محولہ بالا مرزائی قانون کا صاف منشاء اور مفہوم ہے اور خدا نخواستہ مرزائیوں کو اگر قدرت حاصل ہو جائے تو اسی دستاویز سے اس حکم پر وہ عامل ہوں گے۔

مرزا صاحب کے شریعت کے یہ جدید احکام ہیں۔ اسلام کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب کو تمام انبیاء کا بروز اور بروزی محمد اور خاتم الانبیاء مان لیا جائے تو کسی کے سامنے آنکھ بھی نہیں اٹھا سکتے۔

مرزا صاحب کے تشریحی نبی ہونے کا یہ تین ثبوت ہے اور یہ دعویٰ سراسر غلط ہے جو زبانی وہ کرتے ہیں کہ ہم شریعت جدیدہ کے مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو کافر سمجھتے ہیں تو اب وہ خود اپنے اقرار سے بھی کافر ہو گئے۔

حوالہ مذکورہ بالا (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۰۱، خزائن ج ۵ ص ۶۰۱) کی ضروری تشریح بھی لازم ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہمارا ذکر کردہ مدعا واضح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کنجروں و نجروں کو تو اس عبارت محولہ میں کوئی نام نہیں ہے۔ لہذا اس کا شان نزول بیان کرنا ضروری ہے۔

مرزا صاحب کی عبارت محولہ بالا مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بنا لوی کے جواب میں ہے جس کو مرزا صاحب ”قولہ“ اور ”اقول“ کے عنوان قائم کر کے بیان کر رہے ہیں۔ ”قولہ“ سے مولانا محمد حسین صاحب مرحوم کا اور ”اقول“ سے مرزا صاحب کا قول مراد ہے۔ مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ (اشاعت السنۃ ج ۱۵ نمبر ۱) میں مرزا صاحب کی محمدی بیگم کے نکاح کی پیش گوئی کے متعلق پچاس سوالات جرح کئے ہیں جو دوسرے نمبر میں جا کر ختم ہوئے ہیں۔ ان میں چند سوالوں کے جواب مرزا صاحب نے دیئے ہیں۔

عبارت محولہ بالا مولانا موصوف کے آٹھویں سوال جرح کا جواب یہ جو (اشاعت السنۃ نمبر ج ۱۵ ص ۲۶) پر بدیں عبارت ہے۔

(سوال ہشتم) ”ایسا شخص اگر اکثر جھوٹ بھی بولتا ہو۔ لوگوں کے مال ناجائز ذریعہ سے مارتا ہو۔ ناجائز مال اجرت زنا وغیرہ کام میں لاتا ہو، ظلم، ایذا رسانی، بے رحمی، بد خلقی، بد گوئی پر مصر ہو تو پھر بھی وہ اگر اس کی کوئی پیش گوئی سچی نکل آوے اس سچی پیش گوئی میں ملہم ولی محدث و مجدد اور خدا کا مخاطب ہو سکتا ہے۔“

اس کی مزید توضیح سوال (نمبر ۴۳ ص ۳۷) پر مولانا موصوف مرزا صاحب سے سوال کرتے ہیں: ”سوال چہل و چہارم میاں الہ دیاساکن انبالہ سے آپ نے اپنے ملازم فتح خان کی معرفت دوسروں پر یہ یا کم و بیش منگوا یا (۲) اور وہ کیارو پیہ تھا (۳) اور آیا وہ کس کام میں آپ نے صرف کیا؟“

یہ الہ دیا کبھی تھا جس نے توبہ کی تھی۔ اس کا پہلا مال جو حرام کمائی اجرت زنا وغیرہ سے تھا مرزا صاحب نے منگوا یا اور استعمال فرمایا۔ ان سوالات سے پہلے (نمبر ۱۲ ج ۱۲) میں مولانا موصوف میر ناصر نواب صاحب خسر مرزا صاحب کی ”مثنوی در حالات مکاری اہل زمانہ“ مندرجہ نمبر مذکور کے حاشیہ پر لکھ چکے ہیں جس میں انہوں نے جعلی بیروں خصوصاً مرزا صاحب کے حالات کا کسی قدر نقشہ کھینچا ہے۔ چنانچہ میر ناصر صاحب لکھتے ہیں۔

بد معاش اب نیک از حد بن گئے      بو مسلم آج احمد بن گئے  
عیسیٰ دوراں بنے دجال ہیں      ہر طرف مارے انہوں نے جال ہیں  
اسی مثنوی میں کچھ اوپر یہ شعر ہیں۔  
قرض سے ایک دفعہ ہو جائے نجات      گو ملے صدقہ کہ مل جائے زکوٰۃ  
ہو تیبوں ہی کا یا رائٹوں کا ہو      رنڈیوں کا مال ہو یا بھانڈوں کا ہو  
اس دوسرے مصرعہ کی تشریح مولانا موصوف نے حاشیہ پر یہ کی ہے۔ ”جیسا کہ الہ دیا نامی تائب مرحوم کا روپیہ جو اسی قسم سے تھا کا دیانی نے منگایا۔“

غرض سوال ہشتم کا منشاء یہ ہے کہ مرزا صاحب نے الہ دیا کبھی انبالی سے جس نے توبہ کی تھی، اجرت زنا کی کمائی کا سابقہ روپیہ اپنے ملازم فتح خان کی معرفت منگوا یا اور استعمال فرمایا۔  
مرزا صاحب نے اسی سوال ہشتم قولہ کے عنوان سے نقل کر کے اقول کہہ کر اس کا جواب دیا ہے اور اس کو عبارت محولہ بالا سے جائز ثابت کر کے نئی شریعت تعمیر کی ہے۔

مرزا صاحب نے اس سوال کو نقل کرنے میں عجب چالاکی کی ہے۔ تین چار سطر کی عبارت میں سے اوّل و آخر کو نقل کر کے بیچ میں سے چھوڑ گئے ہیں تاکہ مرزا صاحب کی کتاب پڑھنے والے کو یہ پتہ نہ لگ سکے کہ مرزا صاحب پر اجرت زنا کا حرام مال کھانے کا الزام لگایا گیا ہے اور جب تک کسی کو اشاعت السنۃ کے اصل حوالے معلوم نہ ہوں۔ مرزا صاحب کا یہ فعل شنیع مخفی رہے۔ لیکن دراصل یہ بڑی خیانت اور پرلے درجہ کی بزدلی ہے۔

خیر اب تو سوال بھی واضح ہو گیا اور جواب بھی واضح۔ مرزا صاحب نے اس خبیث اور حرام مال اجرت زنا کھانے سے انکار نہیں کیا اور نہ کر سکتے تھے۔ ہاں! یہ کر دیا اور ثابت کیا کہ یہ حلال ہے، طیب ہے لیکن رسولوں کو۔ پس اگر فی الواقعہ مرزا صاحب رسول مان لئے جائیں اور آج جناب کی رسالت ہی تمام رسولوں کے لئے میزان قرار دی جائے تو نبوت اور رسالت ایک نہایت ہی ذلیل چیز ہوگی جس کو کوئی شریف انسان پسند نہیں کر سکتا۔

پس درحقیقت مرزا صاحب نے اپنی عملی اور اخلاقی اور اعتقادی حالت سے نبوت اور انبیاء کی سخت توہین کی ہے اور اس لحاظ سے بھی مرزا صاحب خارج از اسلام اور کافر ہیں۔

اس قسم کے کئی واقعات ہیں۔ لیکن بطور مشتم نمونہ از خروارے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔  
مقارمہ عالیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں کہا تھا کہ جب مرزا صاحب حضرت عیسیٰ کے نزول کو اسلام کی بربادی اور آنحضرت ﷺ کی توہین خیال کرتے ہیں جو مرزا صاحب سے ان کے زعم کے مطابق گھٹیا نبی ہیں تو جو ان سے بڑھیا نبی ہیں۔ یعنی مرزا صاحب ان کی نبوت سے بطریق اولیٰ بہت زیادہ توہین آنحضرت ﷺ کی اور بربادی اسلام متصور ہے۔

مختار مدعا علیہ کہتا ہے کہ یہ مغالطہ ہے فرق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے یا نبوت مستقلہ بعد آنحضرت ﷺ مانتی پڑے گی جو ممتنع ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی ہونا اور یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ امتی کا مفہوم یہ ہے کہ جو بغیر اتباع آنحضرت ﷺ محض ناقص اور گمراہ اور بے دین ہو اور قرآن اور آنحضرت ﷺ کی پیروی سے اس کو ایمان اور کمال نصیب ہو۔

مختار مدعا علیہ کا اور مرزا صاحب کا یہ استدلال اور فرق بالکل غلط ہے اور امتی کی یہ تعریف خود غرضی سے گھڑی گئی ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں نہ قرآن سے نہ حدیث میں اور نہ علماء اسلام میں بلکہ سراسر قرآن کریم اور تصریحات اکابر کے خلاف ہے۔

۱..... مختار ان مدعا علیہ کے مسلم امام عبدالوہاب شعرانی (یواقیت والجاہر بحث ۳۲) میں شیخ اکبر مجیب الدین ابن عربی کا قول فتوحات مکیہ کے باب عاشر سے حدیث: ”انما سید ولد آدم ولا فخر“ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آخر الرسل عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء سید ولد آدم ﷺ کے نائب ہیں۔ پھر اس پر یہ شہادت پیش کی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نزول فرمائیں گے تو آنحضرت ﷺ کی شریعت پر عامل ہوں گے جس سے صاف ثابت ہے کہ تمام انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے نائب اور امتی ہیں۔ اس میں کوئی امتناع کسی قسم کا نہیں ہے۔

۲..... صحیح حدیث میں آیا ہے کہ: ”لو کان موسیٰ حیاً لما وسعه الا اتباعی“ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک اولی العزم نبی بھی آنحضرت ﷺ کا امتی اور قبیح ہو سکتا ہے۔ لہذا امتی کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے قطعاً باطل ہے۔

۳..... یہی امام عبدالوہاب شعرانی (یواقیت والجاہر ج ۲ ص ۶۳) پر شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کا قول فتوحات کے باب الثالث والتسعين سے نقل فرماتے ہیں: ”اعلم انه ليس في امة محمد ﷺ من هو افضل من ابى بكر ﷺ غير عيسى عليه السلام وذلك انه اذا نزل بين يدي الساعة لا يحكم الا بشرع محمد ﷺ فيكون له يوم القيامة حشران حشر في زمرة الرسل بلواء الرسالة وحشر في زمرة الاولياء بلواء الولاية“ یعنی اس امت میں عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت سے پہلے نازل ہوں گے تو شرع محمد ﷺ کے سوا کسی چیز پر عمل نہ کریں گے۔ پس قیامت کو ان کے دو حشر ہوں گے۔ ایک لواء رسالت کے ساتھ رسولوں کے زمرہ میں اور دوسرا حشر لواء ولایت کے ساتھ زمرہ اولیاء میں۔ ہمارا مقصود اس سے واضح ہے حاجت تشریح نہیں۔ شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کے اور کئی حوالے ہیں لیکن یہی کافی ہیں۔

۴..... اب مرزا صاحب کی سننے! (حقیقت الوحی ص ۱۳۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۳۳) پر آیت: ”واذ اخذ الله ميثاق النبين لما اتيتكم من كتاب“ کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے یہ عہد لیا تھا کہ جب آخری زمانہ میں میرا رسول آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اس پر سب نے اقرار کیا (ملخصاً) اس سے ثابت ہوا کہ تمام رسول آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے ہیں۔ لہذا وہ امتی ہیں۔

۵..... مرزا صاحب (حماتہ البشری ص ۷۸، خزائن ج ۷ ص ۲۹۵) پر لکھتے ہیں: ”وما اختلف اثنان من علماء هذه الامة في ان الفضائل الصلية التي توجد في هذه الامة قد تفوق بعض الفضائل التي توجد في الانبياء بالاصلة ولذلك قيل ان الانبياء السابقين كانوا ينظرون الى هذه الامة بعين الغبطة وتمنى اكثرهم ان يكونوا منهم فلو لم يكن في هذه الامة شيء من الفضائل التي لم توجد في الانبياء بنى اسرائيل فلم سألوا ربهم ان يجعلهم من هذه الامة“ یعنی بالاتفاق علماء امت کی رو سے ہے کہ اس امت میں بعض ظلی فضائل ایسے جو انبیاء بنی اسرائیل کے فضائل پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ پہلے انبیاء اس امت کو غبطہ کی نظر سے دیکھتے تھے اور اکثر انبیاء نے یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش وہ اس امت سے

ہوتے۔ پس اگر اس امت میں کچھ ایسے فضائل نہ ہوتے جو انبیاء بنی اسرائیل میں موجود نہ تھے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے کیوں یہ سوال کیا کہ ان کو اس امت میں سے کر دے۔

یہ عبارت واضح ہے اگر امتی کا یہ مفہوم ہوتا کہ وہ بغیر اتباع قرآن و آنحضرت ﷺ کے گمراہ اور بے دین اور ناقص محض ہو تو انبیاء بنی اسرائیل سابقین نے باوجود نبوت اور رسالت کیا اپنے آپ کو گمراہ اور بے دین اور ناقص ثابت کرنے کے لئے یہ دعا کی تھی؟

اور حسب اقرار و تسلیم مرزا صاحب انبیاء علیہم السلام نے جب کہ اپنے پروردگار سے یہ دعا کی ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی اس عالم ظاہر میں امت بنا دے۔ نیز تاکہ وہ بیثاق انبیاء اور نصرت کا عہد اس دنیا میں ظاہر ہو تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ عام انبیاء کی دعا کو مسترد فرمادے۔ لہذا اس مستحیج الدعوات نے اپنی حکمت کے ماتحت اس کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ ان سب کی طرف سے ایک ایسے نبی کو نمائندہ قرار دے کر عیانا و شہوداً امتی اور مؤمن اور ناصر آنحضرت ﷺ قرار دیا جس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو کوئی قسم کے مزید اختصاص تھے۔ جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”وانی اولی الناس بعیسی ابن مریم لم یکن بینی و بینہ نبی و انہ نازل“ یعنی میں سب سے قریب تر لوگوں سے ہوں۔ عیسیٰ بن مریم کے ساتھ (الحدیث) حدیث کی تشریح مع اثبات اختصاص۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۵، خزائن ج ۵ ص ۳۵)

ماسواء اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ حسب تصریح مرزا صاحب بیٹا ہونے کی نسبت بھی ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے (سرمہ چشم آر یہ ص ۲۳۲، خزائن ج ۲ ص ۲۹۲) کے حاشیہ پر لکھا ہے: ”سو حضرت مسیح نے ان نبیوں کو جو شریعت موسوی کی حمایت کے لئے ان سے پہلے آئے۔ تمثیلی طور پر قرب کے درجہ میں بطور نوکروں کے بیان کیا ہے اوپر اپنے لئے قرب کے دوم درجہ کا اشارہ کر کے بیٹے کے لفظ سے اپنے اس مقام قرب کو ظاہر فرمایا ہے اور پھر تیسرا درجہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت ہے وہ شخص قرار دیا ہے جو بیٹے کے مارے جانے کے بعد آئے گا جو باغ کا مالک اور نوکروں کا آقا اور اس بیٹے کا باپ مجازی ہے۔ پھر اس حاشیہ کے حاشیہ (ص ۲۳۲، خزائن ج ۲ ص ۲۹۲) میں لکھتے ہیں: ”بعض آثار میں آیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح علیہ السلام عالم آخرت میں زوجہ مطہرہ آنحضرت ﷺ کی ہوگی۔ یہ قول غالباً اسی مناسبت بیٹے اور باپ سے پیدا ہوا ہے کہ جب عالم تمثیل میں حضرت مسیح علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بطور بیٹے کے ٹھہرے تو ان کی والدہ بطور زوجہ کے ہوئی۔ منہ“

اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی ہونا تو درکنار آنحضرت ﷺ کا حسب تصریح مجازی بیٹا ہونا بھی ثابت ہے۔ لہذا امتی کا وہ مفہوم جو مختار مد عالیہ نے بیان کیا ہے قطعاً باطل ہے۔

۶..... اب قرآن شریف ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ولقد وصلنا لهم القول لعلهم یذکرون الذین آتیناهم الکتاب من قبلہ ہم بہ یؤمنون و اذا یتلی علیہم قالوا ائمانا بہ انه الحق من ربنا انا کننا من قبلہ مسلمین اولئک یؤتون اجرہم مرتین بما صبروا (القصص: ۵۱ تا ۵۴)“ یعنی ہم نے پے در پے ان کے لئے اپنے کلام کو اتارنا کہ وہ نصیحت پکڑیں جن لوگوں کو ان سے پہلے ہم نے کتاب دی، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم اس سے پہلے فرمانبردار تھے۔ ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دہرا اجر دیا جائے گا۔ الخ!

اب بتلایے وہ مؤمنین اہل کتاب جو قرآن کریم پر آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور امتی بنے۔ کیا وہ اس سے پہلے گمراہ بے دین اور ناقص تھے یا وہ مسلمین مؤمنین تھے اور امتی بن کے دہرے اجر کے مستحق بنے۔

۷..... احادیث صحیح میں آیا جن کے حوالہ کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ تین شخصوں کو دہرا اجر ملے گا۔



- .....۱ وہ شخص جس نے کسی اپنی لونڈی کی تربیت کی اور عمدہ ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔
- .....۲ وہ مؤمن اہل کتاب جو اپنی کتاب پر ایمان لایا (بعدہ) آنحضرت ﷺ پر ایمان لایا۔
- .....۳ وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اپنے مالک کی خیر خواہی کی۔

دلائل و شواہد مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ امتی کا وہ مفہوم جو مختار مدعا علیہ اور مرزا صاحب نے بیان کیا ہے غلط اور باطل اور اتباع ہوائے اور خود غرضی پر مبنی ہے۔ لہذا وجہ فرق جو مابین مرزا صاحب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دربارہ توہین و جنک آنحضرت ﷺ بیان کی گئی تھی، باطل ہو گئی اور مختار مدعا علیہ کا الزام توہین آنحضرت ﷺ جو مرزا صاحب کا مسلمہ کفر تھا قائم اور بدستور رہا۔

قول مختار مدعا علیہ:

رہی یہ بات کہ مرزا صاحب نے عقیدہ حیات مسیح کو شرک عظیم قرار دیا ہے یہ ”تسمیۃ الشئی بما یؤول الیہ“ کی قسم سے ہے جس طرح انگور کو شراب سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ لاکھوں مسلمان اس عقیدہ کی وجہ سے عیسائی ہو گئے تھے۔ اس لئے مرزا صاحب نے اس عقیدہ کو شرک عظیم قرار دیا ہے۔ یہ قول مختار مدعا علیہ کے اعتراض کو رفع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انگور کو شراب کہنا مجاز ہے جس کا قرینہ موجود ہے۔ کیونکہ عصر یعنی نچوڑنا انگور کی صفت ہے نہ شراب کی برخلاف مرزا صاحب کے اس قول کے کہ وہاں کوئی قرینہ معنی مجازی کا موجود نہیں۔ بلکہ شرک کو عظیم کہہ کر حقیقت کو اور محکم کیا گیا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب نے اپنی تحریروں میں اس کو مخلوق پرستی کا ستون کہہ کر ارادہ مجاز کے خلاف گویا ایک زبردست دلیل قائم کر دی ہے۔

(الاستخا ص ۴۷، خزائن ج ۲۲ ص ۶۷۰) پر کہتے ہیں: ”واللہ لن یجتمع حیات هذا الدین و حیات ابن مریم“ یعنی قسم ہے اللہ تعالیٰ کی دین اسلام کی زندگی اور ابن مریم کی زندگی ہرگز جمع نہ ہوں گی۔ دیکھئے کس تاکید شدید اور قسم کے ساتھ حیات مسیح علیہ السلام کو دین اسلام کی موت قرار دیا گیا ہے۔

اور (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۳۰، خزائن ج ۲۱ ص ۴۵۶) پر لکھتے ہیں کہ: ”افسوس کہ اسلام بت پرستی سے بہت دور تھا، لیکن آخر کار اسلام میں بت پرستی کے رنگ میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا۔“

غرض مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ سے عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کو ذکر کیا ہے۔ شرک عظیم جو نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ مخلوق پرستی کا ستون، اسلام کی نقیض یا اسلام کی موت، بت پرستی وغیرہ اب ظاہر ہے کہ یہاں ”تسمیۃ الشئی بما یؤول الیہ“ کی تاویل کارگر نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا مختار مدعا علیہ کا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کے فتویٰ اور حدیث مسلم سے استشہاد اور ان پر قیاس بالکل غلط اور قیاس مح الفارق ہے۔ کیونکہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ نے زنا رڈالنے اور بت کو سجدہ کرنے والے کو مشرک کہا ہے اور ریا کار یا اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر قسم کھانے والے کو فاسق اور گنہگار کہا ہے۔ گوان افعال کو بھی مشرک کہا گیا ہے۔ لیکن قابل تاویل اور مشرک دونوں مشرک کی قسم سے، لیکن مرزا صاحب نے شرک عظیم مخلوق پرستی بت پرستی نقیض اسلام کے اوصاف سے عقیدہ حیات مسیح کو متصف قرار دیا ہے۔ لہذا اس کا مرتکب بقول مرزا صاحب وحسب فتویٰ گنگوہی قدس اللہ سرہ مشرک بت پرست ہو گا نہ قسم ادنیٰ شرک کا مرتکب اور فاسق و گنہگار۔

اسی طرح حدیث مسلم ”بین الرجل و بین الشریک و الکفر ترک الصلوٰۃ“ میں ترک صلوٰۃ کو شرک اور کفر نہیں کہا گیا بلکہ درمیانی حد کہا گیا ہے۔ پس یہاں تو منجرا لى الشریک کی تاویل کی بھی حاجت نہ رہی۔ اس تاویل کی تب ضرورت ہوتی جب ترک صلوٰۃ کو شرک کہا جاتا۔

مختار مدعا علیہ کا یہ قول کہ لاکھوں مسلمان اس عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کی وجہ سے عیسائی ہو گئے تھے۔ اس بناء پر مرزا صاحب نے

اس کو شرک قرار دیا، بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ کیا ان لاکھوں عیسائی ہونے والوں نے اپنے ارتداد کی یہ وجہ بیان کی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ لوگ جو عیسائی ہوئے ہیں، بعض تو اصول مقدسہ اسلام سے ناواقفیت کی وجہ سے اور اکثر اور اغلب خواہشات اور حظوظ نفسانیہ کے استیفاء اور حقیقتہً الدنیا کی خاطر عیسائی ہوئے ہیں، بلکہ پہلی قسم کے تو بالکل اقل قلیل اور الشاذ النادر کا معدوم کے حکم میں ہیں۔

اسی عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کے اسلام میں موجود ہوتے ہوئے، لاکھوں عیسائی اسلام میں داخل ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اور کئی بد نصیب اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کئی آدمی مرزائیت کو ترک کر کے عیسائی ہو گئے۔ خصوصاً جب کہ آئٹم کی نسبت مرزا صاحب کی پیش گوئی غلط نکلی۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے بھی دبی زبان میں اسے انوار الاسلام میں تسلیم کر لیا ہے۔ کیا ان کے عیسائی ہونے کا باعث حیات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ تھا؟

پس عقیدہ مذکورہ کو شرک عظیم قرار دینے کی جو وجہ گھڑی گئی ہے محض بہانہ غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ مرزا صاحب نے اس عقیدہ کو بت پرستی اور شرک عظیم قرار دے کر تمام امت کی عامہ و خاصہ توہین کی ہے نہ علماء اس توہین کی زد سے بچ سکتے ہیں، نہ اولیاء، نہ مجددین، نہ محدثین، نہ تابعین، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ ذات گرامی سید المرسلین رضی اللہ عنہم۔ مرزا صاحب نے نہ صرف توہین کی ہے۔ بلکہ سب کو شرک قرار دے کر ایسے کفر کا ارتکاب کیا ہے جس کو اگر بے غائر نظر دیکھا جائے تو روکنے بدن پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس وقت حیات مسیح علیہ السلام کے دلائل وغیرہ سے بحث نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک مسئلہ مذکورہ کا تعلق ہے۔ یہ ثابت کرنا ہمارے ذمہ لازم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام امت کا مذہب یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں آ کر دجال کو قتل کریں گے۔

مرزا صاحب کا بھی بزم خود ملہم ہونے کے بعد اور اللہ تعالیٰ سے قرآن شریف کے صحیح معنی پڑھ لینے کے باوجود بارہ سال کے لمبے عرصہ تک یہی عقیدہ تھا۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنی اس کتاب میں جو بامرالہی آپ نے تصنیف فرمائی تھی، قرآن شریف اور اپنے الہام سے اس مسئلہ کو ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اپنی نسبت یہ دعویٰ کیا کہ میں مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام پیش گوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے۔ ملاحظہ ہو (حاشیہ براہین احمدیہ ص ۲۹۸، ۲۹۹، خزائن ج ۱ ص ۵۹۳) تحت الہام و آیت: ”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ“ (الی) اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ براہین احمدیہ ص ۵۰۵، خزائن ج ۱ ص ۶۰۱) تحت آیت: ”والہام عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا“ (الی) یعنی رفیق اور احسان سے تمام حجت کر رہا ہے۔

مرزا صاحب کو یہ مسلم ہے بلکہ ان کی تصریح ہے کہ میں بارہ سال تک بعد الہام اسی عقیدہ پر تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب (اعجاز احمدی ص ۷، خزائن ج ۱ ص ۱۱۳) پر لکھتے ہیں: ”پھر میں تقریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے، بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر بجا رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے، تب وہ وقت آ گیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب تو اتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ پس جب اس بارہ میں انتہاء تک خدا کی وحی پہنچی اور مجھے حکم ہوا: ”فاصدع بما توامر“ یعنی جو تجھے حکم ہوتا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنادے اور بہت سے نشان مجھے دیئے گئے اور میرے دل میں روز روشن کی طرح یقین بٹھا دیا گیا۔ تب میں نے لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دیا۔“

مخبر مدعا علیہ نے اسی مضمون کو اپنے جواب بحث میں باختصار بیان کیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ مرزا صاحب کے اس رسمی عقیدہ

کے بعد جس پر وہ تھے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فوت ہونا ظاہر کر دیا تو آپ نے لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اعلان کر دیا اور قرآن وحدیث سے ان کی وفات کے مسئلہ کو الم نشرح کر دیا۔ مختار مدعا علیہ کا اور مرزا صاحب کا یہ بیان کہ مرزا صاحب مسلمانوں کے رسمی عقیدہ پر تھے۔ سر تا پا غلط ہے، مرزا صاحب محض رسمی اور تقلیدی عقیدہ پر نہ تھے، بلکہ مرزا صاحب نے قرآن اور اپنے الہام کی روشنی میں اس عقیدہ کو اختیار کر رکھا تھا۔ جیسا کہ براہین احمدیہ کے منقولہ بالا حوالوں (ص ۳۹۸، ۳۹۹، خزائن ج ۱ ص ۵۹۳) اور (ص ۵۰۵، خزائن ج ۱ ص ۶۰۱) سے ظاہر اور عیاں ہے۔

یہ بھی طرفہ تماشایے کہ بارہ برس تک تو قرآن وحدیث سے حیات عیسیٰ علیہ السلام کو ثابت کرتے رہے اور معنی قرآن بھی اس وقت اللہ تعالیٰ کے پڑھائے ہوئے صحیح صحیح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم کی تیس آیتوں میں سے کسی آیت کے معنی میں یہ نہ فرمایا کہ اس آیت سے وفات مسیح علیہ السلام ثابت ہے اور نہ مرزا صاحب کو براہین احمدیہ میں حیات مسیح علیہ السلام کے اقرار کے بعد متنبہ کیا کہ یہ غلط ہے اور حق وفات مسیح کا عقیدہ ہے۔ جب بارہ برس گزر گئے تو خدا تعالیٰ نے پے در پے متواتر الہام اس مضمون کے شروع کر دیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ مرزا صاحب بھی پہلی بار تو ان الہاموں سے بہت گھبرا گئے ہوں گے۔ کیونکہ پہلا عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کا بھی مرزا صاحب کے ابتدائی الہام: ”الرحمن علم القرآن۔ لتندر قوما ما اندر آباوہم ولتستبین سبیل المعجمین“ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۹ شامیہ درحاشیہ، خزائن ج ۱ ص ۲۶۵) کی بناء پر اللہ میاں کا تعلیم کردہ تھا۔ کیونکہ اس الہام کا ترجمہ براہین احمدیہ (حوالہ ایضاً) میں یہی مندرج ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ رحمن نے تمہیں قرآن مجید کے صحیح معنی پڑھا دیئے ہیں..... الخ! اور حیات مسیح کا عقیدہ قرآن اور الہام سے ہی ثابت کیا گیا تھا۔ اس لئے معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کی اس تناقض بیانی سے تردد کا ہونا اور گھبراہٹ لازمی تھی۔ ایسی صورت میں ایک دو یا پانچ سات بار کے الہام سے مرزا صاحب کو وفات مسیح علیہ السلام کا یقین کیونکر آ سکتا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو یہ تدارک کرنا پڑا کہ مرزا صاحب کو متواتر پے در پے بکثرت الہام کئے جو ایک بڑے مینہ سے مشابہ تھے اور وحی الہی اپنی روشن انتہاء تک پہنچ گئی اور ماسواء اس کے اور بہت سے نشان دیئے گئے اور یقین کو مرزا صاحب کے دل میں روز کی طرح بٹھادیا گیا تو مرزا صاحب بھی کسی قدر مطمئن ہو گئے۔

کثرت الہامات کا ذکر جو وفات مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مرزا صاحب کو ہوئے۔ عبارت محولہ اعجاز احمدی کے علاوہ (حماۃ البشری ص ۱۳، خزائن ج ۲ ص ۱۹۱) پر بدیں الفاظ مرزا صاحب نے کیا ہے: ”واللہ ما قلت قولا فی وفات المسیح وعدم نزولہ و قیامی مقامہ الا بعد الہام المتواتر المتتابع النازل کالوہل وبعد مکاشفات صریحہ ببنۃ منیرۃ کفلق الصبح“، یعنی قسم ہے اللہ کی کہ میں نے مسیح کی وفات اور دوبارہ نہ آنے اور میرے اس کا قائم مقام ہونے کا عقیدہ اختیار نہیں کیا۔ مگر ایسے الہاموں کے بعد جو متواتر پے در پے اور ایک بڑی بارش کی طرح مجھ پر اترنے والے تھے اور ایسے مکاشفات کے بعد جو صریح اور بالکل صاف اور صرح صادق کی طرح روشن تھے۔

اسی طرح حقیقت الوحی وغیرہ کتابوں میں بھی حوالے ہیں، لیکن یہ دو حوالے ہی کافی ہیں۔  
حوالہ جات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وفات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ مرزا صاحب کو الہامات نے تعلیم کیا ہے نہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ نے۔ مرزا صاحب اور ان کی جماعت اور مختار مدعا علیہ کا یہ دعویٰ کہ مرزا صاحب نے اس کو قرآن وحدیث سے الم نشرح کر دیا، صاف جھوٹ اور قرآن کریم اور حدیث پر سراسر بہتان ہے۔ اگر یہ مسئلہ قرآن کریم اور احادیث سے الم نشرح ہوتا تو اور امت کو جانے دو، مرزا صاحب کیوں قرآن کریم اور احادیث اور اپنے الہامات سے حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کرتے اور بارہ سال کے عرصہ دراز تک اس پر قائم رہتے۔ قرآن کریم اور الہامات کا ذکر اور ان سے حیات مسیح علیہ السلام کا اثبات تو بحوالہ (براہین احمدیہ



کرے۔ پھر جب کہ ائمہ حدیث نے اس سلسلہ تعال کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا اور امور تعالیٰ کا اسناد راست گوار متدین راویوں کے ذریعہ آنحضرت ﷺ تک پہنچا دیا تو پھر بھی ان پر جرح کرنا درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔ اب اس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث میں پیش گوئی ہے۔ وہ ایسی نہیں کہ جس کو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بناء پر لکھا ہو۔ بس بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے۔ یہ پیش گوئی عقیدہ کے طور پر ابتداء سے مسلمانوں کے رگ وریشہ میں داخل چلی آتی ہے۔ گویا جس قدر اس وقت روئے زمین پر مسلمان تھے۔ اسی قدر پیش گوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں۔ کیونکہ عقیدہ کے طور پر وہ اس کو ابتداء سے یاد کرتے چلے آتے تھے اور ائمہ حدیث امام بخاری وغیرہ نے اس پیش گوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اس کو کروڑ ہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قولی تعال کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا اور روایت صحیح مرفوعہ متصلہ سے جن کا ایک ذخیرہ ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا۔

علاوہ اس کے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ! یہ افتراء ہے تو اس افتراء کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی اور کیوں انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور کس مجبوری نے ان کو اس پر آمادہ کیا تھا۔“ (شہادت القرآن ص ۸، ۹، خزائن ج ۶ ص ۳۰۴، ۳۰۵)

ان حوالہ جات سے مفصلہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱..... مسلمانوں کا عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ ان کے نزول کا ہے نہ کسی مثیل مسیح کا جس کو اب مرزائی اصطلاح میں مسیح موعود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲..... یہ عقیدہ آنحضرت کے اقوال مقدسہ یعنی احادیث نبویہ سے پیدا ہوا ہے۔

۳..... یہ عقیدہ ابتداء سے مسلمانوں کے رگ وریشہ میں داخل چلا آیا ہے اور تعال اعتقادی کے طور پر سلسلہ بہ سلسلہ اپنے اصل مبداء تک اس کے آثار و انوار نظر آ رہے ہیں۔

۴..... جو امور سلسلہ اسناد کے ساتھ سلسلہ تعال اعتقادی یا عملی سے ثابت ہو جائیں وہ اوّل درجہ کے یقینیات ہوتے ہیں۔ ان پر جرح کرنا درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔

۵..... مرزا صاحب اس عقیدہ کو اب الہام اور اعلام الہی سے غلط جانتے تھے۔

۶..... پہلے مرزا صاحب بھی اس کو احادیث کی بناء پر صحیح مانتے تھے اور اسی عقیدہ کے معتقد تھے۔

نتیجہ نمبر ۱۶ اگرچہ حوالہ جات سابقہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن مزید توضیح کے لئے ایک حوالہ (ازالہ اوہام ص ۱۹۸، خزائن ج ۳ ص ۱۹۶) سے نقل کیا جاتا ہے مرزا صاحب لکھتے ہیں: ”یہ عقیدہ جو براہین احمدیہ میں درج ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔“

اس عبارت سے صاف ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب کا عقیدہ حیات مسیح ربی نہ تھا بلکہ احادیث نبویہ کی پیروی کا نتیجہ تھا اور پہلے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ براہین میں اسی عقیدہ کو مرزا صاحب نے اپنے الہام اور قرآن سے ثابت کیا ہے۔ پس مرزا صاحب کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور اپنے الہام کی بناء پر تھا۔

اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بقول مرزا غلام احمد صاحب اس کی اصل حقیقت کا انکشاف صرف مرزا صاحب پر ہوا ہے اور وہ بھی ان دعویٰ الہام کے بارہ برس بعد۔ لہذا ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام امت کا اعتقاد بزرگ مرزا صاحب اصل حقیقت کے خلاف تھا۔ یعنی حیات مسیح علیہ السلام کا اور انہیں کے بعینہ نازل ہونے کا نہ کسی مثیل کا اور اسی بناء پر مرزا صاحب نے اسی کتاب (ازالہ اوہام

ص ۶۹۱، خزائن ج ۳ ص ۴۷۳) پر لکھ دیا کہ اگر آنحضرت ﷺ پر ابن مریم وغیرہ وغیرہ کی اصل حقیقت نہ کھلی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (معنی) اس طرح مرزا صاحب نزول مسیح کی اصل حقیقت مرزا صاحب پر منکشف ہونے اور ان سے پہلے آنحضرت ﷺ اور تمام امت پر مخفی رہنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے ظاہر کرے اور مخفی کرے، اس کے ہر ایک فعل میں مصلحتیں حکمتیں اور امتحان ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں۔ وہ شریعت کے ظاہر اور چھلکے کو تو جانتے ہیں اور اس کے مغز سے غافل ہیں اور جب ان پر سر حقیقت ظاہر کیا جاتا ہے تو ان کی آنکھیں اس کو حقارت سے دیکھتی ہیں اور بدگمانی کر کے کافر ہوتے ہیں۔“

اور کہتے ہیں: ”ساری امت کسی طرح خطا اور غلطی پر متفق اور ہم خیال ہوگئی اور ہم کیونکر یہ سمجھ لیں کہ وہ سب غلطی پر تھے اور تم حق پر ہو۔ ان پر افسوس ہو یہ کیوں اس بات کو نہیں جانتے ماننے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بات پر غالب ہے، جب وہ کسی بات کو چھپانے کا ارادہ کرے تو سمجھنے والے اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس کے سنن کو قرآن میں پڑھ کر غافل رہتے ہیں۔“

”کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقررین انبیاء سے بعض باتوں کو پوشیدہ رکھتا ہے اور وہ اس انشاء کی وجہ سے امتحان کیے جاتے ہیں اور کسی امت کا حق نہیں ہے کہ اپنے فہم میں انبیاء پر بڑھ جائے..... تم خدا کے امتحان سے کیوں نہیں ڈرتے، کہیں نزول مسیح کی پیش گوئی تمہارے لئے فتنہ ہی نہ ہو۔“ یہ ترجمہ ہے مرزا صاحب کی عبارت مندرجہ (آئینہ کمالات اسلام ص ۴۵۴، ۴۵۵، خزائن ج ۳ ص ۴۵۴، ۴۵۵)

”بخفی ما يشاء ويبدى وفي كل فعله مصلح وحكم وابتلات (الى) ولعل بنا نزول المسيح يكون فتنه لكم“

عبارت بخولہ میں مرزا صاحب نے یہ ظاہر کیا ہے کہ نزول مسیح ﷺ کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے ایک فتنہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا اور ساری امت اس کی اصل حقیقت کے سمجھنے میں غلطی پر تھی اور جب اللہ تعالیٰ مقررین انبیاء پر بھی بعض باتوں کی حقیقت کو مخفی رکھتا تو امت اپنے فہم اور سمجھ میں نبی سے کیونکر بڑھ سکتی ہے۔

پھر اسی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے (ص ۵۵۲، ۵۵۳، خزائن ج ۵ ص ۵۵۲) پر لکھتے ہیں: ”فضرعت في حضرة الله تعالى وطرحت بين يديه متمنياً لكشف سرائر نزول وكشف حقيقة الدجال (الى) فاخبرني ربي ان النزول روحاني لاجسماني“ یعنی میں نے خدا کے حضور میں تضرع کیا اور نزول مسیح کا سر اور حقیقت دجال کے انکشاف کی آرزو میں خدا کے سامنے میں نے اپنے آپ کو گرا دیا تاکہ مجھے علم یقین اور عین الیقین حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی عنایت میری تعلیم اور تفہیم کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے مجھے اپنی طرف سے الہام کیا اور تعلیم کیا کہ نزول مسیح کا اصل مفہوم صحیح ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مخفی رکھنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مرکز اور ابتلاء ان کے افہام پر غالب آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے منہ کو حقیقت روحانی کی طرف سے پھیر کر جسمانی خیال (یعنی نزول جسمانی) کی طرف متوجہ کر دیا اور اسی پر قناعت کئے رہے اور یہ خبر ان کے پاس لکھی ہوئی اور قرن بعد قرن اسی طرح چھپی ہوئی چلی آئی، جس طرح دانہ بالی میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا یہ زمانہ آ گیا اور اسلام کمزور ہو گیا۔ گناہ بڑھ گئے، عیسائی غالب ہو گئے اور انہوں نے ان عشاق پر جو حرمین کے شکار کی مانند تھے، حملہ کر دیا اور ہم پر وہ مصیبتیں آئیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور زمین ہم پر تنگ ہوگئی اور ناصرین کو دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں سوچ گئیں تو (اب) اللہ تعالیٰ نے صداقت کی صبح کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا..... اور مجھے یہ خبر دی کہ نزول روحانی ہے، جسمانی نہیں۔“

خلاصہ کلام بالا یہ ہے کہ حقیقت نزول مسیح ﷺ کا اظہار اللہ تعالیٰ نے صرف مرزا صاحب پر کیا اور وہ بھی بڑے تضرع و زاری اور استکشاف حقیقت کی آرزو میں مرزا صاحب کے اپنے آپ کو حضور خداوندی میں ڈال دینے کے بعد اور اس سے پہلے قرون اسلام میں یہ خبر ایسی مخفی تھی جس طرح ایک دانہ بالی میں چھپا ہوا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو مخفی رکھنے کا ارادہ کر لیا ہوا تھا

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مکر اور ابتلاء اور تقدیر کے ماتحت مسلمانوں کے منہ حقیقت روحانی نزول جسمانی کی طرف پھیر دیئے اور ان کو شرک اور جھوٹ کی اندھیری رات میں رکھا۔ جب مرزا صاحب کا زمانہ آیا تو صداقت کی صبح نمودار کر دی۔ خیر یہ بات تو الگ رہی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ اور اس کی امت کو اس تکلیف سے (معاذ اللہ) گمراہ اور مشرک بنانے میں بقول مرزا صاحب کیا لطف تھا؟ لیکن یہ بات نہایت صفائی سے مرزا صاحب نے اس جگہ واضح کر دی کہ آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، علماء، اولیاء، محدثین، مفسرین، مجددین، عوام و خواص امت سب مشرک بت پرست اور مخلوق پرست تھے اور مرزا صاحب بھی باون سال کی عمر تک یعنی دعویٰ الہام کے بارہ برس تک مشرک تھے۔ مرزا صاحب کا یہ کفر بڑا عظیم الشان اور انتہائی درجہ کی توہین ہے۔

باقی رہا مختار مدعا علیہ کا یہ قول کہ مرزا صاحب نے پہلے لوگوں کو قابل معافی قرار دیا ہے، یہ محض ابلہ فریبی اور طفل تلی ہے۔ شرک اور بت پرستی قابل معافی نہیں۔ ”ان الله لا يغفر ان يشكر به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء“ اور فرمایا: ”ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء فتخطفه الطير او تهوى به الريح في مكان سحيق (الحج)“ اور شرک سے مراد منجرائی الشکر لینے کا جواب اوپر آچکا ہے۔

### توہین مسیح علیہ السلام

### پیش گوئیاں

قول مختار مدعا علیہ:

اس جگہ مرزا صاحب کو ان لوگوں کا جواب منظور ہے جو انبیاء میں اجتہادی غلطی کو نہیں مانتے اور عیسائیوں کی تردید بھی ہے۔ مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ثابت کر رہے ہیں نہ کہ باطل ملخصاً۔

الجواب: مرزا صاحب نے ازالہ اوہام اور اعجاز احمدی میں جن کے حوالہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کو صاف صاف طور پر جھوٹی کہا ہے اور انتہائی تحقیر اور استخفاف سے ان کو بطور طعن بیان کیا ہے اور اگر چہ اجتہاد کی غلطی کے الفاظ بھی کہتے جاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کی تکذیب بھی اس زور و شور سے اور صفائی سے کرتے ہیں جو ان کو اجتہادی غلطی کی حدود میں رہنے نہیں دیتی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ لیکن ضعیف اور کمزور پیرایہ میں اور ابطال نبوت کے دلائل بڑے زبردست اسلوب اور پر شوکت الفاظ میں بیان کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اجتہادی غلطی کا بہانہ اور اقرار نبوت استہزاء اور تمسخر ہے۔ ملاحظہ ہو (ازالہ اوہام ص ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹

لڑائیاں ہوں گی، قحط پڑیں گے اور اس سے زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیش گوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نہیں نکل سکیں۔ انہوں نے یہود اسکر پوٹی کو بہشت کے بارہ تنگوں میں سے ایک تخت دیا تھا جس سے وہ آخر مرد رہ گیا اور پطرس کو نہ صرف تخت بلکہ آسمان کی کنجیاں بھی دے دی تھیں اور بہشت کے دروازے کسی پر بند ہونے یا کھلنے اسی کے اختیار میں رکھے تھے۔ مگر پطرس جس آخری کلمہ کے ساتھ مسیح سے الوداع ہوا وہ یہ تھا کہ اس نے مسیح کے روبرو مسیح پر لعنت بھیج کر اور قسم کھا کر کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔ ایسا اور بھی بہت سی پیش گوئیاں ہیں جو صحیح نہیں نکلیں۔“

(ازالہ اوہام ص ۶، ۷، خزائن ج ۳ ص ۱۰۵، ۱۰۶)

عبارت مسطور بالا سے دو باتیں صاف ثابت ہیں۔

۱..... اول یہ کہ مرزا صاحب کے نزدیک یہ مطاعن عیسویہ جو اوپر بیان ہوئے، ثابت اور امور واقعہ ہیں اور مرزا صاحب کا یہ عندیہ اور اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں نہایت حقیر اور نکمی تھیں اور ان کے معجزات سے بھی زیادہ اہتر تھیں۔ مع مذاوہ اکثر جھوٹ ثابت ہوئیں۔

۲..... مرزا صاحب کی غرض ان مطاعن مذکورہ کے ذکر سے ان مسلمانوں کو جواب دینا ہے۔ بقول مرزا صاحب جو مرزا صاحب سے مسیح علیہ السلام کی طرح معجزہ نمائی کا مطالبہ کرتے تھے۔ عیسائیوں کو الزام دینا۔

پیش گوئیوں کی مزید کیفیت (اعجاز احمدی ص ۵، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۱) پر اپنی پیش گوئیوں کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ ”ایک پیش گوئی بھی جھوٹی نہیں نکلی بلکہ تمام پیش گوئیاں صفائی سے پوری ہو گئیں..... یہ تو میری پیش گوئیوں کی واقعی حقیقت ہے مگر جو اس یہودی فاضل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر اعتراض کئے ہیں، وہ نہایت سخت اعتراض ہیں۔ بلکہ وہ ایسے سخت ہیں کہ ان کا تو ہمیں بھی جواب نہیں آتا اور اگر مولوی ثناء اللہ یا مولوی محمد حسین یا کوئی پادری صاحبوں میں سے ان اعتراضات کا جواب دے سکتے تو ہم ایک سو روپے نقد بطور انعام اس کے حوالہ کریں گے۔ خدا کھلا کر پیش گوئیوں کا یہ حال اس سے تو ہمیں بھی تعجب ہے۔ ایسی پیش گوئیوں پر تو نسخ بھی جاری نہیں ہو سکتا۔ تا یہ خیال کیا جائے کہ وہ منسوخ ہو گئی۔“

(اعجاز احمدی ص ۱۳، خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۰) ”اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ اور ان کی پیش گوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے۔ کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔“

اور (اعجاز احمدی ص ۱۳، ۱۴، خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۱) پر لکھتے ہیں: ”غرض قرآن شریف نے حضرت مسیح کو سچا قرار دیا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی پیش گوئیوں پر یہود کے سخت اعتراض ہیں جو ہم کسی طرح ان کو دفع نہیں کر سکتے۔ صرف قرآن کے سہارے سے ہم نے مان لیا ہے اور سچے دل سے قبول کیا ہے اور بجز اس کے ان کی نبوت پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، عیسائی تو ان کی خدائی کو روتے ہیں۔ مگر یہاں نبوت بھی ان کی ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں اور آج کوئی زمین پر ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکے۔“

ان حوالہ جات سے مفصلہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

۱..... مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیاں نہایت صفائی سے پوری ہو گئیں، ایک بھی جھوٹی نہیں ہوئی۔

۲..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر یہودی فاضل کے واقعی ایسے سخت اعتراض ہیں جن کا جواب نہ مرزا صاحب دے سکتے ہیں، نہ کوئی اور علماء اسلام میں سے نہ کوئی عیسائی۔



۳..... مرزا صاحب ان اٹل اور لا جواب اعتراض کا جواب دینے والے کو سو روپیہ انعام دیں گے۔ ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اپنی پیش گوئیاں کی نسبت آپ نے تھدی کی ہے۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب میری پیش گوئیوں کو جھوٹا ثابت کرے تو خدا کی قسم ہر پیش گوئی پر سو روپیہ انعام دوں گا۔ ملاحظہ ہو (اعجاز احمدی ص ۱۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۷، ۱۱۸)۔ ”اور مولوی ثناء اللہ نے موضع مد میں بحث کے وقت یہ بھی کہا تھا (الی) ثبوت ہمارے ذمہ ہوگا۔“

۴..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں۔

۵..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابطال نبوت پر کئی دلیلیں موجود ہیں۔

۶..... ہم ان کو نبی صرف اس وجہ سے مانتے ہیں کہ قرآن نے نبیوں کے دفتر میں ان کا نام لکھ دیا ہے۔

۷..... ان مقامات محولہ بالا میں بھی مسلمان مخاطب ہیں۔ اگر کسی جگہ عیسائی کا ذکر ہے تو جمعاً ہے اور محض ضمنی طور پر۔

عبارت (اعجاز احمدی ص ۵، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۱) پر جو مرزا صاحب نے اس فاضل یہودی کے اعتراض کو لا جواب قرار دیا ہے۔ یہ وہی اعتراضات ہیں جن کو (اعجاز احمدی ص ۴، خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۰) پر مرزا صاحب نے ذکر کیا ہے۔ یعنی تخت داؤد بہشت کے تختوں یہود اسکر پوٹی اور پطرس وغیرہ کی پیش گوئیاں جس کا مختار مدعا علیہ نے جواب الجحش میں حوالہ دیا اور (اعجاز احمدی ص ۱۳، خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۰) پر انہیں اعتراضات یہود کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے ابطال پر کئی دلائل قائم ہیں۔ اسی طرح (اعجاز احمدی ص ۱۳، ۱۲، خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۱) پر انہی اعتراضات کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر ماتم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی شخص اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتا۔

اس بیان سے یہ امر بخوبی ثابت ہو رہا ہے کہ مرزا صاحب کے عندیہ اور عقیدہ میں فاضل یہودی کی بیان کردہ پیش گوئیاں درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی صورت میں قطعاً اور یقیناً کی تھیں اور صاف اور صریح طور پر جھوٹی نکلیں اور ان کا جواب محال اور ناممکن ہے۔

ازالہ ادہام کی عبارت سے بھی جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ یہ بات صاف ہو گئی تھی کہ مرزا صاحب کا یہ عندیہ اور عقیدہ ہے اور انہی حالات کی بناء پر مرزا صاحب نے کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ابطال پر کئی دلیلیں موجود ہیں اور نبوت کی کوئی دلیل ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مرزا صاحب نے اصولاً اس بات کو مانا ہے کہ ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئیاں باطل ہو جائیں۔ جیسا کہ مختار مدعا علیہ نے بحوالہ (کشتی نوح ص ۵، خزائن ج ۱۹ ص ۵) کہا تھا۔ لہذا ان حالات کی موجودگی میں اجتہادی غلطی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ حسب تصریح مرزا صاحب جب کہ خود مرزا صاحب اور دیگر انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ سید المرسلین علیہم السلام تک جب کہ اجتہادی غلطی کر سکتے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کی اجتہادی غلطی پر مرزا صاحب نے اس قدر طعن و تشنیع کیوں کہ اور فاضل یہودی یا شریعہ یہودی کی ہموائی اختیار کر کے اس کو لا جواب اور لانیخ عقدہ اور دلائل ابطال نبوت عیسیٰ علیہ السلام کیوں قرار دیا۔ حالانکہ کسی اور نبی کی اجتہادی غلطی پر اس قدر سنگین الزام نہیں لگائے۔ بلکہ اس کو انبیاء کے حق میں جائز اور ایک معمولی امر قرار دیا گیا ہے۔

پس اسی اصول سے اس شریعہ فاضل یہودی کو جواب دیا جاسکتا ہے کہ اول تو اسلام اور قرآن کے رو سے تم محرفین اور کذابین کے حوالوں اور کتابوں کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ مرزا صاحب مختار مدعا علیہ کی محولہ عبارت (اعجاز احمدی ص ۲۵، خزائن ج ۱۹ ص ۱۳۴) میں خود لکھتے ہیں: ”جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔“

دوم یہ کہ اگر کوئی بات اس قسم کی بفرس محال والتسلیم ہوگی تو ایسی پیش گوئی ہوگی جو محتمل الوجہ اور قابل تاویل ہوگی یا بدرجہ غایت غلطی اجتہاد لیکن مرزا صاحب کے حوالہ جات سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی عیسوی پیش گوئیوں میں موجود نہیں، نہ اجتہادی غلطی کی گنجائش نہ تاویل کی صورت اور نہ واقعات بیان کردہ یہود میں کذب اور جھوٹ کا شائبہ مرزا صاحب ان واقعات کو سچ اور

صحیح جان کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کو ایسا صاف اور صریح اور قطعی طور پر جھوٹا سمجھتے ہیں کہ ان کی توجیہ نہ مرزا صاحب سے ہو سکتی ہے، نہ روئے زمین پر کسی اور شخص سے اور مرزا صاحب کے عقیدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ابطال پر کئی اذلہ قطعیہ موجود ہیں اور اثبات نبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہذا مرزا صاحب کا بعض مواضع پر نہایت کمزور اسلوب اور دھیمی آواز میں اجتہادی غلطی کہنا محض ابلہ فریبی اور تمسخر اور استہزاء ہے۔ چنانچہ وہ عبارتیں جو مختار مدعا علیہ نے (اعجاز احمدی ص ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵) سے نقل کی ہیں۔ نیز (اعجاز احمدی ص ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵) کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اجتہادی غلطی کا عذر بھی کرتے جاتے ہیں کہ اس سے نبوت میں خلل نہیں آتا اور ساتھ ساتھ نظر اور نبوت پر جرح و قدح بھی کرتے جاتے ہیں اور حوالہ جات سابقہ میں تو ابطال نبوت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا سامان اکھٹا کر دیا ہے۔

قول مختار مدعا علیہ کہ مرزا صاحب کا قرآن کریم کے سہارے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنا، ان کی توہین اور ہتک نہیں ہے۔ اس کو توہین سمجھنا مختار مدعیہ کا انوکھی طرز کا استدلال ہے، وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ مختار مدعیہ کا یہ منشاء نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء سابقین کی نبوت پر ایمان لانے کا قرآن مجید نے ہی ہم کو حکم دیا ہے اور صرف اتنی بات کسی نبی کی توہین کا موجب نہیں ہو سکتی۔ ہاں! البتہ جس مخصوص انداز سے مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو قرآن سے مانا ہے وہ نہ صرف ان کی توہین کا موجب ہے بلکہ قرآن کریم پر بھی ایک کھلا کھلا طعن ہے جس سے ایک مخالف اسلام اور قرآن نہایت آسانی سے حملہ آور ہو سکتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ (اعجاز احمدی ص ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲) دو جگہ پر جہاں مرزا صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ وہ عبارتیں ہم نے اوپر نقل کر دی ہیں۔ ان کو بغور پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی نسبت مرزا صاحب نے وہاں دو متضاد باتیں جمع کر دی ہیں۔

۱..... ابطال نبوت مسیح کے دلائل کا اقرار۔

۲..... قرآن مجید کا نبیوں کے دفتر میں ان کا نام لکھ دینا۔

اس صورت میں مرزا صاحب کو جو مشکل درپیش ہے۔ اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ قرآن کریم کا صاف انکار بھی مشکل جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے باطل ہونے پر دلائل لا جواب بھی موجود۔ بحکم تہرور ویش بجان درویش چارونا چار نبوت عیسوی کا اقرار کر دیا۔ لیکن نبوت کو باطل کرنے والے دلائل کا ذکر و اقرار بھی بالمقابل ساتھ ہی ساتھ کر رہے ہیں۔ بہر حال اس حالت کذائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین، بلکہ انکار نبوت مصرح ہے اور قرار ”اتخذوا ایمانہم جنۃ“ کا مصداق۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بقول مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ابطال و بطلان پر ایک نہ دو، کئی دلیلیں موجود ہیں تو اس حقیقت نفس الامری کے برخلاف قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نبیوں کے دفتر میں کیوں لکھ دیا۔ اس سے تو قرآن مجید کی جرح و تعدیل کا کوئی اعتبار نہ رہا اور امان اٹھ گئی۔ قرآن مجید تو آئینہ حقائق تھا لیکن یہاں سے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ ان لوگوں کو جن کی نبوت کے ابطال اور بطلان پر کئی ایک دلائل فی الواقعہ موجود ہیں۔ ان کو بھی ایک اولی العزم نبی اور برگزیدہ رسول صاحب کتاب قرار دیتا ہے۔ اندریں صورت اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہ رہا اور نہ وہ کتاب اللہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ”معاذ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون“

غالباً اسی خیال سے مرزا صاحب نے (اعجاز احمدی ص ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰) پر اظہار افسوس کیا ہے اور لکھا ہے: ”غرض قرآن شریف نے حضرت مسیح کو سچا قرار دیا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی پیش گوئیوں پر یہود کے سخت اعتراض ہیں۔ کسی طرح ہم ان کو

دفع نہیں کر سکتے۔ صرف قرآن کے سہارے سے ہم نے مان لیا ہے اور سچے دل سے قبول کر لیا ہے اور بجز اس کے ان کی نبوت پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ عیسائی تو ان کی نبوت کو روٹتے ہیں۔ مگر یہاں نبوت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر چھوٹی نکلیں اور آج کون زمین پر ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکے۔“ اور (اعجاز احمدی ص ۱۳، نرائن ج ۱۹ ص ۱۲۰) ”اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیاں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے یہ کہہ دیں ضرور عیسیٰ علیہ السلام نبی ہے۔ کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں اور یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔“

اور اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو یہود کے اعتراض ہیں۔ وہی مرزا صاحب کے اعتراض ہیں اور مرزا صاحب کا عندیہ اور عقیدہ اس امر میں ان کے موافق و مطابق ہے اور اسی خیال سے مرزا صاحب نبوت عیسویہ کے بطلان پر اڈلہ موجود ہونے کے باوجود قرآن مجید کے ان کی نبوت منوانے پر افسوس کر رہے ہیں۔ پس ہمارا پیش کردہ سوال مذکورہ بالا مرزا صاحب کے خیال پر وہ عقدہ ہے جس کی نسبت بقول مرزا صاحب یہ کہنا صحیح ہے کہ آج کون زمین پر ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکے اور غالباً مرزا صاحب کے کلام میں اسی عقدہ کی طرف اشارہ لفظ حضور و قصہ عطر وغیرہ ہے۔ مختار مدعیہ نے دافع البلاء کی عبارت کی بناء پر جو اعتراض مرزا صاحب پر قائم کیا تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔

..... اس کے جواب میں مختار مدعالیہ نے بہت کچھ طویل تحریر لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ عیسائیوں کے مسلمات کی بناء پر کہا ہے، نہ یہ کہ وہ ان کا اپنا عقیدہ تھا۔ یعنی کسی فاحشہ عورت کی ناپاک کمائی کے عطر کو مسیح علیہ السلام کا استعمال کرنا یا اپنے ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھونا یا کسی بے تعلق جوان عورت کا مسیح کی خدمت کرنا، یہ باتیں یہودیوں اور عیسائیوں کے مسلمات سے ہیں، نہ کہ مرزا صاحب کا یہ عندیہ اور عقیدہ ہے اور یہ عیسائیوں کو الزام دینے کی خاطر سے بیان ہوئی ہیں۔ جیسا کہ لفظ ”نہیں سنا گیا“ اور ”بعد میں بنایا گیا“ سے مفہوم ہوتا ہے۔

..... ۲ مختار مدعالیہ کہتے ہیں اسلامی تعلیم میں ان باتوں کا نشان نہیں پایا جاتا۔

..... ۳ مسلمان بھی اس الزام میں ملوث ہیں جو بغیر اکل و شرب ان کو زندہ مانتے ہیں اور بقول مرزا صاحب ان کے مخالف خدا کے مخالف نام کے مسلمان ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ وہ الزام جو مختار مدعیہ نے قائم کیا (کہ مرزا صاحب کا ان قصوں کو اور شراب پینے کو اس امر کا باعث قرار دینا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کا قرآن میں حضور نام نہ رکھا اور حضرت یحییٰ کا نام حضور رکھا ثابت کرتا ہے کہ مرزا صاحب اور خدا کے نزدیک درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ عیب موجود تھے) ان جوابوں سے رفع نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو (بحث مختار مدعیہ و بیان گواہان مدعیہ نمبر ۳، ۲) مختار مدعالیہ نے حضرت مسیح کی شراب نوشی کا جو جواب دیا ہے کہ ان کی شریعت میں حلال تھی وہ بھی سست ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ درحقیقت ان کی شان کی نسبت یہ عیب اور قدح کی چیز تھی جو حضور کی صفت کے منافی تھی۔

مختار مدعالیہ نے مرزا صاحب کو بری ثابت کرنے کے لئے جو یہ کہا تھا کہ یہ واقعات اور قصے محض یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہیں نہ مرزا صاحب کے نزدیک اور اسلامی تعلیم میں ان کا کوئی نشان نہیں۔ اس کی نسبت جواباً گزارش ہے کہ بے شک اسلامی تعلیم میں عصمت انبیاء کا عقیدہ مسلمہ ہے اور ایسے فواحشات سرا سر منافی عصمت۔ لہذا یہ بالکل صحیح ہے کہ اسلامی تعلیم میں ان کا کوئی نشان نہیں۔ یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا یہ عندیہ اور عقیدہ نہیں ہے۔ سرا سر غلط اور جھوٹ ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کی بحث اور گواہان مدعیہ کے بیانات

سے ثابت ہے اور دافع البلاء کی عبارت میں جو تکلف اور غلط تاویل مختار مدعا علیہ نے کی ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں اور نہ جواب مختار مدعیہ۔ اس کے ماسواہ مختار مدعا علیہ نے جو حوالہ (تریاق القلوب ص ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵ ج ۱۵ ص ۴۵۳ حاشیہ در حاشیہ) سے اپنے جوابات کی تائید و تقویت کے لئے پیش کیا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ عیوب و فواحش درحقیقت مسیح علیہ السلام میں موجود تھے اور مرزا صاحب کا یہی عقیدہ ہے اور مختار مدعا علیہ کا یہ قول غلط اور جھوٹ ہے کہ مرزا صاحب کا یہ عقیدہ نہیں۔ محض عیسائی اور یہودیوں کے مسلمات ہیں بلکہ اس میں تو مرزا صاحب نے اور غضب ڈھایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ فواحش و عیوب مسیح علیہ السلام میں خدا تعالیٰ کی تعلیم اور حکم سے تھے۔ ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ کی عبارت محولہ مختار مدعا علیہ ”ہر ایک رسول یا نبی یا محدث یا مامور من اللہ جو دنیا میں آتا ہے (الی آخرہ) اور اسی بناء پر حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا طریق تعلیم عطاء کیا تھا..... الخ!

اس حوالہ میں مرزا صاحب نے صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے بلکہ ہر ایک نبی اور رسول اور مامور من اللہ کے لئے اصولی طور پر یہ سنت قرار دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے فواحش اور فسق و فجور کے ارتکاب کی تعلیم دیتا ہے، جس سے شریر آدمی ان پر الزام لگا سکیں۔ معاذ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون!

مرزا صاحب کا یہ فلسفہ اسلامی فلسفہ اور قرآن کریم کی صاف تکذیب ہے اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ”قل ان اللہ لایامر بالفحشاء اتقولون علی اللہ ما لاتعملون“ نیز فرماتا ہے کہ: ”وینہی عن الفحشاء والمنکر نیز فرماتا ہے کہ: ”قل انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منها وما بطن“ یعنی کہہ دو اللہ بے حیائیوں کا حکم نہیں کرتا۔ کیا تم اللہ پر ان باتوں کا افتراء کرتے ہو جو تم جانتے ہی نہیں۔ یہی باقی آیات کا مفہوم ہے۔ لیکن مرزا صاحب نے ان آیات قرآنیہ کے صریح خلاف اللہ تعالیٰ کو صریح فواحش کی تعلیم دینے والا قرار دیا اور اس کو عادت اللہ قرار دیا اور وہ ان لوگوں کے حق میں جن کو تمام دنیا کے لئے عملی نمونہ قرار دیا جاتا ہے اور پھر یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ جب بقول مرزا صاحب ایسے فواحش کا ارتکاب انبیاء سے سرزد ہو تو ان پر الزام لگانے والے شریر اور خبیث کیونکر ہوئے۔ لیکن اس معرکہ کو بھی ان شاء اللہ ہم حل کر دیں گے۔

اب ہم اپنے بیان مذکورہ بالا کی مزید توضیح اور توثیق اور مرزا صاحب کے اس عقیدہ کفریہ کو الم نشرح کرنے کے لئے اسی کتاب تریاق القلوب کا حوالہ پیش کرتے ہیں جس کو مرزا صاحب نے زیادہ توضیح اور بسط سے بیان کیا اور اس کی امثلہ پیش کی ہیں اور اس فعل شنیع کا فلسفہ اور حکمت بیان کی ہے ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب کا (حاشیہ تریاق القلوب ج ۱۳ ص ۱۲۳ سے شروع ہو کر ص ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱

..... حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے قبضہ میں بے گناہ لوگوں کے مال اللہ تعالیٰ نے دیئے جو نہایت قابل شرم دروغ گوئی سے حاصل کئے گئے تھے اور عہد شکنی سے ہضم کئے گئے۔

۲..... آنحضرت ﷺ پر عیسائیوں کے الزامات۔

۳..... حضرات شیخین رضی اللہ عنہم پر روافض کے الزامات دربارہ عفت و دیانت و امانت و نصب و نفاق۔

۴..... اللہ تعالیٰ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ اپنے خاص مقبولوں اور محبوبوں کو بد بخت شتاب کاروں سے مخفی رکھے اور تاکہ وہ خبیث طبع

انسانوں کا جبٹ ظاہر کرے اور شریروں کا امتحان ہو۔ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب نے سراسر مغالطہ اور دھوکا دہی سے کام لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان امور کے حکم اور اذن کی نسبت کرا نفاذ ہے اور تعلیم اسلامی اور قرآن بلکہ جملہ ادیان کے خلاف۔ رہا خضر کا واقعہ تو اس کا تعلق تکوین سے ہے نہ تشریح اور شرائع سے اس پر انبیاء شرائع کے اعمال کو قیاس کرنا سراسر مغالطہ ہے یا ناواقفی اور جہالت۔ انہوں نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی کہہ دیا تھا انک لن نستطیع معی صبر یعنی میں اور کام پر ہوں تو اور کام پر یعنی تو بوجہ مامور بالشریعت ہونے کے میرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔

آنحضرت ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرات شیخین (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کی مقدس ہستیوں میں ایسے افعال کا تسلیم کرنا، مرزا صاحب کی بڑی بے باکی اور جرأت ہے۔ علماء اسلام اور اہل سنت والجماعت کی طرف سے متعصب اور ضدی مخالفین کو اس کے جوابات کا حقہ دیئے جا چکے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے تو اس جگہ عیسائیوں اور روافض کی فتح کا اقرار کر کے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ کہہ کر دامن چھڑا لیا کہ ایسے افعال شنیعہ کا انبیاء اور اولیاء سے سرزد ہونا بحکم الہی ہوا ہی کرتا ہے۔ گویا اعتراضات مسلم اور جواب وہ جس کو کوئی معقول انسان کچھ وقعت نہ دے سکتا ہو۔ کیونکہ وہ قرآن کریم اور اسلام بلکہ تمام ادیان و شرائع سماویہ کو درہم برہم کرنے والا اور ان کا مخالف اور مذبذب ہے۔

بہر حال مرزا صاحب نے مسیح علیہ السلام کے قصہ کو تسلیم کر لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے فاحشہ عورتوں کی حرام کمائی کے عطر وغیرہ کو استعمال فرماتے تھے اور جوان حسین نامحرم عورتوں کے اعضاء سے اپنے اعضاء ملایا کرتے تھے۔

بیان مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی دروغ گوئی عہد شکنی اور حرام خوری کا مرتکب قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان واقعات کو تسلیم کر لیا ہے اور ان کے نتائج مذکورہ بالا کو خود بیان کیا ہے اور جو جواب ہے وہ سراسر نامعقول اور ہنزلہ صفر کے ہے۔ لہذا مرزا صاحب تو بن عیسیٰ علیہ السلام، تو بن موسیٰ علیہ السلام کے بالخصوص اور آنحضرت ﷺ حضرات شیخین (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ) اور تمام انبیاء اور اولیاء کی توہین کے بالعموم مرتکب ہوئے اور وہ اصول وضع کئے جس سے قرآن کریم اور اسلام کی تکذیب اور تحریب اور تمام ادیان ہتھ کا فضول اور لغو ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اس عظیم الشان کفر کا اندازہ قیاس سے باہر ہے جو کئی کفروں پر مشتمل ہے اور جس سے تظلم شرائع اور الحاد کے تمام دروازے کھل گئے۔

اب ہم حسب وعدہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ آخر مرزا صاحب کو اس عقیدہ ناشدنی اور کفر کی ضرورت پیش آئی جس کو انہوں نے اس صورت میں پیش کیا جس سے تمام کارخانہ شریعت ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسے فواحش اور کبار زکا ارتکاب انبیاء سے ظہور پذیر ہونا سنت اللہ میں داخل مانا جائے تو امتوں کا کیا حال۔

گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملا کار طفلان تمام خواہد شد

تو جواب اس کا یہ ہے کہ مرزا صاحب نے یہ سب کچھ خود غرضی سے کیا اور کہا ہے۔ ورنہ درحقیقت انبیاء ایسے فواجش سے مبرا اور معصوم ہیں۔ مرزا صاحب کی خود غرضی کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا صاحب سے باوجود اذاعہ مسیحیت، مہدیت، صدیقیت، نبوت وغیرہ مقامات عالیہ کے جن سے بڑھ کر کوئی بلندی متصور نہیں۔ چونکہ ایسے امور قطعاً سرزد ہوئے۔ اس لئے مرزا صاحب سے یہ تو نہ ہوسکا کہ وہ ان سے اپنا بری ہونا ثابت کرتے۔ ہاں! یہ اصول وضع کیا کہ تمام انبیاء سے ایسے امور کا باذن الہی سرزد ہونا سنت اللہ میں داخل ہے۔ ایسے امور بہت سے ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کو اس اصول کو اس اصول کی وضع پر مضطر اور مجبور کر دیا۔ لیکن نمونہ و مثلاً ہم صرف دو موٹی باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱..... اول یہ کہ مرزا صاحب نے انبالہ کے ایک شخص سے زنا وغیرہ کی حرام کمائی کا روپیہ منگوا کر استعمال کیا جس کا ثبوت (اشاعت النہ ج ۱۵ نمبر ۲۱) سے اور اس کے جواب سے جو مرزا صاحب نے اپنی کتاب (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۰۰، ۶۰۱، خزائن ج ۵ ص ۱۵۷) میں دیا ہے۔ مفصل اور پر گزر چکا ہے۔ مرزا صاحب نے اس روپیہ کے کھانے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ ایک نیا قانون وضع کر کے اپنے تشریحی نبی ہونے کے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے نافرمان آدمی کا جان و مال خواہ وہ حربی نہ ہو، رسولوں کے لئے مباح ہے۔ اس خطرناک اور مخالف اسلام قانون کی تفصیل بھی کس قدر اور پر گزر چکی ہے۔

۲..... دوسرے یہ کہ مرزا صاحب نے برخلاف واقعہ بیان کیا تھا کہ براہین احمدیہ تین سو جزء یعنی (۲۸۰۰) چار ہزار آٹھ سو صفحہ تک میں نے تالیف کر لی ہے اور تین سو مضبوط عقلی دلائل سے قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی حقیقت ثابت کی گئی ہے اور یہ کتاب مشتمل ہے۔ ایک مقدمہ اور ایک اشتہار اور چار فصل اور ایک خاتمہ پر، لیکن مرزا صاحب کا یہ بیان محض جھوٹ تھا جس سے مسلمانوں کو فریب دے کر روپیہ جمع کرنا منظور تھا اور کتاب صرف تین سو جزء کے بجائے پینتیس (۳۵) یا سینتیس (۳۷) جزء و معہ اشتہار وغیرہ تھی جس میں تین فصل اور خاتمہ بھی ندراد ہے اور بجائے تین سو اڈالہ ہتھیت کے تمہیدات اور الہامات اور پہلی دلیل پر ہی کتاب ختم ہو گئی ہے۔

مختر مد عالیہ نے مولانا رحمت اللہ صاحب کی کتاب ازالہ اوہام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے بھی کسی پادری کے جواب میں اسی قسم کی عبارت لکھی ہے۔ جیسی دافع البلاء کی ہے۔ کسی پادری نے اپنے رسالہ میں اس آیت سے تمسک کر کے حضرت یحییٰ کی فضیلت ثابت کی تھی اور آنحضرت ﷺ پر طعن کیا تھا اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے اس کو عیسائیوں کے ان مسلمات کی بناء پر وہ طعن انہیں پر لوٹا دیا۔ پس اسی طرح مرزا صاحب نے کیا۔ ورنہ نہ مولانا رحمت اللہ صاحب ان مسیحی قصوں کی صداقت کے معتقد، نہ مرزا صاحب۔

جواباً گزارش ہے کہ مختار مد عالیہ کی یہ مماثلت اور عذر سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ الزام فرمایا۔ جیسا کہ ان کی عبارت محمولہ سے ظاہر ہے قرآن مجید سے تمسک اور اشتہاد کر کے اور نہ وہ ان ناپاک قصوں کے معتقد۔ جیسا کہ مختار مد عالیہ کا اقرار ہے۔ نیز وہ عیسائی کا طعن کرنے کے بعد بتقاضائے غیرت اور ضرورت فرما رہے ہیں اور یہاں مرزا صاحب کے اندر یہ تینوں باتیں مفقود ہیں۔ لہذا یہ قیاس مختار مد عالیہ کا سراسر غلط ہے۔

مختار مد عالیہ نے بہت سی عبارتیں مرزا صاحب کو بری ثابت کرنے کے لئے ان کی کتابوں سے نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ:

۱..... مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں۔

۲..... مرزا صاحب نے ان کی کوئی توہین کی نہیں۔

۳..... ان کے حق میں جو طعن مرزا صاحب نے کئے ہیں وہ الزامی ہیں نہ ان کا اپنا عقیدہ۔

۴..... مرزا صاحب نے کسی فرضی یسوع کو گالیاں دی ہیں اور ضرورتاً مناظرین ایسا کیا کرتے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی یہ طریق بعض جگہ پر اختیار فرمایا ہے۔ پہلی تین باتوں کا جواب تو اس کا جواب الجواب بحث مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ خصوصاً گواہ نمبر ۲، ۳ کے بیانات میں کافی ہو چکا ہے۔ اسی طرح نمبر ۴ کا جواب بھی بحوالہ صدر آچکا ہے۔ لیکن اس کی مزید توضیح کے لئے گزارش ہے کہ مرزا صاحب نے اگرچہ کئی مواضع میں یہ عذر بیان کیا ہے۔ لیکن ان کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ محض مسلمانوں کو دھوکا دے کر خاموش کرنے کا سامان ہے۔ ورنہ جو بدزبانی اور طعن و تشنیع (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۹۳، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۸) تیسوع کے نام سے کی گئی اور جن واقعات کو اسباب اور دلائل بدزبانی قرار دیا گیا ہے۔ اکثر وہی واقعات دوسری جگہ پر مسیح اور عیسیٰ وغیرہ ناموں کی طرف منسوب کئے ہیں مثلاً پیش گوئیاں (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۴، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۸) میں بنام یسوع جو پیش گوئیاں ہیں جن کی تذلیل اور توہین کر کے ان کو نادان اسرائیلی شری اور مکار وغیرہ سے یاد کیا ہے وہی یعنی (ازالہ اوہام ص ۶، ۷، خزائن ج ۳ ص ۱۰۶) میں مسیح کے نام بیان ہوئی ہیں اور ان کو اتر قرار دیا ہے اور غلط کہا ہے۔ بلکہ ازالہ میں اور زیادہ ہیں اور اعجاز احمدی میں بھی ان زائد کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اوپر جواب الجبٹ میں مفصل مذکور ہو چکا ہے وہاں فرضی یسوع کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مسیح یا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

معجزات کا ذکر جو یسوع کے نام سے (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۶، ۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱) پر ہے کہ حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ تالاب کی مٹی کا معجزہ تھا نہ یسوع کا۔ یسوع کے ہاتھ میں سوا کرو فریب کچھ نہ تھا۔ یہی مضمون انکار مسیح کے نام سے (ازالہ اوہام ص ۶، ۷، خزائن ج ۳ ص ۱۰۶) میں موجود ہے۔ نیز (حاشیہ ص ۳۲۱، خزائن ج ۳ ص ۲۶۳) میں اس کراماتی تالاب کا ذکر موجود اور اسی (ازالہ اوہام حاشیہ ص ۲۹۵، ۳۲۲، خزائن ج ۳ ص ۲۵۱، ۲۶۳) اٹھائیس صفحہ پر معجزات مسیحی کو عمل التراب مسمریزم لہو و لعب مکر و شعبدہ بازی قرار دیا گیا جس کا عشر عشر بھی ضمیمہ انجام آتھم میں بنام یسوع نہیں ہوا۔

کنجریوں سے میلان صحبت حرام کمائی کا عطر جو (حاشیہ ضمیمہ ص ۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱) بیان ہوا۔ اس سے کہیں زیادہ صاف دافع البلاء کے آخری (ص ۲۲، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۲) اور (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۰۰، خزائن ج ۵ ص ۶۰۰) اور (تزیان القلوب حاشیہ ص ۱۲۴، ۱۲۵، خزائن ج ۱۵ ص ۴۲۲، ۴۲۳) پر ہے۔ بنام مسیح جس کو مرزا صاحب نے محقق اور صحیح مانا ہے۔ پس مرزا صاحب اور مختار مدعا علیہ کا یسوع کو فرضی کہنے کا افسانہ لغو اور فرض ہے اور محض مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ مرزا صاحب نے کسی مناظرانہ ضرورت کے ماتحت یہ بدزبانی کی ہے تو یہ بھی بالکل غلط ہے۔ مختار مدعیہ نے تزیان القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ بدزبانی گورنمنٹ کے مصالحہ ملکی کی غرض سے وقوع میں آئی ہے۔ یہ بے شک مرزا صاحب کے کلام کا مفہوم ہے۔ اسی طرح ہم نے اس جواب میں مرزا صاحب کے ان مطاعن اور فواحش کی علت غائی واضح طور پر بیان کر دی ہے جو مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے ہیں۔ یعنی فاحشہ عورتوں کی حرام کمائی کا استعمال کرنا اور جوان حسین اور نامحرم عورتوں کے اعضاء سے اپنے اعضاء کو ملانا۔ (العیاذ باللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کی توہین استخفاف اور انتہائی بدزبانی کا باعث جو مرزا صاحب سے ضمیمہ انجام آتھم میں سرزد ہوئی یہ ہے کہ مرزا صاحب کی پیش گوئی متعلقہ پادری عبداللہ آتھم جب صاف طور پر جھوٹی نکلی جس پر مرزا صاحب نے بڑے زور و شور سے تحدی کر کے دنیا کو اس کا منظر بنا رکھا تھا اور اس پر بصورت جھوٹی ہونے کے اپنے لئے بڑی بڑی شرطیں اور سزائیں تجویز کی ہوئی تھیں کہ مجھ کو روسیہ کیا جائے گلے میں رسہ ڈالا جائے اور تمام بدکاروں اور لعینوں سے زیادہ بدکار اور لعنتی سمجھا جائے تو اس پر ہر مذہب و ملت کے عوام و خواص نے اور خصوصاً مسلمانوں اور عیسائیوں نے اشتہاروں اخباروں، رسالوں، نظموں وغیرہ سے مرزا صاحب کی بہت کچھ تو واضح کی اور

ملا مت اور تکذیب کی۔ چاروں طرف سے بوچھاڑیں مرزا صاحب پر پڑیں جس پر مرزا صاحب نے مسلمانوں کو عموماً اور عیسائیوں کو خوب کوسا اور سب و شتم کو کمال تک پہنچایا۔ اسی تقریب سے مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بدزبانی کی۔ جو حوالہ جات گواہان و مختاران فریقین میں بحوالہ ضمیمہ انجام وغیرہ پیش ہوئی ہیں۔ انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم جو مرزا صاحب کی کتابیں ہیں۔ ان کا نام ہی ہمارے اس بیان کی تصدیق کر رہا ہے کہ اس بدزبانی کا باعث آتھم صاحب کی پیش گوئی ہے۔

اس کے علاوہ اس کی مزید تصدیق خاص اس حاشیہ میں موجود ہے جس میں یہ بدزبانی کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو شروع (حاشیہ ص ۳) مرزا صاحب لکھتے ہیں: ”ایک مردہ پرست فتح مسیح نام نے فتح پور تحصیل بنالہ ضلع گورداس پور سے پھر اپنی بے حیائی کو دکھلا کر ایک گندہ اور بدزبانی سے بھرا ہوا خط لکھا ہے جس میں وہ پھر اپنی بے شرمی سے کام لے کر یہ ذکر بھی درمیان لاتا ہے کہ آتھم کی نسبت پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔“ اس کے بعد اپنی تحریروں کے حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ بعد ازاں انتقاماً حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کئی صفحات تک سب و شتم کرتے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اور (حاشیہ ص ۸، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۲) پر لکھتے ہیں: ”سوعیسائیوں کی یہ حماقت ہے کہ ایسی (یعنی مسیح علیہ السلام کی) پیش گوئیوں پر تو ایمان لادیں اور آتھم کی پیش گوئی کی نسبت جو صاف اور صریح طور پر پوری ہوگئی، اب تک انہیں شک ہو۔“ اور اسی صفحہ پر لکھتے ہیں: ”یہ مردہ پرست لوگ کیسے جاہل اور خبیث طینت ہیں کہ سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے، فتح مسیح کو یاد رکھا چاہئے کہ آتھم تمام پادریوں کا منہ کالا کر کے قبر میں داخل ہو چکا ہے۔ اب کا لک کا ٹیکا عیسائیوں کی پیشانی سے اتر نہیں سکتا۔“

نوٹ: مسٹر آتھم مرزا صاحب کی میعاد پیش گوئی (جو پندرہ ماہ تھی) تک نہیں مرے تھے۔

ان حوالہ جات اور بیان سابق سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو رہی ہے کہ مرزا صاحب نے جو بدزبانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ضمیمہ انجام آتھم میں کی ہے۔ وہ محض نفسانی جوش اور اپنے ذاتی انتقام لینے کے لئے مرزا صاحب نے کی، نہ کسی اسلامی حمایت کی خاطر اور صحیح نیت سے البتہ مختار مدعا علیہ نے جو اسی صفحہ سے مرزا صاحب کا جو حوالہ پیش کیا جس میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ فتح مسیح نے آنحضرت ﷺ کو بھی گالیاں دی ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ یہ مرزا صاحب کے کہنے سے قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی اغراض نفسانیہ پر پردہ ڈالنے کے لئے اسلام یا آنحضرت ﷺ کے انتقام کا بہانہ کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر عبد اللہ آتھم کی پیش گوئی مذکورہ بالا میں بھی آپ نے وطیرہ اختیار کیا تھا کہ پیش گوئی تو محض اپنے آپ کو معجزاتی ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ لیکن جب وہ جھوٹی ہوگئی تو میعاد گزرنے کے بعد کہہ دیا کہ چونکہ مسٹر آتھم نے اپنی گستاخی سے توبہ کر لی تھی جو درحقیقت پیش گوئی کی بناء تھی۔ اس لئے موت کا عذاب بھی ٹل گیا اور ایک قصہ گھڑ لیا کہ مسٹر آتھم نے آنحضرت ﷺ کی نسبت ایک مکروہ سخت لفظ کا استعمال جو اپنی کسی کتاب میں کیا تھا اور میں نے اس کو عین پیش گوئی کے وقت کہہ دیا تھا کہ تمہاری موت کی پیش گوئی کی بناء پر یہ لفظ ہے تو اس نے اسی مجمع میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر زبان منہ سے نکالی اور کہا کہ میں نے یہ لفظ ہرگز نہیں لکھا ملاحظہ ہو حقیقت الوحی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر پیش گوئی کی بناء وہ خبیث لفظ ہوتا تو مرزا صاحب پندرہ ماہ تک بلکہ بعد میں بھی عرصہ دراز تک یہ کیوں لکھتے رہے کہ: ”جو فریق عدلاً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ تک بمزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔“ اور جب آتھم میعاد مذکور میں نہ مرا، بلکہ تقریباً دو سال بعد میں مرا تو مرزا صاحب کے لئے نہایت سہل بات تھی کہ مرزا صاحب یہ جواب دے کر تمام تکلیفوں اور تکلفات سے مخلصی حاصل کر لیتے کہ پیش گوئی کی بناء فلاں خبیث لفظ تھا جو آتھم نے کہا تھا اور ایام پیش گوئی میں ہی اس نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ لہذا پیش گوئی غلط نہ ہوئی، بلکہ شرط رجوع کے ماتحت سچی نکلی۔ پس یہ باتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ مرزا



صاحب نے یہ افسانہ بطور حیلہ گھڑ لیا تھا۔ پھر اس پر مزید لطف یہ ہے کہ بقول مرزا صاحب آتھم نے اسی وقت یہ صاف کہہ دیا کہ میں نے یہ لفظ آنحضرت ﷺ کی نسبت ہرگز نہیں کہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ مجھ پر افتراء کر رہے ہیں اور لطف پر لطف یہ کہ مرزا صاحب نے اس تکذیب کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہ کر اپنے افتراء اور کذب بیانی کی تصدیق کر دی۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب اپنی اغراض کے لئے عیسائیوں پر افتراء کر دیا کرتے تھے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ گالی دی ہے کہ وہ کیا ہے۔ لہذا مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ فتح مسیح نے آنحضرت ﷺ کو بھی کوئی گالی دی تھی، قابل اعتبار نہیں اور اصل وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو زبان درازی مرزا صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم میں کی محض جوش نفسانی سے کی ہے اور انتقام ذاتی ہی اس سے مقصود و مطلوب ہے۔

معجزات عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب جو مرزا صاحب سے سرزد ہوئی ہے۔ اس کا باعث بھی اغراض ذاتیہ ہیں نہ تائید اسلام جس کا بیان کسی قدر اوپر گزر چکا ہے جس کا ٹھس یہ ہے۔ جب اہل اسلام کی طرف سے مرزا صاحب سے مطالبہ کیا گیا کہ تم جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو مسیح علیہ السلام کے سے معجزات تو دکھلاؤ جس کے جواب میں مرزا صاحب نے وہ جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح سے کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ ملاحظہ ہو (ازالہ اوہام ص ۶، ۷، حاشیہ ص ۲۹۵ تا ۳۲۲، خزائن ج ۳ ص ۲۳۱ تا ۲۶۳) اور مسیح کے پاس صرف عمل التراب مسمریزم شعبہ بازی اور مکرو فریب وغیرہ ہی تھا۔

مرزا صاحب نے انکار معجزات مسیح علیہ السلام کا اور ان کی تحقیر اور استہزاء کا ایک یہ بھی جواب دیا ہے جس کو ہم (حماۃ البشری ص ۷۷، خزائن ج ۷ ص ۲۹۳) سے سامنے لاتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں: ”ومن اعتراضاتہم انہم قالوا ان هذا الرجل يحققر معجزات المسيح ويستہزاء بها ويقول انها ليست بشئ، والواردات لا رى مثلها بل اكبر منها ولكنى اكره ولا اتوجه اليها كما الشايقين اما لجواب فاعلم يا اخى ان المعجزة ليس من فعل العباد بل من افعال الله تعالى فما كان لرجل ان يقول انى افعل كذا وكذا باختيارى وارادتى وما يفعل انسان باختياره وارادته وتدبيره فهو فعل من افعال الانسان ولا نسمة معجزة بل هو مكيدة وسحر فافهم يا اخى زادك الله رشداً“

یعنی ان مسلمانوں کے اعتراضوں میں سے مجھ پر ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ کہتے ہیں یہ شخص معجزات مسیح علیہ السلام کی تحقیر کرتا ہے اور ان سے استہزاء کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس طرح کے بلکہ اس سے بڑے بڑے معجزات بھی دکھا سکتا ہوں۔ لیکن میں انہیں ناپسند کرتا ہوں اور شایقین کی طرح ان کی طرف توجہ نہیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ انسانی فعل کا نام نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ پس کسی آدمی کا حق نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اپنے اختیار اور ارادہ سے ایسا ایسا کر سکتا ہوں (یعنی معجزہ دکھا سکتا ہوں) اور جس چیز کو انسان اپنے اختیار و ارادہ اور تدبیر سے کرے وہ انسانی فعل ہوگا۔ اس کا نام ہم معجزہ نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ وہ مکریا جادو ہے۔ اے بھائی اس بات کو سمجھ لو خدا تجھ کو زیادہ ہدایت دیوے۔

ماحصل اس کا یہ ہوا کہ جو امور خارقہ مسیح سے سرزد ہوئے ہیں جن کو معجزات کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے اور میں نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان سے بڑھ کر دکھا سکتا ہوں۔ لیکن میں انہیں مکروہ جانتا ہوں۔ وہ بسبب اس کے کہ انسانی تدبیروں اور حیلوں کا نتیجہ ہیں درحقیقت معجزات نہیں، بلکہ مکروہ اور جادو ہیں۔ معجزات تو خدا کا فعل ہوتے ہیں نہ انسان کا اس نکتہ کو خوب سمجھ لو خدا تمہیں زیادہ ہدایت دے۔

ہمارے اس بیان کی مزید تائید اور تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو (ازالہ اوہام ص ۶، ۷، خزائن ج ۳ ص ۱۰۶، حاشیہ ص ۳۲۱، ۳۲۲، خزائن ج ۳

ص ۲۶۳ و ۳۰۹، خزائن ج ۳ ص ۲۵۷ و ضمیمہ انجام آہتم ص ۶، ۷، حاشیہ، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱) اور جو بیان مذکورہ بالا کو ان حوالہ جات سے ملا کر یکجا کی نظر سے دیکھا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کہیں مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں معجزہ کا ہونا تسلیم کیا ہے وہ صرف بمعنی عجوبہ ہے جو انسانی تدبیروں اور حیلہ گری سے پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی عمل التراب مسمریزم یا تالاب کی مٹی کی تا ثیر سے وہ درحقیقت معجزہ نہیں تھا، بلکہ شعبہ بازی مکر اور قابل نفرت امر تھا اور حمامۃ البشریٰ کی عبارت محولہ بالا کی تعریف کے رو سے وہ مکر اور جادو تھا۔

ان توضیحات اور تصریحات کے بعد اب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بڑے شرمندہ کے ساتھ وہ معجزات مسیح علیہ السلام کو بیان کرتا ہے کہیں کہتا ہے: ”واتینا عیسیٰ ابن مریم البینت وایدناہ بروح القدس (البقرة: ۸۷)“ کہیں ارشاد ہوتا ہے اور اس وقت ارشاد ہوتا ہے جب کہ آپ کا وجود بھی دنیا میں نہیں تھا بلکہ آپ کی والدہ صدیقہ کو بطور بشارت کہا جاتا۔ ”اذ قالت الملائكة ان الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى ابن مريم وجيها في الدنيا والاخرة ومن المقربين ويكلم الناس في المهد وكهلا ومن الصالحين قالت رب انى يكون لى ولد ولم يمسنى بشر قال كذلك الله يخلق ما يشاء اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون ويعلمه الكتاب والحكمة والتورته والانجيل ورسولا الى بنى اسرآئيل انى قد جئتكم باية من ربكم انى اخلق لكم من الطين كهيئة الطير فانفخ فيه فيكون طيراً باذن الله وابرى الاكمه والابرس واحى الموتى باذن الله وانبثكم بما تاكلون وما تدخرون فى بيوتكم ان فى ذلك لاية لكم ان كنتم مؤمنين (آل عمران: ۳۵ تا ۴۹)“

پھر ملاحظہ ہو کہ آدھین و آخرین کے روبرو قیامت کے دن بھی کس شاندار صفائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان معجزات کا ذکر فرماتا ہے: ”یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب اذ قال الله یعیسیٰ ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المهد وکھلا واذ علمتک الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل واذ تخلق من الطین كهيئة الطیر باذنى فتنفخ فیها فتكون طیرا باذنى وتبرى الاكمه ولابرس باذنى واذ تخرج الموتى باذنى واذ کففت بنى اسرآئیل عنک اذ جنتهم بالبینات فقال الذین کفروا منهم ان هذا الا سحر مبین (المائدة: ۱۰۹، ۱۱۰)“

اب ایک طرف مرزا صاحب کا عقیدہ جو اوپر مذکور ہوا، سامنے رکھ لیا جائے اور ایک طرف قرآن کریم کو پیش نظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نے معجزات مسیح کا انکار تحقیر اور استہزاء کر کے اور ان کو سحر قرار دے کر ان کفار یہود کے زمرہ میں اپنے آپ کو داخل کر لیا ہے جن کا ذکر اس آخری آیت مانہ میں ہے کہ (اے مسیح) جب تو ان کے پاس معجزات لے کر گیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ صاف جادو ہے۔

مخبر مدعا علیہ نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات پر کہ کسی قوم کے غلط خیالات کی بناء پر کسی فرضی آدمی کو برا بھلا کہنا جائز ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے یسوع فرضی سے سلوک کیا ہے۔ دودلیلیں قرآن کریم سے پیش کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسا یہ کیا ہے۔ لیکن مختار مذکور کی یہ ہر اسر غلط فہمی ہے یا اس نے عمداً مغالطہ کیا ہے۔ فرضی انسان پر طعن کرنے کی صورت تو یہ ہے کہ کسی قوم کے غلط خیالات کی بناء جو کسی انسان کی نسبت وہ رکھتے ہوں۔ ایک انسان کو ان سے متصف قرار دے کر جس کا وجود حقیقت میں نہیں ہے۔ پھر اس پر طعن کیا جائے۔ مثلاً عیسائیوں کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت الوہیت کا ہے۔ پس اگر کوئی شخص ان سے خطاب کرتا ہوا کہے کہ تمہارا مسیح چنیں چناں ہے اور دل میں اس باطل دعویٰ الوہیت کا مدعی کا ارادہ کرے اور شرط وغیرہ کا ذکر نہ کرے تو یہ ہوگا فرضی انسان پر طعن اور اگر وہ

اس شرط مفروضہ کو ذکر کر کے طعن کرے گو وہ نفس الامر میں محال ہو تو یہ اور صورت ہے۔ غرض کسی حکم کو شرط کے ساتھ مشروط کر کے ذکر کرنا اور چیز ہے اور بغیر شرط کے ذکر کرنا اور چیز ہے۔ پہلی کو یعنی ایک امر معدوم کو فرضی طور پر بطور شرط ذکر کر کے حکم لگانا تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس سے نہ ہمیں انکار نہ مختار مذکور کو فائدہ اور دوسری صورت کا ذکر قرآن میں نہیں نہ مختار نے اس کی مثال پیش کی ہے۔ پہلی آیت جو مختار نے پیش کی ہے اس میں صاف شرط موجود ہے۔ ”ومن یقل منهم (الآیۃ)“ یعنی جو دعویٰ الوہیت ان میں سے کرے گا اس کو سرائے جہنم ملے گی۔ یہ بالکل صاف بات ہے اور اس کی مثالیں قرآن میں بکثرت بلکہ عام محاورات میں آتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین (الزمر: ۶۵)“ یعنی اے محمد ﷺ تیری طرف اور تجھ سے پہلے لوگوں کی طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ اگر شرک کرو گے تو تمہارے عمل باطل ہو جائیں گے اور خاسرین سے ہو جاؤ گے۔ اب ظاہر ہے کہ اس میں کسی قوم کے خیالات کا لحاظ نہیں کیا اور نہ کسی مسلمان کا خیال ہے کہ آپ سے شرک سرزد ہوا، لیکن ایک محال کو بطور شرط ذکر کر کے حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح مختار مدعا علیہ کی پیش کردہ آیت۔ مختار صاحب کو لازم تھا کہ مرزا صاحب کے دستور العمل کی طرح بغیر ذکر شرط کے کوئی آیت پیش کرتے جو قطعاً ناممکن ہے۔ پس اس آیت کے ذکر میں انہوں نے دھوکا کھایا ہے یا دھوکا دیا ہے۔

دوسری آیت میں یہی غلطی مختار مدعا علیہ نے کی ہے۔ اس میں بھی شرط کا صریح ذکر ہے۔ ”ان اراد ان یہلک المسیح“ یعنی اگر مسیح کو ہلاک کرنا چاہے یعنی مارنا چاہے۔ لہذا یہ آیت مختار مذکور کے مدعی کے مطابق نہیں ہے۔ علاوہ برآں اس آیت کا ترجمہ بھی اس نے غلط کیا ہے اور اس میں اپنی طرف سے زیادتی کی ہے۔ ”یہلک“ کے معنی میں لکھا ہے: ”عذاب دے کر استیصال کرے۔“ عذاب دے کر کسی لفظ کا ترجمہ نہیں اور ہلاک کرنے سے مراد موت دینا ہے۔ جیسے دوسری جگہ یوسف علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”حتسی اذا ہلک (مؤمن: ۳۳)“ یعنی جس وقت وہ فوت ہوئے اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ عذاب دیئے گئے اور ان کا استیصال ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”ان امرء ہلک (نساء: ۱۷۶)“ یعنی اگر کوئی آدم مرے تو اس کا ورثہ کا یہ حکم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”قل ارایتم ان اہلکنی اللہ ومن معی او رحمننا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم (ملک: ۲۸)“ اے محمد ﷺ ان کافروں سے کہو بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو ماردیوے یا رجم کرے تو کافروں کو عذاب الیم سے کون بچائے گا۔ مختار مدعا علیہ کے معنی کے مطابق تو یہ مطلب ہوگا کہ مجھے اور صحابہ کرام کو عذاب کر کے استیصال کر دیوے۔ (معاذ اللہ) کیا آنحضرت ﷺ کی نسبت بھی صحابہ کرام کو عذاب الوہیت کا اعتقاد رکھتے تھے، جیسے عیسائی بہ نسبت عیسیٰ علیہ السلام کے۔

الغرض مختار مدعا علیہ نے جو کچھ قرآن کی طرف منسوب کیا ہے وہ سراسر مغالطہ ہے۔ علاوہ برآں جب کہ ہم نے دلائل واضحہ اور حوالہ جات صریحہ سے فرضی یسوع کے افسانہ کو یہی باطل کر دیا ہے اور مختار مدعا علیہ اور مرزا صاحب کے عذرات باطلہ کا بھکی استیصال کر دیا ہے تو بالفرض اگر ان آیات سے یہ ثابت بھی ہو جاتا تو مدعا علیہ کو کچھ بھی مفید نہ ہوتا اور نہ ہمیں مضر۔ مختار مدعا علیہ نے ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کی بحث میں لکھا ہے کہ ایسی باتیں جو کسی کے منشاء اور تصریحات کے خلاف استنباط کر کے کسی کے کلام سے نکالی جائیں۔ وہ لازم مذہب ہوتی ہیں نہ کہ مذہب ان کی بناء پر تکلیف نہ کرے اور مختار مدعیہ نے امانت اور دیانت کے خلاف مرزا صاحب کے کلام سے غلط استنباط کر کے الزامات کے قائم کئے ہیں۔ پھر اس کی پانچ نظیریں پیش کی ہیں لیکن ان پانچوں نظائر میں امور ضروریہ کی نسبت ہم ثابت کر چکے ہیں کہ مختار مدعیہ کے استنباط بالکل صحیح اور درست ہیں اور بڑی صفائی سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کا عقیدہ اکثر الزامات کے مطابق ہے اور بعض میں لزوم بین ہے اور ان کے متعلق مرزا صاحب کے اور مختار مدعا علیہ کے عذر بالکل ناکافی اور محض حیلہ جوئی پر مبنی ہیں۔ مختار مدعیہ کی

بحث اور اس جواب الجث میں غور کرنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے۔ گواہ مدعیہ نمبر اکا جواب جرح کہ ملزم کی دیگر تصانیف کو بھی دیکھ کر اس کا عندیہ معلوم کرنا چاہئے جو مختار مدعا علیہ نے حوالہ میں پیش کیا ہے وہ بھی کسی طرح ہمیں مضرت نہیں۔ کیونکہ ہم نے تو کئی کئی کتابوں سے حوالہ باہم موافق پیش کر کے الزام قائم کئے ہیں اور بالخصوص اس مسئلہ متنازعہ تو بن عیسیٰ علیہ السلام میں تو مرزا صاحب کی تصریحات کا کافی ذخیرہ پیش کیا گیا ہے۔

مختار مدعا علیہ نے گزشتہ بزرگوں سے دو حوالے اس مضمون کے پیش کئے ہیں کہ صرف استنباط لازم مذہب نہیں ہوتا اور اس کی بناء پر کسی کی تکفیر جائز نہیں۔ ایک ابن حزم کی (کتاب الفصل ج ۳ ص ۲۵۰) اور دوسرا عبدالوہاب شمرانی کی (کتاب یواقیت والحوارج ص ۲ ص ۱۲۸) کا۔ اسی طرح گواہان مدعیہ کے حوالے پیش کئے ہیں۔ لیکن یہ حوالے کسی طرح اس کو مفید نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مرزا صاحب کی تکفیر اس قسم کے لزوم اور غلط استنباط پر ہرگز مبنی نہیں، بلکہ عموماً ان کی تصریحات پر ہے اور جہاں لزوم پر بناء ہے، وہاں لزوم غیر صریح نہیں ہے بلکہ بالکل تین اور بدیہی ہے جس پر مرزا صاحب کو علماء اسلام نے بار بار تنبیہ کی اور لزوم کفر کو اظہار من الشمس کر کے تمام حجت کو احسن اور اکمل طور پر پورا کر دیا۔ لیکن مرزا صاحب نے محض ہٹ و عناد سے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ اس پر بڑی سختی کے ساتھ اصرار کیا۔ مرزا صاحب پر جو اتمام حجت کیا گیا ہے وہ کسی طرح اس اتمام حجت سے کم نہیں جو کفار اور مشرکین پر کیا گیا۔ اگر فرق ہے تو یہ کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے ہم عصر کفار کو معجزات نبوت دیکھنے کا موقعہ حاصل تھا وہ یہاں پر موجود نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل یہاں پر یہ رکھ دیا کہ مسلمانوں کے مقابل پر مرزا صاحب نے جو مباہلے وغیرہ کئے، اس میں ان کو ناکام ثابت کر کے معجزات کی مانند اپنی فعلی شہادت دے دی اور مرزا صاحب کو ان کی قطعی اور حتمی پیش گوئیوں میں ناکام رکھ کر ان کے کذب پر اپنی فعلی شہادت عیاں اور واضح کر دی۔ پس اس حالت میں نہ ابن حزم کا قول تکفیر مرزا صاحب کے خلاف ہے نہ یواقیت کا حوالہ نہ کسی اور کا۔

علاوہ برآں ابن حزم اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی ایسی بات کا خلاف کرے جو اس کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔ یہ کہ بات خدا نے کہی ہے یا اس سے رسول نے کہی ہے خواہ وہ آنحضرت ﷺ سے اجماع تو اترا کی نقل یا خبر واحد کی نقل سے ثابت ہوئی تو پھر وہ شخص اس کے خلاف عقیدہ یا بد مذہبی وغیرہ اختیار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ ”فوجب ان لا یکفر الا بقول قالہ الا ان ینحاف (الی) تکفیر مخالفته“

اسی طرح مختار مدعا علیہ کے حوالے سے پہلے لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے سواء کسی اور نبی کا قائل ہو وہ کافر ہے جس کے کفر میں دو آدمی بھی آپس میں مخالف نہیں ہوئے۔ (ج ۳ ص ۲۳۹) اور ان کے بعد محمد ﷺ (الی) بکل هذا علی کل احد) اور اسی صفحہ میں اس سے ما قبل لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جہالت یا تاویل سے کفر یہ قول کہے۔ پھر اس پر اتمام حجت کر دیا جائے اور وہ عناد سے نہ مانے تو وہ کافر ہے۔ اس پر احکام مرتد جاری ہوں گے اسی طرح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ”ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین“ اور آنحضرت ﷺ کا قول ”لانیسی بعدی“ سن لینے کے بعد بھی کوئی مسلمان کس طرح آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو نبی ثابت کر سکتا ہے۔ سوائے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے جن کو آخری زمانہ میں نازل ہونے کی احادیث صحیح مسندہ میں خبر دی ہے۔ ”هذا ما سماعہم قول اللہ تعالیٰ ولكن الرسول اللہ وخاتم النبیین (الی) فی نزول عیسیٰ ابن مریم فی آخر الزمان“

گواہان مدعیہ نے اپنے بیانوں میں ابن حزم کے حوالے پیش کئے جن کی بناء پر تکفیر مرزا صاحب قادیانی لازمی ہے اور اس سے حوالہ مختار مدعا علیہ کی حقیقت بھی ظاہر ہو گئی کہ اس سے مراد وہ لزوم ہے جس کا قائل کلمہ کفر کو علم نہ ہو۔ اگر علم ہو یا اس پر اتمام حجت ہو جائے تو

ایسا شخص ابن حزم کے نزدیک صاف کافر ہے جس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے۔

مختار مدعا علیہ نے یواقیت سے جو حوالہ پیش کیا ہے، اس میں سخت مغالطہ اور خیانت سے کام لیا ہے۔ آدھی بات کو نقل کر دیا اور بقیہ کو جو اس کے مدعا اور نفاذ کو باطل کرتی تھی چھوڑ دیا ہے اور ”لا تقربوا الصلوٰۃ“ کی مثال کو اپنے آپ پر منطبق کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ: ”قال الکمال (والصحيح ان لازم المذهب ليس بمذهب وانہ لا یکفر بمجرد الزوم) لان اللزوم وغير الالتزام وقد وقع فی المواقف ما يقتضى تقييده بما اذا لم يعلم ذو المذهب اللزوم وبان اللزوم کفر فانه قال من يلزمه الکفر ولا يعلم به ليس بكافر انتهى ومفهومه ان علمه کفر لا لتزامه اياه والله اعلم انتهى“

مختار صاحب نے صرف اتنی عبارت نقل کر دی جو بین القوسین ہے اور بقیہ کو ترک کر دیا۔ کیونکہ ان کے مطلب کے مخالف اور ہماری مؤید تھی اور اس سے یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ لزوم سے کفر نہ ہونے کا اور لازم مذہب کے مذہب نہ ہونے کا مطلب وہ نہیں ہے جس سے مختار صاحب کی غرض پوری ہو سکے۔ بلکہ مطلب یہ ہے اس لزوم سے کفر نہیں ہوتا جس لزوم کا اس صاحب قول و مذہب کو علم نہ ہو اور نہ اس لزوم کے کفر ہونے کا علم ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو جان لینے کے بعد وہ لزوم نہیں رہ جاتا، بلکہ التزام ہو جاتا ہے، جو بالافتقار کفر ہے۔

مختار مدعا علیہ نے کمال کی، بقیہ عبارت چھوڑ دی جو اس نے علم عقائد کی مشہور کتاب موافق کی پیش کی تھی جس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ لزوم مجرد کفر نہ ہونا اسی وقت تک ہے، جب تک صاحب مذہب بے خبر ہو، لزوم کا علم ہو جانے کے بعد وہ التزام اور کفر بن جاتا ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب پر جو الزامات قائم کئے گئے، وہ اسی قسم کے ہیں یا تو ان میں لزوم بین اور بدیہی ہے جس کا عدم علم قابل تسلیم نہیں یا اتمام حجت ہو کر مفید علم ہو کر التزام اور کفر ہو گئے ہیں اور اکثر وہ کفر تصریحات پر مبنی ہیں۔ لہذا مرزا صاحب بلاشک کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان پر مرتدین کے احکام نافذ ہوں گے و بس جو اجراء احکام ارتداد کو مانع نہیں ہو سکتا۔

یواقیت والجوہر میں سے کمال کے قول میں سے مؤقف کی جس عبارت کو مختار مدعا علیہ نے بطور خیانت چھوڑ دیا تھا۔ وہی عبارت نبراس کے تعلیقات یعنی حواشی میں موجود ہے۔ نبراس میں ہے۔ ”البحث الاول انه تقرر فی الشرع ان التزام الکفر کفر لالزومه“، یعنی التزام کفر کفر ہے نہ کہ لزوم۔

اس پر حاشیہ نمبر امیں ہے: ”کما صرح فی المواقف حیث قال من يلزمه الکفر ولا يعلم به فليس بكافر“ اس کا مطلب حوالہ یواقیت میں گزر چکا ہے۔

نبراس میں اس بحث کا جواب دو طرح دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: ”اجیب بوجهین احدهما ان النصارى التزامه بعد ما ظہر بهم لزومه“، یعنی نصاریٰ کے لزوم کفر کی جو بحث تھی کہ لزوم کفر تو عند الشرع کفر نہیں ہوتا۔ پھر وہ کافر کیونکر ہو گئے۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ ایک تو یہ کہ لزوم کفر کے ظہور ہو جانے کے بعد نصاریٰ نے اس کا التزام کر لیا ہے۔ اس پر تعلیقات کے نمبر میں ہے ”ولزوم الشئ مع العلم به التزام والتزام الکفر مع العلم بالکفر کفر“، یعنی جب لزوم کا علم ہو جائے تو وہ التزام ہو جاتا ہے اور التزام کفر مع العلم کفر ہے۔

نبراس کا دوسرا جواب: ”وثانيها ان اللزوم البدیہی فی حکم الالتزام“، یعنی ایسا لزوم جو بالکل صاف اور بدیہی ہو التزام کے حکم میں داخل ہے۔

پس ان حوالہ جات علم کلام سے جو ہم نے پیش کئے ہیں اور مختار مدعا علیہ نے پیش کئے ہیں یہ ثابت ہو گیا کہ وہ لزوم کفر تو کفر نہیں ہوتا جس کا پتہ صاحب مذہب کو نہ ہو۔ اگر اس کو علم ہو یا اس پر لزوم کفر کو ظاہر کر دیا جائے اور وہ ہٹ دھرمی اور عناد سے قبول نہ کرے یا لزوم

ہی بالکل صاف واضح اور بدیہی ہو تو ان صورتوں میں لزوم نہ رہے گا۔ بلکہ التزام ہو جائے گا اور التزام کفر بالاتفاق کفر ہوتا ہے۔ پس مرزا صاحب بناء بر بیانات گواہان مدعیہ بحث و مختار مدعیہ اور اس جواب الجٹ کے کفر کا التزام کرنے والے تھے۔ لہذا وہ بالاتفاق کافر ہیں۔ ان پر اور ان کے تبعین پر ارتداد کے احکام جاری ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

گواہان و مختار مدعیہ نے مرزا صاحب کے متعلق خود مرزا صاحب کے حوالہ جات ازالہ، اعجاز احمدی سے یہ ثابت کیا تھا کہ مرزا صاحب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غمی و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معمولی انسان جوش میں آ کر غلطی کھانے والا کہا ہے۔ اس کے جواب میں مختار مدعا علیہ نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱..... مرزا صاحب نے سرالخلافتہ میں صحابہ کی تعریف کی ہے۔

۲..... یہ الفاظ توہین کی نیت سے نہیں کہے۔

۳..... غمی کا معنی نہ سمجھنے والا ہے۔ نور الانوار و اصول شاشی، فتاویٰ رشیدیہ، تفسیر مظہری کے حوالہ جات سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مجتہد صحابہ میں نہیں تھے۔

۴..... مرزا صاحب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معمولی انسان، نبیوں کے مقابلہ میں کہا ہے۔

۵..... حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں سخت الفاظ استعمال کئے۔

الجواب: میں ہر ایک نمبر کا جواب ترتیب بالا کے مطابق عرض کرتا ہوں۔

۱..... مختار مدعا علیہ نے ان توہینی الفاظ کو بحق صحابہ استعمال کرنا تسلیم کر لیا۔ مگر اس کو تعریفی کلمات کی وجہ سے دفع کرنا چاہا جو دو وجہ سے غلط ہے۔

(وجہ اول) گویا مرزا صاحب نے حضرات صحابہ کی توہین اور تعریف دونوں کا ارتکاب کیا ہے جو ہمارے قائم کردہ التزام کے خلاف نہیں۔ کیونکہ نفسی توہین ثابت ہوگئی جو ہمارا مدعا تھا۔ باقی رہا یہ کہ مرزا صاحب نے کہیں صحابہ کی تعریف بھی کی ہے۔ اولاً نہ ہمیں اس سے کوئی انکار ہے اور نہ یہ ہمارے مدعا کے خلاف ہے۔ ثانیاً صحابہ جیسی واجب الاحترام جماعت کی شان میں گستاخی اور توہین کرنا پھر ان کی مدح سرائی بھی کرنا۔ ایک پکے مسلمان کی شان سے ایسا ہی بعید ہے۔ جیسا محض تحقیر و توہین کرنا۔ مثلاً ایک بیٹا اپنے باپ کی تعریف میں ہزاروں جملے اور سینکڑوں قصیدے بھی کہتا ہے۔ مگر ساتھ کبھی کبھی والد کے سامنے گستاخی بھی کرتا ہے اور قبیح کلمات بھی بولتا ہے تو کیا وہ بیٹا حقوق والد کی زد میں نہیں آئے گا یا "لا نقل لهما ف" کا وعید اس کو شامل نہیں ہوگا۔ یقیناً ہوگا۔ علی ہذا مرزا صاحب باوجود صحابہ کی تعریف کرنے کے بھی ان توہینی کلمات کی وجہ سے توہین صحابہ کے مرتکب ہیں۔

(وجہ ثانی) توہین صحابہ اور تعریف صحابہ جمع کرنا گویا کہ حق کے ساتھ باطل کو ملانا ہے جس کو مرزا صاحب دجال کی علامت بتلاتے ہیں۔ چنانچہ (تلخ رسالت ج ۳ ص ۲۰۰، مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۳۱) میں لکھتے ہیں کہ: "دجال کے لئے ضروری ہے کہ کسی نبی برحق کا تابع ہو کر پھر حق کے ساتھ باطل کو ملاوے۔"

۲..... مختار مدعا علیہ نے تسلیم کر لیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غمی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معمولی انسان کہنا اگرچہ توہینی الفاظ ہیں۔ مگر مرزا صاحب نے توہین کی نیت سے نہیں کہے۔ باقی رہا یہ امر یہ کہ مرزا صاحب نے یہ کلمات کس نیت سے کہے۔ اس پر مرزا صاحب کی تصریح کی ضرورت تھی جو مختار مدعا علیہ نے پیش نہیں کی۔ مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کی نیت جو امر مخفی اور اسرار قلب سے ہے کامین نہیں

ہوسکتا۔ خصوصاً احکام شریعت کی مدار ظاہر پر ہے۔ نیز یہ الفاظ مقام مدح میں استعمال نہیں کئے۔ بلکہ ان حضرات کے اقوال اور آراء کی تردید میں استعمال کئے ہیں جو توہین و تحقیر کا زبردست قرینہ ہے۔

۳..... ایک ایسا جلیل القدر صحابی جس کی مرویات تمام صحابہ سے زیادہ ہوں۔ اس کو بات کا نہ سمجھنے والا کہنا کس قدر گستاخی اور جرأت ہے۔ بہر حال غبی توہین کا لفظ ہے جو مقام مدح میں کبھی استعمال نہیں ہوتا۔ تمام اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے۔ کسی مقتداء مہتداء کے متعلق اس لفظ کی استعمال نہیں ملے گی۔ کیونکہ غباوت کے مقابلہ میں فطانت ہے جس کے معنی زیر کی کے ہیں جو مقام مدح میں ہے کتب لغت عربی کے حوالہ جات پیش کرتا ہوں۔ (شہابی الاربع ج ۳ ص ۲۹۷) میں ہے۔ ”غبی کم فہم الغروق“ (ص ۲۲۷) میں ہے۔ ”الغبی، الجاهل“ (مصباح ص ۴۴) میں ہے۔ ”غبی عن الخبر ای جہلہ“

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ غبی کا معنی کم فہم اور جاہل ہے۔ پس ایک جلیل القدر صحابی کو کم فہم اور جاہل کہنا کس قدر توہین اور گستاخی ہے۔

کیا مختار مدعا علیہ اس لفظ کا استعمال خلیفہ اول اور ثانی کے لئے جائز سمجھتا ہے۔ جب وہ مرزا صاحب کے صحابہ کے حق میں اس لفظ کے استعمال کو ناجائز اور موجب توہین سمجھتا ہے تو پھر حضور ﷺ کے صحابہ کے حق میں یہ لفظ کیوں توہین نہیں ہوگا۔ مختار مدعا علیہ نے محض طول دینے کے لئے نہایت بے محل نور الانوار اور اصول شاشی و فتاویٰ رشیدیہ و تفسیر مظہری کے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ حالانکہ ان حوالہ جات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق غبی کا لفظ قطعاً استعمال نہیں ہوا اور نہ اس کا کوئی ادنیٰ شائبہ ملتا ہے۔ ان حوالہ جات میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مجتہد نہیں تھے۔ اصول شاشی کے الفاظ ہیں: ”المقسم الشانی من الرواۃ هم المعروفون بالحفظ والعدالة دون الاجتهاد والفتویٰ کابی ہریرۃ وانس بن مالک“ (اصول شاشی ص ۸۲) علیٰ ہذا! فتاویٰ رشیدیہ و تفسیر مظہری کے حوالہ جات کا بھی منشاء یہی ہے۔ نور الانوار کی دون الفقہ کا معنی بھی دون الاجتہاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کا مہتمد فی الاجتہاد نہ ہونا ان کی کوئی توہین نہیں، مجتہد ہونا یا نہ ہونا متنازعہ فیہ نہیں۔ بحث لفظ غبی کے متعلق ہے جس کے معنی کم فہم اور جاہل کے ہیں۔ مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ حوالہ جات میں غبی کا لفظ قطعاً نہیں۔ سو یہ الزام بھی لا جواب رہا۔ میں عدالت کی توجہ مختار مدعا علیہ کے طریق استدلال کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس نے بے محل حوالہ جات کو پیش کرنے کے بعد دکھا ہے: ”یہ سب لوگ کافر اور مرتد تھے اور اپنے ان اقوال سے صحابہ کی توہین کے مرتکب ہوئے تھے یا نہیں۔“

۴..... بے شک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اور رسول نہیں۔ کیا جو شخص رسول اور نبی نہ ہو، اس کی توہین توہین نہیں کہلاتی اور کیا اس کو معمولی انسان کہہ کہ اپنی رائے کے مقابل اس کی رائے کو خطا و ارادہ جوش نفسانی کا اثر کہہ کر ٹھکرانا، حضرات صحابہ کے جلالت شان اور علو مرتبت کے منافی نہیں۔ مختار مدعا علیہ کے خلیفہ اول اور ثانی جو اس کے نزدیک بھی نبی نہیں۔ کیا ان کو معمولی انسان جوش نفسانی میں آکر خطا وار کہنا، اس کے نزدیک ان کی توہین ہے یا نہ۔ نیز ازالہ اوہام کی جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس میں مرزا صاحب حضرت ابن مسعود کے قول کی تردید کر رہے ہیں۔ بناءً تردید یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے جو مباہلہ کی درخواست کی تھی۔ مرزا صاحب کے نزدیک اس میں سخت خطا کی اور خطا کا موجب محض جوش تھا اور ابن مسعود سے ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ معمولی انسان تھا، نبی اور رسول نہیں تھا۔ ملاحظہ ہواصل عبارت (ازالہ اوہام ج ۲ ص ۵۹۶، جزائن ج ۳ ص ۴۲۲) مقام تردید میں ان الفاظ کا استعمال سوا توہین و تحقیر کے اور کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ رسول خدا ﷺ نے صحابہ کو نجوم ہدایت و اہتداء قرار دیتے ہوئے فرمایا: ”اصحابی کالنجوم باہم اقتدیتم اھتدیتم“ اور ان کی اقتداء کا حکم دیا۔ اگر ان کو یونہی معمولی انسان سمجھ کر ان کا تحقیر کیا جائے اور اپنی رائے کے مقابلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر مجتہد

صحابی کے قول کو ٹھکرایا جائے تو اسلامی اصول و روایت و نقل پر کس قدر سنگین زد ہے اور اس میں شان صحابہ کی کس قدر توہین۔ ”اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک“

قابل غور امر یہ ہے علماء اصول نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو قسم مقرر کئے ہیں، ایک متقدم فی الاجتہاد جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، دوسرے غیر متقدم فی الاجتہاد جیسے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ مرزا صاحب نے دونوں قسم کے صحابہ پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جوش میں خطا کرنے والا بتایا۔

مختار مد عالیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طولانی قصہ کو بیان کر کے مرزا صاحب کے اس قائم کردہ اصول کی اور بھی توثیق کر دی ہے۔ حالانکہ کتب عقائد میں تصریح کر دی گئی ہے کہ مشاجرات صحابہ پر سکوت کرنا چاہئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اللہ فی اصحابی“ یعنی میرے صحابہ پر نکتہ چینی کرنے کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا اور سب سے زیادہ قابل غور یہ امر ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا خطیہ مرزا صاحب اس لئے کر رہے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول مرزا صاحب کی رائے کے خلاف ہے۔ مرزا صاحب کی رائے حق ہے۔ اسی کے مقابل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول غلط ہے۔ کیونکہ وہ غمی کم فہم اور جاہل ہے اور مرزا صاحب کی رائے صحیح ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول خطا ہے۔ کیونکہ وہ ایک معمولی انسان ہے۔ اس نے جوش میں آ کر خطا کی ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ مختار مد عالیہ نے مرزا صاحب کے ان الفاظ ”نبی ورسول نہ تھا“ کی آڑ لے کر مرزا صاحب کو توہین انبیاء کے الزام سے بچانا چاہا ہے۔ یہ بھی اس کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ صحابہ نجوم اجتہاد اور واجب الاقتداء بنص صریح ہیں۔ افراد امت کے لئے ان کا احترام واجب اور ان کی اقتداء لازم ہے۔ پس ان کا نبی یا رسول نہ ہونا، ان کے استخفاف اور تحقیر کا متقاضی نہیں۔ اگر ایک زندیق کسی نبی کا استخفاف کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ آخر یہ بھی عام انسانوں کی طرح انسان ہیں خدا تو نہیں۔ کیا یہ آڑ اس کو کوئی فائدہ دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بجز اللہ! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی توہین کا الزام بھی لا جواب رہا۔ پھر براہین قاطعہ کا بے محل حوالہ دے کر بے سود بحث کو لمبا کیا ہے اور اس کی جسارت سے غلط استنباط کر کے حضور ﷺ کی ذات پاک کی نسبت جگر سوز اور روح فرسا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پھر نتیجہ ان الفاظ میں نکالاجب مختار مد عالیہ کے نزدیک ایسی باتوں سے بھی کفر و ارتداد لازم آتا ہے تو ان کا یہ فتویٰ اس زمانہ کے لوگوں تک نہیں، بلکہ بڑوں بڑوں تک پہنچے گا۔ مختار مد عالیہ کے اس بہانے نتیجے کے جواب میں اس کے پیشواؤں کے کفریات صریحہ اور توہین انبیاء و صالحین کی ایک مکمل فہرست پیش کر دیتا اور ایسے ہی الفاظ بھی استعمال کرتا جیسے کہ مختار مد عالیہ نے استعمال کئے ہیں۔ مگر عدالت کے وقت کا احترام کرتے ہوئے مختار مد عالیہ کے طریق استدلال کی طرف توجہ دلانے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

## توہین صحابہ کا الزام اور اس کا جواب

مختار مد عالیہ: میں نے خطبہ الہامیہ کی یہ عبارت ”جو شخص میری جماعت میں داخل ہو وہ درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔“ (ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۹، ۲۶۰) پیش کر کے ثابت کیا تھا کہ مرزا صاحب نے تمام صحابہ کی توہین کی ہے۔ مختار مد عالیہ نے اس کے جواب میں وجوہ ذیل بیان کئے ہیں۔

..... اکابر اسلام نے امام مہدی کو حضور ﷺ کی روحانیت کا بروز مانا ہے۔ اس بروز روحانیت کے لحاظ سے امام مہدی کے اصحاب کو صحابہ میں داخل ہونے والا کہنا موجب توہین نہیں ہو سکتا۔

الجواب: یہ محض افتراء اور بہتان ہے۔ امام مہدی کا حضور ﷺ کی روحانیت کا بروز ہونا نہ قرآن میں ہے، نہ احادیث سے ثابت ہے، نہ ائمہ اہل بیت کا قول ہے، نہ ائمہ مجتہدین سے مصرح ہے، نہ سلف صالحین سے مروی ہے۔ یہی وجہ کہ مختار مد عالیہ اپنے استدلال کی تائید میں



ضعیف سے ضعیف بھی ایک قول نہیں پیش کر سکا اور یہ عقیدہ بلحاظ حقائق شرعیہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اجماعی عقیدہ سے ”افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی“ امام مہدی سے باجماع امت حضرت ابو بکر بلکہ تمام صحابہ افضل ہیں۔ اگر امام مہدی کے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں داخل ہو سکتے تو حضرات صحابہ کے ملنے اور دیکھنے والے بطریق اولیٰ صحابہ میں شامل ہوں گے۔

مگر غالباً مرزا صاحب اور ان کی امت یہ فضیلت اپنی ہی جماعت کے لئے مختص سمجھتے ہیں اور بفرض محال امام مہدی کے اصحاب کے لئے یہ حکم مجازاً اگر ثابت ہو بھی جائے تو مرزا صاحب امام مہدی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ اولاً تو مرزا صاحب امام مہدی کی آمد کی تمام احادیث کو ضعیف موضوع ناقابل حجتہ قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ (حقیقت المہدی ص ۲۰، خزائن ج ۱۳ ص ۴۵۵) کو ملاحظہ کیا جائے۔

ثانیاً یہ صحیح (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۵، خزائن ج ۲۱ ص ۳۵۶) میں مرزا صاحب اس مہدی ہونے سے انکار کر چکے ہیں جس کے متعلق احادیث میں ذکر ہے۔ اس کا نام (محمد) اور اس کے والد کا نام حضور ﷺ کے نام مبارک اور آپ کے والد کے نام پر اور آل فاطمہ پر ہوگا۔

الغرض اولاً: بروز کا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں۔ ثانیاً: امام مہدی کا حضور ﷺ کا بروز ہونا غیر صحیح اور مفاسد عدیدہ کا ستلزم ہے۔

ثالثاً: مرزا صاحب کا مہدی ہونا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کے نزدیک امام مہدی کے متعلق جس قدر احادیث ہیں سب ضعیف اور

موضوع ہیں اور قابل حجت نہیں۔ رابعاً: احادیث سے جس مہدی کا جن صفات سے ثابت ہونا ہے۔ اس سے مرزا صاحب انکار صریح

کر چکے ہیں۔ لہذا بروز کی توجیہ سے مرزا صاحب کے اصحاب کا صحابہ میں داخل ہونا صحیح نہ ہو اور بدستور توین صحابہ کا الزام باقی رہا۔ اگر

بفرض محال بروز کا مسئلہ مان ہی لیا جائے تو اگر امام مہدی کے اصحاب بروز کے طور پر صحابہ میں داخل ہو سکتے ہیں تو پھر امام مہدی بھی بروز کے

طور پر محمد رسول اللہ ﷺ ہو سکتے ہیں اور پھر امام مہدی کو خاتم المرسلین، سید الاؤلین والآخرین، رحمۃ للعالمین، صاحب شفاعت کبریٰ،

صاحب معراج، سید ولد آدم، مخاطب ”لولاک لما خلقت الافلاک“ نبی صاحب شریعت، ناسخ الشرائع، صاحب قرآن، ناسخ

کتب سماویہ اور مبعوث الی الناس کا لقب، مہبط نزول جبرئیل علیہ السلام کو ماننا پڑے گا۔ العیاذ باللہ اور کوئی بعید نہیں کہ مرزا صاحب کے متبعین اسی

توجیہ باطل کی وجہ سے مرزا صاحب کو ان صفات سے متصف سمجھتے ہوں اور مرزا صاحب کے الہامات اور دعادی بھی اسی قسم کے ہیں۔

۲..... مرزا صاحب کے قول: ”ومن دخله فی جماعتی..... الخ!“ کو حدیث: ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ پر

قیاس کر کے مشابہات اور مماثلت لینا بوجہ ذیل باطل ہے۔

الف..... حدیث میں کاف حرف تشبیہ موجود ہے جو مشابہت اور مماثلت کے لئے موضوع ہے۔ مرزا صاحب کے قول میں حرف تشبیہ نہیں۔

ب..... حدیث میں علماء امت کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ علماء کو حضرات انبیاء کرام کے زمرہ میں داخل نہیں کیا گیا اور مرزا

صاحب کے قول میں تصریح موجود ہے کہ جو میری جماعت میں داخل ہو وہ حضور ﷺ کے صحابہ میں داخل ہو گیا۔ یعنی صحابی ہو گیا۔ مثلاً ایک

طالب علم جب ہائی سکول بہاولپور میں داخل ہو گیا تو درحقیقت ہائی سکول کا طالب علم ہو گیا۔ نہ یہ کہ ہائی سکول کے طالب علموں سے اس کو

کوئی مشابہت ہو گئی اور درحقیقت وہ ہائی سکول کا طالب علم نہیں ہوا۔

ج..... خود مرزا صاحب کی تصریح موجود ہے کہ صحابہ کے بعض خواص خصوصی ایسے ہیں جن کو مرزا صاحب نہیں پاسکتے۔ پھر ان کے متبعین

مریدوں کی کیا شمار چنانچہ (ازالہ اوہام ص ۱۳۸، خزائن ج ۳ ص ۱۷۰) میں ہے: ”اور ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو راست باز اور کامل

لوگ شرف صحبت آنحضرت ﷺ سے مشرف ہو کر بطور نفل کے واقع ہیں اور ان میں بعض ایسے جزوی فضائل ہیں جو اب ہمیں کسی طرح سے

حاصل نہیں ہو سکتے۔“

مولانا شیخ الہند صاحب کے شعر کا جواب حسام الحرمین وغیرہ کے حوالہ جات کے جواب میں دیا جائے گا۔

## توہین اہل بیتؑ

مختار مدعا علیہ سے توہین اہل بیت کے الزام کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکا کہ اس نے نہایت بے دردی سے آقائے دو جہاں، سرور انس و جان کی ذات والاصفات پر توہین کشتی نوح کا الزام عائد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس تعلیم کو بحکم خداوندی کشتی نوح قرار دینے سے اہل بیت کی توہین لازم آتی ہے تو اہل بیت کو کشتی نوح قرار دینے اہل کشتی نوح کی توہین لازم آئے گی۔ پس مختار مدعیہ کے طرز استدلال سے ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ فتویٰ کہاں جا کر لگتا ہے۔

حضور سرور عالم ﷺ نے اپنی اہل بیت کو کشتی نوح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ: ”الا ان مثل اہل بیعتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف ہلک“ (رواہ احمد) مرزا صاحب نے اپنی تعلیم کو کشتی نوح قرار دیا اور امت کی نجات کو اس سے وابستہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے مرزا صاحب پر اعتراض کیا گیا کہ مرزا صاحب خلاف تعلیم حضور ﷺ اپنی تعلیم کو کشتی نوح قرار دیتے ہیں یا اس کے مقابل اپنی امت کے لئے دوسری کشتی نوح بنا رہے ہیں۔ بہر حال اہل بیت کی توہین کی ہے۔ مختار مدعا علیہ نے حضور ﷺ پر وہی الزام قائم کر دیا کہ حضور نے اپنے اہل بیت کو کشتی نوح قرار دے کر اصل کشتی نوح کی توہین کی ہے۔

**الجواب:** حضور ﷺ صاحب شریعت نبی ہیں اور کون و مکان کے مالک ہیں۔ حضور جس چیز کو ذریعہ نجات قرار دیں اور جس کو تفصیل و تشریح قرار دیں مجاز و مختار ہیں۔ صاحب شریعت کا معنی یہی ہے کہ جدید احکام و شرائع لاسکتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب ان کی جماعت کے زعم میں بھی صاحب شریعت نبی نہیں بلکہ وہ تمام احکام و شرائع میں حضور ﷺ کے تابع ہیں۔ پس خود مرزا صاحب اور اس کی جماعت کو اپنے اختراعی دعویٰ کی بنیاد پر بھی حضور ﷺ کی مقرر کردہ کشتی نجات کے خلاف کوئی اور کشتی نجات بنانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ پس جب کہ انہوں نے اپنے اذعان منصب سے تجاوز کر کے تعلیم نبویہ کے خلاف کشتی نجات اپنی تعلیم کو قرار دیا تو لہذا اہل بیت کی توہین کا ارتکاب کیا۔ جس کا کوئی جواب مختار مدعا علیہ سے نہ بن آیا تو حضور ﷺ پر اصل کشتی نوح کی توہین کا الزام ٹھہرا کر مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کیا اور عدالت میں اسلام کی دشمنی اور حضور ﷺ کے جھوٹے دعویٰ غلامی کی حقیقت کو ظاہر کر دیا۔

## امام حسینؑ کی توہین

مختار مدعا علیہ نے اس الزام واقعی کو دفع کرنے میں نہایت مغالطہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا ہے اور چند غلط توجیہات کی ہیں۔

..... اعجاز احمدی میں ان غالی شیعوں سے خطاب ہے۔

**الجواب:** یہ سراسر کذب اور دروغ ہے کہ اعجاز احمدی درحقیقت مناظرہ میں جو مولوی سرور شاہ صاحب کو مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مقابلہ میں شکست فاش نصیب ہوئی۔ اس کو چھپانے کے لئے مرزا صاحب نے یہ رسالہ لکھا ہے (اعجاز احمدی ص ۱۹ ج ۱ ص ۱۰۷) میں موجود ہے۔ ”ایہا المناظرون ارشدکم اللہ“ آپ صاحبان پر واضح ہو کہ اس مضمون کے لکھنے کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ موضوع مدخل امرتسری میں باصرار شیخ محمد یوسف صاحب کے میرے دو مخلص دوست ایک مباحثہ میں گئے۔ ہماری طرف سے مولوی محمد سرور صاحب مقرر ہوئے اور فریق ثانی نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو امرتسری سے طلب کر لیا۔“ مرزا صاحب کی تصریح ناطق کہ اعجاز احمدی مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بالمقابل لکھی گئی ہے۔ ہاں! نائٹل پیج پر مولوی ثناء اللہ صاحب، حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب، مولانا اصغر علی رومی صاحب کے علاوہ مولوی علی حارثی صاحب شیعہ کا نام بھی ہے۔ مگر تالیف وغیرہ کا سبب شیعہ نہیں۔ نیز جس شعر سے مرزا صاحب کے دعویٰ افضلیت سے توہین ثابت کی گئی ہے۔ اس شعر میں قطعاً مولوی علی الحارثی صاحب مخاطب نہیں۔ کیونکہ اشعار کے حاشیہ پر علماء مخاطبین کے نام

علیحدہ علیحدہ لکھے گئے ہیں۔ تفصیل کا شعر ۴۳۳ واں شعر ہے اور علی الحارثی سے خطاب ۳۱۳ سے شروع ہوتا ہے۔

۲..... شیعہ کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہواس کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں۔

**الجواب:** پاک اور مقدس ہستیوں کے حق میں گستاخی اور سخت کلامی کرنا خواہ کسی کے مقابلہ میں ہو توہین ہے۔ حقائق اشیاء اعتباری نہیں حقائق واقعی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے لٹریچر کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھا۔ ورنہ ایسا غلط جواب نہ دیتا۔

(تلیخ الحق اشہار مرزا صاحب مجموعہ اشتہارات ج سوم ص ۵۴۵)

ملاحظہ ہو۔

۳..... مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی نے شیعہ کے مقابلہ میں ایسے الفاظ استعمال کئے۔

**الجواب:** کلام اس میں ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے تئیں امام حسین سے بہتر قرار دے کر امام حسین کی توہین کی ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی فضیلت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا وہ ایک الزامی جوابات ہیں۔ جو اپنے قرآن سباق و سابق و طرز استدلال و طریق بیان سے واضح طور پر دال ہیں کہ شیعہ مرویہ کے روایت و اقوال کو بطور الزام پیش کیا گیا ہے نیز مولوی محمد قاسم صاحب احادیث میں سے ایک ہیں نہ مدعی نبوت ہیں نہ مدعی مہدیت ان کے طریق استدلال پر مرزا صاحب کی غلطیوں کو قیاس کرنا کس قدر مضحکہ خیز ہے۔

۴..... رہا فضیلت کا اعتراف تو ایک کی فضیلت سے دوسرے کی توہین کا نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں۔

**الجواب:** بے شک مفضل پر افضل کی فضیلت کا اظہار موجب توہین نہیں ہوتا۔ اسی اصول پر ان احادیث کا جواب ہے جن میں حضرت سرور کائنات ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء پر بیان کی گئی ہے۔ ہاں! اگر مفضل کو افضل پر فضیلت دی جائے تو لامحالہ توہین ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو لا بد اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی توہین ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور احادیث صحاح سے ثابت ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر یہ ایک اسلامی اصول ہے کہ غیر اصحاب صحابی کی فضیلت کو نہیں پاسکتا تو مرزا صاحب جو کہ غیر صحابی ہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جو کہ قطعی بہشتی، سید شباب اہل الجنتہ اور صحابی ہیں۔ کسی طرح فضیلت پاسکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ مرزا صاحب بوجہ ادعاء نبوت بحکم نبوی ”سیکون فی امتی ثلاثون کذابون دجالون کلہم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین ولا نبی بعدی“ خارج از دائرہ اسلام ہیں۔

۵..... امام مہدی کے متعلق تو تمام اکابر علماء نے تسلیم کیا ہے کہ وہ صحابہ بلکہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ جیسے کہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے حج الکرامہ میں محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے۔

**الجواب:** یہ مختار مدعا علیہ کا عدالت میں صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام امت میں افضل اعلیٰ ہیں۔ عقائد نشی میں ہے۔ ”افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر“ (شرح عقائد) کس قدر جسارت اور دروغ گوئی ہے کہ تمام اکابر علماء و صلحاء کی طرف سے یہ عقیدہ منسوب کیا جاتا ہے۔ محض طوالت کے خوف سے حوالہ جات کو ترک کرتا ہوں۔ مختار مدعا علیہ نے حج الکرامہ کے حوالہ سے محمد بن سیرین کا جو قول نقل کیا ہے اس میں بھی کتمان حق کیا ہے۔ کیونکہ اسی کتاب کے اسی صفحہ پر اس کی تردید موجود ہے۔

”لیس المراد بهذا التفصیل الرجوع الی زیادة الثواب واقعة عند اللہ تعالیٰ فالاحادیث الصحاح والاجماع علی ان ابابکر وعمر افضل الخلق بعد النبیین والمرسلین.....“ یعنی اس سے مراد تفصیل جو بہ زیادت الثواب اور خداوند کی طرف بلندی مقام ہے، مراد نہیں۔ کیونکہ احادیث صحاح اور اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر انبیاء اور مرسلین کے بعد سب سے افضل ہیں۔ پھر نواب صاحب چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: ”گویم کہ قول ابن سریرین اگرچہ سند صحیح باشد و اما نحن فیہ وقتے حجۃ است کہ ماخذ ان مشکوٰۃ نبوت است والا فلا۔“

یعنی محمد بن سیرین کا قول خواہ اس کی سند صحیح کیونکہ نہ ہو، اس مسئلہ میں حجت اس وقت ہوتا جب مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوتا، ورنہ تو نہیں۔ مختار مدعا علیہ صرف ایک محمد بن سیرین کا قول جو کہ احادیث صحاح اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس کو تمام علماء، صلحاء، اولیاء، امت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ اس قول کی تردید وہیں موجود ہے جہاں سے یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ اولاً تو محمد بن سیرین کا قول صحیح نہیں۔ کیونکہ اجماع اور صحاح کے خلاف ہے۔ ثانیاً اگر فرض محال اس کو تسلیم کیا جائے تو بھی مرزا صاحب کی فضیلت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ احادیث سے امام مہدی کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ قوم سید، مقام پیدائش مدینہ طیبہ، مقام ظہور مکہ معظمہ ثابت ہے اور مرزا صاحب کا نام غلام احمد والد کا نام غلام مرتضیٰ، قوم مغل، مقام پیدائش و ظہور قادیان ہے جو کسی طرح بھی مرزا صاحب پر منطبق نہیں ہوتے۔

۶..... مرزا صاحب نے اعجاز احمدی اور آئینہ کمالات میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے۔

**الجواب:** مرزا صاحب کا امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنا پھر توہین کرنا بھی حق و باطل کو ملانا ہے جو بقول مرزا صاحب دجال کی علامت ہے۔ (تلیخ رسالت ج سوم ص ۳۰۰، مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۳۱) ملاحظہ ہو۔

اگر واقعی مرزا صاحب کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا احترام تھا تو پھر اس قدر تعلیٰ نہ دعویٰ اور ”شتان بینی و بین حسین کم“ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنی تعلیٰ اور فخر کے جوش میں اکابر امت بلکہ انبیاء عظیمہ تک کی بھی توہین کر جاتے ہیں۔ پھر جب علماء اور عام مسلمانوں کی طرف سے مرزا صاحب پر نکتہ چینی ہوتی ہے تو وہ ان کی تعریف بھی کر دیتے ہیں۔ آج ان کی امت مرزا صاحب کی اس حکمت عملی سے بے جا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ جہاں کسی کی توہین کا اعتراض ہو جھٹ مرزا صاحب کی کتابوں سے کوئی عبارت اس کے خلاف نقل کر دیتے ہیں۔ کبھی خدا کے ان بندوں کو اس امر کے سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اگر مرزا صاحب کو ان حضرات کا واقعی احترام اور ان کی عظمت تھی تو پھر ان کے خلاف توہین الفاظ کہنے کی کیا حاجت تھی۔ کسی صحیح العقل انسان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جس کو اپنا بزرگ اور واجب الاحترام سمجھتا ہو اور اس کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہو۔ مگر گاہے گاہے اس بزرگ محترم کے متعلق سخت نکتہ چینی کرے اور اس کی توہین و تحقیر میں بھی حصہ لے۔

۷..... مختار مدعا علیہ نے کربلائے است سیر ہر آنم کی تین توجیہ کی ہیں۔

الف..... امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح مظلوم۔

ب..... جماعت سے بعض لوگ جنتلا آلام ہوں گے۔

ج..... واقعہ شہادت کی عظمت کا جنتلا مقصود ہے۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ کی توجیہات قابل تعجب ہیں۔ مرزا صاحب نہایت تعلیٰ سے اپنی فضیلت و برتری بیان کرتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایثار اور عظیم الشان قربانی اور مظلومیت کی شہادت کی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے مراتب و مدارج کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اعلیٰ اور افضل بتاتے ہوئے شتان بینی و بین حسین کہتے ہیں۔ میں یہاں صرف مرزا صاحب کے اشعار کا ترجمہ مرزا صاحب کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں، اس ترجمہ کی روشنی میں مختار مدعا علیہ کی بے جا توجیہات کی حقیقت عدالت کے نزدیک واضح ہو جائے گی۔ ”مجھ میں اور تمہارے حسین رضی اللہ عنہ میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ پس تم دشت کربلا کو یاد کرو اب تک روتے ہو۔ پس سوچ لو، میں حجت کا کشتہ ہوں، مگر تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے۔ پس فرق تین اور ظاہر ہے۔“

(اعجاز احمدی ص ۶۹، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۱)

## اولیاء کی توہین

..... اگر مرزا صاحب کے اس شعر سے تمام اولیاء کی توہین ہوتی ہے تو دین اسلام نے دیگر ادیان کو منسوخ کر کے ان سب ادیان کی توہین کی ہے۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ نے ہمارے قائم کردہ الزام توہین کی علت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ جواب دیا ہے کہ اگر مرزا صاحب کے قائم کردہ ارشاد و ہدایت سے باقی تمام ارشاد و ہدایت کے منسوخ ہونے سے توہین لازم آتی ہے تو اسلام نے بھی باقی ادیان کو منسوخ کرنے میں ان ادیان کی توہین کی ہے۔ گویا جس طرح اسلام کے باقی ادیان کو منسوخ کرنے سے ان ادیان کی توہین نہیں ہوئی۔ اسی طرح مرزا صاحب کے طرق فیوض و سبل ہدایت سے سابقین کے تمام طرق اور سبل کے منسوخ ہو جانے سے سابقین کی توہین نہیں ہوتی۔ گویا مختار مدعا علیہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ مرزا صاحب کا طرق اولین کے طرق کے لئے ایسا ہی ناخ ہے۔ جیسا کہ اسلام دیگر ادیان کے لئے۔ الحمد للہ! مختار مدعا علیہ نے اس سچائی کو کھلے الفاظ میں ظاہر کر دیا جس کو ابتداء سے پوشیدہ کرنا چاہتا ہے۔ عدالت خود غور فرمائے کہ مختار مدعا علیہ کے اس جواب میں ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب کی امت درحقیقت مرزا صاحب کی تعلیم اور طریق کو اولین کی تعلیم وطریق کے لئے ناخ مانتی ہے۔

۲..... چونکہ حضور ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں، اس لئے گویا آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے۔

**الجواب:** سب سے پہلے میں عدالت کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کی برأت ثابت کرنے کے لئے کس بے دردی کے ساتھ میرے قائم کردہ وجوہ توہین کو حضور سرور عالم ﷺ کی طرف پھیر دیتا ہے۔ گویا اس کو حضور ﷺ سے علاقہ تک نہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ حضور ﷺ کا اپنی ذات کو دیگر انبیاء ﷺ سے افضل فرمانا ان انبیاء ﷺ کی توہین نہیں۔ کیونکہ افضل کی فضیلت کا بیان مفضل کی توہین نہیں ہوا کرتی اور حضور ﷺ کی افضلیت بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ نصوص قطعہ سے ثابت ہے جس میں ایک مسلمان کو بھی کلام نہیں۔ مگر مرزا صاحب کے لئے یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کی افضلیت تمام امت میں احادیث صحاح اور اجماع امت میں ثابت ہے اور اسلامیان عالم کا متفقہ اجماع عقیدہ ہے کہ: "افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر" لہذا مرزا صاحب کے اس قسم کے دعاوی اختیار امت کی توہین کا موجب ہیں۔

۳..... اگر مرزا صاحب کے شعر سے توہین لازم آتی ہے تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے اس شعر افلت شمس الاولین سے بھی توہین لازم آتی ہے۔

**الجواب:**

الف..... حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی مدعی نبوت نہیں، بلکہ کبار اولیاء امت سے ہیں جو بہر حال کتاب و سنت کے تابع ہیں، نہ ان پر نزول جبرئیل ہوتا تھا اور نہ مہبط وحی الہی ہونے کے مدعی تھے، نہ کوئی نئی تعلیم جاری کی اور نہ کوئی نیا فرقہ قائم کیا اور نہ کوئی کشتی نجات بنائی۔ پس ان کے شعر میں شمسنا سے حقیقتاً مراد اسلام ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگوں کے شمس یعنی ادیان منسوخ ہو گئے اور کہ ہمارا شمس یعنی اسلام کبھی غروب نہیں ہوگا۔ مرزا صاحب کے دعاوی اور ان کی تعلیمات اور تمام کارخانہ دگرگوں ہے۔ وہ نئی دنیا اور نیا آسمان اور نئی زمین یا موسیٰ، نیا عیسیٰ، نیا محمد ﷺ حتیٰ کہ نیا خدا تعالیٰ بنانے کے خواہاں ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے شعر کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یا تو پہلی تعلیمیں منسوخ ہو گئیں یا یہ کہ اب موصل الی اللہ صرف مرزا صاحب کا ایجاد کردہ مذہب احمدیت ہے۔ چنانچہ مختار مدعا علیہ نے اس پر تصریح کی ہے جو آگے عرض کرتا ہوں۔

ب..... حضرت سید عبدالقادر جیلانی ولی کامل تھے، مگر مدعی نبوت نہ تھے۔ صوفیاء کرام کی تصریحات کے مطابق سکر میں بعض کلمات اہل

اللہ کی زبان سے بے اختیار نکل جاتے ہیں تو ان کو پسند نہیں فرماتے۔ جیسا کہ کتب تصوف میں مصرح ہے اور چونکہ انبیاء کی بعثت مخلوقات کی ہدایت و ارشاد کے لئے ہوتی ہے اور ان کا تقرب الی اللہ نہایت اعلیٰ اور موثق ہوتا ہے اور ان کا قول و فعل قابل حجت ہوتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کے لئے کسی وقت بھی سکر نہیں ہوتا۔ پس چونکہ مرزا صاحب مدعا علیہ اور اس کے مختار کے نزدیک نبی ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کے لئے یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا کہ سکر کی حالت میں ایسا کہا ہو۔ پس مرزا صاحب کے اس شعر کا قیاس حضرت پیر صاحب کے شعر اور قول پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

۴..... مرزا صاحب کے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ پہلے اولیاء وغیرہ نے جو طریق نکالے تھے وہ سب طرق اب بند کئے گئے ہیں۔ اب کوئی شخص ان طرق کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ میرا طریق اختیار نہ کرے جو طریقہ میرے سید و مولیٰ محمد ﷺ کا تھا۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے شعر کا معنی کر کے ہمارے مقصد کی بلکی تائید و توثیق کر دی ہے۔ بحمد اللہ العظیم اس نے اس بات کو تسلیم کر لیا جو ہمارا دعویٰ یعنی مرزا صاحب سے اختیار امت و اکابر کے نزدیک جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے جو طریق اور ذریعے تھے، دو حال سے خالی نہ ہوئے یا تو وہ حضور ﷺ کے طریق کے مخالف تھے یا موافق۔ اگر موافق تھے تو ناحق ان ذرائع اور طرق کی بندش کا حکم دے کر اختیار امت کی توہین کی ہے، یا اگر پہلے بزرگوں کے طرق کے مخالف تھے تو اس سے بڑھ کر اکابر و اختیار کی تحقیر و توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ بغیر استثناء احدے خود بھی اور دیگر مسلمانوں کو بھی ایک ایسے طریق پر چلایا جو حضور ﷺ کا طریق نہ تھا۔ پھر اس میں کسی ایک کا استثناء نہیں۔ اولین رہنمایان اسلام حضرات صحابہ ہیں جنہوں نے صحرائے عرب سے نکل کر قیصر و کسریٰ کی مملکتوں کو پامال کر کے لوگوں کو مشرف باسلام کیا اور دورہ افتادہ انسانوں کو خدا رسیدہ بنایا۔ پھر تابعین اور تبع تابعین کا دور ہے جن کی مساعی سے اقصیٰ مشرق و مغرب کے لوگ مشرف باسلام ہو کر خدا تعالیٰ تک پہنچے اور پھر علماء امت اور ائمہ مجتہدین ہیں جنہوں نے کتاب و سنت کے حقائق و معارف و مآرب کے ذریعہ سے قلوب کو منور کیا اور پھر اصحاب السلاسل اربعہ چشتیہ نقشبندیہ قادریہ و سہروردیہ ہیں جنہوں نے باجماع طریق محمدیہ لاکھوں کالمین اور واصلیں الی اللہ بنائے جن میں مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ حضرت مجدد الف ثانی اور امام شعرانی وغیرہ حضرات ہیں۔ الغرض مرزا صاحب نے کوئی نیا طریق ارشاد و ہدایت ایجاد کیا ہے جس پر ساتھین کا عمل نہیں تھا اور جس کی وجہ سے پہلے مذاہب بند اور بے کار ہو گئے تو یہ نسخ شریعت محمدیہ ہے یا وہی طریق ارشاد و ہدایت ہے جو حضور ﷺ سے ماثور و منقول ہے اور جو نسل بعد نسل صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اصحاب شریعت و ارباب طریقت کا معمول و مسلک رہا ہے۔ پس اس صورت میں ان کے چشموں کو خشک کہنا اور ان کے طریق کو خدا تعالیٰ کی طرف نہ پہنچانے والا سمجھنا اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ صرف اپنے طریق ارشاد کو سمجھنا نہ صرف اختیار و ابرار امت کی توہین ہے۔ بلکہ مفاسد عدیدہ کو مستلزم ہے۔ کیونکہ اس توجیہ پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ امت محمدیہ جو مرزا صاحب کے سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے وہ خدا تعالیٰ کا تقرب اور وصول اللہ ہرگز نہیں پاسکتے اور ان کے تمام مجاہدے اور تمام اعمال صالحہ اور ان کا تقویٰ و طہارت اور ان کا عرفان معرفت اور زہد و عبادت خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ تعلیم کی پیروی و پابندی کے باوجود ذریعہ ہدایت و وسیلہ نجات نہ ہو، تا وقتیکہ ان اصول اور تعلیم کا اتباع نہ کیا جائے جو مرزا صاحب کی طبع زاد تعلیم ہے۔

۵..... مجدد الف ثانی صاحب نے ہزار سال کے سر پر آنے والے مجدد کو صدی کے سر پر آنے والے مجدد پر اتنی فضیلت دی ہے، جتنی سو اور ہزار میں نسبت ہے تو گویا اس قول میں مجدد صاحب نے سابق مجددین کی توہین کی ہے۔

## الجواب:

الف ..... مختار مدعا علیہ نے اگرچہ حضرت مجدد صاحب کو مسلم بزرگ مانا ہے۔ مگر اس کو اپنے مسلم بزرگ کا مقرر کردہ اصول بھی تسلیم نہیں ورنہ اس کو ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب نے (حقیقت الوحی ص ۱۹۸، خزائن ج ۲۲ ص ۲۰۵) کے بیان میں بے شک توہین کی ہے۔ کیونکہ خود مرزا صاحب کا اقرار ہے اور مختار مدعا علیہ کا عقیدہ ہے کہ مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور حضرت مجدد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی ہیں۔ یعنی دوسرے ہزار سال کے آغاز پر مجدد ہو رہے ہیں۔ چودھویں صدی کے مجدد یعنی مرزا صاحب اور دوسرے ہزار سال کے مجدد یعنی مجدد صاحب سرہندی کے درمیان حسب تصریح مجدد صاحب ۱۰/۱ کی نسبت ہوگی۔ یعنی مجدد الف ثانی صاحب مرزا صاحب سے دس گنا افضل واکمل ہوں گے۔ پھر مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء، ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ سراسر توہین و تحقیر ہے جو ہمارا مدعا ہے۔

ب ..... حضرت مجدد صاحب کے قول مجدد میں سابقین کی قطعاً توہین نہیں بلکہ توہین کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہزار سال کے سر پر جو مجدد آتا ہے وہ ان تمام مجددین سے دس گنا افضل ہوتا ہے جو اس ہزار سال کے ہر صدی پر آتے ہیں۔ بالکل صحیح اور مسلم بن ہجر کی پہلے ہزار سال کی پہلی کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی ہیں۔ جیسا کہ نواب صدیق حسن صاحب نے حج الکرامہ میں اور مرزا صاحب کی امت میں سے عبدالرحمن خادم نے اپنی پاکٹ بک میں لکھا ہے۔ پس پہلے ہزار سال میں جس قدر مجددین صدی بصدی آئے ان سب سے حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں۔ کیونکہ تابعی اور خیر القرون میں سے ہیں۔ پہلے ہزار اسلامی ختم ہونے پر دوسرے ہزار اسلامی کے پہلی صدی پر جو مجدد آیا وہ اس ہزار سال کے ان تمام مجددین سے افضل ہے جو اس ہزار سال کی ہر ایک صدی کے سر پر آتے رہیں گے۔

پس مجدد صاحب کے اس قول سے حضرت مجدد صاحب الف ثانی کی فضیلت صرف ان مجددین پر ثابت ہوگی جو ہزار ثانی کے ہر صدی کے سر پر آتے رہیں گے۔ پس مجدد صاحب کی فضیلت صرف آئندہ آنے والے مجددین پر ثابت ہوئی نہ پہلے ہزار سال کے مجددین پر۔ مجدد صاحب کے اس قول کے مطابق مرزا صاحب نے برتری اور فضیلت ظاہر کر کے مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگوں حضرت مجدد صاحب الف ثانی اور علامہ عبدالوہاب شعرانی وغیرہ کی توہین کی۔

## اے بذات فرقہ مولویان

مختار مدعا علیہ نے اس الزام کے جواب میں اپنے نبی مرزا صاحب کی سنت پر عمل کرتے ہوئے علماء امت کے حق میں نہایت مغالطہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہم اپنے پیغمبر ﷺ کے اس اسوہ حسنہ ”لم یکن النبی فاحشاً ولا متفاحشاً“ اتباع کرتے ہوئے مختار مدعا علیہ کی سخت کلامی بھی برداشت کرتے ہیں۔ چونکہ مختار مدعا علیہ نے اس بحث کو بے جا طول دیا ہے اور اس قسم کا مغالطہ بار بار دیا ہے۔ اس لئے مختار مدعا علیہ کے مغالطہ کو ظاہر کرنے اور اصل حقیقت کو دکھلانے کے لئے ذرا تفصیل سے عرض کرتا ہوں۔

خلاصہ جواب مختار مدعا علیہ:

- ۱..... مرزا صاحب نے شرفاء و علماء کو گالیاں نہیں دیں یہ گالیاں ان علماء کو دیں ہیں جن کا شیوہ خباثت و شرارت ہے۔
- ۲..... مرزا صاحب کی یہ گالیاں ایسے علماء کو ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا..... الخ!
- ۳..... شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے وقت کے علماء کو یہود کا نمونہ بتلایا ہے۔
- ۴..... یہ گالیاں ان مولویوں کے حق میں ہیں جنہوں نے سخت مخالفت کی اور ان کی زبان درازی انہما کو پہنچ گئی اور فحش مضمون کے اشتہار دیئے۔

- ۵..... مسیح اسرائیلی نے جس طرح اپنے وقت کے مولویوں اور فقیہوں کو سانپ اور سانپ کے بچے حرام کاروشریہ کہا، اسی طرح مسیح محمدی نے اسی قسم خمیشت فطرت مسوح القلب، سیاہ باطن مولویوں کے حق میں یہ الفاظ اے بذات فرقہ مولویان..... الخ استعمال کئے۔
- ۶..... یہ الفاظ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہم مشرب مولویوں کے حق میں ہیں۔
- ۷..... ان الحدی صاروا..... الخ! سے مراد وہ مولوی ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کو گالی دیں جو خنزیر صفت ہیں۔
- ۸..... کنز العمال میں حدیث ہے کہ امت میں ایک خوف آئے گا۔ لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے تو وہ خنزیر اور بندر ہو چکے ہوں گے۔
- ۹..... ایسے مولویوں سے مراد وہ مولوی ہیں جو نقول کے پابند ہوں گے۔
- ۱۰..... اگر مرزا صاحب کی دشنام دہی گالی ہیں تو قرآن میں بھی بہت سے گالیاں ہیں۔ ”ذالک مثل الذین کذبوا بآیات اللہ..... الخ!“

۱۱..... عورتوں سے جن کو کتیاں کہا ہے وہ مراد جنہوں نے گالی دیں۔

**الجواب:** نمبر وار ہر ایک شق کے جواب دینے سے پہلے ایک اجمالی جواب دیتا ہوں کہ علماء وقت کو مرزا صاحب نے کیوں گالی دیں اور علماء وقت اور مرزا صاحب کی عداوت کیوں تھی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے بھروسہ قطعہ کتاب و سنت و اجماع امت اسلامیان عالم کا متفقہ عقیدہ تھا کہ حضور خاتم الانبیاء ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت سے تیس درجال کذاب پیدا ہوں گے۔ ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس پیش گوئی کے مطابق کئی ایک مدعیان نبوت پیدا ہوئے۔ علماء امت نے ان کو کذاب و دجال قرار دیا۔ اسلامی حکومت نے ان سے جہاد کیا۔ آخر ان کو قتل کر کے فتنہ کو فرو کیا۔ مسیلہ کذاب مدعی نبوت کو کافر و دجال قرار دیا۔ بحکم خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا اور قتل کیا علیٰ ہذا جب بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا، علماء نے اس کو دجال و کذاب کا فتویٰ دے کر اس کے قتل کا حکم دیا تا آ نکہ مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کے زیر سایہ دعویٰ نبوت کیا۔ اسلامی حکومت نہیں تھی جو اس پر احکام شرعی جاری کرتی۔ صرف علماء امت موجود تھے جنہوں نے حیات دین متین کے لئے مرزا صاحب کو بروی حدیث: ”سیکون فی امتی دجال و کذاب“ کہا اور مرزا صاحب کے تمام دجل اور ان کے پردوں کو پارہ پارہ کیا۔ امت محمدیہ کو کفر و ارتداد کے اس فتنہ عظیمہ سے بچانے کے لئے مرزا صاحب کو مناظروں میں شکستیں دیں اور ان کی تردید میں مستقل کتابیں لکھیں اور مرزا صاحب کی پیش گوئیوں کی فریب کاریوں کو آشکارا کیا۔ اس جہاد فی الدین میں حضرت مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے نہایت گرانقدر خدمات ادا کیں۔ مرزا صاحب کا جادوان کے منشاء اور تحیل کے مطابق نہ چل سکا اور مرزا صاحب کو یقین ہو گیا کہ اس فتنہ عظیمہ کی سرکوبی کے لئے علماء وقت نے ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ کا شان دکھایا ہے جب تک طبقہ علماء موجود ہے۔ میری دعوت حسب منشاء اشاعت نہیں ہو سکتی اور علماء کا وجود میری قبولیت کے لئے سنگ راہ ہے تو پھر کیا تھا کہ مرزا صاحب نے علماء امت اور بزرگان وقت کو نہایت غلیظ گالیاں دیں شروع کر دیں۔

علماء کو گالیاں دینے کے تفصیلی جواب

مولوی الہی بخش صاحب نے اپنی کتاب عصاء موسیٰ میں مرزا صاحب کی گالیاں کو خوب حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کر دیا ہے۔ اس کے لئے (عصاء موسیٰ ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶) ملاحظہ کیا جائے۔ کتاب عصائے موسیٰ اب محاسبہ قادیانیت جلد اول میں شائع ہو گئی ہے۔ (مرتب) اب تفصیلاً ہر ایک شق کا جواب دیتا ہوں۔

۱..... یہ جواب بالکل مہمل و بے سود ہے پہلے شرافت اور خباثت کا ایک معیار مقرر کیا ہوتا جس معیار پر تنقید کی جاتی کہ فلاں شریر ہے اور



فلاں شریف۔ شرافت نسب، شرافت علم، شرافت تقویٰ کے باکمال انسانوں کو مرزا صاحب نے سخت فحش گالی دی ہیں۔ مثلاً پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، حضرت مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبد اللہ صاحب ٹوکی و مولانا اصغر علی صاحب روجی وغیرہ اکابر علماء اور بزرگ زیدہ بزرگوں کو گالی دینا اور پھر ان کو شریہ کہنا کس قدر تعدی ہے۔ ان حضرات نے محض نصرت دین اور علماء حق اور محافظت احوال اسلام و حکم نبوی ”سیکون فی امتی ثلاثون..... الخ!“ مرزا صاحب پر فتویٰ تکفیر دیا جو محض اصول اسلام کے مطابق اور حکم شرعی کی پابندی تھی، ایسے علماء کے متعلق حضور ﷺ نے بشارت فرمائی تھی۔ ”لا تزال طائفة من امتی..... الخ!“

۳..... حضرت شاہ صاحب کا قول یقیناً مرزا صاحب کے مخالف علماء پر چسپاں نہیں۔ کیونکہ اس وقت مرزا صاحب کا وجود اور دعویٰ اور نہ علماء کا ان کے متعلق فتویٰ تھا۔ ہاں! حضرت شاہ صاحب کا قول ان مولویوں کے متعلق ہے جو کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تحریف کر کے اصول دین میں فتنہ ڈالتے ہیں۔ اب معاملہ بالکل صاف ہے ایک طرف تو وہ علماء جو آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کا وہی معنی کرتے ہیں جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام سے مروی ہیں اور اجماع امت سے ثابت ہیں اور اسی اصول اور روشنی میں مرزا صاحب کی تکفیر کرتے ہیں اور دوسری طرف مولوی صاحب ہیں جو تصریحات الہیہ اور تصنیفات نبویہ اور اقوال اجماعیہ کے خلاف مرزا صاحب کے ہمواء ہو کر آیات و احادیث میں تحریف کر کے مرزا صاحب کی نبوت ثابت کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اسی لئے شاہ صاحب کے قول میں ایسے مولویوں کو یہودی صفت کہا گیا ہے۔

۴..... مرزا صاحب نے جس قدر علماء و صلحاء کو گالی دی ہیں۔ اس کا ہزارواں حصہ بھی کوئی عالم دین نہ دے سکتا ہے۔  
مرزا صاحب کو دجال و کذاب کہا مگر یہ وہ الفاظ ہیں جو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے آپ کے بعد مدعی نبوت کے لئے صادر ہوئے ہیں۔ اس میں علماء کا کیا قصور ہے۔ یہ ایک فتویٰ شرعی ہے۔ ہر ایک مسلمان ایسا کہنے کے لئے شرعاً مجبور ہے۔

۵..... یہ مرزا صاحب کا حضرت مسیح علیہ السلام پر بہتان ہے۔ انبیاء علیہم السلام اخلاق مرضیہ کامل سے متصف اور خلق اعلیٰ کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی انجیل میں ایسا لکھا ہوا ہے تو ہم اس کے مکلف نہیں۔ اس لئے کہ انجیل میں تحریف ہو چکی ہے جو مرزا صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ میں اس کا کوئی اصل نہیں، باقی رہا یہ کہ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے مخالف علماء کے حق میں خمیشت فطرت مسوح القلب اور سیہ باطن کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ہم ان کو برداشت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مولیٰ اور آقا ﷺ نے اس طریق گفتگو سے منع فرمایا ہے۔

۶..... حضرت مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی مرزا صاحب سے کوئی عداوت نہیں تھی۔ پہلے پہل جب مرزا صاحب نے اسلام کی خدمت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو مولانا محمد حسین صاحب نے ان کی تعریف و توصیف کر دی، جب رفتہ رفتہ مرزا صاحب اسلامی تعلیم سے دور ہوتے گئے تو مقدسین پر زبان درازی کی۔ مجدد و مہدی بنتے بنتے مسیح نبی رسول بنتے گئے تو چاروں چار مولوی صاحب نے تمام اکابر و افاضل علماء ہند سے استثناء کیا۔ سب نے بالاتفاق مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ دیا اور قرآن و احادیث صحابہ کرام، ائمہ عظام کے اقوال و آثار کی روشنی میں یہ فتویٰ مرتب ہوا۔ اس لئے ہماری گزارش ہے کہ اس فتویٰ کو جو ایک کتابی صورت میں ملاحظہ فرمائے تاکہ یہ تمام حقیقت واضح ہو جائے۔ اگر اس وقت کے علماء مرزا صاحب کی تکفیر نہ کرتے تو کیا ناموس اسلام کی خیانت اور روایات اسلامی کی حفاظت جہال اور بے علم لوگ کرتے کیا اور اراضیہ کے علماء و ائمہ نے مدعیان نبوت کی تکذیب و تکفیر نہیں کی تھی۔ مرزا صاحب کے وقت کے علماء نے مرزا صاحب کی تکفیر و تکذیب میں کوئی نیا کام نہیں کیا۔ مقام تعجب ہے کہ میلہ کذاب اور اسود عسی اور عجلی و باب و بہاء اللہ مدعیان نبوت کو کافر کہنے والے

علماء تو ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ کا مصداق ہوئے اور چودھویں صدی کے مدعی نبوت مرزا صاحب کی تکفیر کرنے والے علماء بدترین خلائق ٹھہریں؟

..... اؤ لہ یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ کیونکہ مختار مدعا علیہ نے اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا۔ محض دعویٰ بلا دلیل ناقابل سماعت ہے۔ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ وہ پہلے ایک قابل مواخذہ بات کر دیتے۔ جب اعتراضات ہوتے افتراء کے طور اس کی ابتداء اور ان کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ ہاں! مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا علماء نے بموجب فرمان نبوی ان کو کذاب و دجال ضرور کہا یا مرزا صاحب کی پیش گوئیوں پر نکتہ چینی کی۔ مرزا صاحب کے دلائل لاطائل کی حقیقت کھول کر رکھ دی تاکہ لوگ اس فتنہ والحاد سے بچ جائیں جس پر مرزا صاحب نے دلائل کا جواب دشنام دہی سے دیا جو ہر مفتری کا طریق کار ہے۔

۸..... مختار مدعا علیہ نے کنز العمال کی حدیث نقل کر کے مرزا صاحب کے مخالف علماء کو خنزیر اور بندر بتلایا ہے۔ بندر اس لئے کہ نقل اتارنے کے عادی ہوں۔ یعنی لکیر کے فقیر اور پرانی روایات کے پابند ہوں گے اور خنزیر اس لئے، جو اب سے عاجز ہو کر خنزیری صفات یعنی گالی دیں گے۔ یہ ہے مختار مدعا علیہ کا سلیقہ جو اس نے اپنے پیشوا مرزا صاحب سے وراثتاً پایا ہے۔ اب میں حدیث کا جواب دیتا ہوں اور مختار مدعا علیہ کی غلط فہمی کا ازالہ کر کے ثابت کرتا ہوں کہ مختار مدعا علیہ نے ناحق اس حدیث کو مرزا صاحب کے مخالف علماء پر چسپاں کیا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صاف طور پر ان مولویوں پر منطبق ہے جنہوں نے قرآن و حدیث میں تحریف کر کے مرزا صاحب کی تصدیق کی ہے کہ حضور ﷺ اخیر زمانہ کے متعلق پیش گوئی فرماتے ہیں کہ میری امت میں ایک خوفناک فتنہ اٹھے گا جو اس فتنہ قادیانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ ناواقف لوگ اپنے علاقہ کے مولویوں کی طرف اس فتنہ کی فریاد لے جائیں گے کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اٹھیں ان میں بعض مولوی پہلے اس فتنہ میں مبتلا ہو کر بنی اسرائیل کے بعض مغضوب علیہم لوگوں کی طرح مسح ہو کر خنزیر و بندر ہو چکے ہوں گے۔ یعنی رسول خدا ﷺ کا بتلایا صراط مستقیم چھوڑ کر اس فتنہ کو قبول کر کے ”کونوا فردة خاسئین“ کا مصداق ہو چکے ہوں گے اور لوگوں کو بھی اس فتنہ عظیمہ کی دعوت دیں گے یا معنی ہے کہ اس گروہ کے مولویوں میں بندروں کی نقل اور خنزیروں کی بے غیرتی پائی جائے گی۔ چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اس فرقہ کے مولوی مرزا صاحب کی برأت کے لئے مختلف نقلیں اتارتے رہتے ہیں اور حاطب لیل ہو کر کہیں تورات کا قول، کہیں انجیل کے حوالے، کبھی جنم سا کہوں کی عبارتیں، کسی وقت صوفیاء کرام کے اقوال پیش کرتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کی برأت کا سامان ہو جائے۔ اس فرقہ کے مولویوں کو مناظرہ و استدلال کے میدان میں جو روز اول سے شکستیں اور ذلتیں نصیب ہوتی رہی ہیں۔ متھضائے غیرت یہ تھا کہ کبھی نام نہ لیتے، مگر ہمارے آقا ﷺ نے ان کو خنزیر صفت بتلا کر بطور پیش گوئی فرمایا تھا کہ ان میں غیرت نہیں ہوگی۔ یہ ہے حدیث کا مطلب جس کو مختار مدعا علیہ نے غلط بیان کر کے مرزا صاحب کے مخالف علماء پر چسپاں کیا تھا۔ رسول خدا ﷺ نے ان علماء کو بشارت دی ہے کہ جو اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے اور صراط مستقیم پر قائم رہیں گے۔ ”لا یزال طائفة من امتی ..... الخ!“

۹..... مختار مدعا علیہ اپنے پیشوا سے کس قدر تنزل کر کے کہتا ہے کہ اگر مرزا صاحب کی کلام میں گالیاں ہیں تو ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم میں گالیاں ہیں۔ ورنہ خود مرزا صاحب نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ ماننا پڑے گا کہ قرآن گالیوں سے پر ہے۔ پس ان ہر دو عبارات سے عدالت خود غور فرما سکتی ہے کہ ان لوگوں کا تعلق اسلام اور بانی اسلام اور قانون اسلام یعنی قرآن کریم سے کس قدر ہے کہ اگر مرزا صاحب کی تعلیم پر اعتراض کیا جائے تو ویسا اعتراض اسلام پر کر دیتے ہیں۔ اگر الزام مرزا صاحب سے ثابت ہو تو اسی قسم کا اعتراض حضور ﷺ کی ذات اقدس پر کر دیتے ہیں اور اگر کوئی اعتراض مرزا صاحب کی کلام پر وارد ہو تو ویسا ہی اعتراض قرآن حکیم پر عائد کر دیتے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ دعویٰ بھی موجود ہے۔ ”مامسلمانیمن از فضل خدا“

۱۰..... قرآن کی بیان کردہ مثال ”ذالک مثل الذین کذبوا بآیات اللہ (الآیۃ)“ بھی حرف بحرف مرزا صاحب کی جماعت کے مولویوں پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ کتابیں پڑھنے کے بعد ان مولویوں نے اللہ تعالیٰ کے فرامین اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد و ہدایت کو پس پشت ڈال کر ختم نبوت کا قرآنی اور نبوی اور اجتماعی عقیدہ چھوڑ کر محض ہوائے نفس میں علم ربانی سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور پھر علماء ربانیین نے ان کے عقیدہ باطل کی تردید میں روز روشن کی طرح دلائل و براہین قائم کر دیئے۔ وہ صم بکم عم رہ کر ہدایت سے محروم رہے۔

۱۱..... مختار مدعا علیہ نے تو اس جواب میں کمال ہی کر دیا۔ مرزا صاحب اپنے مخالفوں کو خنزیر کہتے ہیں اور ان کی بیویوں کو کتیاں۔ مگر مختار مدعا علیہ کہتا ہے کہ وہ عورتیں مراد ہیں۔ جو مرزا صاحب کو گالی دیتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اولاً اس ملک کی عورتوں کو مشاجرات مذہبی کا علم بھی نہیں ہوتا۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ان سب مخالفین کی عورتوں کو مرزا صاحب اور ان کے اپنے خاندانوں کے ذریعہ مخالفت مذہبی کا علم بھی ہو گیا ہو تو یہ کہاں سے لازم آیا کہ مخالفوں کی عورتیں مرزا صاحب کو گالی بھی دیتی ہوں گی۔ پھر مرزا صاحب کا بلا استثناء مخالفوں کی عورتوں کو کتیاں کہنا کس قدر بلا وجہ الزام ہے۔

### ذریعۃ البغایا

مختار مدعا علیہ نے لغت کے مستند اور معتبر کتب سے ثابت کر کے بتلایا کہ ذریعۃ البغایا کے معنی حرام کار عورتوں کے بیٹے کے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے تمام مخالفوں کو جو ان کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کرتے اور اس دعویٰ میں ان کو جھوٹا مانتے ہیں۔ ان کو زنا کار عورتوں کی اولاد بتلایا ہے۔ حالانکہ کوئی شریف انسان اپنے کسی مخالف کو صرف اختلاف دعویٰ کی وجہ سے زانیہ عورت کی اولاد یا حرام زادے نہیں کہتا۔ کیونکہ مذہبی اختلاف کی بنیاد عقائد پر ہے نہ مخالف کے نطفہ حرام اور زانیہ عورت کے اولاد ہونے پر۔ مختار مدعا علیہ نے دیدہ و دانستہ اس حقیقت نفس الامری کو چھپانے کے لئے مرزا صاحب کے قول الا ذریعۃ البغایا کی چند رکیک توجیہ ہمیں کی ہیں۔ پہلے اس سے کہ میں ان توجیہات کا بطلان ثابت کروں، خود مرزا صاحب کے مصنفات سے نبی و بغیہ و بغایا۔ بمعنی زانیہ زنا کار، بازاری حرام کار فاحشہ عورتیں پیش کرتا ہوں۔ جہاں کہیں مرزا صاحب نے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ ان کا ترجمہ زنا کار حرام کار عورتیں کیا ہے۔ میں مرزا صاحب کے صرف ایک رسالہ بحجۃ النور سے چودہ حوالے پیش کرتا ہوں جس میں مرزا صاحب نے نبی و بغیہ و بغایا جس کا ترجمہ زنا کار، بازار، بازاری عورتیں کیا ہے۔ چنانچہ:

۱..... (بحجۃ النور ص ۳۱، خزائن ج ۱۶ ص ۳۷۱) میں ہے: ”یسرون بسلک البغایا“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے خود کیا ہے، بلکہ ”ببدین زن ہائے زانیہ خوش سے شوند“

۲..... اور (بحجۃ النور ص ۶۹، خزائن ج ۱۶ ص ۴۱۰) میں ہے: ”ویجتراؤن کا لبغایا علی انواع الخبائث“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یہ کیا ہے کہ ہم ”چوزنان بازاری برہ نوح ناپا کی دلیری سے نمائند۔“

۳..... اور (بحجۃ النور ص ۸۵، خزائن ج ۱۶ ص ۴۲۷) میں ہے: ”وقد تجتمع الیہم فی بعض لیالیہم بغایا السوق“ جس کا ترجمہ خود مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے: ”وگا ہے در بعض شب زنان بازاری سے آئند۔“

۴..... اور (بحجۃ النور ص ۸۶، خزائن ج ۱۶ ص ۴۲۸) میں ہے: ”یتز وجون البغایا“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے: ”ودرنکاح خود سے آرنڈ زنان بازاری را۔“

۵..... اور اسی صفحہ میں ہے: ”نعم یوجہ کا لبغایا نوع من الجلادة“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یہ کیا ہے کہ: ”بان بچوزنان بازاری قسے از چالاک در ایشان یافتہ میشود۔“

۶..... (لجۃ النور ص ۸۸، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۳۰) میں ہے: ”فان نطفة البغايا قد خامر اكثر ولد“ جس کا ترجمہ خود مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے: ”چرا کہ نطفہ زنان با کثر بچگان مخلوط شدہ۔“

۷..... اور اسی صفحہ میں ہے: ”ويتلون تلو البغايا وککاری الحانته“ جس کا ترجمہ خود مرزا صاحب نے ”وہیں زنان فاسقہ بچوستان شراب خانہ می روند۔“

۸..... اور (لجۃ النور ص ۸۹، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۳۱) نے یہ لکھا ہے کہ: ”زنان فاحشہ ووجال در حیلہ جوئی وکار سازی مشابہت می دارند۔“

۹..... اور (لجۃ النور ص ۹۰، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۳۲) میں ہے: ”ان نساء داران کن بغایا“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یہ کیا ہے کہ اگر ”درخانہ زنان آن خانہ فاسقہ باشند“

۱۰..... اور (لجۃ النور ص ۹۶، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۳۷) میں ”وما اهلکهم الا البغايا“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے خود یہ کیا ہے: ”ہلاک نہ کر دیا نیز اگر زنان فاحشہ۔“

۱۱..... ”وقد کشرت البغايا لشقوة الناس فی هذا الزمان“ جس کا ترجمہ یہ لکھا ہے: ”وہرے بدبختی مرد زنان فاحشہ دریں زمان بسیار شدہ اند۔“

۱۲..... اور (لجۃ النور ص ۹۶، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۳۷) میں ہے: ”وربما تسقط بغی من کثرة الخمر فی وسط السوق وبرا الزم“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے: ”وہسا اوقات زن فاحشہ از کثرت شراب خوری در وسط بازار درگزر مردم بیہوش مے شود۔“

۱۳..... اور (لجۃ النور ص ۹۷، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۳۸) میں ہے: ”ویبذل فی مداوات بغی جہد اسی“ جس کا مرزا صاحب نے یہ ترجمہ لکھا ہے: ”وخرچ مے کند در علاج زنان فاحشہ کوشش طیبہ۔“

۱۴..... اور (لجۃ النور ص ۱۱۸، جز ائن ج ۱۶ ص ۲۶۰) میں ہے: ”واشتغلوا من شرح الوقایة والهدایة الی العواہر والبغایا“ جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ: ”وازش شرح وقایہ وہدایہ روتافتہ سوئے زنان بدکار۔“

ہم نے مرزا صاحب کے ایک رسالہ سے چودہ حوالے ایسے پیش کر دیئے ہیں جس میں مرزا صاحب نے بغیہ، نبی، بغایا کا ترجمہ زن ہائے بازاری، زن ہائے زانیہ، زن ہائے فاحشہ، زنان بدکار کیا ہے۔

اب (آئینہ کمالات ص ۵۲۸، جز ائن ج ۵ ص ۵۲۸) کے لفظ ذریۃ البغایا کی تشریح اور تعین معنی میں مختار ان مدعا علیہ کے پیشوا غلام احمد صاحب کے استعمالات اور محاورات اور بیان کردہ معنی سے صاف ظاہر ہے۔ مختار ان مدعا علیہ کو یقین صریح ہے کہ مرزا صاحب کی پچاس الماریاں ان محاوروں کی تشریح اور بیان معنی سے خالی ہیں۔ اگر مختار ان مدعا علیہ کو اپنے مقتدا مرزا غلام احمد صاحب کی کسی عبارت میں بغیہ اور بغایا کے وہ معنی ملتے جو مختار ان مدعا علیہ مرزا صاحب کے قول الذریۃ البغایا کے کرتے ہیں تو مرزا صاحب کی کسی ایک عبارت یا اس کے ترجمہ سے دکھلاتے۔ حالانکہ ان کے پیشوا و مقتدا مرزا غلام احمد صاحب کو بغیہ اور بغایا، نبی زن فاحشہ، زنان بدکاری وغیرہ الفاظ لکھنے کا بکثرت اتفاق ہوا۔ چنانچہ صرف ایک رسالہ لجۃ النور سے چودہ حوالے پیش کئے گئے ہیں، بلکہ ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مصنفات سے چند ایسے حوالے پیش کرتے ہیں۔ مختار ان مدعا علیہ کے مسلم مقتدا و پیشوا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ذریۃ البغایا کے معنی یعنی اولاد حرام اور حرامزادے کے صریح الفاظ اپنے مخالفوں اور منکروں کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ ذریۃ البغایا کا معنی اولاد حرام اور حرامزادے کے متعلق مختار ان مدعا علیہ ناجائز حیلے کر رہے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مرزا صاحب نے منکرین کے حق میں ذریۃ البغایا بمعنی اولاد حرام کے استعمال نہیں کیا۔ ہم نے ان کی تسکین کے لئے لجۃ النور سے ۱۴ حوالے پیش کر دیئے ہیں

کہ مرزا صاحب بغیہ اور بغایا کے معنی زنان بازاری اور زنا کار، بدکار کرتے ہیں۔ اگر ان کی تسکین کے لئے کافی نہیں تو اپنے مقتداء و پیشوا کے حوالہ جات ذیل پڑھ لیں کہ کس طرح اپنے مخالفوں اور منکروں کے حق میں ذریعہ البغایا کے مترادف الفاظ صریح کہتے ہیں۔

۱..... ”پھر بھی کوئی ہماری تکذیب کرے اور اس معیار کی طرف متوجہ نہ ہو اور ناحق سچائی پر پردہ ڈالنا چاہے تو بے شک وہ حلال زادہ نہیں ہوگا۔“ (انوار اسلام ص ۲۹، خزائن ج ۹ ص ۳۱)

۲..... ”جو شخص اس فیصلہ کے خلاف بکواس کرے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔“ (انوار اسلام ص ۳۰، خزائن ج ۹ ص ۳۱)

۳..... ”اگر وہ ولد الحرام نہیں اور حلال زادہ ہیں تو اس مضمون کو پڑھ کر اس فیصلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔“ (انوار اسلام ص ۳۰، خزائن ج ۹ ص ۳۱)

۴..... ”اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخالفوں سے کون بلا توقف اس فیصلہ کے لئے سعی کرتا ہے اور کون ولد الحرام بننے کے لئے سعی کرتا ہے۔“ (انوار اسلام ص ۳۰، خزائن ج ۹ ص ۳۱)

۵..... ”کہ اگر اب بھی کوئی مخالف مولوی یا کوئی عیسائی یا ہندو یا آریہ یا گیسو والہ سکھ ہماری اس فتح نمایاں کا قائل نہ ہو تو اس کے لئے طریق یہ ہے کہ مسٹر عبداللہ صاحب کو قسم مقدم الذکر کے کھانے پر آمادہ کرے..... اور اگر ایسا نہ کرے تو سمجھا جائے گا کہ وہ شریف نہیں۔ اس کی فطرت میں خلل ہے۔ یہ نہایت صفائی کا فیصلہ اور کسی حلال زادہ کا کام نہیں جو بغیر رعایت اس فیصلہ کے ہم کو جھوٹا شکست خوردہ قرار دے۔“ (مختصر تقریر متعلق فتح اسلام مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۵۴)

ان ہجگانہ حوالہ جات کے ملاحظہ کے بعد عدالت کے سامنے یہ امر بخوبی آ جاتا ہے کہ ذریعہ البغایا کے معنی وہی ہیں جو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں اور مختاران مدعا علیہ نے جو غلط اور لغو فتویات بیان کئے ہیں وہ بالکل صحیح اور قابل اعتناء نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی عادت مستمرہ ہے کہ جو شخص ان کی افتراء اور خود ساختہ باتوں کو تسلیم نہ کرے تو فوراً اس کو حرام زادہ اور ولد الزنا کہہ دیتے ہیں۔ باقی رہا مختاران مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ ابن الفاعلہ اور ابن الزانیہ وغیرہ بول کر اس سے بدخصلت انسان مراد ہوتا ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تاہم ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ ان کے مقتداء اور پیشوا کا استعمال کردہ لفظ ذریعہ البغایا ہے جس کے معنی زانیہ عورتوں کی اولاد کے ہیں اور اس لفظ البغایا کے استعمال کا کوئی محاورہ بمعنی بدخصلت انسان کے نہیں پیش کیا۔ تنازعہ فیہ لفظ ذریعہ البغایا ہے نہ ابن الفاعلہ اور ابن الزانیہ وغیرہ۔

علی ہذا متنبی کا یہ شعر:

تَنكِر مَوْتَهُمْ وَاِنَّا سَهِيْلٌ طَلَعَتْ بِمَوْتِ اَوْلَادِ الزَّنَاءِ

ان کو مفید نہیں، اس لئے مختاران مدعا علیہ نے اس شعر کا غلط یہ ترجمہ کیا ہے: ”یعنی اے علی بن اسحاق آپ حاسدوں اور چغل خوروں کی موت پر تعجب کرتے ہیں۔ حالانکہ سہیل ستارہ ہوں جو ان حیوان سرشت بد باطنوں کے لئے طلوع ہوا ہوں۔“

حالانکہ مولانا ذوالفقار علی صاحب نے تسہیل البیان شرح متنبی میں یہ ترجمہ کیا ہے: ”اور تو حاسدوں کی موت کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ میں سہیل ہوں کہ میں بہائم اولاد الزنا کی موت لے کر آیا ہوں۔“

مختار مدعا علیہ نے پہلے تسہیل البیان کا ترجمہ نہایت طمطراق سے پیش کیا تھا۔ اب چونکہ تسہیل البیان کا ترجمہ ان کے مدعا کی تردید کرتا ہے۔ لہذا اس ترجمہ سے اعراض کر کے از خود ترجمہ کیا اور حیوان سرشت بد باطنوں کا لفظ از خود بڑھالیا جو تسہیل البیان کے ترجمہ کے بالکل

خلاف ہے۔ تسہیل البیان میں لکھا ہے: ”اراد باولاد الزناء البہائم والعرب تقول اذا طلع سهيل وقع العرباء في البہائم“ یعنی اولاد الزناء سے مراد جانور ہیں اور عرب کہتے ہیں کہ جب تسہیل ستارہ نکلتا ہے تو جانوروں میں وباء پھیل جاتی ہے۔ یعنی جس طرح تسہیل ستارہ کے طلوع سے اولاد الزناء یعنی جانوروں میں موت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح میرا وجود حاسدوں کے لئے موت کا موجب ہے۔

مگر مختار مدعا علیہ کی دلیری قابل دید ہے کہ عدالت کے سامنے دیوان تہنیتی جیسی مشہور عالم کتاب کے شعر کے معنی کے متعلق غلط بیانی کر کے دھوکا دینا چاہا ہے۔

مختار مدعا علیہ نے اپنے پیشوا اور مقتداء مرزا غلام احمد صاحب جس نے اسلام اور بانی اسلام کی مقدس تعلیم اور روایات سے تمسخر کیا۔ اپنی خرافات اور ہزلیات کے بچاؤ کے لئے حضرت سرور عالم ﷺ کی مقدس زندگی کو نشانہ بنایا۔ تمام شعائر اسلام پر ہاتھ صاف کیا، جہاں کہیں مرزا صاحب کے فعل و قول پر اعتراض ہوا، فوراً بے دردی سے حضرت آقا ؑ نامدار کی ذات بابرکات پر ویسا حملہ کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب کے اس طریق جواب سے پادری بغلیں بجا رہے ہیں۔ چنانچہ پادری ایس۔ ایم۔ پال مدیر اخبار نور انشاں نے کتاب معذرت نامہ مرزا لکھ کر عیسائیت کی بڑی خدمت کی ہے جو کچھ وہ اسلام اور بانی اسلام اور قرآن حکیم کے متعلق بر ملا نہیں کہہ سکتے تھے وہ مرزا غلام احمد صاحب کے الفاظ میں کہہ گیا ہے اور ساتھ ہی یہ لکھ دیا ہے: ”بالاخر اس قدر اور گزارش کی جاتی کہ اس کتاب کے جمع اور تالیف میں ہم نے اپنے آپ کو بالکل غیر جانب دار رکھا ہے اور اپنی طرف سے ایک جملہ بھی نہیں لکھا ہے اور ہر قسم کے تصرف سے بالکل اجتناب کیا ہے۔ اس لئے سچی مناظرین کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ اگر کبھی ان کو اس کتاب سے کام لینے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس کے حوالے پیش کریں کہ مرزا صاحب یا مرزا صاحب کا فلاں مرید یہ کہتا ہے از خود ان اعتراضات کے پیش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔“

مسلمان بھائیوں کی خدمت میں بھی یہ گزارش ہے کہ اگر ان کو اس کتاب کے جواب لکھنے کی ضرورت پڑ جائے تو ہمارا ذکر مطلق درمیان نہ لایا جائے، کیونکہ ہم صرف حوالوں کے ذمہ دار ہیں نہ کسی اور امر کے، بلکہ براہ راست قادیانیوں کو خطاب کریں۔“

(معذرت نامہ مرزا ص ۱۰)

ارادہ تھا کہ پادری صاحب کے اس رسالہ کے اقتباسات بطور نمونہ پیش کر دیئے جائیں۔ مگر اختصار کی خاطر اس رسالہ کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

- ۱۱..... ”معذرت سوم: آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیاں بھی غلط نکلیں۔ (ص ۲۵)
- ۱۲..... آنحضرت کی پیش گوئیوں کی غلطیاں مرزا کے مریدوں کے زبانی..... (ص ۲۷)
- ۱۳..... مرزا جی کی دشنام دہی کی معذرت کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے..... (ص ۴۱)
- ۱۵..... قرآن وحدیث میں بھی تناقض ہے..... (ص ۴۵)
- ۱۹..... مرزا صاحب کے فرزند دلہند یعنی موجودہ قادیانی خلیفہ کی طرف سے معذرت کہ اگر مرزا صاحب نے اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو آنحضرت ﷺ نے بھی ایسا کیا۔ (ص ۵۲)
- ۲۱..... معذرت اول: اگر میری کلام میں سرقہ ہے تو قرآن میں بھی ہے..... (ص ۵۶)
- ۲۲..... معذرت دوم: قرآن میں بھی غلطیاں ہیں..... (ص ۵۶)
- ۲۷..... آنحضرت کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں..... (ص ۶۳)
- ۳۳..... اگر مرزا صاحب مجنون تھے تو آنحضرت بھی مجبور تھے..... (ص ۶۸)

- ۳۳ ..... اگر مرزا صاحب نے اپنی کوئی بات چھپائی تو آنحضرت نے بھی چھپائی..... (ص ۶۹)
- ۳۴ ..... اگر مرزا صاحب کی مراد پوری نہیں ہوئی تو آنحضرت کی مراد بھی پوری نہیں ہوئی۔ (ص ۷۱)
- ۳۵ ..... اگر مرزا صاحب کے الہامات میں غیر زبان الفاظ ہیں تو قرآن میں بھی ہیں۔“ (ص ۷۴)

اس فہرست کے مطالب پر نظر ڈالنے اور پادری صاحب کی گزارش محو لہ بالا پر غور کرنے سے بالکل واضح ہے کہ مرزا صاحب اور اس کے مریدوں نے حضرت سرور عالم ﷺ اور آپ کی ذات پاک اور قرآن حکیم اور اسلام پر کس قدر ناپاک حملے صرف اس لئے کئے ہیں کہ مرزا صاحب کے ہزلیات پر جو اعتراض وارد ہوتے ہیں وہ حضور ﷺ اور اسلام اور قرآن پر واضح چسپاں کر دیئے جائیں تاکہ کسی طرح مرزا صاحب کی برأت ہو جائے۔ پادری صاحب نے معذرت نامہ کی تمہید میں ایک خط نقل کیا ہے جو لاہوری مرزائیوں کے اخبار پیغام صلح میں شائع ہوا ہے جس کا خاص حصہ ملاحظہ عدالت کے لئے پیش کرتا ہوں: ”جب کسی معترض نے مرزا صاحب کی خصلت یا قول یا فعل پر اعتراض کیا اور کوئی عیب یا نقص یا بدی ان کی طرف منسوب کی تو (قادیان سے) اس کے جواب میں کبھی مرزا صاحب کی برأت یا صفائی نہیں بیان کی گئی، بلکہ یہ جواب دیا گیا کہ یہ باتیں رسول کریم ﷺ میں اور قرآن میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایسے جوابوں سے کوئی امید ہے، سارے مسلمان جو اس کی حقیقت سے زیادہ واقف نہیں ہیں، مطمئن ہو جاتے ہوں گے، مگر غیر مسلمین کے لئے تو صرف مرزا صاحب ہی نہیں، بلکہ اسلام بھی سخت اعتراضوں کا نشانہ بن گیا۔“ (معذرت نامہ ص ۱۰)

الحاصل مرزا صاحب اور ان کے مریدوں نے مرزا صاحب کے قابل اعتراض اور غلط افعال و اقوال کے الزامات کے جواز اور برأت کے لئے حضرت سرور عالم ﷺ قرآن حکیم پر ویسے سنگین حملے کر دیئے۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے۔ اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ یا فرد واحد نے اپنے فعل یا قول یا اپنے مقتدا، مرشد و استاذ کے فعل و قول پر اعتراضات اور مخالفوں کی گرفت اور الزامات کو آنحضرت ﷺ یا قرآن حکیم پر عائد کر کے حضور کی زندگی کو یا قرآن پاک کی تعلیم کو معرض طعن اور مورد الزام نہیں بنایا۔ ہاں! بعض پادریوں اور چند متعصب آریوں نے بے شک یہ طریق اختیار کیا مگر اس سے وہ نقصان متصور نہیں ہو سکتا جو مرزا صاحب اور جماعت مرزا صاحب کی تحریرات سے ہوتا ہے۔ اولاً پادری اور آریہ مسلمانوں کے اشتعال سے خائف ہو کر اس بے باکی سے حملے نہیں کر سکتے۔ ثانیاً اگرچہ مرزائیوں کا تعلق اسلام سے ویسا ہے، جیسا عیسائیوں اور ہندوؤں کا اور عامۃ المسلمین کے حملوں کو بھی عیسائیوں اور ہندوؤں کے حملوں کی طرح اعداء کے حملے سمجھتے ہیں۔ مگر عیسائی اور آریہ ان حملوں کی وجہ سے خوشی سے پھولے نہیں ساتے اور جو کچھ وہ اسلام اور بانی اسلام کی ذات مقدس پر کھلے لفظوں اعتراض اور حملے نہ کر سکتے تھے وہ مرزا صاحب کے الفاظ میں کر کے اپنی اسلام کی دشمنی کا ثبوت دیتے ہیں۔

باقی رہا مختار مدعا علیہ کا یہ دعویٰ اور اس کی ان کتابوں کو جن میں اسلام کی صداقت ظاہر کی گئی ہے۔ کس قدر لغو اور فضول ہے مرزا صاحب کی چھوٹی بڑی کتابیں اور رسالے تقریباً ۸۲ ہیں۔ ان تمام کتابوں اور رسالوں میں مرزا صاحب نے بلا ربط اور مناسبت جو کچھ لکھا وہ اپنی مجددیت، مہدویت، مسیحیت اور رسالت و نبوت کے ثبوت میں مختلف رنگ اور گونا گوں پینترے بدلے رفتہ رفتہ اسلام اور اسلامی روایات اور انبیاء علیہم السلام اور صالحین پر ہاتھ صاف کرتے گئے۔ مرزا صاحب کے دجل اور کذب کو ظاہر کرنے کے لئے علماء نے اپنا فریضہ ادا کیا تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ اگر کسی نے اس بدخلقی پر اعتراض کیا تو جواب دیا کہ قرآن گالیوں سے پر ہے۔ حضور ﷺ نے مخالفوں کو گالی دی تھیں۔ علماء نے ختم نبوت وغیرہ استدلال بالحدیث پیش کیا تو حدیث کو یہ کہہ کر ردی کی نوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں، جھوٹے اور جعلی معجزات اور نشانوں کا پلندہ تیار کیا۔

واقعات نے اس کو غلط ثابت کیا تو کہہ دیا کہ پہلے انبیاء کی پیش گوئیاں بھی غلط نکلی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی بعض الہامات کو صحیح نہیں سمجھا۔

محمدی بیگم اور عبداللہ آتھم وغیرہ کی پیش گوئیاں جو بالکل صاف غلط ثابت ہوئیں، ان کی توجیہات و تاویلات میں سر توڑ کوشش کی علماء اور اکابر امت کے سب و شتم میں پورا زور صرف کر دیا اور ان کے اوراق سیاہ کرتے گئے اور ساتھ ہی اصول اور روایات اسلام کا انکار اور اپنی مدح سرائی اور اسلاف کا تخریبیہ کرتے گئے۔ مرزا صاحب کے مصنفات، مثلاً: سراج منیر، نزول المسیح، تریاق القلوب، تحفہ گوڑویہ، اعجاز احمدی وغیرہ کو ملاحظہ کیا جائے۔ اسلام کی حقانیت اور حضور ﷺ کی رسالت اسلامی عقائد اور روایات کے ثبوت میں ایک دلیل ایک برہان بھی نہیں ملے گا۔ کہیں کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ممت پر کچھ بیان ہوگا جس میں دلائل اور براہین کا رنگ نہیں، بلکہ اس اولوالعزم کی شان میں استہزاء و تمسخر کا پہلو قوی ہوگا۔ اللہ اکبر!

کس قدر عدل و انصاف سے عاری ہو مختار مدعا علیہ۔ مرزا صاحب کی کتابوں کو بھی اسلام کی صداقت پر تصنیفات کہتا ہے۔ اگر ان کو اسلامی روایات کی تردید اور دشمنانہ تمسخر سے تعبیر کیا جائے تو زیبا ہے۔ اگر ان مصنفات میں کہیں کہیں حضور ﷺ کے متعلق کوئی مدح کا لفظ آتا ہے تو وہ بھی آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارک اور اخلاق عالیہ اور تعلیم میں اور اس کے فلسفہ و حکمت پر بیان نہیں، بلکہ اس میں اپنی صفائی منوانے کے لئے فدائیت اور غلامی کا دعویٰ کر کے حضور ﷺ کی عینیت و ہمسری تک پہنچنا مقصود ہوتا ہے اور بس۔

مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کے مصنفات میں مذہب اسلام اور بانی اسلام سے جو دشمنی کی گئی ہے اور عیسائیوں اور آریوں کو کھلے لفظوں میں حملے کرنے کا موقع دیا گیا ہے وہ پادری ایس۔ پال مدیر نور افشاں کی معذرت نامہ مرزا صاحب اور اس کے دیباچہ کے ملاحظہ سے ظاہر ہے۔

پھر مختار مدعا علیہ نے الذریۃ البغایا کی دوسری توجیہ یہ کی ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر عیسیٰ علیہ السلام کو باپ مانتے ہیں۔ اس لئے استعارۃً ان کو ذریۃ البغایا کہا گیا اور مسلمانوں پر جن کا اعتقاد حضور ﷺ کے متعلق یہ ہے کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یہ الزام غلط عائد کیا۔ ”اور آنحضرت ﷺ جو امت کے حقیقی اور روحانی باپ ہیں انہیں چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور ﷺ پر فضیلت دینا اور حضور کو چھوڑ کر ان کو اپنا باپ تسلیم کرنا ہے تو وہ بھی اس بدکار عورت کے مشابہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کو استعارۃً ذریۃ البغایا قرار دیا جانا، بالکل درست ہے۔“

یہ مختار مدعا علیہ کی خیانت ہے کہ اس نے مسلمانوں پر ایک واجب الاحترام الزام لگایا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو حضور ﷺ پر فضیلت دیتے ہیں اور حضور ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ بناتے ہیں۔ ان هذا الا بہتان عظیم! مگر بایں ہمہ مختار مدعا علیہ نے بغایا کا معنی بدکار عورت تو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن محض فریب اور خدع کر کے مسلمانوں کو ذریۃ البغایا کہنے کی جواز کی وجہ حضور ﷺ کا چھوڑنا اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان پر فضیلت دینا بتلایا ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے ان لوگوں کو ذریۃ البغایا کہا جو مرزا کے دعویٰ کو نہ مانیں اور اس کی مہمل مصنفات کو بنظر محبت نہ دیکھے۔ اصل عبارت مرزا صاحب کی یہ ہے: ”تسلک کتب ينظر اليها كل مسلم بعين المحبة والموودة ويستفيع من معارفها ويقلبني ويصدق دعوتي الا ذرية البغايا الذين ختم الله على قلوبهم فهم لا يقبلون“ (آئینہ کالات اسلام ص ۵۳۷، ۵۳۸، خزائن ج ۵ ص ۵۵۸) جس کا ترجمہ لفظی یہ ہے: یہ کتابیں ہیں ان میں ہر ایک مسلمان محبت اور مودت کی آنکھ سے نظر کرے گا



اور ان کے معارف سے نفع اٹھائے گا۔ مگر وہ زانیہ عورتوں کی اولاد جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مہر ماردی ہے سو وہ قبول نہیں کریں گے۔ آئینہ کمالات کی اصل عبارت اور اس کے لفظی ترجمہ سے واضح ہے۔ مرزا صاحب نے ان تمام مسلمانوں کو ذریعہ البغایا یعنی زانیہ عورتوں کی اولاد کہا ہے جو مرزا صاحب کے دعاوی یعنی مہدی ہونا، مسیح ہونا، نبی و رسول ہونا یعنی محمد ﷺ ہونا نہیں مانتے۔

مسلمان اپنی دینی اور دنیاوی فلاح کی مدار حضور ﷺ کی غلامی سمجھتے ہیں۔ مگر مرزائی حضور ﷺ کی غلامی پر اکتفاء نہ کر کے مدار ایمان اور مدار نجات مرزا صاحب کی غلامی سمجھتے ہیں۔ اس لئے مختار مدعا علیہ کے استدلال پر استعاذہ مرزا صاحب کی امت کو ذریعہ البغایا کہنے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر مسلمان اس حقیقت الامری سے بخوبی واقف ہیں کہ جب سے مذہب اور تہذیب کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے اور باہمی مشاجرات اور اختلافات کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ کسی مہذب اور شائستہ انسان نے اپنے مخالف کو اپنی بات منوانے کے لئے کبھی یہ نہیں کہا کہ جو میری بات نہ مانے گا اور میرے دعویٰ کو تسلیم نہ کرے گا وہ حرامزادہ ہے۔ ہاں! چھوٹے نادان بچے کھیلتے وقت ایک دوسرے کو ایسا کہہ دیتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی قابل اقتداء سیرت ان سفیہانہ حرکات سے مقدس ہوا کرتی ہے۔ یہ مرزا صاحب کے اخلاق کا نمونہ ہے۔ بایں ہمہ رسول اللہ ﷺ کی ہمسری اور عینیت کا دعویٰ ہے:

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب ان کتابوں کے متعلق (جن میں اسلام کی حقانیت اور حضور ﷺ کی فضیلت کا ذکر ہے) فرماتے ہیں کہ: ”ہر ایک مسلمان ان کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔“ یہ بالکل جھوٹ ہے اصل عبارت اوپر لکھی جا چکی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان محبت کی نگاہ سے دیکھے گا، مگر جو زانیہ عورتوں کی اولاد ہیں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ مختار مدعا علیہ نے (ایام الصلح ناسخ ص ۱۳ ج ۲۲۸) کی یہ عبارت: ”ہماری اس کتاب میں اور رسالہ فریاد در دین وہ نیک چلن پادری اور دوسرے عیسائی مخاطب نہیں جو اپنی شرافت ذاتی کی وجہ سے فضول گوئی اور بدگوئی سے کنارہ کرتے ہیں اور دل دکھانے والے لفظوں سے ہمیں دکھ نہیں دیتے اور نہ ہمارے نبی ﷺ کی توہین کرتے ہیں اور نہ ان کی کتابیں سخت گوئی اور توہین سے بھری ہوئی ہیں، ایسے لوگوں کو بلاشبہ ہم عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ ہماری ذاتیات پر بدگوئی سے حملہ کرتے یا ہمارے نبی ﷺ کی شان بزرگ میں توہین آمیز باتیں منہ پر لاتے ہیں اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں۔ سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں جو منہ پر بدزبانی اور کینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔“

اور (بحیۃ النور ص ۶۷، خزائن ج ۱۶ ص ۴۰۹) کے ترجمہ کی یہ عبارت: ”ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں نیک علماء کی ہنک سے اور شرفاء اور مہذب لوگوں پر اعتراض کرنے سے خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں یا عیسائیوں یا آریوں میں سے بلکہ ہم ان تینوں اقوام کے لئے بیوقوفوں میں سے بھی صرف ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی بدزبانی اور برائی ظاہر کرنے میں لوگوں میں مشہور ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ جو اس قسم کی برائی سے بری ہے اور اپنی زبان کو روکتا ہے، ہم بھلائی سے یاد کرتے ہیں اور بھائیوں کی طرح اس سے محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔“

اور اسی طرح (الہدیٰ ص ۶۸، خزائن ج ۱۸ ص ۳۱۴ حاشیہ) کی عبارت: ”ولیس کلامنا هذا فی اخبار ہم بل فی اشراہم“ یعنی ”ہمارا ایسا کلام نیک علماء کے حق میں نہیں ہے بلکہ صرف شریروں کے حق میں ہے،“ نقل کر کے یہ دھوکا دینا چاہا ہے کہ الذریعہ البغایا سے مراد وہی لوگ ہیں جو مرزا صاحب کے حق میں بدزبانی اور برائی ظاہر کرتے تھے اور اس کی تائید میں ”ایام الصلح“ اور ”بحیۃ النور“ اور ”الہدیٰ“ کی عبارتیں پیش کر دی ہیں۔ حاشا وکلا..... ان عبارتوں کو اصل الزام کے دفع کرنے میں ادنیٰ تناسب بھی نہیں۔

اس عبارت میں مرزا صاحب کہتے ہیں ہر ایک مسلمان میری کتابوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھے گا اور میرے دعویٰ کی تصدیق کرے

گا مگر حرامزادے لوگ جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔

مرزا صاحب کی دشنام دہی کی علت مرزا صاحب کے دعویٰ کو نہ ماننا ہے اور اس کی تصدیق نہ کرنا ہے۔ اب مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں۔ پس وہ مسلمان (خواہ عالم ہوں یا جاہل ہو یا عربی یا عجمی) جو مرزا صاحب کو نہیں مانتا وہ مرزا صاحب کے اس بیان کے مطابق الذریعۃ البغایا میں سے ہے۔

## ازواج مطہرات کی توہین

ہمارا اعتراض یہ تھا کہ امہات المؤمنین کا لقب صرف حضور سرور عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے خاص ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو امہات المؤمنین نہیں کہا جاتا۔ مرزا صاحب کی امت، مرزا صاحب کی بیوی کو ام المؤمنین (جو لقب خصوصی ازواج مطہرات) کہہ کر ازواج مطہرات کی توہین کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں مختار مدعا علیہ ایک بھی سند شرعی پیش نہ کر سکا۔ نہ کتاب سے، نہ حدیث سے، نہ کتب عقائد سے، نہ تصریحات فقہاء سے۔ محض اپنے قیاس سے ایک اختراعی نتیجہ پیش کیا ہے کہ جب کہ ہر ایک نبی امت کے لئے باپ ہیں تو اس کی بیوی ضرور اس امت کی ماں ہوگی۔ حالانکہ یہ قیاس نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویاں کافرہ تھیں۔ وہ کیونکر مؤمنین کی مائیں ہو سکتی ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ کی ازواج کی تطہیر نص قرآنی سے ثابت تھی۔ اس لئے بعض قطعی قرآن حکیم ان کو امہات المؤمنین کہا گیا۔ لہذا اس خصوصیت کو عام کر کے اس ام المؤمنین کا لقب کسی دوسرے شخص کی بیوی کے لئے استعمال کرنا یقیناً ازواج مطہرات کی توہین ہے۔ نیز صرف سوال یہ تھا کہ کسی نبی حتیٰ کہ حضرت آدم کی زوجہ مطہرہ ام بنی آدم کو بھی ام المؤمنین کا لقب عطاء نہ ہوا، اس کا کوئی بھی نقل ضعیف سے ضعیف پیش کر کے جواب نہ دیا۔ لہذا توہین بہر حال قائم رہی۔

## حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی توہین

مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کا واقعہ کشفی بیان کر کے حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی اور مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے خوابوں کو الزاماً پیش کیا ہے اور اس سے مرزا صاحب کے کشف کو خواب کا واقعہ قرار دینا کافی سمجھتا ہے۔ حالانکہ مختار مدعا علیہ کا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ یہ دونوں بزرگ نہ نبی ہیں اور نہ مدعی نبوت اور مرزا صاحب مدعی نبوت اور مختار مدعا علیہ کے نزدیک نبی ہیں، نبیوں کے خواب وحی ہوتے ہیں اور وساوس شیطانی سے پاک۔ جیسا کہ خود مرزا صاحب (حماتہ البشری ص ۱۳، خزائن ج ۷ ص ۱۹۰) میں لکھتے ہیں: ”ولایخفی علیک ان رؤیا الانبیاء وحی“ اور (ازالہ اوہام ص ۲۱۱، خزائن ج ۳ ص ۲۰۴) میں ہے۔ نبی کی خواب تو ایک قسم کی وحی ہوتی ہے اور اسلامی عقیدہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ (روح المعانی پارہ ۱۶ ص ۳۳) میں ہے: ”ان روایا الانبیاء والہاماتہم وحی“ نیز گواہان مدعا علیہ نے جرح میں بھی اسے تسلیم کر لیا ہے۔ جب کہ مرزا صاحب مختار مدعا علیہ کے نزدیک نبی ہیں اور نبی کی وحی الہی ہیں اور وحی دخل شیطانی سے پاک ہوتی ہے اور مرزا صاحب کا حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی ران مبارک پر سر رکھنا مشاہدہ عینی سے بھی کہیں زیادہ قوی الثبوت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی خوابیں ایسے واقعات سے پاک ہوتی ہیں۔

## بیت اللہ کی توہین

مرزا صاحب نے سرزمین قادیان کو ارض حرم قرار دیا ہے:

زمین قادیان اب محترم ہے نجوم خلق سے ارض حرم ہے

(درشمن اردو ص ۵۶)

نیز مرزا صاحب کے بیت الفکر کو ”من دخلہ کان آمننا“ ماننا جس پر ہماری طرف سے یہ اعتراض ہوا کہ مرزا صاحب نے قادیان کو ارض حرم قرار دے کر بیت اللہ کی توہین کی ہے اور مختار مدعا علیہ جو اب جرح میں کہہ چکا ہے کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے اس کے جواب میں مختار مدعا علیہ نے یہ بیان کیا ہے۔

..... گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ نے جرح کے جواب میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ ہمارا عقیدہ ہے بلکہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شعر مذکورہ مرزا صاحب کا ہے۔

الجواب: یہ مختار مدعا علیہ کی غلط بیانی ہے ورنہ جرح مارچ ۱۹۳۳ء کو اپنا عقیدہ ہونا تسلیم کر چکا ہے۔ عدالت خود فرمائے یہ اس کا انکار بھی قابل توجہ ہے۔ ایک طرف مرزا صاحب کو نبی ماننا ہے جس کا ہر قول و فعل حجت ہوتا ہے۔ دوسری طرف مرزا صاحب کے صریح حکم کہ: ”قادیان کی زمین ارض حرم ہے“ پر عقیدہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ مرزا صاحب کی نبوت بھی ایک عجیب چیز ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ قادیان کی زمین ارض حرم ہے، مگر ان کی امت کا ایک فرد یہ کہتا ہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں۔

..... ۲ ”مرزا صاحب نے زمین قادیان کو ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔“

الجواب: مختار مدعا علیہ کا دیدہ و دانستہ یہ ایک مغالطہ ہے یا علوم عربیہ کی ناواقفی ہے۔ کیونکہ علماء عربیت نے تصریح کی ہے کہ تشبیہ میں عموماً حرف تشبیہ کا ہونا ضروری ہے اور مرزا صاحب کے شعر میں کوئی حرف تشبیہ نہیں۔

..... ۳ یعنی جس طرح لوگ محض دین کی خاطر حج کے لئے ارض حرم ہجوم کرتے ہیں۔ یہاں بھی ہجوم کرنا دین ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ اعلاء دین کے لئے تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلام کی اور نبی کریم ﷺ کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔

الجواب: بالکل غلط ہے قادیان میں خدا تعالیٰ کی تعلیم اور رسول خدا ﷺ کے ارشادات کی تحریف اسلامی روایات کی تکذیب، عقائد اسلامی کی جھٹیل سھلائی جاتی ہے۔ پھر سب سے زیادہ نقصان رساں پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جاتا ہے۔ عیسائی اور آریہ جو اسلام کے دشمن ہیں وہ مشن قادیان کے کاموں سے بہت خوش ہیں اور مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے شکر گزار ہیں۔ عیسائیوں کے خیالات و افکار ذریعہ البغایا کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔ اب آریہ کی اخبار آریہ دھرم کا ایک حوالہ پیش کرتا ہوں۔ ”اسلامی عقائد کو متزلزل کرنے میں احمدیت نے آریہ سماج کو ایسی امداد دی ہے جو کام آریہ سماج صدیوں میں انجام دینے کے قابل ہوتا وہ احمدی جماعت کی جدوجہد نے برسوں میں کر دکھایا۔ بہر حال آریہ سماج کو مرزا صاحب اور ان کے مقلد اور مرید مرزائیوں کا مشکور ہونا چاہئے۔

(آریہ دیر ۲۲/۱۳، مارچ ۱۹۳۲ء، ص ۱۲، ۱۳)

یہ ہے سر زمین قادیان کے کارنامے جس کو مختار مدعا علیہ اعلائے دین کے تجاویز اور فضائل نبی کریم ﷺ کے بیان کرنے کا مرکز بتلا رہا ہے۔ قادیان وہ زمین ہے، جہاں کے مدعی نبوت نے رسول اللہ ﷺ کی عینیت کا دعویٰ کیا۔ حضور ﷺ کے ظہور کو ہلال اور اپنے ظہور کو چودہویں کا چاند بتلایا ہے۔ حضور ﷺ کی اجتہادی غلطیاں گنوائیں، مگر اپنی غلطیوں کی کوئی لسٹ نہیں۔ مرزا صاحب پر اعتراض کو حضور ﷺ کی ذات مقدس پر چسپاں کیا۔ قادیان کی زمین سے یہ آواز نہیں اٹھی:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور پہلے سے بڑھ کر اپنی شان میں  
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

(اخبار البدر قادیان مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء، ص ۱۳)

۴..... اور کسی چیز کو کسی سے تشبیہ دینے سے مشبہ کی توہین نہیں ہوا کرتی، بلکہ مشبہ بہ سے اس کی فضیلت اور برتری ثابت ہوتی ہے۔  
**الجواب:** اولاً مرزا صاحب کے شعر میں تشبیہ نہیں۔ کیونکہ تشبیہ کے لئے حرف تشبیہ کا ہونا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ ثانیاً قادیان میں جو هجوم خلق ہوتا ہے وہ اعلیٰ دین اور ذکر فضائل رسول مدنی نہیں ہوتا، بلکہ بنیاد کے اکھیڑنے اور رسول قدنی کی برتری کے لئے ہوتا ہے۔  
 ثالثاً بفرض محال اگر مختار مدعا علیہ کے زعم کے مطابق بھی مان لیا جائے تو کیا کسی وصف کے پائے جانے سے حقائق شرعیہ اور مصطلحات دینیہ کا اطلاق بھی ہو جاتا ہے۔ انبیاء کو سچی خوابیں آتی ہیں۔ پس جس شخص کو سچی خوابیں آئیں کیا مختار مدعا علیہ اس کو بھی رسول اور نبی کہے گا جس کتاب میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہو۔ مختار مدعا علیہ اس کو قرآن حکیم کہے گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہے گا کہ سچی خواب دیکھنے والے شخص کو نبی کہنے اور اس کتاب کو قرآن کہنے میں انبیاء اور قرآن کی فضیلت و برتری ثابت ہے۔ غالباً ہرگز نہیں کہے گا۔ یہ تو تمام جھوٹے مدعیان نبوت کو سلیقہ رہا ہے کہ مصطلحات اسلامی کو ہمیشہ اپنے لئے ثابت کرتے رہتے ہیں۔  
 ۵..... لیکن بزرگان اسلام نے ایک شعر میں دل کو کعبہ بلکہ ہزار کعبہ سے بہتر بتایا ہے مشہور شعر:  
 دل بدست آور کہ حج اکبر است..... الخ!

**الجواب:** مختار مدعا علیہ نے ایک شعر نقل کیا جس کو بزرگان دین و اسلام کا شعر بتایا ہے یہ کس قدر بدیہی مغالطہ ہے کہ یہ شعر بہر حال کسی ایک شاعر کا ہوگا نہ مجموعہ بزرگان اسلام نے مل کر یہ شعر بنایا ہوگا۔ محض دھوکا دینے اور اس شعر کو بلند پایہ ظاہر کرنے کی خاطر بزرگان اسلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

یہ شعر اس قدر بے اصل ہے کہ کب مختار مدعا علیہ نے اس شعر کو پیش کیا تو میرے سخت اصرار اور مطالبہ کے باوجود یہ نہ ہٹا سکا کہ یہ کس شخص کا شعر ہے اور کس کتاب میں ہے۔ پس ایک ایسے قول سے کہ نہ جس کے قائل کا پتہ ہے اور نہ کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ استدلال کرنا کتنا ہی لغو ہے۔ احکام و مسائل اصول و دلائل سے ثابت ہوتے ہیں نہ زید و بکر کے اقوال سے۔  
 ۲..... بعض نے فرمایا کہ حقیقی کعبہ تو دل ہی ہے۔ چنانچہ علم الکتاب میں لکھا ہے..... الخ!

**الجواب:** یہ صرف ان کی کتب سے ناواقف ہی ہے۔ ان کی اصطلاح میں ہر مہبط تجلیات کعبہ کہلاتا ہے یا کوہ طور مگر اسے مقام حج ”من دخلہ کان آمنًا“ مصداق نہیں بناتے۔ بخلاف مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب کے کہ سالانہ جلسہ ہی کی حاضری حقیقی حج بتاتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ پس یہ لوازم بتاتے ہیں کہ وہاں مجازی معنی شاعرانہ تخیل کی بناء پر مراد نہیں، بلکہ حقیقی مقابلہ ہے۔ مزید برآں اور تمام حرمین کے مقامات مقدسہ کے بھی نمونہ و نام بنا رکھے ہیں۔

۳..... نیز جب کہ اس کے نزدیک قرآن مجید میں صرف بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے سے بھی توہین کو حرم کعبہ لازم آتی ہے؟

**الجواب:** عدالت خود غور فرمائے کہ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ شان، ہمسری دکھلاتے ہوئے کس طریقہ سے کہہ دیا ہے کہ اگر مرزا صاحب کے قادیان کو حرم بنانے سے توہین کعبہ لازم آتی ہے تو رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے سے بھی کعبہ کی توہین لازم آتی ہے۔ گویا مرزا صاحب کا قادیان کو حرم قرار دینا ایسا ہے جیسا رسول اللہ ﷺ کا مدینہ منورہ کو حرم قرار دینا اگر حضور ﷺ کا فعل توہین ہے تو یہ بھی توہین ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ مختار مدعا علیہ کے اس جواب سے یہ ثابت ہو گیا کہ قادیان کا حرم ہونا بطور تشبیہ نہیں، بلکہ علی سبیل التحقیق ہے۔ مختار مدعا علیہ نے جو پہلے توجیہ کی تشبیہ کی تھی وہ غلط ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کا حرم ہونا حقیقتاً ہے نہ تشبیہاً۔

جیسا کہ بخاری میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو عمیر و ثور کے مابین حرم قرار دیتا ہوں..... الخ! (الحدیث)

نیز یہ ثابت ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی تشریح مانتا ہے کسی شہر یا زمین کو حرم قرار دینا ایک حکم شرعی ہے اور جس کی قرارداد سے کوئی نیا حکم شرعی ثابت ہو جائے۔ اس کو لادنبی صاحب شریعت ماننا پڑے گا۔ ملاحظہ ہو (الربیعین نمبر ۴ ص ۸۰، خزائن ج ۱ ص ۲۳۶) ”اللہ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی مامور سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ مت بولو، زنا نہ کرو، خون نہ کرو۔ ظاہر ہے ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔“

شریعت اسلامیہ میں ارض حرم صرف مکہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ اب مرزا صاحب نے قادیان کی زمین کو بھی ارض حرم قرار دیا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ صاحب شریعت رسول اور شارع ہیں۔ آپ ﷺ کے تخصیص و تعیین سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ آپ کا قول و فعل اصول دین میں سے ایک اصل ہے جس سے احکام شرعیہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ آپ کا شان ”ما ینتطق عن الہوی“ ہے۔

۴..... کیا مختار مدعیہ مولوی عبدالملک صاحب پنشنر مشیر مال ریاست بہاولپور والد ماجد مولوی اختر علی صاحب منتظم آبادی کو بھی کافر و مرتد قرار دے گا، جنہوں نے جامع مسجد بہاولپور کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کو مسجد اقصیٰ کی مثال اور کعبہ قرار دیا ہے..... الخ!

**الجواب:** مولوی اختر علی صاحب منتظم آبادی کے والد ماجد مولوی عبدالملک صاحب کے اشعار میں نہ کوئی کفر و ارتداد کا کلمہ ہے اور نہ مختار مدعیہ کے نزدیک وہ کافر و مرتد ہیں۔ ہاں! مختار مدعا علیہ اپنے مذہب اور اصول کو اور اپنے رسول قدنی اور اپنے واجب الاطاعتہ خلیفہ ثانی مرزا محمود صاحب کی تصریحات کے مطابق مولوی صاحب ممدوح کو دیگر کروڑہا مسلمانوں کی طرح کافر سمجھنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب مرزا صاحب کو نہ نبی مانتے ہیں اور نہ اس کی بیعت میں داخل ہیں اور مرزا محمود صاحب (آئینہ صداقت ص ۳۵) میں فرماتے ہیں: ”ہر وہ مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں ہوا، خواہ اس نے مسیح کا نام تک بھی نہ سنا ہو، وہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔“ پھر (ص ۸۶) پر ”پکا کافر“ بتاتے ہیں۔

باقی رہا کہ اس مسجد کو مسجد اقصیٰ کی مثال اور کعبہ کہنا کوئی توہین نہیں۔ کیونکہ جس طرح کعبہ اور مسجد اقصیٰ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے، ایسا ہی تمام مساجد کو بیت اللہ اور خدا کا گھر بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں بیت اللہ کی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ بخلاف زمین قادیان کے وہ زمین حرم نہیں ہو سکتی۔

حضرت شیخ الہند مرحوم کے اشعار کا جواب حوالہ جات حسام الحرمین وغیرہ کے سلسلہ میں دیا جائے گا اور معلوم ہو جائے کہ محض یہ مغالطہ ہی مغالطہ ہے۔

۵..... مرزا صاحب کے الہام ”من دخلہ کان آمننا“ سے جو مسجد مبارک کے متعلق ہے، حرم بیت اللہ کی خصوصیات میں کوئی نہیں..... الخ!  
**الجواب:** مرزا صاحب کا قادیان کی زمین کو ارض حرم قرار دینا، پھر ”من دخلہ کان آمننا“ کا الہام ایجاد کرنا، صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ مرزا صاحب قادیان کو مکہ معظمہ اور مسجد مبارک کو خانہ کعبہ قرار دیتے ہوئے نئی دنیا، نیا آسمان، نئی زمین، نیا موسیٰ، نیا عیسیٰ اور نیا محمد ﷺ حتیٰ کہ نیا خدا کے اصول پر نیا کعبہ اور نئی حرم بنا رہے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ مرزا صاحب سوء خاتمہ سے امن کی تصریح کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قادیان زیر نگین حکومت انگریزی کی تھا۔ اس کے سامنے مرزا صاحب کو اپنے الہامات کی قدر و قیمت بخوبی معلوم تھی کہ حکومت انگریزی کسی ایسے مجرم کو جو مسجد مبارک میں جا کر پناہ لے مواخذہ سے مامون نہیں چھوڑے گی۔ پھر کیوں مرزا صاحب اپنے الہام کی

ایسی تشریح کرتے جو قانون انگریزی کے مزاحم ہو۔ ہاں! مرزا صاحب کو ایسا اقتدار حاصل ہو جاتا تو پھر اس الہام میں ہر طرح کی امن کا روح بھی پھونک دیتے۔

الغرض قادیان کی زمین کو ارض حرم قرار دینا پھر ”من دخلہ کان آمننا“ کا الہام ہونا یہ سب کچھ مکہ معظمہ اور مسجد الحرام سے استغناء حاصل کرنے کا سنگ بنیاد ہے جس سے یقیناً ارض حرم اور بیت اللہ کی توہین ہوتی ہے۔

## حج کی توہین

مختار مدعا علیہ نے اس کے جواب میں چند وجوہ بیان کی ہیں جن کے حوالہ جات پیش کر کے علیحدہ علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ ان سب وجوہ کا محیط جواب یہ ہے کہ حج مصطلحات شرعیہ میں سے ایک لفظ ہے جس کے معنی بشرائط مخصوصہ، ایام مخصوصہ میں ارکان مخصوصہ کو امکانہ مخصوصہ میں ادا کرنا ہے۔ مصطلحات شرعیہ اپنے اپنے معنوں میں حقیقت ہوا کرتے ہیں۔ پس سالانہ جلسہ قادیان کو حج کہنا، گویا ایک مصطلح شرعی لفظ کو اس کے معنی میں استعمال کرنا ہے جس میں مصطلح معنی کی توہین ہے۔ خصوصاً جب کہ قادیان کی زمین ارض حرم قرار دی گئی اور مسجد مبارک کو مسجد الحرام کی طرح ”من دخلہ کان آمننا“ کا مصداق ٹھہرایا گیا ہو اور سالانہ جلسہ کو حج بلکہ حقیقی حج کہا گیا ہو تو اب حج کی توہین میں کیا کسباتی رہی۔

کسی کا نام محمد یا احمد یا اسماعیل رکھنا، اس میں توہین کا شائبہ تک نہیں۔ کیونکہ اعلام میں وضع جدید ہوتی ہے۔ جیسا کہ علوم عربیہ میں

صرح ہے۔

مقبرہ بہشتی

مختار مدعا علیہ نے مقبرہ بہشتی کی ایجاد کے جواز میں حسب ذیل مغالطے دیئے ہیں۔ اول: یہ کہ مرزا صاحب نے وحی الہی پر یہ کہا کہ اس جگہ وہی دفن ہو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بہشتی ہوگا۔ دوم: حضرت مجدد صاحب کا قول کہ جو شخص میرے روضہ کی ایک مشت خاک اپنی قبر میں ڈالے اس کے نجات کے واسطے امید عظیم ہے۔ سوم: مجدد صاحب کے ایک گورستان میں جانے کی وجہ سے عذاب موقوف ہو گیا۔

(مقامات امام ربانی)

الجواب: مغالطہ اول مختار مدعا علیہ کا موجب تعجب ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جو اس گورستان میں دفن ہوگا وہ بہشتی ہو جائے گا۔ گویا اس گورستان میں داخل ہونا بہشتی بننے کا کفیل ہے اور مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کے خلاف منشاء یہ بیان کر رہا ہے۔ جو بہشتی ہوگا اس گورستان میں دفن ہوگا۔ پھر لطف یہ کہ مرزا صاحب نے مقبرہ بہشتی کا داخلہ بیمہ کہنی کے اصول پر رکھا ہے کہ اس گورستان میں وہی دفن کیا جائے جو اپنی جائیداد کا ۱۰/۱ حصہ سلسلہ کی ملکیت میں منتقل کر دے اور پھر ضابطہ اس کے اور بھی شرائط ہیں۔ مگر اپنی اولاد مستثنیٰ ہے۔

اور پھر لطف یہ کہ مرزا صاحب خود اور ان کا خاندان اس ٹکٹ داخلہ کی فیس سے مستثنیٰ ہے۔ آج قادیان کے کاروبار کا اکثر دارومدار اسی قبرستان کی آمدنی پر چل رہا ہے۔ حضور ﷺ نے روضہ اور منبر کے درمیانی حصہ کو بہشت فرمایا تھا۔ مرزا صاحب نے تمام گورستان کو بہشت قرار دے کر مقبرہ نبوی کی سخت توہین کی۔ اس کے احترام خصوصی کے مقابل اس سے کئی حصہ بڑا اور ٹکڑا زمین لے کر اس کے ہمسر بنایا۔

مغالطہ دوم یہ کہ مقامات امام ربانی کا حوالہ اس انداز میں نقل کیا، گویا مقامات امام ربانی مجدد صاحب کی تصنیف ہے۔ حالانکہ کسی اور شخص کی تصنیف ہے جو اباب علم کے نزدیک معتبر نہیں اور خوش اعتقادی کا مجموعہ ہے۔ دوسرے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دونوں میں بڑا

کچھ زیادہ فرق ہے۔ مغالطہ سوم کو اصل جواب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں تخفیف اور رفع عذاب کا ذکر ہے۔ کسی قبرستان کے بہشتی ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ نیز یہ حوالہ بھی مقامات امام ربانی کا ہے جس کا حال اوپر بیان ہو چکا۔

بہر حال اس توہین کا بھی کوئی معقول جواب نہ ہو سکا۔ صرف تاویلات پر اکتفاء کی گئی۔ مفصل اثبات توہین کے لئے ملاحظہ ہو بحث ابتدائی مختار مدعیہ۔

کیا تکفیر وجہ ارتداد و فسخ نکاح ہو سکتی ہے

تعب ہے کہ بلاوجہ اس میں اس قدر طول طویل بحث شروع کر دی۔ جب کہ گواہان مدعا علیہ اور خود مرزا صاحب کو ”احد المکفرین“ کا کافر ہونا مسلم ہے۔

ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء ”جو مسلمان کی تکفیر کرتا ہے۔ مگر وہ مسلمان کافر نہیں تو کفر عود کرتا ہے۔“

”نیز گواہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء جس میں تکفیر سے عود کفر کا حدیث کی تائید سے اقرار کیا ہے۔“

نیز ملاحظہ ہو قول مرزا صاحب۔

اور یہ تو متفقہ مسئلہ ہے۔ بخاری و مسلم میں مصرح حدیث میں موجود ہے کہ: ”من قال لاخيه يا كافر“ (الحدیث) وغیرہ کے دوسرے کو کافر کہنے والا اگر وہ کافر نہیں تو یہ ضرور کافر ہو جاتا ہے۔ اب ایک صورت تھی کہ اس کا جواب دیا جاتا کہ مرزا صاحب نے یا خلیفہ صاحب نے یہ نہیں لکھا یا کوئی معقول تو جیہ کرتے۔ مگر بلاوجہ طویل بحث چھیڑی۔ لہذا مرزا صاحب اور ان کے خلیفہ کے مندرجہ ذیل عبارات کے بعد اس میں کوئی بھی شبہ نہیں رہ سکتا کہ تمام مسلمان روئے زمین اولیا، علماء، صلحاء، سلاطین اسلام سب بہ یک قلم ان کے نزدیک کافر و دائرہ اسلام سے خارج ہیں، یکے کافر شیطان اور جنہی ہیں۔

کفر کا فتویٰ

”بہر حال جب کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے۔ اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔“

(حقیقت الوہی ص ۱۶۳، خزائن ج ۲۲ ص ۱۶۷)

”کفر دو قسم پر ہے..... تا بس۔ اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے، کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“

(حقیقت الوہی ص ۱۷۹، خزائن ج ۲۲ ص ۱۸۵)

اس عبارت کا مفہوم صاف ہے کہ مرزا صاحب کے منکر اسی قسم کے کافر ہیں جس قسم کے کافر حضرت نبی کریم ﷺ کے منکر ہیں۔ کیونکہ محولہ بالا دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔

مرزا صاحب کا منکر شیطان ہے

اپنے بے شمار نشانات ظاہر و بیان کر کے لکھتے ہیں: ”لیکن پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے۔“

(چشمہ معرفت ص ۳۱۷، خزائن ج ۲۳ ص ۳۳۲)

ملاحظہ فرمائیں کہ دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان جو مرزا صاحب کے نشانات یا ان کے مجدد مسیح وغیرہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اور نہیں مانتے وہ سب شیطان ہیں۔

مرزا صاحب کی بیعت میں نہ داخل ہونے والا جہنمی ہے

۱..... ”مجھے خدا کا الہام ہوا ہے جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور تیری بیعت میں نہ شامل ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔“  
(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۲۵)

۲..... ”اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور اور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے، جو کچھ کہتا ہے، اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“  
(انجام آتھم ص ۶۲، نذرانہ ج ۱۱ ص ۶۲ حاشیہ)  
اس میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو صرف اپنے نہ ماننے کی وجہ سے جہنمی قرار دے دیا۔

خلیفہ محمود صاحب کا تمام مسلمانوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ

”سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں۔“  
(آئینہ صداقت ص ۳۵، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰)

جو بھی مرزا صاحب کو نہیں مانتا اور بیعت میں نہیں وہ پکا کافر ہے

”جو لوگ مرزا صاحب کو رسول نہیں مانتے، خواہ آپ کو راست باز ہی منہ سے کیوں نہ کہتے ہوں، وہ پکے کافر ہیں۔“

(آئینہ صداقت ص ۸۶، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۵۱)

اب ملاحظہ فرمائیں کہ تمام روئے زمین کے چالیس کروڑ مسلمان، اولیاء، صوفیاء، علماء و سلاطین اسلام و نوابان سب بلا تامل پکے کافر رہے اور گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۲ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء میں کہہ دیا کہ چاہے وہ کروڑوں کیا سیکھوں ہوں۔ اب اس کے بعد جس قدر بھی تاویلات مختار مدعا علیہ نے کی ہیں وہ سب اصولاً بالکل غیر متعلق اور طبع زاد ہو گئیں۔ مرزا صاحب اور خلیفہ دوم صاحب کی تصریحات نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ پس تمام دنیا کو کافر کہہ کر جو خود تسلیم مرزا صاحب و گواہان مدعا علیہ کافر اور مرتد ہوئے جس کے بعد فتح نکاح تو مسلم مسئلہ ہے۔

مختار مدعا علیہ کی تاویلات کا خلاصہ

۱..... اگر تکفیر وجہ ارتداد اور فتح نکاح ہو سکتی ہے تو تمام فرقہ ہائے اسلام ایک دوسرے کی تکفیر کر کے مرتد ہو جائیں گے..... الخ!  
۲..... (منہاج النبی ج ۳ ص ۶۱) پر ہے کہ خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق کافر کہتے تھے، مگر یہ ثابت نہیں کہ حضرت علی نے تکفیر کی وجہ سے انہیں مرتد قرار دیا ہو۔

۳..... گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۲ مورخہ ۲۱ اگست کو تسلیم کیا کہ جن ائمہ نے اس حدیث کی بناء پر کسی کو کافر کہا، ان کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

۴..... گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۲ کا اقرار ہے کہ ہم مولوی احمد رضا خان صاحب کو کافر نہیں کہتے نہ کافر سمجھتے ہیں۔

۵..... اول تو بحث نہیں کہ احمدی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں اور تصحیح بھی کر لیں تو محض تکفیر وجہ کفر و ارتداد نہیں بنا سکتی۔

۶..... آئینہ صداقت کی تاویلات مختلف عبارات سے۔

۷..... میرا دشمن جہنمی ہے۔ اس پر حوالہ (منصب امامت ص ۶۳، ۶۴)

۸..... مختار مدعا علیہ کا اس کو اس پر محمول کرنا کہ یہ وہ ہیں جو لوگ دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں اور ان کا ایمان اور اسلام ظاہر اور کفر پوشیدہ اور دعویٰ کی تصدیق اسلامی شعائر سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دست بردار نہیں درست نہیں۔ عبارت!  
(منصب امامت ص ۹۴)



۹..... پس جب ان لوگوں سے بقول حضرت مولانا شہید معاملات جائز ہیں تو احمدی مردوں سے جو مسلمان ہوں گے، مدعی اور شریعت اسلامیہ سے دست بردار نہیں اور اپنے دعویٰ کی تصدیق اسلامی شعائر بجلا کر کرتے ہیں۔ ان سے نکاح وغیرہ حرام کیوں قرار دیا جاتا ہے۔  
الجواب:

۱..... جو فرقہ اسلام کے ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، اس کی بناء کوئی اصول کا اختلاف نہیں بلکہ محض غلط فہمی ہے۔ مثلاً علماء بریلی اور علماء دیوبند کا متفقہ اصول ہے کہ ادنیٰ سی تو ہیں نبی کریم ﷺ کفر ہے۔ پھر بریلی کے علماء کو ایک عبارت سے غلط فہمی ہوئی اور اسی اصول پر فتویٰ کفر لگا دیا۔ علماء دیوبند کو اطلاع ہوئی، انہوں نے انکار اور صفائی پیش کر دی۔ بس صرف غلط فہمی ہے۔ ورنہ تکفیر کوئی بھی نہیں۔ برابر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔ شادی بیاہ کے تعلقات قائم، جنازوں کی شرکت موجود کسی مسجد پر آج تک کوئی بھی مقدمہ نہ ہوا۔ بخلاف مرزا صاحب کے متبعین سے کتنے مقدمات ہوئے۔ شاہ جہان پور کی مسجد کا مقدمہ تو لاء جرنل الہ آباد میں چھپ کر نظیر بن چکا ہے۔  
پس تکفیر کرنے والا بوجہ غلط فہمی معذور ہے۔ کافر نہیں اور جس کی تکفیر کی وہ بوجہ خلاف واقعہ ہونے اور اس سے ملوث ہونے کی وجہ سے مسلمان ہے، کسی کا کفر لازم نہ آیا..... صرف مغالطہ و غلط فہمی رہی۔

بخلاف مرزا صاحب کے متبعین کے ان کے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک بعد آنحضرت ﷺ کے نبی ماننا جزو ایمان ہمارے نزدیک کفر خالص، ان کے نزدیک مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہونا ایمان، ہمارے نزدیک کفر۔ پس وہ ہمیں کافر کسی غلط فہمی پر نہیں کہتے، بلکہ اصولی اختلاف مرزا صاحب کے ماننے اور بیعت میں نہ شامل ہونے سے کافر خارج از اسلام اور پکا کافر سمجھتے ہیں۔ پس اگر ہم چالیس کروڑ مسلمانوں کے کفر کا فیصلہ ہو جائے تو ضرور مرزا صاحب کے متبعین تو بلا کسی غلط فہمی کے اصولاً انہیں باوجود مسلمان ہونے کے دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر کہنے والے یقیناً اور قطعاً کافر و مرتد ہوں گے جن کا نکاح مسلمہ طور پر منع ہونا چاہئے۔

۲..... منہاج السنۃ کے حوالہ میں صرف یہ ہے کہ انہیں ثابت نہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے انہیں مرتد قرار دیا ہے۔ یہ بزرگ حنفی نہیں بلکہ ضلعی ہیں۔ ملاحظہ ہو (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء) اور ان کی یہ ذاتی رائے ہے کہ ان سے اسلامی تعلقات قائم رہے۔ مگر (مسلم شریف ج ۱، باب بیان الخوارج ص ۳۳۰، ۳۳۳) میں صریح حدیث موجود ہے کہ انہیں مرتد قرار دے کر اور سخت ترین دشمن اسلام سمجھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا ہے۔ لہذا یہ حوالہ کچھ بھی مختار مدعا علیہ کو مفید نہیں، کیونکہ صحیح مسلم میں ان سے جہاد ثابت ہے کیا مسلمانوں سے بھی جہاد ہوتا ہے؟

۳..... گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے ”مولوی احمد رضا خان صاحب کو کافر نہیں سمجھتے۔“ ضرور کہا اسی کے ساتھ مندرجہ ذیل کوٹیشن بھی اسی تاریخ کی جرح اور سوالات مکرر کے ملاحظہ ہوں۔

اگر ”کسی کی عبارت سے ضروریات دین کا انکار سمجھا جائے تو اس کو کافر کہنے والا معذور سمجھا جائے گا۔“  
”جن لوگوں نے ضروریات دین سے انکار سمجھ کر کافر ٹھہرایا یہ مسلمان رہیں گے۔ گو یہ فی نفسہ غلط ہو۔“  
”لیکن تحقیقات میں غلطی ممکن بلکہ اکثر واقع ہے۔“

”احمد رضا خان صاحب کے اقوال کو کافر نہیں کہتے۔ ممکن ہے ان کا فتویٰ اس بناء پر ہو کہ دیوبند والوں نے کسی ضروریات دین کا انکار کیا۔ ہمارے نزدیک ان کا فرض تھا بلکہ ہر ایک کا فرض ہے کہ ضروریات دین کے منکر کو کافر کہے، گو وہ تحقیق فی الواقع صحیح نہیں۔“  
”تکفیر دیوبند والوں کی غلط فہمی اور مسلمہ اصول پر ہے جسے وہ بھی کافر کہتے ہیں اور برأت ظاہر کرتے ہیں۔“ اسی طرح حدیث: ”من ترک الصلوٰۃ“ کے ظاہری مفہوم سے کسی کو کافر کہنے کا حکم۔ پس یہ نمبر ۳، ۴، دونوں کا جواب ہو گیا۔ (سوالات مکرر)

۵.۲ ..... تکفیر مسلمین بھی مجملہ وجہ کفر کی ایک وجہ کفر ہے۔ جیسا کہ اوپر تمہید میں مسلمات سے پیش کر چکا ہوں بلکہ اسے مجملہ وجہ ہونے کا کفریہ کے وجہ پنجم قرار دیا ہے۔ اب تو مختار مدعا علیہ کو ہی مسلم ہونا چاہئے۔

۶ ..... آئینہ صداقت کی عبارت میں تاویلات ناممکن ہیں، عدالت میری پیش کردہ عبارات اصل کتاب سے ملاحظہ فرمائے، کہیں بھی کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہ صرف مفاظ ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا۔

۸.۷ ..... اوپر بھی اس سے قبل یہ (منصب امامت ص ۶۳، ۶۴) کا حوالہ حل ہو چکا ہے۔ وہاں کہیں بھی امام وقت کے نہ ماننے پر تکفیر اور کافر خارج از اسلام، پکا کافر، کافر، شیطان، جہنمی نہیں قرار دیا۔ عبارت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ نیز مولانا شہید کا حوالہ بھی جوڈیشل اصولی پر غیر مسلم ہے۔

۹ ..... مولانا شہید نے جن لوگوں سے تعلقات جائز رکھے ہیں، ان کا کفر پوشیدہ اور اسلام ظاہر تھا اور یہاں کفر اظہر من الشمس ہے۔ نیز وہ مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور یہاں اعلان ہے کہ: ”ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ ہمیں ہندوؤں کی طرح سمجھ کر لڑکی نہ دیں۔ ہمارے بچہ تک کی نماز جنازہ حرام سمجھیں۔“ پھر تمام ضروریات دین کا کھلا ہوا انکار اور کوئی کفریہ نہیں جسے نہ کرتے ہوں۔ پھر یہ ان پر کیونکر قیاس کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت مولانا نے تو انہیں منافقین کی طرح قرار دیا ہے۔ اصل بحث میں منصب امامت کی یہ تمام عبارات مع انظہار خیانت پیش کر چکا ہوں اعادہ نہیں کرتا۔

## کیا غیر احمدی یعنی مسلمان اہل کتاب نہیں

یہاں اہل کتاب کا لفظ لغوی معنی کی حیثیت سے زیر بحث نہیں بلکہ گفتگو یہ ہے کہ باوجود اس امت میں نہ ہونے یا کافر ہونے کے نکاح کن اہل کتاب سے جائز ہے اور قرآن پاک نے لفظ اہل کتاب کن لوگوں کے واسطے استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان ہرگز اہل کتاب نہیں بلکہ پہلی امتوں کے لوگ اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (جرح گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء) بجواب سوال اہل کتاب کے کہتے ہیں: ”قرآن سے پہلے جن قوموں کو کتاب کی صورت میں ہدایت دی گئی اور وہ اسی کتاب کو مانتے ہیں، وہ خدا کی طرف سے اتری ہیں۔ وہ اہل کتاب ہیں۔“ اسی میں خصوصیت سے لفظ قرآن سے پہلے کا قابل غور ہے۔ پس مسلمان کسی طرح اہل کتاب کی تعریف میں نہیں آسکتے۔

نیز گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ قرآن میں اہل کتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ پر استعمال ہوا ہے نہ مسلمانوں پر۔ (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۷ مارچ ۱۹۳۳ء) الخ! پس مسلمان ان کے نزدیک بھی وہ اہل کتاب نہیں کہ جن کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہو جائے، بلکہ کافر ہے اور کافر کی لڑکی سے نکاح جائز ہی نہیں۔ پس اس وجہ سے بھی ان کے مسلمات سے نکاح فسخ ہونا چاہئے۔

خلاصہ تاویلات:

۱ ..... قرآن بھی تو کتاب ہے اور غیر محرف ہے۔ پس جب محرف کتاب والے اہل کتاب ہوئے تو مسلمان اہل کتاب کیوں نہ ہوں۔

۲ ..... پس مسلمان کی لڑکیاں ہم اہل کتاب سمجھ کر لیتے ہیں۔ لہذا مدعی کا دعویٰ خارج ہونا چاہئے۔

## الجواب:

۱ ..... مسلمان کافر و مرتد ہونے کے بعد اہل کتاب نہیں رہتا جب کہ مسلمان اس کے نزدیک ایسا کافر ہے کہ اس کو لڑکی دینا یوں ہے جیسے ہندو کافر کو ملاحظہ ہو (ملاکتہ اللہ ص ۳۶، انوار العلوم ج ۵ ص ۴۴۰) تو اسے صرف اپنی مطلب برآری اور ان کی لڑکیاں لینے کے واسطے اہل کتاب کیونکر قرار دے سکتے ہیں جب تک ان پر سے فتویٰ کفر واپس لینے کا اعلان نہ کریں۔ ان کے نزدیک اہل کتاب نہیں ہو سکتے۔

۲..... کا جواب بھی ضرور نہیں۔ اول تو یہ اٹکل اور قیاس محض ہے۔ دوسرے گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ کا قول (جرح مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء) اس کی صاف تردید کر رہا ہے۔ لہذا یہ لڑکی کسی طرح ان کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ وہ ان کے نزدیک کافر ہے تو بھی یہ اس کے نزدیک کافر ہیں تو بھی، کیونکہ مسلمان اور کافر میں سلسلہ ازدواج ناممکن ہے۔ ”لاهن حل لہم ولاہم یحلون لہن (الایۃ)“

کیا مدعیہ مشرکہ ہے

اس کا تعلق حیات مسیح سے تھا اور اس کے خارج کرنے پر عدالتی نوٹ موجود ہے۔ لہذا اس پر کچھ عرض نہیں کرتا۔

علاوہ اختلاف عقائد کے بھی نکاح منحل ہونا چاہئے

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مسلم کش احکام مرزا صاحب اور ان کے تابعین کے پیش کئے گئے تھے۔

(۱) تمام اہل اسلام کافر خارج از دائرہ اسلام ہیں

۱..... ”سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہ ہوئے، خواہ انہوں نے ان کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ

اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔“ (آئینہ صداقت ص ۳۵، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰)

۲..... ”جو لوگ مرزا صاحب کو رسول نہیں مانتے، خواہ آپ کو راست بازی منہ سے کیوں نہ کہتے ہوں وہ یکے کافر ہیں۔“

(آئینہ صداقت ص ۸۶، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۵۱)

۳..... ”دکھنؤ میں ایک آدمی سے ہم ملے جو بڑا عالم ہے۔ اس نے کہا کہ آپ لوگوں کے بڑے دشمن ہیں جو یہ مشہور کرتے پھرتے ہیں

کہ آپ ہم لوگوں کو کافر کہتے ہیں، میں یہ نہیں مان سکتا کہ آپ ایسے وسیع حوصلہ رکھنے والے ایسا کہتے ہوں، اس سے شیخ یعقوب علی صاحب

باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان لوگوں کو کہا کہ آپ کہہ دیں کہ واقع میں ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں، یہ سن کر وہ حیران سا ہو گیا۔“

(انوار خلافت ص ۹۲، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۲۹، ۱۵۰)

(۲) دینی معاملات میں کوئی بھی اتحاد نہیں

”دنیا کے معاملات میں ہم دوسروں کے ساتھ ایک ہیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں فرق ہے۔ اس میں ایک نہیں ہو سکتے اور سمجھدار

(انوار خلافت ص ۹۲، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۶۹)

آدمی اس کو خوب سمجھتے ہیں۔“

(۳) آپس میں اصولی اختلاف بھی ہے اور فروعی بھی

(نچ المصلی ص ۲۷۴)

”احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اصولی اختلاف ہے۔“

(جرح گواہ مدعا علیہ مؤرخہ یکم مارچ ۱۹۳۳ء) ”احمدی اور غیر احمدی میں اصولی اختلاف بھی ہے اور فروعی بھی۔“

(جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۰ مارچ و نمبر ۱ مؤرخہ یکم مارچ ۱۹۳۳ء)

(۴) کسی مسلمان کے پیچھے نماز جائز نہیں

”ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔“

(انوار خلافت ص ۹۰، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۴۸)

”غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، جائز نہیں، جائز نہیں۔“ (انوار خلافت ص ۸۹، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۴۷)

(۵) غیر احمدی کے بچہ کا بھی جنازہ مت پڑھو  
”پس غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہی ہوا۔ اس لئے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔“

(انوار خلافت ص ۹۳، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۵۰)

(۶) مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ جائز نہیں

”غیر احمدیوں کو لڑکی دینے سے بڑا نقصان پہنچتا ہے اور علاوہ اس کے کہ وہ نکاح جائز ہی نہیں تا اسی کے خیالات و اعتقادات کو اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے دین کو برباد کر لیتے ہیں۔“  
”حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے۔“

(برکات خلافت ص ۷۵، انوار العلوم ج ۲ ص ۲۱۱)

(۷) غیر احمدی مسلمان ہندو اور عیسائی کی طرح کافر ہیں اس لئے انہیں لڑکی نہ دو

”جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے، وہ یقیناً حضرت مسیح موعود کو نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کہ ہندو عیسائی کو اپنی لڑکی دے۔ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے۔ مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو۔“  
جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء

(۸) مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنا

”اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا، مگر اب مسیح اس لئے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دے۔“

(عرفان الہی ص ۹۳، ۹۴)

(۹) مخالفین کو سولی پر لٹکانا

”خدا تعالیٰ نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا ہے تاکہ پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے سولی پر لٹکایا تھا، مگر آپ (مرزا غلام احمد صاحب) اس زمانہ کے یہودی لوگوں کو سولی پر لٹکائیں۔“

(نقدیر الہی ص ۲۹)

(۱۰) ساری دنیا کو جب تک پورے طور پر احمدی نہ ہو دشمن سمجھیں گے

”ساری دنیا ہماری دشمن ہے۔ جب تک ایک شخص خواہ ہم سے کتنی ہمدردی کرنے والا ہو، پورے طور پر احمدی نہیں ہو جاتا، وہ ہمارا دشمن، ہماری بھلائی کی صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ تمام دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں۔“

(خطبہ خلیفہ قادیان مندرجہ افضل جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء)

(۱۱) ظاہری محبت کا اظہار صرف مسلمانوں کو شکار کرنے کے واسطے ہے

”شکاری (احمدی) کو کبھی غافل نہ ہونا چاہئے اور اس امر کا برابر خیال رکھنا چاہئے کہ شکاری (مسلمان) بھاگ نہ جائے یا ہم پر

(خطبہ جمعہ خلیفہ دوم جرح مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء)

ہی حملہ نہ کر دے۔“

(۱۲) تمام مسلمانوں کی جان و مال و ایمان سے عزیز ترین ہستی کی توہین

”بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔“

(ڈائری خلیفہ قادیان الفضل مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

”ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو کھڑا

(کلمہ الفصل ص ۱۱۳)

”کیا۔“

(۱۳) مرزا صاحب اور ﷺ میں (عیاذ باللہ) ذرا برابر فرق نہیں

(خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۹)

”من فرق بینی و بین المصطفیٰ فما عرفنی وما رای“

اور جو شخص مجھ میں اور محمد مصطفیٰ ﷺ میں فرق سمجھتا ہے اس نے نہ مجھے دیکھا اور نہ مجھے پہچانا۔

(خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۹)

مرزا صاحب کے خلیفہ کی سرور کائنات ﷺ سے انتہائی دشمنی

(قادیانی ریویو جون ۱۹۳۰ء)

”مرزا صاحب بلحاظ ذہنی استعداد اور ارتقاء حضور ﷺ سے فضیلت رکھتے ہیں۔“

دیگر حوالہ جات بسلسلہ ہیڈنگ محمد رسول اللہ ﷺ گزر چکے ہیں۔

مسلمان لڑکیاں اس کے نزدیک کیتوں سے بدتر ہیں۔

(نجم الہدی ص ۱۰، خزائن ج ۱۴ ص ۵۳)

”ہمارے دشمن جنگلوں کے سوراخوں کی عورتیں کیتوں سے بدتر ہیں۔“

حوالہ جات مذکورہ بالا کی تصدیق و توثیق

”میرے نزدیک مرزا صاحب اور خلیفہ اور خلیفہ ثانی کے اقوال سند ہیں اور اس کے سوا میرے نزدیک کوئی اور شے سند نہیں۔“

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے مرزا محمود صاحب اور ان کی تصانیف پر اپنا ایمان ہونا بتایا ہے۔

اب ان مذکورہ بالا اصولی و فروعی اسلام و کفر کے اختلاف اور رسول ﷺ کی دشمنی کے ہوتے ہوئے وہ لڑکی اس کے گھر کیونکر بس

سکتی ہے۔ نماز اس کے ساتھ جائز نہیں وہ مر جائے تو جنازہ بھی نہ پڑھا جائے، اس جیستی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے واسطے مرزا صاحب

مبغوث ہوئے ہیں۔ انتہائی خلوص کے بعد بھی اسے دشمن سمجھنا ان کا اولین فرض، اسے سولی دینا، ان کا کار منصبی، وہ غریب ان کے گھر کیتوں

سے بدتر رہے گی وہ دشمن ہے۔ جب تک پورے طور پر احمدی نہ ہو جائے۔ نیز اور اختلافات مذکورہ ان حالات میں دنیا کی کوئی بھی عدالت

اس قسم کا نکاح باقی نہیں رکھ سکتی بلکہ فوراً اس کا فسخ کرانا ضروری ہوگا۔

مزید برآں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ لوگ اپنی لڑکیاں ہمیں ہندوؤں کی طرح سمجھ کر صرف اس لئے نہیں دیتے کہ لڑکیاں

چونکہ کمزور طبع ہوتی ہیں۔ ان کے عقائد سے فطرتاً متاثر ہو کر دین برباد کر لیں گی۔ پھر مسلمانوں کی لڑکیاں کیوں طلب کرتے ہیں وہ غریب

بھی یہی عذر مساویانہ رکھتے ہیں کہ یہ لوگ چونکہ کافر و مرتد اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ، انبیاء کرام، صحابہ و ائمہ و اولیاء امت کے دشمن

ہیں۔ پس ہماری لڑکیاں بھی ویسی ہی ہو جائیں گی۔ اس لحاظ سے سے بھی فسخ نکاح لازم ہے۔

خلاصہ تاویلات:

- ۱..... مختار مدعیہ نے جس سادگی سے اس شبہ کا اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ احمدیوں کے گھر سولی کھڑی ہوتی ہیں جہاں کوئی مسلمان عورت پہنچی انہوں نے سولی لٹکائی۔
- ۲..... خلیفہ ثانی نے جس دشمنی کا ذکر فرمایا ہے وہ وہی ہے جو مولوی لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے..... الخ!
- ۳..... مختار مدعیہ کو مسلم ہے کہ ایک مسلمان بھص قرآن ایک یہودی عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہود مسلمانوں اور اسلام سے اشد الناس عداوت رکھتے ہیں۔ پھر احمدی مرد سے نکاح کیوں درست نہیں۔
- ۴..... چونکہ اڈالا بہر حال احمدی ہوگی۔ پس اس کی نماز جنازہ کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔
- ۵..... اگر اس قسم کے امور جو جواز شادی میں مانع ہوئے ہیں تو یہودی و نصرانی سے بھی رشتہ جائز ہونا چاہئے۔
- ۶..... جب کہ یہودی اور نصرانی سے جائز ہے تو احمدی کی اسلامی فرقوں کی لڑکی سے کیوں جائز نہ ہوگی۔
- ۷..... مرزا صاحب نے عورتوں کے ساتھ سلوک کرنے کا لکھا ہے۔ (کشتی نوح ص ۱۷، خزائن ج ۱۹ ص ۱۹)

الجواب:

- ۱..... اس طرز خطاب کو عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے۔ باقی یہ امر تو واقعاتی شہادت سے متعلق رکھتا ہے۔ کیا مستری حاجی محمد حسین صاحب بٹالوی شہید کی شہادت اس کے واسطے کافی نہیں۔ کیا وہ سینکڑوں اس قسم کے واقعات جو زمیندار اور مبالغہ کے فائل پر تمام دنیا میں طشت از بام ہو چکے ہیں اور ایک بھی تردید نہ کر سکے۔ اس تاویل کو باطل قرار نہیں دیتے۔ عدالت اجازت نہ دے گی۔ ورنہ تفصیلاً تمام حوالے خلیفہ محمود صاحب کے اس حکم پر عملدرآمد کے پیش کر سکتا ہوں۔
- ۲..... ہرگز مولوی لوگوں والی دشمنی کا وہاں ذکر نہیں۔ وہاں تو صاف صاف لفظ ہیں کہ: ”ساری دنیا ہماری دشمن ہے۔ جب تک ایک شخص خواہ ہم سے کتنی ہمدردی رکھنے والا ہو، پورے طور پر احمدی نہیں ہو جاتا، وہ ہمارا دشمن ہے۔“ ملاحظہ فرمائیں انتہائی ہمدردی رکھنے والے کو بھی دشمن فرما رہے ہیں۔ جب تک پورے طور پر احمدی نہ ہو جائے۔ اس میں تو کسی تاویل کی گنجائش ہی نہیں۔ شاید یہ عبارت دیکھے بغیر مختار مدعا علیہ نے یہ تاویل گھڑی ہو۔ ورنہ یہاں تو تمام تاویلات کا انہوں نے خود ہی سدباب کر دیا ہے۔
- ۳..... دشمنان اسلام یہودیوں کی لڑکی لینا مسلم ہے۔ مگر اپنی لڑکی انہیں دینا تو حرام قطعی ہے۔ پس اگر مرزا صاحب کے متبعین اپنی لڑکی مسلمانوں کو دینا چاہتے ہیں تو یہ عذر تاویل شاید ایک حد تک مفید ہو۔ یہاں تو دشمنان اسلام اور کافر و مرتد ہو کر مسلمان کی لڑکی لینا چاہتے ہیں جو بالاتفاق حرام ہے۔ مسلم لڑکی کسی مرتد، کافر کی کسی اہل کتاب یہودی و نصرانی کے نکاح میں بھی بالاتفاق نہیں جاسکتی۔ قطعاً حرام ہے۔
- ۴..... اولاد کا احمدی ہونا ہی نکاح کے منجھ کو چاہتا ہے کہ مسلمہ کے لطن کا بچہ کافر ہوگا۔ یہ وجہ بھی مدعیہ کے منجھ نکاح کی ایک کڑی ہے۔ نیز مدعیہ کے جنازہ کی نماز اور مسلمانوں کی طرح تو بہر حال بتسلیم مختار مدعا علیہ جھینرو تکفین نہیں ہو سکتی۔ پس کس طرح اس کے گھر بس سکتی ہے جہاں اس کے جنازہ سے بھی کفار والا معاملہ کیا جائے گا اور بلا نماز جنازہ کافروں اور مرتدوں کی طرح وہ گڑھے میں ڈال دی جائے گی۔
- ۵..... یہودی و نصرانی سے رشتہ صرف اسی قدر جائز ہے کہ ہم مسلمان ان کی لڑکی لے سکتے ہیں۔ باقی مسلمہ لڑکی اس کے نکاح میں دینا حرام قطعی ہے اور یہاں سوال مسلم لڑکی کا کافر کے نکاح میں باقی رکھنے کا ہے۔ نیز ابتداء سے کافر ہونے کا اور حکم ہے اور مرتد ہونے کا اور۔ ایک مسلمہ کا شوہر اگر یہودی اور نصرانی نکاح کے بعد ہو جائے وہ نکاح بھی بالاتفاق منجھ ہوگا بلکہ ایک مسلمہ منکوحہ لڑکی خدا نخواستہ مرتد ہو کر

عیسائی و یہودی ہو جائے، اس کا بھی نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا۔ گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ کو بھی جرح میں مسلم ہے اور دنیا میں روزمرہ اس قسم کے کیس فیصلہ ہوتے رہتے ہیں۔ کتنے نظائر تو صرف جرنل الہ آباد میں موجود ہیں جس کے شوہر نے زائد تک کیا، وہ یہودی نصرانی ہو کر مرتد ہو گئی اور نکاح کے فسخ کا فیصلہ رہا۔

۶..... نہ یہودی و نصرانی سے مسلمان لڑکی کا نکاح جائز ہے نہ مرزا صاحب کے کسی امتی سے وہ بھی فسخ ہو جائے اور یہ بھی، بلکہ چونکہ مرزا صاحب کے امتی مرتد ہیں۔ لہذا ان کی لڑکی بھی مسلمانوں کو لینا جائز نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ میں مرتد سے رشتہ مناکحت کسی صورت پر قائم نہیں ہو سکتا۔ نہ پہلے کا، نہ بعد ارتداد باقی رہ سکتا ہے بلکہ عند اللہ بلا قضاء قاضی فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بیانات گواہان مدعیہ میں بصراحت مدلل معتبر حوالوں سے گزر چکا۔

۷..... کشی نوح میں اس کی تصریح نہیں کہ مرزا صاحب مسلمان لڑکیوں کے حق میں یہ فرماتے ہیں کہ سلوک کرنا چاہئے جن سے دشمنی یہاں تک ہے کہ وہ کیتوں سے بدتر ہیں۔ وہاں تو اپنی جماعت کا ذکر اور اپنی جماعت کو وصیت ہے اور اپنی جماعت کی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ یہ مسلمہ لڑکی تو کافر دائرہ اسلام سے خارج، بلکہ کچی کافرہ و دشمن اور موت کے گھاٹ اتارنے کے لائق ہے، جس کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھ سکتے، جس سے کسی قسم کا دینی سلوک روا نہیں رکھتے، نہ رکھ سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (انوار خلافت ص ۹۲، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۴۹) نیز یہ لڑکی جب کہ اس شوہر کے نبی کو مرتد، کافر، دائرہ اسلام سے خارج، دجال وغیرہ سمجھتی ہے اور اس کا اعلان عرضی دعویٰ کی تصریح میں موجود ہے تو اس لڑکی کے ساتھ بھی کوئی باغیرت مرزا صاحب کا امتی کسی قسم کا سلوک کر سکتا ہے۔ ایک امتی کے نبی کو یوں سمجھا جائے اور وہ اس سے مراعات حاصل کرے، کبھی عقل باور نہیں کر سکتی۔ پس کوئی اگر وجہ نہ بھی ہوتی تو بھی صرف یہ وجہ ہی تفریق و فسخ نکاح کی شرعاً اخلاقاً و قانوناً ثابت تھی اور نکاح ضرور فسخ ہونا چاہئے تھا۔

### بہر حال نکاح فسخ ہونا چاہئے

گزشتہ ہیڈنگ کے ساتھ ہی میں نے ہیڈنگ پیش کیا تھا کہ یہ تو مسلم ہے کہ مدعیہ اور اس کا فریق مرزا صاحب اور ان کی امت کو کافر دائرہ اسلام سے خارج خیال کرتا ہے اور ادھر مدعا علیہ مرزا صاحب اور ان کے امتی تمام مسلمانوں کو بشمول مدعیہ اور اس کے فریق کو کافر خارج از اسلام بتاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر مدعیہ اپنے دعویٰ تکفیر و ارتداد میں سچی ہو تو فسخ نکاح ہونا چاہئے اور اگر مدعا علیہ سچا ہے تو بھی فسخ نکاح ہوگا۔ کیونکہ ایک مسلمان کو کافر بنانے کے بعد یہ خود کافر و مرتد ہو گئی جو موجب فسخ نکاح بالاتفاق ہے۔ یوں ہی اگر مدعا علیہ اپنے اذعاء میں جھوٹا ہے تو وہ اس طرح مسلمہ کی تکفیر کر کے مرتد ہو گیا۔ پھر بھی فسخ نکاح لازم ہے۔ کیونکہ ارتداد کا موجب فسخ نکاح ہونا مسلم ہے۔ اسی پر دونوں کے جھوٹے اور دونوں کے سچے ہونے کا حکم خیال فرمائیں۔ بہر حال مدعیہ اپنے دعویٰ میں سچی ہو یا مدعا علیہ یوں ہی مدعا علیہ جھوٹا ہو یا مدعیہ یا ہر دو سچے ہوں یا دونوں جھوٹے، بہر حال فسخ نکاح اور مقدمہ بحق مدعیہ ڈگری ہونا چاہئے۔ یہ دلیل نہایت واضح اور مقدمات مسلمہ پر مبنی تھی۔ اس کا جواب کجا مختار مدعا علیہ نے تذکرہ تک نہ کیا اور گویا کہ اسے تسلیم کر لیا۔

### احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند ہیں

میں نے یہ پیش کیا تھا کہ مرزا صاحب کے تبیین ایک طرف مسلمانوں کو کافر اہل کتاب بتاتے ہیں اور دوسری طرف اپنی لڑکیوں کا نکاح اگر ان کا شوہر غیر احمدی ہو جائے تو بھی جائز و باقی مانتے ہیں۔ یہ اولاً صحیح نہیں۔ (کیونکہ مسلمانوں سے ان کی لڑکی کا نکاح اسی طرح ناجائز ہے جیسے ہندو کافر سے) ملاحظہ ہو۔

نیز خود مدعا علیہ نے اپنی ہمشیرہ کا دوسرا نکاح اس کے شوہر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے بلا طلاق اپنی جماعت کے ایک ممبر سے کر دیا جو مشہور ہے۔ نیز اس کا ضمنی تذکرہ جرح گواہان مدعا علیہ متعلقہ تنقیح جدید میں آچکا ہے اور اگر یہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو باوجود احمدی ہونے کے لڑکی دیتے یا بعد احمدی ہو جانے کے انہیں اہل کتاب سمجھ کر لڑکی کا نکاح فتح نہیں کراتے ہیں تو شریعت محمدیہ میں ایک نئی شریعت جدیدہ کا اضافہ لازم آیا کہ ان کے گمان پر مسلمہ لڑکی کتابی کے نکاح میں دی گئی یا مرتد کے نکاح میں بعد ارتداد باقی رکھی گئی جو خلاف شریعت جدید حکم اور بالاتفاق کفر ہے۔

اس کا کچھ بھی جواب نہ ہو سکا اور مندرجہ ذیل تاویلات کیں۔

خلاصہ تاویلات:

۱..... مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے بالکل نہیں کہا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی سے نکاح جائز ہے بلکہ ناجائز بتایا ہے۔ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ یکم مارچ۔

۲..... ہمارے نزدیک نکاح جائز نہیں۔ اگر کوئی کر دے تو فتح نہ ہوگا۔

۳..... جب کوئی اسلامی شریعت ہو تو شریعت کے مطابق فتح ہوگا اور جہاں کوئی شریعت اسلامیہ قائم نہ ہو، وہاں رائج الوقت قانون کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اس کی رو سے فتح نہ ہوگا۔

۴..... اسلامی ریاست ہو تو اس کا قانون جاری ہوگا۔

۵..... ایک اپنی طرف سے فرضی مثال خلاف فقہ حنفیہ حنفیوں کی طرف منسوب کر کے پیش کی۔

۶..... گواہان مدعیہ کے نزدیک تو ان مسلمان فرقوں کا نکاح جنہیں وہ اپنے زعم میں کافر و مرتد خیال کرتے ہیں، باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہوگی۔ (الکوکب الیمانی ناسٹل پیج ص ۷، ازالہ و انوار ص ۵، فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۳۲)

۷..... پس گواہان مدعیہ اور ان کے ہم خیالوں کے نزدیک رافضی اور دیوبندیوں کے نزدیک رضا خانی اور رضا خانیوں کے نزدیک دیوبندی، مقلدوں کے نزدیک غیر مقلد و بالکس نکاح باطل اور زنا محض ہے اور آج کل مسلمان فرقوں کا گزارہ ان کے نزدیک زنا پر ہی چل رہا ہے اور ان کی اولادیں بھی حرام کی اولادیں ہیں۔

۸..... پھر ریاستی قانون پر یوں کلتہ چینی کی ہے کہ: ”اگر ریاست مولویوں کی اس خاص شریعت کو جس کے بعض فتاویٰ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، جاری کرنا چاہتی ہے تو اسے اختیار ہے۔ لیکن کسی مقدمہ پر اس قانون خاص کے جاری کرنے سے پہلے شرعاً و قانوناً و عقلاً یہ ضروری ہے کہ وہ اس قانون کو اپنی ریاست میں شائع کرے۔“

۹..... فقہ حنفی کی پابندی کا مطلب یہ نہیں کہ ہر چیز میں ہم اس کے پابند ہیں، بہت ہمیں اختلاف ہے۔

الجواب:

۱..... اولاً تو یہ صحیح نہیں اس کے متعارض بھی اقوال جرح میں موجود ہیں۔ جیسا کہ متعارض گواہان کے سلسلہ میں عرض کیا تھا اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کہ جب ان کی لڑکی ہمارے نکاح میں چونکہ ہم ہندوؤں کی طرح ہیں، نہیں آسکتی تو ہماری لڑکی ان کے نکاح میں جب کہ وہ مرتد اور تمام کافروں سے بدتر ہیں، کیونکر رہ سکے گی۔ اس میں مغالطہ کوئی نہیں یہ میرے اعتراض کی پہلی شق ہے۔

۲..... باوجود نکاح ناجائز و باطل ہونے کے فتح نہ ہونا یہی تو شریعت جدیدہ کا اذعاء ہے جس کا خود اعتراف ہے۔ شریعت کا تو حکم یہ ہے



کہ جو نکاح ناجائز حرام باطل ہے، وہ فسخ ہے، بلکہ وہ ہوا ہی نہیں اور یہ لوگ اسے باقی رکھتے ہیں۔ لہذا شریعت میں نئے حکم کا اضافہ ہوا جو بالاتفاق کفر ہے اور یہ ایک متفقہ وجہ کفر باقرار گواہ و مختار مدعا علیہ ثابت ہوگئی۔

۳..... یہ کہنا کہ جہاں اسلامی شریعت ہو وہاں اس کے مطابق اور جہاں نہ ہو وہاں راجح الوقت قانون کے مطابق یہ بھی شریعت میں اضافہ ہے۔ دینی معاملات اور شرعی احکام کسی دنیوی قانون سے ترمیم نہیں ہو سکتے۔ نکاح کے بھی اسلامی پرسل لاء ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے بھی شمار کیا ہے اور وراثت طلاق و نکاح و وقف وغیرہ برٹش قانون سے مستثنیٰ اور شریعت محمدیہ ﷺ اور فقہ حنفی کی رو سے برٹش حدود میں ہونے کا معاہدہ و اعلان ہے اور مجٹن لاء میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔

پس نکاح کے معاملہ میں کسی اور قانون کے تحت فیصلہ چاہنا یقیناً دین میں اضافہ اور ”ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الکافرون“ کا مصداق اور کفر ہے۔

۴..... اسلامی ریاست کا اگر قانون مسلم ہے تو اسلامی سلطنتوں اور ریاستوں میں مرزا صاحب کے تبعین کا ارتداد بلکہ رجم اور ان کے فسخ نکاح کے فیصلہ ہو چکے ہیں۔ لہذا یہاں بھی حکم ارتداد اور فسخ نکاح ہونا چاہئے اور ملاحظہ ہو فیصلہ امیر امان اللہ خان و ریاست پٹیالہ وغیرہ۔

۵..... ان طبع زاد فرضی مثالوں سے کام نہیں چلتا۔ فقہ حنفی کی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں جس کے حوالے بیان گواہان مدعیہ اور جرح گواہان مدعا علیہ میں متعدد پیش ہو چکے ہیں۔

۶..... گواہان مدعیہ نے کسی مسلمان فرقہ یا شخص کو سوائے مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے مریدین کے کافر نہیں بتایا۔ نہ ان کے کفر کا کوئی فتویٰ دیا۔ اس کے متعلق گواہ مدعیہ نمبر ۱، ۲، ۳ کا اقرار جرح میں صاف صاف موجود ہے۔ نیز اپنے کافر کہنے والوں کی تکفیر بھی غلط فہمی پر مبنی کر کے انہیں بھی مسلمان اور معذور بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو

ایسی تصریح کے بعد مختار مدعا علیہ کا مخالف عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔

اس سلسلہ میں کوکب یمانی اور فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم کے غیر مسلم اور بالکل جدید دو تین حوالے بھی پیش کر کے مغالطہ کی سعی کی ہے۔ مگر عدالت ان رسائل کو خود ملاحظہ فرما سکتی ہے کہ محض مغالطہ کے سوا وہاں کچھ نہیں۔

کوکب یمانی حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ العالی کا ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے مولوی احمد رضا خان صاحب کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ جو یہ فرماتے ہیں کہ جو حضرت مولانا شہید کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر اور اس کا نکاح فسخ اور اولاد غیر ثابت النسب اس سے تو بڑی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ آپ ہی اپنی کتاب تمہید ایمان اور کوکب الشہابیہ میں انہیں مسلمان مانتے ہیں۔ پھر اس مغالطہ سے آپ کے مسلمات کی بناء پر آپ کے نزدیک آپ اور آپ کے تبعین کا اور ان کے نکاح و اولاد کا کیا حکم ہوگا۔ انہوں نے دوسرے رسالہ میں اس کی صفائی پیش کر دی اور بناء غلط فہمی رفع ہوگئی۔ کبھی کسی عالم دیوبند نے کسی عالم بریلوی کو کافر نہیں کہا۔ نہ ان کے کفر کا فتویٰ دیا۔ غرض کوکب یمانی میں ان کے کفر کا فتویٰ نہیں بلکہ ان کے مسلمات پر ان سے استفسار ہے۔ ملاحظہ ہوں کوٹیشن مندرجہ ذیل۔

”خان صاحب ہی کے فتویٰ سے ثابت کیا گیا ہے..... تالا زم آتا ہے۔“ (ٹائٹل پیج)

”اور خوبی یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں خان صاحب ہی کے فتویٰ کا حاصل ہے۔“ (ٹائٹل پیج کوکب یمانی)

”خان صاحب کے ایسے فتویٰ کے بعد۔“ (ص ۴)

”خان صاحب اور ان کے معتقدین پر تو ان کے قول کے موافق۔“ (ص ۵)

- (۹ ص) ”مولوی احمد رضا خان صاحب اپنے ہی قول کے موافق۔“
- (۱۰ ص) ”اب اپنے ہی فرمان کے مطابق کافر ہوئے۔“
- (۱۳ ص) ”تو اپنے ہی فتویٰ کے مطابق کافر ہوئے۔“
- (۲۲ ص) ”ہم نے تکفیر نہیں کی اور نہ ہمارا کام تکفیر اہل قبلہ ہے۔“
- ”جو ادھر پر بیان ہوا ان امور کو تو فرمائیں کہ لازم آتے ہیں یا نہیں..... اگر لازم نہیں تو خان صاحب بیان فرمائیں ہم اقرار کر لیں
- (۲۲ ص) ”کہ خان صاحب سچے۔“

چنانچہ جب خان صاحب نے صفائی پیش کر دی غلط فہمی ختم ہو گئی جس کا اقرار جرح میں موجود ہے کہ ہم کافر نہیں کہتے، بلکہ صرف غلط فہمی طرفین سے تھی۔

اب تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی بہتان باندھے اور مغالطہ دے تو اس کا کیا علاج۔

مؤلف مذکورہ کے دوسرے رسائل سے بھی اس کے متعلق اطمینان کیا جاسکتا ہے۔ کہیں بھی علماء بریلی کی تکفیر کا فتویٰ نہ ملے گا۔ باوجودیکہ سینکڑوں اختلافی رسائل لکھے۔

فتاویٰ رشید یہاں تو صرف یہ ہے کہ جس کے نزدیک رافضی کافر ہے یا ضرورت دین یا قرآن کا منکر یا تکفیر صحابہ کرنے والا ہے اس کے نزدیک سنی کا نکاح اس سے ناجائز ہوگا۔ وہاں کوئی فتویٰ اپنا نہیں دے رہے۔ فتویٰ کے متعلق دوسرے ان کے خود تصنیف کردہ رسائل اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں جہاں پوری تفصیل موجود ہے۔ غرض اس سے بھی مدعا ثابت نہ ہوا۔

ازالہ العارفين ختم نبوت کے منکر پر کفر کا فتویٰ (ص ۵) پر درج ہے۔ اس سے کیا استدلال ہو سکتا ہے وہ تو ہمارا مؤید ہے۔

یہ کہنا محض غلط بیانی ہے کہ مقلدین کے نزدیک غیر مقلدین اور غیر مقلدین کے نزدیک مقلدین کا نکاح باطل اور زنا محض ہے۔ ایک بھی تمام دنیا میں اس کے متعلق فتویٰ نہیں۔ وہاں تو صرف تقلید یا رافعہ دین یا آئین بالجبر وغیرہ کا اختلاف ہے۔ کفر و اسلام فتح نکاح کا اختلاف ہی نہیں نہ اس کا کوئی فتویٰ نہ مقدمہ۔

اس کے بعد اس اوجھے طرز خطاب کو عدالت خود ملاحظہ فرمालے۔ ”اور آج کل کے مسلمانوں کا گزارہ ان کے نزدیک زنا پر ہی

چل رہا ہے۔“

آپس کی تکفیر اور اس کی غلط فہمی اور کسی کے کافر نہ ہونے کی مکمل تشریح ہیڈنگ ”کیا تکفیر وجہ ارتداد و فتح نکاح ہو سکتی ہے“ کے تحت میں کر چکا ہوں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس میں نمبر (۷) کا بھی جواب آ گیا۔

۸..... مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ: ”اگر ریاست مولویوں کی اس خاص شریعت کو جس کے بعض فتاویٰ کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، جاری کرنا چاہتی ہے تو اس کے اختیار میں ہے۔ لیکن کسی مقدمہ پر اس قانون خاص کے جاری کرنے سے پہلے شرعاً عقلاً قانوناً یہ ضروری ہے کہ وہ اس قانون کو اپنی ریاست میں شائع کرے۔“ محض لغو ہے۔ ریاستی قانون سے نہ ہم واقف نہ ہمیں تبصرہ کا حق۔ مختار مدعا علیہ جو چاہے اس پر کتبہ چینی کرے۔ ہمیں تو صرف یہ گزارش کرنا ہے کہ نہ اب یہاں فتوؤں پر دار و مدار نہ کسی مولوی کی شریعت پر اب تو قرآن و حدیث و فقہ حنفی سے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پیش کی گئی ہے اور اسلامی عدالت شریعت محمدیہ کی پابند ہے۔ خصوصاً نکاح و طلاق وغیرہ میں سوائے شریعت محمدیہ اور فقہ حنفی کے ریاست میں بھی کسی اور قانون پر مسلمانوں کے معاملہ میں عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ جب کہ برٹش حدود میں بھی یہ مسلم ہے۔ اس غلط پروپیگنڈا کی تردید میں گزارش ہے کہ:

جب کہ مرزا صاحب اور کے خلفاء کی تصریحات ہیں کہ جو مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے اور ان کی بیعت میں داخل نہیں۔ خواہ ان کا نام بھی نہ سنا ہو، خواہ عمر بھر مدح سرائی کی ہو، کافر دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر شیطان اور جہنمی اور حرامی اور سورہ ہے۔  
تو اگر اس جماعت کو مسلمان مان لیا جائے اور ان کے اسلام کا کسی اسلامی ریاست میں فیصلہ کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمام چالیس کروڑ مسلمان عرب و عجم صوفیاء اور علماء و سجادہ نشین و مخادیم سلاطین و نوابان و حکام سب کے سب کافر خارج از اسلام جہنمی وغیرہ ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا جو کسی طرح مناسب نہیں۔

۹..... فقہ حنفی کی پابندی کے اقرار کی توجیہ محض فضول ہے۔ کیونکہ جب گواہ نمبر ۲ نے ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو یہ تسلیم کر لیا کہ: ”جہاں قرآن و حدیث میں مسئلہ مصرح نہ ہو، وہاں فقہ حنفی پر عمل کریں گے۔“ اور اسی تاریخ یہ بھی تسلیم کر چکا کہ: ”مسئلہ فسخ نکاح قرآن و حدیث کا مصرح نہیں۔“ اور یہ بھی تسلیم ہے کہ فقہ حنفی کا متفقہ مسئلہ مرتد کے فسخ نکاح کا ہے تو اب اس تسلیم کے بعد تاویل اور اس سے گریز ناممکن ہے اور اس پر ہمیں مزید بحث کی ضرورت ہی نہیں۔

## اصولی اختلاف

اس اصولی اختلاف کا حوالہ (نچ المصلی ص ۲۷۷) سے اور اصولی و فروعی دونوں قسم کے اختلاف ہونے کی تصریح (گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ ج ۲/۲ مارچ ۱۹۳۳ء) سے پیش کر چکا ہوں۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل تاویلات کہ:

۱..... مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں ہوں اور کوئی عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں۔

۲..... اصولی اختلاف سے خلیفہ اول کی یہ مراد نہیں کہ نماز و روزہ وغیرہ میں اختلاف ہے۔

۳..... گواہ مدعا علیہ نے کہا تھا کہ ایک لحاظ سے فروعی اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔

## الجواب:

۱..... یہ دعویٰ مدعا علیہ جب صحیح ہوتا ہے کہ اس کا ایمان مرزا صاحب اور اس کے خلفاء پر نہ ہوتا۔ مگر ان پر ایمان لانے اور اس پر قائم رہنے کی حالت میں وہ اس کا پابند ہے اور یہ زبانی اقرار محض مغالطہ اور الفاظ بے معنی ہیں۔ جیسا کہ مفصل شہادت و بحث میں گزر چکا۔

۲..... ہم کب کہتے ہیں کہ اس کی مراد نماز و روزہ کا اختلاف ہے، بلکہ اصل اصول دین توحید و رسالت و اسلام و کفر کا اختلاف ہم بھی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرزا صاحب کا ماننا ایمان نہ لانا کفر۔ ہمارے نزدیک نہ ماننا ایمان اور مرزا صاحب کا ماننا خالص کفر ہے نہ معلوم یہ غلط فہمی مختار مدعا علیہ کو کہاں سے لگی۔

۳..... یہ تو گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے الفاظ پیش کئے اور میں نے حوالہ (گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۳ء) سے دیا ہے اور اس کے بخشم الفاظ بھی اوپر پیش ہو چکے ہیں۔ پس یہ تمام تاویلات لاطائل اور ناقابل التفات ہیں۔

کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے

تجب ہے کہ مختار مدعا علیہ کو اس میں بھی تاویل ہے اور تاویل کی سعی کرتا ہے۔ حالانکہ دونوں میں اصولی و فروعی اختلاف ہے۔ مدعا علیہ اپنے زعم میں مسلمان اور مدعیہ اس کے نزدیک پکے کافر و خارج از اسلام ہیں۔ نہ نماز اس کی جائز، نہ مناکحت۔ بخلاف مدعیہ کے کہ اس کا مذہب اسی طرح مدعا علیہ کو کافر و مرتد اقرار دیتا ہے۔ نیز مدعیہ کے نزدیک مدارنجات نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہے اور مدعا علیہ کے

نزدیک مرزا صاحب کی تعلیم۔ مدعیہ کے نزدیک مرزا صاحب کا ماننا کفر، مدعا علیہ کے نزدیک اسلام۔ اگرچہ زبان سے دونوں مدعی اسلام اور مقرر پابندی قرآن وحدیث ہیں۔ مگر مدعیہ کے نزدیک وہی قرآن قابل عمل ہے، جو نبی کریم ﷺ لائے اور مدعا علیہ کے نزدیک قرآن آسمان پڑا ٹھہ گیا تھا۔ مرزا صاحب دوبارہ آسمان سے لائے۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیح کسی اور کی وحی والہام سے مدعیہ کے نزدیک رد نہیں ہو سکتی۔ مگر مدعا علیہ کے نزدیک جو احادیث (اگرچہ صحیح ہوں)

مرزا صاحب کے وحی والہام کے خلاف ہیں وہ ردی کی طرح پھینک دی جائیں گی۔ مدعا علیہ کے نزدیک قرآن پاک کا وہی مطلب صحیح اور قابل عمل و حجت ہے جو مرزا صاحب کے اسلام و مذہب کے مطابق ہو۔ یعنی جو مرزا صاحب اور اس کے دونوں خلفاء بیان کریں اور بس ملاحظہ جو (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مورخہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳) نیز گواہ نمبر ۱ مدعا علیہ کا جواب کہ مرزا صاحب کی وحی سب صحیح ہے مگر احادیث کل صحیح نہیں۔

مگر مدعیہ کا اسلام و مذہب یہ ہے کہ قرآن پاک کا وہی مطلب قابل ایمان و عمل ہے جو کہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا جو صحابہ کرام، اہل بیت عظام، ائمہ دین، اولیائے امت، علمائے ربانین و بزرگان دین سمجھے اور کسی کا سمجھنا قابل اعتقاد و عمل نہیں۔ اس کے بعد مختار مدعا علیہ کی تمام تاویلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہتا ہے کہ:

..... ۱ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کا جرح میں یہ مطلب نہ تھا، بلکہ صرف حدیث کے قرآن سے مطابقت کے سوال کا جواب تھا۔

..... ۲ بہر حال خلفاء کا فیصلہ ہمارے لئے درست اور قابل تسلیم ہے۔ آخر ہر شخص اپنے مقتداء اور امام کے فیصلہ کا پابند ہوگا۔

..... ۳ علامہ محمد قاسم صاحب بانی دیوبند کا بھی یہی مذہب ہے جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا۔

الجواب: یہ محض تاویلات ناقابل التفات ہیں، کسی جواب ہی کی ضرورت نہیں۔ تاہم میں مختصر جواب ترتیب وار عرض کرتا ہوں۔

..... ۱ میں نے اس سلسلہ میں جرح (گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ مورخہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱) کے جوابی فقرات پیش کئے ہیں اور مختار مدعا علیہ گواہ نمبر ۱ کے قول کو لے کر شرح کر رہا ہے۔ اسے وہاں کوئی خاص دلیل قرار نہیں دیا گیا۔ نیز جو جواب بطور ضابطہ کلیہ کے لکھایا جاتا ہے وہ سوال تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا عام مفہوم معتبر اور مراد ہوتا ہے۔

..... ۲ علاوہ بریں جب کہ حدیث وہ معتبر ہوئی جو قرآن کے مفہوم کے موافق ہو اور قرآن کا وہی مفہوم درست ہے جو مرزا صاحب یا ان کے خلفاء بیان کریں تو مطلب تو پھر وہی ہو گیا کہ حدیث وہی معتبر ہوگی جو مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے بیان کے موافق ہو اور قرآن میں اللہ کی بھی مراد وہی ہے جو ان ہر سہ اصحاب کے بیانات میں ہے۔ بہر حال تمام دین کا دار و مدار یہی صحابہ ثلاثہ ٹھہرے اور بس۔

..... ۲ بہر حال مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کے خلفاء ہی کا فیصلہ درست مانتا ہے، کیونکہ وہ اس کے امام ہیں۔ پس مدعی کو کبھی حق ہے کہ بہر حال فیصلہ نبی کریم ﷺ ان کے خلفاء راشدین، صحابہ و ائمہ ہدیٰ و امام ابوحنیفہ کا فیصلہ درست مانے۔ کیونکہ وہ اس کے امام اور مقتداء ہیں۔ اس طور پر بھی دونوں کے مذہب کا فرق بکلی واضح رہا اور اتحاد کا دعویٰ باطل۔

..... ۳ حضرت مولانا نانوتوی نے عیاذ باللہ کسی کتاب میں بھی اشارۃً و کنایۃً وہ مذہب نہیں لکھا جو گواہان مدعا علیہ بیان کرتے ہیں، نہ ان کے نزدیک صحیح احادیث کسی امتی کی وحی یا الہام کے خلاف ہونے سے ردی کی طرح پھینک دینے کے لائق ہیں۔ وہ صرف حدیث پر روایت و درایت تنقید کا ذکر فرما رہے ہیں اور شیعوں کے مقابل اہل سنت کا یہ اصول پیش کر رہے ہیں کہ حدیث قرآن کے خلاف اہل سنت نہیں مانتے۔ نہ یہ کہ کسی کی وحی کے مخالف احادیث صحیحہ تک ردی کی طرح پھینکنے کو فرما رہے ہیں۔ مفصل تو بین احادیث کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

یہ محض حضرت مولانا پر بہتان اور مختار مدعا علیہ کا صریح مغالطہ ہے۔

## مرتبہ کے معنوں میں تاویل

اس کے بعد کچھ مرتبہ کے معنوں میں ترمیم کر کے مدعا علیہ کا اقرار اسلام کو پیش کر کے اسے ارتداد سے بچانا چاہتے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ ضروریات دین سے انکار اور مدعی نبوت بعد آنحضرت ﷺ اور اس کے دعاوی والہامات کی تصدیق کے بعد ہزار زبان سے اقرار ہو۔ بہر حال شرح محمدی میں وہ مرتبہ اور کافر ہی ہوگا۔ جیسا کہ اوپر اصل بحث اور جوابی سلسلہ پر بیانات گواہان مدعیہ میں مفصل حوالے گزر چکے ہیں اور یہ مقدمہ مسل واپس ہونے کے بعد از روئے شرع شریف فیصل ہو رہا ہے۔ وہ قانونی نظائر جس میں مسلمان ہونے کے واسطے صرف زبان سے مسلمان کہنا کافی تھا وہ تمام اسلامی شعائر کا منکر اور کافروں سے بدتر کافر ہو، وہ قانون غیر متعلق کا مقدمہ کے اس دور میں کوئی علاقہ نہیں۔ نہ مسل کے واپس ہونے کے بعد پہلی کوئی کارروائی سوائے عرض دعویٰ و جواب دعویٰ و تسبیح کے حجت ہے۔

## مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک اور وجہ

اس ہیڈنگ کے تحت لائینی تاویلات سے اس نظیر کو مختارات مدعا علیہ لانا چاہتا ہے جو میں نے مدعا علیہ کے ہی جناب مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب (چشمہ معرفت ص ۲۷۶، ۲۷۷، خزائن ج ۲۳ ص ۲۸۸، ۲۸۹) سے پیش کی تھی اور اسی قسم کی تاویل گواہان مدعا علیہ نے جرح میں اس کے پیش ہونے کے بعد کی تھی۔ باوجودیکہ ان تاویلات کا جواب اصل ابتدائی بحث میں دے چکا ہوں۔ مگر پھر بھی وہی ایک دوسرے رنگ میں پیش کر دیں۔ لہذا اب دوسرے جوابی رنگ میں جواب بھی عرض ہے۔

مقدمات مسلمہ:

.....۱ مدعا علیہ نے جو پہلے احمدی نہ تھا اور بعد نکاح اس نے احمدیت اختیار کی۔

.....۲ غیر احمدی سے احمدی یا احمدی سے غیر احمدی ہونا، دوسرا مذہب اختیار کرنا یا مذہب بدلنا کہا جاتا ہے۔

(جرح گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ مؤرخہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۳ء)

.....۳ ان دونوں مقدمات مسلم ہونے کے بعد میں نے مندرجہ ذیل نظیر مرزا صاحب کی کتاب چشمہ معرفت سے پیش کی تھی۔

”جب عورت مرد کو ظالم پاوے یا وہ اس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابل برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ ناموافق ہو یا وہ مرد دراصل نامرد ہو یا تبدیل مذہب کرے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اس کے ولی کو چاہئے کہ حاکم وقت کے پاس یہ شکایت کرے اور حکم وقت پر یہ لازم ہوگا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اس عورت کو اس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کر دے اور نکاح کو توڑ دے۔ لیکن اس حالت میں اس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہوگا کہ کیوں نہ اس کی عورت کو اس سے علیحدہ کیا جائے۔“ (چشمہ معرفت ص ۲۷۶، ۲۷۷، خزائن ج ۲۳ ص ۲۸۸، ۲۸۹)

جس کے بعد نتیجہ ظاہر ہے کوئی بھی تاویل ممکن نہیں جب کہ مدعا علیہ نے احمدیت اختیار کر کے باقرار و تسلیم اپنے گواہ کے مذہب بدلایا اور مذہب بدلنے پر مرزا صاحب بھی اس کی منکوحہ کو حاکم مجاز کے پاس درخواست فسخ نکاح کی اجازت دیتے ہیں اور حاکم مجاز کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اس پر لازم ہے نکاح فسخ کر دے۔

لہذا مقدمہ مرزا صاحب کے مسلک پر بھی حجت مدعیہ ہونا چاہئے اور نکاح فسخ، خلاصہ تاویلات ہذا۔

۱..... مدعا علیہ نے ان مضمون میں مذہب تبدیل نہیں کیا، بلکہ یہ معنی تو منصف احمد پورشرقیہ کے نتیجہ غلط اخذ کرنے سے پیدا ہو گئے۔ اس کی ۹ فروری ۱۹۲۷ء کی درخواست ملاحظہ ہو۔

۲..... مذہب کا لفظ اسلامی فرقوں اور دین دونوں کے معنی میں آتا ہے، چند امثلہ۔

۳..... مدعا علیہ چونکہ اسلام پر قائم ہے اس لئے مقدمہ خارج ہونا چاہئے۔

۴..... گواہ نے مذہب بدلنا دین بدلنے کے معنی میں نہیں لیا، بلکہ مذہب کے معنی روش اور طریقہ کے ہیں۔ اس نے طریقہ بدلنے کے معنی میں لیا ہے۔

۵..... مرزا صاحب کی غرض مذہب بدلنے سے چشمہ معرفت میں وہ تبدیلی ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین عیسوی و موسوی وغیرہ اختیار کرے۔ کیونکہ وہ کتاب ہی غیر مذاہب کے مقابلہ پر ہے۔

**الجواب:** عدالت خود میری اصل بحث سے ان تاویلات کا مقابلہ فرمائے ایک بھی وہاں سے ربط نہیں رکھتی کہ ان سے اصل بحث کے مضمون پر کوئی زیادہ زد پڑتی ہے۔ تاہم جواب الجواب کے رنگ میں مختصر اتر تیب وار عرض کرتا ہوں تاکہ مختار مدعا علیہ کا ملاحظہ واضح ہو جائے۔

۱..... مدعا علیہ کے کسی خاص معنی یا لفظ تبدیل مذہب پر اس کی بناء نہیں قرار دی گئی وہ تو تائید تھی، بلکہ صرف اس کا احمدی ہونے کا اقرار ہمارے مدعا کا مثبت اور اس پر وہ جواب دعویٰ سے اپنی آخری شہادت تک قائم رہا۔ لہذا ہمیں منصف احمد پورشرقیہ کے نتیجہ کی صحت و سقم اور اس کی ۹ فروری ۱۹۲۷ء کی درخواست سے کوئی سروکار نہیں۔ مقدمہ اولیٰ تو صرف یہ ہے کہ پہلے غیر احمدی تھا اور بعد نکاح احمدیت اختیار کر لیا۔

۲..... مذہب کا لفظ جن معانی میں آتا ہو اس سے غرض نہیں۔ یہاں اس نے جو مذہب ترک کیا ہے وہ اس کے نزدیک دین و اسلام ہی نہ تھا، بلکہ اس پر رہنا اسلام سے خروج اور کفر تھا اور اب احمدی ہونا دین اسلام ہے۔ لہذا یہاں اس کے نقطہ نظر سے صرف مسلک بدلنا نہیں، بلکہ دین بدلنا ہے۔

نیز اسلامی فرقوں کی تبدیلی میں جہاں لفظ مذہب استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ وہاں اس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں، بلکہ فروعی ہے اور ایک دوسرے کے پیچھے بلا کراہت نماز پڑھتے اور ایک دوسرے کو نہ صرف مسلمان بلکہ حق پر جانتے ہیں اور وہاں لفظ مذہب ان مذکورہ بالا قرآن کی وجہ سے مجازاً بمعنی مسلک بولا گیا ہے۔ بخلاف احمدیت اور غیر احمدی مسلمانوں کے کہ یہاں اسلام و کفر کا فرق ہے۔ اصولی و فروعی دونوں قسم کے اختلافات مسلم، نہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز جائز نہ سلسلہ مناکحت۔ جیسا کہ تفصیلاً حوالوں سے اوپر گزر چکا۔ پس یہاں اگر لفظ مسلک بھی بولا جاتا تو مجازاً مذہب و دین بدلنے کے معنی میں لیا جاتا۔ چہ جائے کہ صاف مذہب بدلنے کا لفظ موجود ہے۔

۳..... یہ فیصلہ قبل از وقت ہے کہ مدعا علیہ اسلام پر قائم ہے۔ لہذا مقدمہ خارج ہونا چاہئے۔ اس کے اسلام و کفر وار تہاد کا مسئلہ زیر بحث ہے، یہی نتیجہ ہے۔ اس پر شہادت و بحث ہے۔ لہذا اس کا یہاں تذکرہ ہی فضول ہے۔ شہادت سے تو اس کا کفر ہی ثابت ہے۔ مرزا صاحب کی اتباع کے بعد اس کے ارتداد و کفر میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ جیسا کہ مدلل بیانات گواہان مدعیہ میں گزر چکا اور وہ تمام حوالے مرزا صاحب اور دیگر کتب کے جرح میں بھی پیش ہو چکے اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴..... گواہ نے ہرگز روش اور طریقہ بدلنے کے معنی میں نہیں لیا۔ ورنہ وہ اپنے معتقدات کی بناء پر لے سکتا ہے۔ کیونکہ غیر احمدی ہونا اس کے نزدیک صریح کفر اور خروج از دائرہ اسلام، بلکہ پکا کفر ہے اور اس پر وہ اپنا ایمان زور دار لفظوں میں جرح آئینہ صداقت کے سلسلہ میں ۱۹۳۳ء میں بتا چکا ہے۔ پھر طریقہ بدلنے کے معنی میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ طریقہ اور روش بدلنا وہاں ہوتا ہے، جہاں دونوں اصولاً متحد

ہوں۔ اسلام و کفر کا فرق نہ ہو۔ بعض جزئیات و فروع میں اختلاف ہو۔ جیسے حنفی، شافعی، چشتی و نقشبندی کہ سب ایک دوسرے کے نزدیک مسلمان اور حق پر ہیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز شادی بیان کا تعلق قائم۔ وغیرہ وغیرہ!

پس مختار مدعا علیہ کی یہ توجیہ گواہ کی مراد سے بالکل خلاف ہے۔ یہاں مذہب بدلنا یوں ہے جیسے کہ یہودی و نصرانی یا ہندو ہونا یا اس سے پھرنا۔ چنانچہ مسلمانوں کو عیسائی یہودی، ہندوؤں کی طرح اس نے خود بخوالہ (ملائتہ اللہ ص ۳۶) تسلیم کیا ہے۔ لہذا ایمان مذہب بدلنا بمعنی دین بدلنے کے ہے نہ کہ روش اور طریقہ بدلنے کے معنی میں۔ واقعات اور گواہ نمبر ۲ کا عقیدہ اس کی زبردست تردید کرنے کو کافی ہیں۔

۵..... جو غرض مرزا صاحب کی چشمہ معرفت میں مذہب بدلنے کی مختار مدعا علیہ بیان کرتا ہے۔ اولاً اس کی طبع زاد ہے۔ وہاں کوئی بھی کسی قسم کا سیاق و سباق میں قرینہ نہیں اور یہ کہنا کہ وہ غیر مذاہب کے مقابلہ پر لکھی گئی ہے۔ بدایت غلط اور قرینہ نہیں۔ کیونکہ اس میں غیر مذاہب سے کچھ کم مسلمانوں کی تردید نہیں اور اگر بفرض محال ہم انہیں کے قول کو تسلیم کر لیں کہ وہ تبدیلی مراد ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین عیسائی یہودی وغیرہ اختیار کرے تو بھی ہمارا مدعا اسی طرح ثابت ہے۔ کیونکہ غیر احمدی مسلمان ان حضرات اور ان کے خلفاء کے نزدیک یہودی نصرانی اور ہندوؤں کی طرح کافر ہیں۔ ملاحظہ ہو (ملائتہ اللہ ص ۳۶) اور اس کی تائید مرزا صاحب کے کلام سے لی گئی ہے۔ پس غیر احمدیوں اور احمدیوں میں ویسا ہی اختلاف رہا۔ جیسا کہ اسلام اور یہودیت و نصرانیت و ہندویت میں۔ لہذا بہر حال تبدیلی مذہب کا لفظ واقعہ زیر بحث سے متعلق اور اس کے پورے طور حاوی رہا۔ لہذا اس کی رو سے مسلمہ طور پر مرزا صاحب کے فیصلہ کے مطابق نکاح ضرور فسخ اور مقدمہ بخت مدعیہ ہونا چاہئے۔

## فسخ نکاح کی ایک اور وجہ

اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے میری ایک زبردست وجہ فسخ نکاح کو جو نہایت بدیہی اور واضح تھی، مخدوش کرنا چاہا ہے میں نے عرض کیا تھا کہ ابتدائی مرحلہ میں مقدمہ مدعیہ کے خلاف دو وجہوں سے ہوا۔ پہلا ممالک غیر کافر فتویٰ نہیں پیش ہوسکا نمبر ۲ دوسرے قانونی بعض نظائر موجود تھے۔ مگر اب جب کہ ممالک اسلامیہ کا ایک زبردست فتویٰ علماء حرمین مکہ و مدینہ کا ”مسعی بحسام الحرمین“ مختار مدعا علیہ نے خود علماء دیوبند کی تکفیر کے سلسلہ میں پیش کر دیا جس کے شروع میں مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے متبعین کے معتقدات لئے ہیں اور اسی لین میں انہیں عقائد میں چونکہ علماء دیوبند کا تذکرہ تھا۔ لہذا ان پر بھی کفر آ گیا۔ جب انہیں وہ غلط فہمی رفع ہو گئی اور اس کی تردید ہو گئی تو وہ فتویٰ واپس لے لیا جس کے لئے غایۃ المامول علامہ برزنجی مدنی کا پیش کیا تھا۔ بہر حال وہ فتویٰ مرزا صاحب کے حق میں اب تک باقی ہے اور خود مدعا علیہ کے شاہد کا پیش کیا ہوا ہے اور نہ صرف ممالک اسلامی، بلکہ حجاز و حرمین کے مسلم علماء و مشائخ کا۔ دوسرا فتویٰ علماء شام کا جو گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے پیش کیا اور فیصلہ دربار میں یہ موجود ہے کہ کفر و اسلام کا معاملہ علماء اسلام ہی حل کر سکتے ہیں۔ پس علماء حرمین و ممالک اسلامیہ کے فیصلہ و فتویٰ کے بعد مرزا صاحب اور ان کے متبعین کا ارتداد بلاشبہ ثابت ہے۔ نیز علماء اسلام میں کوئی ایک مسلم عالم یا کوئی ایک اسلامی فرقہ بھی اس کے خلاف نہیں۔ دوسرے نظائر پیش کردہ کو فیصلہ دربار معلیٰ نے غیر متعلق قرار دے دیا۔ ملاحظہ ہو فیصلہ دربار معلیٰ پس اب یقیناً نکاح فسخ اور مقدمہ بخت مدعیہ ڈگری ہونا چاہئے۔

## خلاصہ تاویلات

۱..... وہ شام کے علماء کا فتویٰ نہیں، بلکہ میرے ایک ٹریکٹ کا جواب ہے جو رشید قاسم نے لکھا ہے اور وہ ایک تاجر ہے۔ اس کی قابلیت اور دماغی حالت معلوم کرنے کے واسطے یہی کافی ہے۔

۲ ..... گواہ مدعیہ نمبر ۳ سے جب جرح میں دریافت کیا تو رشید قاسم سے لاعلمی ظاہری۔

الجواب:

۱ ..... یہ عجیب بات ہے کہ وہ فتویٰ نہیں ہے۔ کیونکہ رشید قاسم ایک تاجر آدمی ہیں اور تاجر عالم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ تمام انبیاء حتیٰ کہ سید الانبیا ﷺ نے بھی تجارت کی۔ تاجر ہونا نہ نبوت کے منافی ہے، نہ خلافت ولایت کے، نہ علم و کمال و افتاء کے۔ باقی چونکہ انہوں نے ممالک اسلامیہ اور خصوصاً شام میں مرزا صاحب کے خلاف ایک بیداری پیدا کر دی ہے اور ان کے مشن کو ان سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ یہ ان کی دماغی حالت پر جو بھی تبصرہ کرے، بجا ہے۔ بہر حال وہ ایک عالم کا فتویٰ ہے اور دوسرے علماء اس کے مؤید ہیں۔ وہ مفصل فتویٰ اور اس ترجمہ اخبار مدینہ بجنور اور اخبار زمیندار لاہور میں متعدد مرتبہ علماء شام کے فتویٰ کے ہیڈنگ سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے نیچے دیگر علماء کے بھی دستخط ہیں۔

۲ ..... گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے اپنی ذاتی ملاقات کا انکار کیا ہے۔ باقی ان کے علم و فضل کا کوئی انکار اور اس سے لاعلمی نہیں اور نہ کسی کی علمی شہرت معلوم کریں۔ اس سے بلا واسطہ ملاقات کی شرط ہے۔ ملاحظہ اصلی الفاظ (جرح گواہ نمبر ۳، مؤرخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۳ء) اور اگر بالفرض مختار مدعا علیہ کے یہ شبہات ہم صحیح تسلیم کر لیں گے تو صحیح نہیں۔ جیسا کہ ابھی عرض کر چکا ہوں تو بھی ہمارا اصلی استدلال بحالہ موجود ہے۔ کیونکہ اڈالا تو میں نے انہیں کا پیش کردہ فتویٰ علی مدینہ مکہ و مدینہ حسام الحرمین کو بناوا استدلال بنایا ہے۔ اس کا جواب بھی نہ دے سکے۔ بہر حال ایک فتویٰ نہ صرف علماء ممالک اسلامیہ بلکہ خیر البلاد حجاز کے مسلم علماء و مشائخ گواہ مدعا علیہ کا پیش کردہ موجود اور لا جواب و مسلم ہے۔ پس فتویٰ ممالک اسلامیہ کا ثابت ہے اور نظر قانونی بروئے فیصلہ دربار معلیٰ غیر متعلق ہے۔ پس مقدمہ بحق مدعیہ یقیناً ڈگری ہونا چاہئے۔

نوٹ: اس کے بعد حسام الحرمین اور علماء دیوبند و بریلی کا طولانی قصہ ہے جسے میں اخیر بحث میں جب کہ اپنے گواہوں پر سے اعتراضات دفع کروں گا۔ اس وقت لوں گا اور وہیں سے یہ دراصل متعلق بھی ہے۔

گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب

اس سلسلہ میں جو میں نے مکمل لسٹ پیش کی تھی اس کے بعض نمبروں کی کچھ تاویلیں مختار مدعا علیہ نے کرنی چاہی ہیں اور اکثر تو لا جواب اور گواہوں کے ناقابل اعتبار ثابت کرنے کو کافی دوانی ہیں۔ میں تاویلات کا خلاصہ لے کر نمبر وار جواب مگر نہایت ہی مختصر عرض کرتا ہوں۔ ہاں! پہلے اپنے اصل اعتراضات اور تنقید کا خلاصہ بھی مختصر الفاظ میں پیش کر دوں تاکہ بعد کو متعدد مرتبہ اسے نہ لانا پڑے۔

خلاصہ تنقید

یہ اصل فریقین کو مسلم ہے کہ کسی کا مذہب دریافت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تمام کتابوں کو دیکھ کر حکم لگایا جائے۔ ملاحظہ ہو (بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱) عنوان علماء کفر کا فتویٰ۔ لہذا کوئی کسی سلسلہ کا تمام لٹریچر دیکھے بغیر اس کے اسلام کے متعلق اخیر فیصلہ نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ اس کے اسلام کا پتہ تو جب چل سکتا ہے۔ جب کہ اس کے تمام معتقدات کا علم ہو اور معلوم ہو جائے کہ اس کا کوئی بھی عقیدہ کفریہ اسلام کے خلاف نہیں۔ بخلاف کفر کا حکم لگانے کے واسطے اگر قطعی طور پر ایک کسی کا صریح و صاف کفریہ معلوم ہو جائے تو کفر کا حکم ان کفریات پر لگا سکتے ہیں۔ گو دیگر کفریات یا اس کے تمام معتقدات کا علم نہ ہو۔ کیونکہ اسلام تو مجموعہ اعتقادات کے بعد ثابت ہوگا اور کفر کے واسطے ایک صریح وجہ بھی کافی۔ گو اور کسی چیز کا علم نہ ہو۔



مثلاً ایک شخص صراحتاً نماز کی فرضیت کا انکار یا قرآن کا انکار یا بت کو سجدہ کرے تو ہم صرف اسی پر حکم کفر لگا سکتے ہیں۔ گو دوسرے حالات کا ہمیں علم بھی نہ ہو۔ اسی اصول پر مرزا محمود صاحب نے تمام چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج۔ صرف مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے سے قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان تمام مسلمانوں کے تمام معتقدات کا ان کو پتہ بھی نہیں اور گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ جو سلسلہ احمدیت یا مذہب مرزائیت اور اس کے بانی و تبعین کا اسلام ثابت کرنے کے واسطے پیش ہوا ہے۔ اس کا یکم مارچ ۱۹۳۳ء بجواب جرح اقرار ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے سب لٹریچر نظر سے نہیں گزرے جو اس وقت تک شائع ہوئے۔ اب اس معاملہ میں اس کی گواہی کا ناقابل اعتبار ہونا بالکل واضح تھا۔ مگر اس میں بھی غیر متعلق تاویلات کیں۔

### خلاصہ تاویلات

- ۱..... گواہ مدعیہ کی جرح کی عبارت محرف کر کے پیش کی اور عدالت کو مغالطہ دیا۔ اصل الفاظ یہ ہیں: سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس وقت تک جس قدر لٹریچر شائع ہو چکے ہیں وہ سب میری نظر سے نہیں گزرے۔
- ۲..... اس سے دیگر مصنفین کی تصانیف مراد ہیں جن کا دیکھنا ضروری نہیں، نہ کتب مرزا صاحب۔
- ۳..... مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے واسطے اس کی تمام تصانیف کا دیکھنا ضروری نہیں قطعاً باطل ہے۔ بلکہ مبہم و ذوالوجہ عبارات دوسری عبارات سے حل ہوں گی۔ نیز اس کے سیاق و سباق و دیگر تصانیف سے۔
- ۴..... مختار مدعا علیہ کا اصول گواہ مدعیہ نمبر ۱ کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو جرح ۲۰ اگست ۱۹۳۳ء ایک مصنف کا جب تک ما قبل و ما بعد معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کر لیا جائے۔
- ۵..... اور واضح رہے کہ فتویٰ دینے کے بارہ میں گواہ مدعیہ نمبر ۱ کا قول بہ نسبت مختار مدعا علیہ کے قول کے زیادہ معتبر اور ماننے کے قابل ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نمبر ۱ بقول اس کے دارالعلوم دیوبند کا مفتی ہے اور مختار مدعیہ ایک معمولی آدمی ہے جو کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں۔
- ۶..... پھر گواہ مدعیہ نمبر ۱ کو بھی اس کی جرح سے ایک فقرہ سے مجروح کرنے کی سعی کی۔

### الجواب:

- ۱..... میں نے کوئی بھی عبارت محرف نہیں کی۔ عدالت کو خود ملاحظہ مسل کے وقت معلوم ہو جائے گا۔ میں نے وہاں بھی اصل عبارت پیش کی تھی۔ حوالہ یہ محض مغالطہ ہے۔
- ۲..... یہ تاویل کہ سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر سے مرزا صاحب کے سوائے دوسرے مصنفین کے مراد ہیں۔ محض غلط اور اب بحث ناقابل التفات ہے۔ گواہ اپنے الفاظ کا پابند ہے۔ نیز کسی سلسلہ یا مذہب کے لٹریچر میں اس کے باقی سلسلہ کا لٹریچر سب سے مقدم آتا ہے۔ لہذا یہ تخصیص علاوہ بے ربط ہونے کے تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ پھر سلسلہ احمدیہ میں جس طرح مرزا صاحب کی تصانیف قابل ایمان لانے کے ہیں۔ یوں ہی ان کے خلفاء کی۔ پس مرزا صاحب کے سوائے مطلقاً دیگر تصانیف کا اخراج بھی نافع نہیں اور گواہ آئینہ صداقت مرزا محمود صاحب کے مطالعہ سے صراحتاً انکار کر چکا ہے۔ بہر حال یہ تاویلیں فضول ہیں اور سلسلہ کی کل کتب یقیناً اس نے نہیں پڑھیں۔ جیسا کہ جرح میں جا بجا آیا ہے اور اس قدر لاعلمی کے ساتھ اس سلسلہ کی صفائی کے گواہ ہرگز قابل نہیں ہو سکتے۔
- ۳..... میں نے اس مسئلہ کو مدلل امثلہ سے بیان کیا ہے۔ کسی حاشیہ آرائی کا وہ محتاج نہیں۔ مصرح کفر ہونے کے لئے کل عقیدے یا کل کتب کے مطالعہ کی حاجت نہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد مطلقاً دعویٰ نبوت یا آنحضرت ﷺ کا مطلقاً آخر نبی ہونا، وغیرہ! ایسا مصرح ہے کہ کسی کتاب میں ۱۹۰۱ء کے بعد اس کے خلاف نہیں۔ وغیرہ ذلک! باقی مبہم عبارات کے حل کے لئے ضرور اس عبارت یا مخصوص اسی مسئلہ

کے متعلق اس شخص کی دیگر تصانیف دیکھنی ہوں گی۔ تمام دیگر مسائل کے متعلق اس کی تصانیف دیکھنا کوئی ضروری نہیں اور یہی مطلب صرف گواہ مدعیہ نمبر اکا ہے۔ اصل بحث و جرح سے عدالت خود ملاحظہ فرمائے یہ تاویل محض بیکار ہے۔

خیر فتویٰ کے متعلق مولانا محمد شفیع صاحب گواہ مدعیہ نمبر اکو زیادہ معتبر اور ماننے کے لائق تسلیم کر لیا اور انہیں ہندوستان کی مرکزی درس گاہ کا مفتی بھی اس سے تو ہمارے گواہ کی توثیق ہے۔ بہر حال ان کا فتویٰ تکفیر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق مذہبی نقطہ نگاہ سے مختار مدعا علیہ کے نزدیک بھی سب سے زیادہ معتبر اور قابل ماننے کے ہوگا۔ باقی رہا مختار مدعیہ کا معاملہ وہ تو نہ گواہ ہے، نہ شاہد، نہ اس پر جرح۔ کہیں پر کوئی اثر ڈالے، اس کے متعلق یہ کہنا کہ اور مختار مدعیہ ایک معمولی آدمی ہے جو کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں۔ یہ بھی اس کی عزت افزائی ہے۔ ورنہ مرزا صاحب تو ہم لوگوں کو بدذات فرقہ اور جنگلی سوراور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ ہمیں تو مختار مدعا علیہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ آدمی تو مان لیا معمولی آدمی ہی سہی۔ ہمیں کب برابر ہونے کا دعویٰ ہے۔ مرزا صاحب تو ابن مسعود رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کو فرماتے ہیں کہ ایک معمولی آدمی تھا۔ کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہ ہونا معمولی آدمی ہونے کو کافی نہیں۔ نہ مختار مدعا علیہ کے کسی یونیورسٹی کے سند یافتہ تھے، نہ خلیفہ اول و دوم۔ البتہ یہ اس کی غلط بیانی یا ناواقفی ہے کہ مختار مدعیہ کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جس کے متعلق وہ کہہ رہا ہے وہ منشی فاضل و مولوی فاضل الہ آباد یونیورسٹی و لکھنؤ یونیورسٹی و پنجاب یونیورسٹی تینوں جگہوں کا ہے۔ اگر عدالت ضرورت محسوس فرمائے تو تمام سرٹیفکیٹ بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ میری غرض صرف مختار مدعا علیہ کے اوجھے پن کا اختیار کرنا ہے۔ ورنہ وکیل پرتقید کا کوئی اثر مؤکل یا کیس پر نہیں پڑتا۔ ہاں! اب یہ اصول تقید مختار مدعا علیہ کے متعلق نہ بحیثیت مختار بلکہ گواہ سلسلہ تقید گواہان مدعا علیہ ان شاء اللہ پیش کیا جائے گا۔

۴..... کل کتب مرزا صاحب کی بالاستیعاب نہ دیکھنا اور چیز ہے اور عبارت کا سیاق و سباق نہ دیکھنا اور چیز۔ اس مغالطہ سے گواہ مجروح نہیں ہو سکتا۔ دوسرے گواہ مدعیہ نمبر بحیثیت مفتی اسلام پیش ہوا ہے اور وہ شرعی مسائل کا دراصل شاہد ہے۔ اگر وہ یہ عبارات بھی نہ دیکھتا جب بھی اس کی ان متنازعہ مسائل ختم نبوت، وحی نبوت، توہین انبیاء، تکفیر امت، انکار حشر اجساد وغیرہ میں معتبر اور بقول مختار مدعا علیہ قابل ماننے کے تھے۔ مرزا صاحب کی عبارات کے واسطے تو گواہ الف و نمبر ۲، ۳ پیش ہوئے ہیں جنہوں نے غالباً مرزا صاحب کے تابعین سے بہت زائد ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔

## (۲) دربار معلیٰ کی توہین

یہ عدالت نے غیر متعلق قرار دے کر خارج کر دیا ہے۔ لہذا اس پر کچھ بحث کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس کے تحت دو امر اور پیش کئے ہیں۔ ایک تو اپنی صریح غلط بیانی کی تردید کرنے کی سعی کی ہے، دوسرے دو غیر مجروح شاہدوں پر فرضی یا ظلی و بروزی جرح قائم کی ہے۔ اس کے الفاظ کا خلاصہ لے کر جواب عرض کروں گا۔

### خلاصہ تاویل مختار مدعا علیہ

- ۱..... یہ کہنا کہ فتویٰ کفر کی بنیاد صرف علماء کے اقوال پر رکھی گئی ہے۔ بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے۔
- ۲..... شیخ الجامعہ صاحب نے جو دلائل پیش کئے تھے جب کہ مدعا علیہ کی طرف سے ان کا جواب ہو گیا تو گویا علماء کے اقوال ہی رہ گئے۔
- ۳..... گواہان مدعا علیہ نے مدعا علیہ کے ایمان اور اس کا عقیدہ قرآن مجید اور حدیث اور سلف کے موافق ثابت کر دیا ہے۔ لہذا مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا اعتراض باطل ہے۔

۴..... گواہ نمبر الف، ب کی شہادتوں میں وہی امور تھے جو دوسرے شاہدوں نے بیان کئے ہیں۔ دوسروں کی جرح گویا ان پر ہے۔ لہذا وہ بھی مجروح باطل ناقابل التفات ہو گئیں۔

الجواب:

۱..... یقیناً یہ کہنا کہ اس جدید دور میں تکفیر کی بنیاد صرف علماء کے اقوال پر رکھی گئی۔“

عدالت کے سامنے ایسی صریح غلط بیانی ہے کہ اس کے بعد اس گواہ کی گواہی قبول ہی نہیں ہو سکتی۔ عدالت خود مسل سے ملاحظہ فرمائے کہ کہیں کوئی بھی فتویٰ پیش نہیں کیا گیا۔ تذکرہ علماء شام کے فتویٰ کا صرف دو لفظوں میں ذکر ہے۔ باقی تمام مسائل آیات قرآنی احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین و ائمہ فیصلہ متکلمین و اسلاف سے بوضاحت بلا کسی تاویل کے ثابت کئے گئے جس میں ہر اقسام سے تقریباً (۵۰) دلائل تو لا جواب ہیں جس کے جواب کا اس میں عمومی و خصوصی کسی طور پر تذکرہ تک نہ آیا۔ پھر کیا یہ مذکورہ بالا اقوال کہ صرف بنا علماء کا فتویٰ ہے۔ محض دروغ اور غلط بیانی نہیں۔

۲..... یہ کہنا کہ شیخ الجامعہ صاحب کے دلائل کا جواب دے دیا۔ بس گویا کہ صرف فتاویٰ رہ گئے۔ یہ کیسی بے ربط تاویل ہے۔ اس بناء پر تو یہ کہنا چاہئے کہ کوئی بھی دلیل نہیں رہی۔ کیونکہ یہاں پر فتویٰ کا پتہ ہی نہیں۔

نیز حضرت شیخ الجامعہ صاحب کے دلائل کا کوئی بھی جواب بن نہ سکا۔ جیسا کہ اوپر مفصل پیش کر چکا۔ علاوہ بریں سوائے ایک آدھ باتوں کے شیخ الجامعہ صاحب نے جو تمام گواہوں سے علیحدہ آیات و احادیث پیش کی تھیں، ان کا جواب کجا جوابی بحث میں تذکرہ یا اصولاً بھی تردید نہ آئی۔ لہذا ان کا بیان تو بہر حال لا جواب ہے۔ نہ وہ ٹوٹ سکتا ہے اور نہ یہ مختار مدعا علیہ کا صریح جھوٹ سچ ہو سکتا ہے۔

۳..... عدالت خود واقف ہے کہ گواہان مدعا علیہ کا عقیدہ کہاں تک قرآن و حدیث و اسلاف کے مطابق ثابت کر سکے۔ مدعا علیہ کیا صرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کا ایمان تو حید و رسالت اور ضروریات دین پر ثابت نہ ہو سکا۔ بس اصل اعتراض بحالہ موجود ہے۔

۴..... شاید مختار مدعا علیہ کو معلوم نہیں کہ بعض گواہوں کے مجروح ہونے سے دوسرے جرح سے سالم گواہ قانوناً مجروح نہیں ہوا کرتے۔ نہ اس قسم کی تاویلات کو کوئی جوڈیشیل حیثیت حاصل ہے۔

لہذا وہ دونوں شہادتیں بالکل جرح سے سالم ہیں اور اس طور پر کہ باوجود وقت دیئے جانے کے مدعا علیہ نے جرح سے انکار کر دیا۔ مزید برآں ان شہادتوں پر دیوبندی ہونے کا بھی اعتراض نہیں۔ پس جوڈیشیل حیثیت سے وہ گواہان بہت ہی قابل وقعت ہیں۔ خصوصاً نمبر الف کا پوزیشن بھی ہائی پوزیشن ہے۔

(۳) گواہ مدعا علیہ نمبر ۱..... معلومات پر بحث

اس سلسلہ میں من جملہ اور اعتراضات کے صرف میرے ایک اعتراض کی تاویل کرنے کی لا حاصل کوشش کی ہے۔

پیش کردہ کتب سے مختار مدعا علیہ کی واقفیت

- |        |                                       |                       |                |
|--------|---------------------------------------|-----------------------|----------------|
| ۱..... | فتوحات مکیہ کل نہیں دیکھی۔            | گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ | یکم مارچ ۱۹۳۳ء |
| ۲..... | شرح فقہ اکبر کا علم نہیں کسی کی ہے۔   | // //                 | ۷ مارچ ۱۹۳۳ء   |
| ۳..... | بحر الرائق کا اصول تکفیر معلوم نہیں۔  | // //                 | // //          |
| ۴..... | اشارات فریدی تمام کا مطالعہ نہیں کیا۔ | // //                 | ۹ مارچ ۱۹۳۳ء   |

..... ۵	منصب امامت پورا نہیں پڑھا۔	//	//	۱۲/ مارچ ۱۹۳۳ء
..... ۶	مبسوط دیکھا ہی نہیں۔	//	//	//
..... ۷	ہدیہ مجددیہ کا مصنف نامعلوم۔	//	//	//
..... ۸	جامع الشواہد کا مصنف نامعلوم۔	//	//	//
..... ۹	بھونچال برلنکر دجال کا مصنف نامعلوم۔	//	//	//
..... ۱۰	تخذیر الناس کل مطالعہ نہیں کی بلکہ اکثر۔	//	//	۸/ مارچ ۱۹۳۳ء

اس سے گواہ کی لاعلمی اور قابلیت نیز جو حوالے جس مسئلہ کے متعلق پیش کئے۔ ان کی حقیقت آشکار تھی اور کسی تاویل کی حاجت بھی نہ تھی۔ مگر پھر بھی تاویلیں پیش کیں کہ ان سے گواہ نمبر امد عالیہ کی شہادت پر اثر نہیں پڑتا۔

### خلاصہ تاویلات مختار مد عالیہ

- ۱..... یہ خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ ۷/ مارچ ۱۹۳۳ء کو گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ بحر الرائق میں یہ ہے کہ اکثر کے متعلق میں فتوے نہیں دیتا اور کسی کے کلام کا..... الخ!
- ۲..... فتوحات مکیہ اتنی ضخیم کتاب ہے کہ جس غرض کے واسطے گواہ مد عالیہ نمبر ان اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے لئے کل پڑھنا ضروری نہ تھا۔
- ۳..... دوسری کتب کے متعلق یہ ہے کہ ان کی جو عبارات پیش کی گئی۔ اس کے اندر اس کے خلاف کوئی عبارت نہیں جس سے اس کے مفہوم میں فرق آئے۔ لہذا بالاستیعاب پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔
- ۴..... ہدیہ مجددیہ کے مصنف کا نام اس وقت یاد نہ تھا۔ کتاب پر لکھا ہوا ہے یہ بتایا تھا۔
- ۵..... جامع الشواہد اور بھونچال برلنکر دجال کے مصنفین کے متعلق ان کی کتابوں سے معلوم ہو سکے گا کہ مقلد تھے یا غیر مقلد گواہ مد عالیہ نمبر انے بھی یہ لفظ ۱۲/ مارچ کو کہے تھے نہ مختار مدعیہ کے پیش کردہ۔
- ۶..... گواہ مدعیہ نمبر امد عالیہ دارالعلوم ہے، اسے بھی مندرجہ ذیل امور معلوم نہیں۔
- الف..... مجھے نہیں معلوم کہ دیوبندیوں نے سوائے قادیانیوں کے کسی کو کافر کہا ہو۔
- ب..... مسیلمہ نہ نبوت مستقلہ کا مدعی تھا نہ اس نے کوئی شریعت اسلام کے مقابل قائم کی تھی نہ میرے علم میں قرآن کے مقابل کوئی آیات قائم کیں۔

ج..... امام شافعی، احمد، بخاری، نسائی، سید عبدالقادر جیلانی، ابن عربی پر کفر کے فتویٰ کا مجھے علم نہیں۔

د..... مسلم کے شارحین کو میں نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم محمد حسین صاحب بنالوی نے کس سن میں فتویٰ دیا اور کس نے خاتم کے معنی خاتم التیسین میں مہر کے لئے اور خاتم الاولیاء مرزا صاحب نے کہا ہے یا نہیں۔

الجواب: اجمالاً صرف اس قدر گزارش ہے کہ عدالت خود ان تاویلات کو ملاحظہ فرمائے کہ کیا کتب پیش کردہ سے ناواقفی کا الزام دفع ہو گیا۔ بلکہ اور اقرار ہو گیا۔ ہاں! اس کی حکمتیں مصالح بیان کیں کہ اس وجہ سے نہیں دیکھا مگر جواب تو نہ ہو سکا۔ لاعلمی تو بحال رہی۔ مفصل جواب ترتیب وار۔

۱..... بحر الرائق کا اصول تکفیر تو نہ معلوم ہو سکا۔ گو اور امور بتائے اس کے متعلق تو یہی اقرار ہے کہ: ”بحر الرائق کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں کہ اس کا کوئی اصول ہے یا نہ۔“ جس کتاب سے فتاویٰ کفر نقل کئے، اس کے اصول تک کا پتہ نہیں۔ ایسے شخص کے نقل کا کیا اعتبار اور پھر

جو نتیجہ مرتب کیا وہ بوجہ اصول سے ناواقفی کے محض غلط خلاف واقعہ۔ جیسا کہ علماء و فتویٰ کفیر کے تحت بحث میں پیش کر چکا۔

۲..... اتنی ضخیم کتاب جب پڑھ نہیں سکتے تھے تو اس کا حوالہ اور غلط مطلب متکلم کی مراد کے خلاف پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز اس لئے کل کے مطالعہ کی ضرورت تھی کہ ان کی عادت ہے اپنی اصطلاحات مختلف ابواب میں معمولی سے تعلق سے بیان کر جاتے ہیں۔ پس جب تک کل پر عبور نہ ہو۔ ان کی عبارات کا مطلب بھی ان کی اصطلاح اور مسلک کے مطابق معلوم نہیں ہو سکتا۔ (اس سلسلہ میں کبریت و یواقیت سے اوپر حوالے پیش کر چکا ہوں) بہر حال کسی وجہ سے لاعلمی و ناواقفی کا اعتراض بحال ہی رہا۔

۳..... جب بالاستیعاب کتاب ہی نہیں دیکھی تو کیا پتہ کہ اس میں کوئی عبارت اس کے متعلق یا اس کے خلاف ہے یا نہیں۔ علاوہ اس علت کے مہمل ہونے کے ناواقفی کا اقرار ہے۔

۴..... کتاب پر لکھا ہو یا نہ مصنف اور اس کے مسلک کی لاعلمی تو بہر حال اس کتاب سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔

۵..... یہ کہنا کہ کتاب پر لکھا ہو گا دیکھ لیا جائے کس خیال کے آدمی ہیں۔ اس سے زائد ناواقفی کیا ہوگی۔ پھر اس وقت کہا تھا کہ بحث میں پیش کریں گے۔ اس میں بھی باوجود مطالعہ کے نہ پیش کر سکے۔ نیز مختار مدعیہ نے غلط مفہوم یا الفاظ پیش نہیں کئے۔ عدالت خود مسل سے معائنہ فرمائے جہاں کہیں مفہوم جرح کا لیا ہے۔ وہاں بھی خلاف نہیں۔

۶..... گواہ مدعیہ نمبر ۱ پر فرضی اعتراض کرنے سے گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کی جرح کی توصیفی نہیں ہو سکتی۔

نیز گواہ مدعا علیہ کی اپنی پیش کردہ کتب سے ناواقفی ثابت ہے جنہیں وہ خود شہادت میں استدلالی رنگ میں پیش کر رہا ہے۔ بخلاف گواہ مدعیہ نمبر ۱ کے کہ اس کی لاعلمی غیر متعلق امور میں ہے جن کے جواب کا بھی وہ جوڈیشل اصول اور ایک شہادت کی رو سے مکلف نہ تھا۔

### تفصیلاً گواہ مدعیہ نمبر ۱ کی صفائی

الف..... یہ بالکل صحیح ہے کہ علماء دیوبند نے سوائے مرزا صاحب اور ان کے تبعین کے کسی کو کافر کہا ہی نہیں۔ پس ایک غیر ثابت شدہ چیز کا علم کیونکر ہو سکتا ہے۔ نیز اس کے علم کی مقدمہ اور شہادت کے سلسلہ میں ضرورت ہی کیا تھی، ایک غیر متعلق سوال تھا۔

ب..... گواہ نے اپنے علم اور اپنی تحقیق کا جواب بالکل صحیح تحقیق کے مطابق جواب دیا ہے اور گواہ اپنی ہی علم کی شہادت دیتا ہے نہ کسی سنی سنائی۔ اس میں اعتراض ہی کیا ہے۔

ج..... ان بزرگوں پر کسی مسلم بزرگ نے فتویٰ کفر نہیں دیا۔ غیر ذمہ دارانہ فتویٰ کفریہ کی مکمل لسٹ کا حفظ کب ضروری تھا۔

پھر یہ سوال بھی غیر متعلق تھا جس کا جواب اصولاً ان پر ضروری نہ تھا اور نہ اس کے واسطے پیش ہوئے تھے۔ نہ ان بزرگوں کا کفر و اسلام زیر بحث تھا اور جرح میں اس کی کافی تفصیل بھی دی ہے اور مستقل اس کے متعلق ایک اصول بھی بتلا دیا ہے جس کے بعد تفصیل جزئیات کی ضرورت ہی نہیں۔ عدالت خود جرح سے ملاحظہ فرمائے۔

د..... مسلم کے متعدد شارحین ہیں اور سب غیر حنفی ہیں۔ پس حنفی مفتی کوان سے کیا تعلق۔

نیز انہوں نے شرح مسلم سے کوئی حوالہ ہی نہیں دیا۔ حتیٰ کہ کتب پیش کردہ سے لاعلمی یا ناواقفی ثابت ہو اور عالم جمع ”مساکن و مایکون“ سوائے اللہ عالم الغیب والشہادات کے کوئی بھی نہیں۔ پھر یہ اعتراض کیا ہے۔ فقہ حنفی اور شریعت اسلامیہ سے تو پورے واقف ہیں۔ ان کے قابل اعتبار اور ماننے کے لائق ہونے کا تو مختار مدعا علیہ کو بھی اعتراف ہے۔

۵..... محمد حسین بنا لوی کا فتویٰ نہ انہوں نے پیش کیا نہ اس کے معہ صفحہ بتانے کے مکلف نہ ان کے منصب و حیثیت پر اس سے کوئی زد۔ وہ ساری دنیا کے تو گماشتہ نہیں۔

خاتم کے معنی اس آیت میں مہر کے اسلاف نے جن پر اعتماد کیا جاسکے نہیں کئے۔ ہر کس و ناکس کی تحقیقات کا تو کوئی مکلف نہیں۔ مرزا صاحب کے تمام لٹریچر کے حفظ کا ان سے کیا تعلق تھا۔ جب کہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۰۰ جو مبلغ جماعت ہونے کے تمام لٹریچر سے آج تک ناواقف ہے۔ اگر وہ یہ پیش کرتے اور حوالہ نہ بتا سکتے۔ جیسا کہ گواہان مدعا علیہ نے کیا تو ضرور ان پر زد آتی۔ بہر حال یہ صرف مخالفت تھا وہ بھی بجز اللہ! بالکل صاف ہو گیا۔

## گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے جوابات میں تعارض کا رد

(۱)

خلاصہ قول مختار مدعا علیہ:

اجماع کے متعلق کہ پہلے یہ کہا کہ بلا استثناء تمام امت اجماع کر لے اور پھر اکابر اور بزرگ کا اجماع قرار دیا جواب یہ ہے کہ گواہ کے اصل الفاظ وہ نہیں بلکہ یہ ہیں۔ لہذا تعارض نہیں۔

الجواب: میں اس کے جواب میں جرح سے ہر دو عبارات نقل کر کے فیصلہ عدالت کی امتیازی رائے پر چھوڑتا ہوں کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت کی تمام امت بغیر استثناء کے اجماع کرے تو اس کی تسلیم ضروری ہے۔ (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مورخہ ۹ مارچ ۱۹۳۳ء) پھر اس سے خلاف اس تاریخ میں یہ بھی کہا۔

ہمارے نزدیک اجماع امت وہ ہے کہ تمام امت کے بزرگ اور مسلمہ اکابر اس کو ماننے چلے آتے ہوں۔ جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مورخہ ۹ مارچ۔ اول قول میں تمام امت بلا استثناء اجماع کے لئے بتائی ہے اور دوسرے میں صرف امت کے مسلمہ بزرگ و اکابر، تعارض ظاہر ہے۔

(۲)

اصل اعتراض مورخہ ۹ مارچ ۱۹۳۳ء الجواب جرح کہا۔ (اشارات فریدی ج ۳) خواجہ محمد بخش صاحب نے مولوی رکن الدین سے سبقاً سبقاً نہیں سنی۔

پھر ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء سوالات مکرر کے جواب میں کہا کہ یہ صحیح نہیں بلکہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور تصحیح کی ہے۔ حالانکہ یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو جواب جرح میں یہ تسلیم کر چکا ہے کہ:

اشارات فریدی میں خواجہ صاحب کے اپنے اقوال ہیں جو ان کے بعد مرتب کئے گئے اور بعد وفات ہی شائع ہوئے۔ اب تعارض دفعہ ہی نہیں ہو سکتا۔ پہلے دونوں اقوال میں یہ توضیح کی تھی کہ میں نے خود ہی سوالات مکرر میں اصلاح تصحیح کر دی تھی۔ مگر مختار مدعا علیہ کی غرض دوسرے اور تیسرے کا تعارض ہے جو بدستور قائم ہے دفع نہ ہو سکا۔

(۳)

چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہے اور پھر بھی اسے احمدی مسلمان بتایا گیا۔ نظام جماعت سے خارج۔ حالانکہ (آئینہ صداقت ص ۳۵، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰) سے تسلیم کر چکا جو بیعت نہیں کرتا وہ کافر دائرہ اسلام سے خارج۔ اس میں جو نظام جماعت اور احمدیت کافر قائم کرنا چاہا وہ باطل ہے۔ کیونکہ بیعت سے خارج ہونے کی مرزا صاحب تصریح فرما چکے ہیں۔ وہاں نظام جماعت وغیرہ کا کوئی پتہ

نہیں، یہ صرف اپنی تصنیف و ایجاد ہے۔

(۴)

مسح موعود نبی ہیں اور نبی مشرکانہ عقیدہ پر کبھی نہیں رہ سکتا۔ ۲/ مارچ ۱۹۳۳ء مگر پھر بھی مرزا صاحب باوجودیکہ براہین میں مسح کہا جا چکا تھا۔ تیرہ سال تک برابر مسئلہ حیات مسح کے مشرکانہ بلکہ شرک عظیم کے عقیدہ پر باقرار خود قائم رہے۔ اب اس کے جواب میں یہ کہنا کہ مسح تو تھے اور وحی بھی آتی تھی اور مسح موعود نبی بھی ہوتا ہے۔ مگر اس وقت حقیقت نہ کھلی تھی۔ اس تاویل سے تعارض نہ اٹھا بدستور قائم رہا۔

(۵)

بخاری شریف میں احادیث مخالف قرآن غیر معتبر ہونے کا امکان (جرح) حالانکہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری بتصریح مرزا صاحب گواہ کو مسلم، اس میں بھی قطعی وظنی وغیرہ کی تاویل و تفریق کی ہے اور سمیل الرشاد اور الحق لدھیانہ کا حوالہ دیا ہے۔ مگر صرف تاویل ہی تاویل ہے۔ تعارض الفاظ کا قائم ہے۔

(۶)

گواہ نمبر ۱: ”اگر کوئی حکم بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ۲/ مارچ ۱۹۳۳ء اور مرزا صاحب کا قول ہے۔“  
 ”اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرئیل لائیں اور پھر چپ ہو جائیں یہ امر بھی ختم نبوت کا منافی ہے..... الخ!“  
 ”اور اگر یہ کہو کہ جو احکام نازل ہوں گے..... الخ!“  
 اور اسی صفحہ میں ہے کہ: ”اگر یہ کہو کہ مسح کو وحی کے ذریعہ سے صرف اتنا کہا جائے گا کہ تو قرآن پر عمل کر..... الخ!“

(ازالہ اوہام ص ۵۷۷، جزآن ج ۳ ص ۴۱۱)

اس کی تاویل عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت مستقل مان کر بھی درست نہیں۔ کیونکہ ان کا امتی ہو کر اترا بھی ختم نبوت کے منافی (ایام الصلح ۱۳۶، جزآن ج ۱ ص ۳۹۲) پر بتایا ہے اور ازالہ کے اسی صفحہ پر اس مضمون کی تصریح ہے کہ جبرئیل بھی آ کر کہیں کہ پہلی شریعت پر عمل کرو۔ گو شریعت اور وحی جدیدہ نہ یہ بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔ اس کے بعد وحی وغیرہ کی طول طویل تاویل سب بیکار ہو جاتی ہے اور کبریت احمر یا گواہ نے جن اولیاء پر بھی فرشتہ کو بتایا ہے۔ اس کے فرشتہ وحی نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ بلکہ وہ فرشتہ الہام ہے اور دونوں کا فرق بسلسلہ وحی یواقیت اور فتوحات سے پیش کر چکا۔ نیز علم الکتاب کے متعلق بھی اوپر مفصل بحث اور ان کی اصطلاح انہیں کی کتاب سے واضح پیش کر چکا اس سے۔

(۷)

کا بھی جواب ہو گیا اور معلوم ہوا کہ وحی قطعی اور الہام ظنی ہے۔ ایک جیسا مطلقاً نہیں ہو سکتا اور تعارض دفع نہ ہو سکا۔

(۸)

چونکہ نعمت اللہ شاہ ولی اللہ پر مرزا صاحب کی طرح کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار نہیں ہوا۔ لہذا وہ نبی نہ ہوئے۔ یہ نبوت وہی ہونے کے منافی ہے۔

امور غیبیہ کو شرط بنا کے ناقابل التفات تاویل کی ہے۔ اصل تعارض اس سے دفع نہیں ہو سکتا۔

(۹)

اہل کتاب کی تعریف گواہ نمبر امداعلیہ ”کہ جن کو کتاب ملی حتیٰ کہ مسلمان بھی ۷ مارچ اور گواہ نمبر ۲ نے کہا۔“ جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی..... الخ ۲۰! مارچ ۱۹۳۳ء اس کی تاویل میں گواہ نمبر ۴ کے سوالات کمر سے یہ نقل کیا کہ: ”مسلمان اہل کتاب ہیں۔“ اس سے بجائے دفع تعارض کے اور زائد ہو گیا۔ بعض گواہ نمبر ۴ سے خلاف ہونے کے اپنے قول کے بھی معارض ہے۔ لہذا دونوں میں سے ایک بھی قابل اعتبار نہ رہا۔

(۱۰)

گواہ مدعا علیہ نمبر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں: ”عبداللہ بن مسعود ایک معمولی آدمی تھا۔“ تطبیق یہ نکالی کہ گواہ کا قول باعتبار صحابی ہونے کے ہے اور مرزا صاحب کا قول مقابلہ میں رسول و نبی کے۔ مگر یہ تاویل قابل التفات نہیں، اس سے اقراری تعارض اٹھ نہیں سکتا۔ مولانا نانوتوی نے ہدیۃ الشیعہ میں معمولی آدمی کا تحقیقی کلمہ نہیں کہا، بلکہ صرف آدمی بتایا ہے۔ بمعنی بشر وہ یعنی خدا نہیں۔ بہر حال تمام متعارضات بدستور ہیں۔

گواہ مدعا علیہ نمبر ۴ کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب

(۱)

قرآن میں ملائکہ کی تعریف سے گواہ کی لاعلمی حالانکہ وہاں موجود ہے۔ اس کی تاویل یہی کہ اصل الفاظ گواہ کے اور ہیں اور ’اہل عباد مکرمون‘ پر طویل بحث کی۔ اب چونکہ قرآن وحدیث سے ملائکہ کی تعریف گزر چکی۔ عدالت خود یہ تعارض اسی روشنی میں ملاحظہ فرمائے۔ یہ کہنا کہ قرآن میں ان کے کام مذکور ہیں۔ نہ تعریف غلط ہے، بلکہ تعریف موجود ہے۔ جیسا کہ مفصل آیات اوپر پیش ہو چکیں۔

(۲)

گواہ اہل سنت والجماعت وہ ہے کہ جو اپنے کو اہل سنت کہے، یہ غلط ہے۔ غنیۃ الطالبین میں ہے۔ اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو سنت رسول اور طریقہ متفقہ صحابہ پر جو زمانہ خلفاء راشدین کا ہو اس پر قائم ہوں۔ تاویل یہ کہ گواہ سے سوال اہل سنت والجماعت کا تھا اور غنیۃ الطالبین میں صرف سنت وجماعت کی تعریف ہے، نہ اہل سنت والجماعت اس سے اور بھی علیت پر روشنی پڑ گئی۔ اسی پیش کردہ حوالے میں شروع ہی میں ہے۔

”علی المسلم الکیس ان یتبع باہل السنة والجماعة“ اور پھر انا لفظ تفسیر سے اہل سنت والجماعت کی تعریف علیحدہ علیحدہ دونوں لفظ کی شرح سے کی ہے۔ اس تاویل سے غنیۃ الطالبین سے لاعلمی اور اس میں خیانت ثابت ہوئی۔

(۳)

قول گواہ مدعا علیہ: ”جو بھی کسی حدیث کو واقعی طور پر قرآن کے موافق ہونا ثابت کرے۔ اس کا قول مسلم ہے۔“ مختار مدعیہ: ”اگر یہی اصول ہے تو دین تو باز بچہ اطفال ہو جائے گا۔ اس کی تاویل میں خلاف واقعہ تعلیم اور ہدیۃ الشیعہ کا



قرآن کے حدیث پر راجح ہونے کا ایک حوالہ پیش کیا۔  
مگر اعتراض یہ نہیں بلکہ اعتراض تو یہ ہے کہ اگر ہر کس و ناکس کی توفیق و تطبیق سے قرآن و حدیث معتبر ہو جائے تو دین ایک کھیل ہو جائے گا۔ وہ بدستور موجود ہے۔

(۴)

گواہ نے صحیح احادیث کو جو جی غیر متعلق ہیں۔ بتایا ہے کہ قرآن کے معارض ہو سکتی ہیں۔ مگر مرزا صاحب کی تمام وحیاں قرآن کے مطابق مانتا ہے اور اس کے مقابل حدیث رسول اللہ ﷺ کو ردی کی طرح پھینکتے ہیں۔  
اس کی تاویل میں وہی حدیث: ”فاعرضوا علی کتاب اللہ“ کی آڑ لی ہے جس کی پوری شرح آگے ان شاء اللہ آئے گی۔

(۵)

گواہ نے ”ان من امة الا خلافيها نذير“ کے عموم سے کرشن کو نبی مانا ہے۔ پس اس عمومی اصول سے قرآن کے مطابق ”ما اتاكم الرسول فخذوه“ کے لحاظ سے کوئی بھی حدیث قرآن کے معارض نہ ہوگی بلکہ اس آیت کے عموم کے تحت سراسر قرآن ہی کا حکم ہوگا۔  
اس کی تاویل میں نبوت کرشن کی غیر متعلق بحث شروع کر دی اور معیار صحت احادیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حالانکہ بات صاف ہے کہ محدثین کے معیار پر جو صحیح حدیث ہو، اسے ہم اپنی عقل ناقص سے قرآن کے خلاف نہیں بتا سکتے۔ نیز بظاہر خلاف معلوم ہو پھر بھی بعد تسلیم صحت اس آیت کی رو سے موافق ہو جائے گی۔

اس سلسلہ کے لاجواب امور جن کا کوئی تذکرہ نہ کیا

- ۱..... تمام جرح میں باوجود سوالات مختار مدعیہ اور سوال عدالت کے کفر و اسلام کے معنی بتانا سکے اور اصلاً حاصف نہ ہوئے۔
- ۲..... بخاری جیسی صحیح کتاب میں بھی قیود کا اضافہ (۲/مارچ) حالانکہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتب مسلم ہیں۔ (۱۱/مارچ ۱۹۳۳ء)
- ۳..... ابن عربی کی فتوحات و فصوص الحکم کے قول کی تطبیق۔

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ پر تبصرہ کا جواب

(۱)

گواہ نمبر ۲ ”جو قرآن پڑھتا ہے وہ قرآن حدیث میں تطابق کر سکتا ہے۔“

”اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔“

”میرے نزدیک مرزا صاحب اور ان کے دونوں خلفاء کی تحریرات ان کی اپنی کتابوں سے جنت ہیں کسی دوسرے کی نہیں..... الخ!“

(۲/مارچ ۱۹۳۳ء)

اس کی جوابی تاویل میں یہ کہا ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں اور بعض الفاظ محرف بتائے۔ مگر مختار مدعا علیہ کو غالباً غلط فہمی ہوگی۔  
اس پر تعارض کا اعتراض نہیں، بلکہ اعتراض یہ ہے کہ ان اقوال کا نتیجہ یہ نکلا کہ: ”سوائے مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے فیصلہ کے قرآن کے معنی اور حدیث و اقوال ائمہ اور تمام کتب اسلامیہ کچھ بھی جنت نہیں۔ یعنی گواہ صرف مرزا صاحب کا نمائندہ ہے۔ یہ اعتراض بحالہ قائم رہا نہ تعارض و تناقض کا اعتراض تھا اور نہ تطبیق کی توجیہ نافع ہو سکتی ہے۔“

## (۲)

گواہ نمبر ۲ مدعا علیہ نے اپنے اصل بیان میں عنوان نمبر ۳ کے ختم اور نمبر ۴ سے کچھ قبل جو ضروریات دین کی تعریف کی ہے۔ کیونکہ ضروریات دین..... تا یہ معنی ضروریات دین میں سے ہیں۔

اس پر اعتراض یہ تھا کہ یہ معنی علاوہ خود تراشیدہ ہونے کے اسلاف اور شریعت کی اصطلاح ”ضرورت دین“ سے گواہ کی ناواقفی کا تین ثبوت ہیں جس کے بعد وہ عالم دین کی حیثیت سے نکل جاتا ہے اور اس کی علمی و مذہبی شہادت بے وقعت ہو جاتی ہے۔

(ملاحظہ ہواصل بحث)

اس کا کوئی جواب نہ ہو سکا سوائے اس کے کہ جرح ۲۳/مارچ سے نقل کر دیا کہ اس نے ضروریات دین کی تعریف کی ہے۔

(۲۳/مارچ ۱۹۳۳ء)

ضروریات دین..... تا..... حاصل ہے۔

اور پھر یہ کہا کہ اگر یہ غلط تھی تو پہلے لازم تھا کہ غلط ثابت کرتے۔

ہمیں اس کے جواب کی بھی حاجت نہیں۔ بیانات گواہان مدعیہ خصوصاً گواہ مدعیہ نمبر ۳ میں ضروریات دین کی تعریف ائمہ دین کے حوالوں سے منقول ہے۔ عدالت اس تعریف سے خود مقابلہ فرمائے کہ تمام ائمہ کی تصریح کے خلاف اور علم سے کس قدر بعید یہ بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ کی تعریف ضروریات دین ہے اور اس روزمرہ کے مسئلہ سے جب ناواقف ہے تو اس کا ان پیش کردہ مسائل میں کیا حال ہوگا۔ غالباً اسی وجہ سے مختار مدعا علیہ نے اپنی بحث کو صرف گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے بیان پر مبنی کیا اور بیان گواہ نمبر ۲ کو تقریباً بالکل نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ اس میں بہت سی جدید اور عجیب و غریب اور گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ سے اکثر متعارض امور ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

## (۳)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲: نبوت کے لغوی معنی خبر دینا یعنی خدا کی طرف سے غیب کی اطلاع پا کر خبر دینا۔

(۲۱/مارچ ۱۹۳۳ء)

نیز اس کے ساتھ اس سے اگلا سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

اس پر اعتراض یہ تھا کہ نہ یہ تعریف لغوی ہے اور نہ یہ اصطلاحی۔ پس معلوم ہوا کہ گواہ نمبر ۲ لغوی اصطلاحی نبوت سے بھی ناواقف ہے۔ حالانکہ اکثر و بیشتر اس کی شہادت نبوت ہی کے متعلق ہے۔

اس کی تاویل میں منجھ سے یہ حوالہ نقل کر دیا کہ: ”النبوءة والانبوءة الاخبار عن الغیب او المستقبل بالهام من اللہ“

اللہ الاخبار عن اللہ وما يتعلق به تعالیٰ والنبی المنخب عن الغیب او المستقبل بالهام من اللہ“

حالانکہ یہ تاویل محض باطل ہے۔ اول یہ کتاب جیسا کہ جرح میں اقرار موجود ہے، عیسائیوں کی تالیف ہے اور انہوں نے دین عیسوی کے پروپیگنڈے کے واسطے اسلامی اصطلاحات میں بہت کچھ لغت کی آڑ لے کر تحریف کی ہے جس پر علمائے مصر نے ایک تبصرہ بھی شائع کیا ہے۔ لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ یہ علماء میں متعارف و مقبول ہے۔ مسلم کسی بھی لغت میں یہ نہیں اور نہ گواہ یا مختار مدعا علیہ پیش کر سکے۔ نیز اس غلط تعریف سے بھی گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ کے الفاظ کا اثبات نہ ہوا جسے عدالت خود ہی ملاحظہ فرما سکتی ہے۔ بہر حال اعتراض بدستور قائم رہا۔

## (۴)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ علاوہ کتب مذکورہ جن سے گواہ نمبر ۱ ناواقف تھا اور بھی متعدد کتب ضروریہ پیش کردہ مثلاً شرح شفاء بھی اس نے

نہیں پڑھی اور اکثر کے مصنفین کے نام و مسلک سے واقف نہیں۔ پھر ان کے کلام کا اس ناواقفی سے کوئی ٹکڑا کا ٹکڑا استدلال کرنا قابل التفات نہیں۔ اس کا کوئی جواب نہ ہو سکا۔ صرف پہلے جواب اور اسی بیکار تاویل پر حوالہ دے دیا۔

### (۵)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق ابتدائی تعارف میں تو بہت کچھ القاب و آداب پیش کئے۔ مگر بجواب جرح کہا مسلم نہیں۔ پھر سوالات مکرر میں بتایا کہ خواجہ صاحب احمدی ہونے کے بعد سلسلہ کے دوسرے احمدیوں کی طرح ہوں گے۔ اس میں علاوہ تعارض کے خواجہ صاحب کی نسبت بھی ان کے ابتدائی الفاظ کا خلاف واقع ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ قطب الوقت حضرت خواجہ غلام فرید صاحب دراصل ان کی نگاہ میں معمولی دوسرے احمدیوں کی طرح ہیں وہ بھی جب کہ احمدی ہو جائیں۔ ورنہ بقول مرزا محمود صاحب جب تک کوئی مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہو اور نبی اور رسول انہیں نہ ماننا ہو۔ خواہ عمر بھر مدح سرائی کرے گا فردا زہ اسلام سے خارج اور پکا کافر ہے۔

اور مرزا صاحب نے تو حضرت خواجہ کو اپنی کتاب (انجام آتھم ص ۳۸ جزائن ج ۱ ص ۳۲۲) میں اپنے مکفرین کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک خلاف واقعہ قول ہے۔ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے (خواجہ صاحب) مسلم بزرگ نہیں ہیں، ویسے مسلم بزرگ ہیں۔ جیسے سلسلہ احمدیہ کے اور سابقین احمدی حضرات میرے بزرگ ہیں۔“ باوجودیکہ اس میں بھی قطع و برید کی ہے۔ عدالت خود مسل سے ملاحظہ فرمائے۔ پھر بھی اعتراض تو وہی قائم رہا کہ واجب الاطاعت مسلم بزرگ نہیں۔ بلکہ دیگر احمدیوں کی طرح ہیں۔ بہر حال اعتراض رفع نہ ہوا۔

### (۶)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو بجواب جرح کہا کہ: ”احمدیت سے ارتداد ظاہر کرنے والا اسلام سے مرتد نہیں۔ سوالات مکرر کے جواب میں اس کے خلاف کہا کہ اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد بلحاظ ارتداد کے ایک ہی ہے، قطعاً کوئی فرق نہیں۔“ یہ کھلا ہوا تعارض ہے جس کے بعد اس کی شہادت کی وقعت نہیں رہتی۔ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں دیا کہ چونکہ اصل الفاظ جرح پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا اور کسی جواب کی ضرورت نہیں۔ محض مختار مدعیہ نے الفاظ کی تحریف سے مغالطہ دیا ہے۔ عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے کہ جہاں کہیں خلاصہ یا نتیجہ لیا گیا ہے، وہاں کوئی بھی اس کا اصل مفہوم نہیں بدلا اور اکثر تو بعینہ الفاظ ہی لئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں صرف طوالت سے بچنے کے واسطے زائد الفاظ حذف کر کے ضروری اور مخلص لئے گئے ہیں۔ بہر حال اس تعارض کا جواب نہیں ہو سکتا۔

### (۹)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء میں ہندوستان میں احمدی کا لفظ صرف مرزا صاحب کے متبعین کے واسطے مستعمل بتایا۔ پھر سوالات مکرر میں مولانا رشید احمد صاحب کا فرقہ بھی احمدی قرار دیا جو کھلا ہوا تعارض ہے۔

جواب میں اصل الفاظ نقل کئے اور دوسرا قول صرف فوائد فریدی کے متعلق قرار دیا، مگر جواب نہ ہو سکا۔ بہر حال ہندوستان میں دوسرا فرقہ بھی احمدی ثابت ہو گیا جو اول قول سے متعارض ہے۔ نیز خلاف واقع ہے جیسا کہ خواجہ صاحب کی شہادت کے سلسلہ میں القول صحیح کے حوالہ سے پیش کر چکا کہ مولانا رشید احمد صاحب کے مرید ہیں رشیدی کہلاتے ہیں، نہ احمدی۔ بہر حال اعتراض تعارض بحال ہے۔

(۱۰)

گواہ مدعا علیہ نمبر ۳ نے پھر ۲۳ مارچ ۱۹۳۳ء کو کہا کہ خواجہ صاحب کی وفات کے قبل تریاق القلوب اور بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور پھر کمر بیان میں اس کے خلاف کہا کہ تریاق القلوب حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ اصل الفاظ جواب کے واسطے نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ لوگوں کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ تریاق چھپ تو چکی تھی۔ مگر شائع نہیں ہوئی تھی۔ مگر عدالت خود الفاظ جواب جرح کے ملاحظہ فرمائے تعارض واضح ہے اور یہ تاویل بعد کی تصنیف ہے۔ ورنہ وہاں اس سے کوئی تعلق نہیں۔

### مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانیوں

اس سلسلہ میں تقریباً (۱۰) نمبر قطع و برید کر کے پیش کئے ہیں۔ اذلا یہاں اس سے کوئی زائد تعلق نہیں۔ کیونکہ مختار مقدمہ پر تنقید کا اثر اصل کیس پر نہیں پڑتا۔ البتہ گواہان مقدمہ پر تنقید ضرور قابل لحاظ ہوتی ہے۔ تاہم میں مختصراً اس کی حقیقت قریب پیش کرتا ہوں۔

### خلاصہ اعتراضات

- ۱..... جرائد اہل حق کے اصول تکفیر نہ معلوم ہونے کا غلط الزام۔
- ۲..... چندہ نہ دینے والے کے بیعت سے خارج ہونے اور احمدی ہونے کا تعارض۔
- ۳..... لو کے متعلق گواہ نمبر ۱ پر الزام کہ لوجس جگہ داخل ہوتا ہے وقوع نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس کی عبارت میں لفظ اکثر کا ہے۔
- ۴..... مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں درج ہیں وہ تردید کے لئے ہیں، نہ تائید کے۔ یہ غلط ہے۔ جیسا کہ تفاسیر کے عنوان کے تحت آگے بیان کیا جائے گا۔
- ۵..... ۱۰ اکتوبر میں گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے متعلق کہا کہ اس نے ۹ مارچ کو تسلیم کیا کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ محدثین کا ذکر آیا یہ غلط ہے۔ گواہ کے یہ الفاظ ہیں، حضرت مرزا صاحب..... الخ!
- ۶..... یہ بھی مختار مدعیہ نے غلط بیانی کی کہ مرزا صاحب مسلیمہ کذاب سے بڑھ کر ہیں، کیونکہ اس کا کوئی کلمہ نہ تھا اور مرزا صاحب کا ”لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ کلمہ ہے۔“

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ مرزا صاحب کا کوئی نیا کلمہ نہ تھا۔ پھر از الہ اوہام اور انوار اسلام و چشمہ معرفت کے حوالے پیش کئے ہیں۔ ۱۰ اکتوبر میں مختار مدعیہ نے یہ غلط بیانی کی کہ گواہان مدعا علیہ نے عقائد کے متعلق جو حوالے دیئے ہیں وہ ۱۹۰۱ء کے قبل کے ہیں۔ حالانکہ مواہب الرحمن ۱۹۰۳ء اور کشتی نوح ۱۹۰۲ء کی ہے۔

۸..... مختار مدعیہ نے ائمہ و اکابر پر تکفیر کے فتاویٰ کا ذکر کر کے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ نے ۷ مارچ کو تسلیم کیا کہ جس وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی وہ ان وجوہات سے برأت کا اظہار کرتے رہے۔ حالانکہ اصل الفاظ یہ ہیں کہ: ”باوجودیکہ..... الخ!“ جن کا مطلب یہ ہے کہ بعض سے برأت ظاہر کی اور کوئی صحیح تسلیم کرتے رہے..... الخ!

یہ اس نے غلط بیانی کی۔

۹..... مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ غلط بیانی کی کہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے نزدیک مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں۔ اصل الفاظ گواہ کے یہ ہیں کہ ہر مرید کا بیان معتبر نہیں، بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا۔

۱۰..... ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ غلط بیانی کی کہ گواہ نے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ گواہ مدعیہ نمبر ۳ کی جرح اور (منہاج السنہ ص ۶۱، ۶۲) اور بہ تسلیم حوالہ گواہ مدعیہ نمبر ۳ کے خلاف ہے اور پھر بجز الرائق کا حوالہ بھی اسی سلسلہ میں نقل کیا۔

۱۱..... مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کو یہ غلط کہا کہ: ”اولیاء اللہ نے یہ کہیں نہیں کہا یا لکھا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف علم الکتاب کا حوالہ پیش کیا تھا..... الخ! حالانکہ گواہ مدعا علیہ نے اثبات الہام والبیحہ اور فتوح الغیب اور مقامات امام ربانی کے بھی حوالے پیش کئے تھے، یہ صریح غلط بیانی ہوئی۔

**الجواب:** اولاً یہ تمام مباحث اوپر جواب الجواب میں گزر چکے جن کے بعد یہ شبہات ہی نہیں پیدا ہوتے۔ پھر بھی مغالطہ دفع کرنے کے واسطے نہایت مختصر جواب عرض ہے۔

۱..... اس کا جواب اس سے قبل کے ہیڈنگ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ پر تنقید کے جواب ”کے تحت میں مفصل گزر چکا۔ اب کسی جواب کی حاجت نہیں اور جو مغالطہ مختار مدعا علیہ یہاں دینا چاہتا ہے۔ وہی وہاں بھی دیا ہے۔ بس وہی جواب کافی ہے۔“

۲..... اس کا بھی تعارض اس سے قبل کے ہیڈنگ میں ثابت کر چکا۔ لہذا غلط بیانی نہیں۔ بلکہ مختار مدعا علیہ کا صرف مغالطہ ہے۔

۳..... لفظ لو کے معنی گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ سے نقل کئے گئے تھے اور نمبر ۱ کے اکثری نقل ہوئے تھے۔ غلط فہمی سے اسے غلط بیانی سمجھ لیا۔ عدالت اصل بحث سے ملاحظہ فرمائے۔

۴..... یہ غلط بیانی نہیں بلکہ اس کا ثبوت (تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۲۵) ہی سے پیش کیا تھا اور اسی عبارت کے متعلق جسے اس نے بیان مطبوعہ میں دی تھی۔ البتہ مختار مدعا علیہ کی یہ صریح غلط بیانی ہے کہ یہ آگے تفسیر کے عنوان کے بحث میں آئے گا۔ یہ اصل شہادت میں بھی مسل پر نہیں بلکہ مطبوعہ کا پی پر یہ مثالیں ہیں۔

۵..... یہ مختار مدعا علیہ کی غلط بیانی ہے۔ عدالت خود اصلی مسل سے الفاظ جرح ملاحظہ فرمائے، وہاں یہ شعر بھی درج ہے جو خواجہ صاحب کو مرزا صاحب نے ایک قصیدہ میں لکھا تھا:

ہر نبوت را بر و شد اختتام

نیز جب کہ ۱۹۰۱ء میں یہ پردہ نبوت سے اٹھا اور حضرت خواجہ صاحب کی وفات ۱۹۰۱ء سے قبل ہوئی۔ ملاحظہ ہو جرح گ ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ اور دراصل تو نبوت کا دعویٰ صراحتاً نہیں پہنچ ہی کب سکتا ہے۔

۶..... عدالت خود اصل بحث سے ملاحظہ فرمائے۔ ظہیر الدین اروپی سے یہ نقل پیش کی ہے کہ وہ مرزا صاحب کا نیا کلمہ لا الہ الا اللہ احمدی جری اللہ پڑھتے اور قادیان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور اسے مرزا صاحب کی صریح عبارات اور الہامات سے اپنے رسائل میں ثابت کیا ہے۔ اصل رسائل جرح میں پیش ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک مستقل پارٹی ہے۔ پس یہ اصل مختار مدعا علیہ کی غلط بیانی اور مغالطہ ہے۔ نیز ازلہ اوہام اور انوار اسلام سے اس کے خلاف پیش کرنا خلاف ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کا کلام متعارضات سے پر ہے۔

۷..... یہ صریح مختار مدعا علیہ کی غلط بیانی ہے۔ میری بحث کے یہ الفاظ ہیں۔

یہ تمام بڑھ چڑھ کے اذعاء اسلام اس وقت تک تھا جب اذعاء نبوت کھل کے نہ تھا اور نبوت کے متعلق یہ خیال تھا کہ جو (ایام الصلح ص ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸ اور (آسمانی فیصلہ ص ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰) وغیرہ وغیرہ میں موجود ہے۔ صرف دو کتابیں کشتی نوح و مواہب الرحمن دعویٰ کی وضاحت کے بعد کی ہیں۔ پھر ہر دو کا یہ جواب دیا ہے کہ:

- .....۱ یہ صرف الفاظ ہیں معانی متعارف مراد نہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔
- .....۲ نیز یہ خود بھی ان کا کفر ثابت کرتی ہیں۔
- .....۳ اس کے بعد انتقال سے قبل بھی کفر یہ دعویٰ موجود ہے۔ (البدرد ۵/مارچ ۱۹۰۸ء نیز حقیقت الوحی ۱۹۰۸ء، لیکچر سیا لکوت ۱۹۰۴ء، براہین بنیم ۱۹۰۵ء) میں کافی کفر یہ عقائد موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو بحث ابتدائی کا شروع حصہ۔ بس جب کہ میں نے خود ہی یہ کتب مستحقا کر دیں تو یہ مختار مدعا علیہ کی صرف غلط بیانی ہوئی جس کا مختار مدعیہ کسی طرح ذمہ دار نہیں۔
- .....۸ مطلب کی تاویل سے جواب نہیں ہو سکتا، عدالت خود مسل سے اصل عبارات ملاحظہ فرمائے تاکہ مختار مدعا علیہ کا مغالطہ واضح ہو جائے۔
- .....۹ مختار مدعیہ نے خلاصہ پیش کیا تھا۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ وہ اصل الفاظ کے مفہوم کے سرمخلاف نہیں۔ یہ بھی مختار مدعا علیہ کا مغالطہ ہے۔
- .....۱۰ اس کا مفصل جواب جس سے یہ شہادت خود زائد ہو جاتے ہیں۔
- ”کیا ضرورت دین کا منکر کا فر ہے“ کے تحت میں گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔
- .....۱۱ اس کا بھی جواب گزر چکا اثبات والبیحہ اور مقامات امام ربانی غیر مسلم ہیں۔ نیز ہمارے مخالف نہیں۔ فتوح الغیب میں یہ کہیں نہیں، صرف حضرت شیخ برہتان ہے۔ صرف علم الکتاب سے مغالطہ دیا تھا۔ اس کا مکمل جواب دیا جا چکا اصل بحث میں بھی اور جواب الجواب میں بھی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ وحی کے ہیڈنگ کے تحت عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ اس کے بعد مختار مدعیہ کا قول بالکل صحیح ہے، کوئی بھی غلط بیان نہیں صرف مختار مدعا علیہ کا مغالطہ ہے۔ یا غلط نہیں ہے۔

## الزام خیانت کا رد

خیانت ثابت کرنے کے واسطے مختار مدعیہ نے صرف تین حوالے تحذیر الناس، حج الکرامہ اور بحر الرائق پیش کئے ہیں۔

**الجواب:** یہ محض مختار مدعا علیہ کی غلط بیانی ہے۔ علاوہ خیانات کی اس مفصل یادداشت کے جو مختار مدعیہ نمبر ۲ نے پیش کیں۔ مختار مدعیہ نمبر ۱ نے تفسیر اتقان سے لفظ قال و کے ابتداء سے اور۔ ”وفیہ نظر“ انتہاء سے قطع کر کے اور ابن خلدون کی طرف سے غلط طور پر تفسیر المتقد میں مملوۃ بالفتی والسمین“ کی نسبت غلط بیان کر کے جو وہاں نہیں۔ نیز فوائد کے مجموعہ حوالہ کی شرمناک خیانت پیش کی تھی جس کے جواب کا میں نے یہاں کوئی تذکرہ تک نہیں کیا۔

نیز شاید ہی کوئی حوالہ ہو جس کا ماقبل و ما بعد باوجود ربط شدید کے نہ کاٹا ہو۔

## تحذیر الناس کا حوالہ

اس حوالہ میں خیانت کی بحث مفصل اس سے قبل بھی آچکی اوّل (ص ۳) کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ پھر (ص ۱۰) کی تشریح جس میں صاف اپنے مسلک اور ختم نبوت زامانی کا مدلل اقرار اور منکر کو کافر بتایا چھوڑ کے (ص ۲۸) کا درمیان سے ناتمام فقرہ جو لفظ بلکہ اگر یا سے شروع ہوتا ہے لیا۔ یہ خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ کہنا کہ (ص ۱۰) کی عبارت (ص ۲۸) کی تشریح کیسے ہو سکتی ہے، محض لغو ہے۔ کیونکہ جب خود مصنف نے (ص ۱۰) پر اپنا صحیح مسلک بیان کر دیا تو (ص ۲۸) کی فرضی مثال سے اس کے مسلک اصلی اور صحیح کے خلاف استنباط کیونکر درست ہوگا۔ پھر یہ شرمناک خیانت نہیں تو اور

کیا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں اس کی شرح جو خود مصنف نے کی ہے۔ مناظرہ عجیبہ اس کا بھی حوالہ پیش ہو چکا۔

## تصحیح الکرامہ کا حوالہ

۱..... (تصحیح الکرامہ ص ۲۳۲) سے گواہ مدعا علیہ نے یہ نکل لیا ہے کہ: ”در حدیث ابن عمر سی است کذاب۔“

اور اسی کے ساتھ جو اصل مدعا علیہ سے متعلق ”یازیدہ“ کا لفظ تھا خیانتاً کاٹ دیا اس کا جواب یہ دیا کہ وہاں لفظ ڈال دیا ہے۔ گزارش یہ ہے کہ صرف ایک لفظ کے واسطے لفظ ڈالنا اور مقصود بالذات لفظ جو صرف ”یازیدہ“ ہے۔ نہ ذکر کرنا خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر جو اس جگہ پھر مگر بحث دجال اور اسی کی سند کے متعلق شروع کر دیا ہے وہ غیر متعلق اور ماقبل گزر چکی ہے۔ لہذا اس کا ذکر ہی فضول ہے۔

۲..... بالمقابل کا لفظ تصحیح الکرامہ کی عبارت میں اضافہ کر کے بلا کسی ایجازی نشان کے مختار مدعا علیہ نے مغالطہ دیا۔

جواب یہ دیا کہ یہ ترجمہ بطور خلاصہ کے دیا تھا۔ حالانکہ عدالت خود ملاحظہ فرمائے وہاں شخص وغیرہ کا کوئی لفظ نہیں نہ کوئی خلاصہ ترجمہ ہونے کا قرینہ ہے۔ یہ محض بعد کی تاویل ہے جو قابل قبول نہیں۔ بہر حال گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ کا اس خیانت کا تو جواب نہیں بن سکتا اور اصل مسئلہ اپنی جگہ پر گزر چکا ہے۔

## بحر الرائق کا حوالہ

گواہ مدعا علیہ نے (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۳۰ اور ص ۱۱۳۶) سے تو عبارتیں تکفیر کے سلسلہ کی نقل کیں۔ مگر درمیان میں جہاں اس کا اصول تھا اور حقیقت امر جس سے منکشف ہوتا تھا۔ (ص ۱۱۳۲) حذف کر دیا۔ اس شرمناک خیانت کا جواب باوجود طول طویل تاویلات کے نہ ہو سکا اور جواب جو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کی بناء پر اس کا تکفیر علماء کے سلسلہ میں بیان کرنا درست نہیں۔ زیادہ تفصیل تو اصل بحث میں گزر چکی ہے اور گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ نے بھی جرح میں صاف کر دیا تھا۔ کسی کلمہ کا کفر یہ ہونا اور بات ہے اور اس پر حکم کفر کا لگانا اور امر ہے۔ غرض کہ یہ خیانت بھی اصل مسلک مصنف کا پوشیدہ رکھنے کے واسطے کی گئی جو کسی طرح روانہ تھی اور اس کے بعد شاہد، شاہد عادل نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلہ میں مختار مدعیہ پر جس ناراضگی و خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے۔

(۱۳)

## تفسیروں کے متعلق

اس سلسلہ میں گواہان مدعا علیہ کی مندرجہ ذیل خیانتیں پیش کی گئی تھیں۔

۱..... علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں علم تفسیر کے عنوان کے ماتحت نہایت عمدہ رباعی لکھی ہے۔ پھر کوٹیشن باقاعدہ دے کر لکھا کہ: ”تفسیر المتقدمین مملوءة بالغث والسمین“ آگے تھا ”وهذا في الحکایات“ اسے بھی کاٹ دیا۔ حالانکہ یہ پیش کردہ الفاظ بلکہ یہ مفہوم کسی نسخہ میں نہیں۔ بحث پر متعدد نسخہ پیش کئے ہیں۔

۲..... اتقان کا حوالہ دوسرے کا قول روایت تردید کے لئے نقل کر کے تردید پیش کی ہے اور گواہ مدعا علیہ نے اوّل سے لفظ ”قال اور آخر سے فی نظر“ حذف کر کے شرمناک خیانت کی ہے۔ پہلے کا یہ جواب دیا۔ گواہ نمبر ۱ نے صرف مفہوم نقل کیا تھا نہ کہ الفاظ پھر رشیدیہ سے یہ نقل کی تعریف پیش کی ہے۔ مگر یہ سب بیکار ہیں۔ تاویلات میں باقاعدہ علامت اصل قول کے نقل کی دے کر مفہوم نقل نہیں کیا کرتے۔ نیز یہ مفہوم بھی غلط ہے، کیونکہ اس میں تو ہے کہ رطب ویابس سے پر ہیں اور وہاں ہے کہ ان پر مشتمل ہیں اور وہ بھی قصص ہیں، نہ احکام وغیرہ میں جسے قطع

و برید کیا ہے۔ بہر حال اس جواب سے خیانت کا جواب کیا ہوا۔ بلکہ پہلے اگر لفظی صرف خیانت تھی تو اب لفظی و معنوی دونوں خیانتیں ہیں۔ جس کے بعد کسی طرح گواہ قابل شہادت نہیں کیونکہ عدالت کے روبرو غلط بیانی ثابت ہونے سے اس کی تمام شہادت ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ گواہ نمبر ۲ پر یہ اعتراض نہیں، بلکہ اس پر دوسرا ہے جو اپنی جگہ پر ضمناً گزر چکا۔ یہ کہنا کہ تفاسیر میں خلاف عصمت انبیاء بہت سی باتیں گواہ مدعا علیہ نے پیش کی تھیں اور مختار مدعیہ نے صرف ایک مثال اس میں لے کر سب پر ایک حکم لگایا۔ صریح غلط بیانی ہے۔ مسل سے عدالت ملاحظہ فرمائے۔ ایک بھی مثال نہیں سب کٹ چکی ہیں۔ ہاں! مطبوعہ کا پی پر ضرور ہیں اور سب میں ہیں، خیانت کی ہے۔ مگر وہ زیر بحث نہیں۔ عدالت جب بھی حکم فرمائے ان امثلہ کی خیانتیں تمام پیش کی جاسکتی ہیں۔ سب نے تردید اودہ احوال نقل کر کے روایتاً و درایتاً باطل کیا ہے۔ ابن جریر میں بھی اس کی تردید موجود ہے۔ چونکہ عدالت نے اپنے نوٹ سے اصل بیان میں اس سوال کو روک دیا ہے۔ اس لئے نہیں پیش کرتا۔

یہ کہنا کہ ”وفیہ نظر“ اس کے بعد والے قول ابن جریر سے متعلق ہیں۔ محض غلط ہے۔ عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔ نیز ابتدا سے قال و کما قطع کرنا تسلیم کر لیا جو شرمناک خیانت ہے جس کے بعد شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد فوائد مجموعہ کا حوالہ تو نقل کیا۔ مگر مختار مدعیہ کی پیش کردہ اس خیانت کا کوئی جواب نہ دیا کہ اس کے آگے یہ عبارت ہے۔

”قال الخطابی وهذا محمول علی کتب مخصوصة..... الخ!“ سے کاٹا گیا ہے۔ گویا یہ خیانت بھی مسلم ہے۔ بہر حال شہادت ناقابل قبول ہی رہی۔

### آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام

..... گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ نے آیت: ”فلما جاء تهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم و حاق بهم ما كانوا به يستهزءون (المؤمن: ۸۳)“ کا ترجمہ یہ کیا۔ ”اور جب ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل لے کر آئے تو یہ لوگ اپنی لیاقت علمی پر نازاں ہوئے اور جس بات کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔ وہ ان پر الٹ پڑے۔“ اور ترجمہ میں باوجود معمولی ترمیم کے بہر حال گزشتہ کا ایک واقعہ ام سابقہ کا مانا ہے۔ پھر اس سے نتیجہ ایک ضابطہ بنا کر موجودہ علماء پر منطبق کرنے کے واسطے مفہوم میں یہ تحریف کی۔

”پس ظاہر ہے کہ علماء ہمیشہ خدا کے فرستادوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے رہے اور ان کا علم ان کے لئے حجاب اکبر بن گیا۔ اس کے بعد جو بھی منہ میں آیا علماء کو کہا اور تفصیلی امثلہ تکفیر پیش کیں۔ وغیرہ وغیرہ!“

پس اس آیت کے مطلب میں خیانت کی اور تکفیر علماء کی وجہ سے مرزا صاحب کو خدا کا فرستادہ اور ان علماء کو جنہوں نے ان کے کفر وارداد پر بندگان خدا کو مطلع کیا تھا۔ انہیں اس آیت کا مصداق بنایا۔ حالانکہ یہ آیت ام سابقہ مثل یہود و نصاریٰ کے حق میں ہے۔ اس کا جواب صرف یہ دیا کہ علماء پر کچھ اور فقرے کس دیئے اور یہود و نصاریٰ کے متعلق ہونے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ آیت کا سیاق و سباق اور صیغہ ماضی بتاتا ہے کہ یہ ام سابقہ کے متعلق ہے۔ پھر بھی اسے اپنی رائے سے غلط معنی پہنانے تحریف معنوی ہے جو جائز نہیں۔ اور ”بذات فرقہ مولویان“ کے تحت جس قسم کی موجودہ زمانہ کے علماء و صلحاء کے واسطے فقرات اور سخت کلامی و دشنام طرازی اختیار کی تھی۔ یہاں اس سے زائد کی ہے۔ ہمارا اصولی جواب نہایت نرم لہجہ میں پیش ہو چکا عدالت اسے خود ہی ملاحظہ فرمائے۔ ہم مکرر نقل بھی نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں آیت: ”صراط الذین انعمت علیہم“ کا بھی ترجمہ تھا کہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تو نے انعام کیا۔ یعنی نبی بنانے کی دعا کرنے کا حکم ہے۔ یہ سب تحریف کلام الہی ہے اس کا جوابی بحث میں کوئی تذکرہ تک نہیں کیا۔ یوں ہی اکثر آیات و احادیث و اقوال سلف میں خود تراشیدہ ترجموں سے مغالطے دیئے ہیں۔



(۱۴)

## مندرجہ ذیل کتب فریقین کو غیر مسلم ہیں

.....۱	حج الکرامہ۔	.....۲	اقتراب الساعۃ۔	.....۳	فتح البیان۔
.....۴	جامع الشواہد۔	.....۵	بھونچال بر لشکر دجال۔	.....۶	انوار احمدیہ۔
.....۷	حیات جاوید۔	.....۸	ہدیہ مجددیہ۔	.....۹	تفسیر صافی۔
.....۱۰	ابلیس۔				

اس کے علاوہ اور بھی اس قسم کی ہیں۔ کیونکہ مقدمہ مرزا صاحب کے تبعین اور اہل سنت احناف میں ہے اور یہ کتب غیر مقلدین، نیچری یا رافضیوں کی ہیں۔ پس نہ خنیوں کی مسلم ہوئیں، نہ مرزا صاحب کے تبعین پر، بلا وجہ ان کے حوالے دیئے۔ نیز مرزا صاحب کے تبعین تو ظاہری اذعاء کے مطابق قرآن کے اور جو حدیث ان کے زعم میں ان کے اور مرزا صاحب کی وحی کے مطابق ہوں۔ نیز مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتب کے سوا کچھ نہیں مانتے۔ جیسا کہ جرح میں بار بار آچکا ہے۔ پس یہ کتابیں صرف اس لئے کارآمد ہو سکتی تھیں کہ وہ فریق مدعیہ پر حجت ہوتیں اور اسے مسلم نہیں، نہ اس کے فرقہ کی ہیں۔ پس فریقین کو غیر مسلم ہیں۔

اس پر بلا وجہ غلط بیانی کا الزام دے کر مختار مدعا علیہ نے بیکار تاویلیں کیں جو قابل التفات بھی نہیں۔ نیز یہ کہا کہ شہاب و روح المعانی کے متعلق بھی یہی کہا۔ حالانکہ یہ مختار مدعا علیہ کی صریح غلط بیانی ہے۔ بلکہ شہاب کے متعلق یہ کہا ہے: ”ہمارے نزدیک وہ حاشیہ معتبر نہیں۔“ نیز ایک مفسر کی رائے علم حدیث میں ماہرین فن کے مقابلہ پر بالاتفاق معتبر نہ ہوگی۔

روح المعانی کے متعلق ہرگز غیر مسلم یا غیر مسلمہ فریقین کا لفظ نہیں کہا گیا۔ ہاں فتح البیان کے متعلق کہا گیا۔ شاید مختار مدعا علیہ کو

مغالطہ ہوا ہو۔

گواہ مدعیہ نے شہاب کے اس بیضاوی پر کے حاشیہ کا حوالہ نہیں دیا جو حاشیہ غیر معتبر ہے۔ بلکہ ان کی کتاب نسیم الریاض کا حوالہ دیا ہے۔ اسے غیر معتبر نہیں کہا گیا۔ ایک مصنف کی تمام تصانیف ایک جیسی معتبر ہونا ضروری نہیں، امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری جس پایہ کی ہے، اس طرح ان کی دوسری تصانیف تاریخ بخاری، ادب المفرد جز و قرأت خلف الامام وغیرہ نہیں۔ بلکہ اکثر حجت ہی نہیں۔ مختار مدعیہ نے حج الکرامہ و اقتراب الساعۃ و فتح البیان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ یہ پیش کی تھی کہ ان کا مصنف غیر مقلد ہے جن سے کافی اختلاف مسئلہ تقلید وغیرہ میں یہاں تک کہ تقلید کو شرک تک کہتے ہیں۔ لہذا مدعیہ اور اس کے فریق مقلد پر مخالف کی کتب کیونکر حجت ہوں گے۔ مختار مدعا علیہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب وہ اس فریق کو شرک کہتے ہیں تو پھر فریق مدعیہ کو انہیں کا فر بتانا چاہئے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ نمبر انے انہیں مسلمان مانا ہے اور حج الکرامۃ کی بعض عبارات کی تصدیق کی ہے کہ اس میں ہیں۔

نیز یہی حوالہ اقتراب الساعۃ میں بھی ہے اور ملا علی قاری کا بھی نیز مولانا گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں ان کے حوالے دیئے ہیں۔ پھر مختار مدعیہ کو کیا حجت ہے کہ انہیں تعصب اور غیر مقلدیت کی وجہ سے غیر مسلم بتائے۔

الجواب: باوجودیکہ یہ بات بار بار صاف ہو چکی مگر مکرر لارہے ہیں۔ یقیناً ہمارا فریق سوائے مرزا صاحب اور ان کی امت کو جو قطعاً کافر ہیں کسی اور کو کافر نہیں کہتا بلکہ ان کے فتاویٰ غلط فہمی پڑتی بتاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا اور یہی گواہ نمبر انے جرح میں بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ نمبر ۱۔

مسلمان اس قدر تکلیف کے دلدادہ نہیں کہ صرف ایک شخص کی بیعت میں تامل کی وجہ سے تمام چالیس کروڑ مسلمانوں کو بلا استثناء ایک قلم دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر بنا دیں۔ جیسے کہ مرزا محمود صاحب خلیفہ قادیان نے کیا۔ (آئینہ صداقت ص ۳۵ و ۵۶، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۱۰، ۱۱۲) باقی کسی کتاب کے متعلق یہ کہنا کہ اس میں فلاں چیز ہے، اس سے اس کا مسلم ہونا تو لازم نہ آیا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ جرح میں جو کتب گواہان مدعا علیہ کے سامنے پیش ہوئیں اور ان میں عبارت مسؤلہ بتائی وہ سب ان کی مسلم ہو گئیں۔

نیز الساعۃ کب مسلم ہے اور ملا علی قاری کا قول تو اسی حج الکرامۃ سے نقل ہے جس کا وثوق کے ساتھ اعتماد نہیں۔ نواب صاحب بھی نقل حوالوں میں پختہ کار نہ تھے۔ ملاحظہ ہو

فتاویٰ رشید یہ میں حوالے ان غیر مقلدین پر حجت قائم کرنے کو نقل کئے گئے ہیں جو انہیں مانتے ہیں یہ کہیں نہیں کہ یہ ہمیں مسلم ہیں مفصل اپنی جگہ پر گزر چکا۔ بہر حال یہ کتب ہمیں تو مسلم نہیں اور نہ فریق ثانی تسلیم کر رہا ہے۔ بس فریقین کے غیر مسلم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ جامع الشواہد، بھونچال بر لشکر دجال، حیات جاوید، وغیرہ کے مسلم وغیر مسلم ہونے کا سوال بھی نہیں، اس سے تو اسی کی تکلیف دکھانا ہے۔ مگر جب تک متعدد مسلم کتب سے نہ دکھائیں۔ ان غیر ذمہ دار غیر مسلم رسائل کا اعتبار کیا۔ بہر حال جب کہ یہ ہمیں اور انہیں دونوں کو مسلم نہیں تو ان کا لانا ہی بے جا طوالت کے سواء کوئی سود مند نہیں۔

ہدیہ مجددیہ و انوار احمدیہ جن کے مصنف کا نام جرح میں نہ بتا سکے نہ اصل کتاب پیش کر سکے۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کے غیر مسلم ہونے کی کوئی وجہ نہیں بیان کی۔ اس سے زائد کیا وجہ ہوگی کہ مدعیہ یا اس کے فریق کے کسی مسلم بزرگ کی نہیں، ایک غیر معروف شخص حکیم وکیل احمد سکندر پوری کی ہے جن کے حالات کا بھی پتہ نہیں۔ ہر کس و ناکس کے رسائل تالیفات حجت و مسلم نہیں ہو سکتیں۔

## مسلم اور مسلمان کا فرق

مختار مدعیہ نے پیش کیا تھا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب وغیرہ کے مسلمان ماننے سے ان کا مسلم ہونا کیسے تسلیم ہو گیا۔ مسلمان اور مسلم ہونے میں فرق ہے۔ کتنے مسلمان ہیں مگر مسلم نہیں۔ ملاحظہ ہو محمد علی صاحب ایم۔ اے، خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کی جماعت مدعا علیہ اور اس کے فریق کے نزدیک مسلمان تو ہیں۔ مگر مسلم نہیں۔ یوں ہی حنفیہ کے نزدیک غیر مقلدین و علماء بریلوی وغیرہ مسلمان تو ہیں مگر مسلم نہیں۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ بحث صرف اسلام و کفر کی تھی۔ اس لئے مسلمان ہونے کا سوال کیا گیا۔ ورنہ جن کے متعلق دریافت کیا گیا وہ مسلم امام ہیں، محض غلط اور سراسر مغالطہ ہے۔ کبھی بھی نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد یا دوسرے ان جیسے مدعیہ یا اس کے فریق کے امام نہیں ہو سکتے۔ ورنہ مختار مدعا علیہ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ محمد علی صاحب ایم۔ اے اور ظہیر الدین اردوپی اس کے مسلم امام ہیں۔ یہ نظر یہ اتنا واضح تھا کہ کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلا وجہ تاویلات دیں، عدالت اصل بحث سے ملاحظہ فرمائے۔ ان تاویلات کے بعد بھی تقریباً اس سلسلہ کے آٹھ دس نمبر لا جواب رہے۔

## گواہ مدعا علیہ کی شہادت ہرگز قابل قبول نہیں

ہر دو گواہ مدعا علیہ مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کی صفائی پیش کرنے کے واسطے پیش ہوئے ہیں۔ حالانکہ دونوں اس کے متخوہ دار ملازم اور ایسی صفائی پیش کرنے اور ملک میں اسی پر وپیگنڈہ کرنے کے نوکر ہیں۔ پس ایک شہادت کے بموجب نوکر کی شہادت آقا کے حق میں مؤثر و قابل التفات نہیں۔ (ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء) یہ تقید لا جواب اور بالکل ضابطہ کے مطابق۔ لہذا ان کی شہادت معتبر نہ ہونی چاہئے۔

نیز ہمارے بعض گواہوں کو دیوبندی خیال کے بتا کر فریاد اور علماء اسلام جن کی شہادت کا حکم تھا۔ اس کے زمرہ سے خارج کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں کسی ایک کو بھی دیوبندی خیال کا ثابت نہ کر سکا۔

نیز گواہ مدعیہ نمبر الف، ۲۰ء کا تو دیوبندیوں کے علماء سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور اول الذکر دو شہادتیں جرح سے بھی صاف ہیں۔ لہذا یقیناً قابل لحاظ و قابل قبول ہیں۔

اور ادھر گزر چکا اپنی جگہ پر آئے گا کہ بعض علماء دیوبند کے متعلق غلط فہمی سے بعض اشخاص نے انفرادی فتوے دیئے اور اکثر نے بعد اطلاع حقیقت حال واپس لے لئے۔ جیسا کہ غایۃ المامول وغیرہ سے پیش کر چکا ہوں۔

اور تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کسی کا ان پر فتویٰ کفر ہے۔ لہذا وہ علماء اسلام نہ رہے۔ پس جب کہ کسی ایک دو کے انفرادی فتویٰ سے بھی علماء اسلام سے نکل سکتا ہے تو گواہان مدعا علیہ تمام دنیا کے اسلامی فرقوں شیعہ، مقلد، غیر مقلد، حنفی شافعی، مالکی، حنبلی، عرب و عجم کے متفقہ کفر کے فتویٰ کے بعد علماء اسلام کیونکر رہ سکتے ہیں۔

مختار مدعا علیہ اور گواہان نے یہ بحث بے جا یہاں شروع کی۔

گواہان مدعیہ کی حیثیت کسی طرح مجروح نہیں۔ مگر گواہان مدعا علیہ اور خصوصاً گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ کی شہادت تو اس قدر مجروح ہے کہ مختار مدعا علیہ نے بھی اسے محسوس کیا اور اپنی بحث میں اکثر گواہ نمبر الف کے حوالہ پر اکتفاء کی۔ نیز اس پر جرح کے ایک دو جواب غیر متعلق دے کر باقی تنقید کو گویا کہ لا جواب مان لیا۔ بس مدعا علیہ کی طرف اصولاً صرف ایک ہی گواہ رہ گیا۔ اس کا بیان بھی سخت متعارض حوالے غلط، قطع و برید، ترجموں میں شرمناک خیانتیں جس کے بعد شہادت کی کوئی بھی وقعت نہیں رہتی۔ عدالت خود مسل اور اصل بحث مختار مدعیہ سے ملاحظہ فرمائے۔

## (۵)

### بشارت احمد

مختار مدعیہ نے احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مصداق متعین کرنے کو غایۃ غلطی ہونے تک تسلیم کیا ہے اور اس مصداق کے تعین کو انکار آیت کے التزام کا مضحکہ اڑایا ہے۔ حالانکہ مختار مدعیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ احمد سے مراد سید الاولین والاخرین سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود قرآن کا مدلول ہے۔ چونکہ قرآن کو بیان فرمایا گیا ہے وہ خود اپنی تفسیر ہے اور اس لئے اس کو تفصیلاً ”کحل شی“ بھی کہا گیا ہے۔ قرآن شریف میں سورہ اعراف میں فرمایا ہے: ”الذین یتبعون الرسول النبوی الامی“ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نبی کی پیش گوئی انجیل میں کی گئی ہے وہ امی ہے۔ اب اس صورت میں وہ ذات البرکات والحنات سید اکانات علیہم افضل الصلوٰۃ واکمل التیات ہی اس کا مصداق بن سکتی ہیں۔ کیونکہ وہی ایک شے ہے جو باوجود امی ہونے کے ایک ٹھوکر سے کروڑوں فلسفی پیدا کر سکتے ہیں۔ جناب مرزا صاحب غلام احمد صاحب قادیان امی بالکل نہیں تھے۔ گل علی شیعہ کے شاگرد تھے۔ مولوی عالم خوب اہلہدی کر سکتے تھے، بلکہ بقول مرزائی صاحبان سلطان القلم تھے۔ ایک ایک موضوع پر پچاس پچاس الماریاں ان کی تصانیف کی ہو سکتی ہیں۔ ایسا شخص امی نہیں ہو سکتا۔

یاد رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی شخص کی پیش گوئی کی ہے۔ لہذا ان کی پیش گوئی سے اگر حضور مراد نہ ہوں گے تو قرآن کی تکذیب ہو گئی۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اسمہ احمد کا مصداق کسی غیر کو بنائے گا وہ قرآن کا منکر ہوگا اور سورہ اعراف کا عین مخالف۔

مختار مدعا علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ مرزا محمود صاحب کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مرزا صاحب بہر حال و بہر لحاظ مراد ہیں، بلکہ اصالتہ مرزا صاحب ظلاً و تبعاً حضور ہیں۔ بخلاصہ اولاً تو یہ امر خلاف واقع ہے۔ یہاں بشارت احمد سے عبارت نقل کرتے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کا مصداق بہر حال اور بہر لحاظ مرزا ہے۔ ثانیاً یہ غیر ممکن ہے۔ آیت میں اسمہ احمد واقع ہے۔ احمد کو علم اور جزئی حقیقی کہا جاتا ہے اور علم کا موضوع لواحد یعنی ہونا کافیہ خوانوں کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ پس اگر اس سے مراد مرزا صاحب کو لیا جائے تو حضور مراد نہیں ہوتے اور اگر مراد حضور ہیں۔ جیسے کہ قرآن شریف کا صاف مدلول ہے تو مرزا صاحب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ احمد علم اور جزئی حقیقی ہے کلی نہیں۔

ثالثاً بلکہ مرزا صاحب کا نام احمد ہرگز نہیں غلام احمد ہے۔

مختار مدعا علیہ نے کہا کہ اگر لفظ احمد سورۃ صف میں مرزا غلام احمد صاحب کو مراد لیا جائے۔ جیسا کہ خلیفہ ثانی نے کہا ہے تو اس سے اظہار آیت کا استدلال قابل مضحکہ ہے۔ غایت الامر فریق مخالف اس کو غلطی قرار دے سکتا ہے۔ نیز خلیفہ ثانی نے یہ بالکل نہیں کہا کہ بہر حال اور بہر لحاظ سے اس سے مرزا غلام احمد صاحب مراد ہیں بلکہ اصلہً تو مرزا صاحب مراد ہیں اور وصف کے لحاظ سے آپ ﷺ مراد ہیں۔ دراصل مختار مدعا علیہ نے مختار مدعا علیہ کا مطلب نہیں سمجھا۔ مختار مدعا علیہ کی یہ غرض نہیں کہ کسی مبہم چیز کی تعیین اس کے انکار کو مستلزم ہے۔ بلکہ ان کی غرض یہ ہے۔ اس آیت میں بلحاظ سیاق حضور ﷺ مراد ہیں: قال اللہ تعالیٰ: ”فلما جاء تم بالبينات قالوا هذا سحر مبين ومن اظلم ممن افترى على الله الكذب وهو يدعى الى الاسلام والله لا يهدى القوم الظالمين يريدون ليطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون هو الذي ارسل رسوله (الصف: ۹۷۶)“

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے بعد جب ان کے پاس احمد مبشر بہ تشریف لائے اور بیانات اور دلائل واضح کے ساتھ تشریف تولائے تو جن لوگوں کو اس بشارت کا علم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہو چکا تھا۔ احمد مبشر بہ ﷺ کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ جادو ہے۔ ظاہر اور اللہ تعالیٰ پر بہتان اور افتراء باندھا کہ یہ بشارت متعلق ہے وہ کوئی ہے اور کون اس سے بڑا ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے جس ذات مقدس کے لئے بشارت دی تھی، اس کو کسی دوسرے کے حق میں بتادے۔ حالانکہ وہ اسلام کی طرف دعوت دیا گیا ہے اور اسلام ایک محقق اور سچا راہ ہے جس کا مدعی بشارت کا صحیح مصداق ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ظالمین کو جو وضع شیئی غیر حملہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور بشارت کے اصلی مصداق کو ترک کر کے کسی غیر کو مصداق تراشے کبھی ہدایت نہیں دے گا۔ اس واسطے کہ وہ کوئی بھولے ہوئے نہیں، بلکہ وہ تو از روئے ہٹ دھرمی خواہش کرتے ہیں کہ اس بشارت کا مصداق دوسرا قرار دے کر اس اللہ تعالیٰ کے نور کو منہ کی پھونکوں سے بجھادیں۔ یعنی یہ تفسیر مصداق بشارت محض قول ہونے پر منحصر ہے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو جو فاران سے ظاہر ہوا ہے، پورا کامل کر کے چھوڑ گیا اور اس بشارت کے تصدیق کرنے والے پیدا ہوتے ہی رہیں گے۔ جیسے کہ بخاری کے دوسرے صفحہ والی روایت سے ثابت ہے کہ حضور پر نور کے زمانہ میں ہی روم کے بڑے اسقف نے علی الاعلان کہہ دیا کہ جس کی بشارت دی گئی، وہ آ گیا اور وہی پھر محمد ﷺ اگرچہ وہ لوگ جو کافروں میں حضور سرور دو عالم ﷺ کو بشارت کا مصداق بنانے میں کراہت محسوس کریں گے اور کھینچنا تانی کر کے دوسروں کو مصداق بناتے پھریں گے، وہی (جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر بشارت محمدیہ نازل فرمائی ہے) تو ہے جس نے (اس بشارت کے مطابق) نیا رسول بھیجا۔ آہ! الغرض اس آیت کا سیاق دلالت صریح سے ثابت کر رہا ہے کہ اس بشارت کا مصداق آ گیا ہے اور اس کا مصداق کوئی دوسرا تجویز کرنا افتراء ہے اور سخت ظلم ہے اور جو لوگ دوسرا مصداق بشارت تلاش کرتے ہیں وہ کافر ہیں اور ہٹ دھرمی سے ایسا کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس بشارت کا مصداق جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیا ہے وہ ذات، ذات الحسنات والبرکات آقائے کائنات سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ پس اب جو شخص کسی دوسرے کو مصداق قرار دیتا ہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ کیونکہ حسب تعیین خداوندی اب کوئی دوسرا مراد تو ہو نہیں سکتا اور جو کسی آیت کے ایسے معنی کا انکار کرے جس

کاسیاق ہو تو اس کو بجز منکر آیت کے اور کیا کہا جاوے گا۔ گو منہ سے آیت کا ماننا تسلیم کرتا ہو۔

قرآن شریف کو بالاستیعاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی نبی کی بشارت دی ہے۔ بخلاف دیگر انبیاء کے انہوں نے متعدد انبیاء کی بشارتیں دی ہیں۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعیہ نمبر ۲۔

اور قرآن شریف میں سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”الذین يتبعون الرسول النبي الامي“ اس سے پایا جاتا ہے کہ انجیل میں جس نبی کی بشارت ہے وہ امی ہے اور رسول اور نبی بھی ہے اور تمام مخلوق میں فقط ایک ہستی ہے جو امی بھی ہے اور رسول بھی اور نبی۔ مگر مرزا صاحب بالکل امی نہیں تھے۔ وہ انبالہ کے ایک شیعہ عالم کے شاگرد تھے جس سے شرح جامی تک کتابیں پڑھی تھیں اور مولوی عالم پنجاب یونیورسٹی کا امتحان بھی دیا جس میں فیل ہو گئے۔ اہل مدی بھی کی تھی اور بقول مرید صاحبان سلطان القلم تھے اور بقول ذات شریف ایک ایک موضوع پر پچاس پچاس الماریاں تصانیف چھوڑ مرے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس بشارت کو مرزا صاحب پر منطبق کرنا قرآن شریف کا انکار ہے جو اسے مبشر بہ نبی امی قرار دیتا ہے اور اگر احادیث کو بھی دیکھا جائے تو عرباض بن ساریہ سے بخاری و مسلم میں ایسی روایات مل جائیں گی جن سے حضور کا ارشاد ذیل ملتا ہے۔

”ساخبرکم باول امری دعوة ابراهيم وبشارة عيسى ابن مريم (الحديث)“

پس معلوم ہوا کہ بشارت اسمہ احمد کا مصداق جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور خود مبشر بہ ﷺ کے نزدیک حضور پر نور ہیں ﷺ اور جو کوئی اس کا مصداق کسی دوسرے کو تجویز کرے۔ چاہے اس کا نام احمد ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے وہ قرآن شریف اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے بتائے ہوئے معنی اور مصداق کے مخالف ہے۔ پس اس نے انکار آیت کیا اور یہی مختار مدعیہ کا مطلب ہے۔

رہا امر ثانی کہ خلیفہ ثانی کے نزدیک بہر حال اور بہر لحاظ مرزا صاحب مراد نہیں یہ بھی غلط ہے۔ میں جناب خلیفہ ثانی کی کتاب (القول الفصل ص ۲۷، ۲۸، ۲۹) کی طرف توجہ عدالت مبذول کرتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو احمد لکھا ہے اور لکھا کہ اصل مصداق پیش گوئی کا میں ہی ہوں۔ کیونکہ یہاں صرف احمد کی پیش گوئی ہے اور آنحضرت ﷺ دونوں تھے۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں: ”اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ جلالی نام ہے اور احمد جمالی اور احمد عیسیٰ اپنے جمالی مضمون کے رو سے ایک ہی ہے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔“ ”ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد“ مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں، بلکہ محمد بھی ہیں۔ یعنی جامع الجلال والجمال لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے، بھجا گیا۔“

(ازالہ اوہام ج دوم ص ۶۷، خزائن ج ۳ ص ۶۳)

اسی طرح اعجاز المسیح میں لکھتے ہیں اور عیسیٰ نے ”کنز ع اخرج شطۃ الایہ میں آخرین منهم الی قوله“

(اعجاز المسیح ص ۱۲۳، ۱۲۴، خزائن ج ۱ ص ۱۸۷)

اس سے خلیفہ ثانی اور مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مراد نہیں ہو سکتے اور بہر حال اور بہر لحاظ اس سے مراد مرزا صاحب ہیں۔

اور دو شخص اس سے مراد ہو بھی نہیں سکتے۔ اس واسطے کہ احمد علم ہے اور علم کی وضع ایک معین شخص کے لئے ہوتی ہے اور یہ نکرہ اور کلی نہیں۔ پس اگر اس سے دونوں شخص مراد لئے جائیں تو اسم کی وضع کا خلاف ہوگا۔ نیز آنکہ مرزا غلام احمد صاحب کا نام احمد ہرگز نہیں۔ ان کا نام تو ان کے والد صاحب نے غلام احمد رکھا ہے۔ اگر قرآن شریف میں اسمہ غلام احمد ہوتا تو پھر کوئی وجہ تھی اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا

صاحب احمد کے نام پر بیعت لیتے تھے اور مرزا محمود کا یہ اذعاء کہ خدانے آپ کا نام احمد رکھا اور آپ نے نام کا یہی حصہ اپنی اولاد کے ناموں کے ساتھ ملایا۔ سب شاعرانہ باتیں ہیں۔ ان کو استدلال نہیں کہا جاتا۔ احمد کے نام پر بیعت لینا تو اس وقت شروع کیا جب کہ آپ نے اپنے آپ کو بشارت کا مصداق فرض کیا اور یہی دلیل ہے اس کے مصداق نہ ہونے کی۔ اس واسطے آیت میں اس کی بشارت دی گئی ہے جو احمد کے نام سے ابتداءً مسیٰ ہوگا۔ اس واسطے کہ اسمہ احمد جملہ اسمیہ ہے جو دوام پر دلالت کرتا ہے۔

اور اگر حضور پر نور ﷺ پر ہی صادق آتا ہے کہ حضور کا نام آمنہ صدیقہ نے احمد رکھا اور عبدالمطلب نے محمد رکھا اور یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا نام احمد رکھا۔ اگر یہ مراد ہے کہ اس پیش گوئی میں میرا یہ نام ہے تو مصداقہ علی المطلب ہے۔ اس پیش گوئی میں وہ شخص مراد ہے جس کا نام کسی دوسری دلیل سے ثابت کیا جائے اور اگر اس بشارت کا مصداق ثابت کرنے کے لئے بشارت کو پیش کیا جائے تو یہ توقف الہی علی نفسہ ہوگا اور اگر کہیں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام رکھا ہے، یہ محض فرض ہی فرض ہے۔ اصلیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ آخر خلیفہ ثانی کے منہ سے سچ نکل ہی گیا، کہتے ہیں آپ کا نام۔ یعنی مرزا صاحب کا نام مرکب ہے اور اس کا ایک حصہ اور جزء احمد کا لفظ ہے جو اولاد کے ناموں کے ساتھ ملایا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کا نام احمد نہیں۔ بلکہ یہ ایک جزء ہے۔ پس سارا نام غلام احمد ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب (کتاب البربر ص ۱۳۲، خزائن ج ۱۳ ص ۱۶۲) میں لکھتے ہیں: ”میرا نام غلام احمد والد کا نام غلام مرتضیٰ ہے۔“

الغرض مرزا صاحب اور اس کے خلیفہ ثانی مرزا محمود صاحب کا دعویٰ یہی ہے کہ اس بشارت میں مراد مرزا صاحب ہیں، حضور پر نور ﷺ نہیں۔

باقی انوار خلافت کے طویل طویل حوالے بلطفہ نقل کر کے بلاوجہ مسئلہ کو طول دیا اور بزعم خود اپنے اس پر اڈلہ پیش کئے۔ حالانکہ گفتگو اس قدر تھی کہ اس آیت: ”مبشراً برسول“ کا حقیقی مصداق اور احمد کے نام کا حقیقی مسیٰ مرزا صاحب ہیں یا رسول اکرم محمد رسول اللہ ﷺ؟ اس کو شروع میں مرزا صاحب نے تسلیم کر لیا کہ اس آیت کے حقیقی مصداق صرف مرزا صاحب ہیں، نہ رسول اللہ ﷺ اور احمد بھی نام رسول اللہ ﷺ کا نہیں، بلکہ مرزا صاحب کا ہے۔

..... پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود کا نام احمد تھا یا آنحضرت ﷺ کا اور کیا سورہ صف کی آیت جس میں ایک رسول کی جس کا نام احمد ہوگا بشارت دی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے یا حضرت مسیح موعود کے متعلق، میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف کہا جاتا ہے کہ احمد نام رسول کریم ﷺ کا ہے اور آپ کے سوا کسی اور شخص کو احمد کہنا آپ کی ہنک ہے۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں، میرا یقین بڑھتا جاتا ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ احمد کا جو لفظ قرآن کریم میں آیا ہے وہ حضرت مسیح موعود کے متعلق ہی ہے۔

(ملاحظہ ہو: انوار خلافت ص ۱۸، انوار العلوم ج ۳ ص ۸۳)

اور جب کہ ہم نے قرآن کو نص قطعی اور صحیح مرفوع متصل حدیث سے ثابت کر دیا کہ صرف رسول اللہ ﷺ اس کے مصداق ہیں اور احمد، بخاری شریف وغیرہ میں آپ ہی کے اسماء میں شمار ہے۔ پھر اس قول کے خلاف نصوص قرآنیہ و تفسیرات سنت نبویہ موجود ہیں۔ پس اب اس کے کفر و ارتداد ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

(۹)

## قرآن وحدیث اور وحی مسیح موعود

اس سلسلہ میں میں نے (عجاز احمدی ص ۳۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰) کا حوالہ پیش کیا تھا۔ مختار مدعا علیہ نے اس کی ایک غلط اور ناقابل توجیہ

یہ کی ہے کہ یہ کلام ان احادیث کی بابت ہے جو مرزا صاحب کے دعویٰ کے متعلق ہیں، ان کی دو قسمیں بنا کر جو قرآن کے مطابق ہیں، ان کی تائید دعویٰ میں قبول کرتے ہیں اور جن کے متعلق ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے متعلق کہا ہے، وہ وہی احادیث ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ کا یہ جواب بالکل غلط اور خلاف تصریح مرزا صاحب ہے۔ کیونکہ شرع محمدیہ کے احکام و مسائل کے اصول میں سے اصل اول قرآن اور اصل دوم حدیث ہے۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں: ”اور ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی بنیاد حدیث نہیں، بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔“ (اعجاز احمدی ص ۳۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)

عبارت بالکل صاف اور واضح ہے کہ مرزا صاحب نے حدیث کو اصول و بنیاد میں سے خارج سمجھ کر حدیث کی توہین کی۔ نیز حدیث سے اپنی وحی کو مقدم سمجھ کر قرآن کے بعد اپنی وحی کو اصول دین میں اصل ثانی قرار دیا جس میں حدیث کی سخت توہین ہوئی۔ قرآن کے بعد مرزا صاحب کی وحی کا رتبہ رہا نہ حدیث کا اور نیز اس میں تشریح کا دعویٰ بھی پایا گیا۔ کیونکہ اصول دین میں مرزا صاحب کی وحی کا اضافہ ہو گیا، جو اصل جدید ہے۔ اصول شرعیہ میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں۔ پھر مرزا صاحب حدیث کا درجہ اصول و بنیاد دین سے گرا کر اس کو محض تائید کا درجہ دیتے ہیں جس میں حدیث کی توہین ہے۔ اسی پر اکتفاء نہیں، بلکہ تائید کا رتبہ بھی اس وقت حاصل ہے کہ جب حدیث میں دو شرطیں پائی جائیں۔ اول یہ کہ قرآن کے مطابق ہو۔ دوم یہ کہ مرزا صاحب کی وحی کے بھی معارض نہ ہو۔ اگر حدیث مرزا صاحب کی وحی کے معارض ہو تو اگرچہ قرآن کے موافق بھی ہو تو بھی تائید کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس میں حدیث کی سخت توہین ہے۔ پھر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دوسری حدیثوں سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو اوپر بیان کردہ شرطوں پر نہ ہوں۔ یعنی یا قرآن کے موافق نہ ہوں یا موافق تو ہوں مگر مرزا صاحب کی وحی کے معارض ہوں، ان تمام حدیثوں کو مرزا صاحب ردی کی طرح پھینکتے ہیں۔ عدالت غور فرمائے کہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کس قدر توہین ہے کہ صحت حدیث کا ایک یہ بھی اصل ہوا کہ مرزا صاحب کی وحی کے معارض نہ ہو، ورنہ پھینکنے کے قابل ہیں۔ اس سے زیادہ حدیث کی توہین کیا ہو سکتی ہے؟ مختار مدعا علیہ مغالطہ دینے کے لئے دوسری حدیثوں سے وہ احادیث مراد لیتا ہے جو قرآن کے مخالف ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب کی عبارت میں دوسری حدیثوں سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو قسم اول کے مقابل ہیں اور قسم اول کی وہ حدیثیں ہیں جو نہ قرآن کے مخالف ہوں اور نہ مرزا صاحب کی وحی کے معارض ہوں۔ پر وہ احادیث جو صرف قرآن کے مخالف ہوں یا وہ احادیث قرآن کے موافق مگر مرزا صاحب کی وحی کے معارض ہیں، وہ سب قسم دوسری حدیثوں میں داخل ہیں۔ میں اپنے تئیں جواب کی صحت کے لئے مرزا صاحب کی اصل عبارت لکھ دیتا ہوں۔ عدالت خود غور فرمائے گی کہ کس طرح حرف بحرف ہمارا دعویٰ مرزا صاحب سے ثابت ہے۔

”اور ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں، بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے اوپر نازل ہوئی۔ ہاں! تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔“ (اعجاز احمدی ص ۳۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)

پھر مختار مدعا علیہ ایک مغالطہ اور دیتا ہے کہ مرزا صاحب کی وحی قرآن کے بالکل موافق ہے۔ ممکن ہے کہ مختار مدعا علیہ کا ایسا اعتقاد ہو اور ایمان ہو جس کی کلام زیر بحث ہے۔ یعنی مرزا صاحب کا اعتقاد ایسا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر مرزا صاحب اپنی وحی کو بالکل قرآن کے موافق سمجھتے تو تائیدی حدیثوں کے لئے دو شرطیں نہ لگاتے کہ قرآن کے موافق ہو اور میری وحی کے معارض نہ ہو۔ اس قید کا فائدہ صرف یہ ہے کہ صرف قرآن کی موافقت کافی نہیں بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی ضرور ہے کہ میری وحی کے معارض نہ ہو۔ یہ فائدہ اس وقت مرتب ہو سکتا ہے جب کہ موافقت قرآن کے بعد بھی مرزا صاحب کی وحی معارض نہ ہونے کا احتمال باقی ہو اور یہ احتمال اس وقت پیدا ہو سکتا کہ جس

وقت موافقت اور تعارض کا اجتماع ممکن ہو۔

میں نے تو یہن حدیث کے سلسلہ میں (اعجاز احمدی ص ۷۵، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۸) کی عبارت پیش کی جس کے جواب میں مختار مد عالیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ان حدیثوں کے متعلق ہے جو قرآن کے مخالف ہیں۔ مختار مد عالیہ کا یہ جواب نہ صرف غلط ہے بلکہ بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ منشاء تو یہن یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنے علم کو احادیث نبویہ پر بدیں علت وجہ ترجیح قرار دیتے ہیں کہ ہم نے براہ راست خداوند حکیم سے حاصل کیا اور تمہاری حدیث مردوں سے مروی ہیں جو بہر حال ہمارے علم کی برابری نہیں کر سکتیں۔

اب مختار مد عالیہ کے مغالطہ پر غور فرمائیے کہ قرآن کی موافقت اور مخالفت کو دخل دے رہا ہے۔ مرزا صاحب احادیث کی تحقیر اس بناء پر کر رہے ہیں کہ وہ مردوں سے مروی ہیں۔ پس جس قدر سلسلہ احادیث موجود ہیں، خواہ قرآن کے موافق ہو یا مخالف سب کا سب مرزا صاحب کے معیار امتیاز پر مرزا صاحب کے علم کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ کیونکہ یہ سب ان لوگوں سے مرویات ہیں جو فوت ہو چکے ہیں۔ کیا مختار مد عالیہ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ جو حدیثیں قرآن کے موافق ہیں فوت شدہ لوگوں سے مروی نہیں یا وہ مرزا صاحب کے الہامات وحی سے زیادہ صحیح اور بلند مرتبہ ہیں۔ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ مرزا صاحب احادیث کو اپنے الہام وحی کے مقابلہ میں بے اعتبار اور کم پایہ ثابت کر رہے ہیں۔ خواہ قرآن کے موافق ہوں یا مخالف۔ جو احادیث نبویہ کی نہایت درجہ کی توہین و تحقیر ہے۔ پھر مختار مد عالیہ نے اپنے جواب کی تائید میں مرزا صاحب کی عبارت پیش کی ہے: ”اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے اور بجز قرآن کے ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔“

**الجواب:** مختار مد عالیہ کی پیش کردہ عبارت ہمارے مدعا کی زبردست دلیل ہے کہ کیونکہ مرزا صاحب اس عبارت میں اصل دین صرف قرآن کو بتلا رہے ہیں اور بجز قرآن کے سب چیز سے انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ احادیث نبویہ اصول دین میں ایک اصل محکم ہے جس سے انکار الحاد زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا“ مگر مرزا صاحب احادیث کو بے اصل اور بے اعتبار ثابت کرنے کے لئے برملا کہتے ہیں کہ بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ سراسر احادیث نبویہ کی توہین، بلکہ ٹھکانہ انکار ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک! مختار مد عالیہ نے اپنی تائید میں مرزا صاحب کی یہ عبارت پیش کی ہے: ”پس اے مخالفو! نقلوں کے ساتھ خوش ہو جاؤ اور بہتری نقلیں اور حدیثیں دھوکا باز نے بنائی ہیں۔“

سو مختار مد عالیہ کی عبارت بھی ہمارے مدعا کی زبردست تائید ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنے علم و بیان کے نقول کے قبول سے روکتے ہیں اور علت یہ بیان کرتے ہیں کہ بہترین حدیثیں موضوع ہیں۔ ہمارا تعلق حکم سے ہے جو بالکل صاف ہے کہ نقول پر خوش نہ ہوں اور یہ حکم عام ہے۔ صحیح، موضوع، ضعیف و قوی تمام احادیث کو شامل ہے۔ بعض احادیث کے موضوع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام نقول و احادیث قابل اعتبار نہیں۔ بہر حال مرزا صاحب نے یہ عام حکم کر کے احادیث کی سخت توہین کی ہے۔ پھر مختار مد عالیہ نے اپنی تائید میں مرزا صاحب کی یہ عبارت نقل کی ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی کے بعد نقل کی کیا حقیقت ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی وحی کے بعد کس حدیث کو مان لیں۔ بحمد اللہ! مختار مد عالیہ کی پیش کردہ یہ عبارت نہایت صراحت سے توہین احادیث پر دال ہے۔ کیونکہ سرے سے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی وحی کے مقابلہ حضور ﷺ کی احادیث کو کم درجہ ثابت کر کے احادیث نبویہ کی توہین کی ہے۔ اب تک مختار مد عالیہ ادھر ادھر کی توجیہات کرتا رہا کہ ان احادیث سے مراد وہ احادیث ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں نہ احادیث صحیح، مگر مرزا صاحب کی اس عبارت نے مختار مد عالیہ کی تمام توجیہات کا خاتمہ کر دیا۔ مرزا صاحب اپنی وحی کے مقابلہ میں تمام احادیث نبویہ کو کس شان و عظمت و جلال سے بے



حقیقت بتلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عبارت مرقومہ بالا۔

غالباً مختار مدعا علیہ کو یہ ضرور احساس ہوا کہ یہ عبارت مختار مدعیہ کے الزام کی زبردست دلیل ہے۔ مگر وہ یہ آیت پیش کر کے مغالطہ دینا چاہتا ہے۔ ”فسای حدیث بعدہ یؤمنون“ مگر اس کا جواب اس قدر بتلادینا کافی ہے کہ حدیث سے مراد احادیث نہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ۔

پھر مختار مدعا علیہ نے ایک حوالہ پیش کیا کہ حضرت بایزید بسطامی نے ایسا فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ قول غیر معتبر ہے۔ ثانیاً نہ اس کو شہادت میں پیش کیا گیا نہ جرح میں آیا ہے۔ ثالثاً یہ حدیث صحیح علیکم بسنتی..... الخ! کے خلاف ہے۔

رابعاً یہ حضرت بایزید پر افتراء ہے۔ جیسا کہ اقتصار میں لکھا ہے: ”شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہرودی گفتہ بر بایزید دروغہا بستہ۔“ خامساً اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو حضرت بایزید پر بسا اوقات حالت سکر طاری ہوتی تھی اور حالت سکر میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں اور سکر کے زائل ہونے کے بعد استغفار فرماتے تھے۔ چنانچہ امام شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں: ”سئل ابو غیلیسی السجوزجانی عن الالفاظ امتی تحکی عن ابی یزید فقال رحمة الله ابو یزید له حاله ولعله بها تکلم علی حد غلبه او حال سکر“

پھر مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کی متعدد کتب سے چند جدید حوالہ جات نقل کر کے بطور نتیجہ کے یہ بتلایا ہے کہ جن احادیث کو رد کرنے کے لئے مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں کہا ہے، وہی حدیثیں ہیں جو مولوی محمد حسین بنالوی وغیرہ قرآن مجید کے خلاف آپ کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کو باطل ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے۔ جن کا ظنی ہونا سب کو مسلم ہے۔ مختار مدعا علیہ نے اس قول میں نہ صرف احادیث کے رد کرنے کی توہین کے الزام کو تسلیم کر لیا، بلکہ اس غرض و غایت کو بھی بتلادیا کہ مرزا صاحب کو ردی کی طرح احادیث نبویہ کو پھینکنے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی تھی۔ یعنی مولانا محمد حسین صاحب بنالوی نے مرزا صاحب کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کے بطلان پر احادیث کو پیش کیا۔ چونکہ مرزا صاحب کا دعویٰ مہدویت و مسیحیت ان احادیث کی رد سے باطل ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے مرزا صاحب نے ایسی احادیث کو ردی کی طرح پھینکنے کا حکم دیا۔ گویا مرزا صاحب کا یہ حکم صرف توہین نہیں، بلکہ خود غرضی اور اپنے دعویٰ کی خاطر سے ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ مولانا محمد حسین صاحب نے کن احادیث کو پیش کیا۔ یہ وہ احادیث ہیں جو صحاح ستہ میں مروی ہیں اور جیسے کہ علامہ شوکانی توضیح میں لکھتے ہیں۔

پھر مختار مدعا علیہ نے تحفہ گوڑویہ کی چند احادیث کے مضامین بیان کئے ہیں جن میں دابتہ الارض وغیرہ کی بھی حدیثیں ہیں نامعلوم کہ مختار مدعا علیہ مجال وغیرہ کی حدیثوں کو پیش کر کے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ غالباً وہ ان احادیث کو پیش کر کے ان کے الفاظ ظاہری معانی پر استعجاب اور بعید از عقل ہونا دکھانا چاہتا ہے۔ ”مگر جو جماعت مرزا صاحب کے مریم ہونے پھر حاملہ ہونے پھر وضع حمل کے لئے جزع کی طرف جانے اور پھر مریم سے عیسیٰ پر ایمان رکھتی ہو۔“ ان احادیث پر کیوں استعجاب ہوتا ہے۔

پھر مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے وہ اقوال پیش کئے ہیں جن میں احادیث کی عظمت اور علوم مرتبت بیان کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ مسئلہ میں یہی اختیار کیا جس کی مذمت ہے۔ اس کی مدح بھی موجود ہے جس کو صاف الفاظ میں بھی کہنا پڑتا ہے۔

حدیث: ”فاعرضوا علی کتاب اللہ“

اعجاز احمدی میں مرزا صاحب نے ان احادیث کو ردی میں پھینکنے کا حکم دیا مرزا صاحب پر توہین احادیث کا الزام قائم کیا تو مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے حکم کی وجہ اصول کتب کی بیان کر کے ایک حدیث کو پیش کیا۔ جرح میں دریافت کیا گیا تو اس حدیث کو کتب

حدیث میں سے کسی کتاب کا حوالہ نہ دے سکے۔ سند دریافت کی گئی کوئی نہ بتلا سکے۔ مجموعہ الفوائد سے شوکانی کا یہ قول اس حدیث کے متعلق پیش کیا گیا۔ وضع الزنادقہ تو کوئی اس پر جواب نہ بن آیا۔ شوکانی نے اس حدیث کو موضوع زنادقہ کہا۔ یعنی اس پر مندرجہ ذیل جروح پیش کی گئیں۔

- ۱..... یہ احادیث کی کتب میں مروی نہیں۔
  - ۲..... حدیث بلا سند ہے جو غیر معتبر اس پر عبداللہ بن مبارک کا قول صحیح مسلم سے پیش کیا گیا۔
  - ۳..... شوکانی نے فوائد مجموعہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو زنادقہ نے وضع کیا ہے۔
  - ۴..... شوکانی نے فوائد میں کہا ہے یہ حدیث: قوله تعالیٰ 'ما اتاکم الرسول' سے رد ہے۔
- مخاران مدعا علیہ سے کسی کا جواب نہ ہو سکا۔ اب بحث میں بجائے اس کے کہ ہمارے جروح کا جواب دیتے۔ ایک بے فائدہ بحث شروع کر دی ہے اور ایسے اقوال پیش کئے گئے جو مسل پر نہیں آئے تاہم اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔
- اس بحث کا ایک جواب اجمالی عرض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث اور اس قسم کی دیگر احادیث کا مفہوم خود اپنی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ پہلے ہم ان احادیث کو کتاب اللہ پر پیش کرتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ کے موافق پڑیں گی تو لیں گے، ورنہ ان کو رد کر دیں گے۔ پس ان احادیث کو جب کتاب اللہ پر پیش کرتے ہیں تو مخالف ہوتی ہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ کا ارشاد ہے: ”ما اتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتهوا“، یعنی جو کچھ حضور ﷺ فرمادیں اس کو مان لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ کلمہ ما عام ہے جو ہر ایک امر کو شامل ہے۔ پس قرآن شریف کی یہ آیت ان احادیث کو رد کرتی ہے۔ جیسا کہ علامہ شوکانی نے فوائد مجموعہ میں تصریح کی ہے۔ پس ان احادیث کا رد ان ہی سے ہو گیا۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ حدیث صحیح اصول دین میں اصل کافی ہے۔ جس طرح قرآن سے احکام ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح احادیث سے بھی احکام ثابت ہوتے ہیں اور جیسا کہ قرآن موجب علم و عمل ہے ویسا ہی احادیث۔ ابوداؤد میں حضرت مقدم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سن رکھو۔ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی چیز جو اس کی مثل ہے۔ یعنی (حدیث) سن رکھو عنقریب ایک شخص پیٹ بھرا چھپر کھٹ پر بیٹھا یہ کہے گا کہ لوگو! تم (صرف) قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ (یعنی جو حکم قرآن میں نہ ہو حدیث میں ہو اس کو نہ مانو) حالانکہ جس چیز کو رسول ﷺ نے حرام کیا ہے۔ وہ ایسی ہی حرام ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔ سن رکھو تمہارے لئے آبادی کے گدھے حلال نہیں اور نہ دانت کاٹنے والے درندہ اور نہ مسلمانوں کی امان و پناہ میں رہنے والے کافر کی کوئی گری ہوئی چیز۔ بجز اس حالت کے کہ وہ اس سے بے پروا ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو، ان پر لازم ہے کہ وہ اسے کھانے کو دیں۔ وہ نہ دیں تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے کھانے کے مقدار خود بخود ان کے مال سے لے لے۔“

طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا: اس حدیث میں بڑی زجر و ملامت ہے جو بڑے غصہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس شخص کے لئے جو صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھ کر حدیث کے عمل سے بے پروا ہو جائے اور اس کا عمل ترک کر دے۔ اس حدیث کو اداری نے بھی نقل کیا ہے اور اس نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ حدیث کتاب کے اجمال و ابہام کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

مرزا صاحب نے حق و باطل کو ملایا ہے اور مرزا صاحب (تبیخ رسالت ج ۳ ص ۳۰۰، مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۳۱) میں دجال کی علامت قرار دیتے ہوئے بجز اس کے اور کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ اگر احادیث کا انکار قرآن کا انکار تھا تو پھر کس نے مرزا صاحب کو مجبور کیا کہ احادیث کو مردوں کی مرویات کہہ کر استخفاف کرتے اور کیوں نہ صاف الفاظ میں کہتے کہ قرآن کے سواء ہمارے ہاتھ کیا ہے۔

پھر مختار مدعا علیہ نے بے شمار ایسے حوالہ جات پیش کر کے بحث کو طول دیا ہے جن کا مسل میں ذکر تک نہیں۔ جن میں اکثر کا مفہوم یہ ہے کہ مرزا صاحب ان احادیث کو چھوڑتے ہیں جو مرزا صاحب کی وحی کے خلاف ہیں اور بعض حوالہ جات میں ترک احادیث کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مرزا صاحب چونکہ مسیح موعود ہیں اور احادیث مسیح کو حکم قرار دیا گیا ہے۔ پس مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ جس کو لیں اور جس کو چاہیں رد کر دیں۔ وغیرہ! ان حوالہ جات کا اجمالی جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب کا اپنی مزعومہ وحی کے مقابلہ میں احادیث نبویہ کا رد کرنا یہ حدیث نبویہ کی توہین ہے۔

مختار مدعا علیہ نے اشراق الابصار کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس میں نہایت سخت خیانت کی ہے۔ کیونکہ اوّل سے لفظ مع اور آخر سے ’’وہو من اوضع الموضوعات‘‘ کو کاٹ کر مغالطہ دیا۔ حالانکہ اشراق میں تصریح ہے کہ مدخل میں جو حدیث باسناد تحقیقی ہے۔ وہ سخت ترین موضوعات میں سے ہے۔ پھر مختار مدعا علیہ نے چند احادیث نقل کر دی ہیں جن کو اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ پھر مختار مدعا علیہ نے محض اپنے خیال و وہم سے یہ جواب دینا چاہا ہے کہ حدیث زنادقہ وضع کردہ نہیں ہو سکتی..... الخ! مختار مدعا علیہ دیدہ و دانستہ مغالطہ دیتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اصول حدیث کے قواعد پر کبار محدثین کے اقوال سے اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ائمہ حدیث کے اقوال سے اس کی صحت پیش کرتا۔ اس کو یقین تھا کہ ائمہ محدثین اس حدیث کو زنادقہ یعنی بے دینوں کی موضوع حدیث بتاتے ہیں۔ اب مختار مدعا علیہ محض اپنی بات کرنا چاہتا ہے کہ یہ حدیث زنادقہ کی موضوع نہیں ہو سکتی جو قطعاً ناقابل التفات ہے۔

ثانیاً مختار مدعا علیہ کا قیاس ہی غلط ہے۔ کیونکہ جب کبھی اسلام میں فتنہ اٹھا تھیا تھریجات مصطفویہ اور ارشادات نبویہ سے بچنے کے لئے اسی حدیث کو آڑ بنایا معتزلہ کی دار و مدار یہی حدیث ہے۔ فرقہ نیچریہ کے خیالات اور آزادی کا سنگم یہی حدیث ہے۔ عبداللہ چکڑالوی اسی کو پیش کرتے ہیں اور مرزا صاحب اسی حدیث کے سہارے اپنی مسیحیت اور نبوت کا سکہ رائج کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زنادقہ اور لٹروں کا یہ اصول ہو چکا ہے کہ احادیث اور آثار صحابہ کو بے حقیقت ثابت کرنے میں اس حدیث سے یوں فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کے ایک معنی از خود کئے جاتے ہیں اور اس کو قرآن کا متعین معنی فرض کئے جاتے ہیں۔ مگر پھر احادیث میں ان آیات کی جو تفسیر طرق صحیح سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کا انکار اس لئے کر لیا جاتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف ہے، اس لئے قابل قبول نہیں۔ اس حدیث سے نہ صرف حدیث صحیحہ کے انکار کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ قرآن کے معانی حسب منشاء کئے جاتے ہیں۔

مختار مدعا علیہ نے اس حدیث کے بے سند ہونے کا ایک نہایت لغو جواب دیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ جن کتب میں یہ حدیث آئی۔ آیا ان کے مصنفوں نے یہ حدیث وضع کر لی ہے یا انی الواقع اسے رسول کریم کی حدیث سمجھتے ہیں۔ مختار مدعا علیہ بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے صحیح سمجھ کر یہ حدیث نقل کی ہے۔

الجواب: یہ جواب مختار مدعا علیہ کی ناواقفیت اور کتب حدیث میں عدم بصیرت پر دال ہے۔ کیونکہ احادیث موضوعہ کے موضوع ہونے کی یہ وجہ نہیں ہوتی کہ نقل کرنے والے اس کو موضوع سمجھیں اور وہ موضوع نہ سمجھیں تو صحیح ہو جائے۔ موضوع کی تعریف اور اس کے احکام کتب اصول حدیث میں مذکور ہیں جن کی بناء پر علماء محدثین اس حدیث کو موضوع قرار دے رہے ہیں۔ مختار مدعا علیہ سے اگر کچھ ہو سکتا تھا تو اس کی توثیق صحیح کرتا۔ ان لوگوں کے اقوال کے برخلاف اکابر محدثین کے نقل پیش کرتا جو اس کو زنادقہ کی موضوع حدیث بتلاتے ہیں۔ نقول صحیح کا جواب نقول سے ہوتا ہے نہ محض خیالات اور ادواہم سے۔

اصول شاشی میں سے جو حضرت علی کا قول نقل کیا ہے۔ اولاً تو وہ خود ہی بے سند ہے۔ کتب احادیث کا حوالہ نہیں۔ ثانیاً عرض علی

الکتاب کا سوال وہاں پیدا ہوتا جہاں روایت منافق سے ہو۔

عمدة الحواشی حاشیہ اصول الشاشی سے جو جواب نقل کیا ہے وہ اس حدیث کی تصحیح نہیں کرتا۔ کیونکہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں احادیث کی روایت میں جو صحت کا اہتمام کیا ہے وہ دیگر مصنفات میں نہیں کیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں یہ مختار مدعا علیہ کا مغالطہ ہے یا نافی سے بخاری سے صحیح بخاری مراد لی ہے۔ علامہ تفتازانی نے تلویح میں اس حدیث کے متعلق بہت کلام کی ہے۔ ”وقد طعن فیہ“ (تلویح ص ۲۲۹) میں ہے۔ مولانا بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ صاحب سفر السعاده نے فرمایا کہ یہ حدیث سخت موضوعات سے ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو گفتگو سے خالی نہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس کو زند لیتوں نے وضع کیا۔ یعنی از خود بنا لیا اور نیز یہ اس قول خداوندی کے مخالف..... الخ!

علامہ ابن طاہر ہنٹی صاحب مجمع البحار تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ ان اصولیوں نے جو آنحضرت ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ مزی نے اس حدیث کی جس دوسری حدیث سے تائید ظاہری کی ہے۔ اولاً تو موضوعات کی کسی دوسری حدیث کی تائید سے صحیح نہیں ہو جاتیں۔ ثانیاً جس حدیث کو تائید میں پیش کیا جاتا ہے اس کا حال پہلی حدیث سے اچھا نہیں۔ اس لئے تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث قرآن حکیم کے معانی کی تعین اور وجوہات و اختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ کیونکہ حدیث بمنزلہ خادم کے ہے۔ خدمت کرنا خادم کا کام ہے نہ کہ مخدوم کا۔ چنانچہ مختار مدعا علیہ کے مسلم بزرگ شعرانی مسیح المبین میں لکھتے ہیں کہ امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث قرآن مجید کی وجوہ مختلف کی فیصلہ کرنے والی ہے۔ نمبراً: ”اجتمعت الامة على ان السنة قاضية على كتاب الله“ (سنن داری ص ۷۷) پھر مختار مدعا علیہ نے میری جرح جو اس حدیث کی سند کے متعلق تھی، اس کا جواب اس طریق پر دیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سند کوئی چیز نہیں اور ائمہ جرح و تعدیل کی تصریحات کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی جرح سے کوئی مجروح نہیں ہوا نہ کسی توثیق و تعدیل سے کسی کو قوت حاصل ہوتی ہے جس سے مختار مدعا علیہ کا مطلب صاف ہے کہ امت نے جس چیز کو آج تک معیار صحت و ضعف حدیث سمجھا وہ لغو ہے۔ گویا جرح و تعدیل کا سرے سے اعتبار نہیں۔ جو شخص جس حدیث کو اپنے مطابق پائے قبول کر لے اور جس کو خلاف پائے انکار کر لے، اس اصول پر مراتب حدیث اور اس کی تمیز بھی ناممکن ہو جائے۔

## قیامت کے متعلق

مختار مدعیہ نے اس ہیڈنگ کے تحت دو آیتیں: ”قل انما علمها عند ربی..... الخ!“ اور ”ان الله عنده علم الساعة“ اور ایک مسلم اور بخاری کی متفق علیہ حدیث ”فی خمس لا یعلمهن الا الله“ سے یہ ثابت کیا تھا کہ قیامت کا علم صرف خدا ہی کو ہے اور کسی کو نہیں۔ کیونکہ احادیث اور تفاسیر میں ”استاثره الله“ کا لفظ آیا ہے کہ اس کا علم صرف خدا نے اپنے واسطے تہا بلا شرکت غیر رکھا ہے اور مرزا صاحب (لیکچر سیریا لکٹ ص ۸، جزائن ج ۲۰ ص ۲۰۹) پر اس کے خلاف یہ لکھتے ہیں کہ: ”یصحیح نہیں ہے جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔“ جس سے نصوص قطعیہ کا انکار اور قرآن سے لاعلمی ظاہر ہو رہی ہے۔ مختار مدعا علیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے کہ مرزا صاحب کا اس سے مقصد جو مختار مدعیہ لے رہا ہے وہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقصد مختار مدعا علیہ نے اپنے لفظوں میں یہ بتایا کہ: ”یصحیح نہیں کہ قیامت کا کسی وجہ سے بھی کسی کو علم نہیں بلکہ علامات و آثار قیامت کے ذریعہ سے ایک قسم کا علم حاصل ہوتا ہے۔“ جس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مرزا صاحب کا بھی یہی مقصد ہے۔ حالانکہ عبارت (ص ۸، جزائن ج ۲۰ ص ۲۰۹) کی بالکل صاف اور صریح ہے اور اس سے یہ مقصد جو مختار مدعا علیہ لے رہا ہے بالکل نہیں نکلتا۔ مرزا صاحب صاف یہ فرما رہے ہیں کہ: ”یصحیح نہیں ہے۔ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

قیامت کا کسی کو علم نہیں۔“ یہاں قیامت کے علم کے متعلق سوال ہے نہ علامات قیامت۔ قیامت سے علامات قیامت مراد لیا غلط ہے۔  
ہاں! البتہ (پیکچریا لکٹو ص ۹، خزائن ج ۲۰ ص ۲۱۰) پر ایک فقرہ اس قسم کا موجود ہے جس میں علامات قیامت ہیں۔ مگر وہ فقرہ اس کی  
شرح ہرگز نہیں بن سکتا۔ کیونکہ (ص ۱۰) پر لکھتے ہیں: ”اسی طرح دنیا کے خاتمہ پر گواہ ہزار سال باقی ہے۔ لیکن اس گھڑی کی خبر نہیں۔  
جب قیامت قائم ہوگی۔“ خط کشیدہ جملہ گواہ ہزار سال باقی ہے قابل غور ہے کس صفائی کے ساتھ قیامت کی تعیین ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے  
مختار مدعا علیہ نے (ص ۹، خزائن ج ۲۰ ص ۲۱۰) کا تو حوالہ دیا مگر (ص ۱۰، خزائن ج ۲۰ ص ۲۱۱) کو چھوڑ دیا جس سے اس کے جواب کی اصل حقیقت کا  
پردہ فاش ہوتا تھا۔ لہذا مختار مدعیہ کا یہ دعویٰ کہ مرزا صاحب قیامت کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں کہ اس کا علم کسی کو نہیں (ص ۲۰،  
خزائن ج ۱ ص ۲۱۱) کی اس عبارت سے کہ اب قیامت سے ہزار سال باقی ہے، بالکل واضح ہو جاتا ہے اور یہ الزام کہ یہ عقیدہ نصوص قطعہ کے  
خلاف ہے بحالہ باقی رہا۔

علاوہ ازیں اگر تھوڑی دیر کے لئے قول مختار مدعا علیہ کو تسلیم ہی کر لیا جائے جب بھی اس کو مفید نہیں۔ کیونکہ اول تو نصوص قطعہ  
قرآن اور حدیث سے جن علامات کا پتہ چلتا تھا۔ مثلاً خروج دجال، یا جوج و ماجوج و نزول عیسیٰ بن مریم۔ وغیرہ وغیرہ! ان سب سے مرزا  
صاحب منکر ہیں اور دجال اور یا جوج و ماجوج سے کبھی تو پادری اور کبھی قوم نصاریٰ اور کبھی روس اور برطانیہ کی توہین مراد لے رہے ہیں جو  
بعثت نبی کریم ﷺ سے پہلے موجود ہیں اور بعض خود ساختہ علامتیں جو خود بیان فرما رہے ہیں۔ مثلاً: ”آخری زمانہ میں بکثرت نہریں جاری  
ہوں گی۔“

”کتاب میں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار شامل ہے۔“

”اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔“

ان علامات کو بیان کرنے کے بعد میں لکھتے ہیں اور ”سوہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔“

اور پھر اس کے بعد (پیکچریا لکٹو ص ۱۰، خزائن ج ۲۰ ص ۲۱۱) پر اس کے متعلق لکھتے ہیں: ”اسی طرح دنیا کے خاتمہ پر گواہ ہزار سال  
باقی ہے۔“

تو اس میں علامات نصوص قطعہ کا انکار اور خود ساختہ علامتوں کے پورا ہوجانے کے بعد قیامت کی تعیین ہزار سال کے ساتھ کر رہے  
ہیں۔ اس سے بھی مختار مدعیہ کا اعتراض اور بھی قوی ہو جاتا ہے اور جو اب مختار مدعا علیہ کو اور اس کی تاویل کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

### عقیدہ اوتار

اوتار کے متعلق بلاوجہ غیر مربوط جوابوں اور بے ربط دلائل سے طول دیا۔ حالانکہ معاملہ صرف اس قدر ہے کہ اوتار کے معنی صرف یہ  
ہے کہ خدا کسی کے اندر اتر آئے یا حلول کرے یا عبادت کرتے کرتے اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ خدا اس کے روپ میں نمودار ہو۔ وغیرہ وغیرہ!  
یہ اہل ہنود کا اصطلاحی لفظ ہے اور اس کی تعریف ان کی مستند کتاب گیتا فارسی میں ہے۔

چون بنیاد دین ست گرد بے نمائیم خود رایشکلے کے  
مرزا صاحب نے اپنے آپ کو اہل ہنود آریوں کے مقابلہ میں انہیں کی اصطلاح کے مطابق اوتار کہا ہے اور یہ اوتار کا عقیدہ  
اسلام میں کفریہ عقیدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔

مرزا صاحب کے حوالے اپنے اوتار ہونے کے متعلق۔

(کتاب البری ص ۶، خزائن ج ۱۳ ص ۱۰۲)

..... اور برہمن خدا تیرے اندر اتر آ یا۔

- ۲..... برہمن اوتار سے مقابلہ اچھا نہیں۔ (حقیقت الوحی ص ۹۷، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۱)
- ۳..... ایسا ہی میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ (لیکچر سیریا لکٹ ص ۳۳، خزائن ج ۲۰ ص ۲۲۸)
- کرشن کے متعلق (حقیقت الوحی ص ۸۵، خزائن ج ۲۲ ص ۳۲۱، لیکچر سیریا لکٹ ص ۳۳، خزائن ج ۲۰ ص ۲۲۹) کے حوالے اس سے زائد اس پر بحث کی ضرورت ہی نہیں۔

## مرزا صاحب کے اقوال میں تعارض نہیں

قول مختار مدعا علیہ کہ مختار مدعی نے مغالطہ سے کام لیا ہے اور مرزا صاحب کے کلام (ازالہ اوہام ص ۱۹۰، خزائن ج ۳ ص ۱۹۲) کہ میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگوں نے مسیح موعود سمجھ لیا ہے اور (تحفہ گولڈ ویہ ص ۱۱۸، خزائن ج ۱ ص ۲۹۵) کے دعویٰ مسیح موعود میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ازالہ اوہام میں بھی مسیح موعود کا دعویٰ موجود ہے اور اس پر چار حوالے پیش کر کے کہا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے خیال کی بناء پر مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ نہ وہی مسیح ابن مریم۔ گویا مختار مدعا علیہ کے خیال میں مسیح موعود ہونے کی نفی مرزا صاحب نے ان علماء کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کی ہے جو مرزا صاحب کو اصلی عیسیٰ بن مریم صاحب انجیل ہونے کا مدعی سمجھ بیٹھے تھے۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ کی یہ توجیہ بالکل غلط اور جھوٹ محض ہے جو اس نے خلاف واقعہ مسلمانوں کا اپنی طرف سے ایک خیال گھڑ کر مرزا صاحب کے تعارض کو رفع کرنے کے لئے ایجاد کی ہے۔ کیا اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ علماء مرزا صاحب کو اس امر کا مدعی سمجھتے تھے کہ آپ بعینہ وہی عیسیٰ علیہ السلام جو انیس سو سال پہلے بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ تو بدابہت باطل اور افتراء ہے۔ کسی نے بھی مرزا صاحب کا یہ دعویٰ نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ علماء کا یہی خیال تھا کہ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بوجہ مشابہت کیا ہے اور اصلی عیسیٰ علیہ السلام کو آپ فوت شدہ سمجھ کر اپنے آپ کو وہی مسیح موعود سمجھتے ہیں جس کے نزول کی خبر نصوص اسلامیہ میں دی گئی ہے۔ مرزا صاحب خود کئی جگہ لکھتے ہیں۔ چنانچہ (ازالہ اوہام ص ۶، خزائن ج ۳ ص ۱۰۵) پر ہے کہ: ”مشابہت کے لئے جو مسیح کی پہلی زندگی کے معجزات طلب کئے جاتے ہیں۔“ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ علماء نے آپ کو اصلی عیسیٰ ابن مریم کا مدعی نہیں سمجھا، بلکہ بوجہ مشابہت مسیح موعود ہونے کا مدعی سمجھا تھا۔ لیکن مرزا صاحب نے یہاں پر اپنے مسیح موعود ہونے کا انکار کر دیا اور مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا جس طرح کہ براہین میں دعویٰ تھا کہ میں صرف مثیل مسیح ہوں نہ کہ مسیح موعود۔

۱..... مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ ازالہ میں بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ موجود ہے۔ ہمیں اس سے کیا نقصان ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں یک نہ شدہ و شد۔ اثبات تعارض کے لئے تحفہ گولڈ ویہ تک جانے کی ضرورت بھی نہ رہی اور اسی کتاب میں تعارض ثابت ہو گیا۔ ہاں! البتہ تحفہ گولڈ ویہ کے زمانہ تک مرزا صاحب کبھی آگے کبھی پیچھے قدم رکھنے کے حدود سے گزر چکے تھے۔

۲..... قول مختار مدعا علیہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں لکھا کہ وہ اس معنی کے لحاظ سے امتی ہیں جس معنی سے (براہین حصہ پنجم ص ۱۹۲، خزائن ج ۲۱ ص ۳۶۴) میں ان کو امتی قرار دینا کفر لکھا ہے۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ کا یہ جواب ناکافی ہے جو مختار مدعیہ کے بیان کردہ تعارض کو رفع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے اس سے انکار نہیں کیا کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امتی قرار دیا ہے جس سے تسلیم مفہوم ہوئی۔ اب رفع تعارض تو تب ہوتا کہ (ازالہ اوہام ص ۵۸، خزائن ج ۳ ص ۳۱۶) میں مرزا صاحب کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امتی قرار دینے کے یہ معنی ہیں اور ان کو امتی قرار دینا تو کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر اس کا یہ کہنا کہ ازالہ اوہام میں بھی ان کے امتی نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے اور یہ تعارض کو پختہ کرنا ہے نہ یہ کہ رفع تعارض۔

۳..... قول مختار مدعا علیہ:

مختار مدعیہ کا یہ تعارض کہ آنے والا ابن مریم نبی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ (ازالہ ص ۵۸۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۶) میں ہے اور آنے والا مسیح نبی ہوگا۔ جیسا کہ (حقیقت الوحی ص ۲۹، خزائن ج ۲۲ ص ۳۱) میں ہے یہ بھی مغالطہ ہے۔ کیونکہ جیسے حقیقت الوحی میں آنے والے کا نشان ..... ہوتا ہے۔ ایسا ہی ازالہ اوہام میں ہے۔ پھر ازالہ اوہام کے دحوالے پیش کئے ہیں۔ ایک (ص ۵۸۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۶) کا، دوسرا (ص ۷۰۱، خزائن ج ۳ ص ۴۷۳) کا۔

**الجواب:** مختار مدعیہ نے کوئی مغالطہ نہیں دیا، بلکہ مختار مدعیہ خود مغالطہ دے کر تعارض کو رفع کرنا چاہتا ہے جو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ پہلے حوالہ میں جو مختار مدعیہ نے پیش کیا اس میں اگر لفظ نبی اللہ موجود ہے۔ مگر مرزا صاحب نے خود اس کی تفسیر کر دی ہے کہ اس سے نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں۔ بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ بالفاظ دیگر محدثیت ہے نہ نبوت۔ لیکن حقیقت الوحی میں نبوت مراد ہے نہ محدثیت تو تعارض رفع نہ ہوا بلکہ بحال رہا۔ مختار مدعیہ نے اپنے حوالے کا پورا مطلب نہ بیان کر کے دھوکا دیا ہے۔ اسی طرح حوالہ (ازالہ اوہام ص ۷۰۱، خزائن ج ۲۳ ص ۴۷۸) میں بھی صاف تصریح کی گئی ہے کہ نبی اللہ سے مراد امتی ہے جو محدثیت کا درجہ رکھتا ہو نہ نبی اللہ۔ حقیقتاً جیسا کہ حقیقت الوحی میں مراد ہے اس حوالہ میں بھی مختار مدعیہ نے دھوکا دیا ہے اور تعارض ویسے کا ویسا موجود ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ محدثیت نبوت سے نیچے اور لوگوں سے اوپر ایک برزخ کا مقام ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۷۰۱، خزائن ج ۳ ص ۴۰۶) محدث نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نبوت کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ (حماۃ البشری ص ۸۱، ۸۲، خزائن ج ۷ ص ۳۰۰) میں ہے: ”ولولم یکن سد باب النبوة لکان نبیاً بالفعل“ یعنی اگر دروازہ نبوت بند نہ ہو گیا ہوتا تو محدث بھی نبی ہو جاتا۔

پس دعویٰ محدثیت سے جواز الہ میں دعویٰ نبوت جو (حقیقت الوحی ص ۲۹، خزائن ج ۲۲ ص ۳۱) میں ہے، لازم نہیں آتا۔ چنانچہ مرزا صاحب اسی (ازالہ ص ۴۲۲، خزائن ج ۳ ص ۳۲۰) پر لکھتے ہیں: ”سوال: رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔“

**الجواب:** دعویٰ نبوت نہیں بلکہ دعویٰ محدثیت ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ (الی) تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا۔

غرض مختار مدعیہ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور تعارض بدستور ہے۔

۴ ..... مختار مدعیہ کی طرف سے اعتراض تھا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ نبوت کا دعویٰ نہیں اور (بدرجہ ۱۹۰۸ء، ملفوظات ج ۱۰ ص ۱۲۷) میں ہے کہ ہمارا دعویٰ ہے ہم نبی اور رسول ہیں۔

اس تعارض کا جواب مختار مدعیہ نے یہ دیا ہے کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں دعویٰ ہے کہ نبی ہیں وہاں نبوت غیر تشریحی مراد ہے اور جہاں نبوت کی نفی ہے، وہاں نبوت مستقلہ کی نفی ہے۔ پس کوئی تعارض نہ رہا اور جس قسم کی نبوت کا دعویٰ بدر میں کیا گیا ہے۔ اس سے آپ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ جیسا کہ آپ نے (ایک غلطی کا ازالہ ص ۲، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷) میں تصریح فرمادی ہے۔

**الجواب:** مختار مدعیہ اور مرزا صاحب نے ایک غلطی کا ازالہ میں جو کہا ہے سب جھوٹ ہے جس میں ایک ذرہ بھی سچ کا شائبہ نہیں ہے۔ مرزا صاحب ہمیشہ نبوت کا انکار کرتے رہے۔ البتہ محدثیت کا دعویٰ کرتے رہے جس کو وہ کبھی جزوی نبوت، مجازی نبوت اور کبھی شعبہ نبوت اور کبھی ناقص نبوت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے رہے اور نبوت حقیقی کا بلا تخصیص تشریحی غیر تشریحی اور مستقل غیر مستقل کے انکار کرتے رہے۔ اس قسم کے حوالے اس مقدمہ میں پیش ہو چکے۔ ابھی جو حوالے ازالہ اوہام وغیرہ کے گزر چکے ہیں۔ ان میں سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ محدثیت اور چیز ہے اور نبوت اور چیز ہے۔ محدثیت کا مفہوم محدود ہے جو نبوت سے نیچے بطور برزخ کے ہے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی تصریح کر دی تھی کہ محدث اس امت میں کئی ہوئے من جملہ ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی محدثیت کی نص آ چکی ہے اور یہ بھی تصریح کر دی کہ ختم نبوت کے بعد کوئی محدث نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر باب نبوت بند نہ ہو گیا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نبی ہوتے اور محدث کا نبی نہ

ہوسکتا بھی باب نبوت کے مسدود ہوجانے کے وجہ سے ہے۔

(حماۃ البشری ص ۸۱، ۸۲، خزائن ج ۷ ص ۳۰۰) ”وانی والله آمن بالله ورسوله (الی) من مکمن القوة الی خیر الفعل“ اور اس سے پہلے اسی (ص ۸۱، خزائن ج ۷ ص ۳۰۰) پر لکھتے ہیں کہ میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ مقام تحدیث مقام نبوت سے مشابہ ہوتا ہے (جس کا میں نے دعویٰ کیا ہے) تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ خالص جھوٹ ہے جس میں سچ کا شائبہ بھی نہیں اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ انہوں نے محض میری تکفیر اور سب و لعن طعن کرانے کے لئے یہ جھوٹ گھڑ لیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”وانسی کتبت فی بعض کتبی (الی) ویفرقوا بین المومنین“

یہی مضمون (ص ۲۹، خزائن ج ۷ ص ۲۹۷) میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ میں دعویٰ نبوت کروں اور اسلام سے بالکل نکل جاؤں اور کافروں میں مل جاؤں اور (ص ۸۳، خزائن ج ۷ ص ۳۰۲) میں ہے کہ اے بھائی خیال بھی نہ کر کہ میں نے کوئی ایسا کلمہ کہا ہے جس میں سے دعویٰ نبوت کی بو بھی آتی ہو۔ ”فلا تظن یا اخی (الی) راعا ادعا النبوة“

غرض مرزا صاحب کی کتابوں سے اگر انکار نبوت کے حوالے نقل کئے جائیں تو ایک کتاب تیار ہو جاتی ہے۔ جس میں کوئی تفریق اس بات کی موجود نہیں کہ میں مستقل نبوت یا تشریحی نبوت سے انکار کرتا ہوں اور غیر مستقل اور غیر تشریحی کا مدعی ہوں۔ پس صرف اسی نبوت کا دعویٰ تھا جو محدثیت کے مرادف ہے۔ جس میں دوسرے محدث حضرت عمر وغیرہ بھی مرزا صاحب کے شریک ہیں۔ ایسی ہیر پھیر کرتے کرتے جب مرزا صاحب نے دیکھا کہ مرید ہر بات کو سہارنے اور سہنے لگ گئے ہیں تو جھٹ محذیث سے اوپر نبوت حقیقی کا دعویٰ کر دیا اور نبوت کے بند دروازے کو توڑ کر اندر جا گئے۔ ایسے صاف اور صریح بے شمار دفعہ انکار کے بعد مرزا صاحب اور مختار صاحب کا یہ کہہ دینا کہ ہم نے کبھی نبوت حقیقی غیر تشریحی سے انکار نہیں کیا۔ وہ جھوٹ ہے۔ جس کی نظیر دینا میں تلاش کرنی عبث ہے اور مختار مدعیہ کا الزام تناقض بدستور قائم اور بحال ہے۔

قول مختار مدعا علیہ:

مختار مدعیہ کا یہ کوئی نیا اعتراض نہیں کہ مرزا صاحب نے لوگوں کی برداشت کو دیکھ کر اپنے دعوؤں میں ترقی کی ہے۔ پہلے انبیاء پر

بھی یہی اعتراض کیا گیا ہے۔

**الجواب:** یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے انبیاء پر اس طرح کا اعتراض نہ کسی نے کیا اور نہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کوئی نبی تدریجاً نبی نہیں بنا۔ جیسا مرزا صاحب کہ پہلے جزوی نبی بنے، محدث بنے، ایک پہلو سے نبی، دوسرے سے امتی، مجازی نبی، پھر کلی نبی ہوئے۔ پہلے آدھے نبی تھے پھر سارے نبی بن گئے۔ مجازی سے حقیقی ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ! یہاں تک کہ عین محمد اور حقیقی طور پر خاتم النبیین ہو گئے اور پہلے جن باتوں کو کافر جانتے تھے انہیں باتوں کا دعویٰ کر کے ان کو ایمان کہنے لگے۔

قول مختار مدعا علیہ:

اور چونکہ انبیاء کو اپنی بڑائی کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ان خطابات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملتے ہیں اپنے لئے استعمال کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ہر پہلو پر غور کرتے ہیں اور ابتداء میں ڈرتے بھی ہیں کہ مبادا یہ ان کے نفس کا ہی دھوکا ہو۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ کا یہ قول بالکل غلط ہے اور سراسر افتراء اور کفر عظیم ہے اور یہ اصول جو اس نے وضع کیا ہے تمام کارخانہ نبوت کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کو اپنے دعویٰ نبوت اور خدا تعالیٰ کے اس کلام پر جس سے ان کو نبی بنانے کی اطلاع دی جاتی ہے یقین نہیں ہوتا کہ یہ سچ مچ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ بلکہ ان کو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ یہ نفس کا دھوکا ہے۔ نہ وحی رہی گویا



ان کو اتنی شناخت کی قوت نہیں ہوتی کہ وحی الہی اور دھوکہ نفس میں تمیز کر سکیں۔ اگر بقول مختار مدعا علیہ یہ بات تسلیم کر لی جائے تو ہر ایک وحی الہی پر جو ان کو ہوگی، یہی احتمال قائم ہوگا۔ جس سے وحی الہی کا شکلی اور ظنی ہونا ثابت ہو گیا اور انبیاء علیہم السلام کی کوئی وحی بھی بوجہ ظنی ہونے کے واجب الیقین والا ایمان نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً“

یعنی ظن مفید یقین نہیں ہو سکتا۔ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کی ذات پر مختار مدعیہ کا اعتراض اٹھانے کے لئے تمام انبیاء پر ہاتھ صاف کر دیا اور کارخانہ نبوت کو درہم برہم کر دیا اور کفر عظیم کا ارتکاب کیا اور اس کے اس اصول سے تمام انبیاء کی نبوت کا ہی ابطال ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ سراسر افتراء اور مخالف اور مذبذب قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ: ”وما یسطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی (النجم)“ اور فرماتا ہے: ”امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون (البقرہ: ۲۸۵)“ نیز

فرماتا ہے: ”فانہ یسئلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصد الیعلم ان قد ابلفوا رسالات ربہم (جن: ۲۸، ۲۷)“ جن کا صاف مفہوم یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وحی میں خواہش نفسانی کو دخل نہیں ہوتا اور وہ ملائکہ کی حراست میں پہنچائی جاتی ہے اور انبیاء پر ایمان ہوتا ہے۔ نہ شک و شبہ اور بقول مختار مدعا علیہ اگر ان کو منصب نبوت پر ہی یقین نہیں ہوتا بلکہ نفس کے دھوکا ہونے کا ڈر ہوتا ہے تو پھر حکم:

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا میرود دیوار کج  
سارا نبوت کا کارخانہ ہی بے اعتبار ہو گیا۔

مختار مدعا علیہ نے کوئی حوالہ کسی نبی کا اس بارہ میں پیش نہیں کیا کہ دیکھو اس کو اپنے نبی ہونے میں مرزا صاحب کی طرح پندرہ بیس سال تک تردد رہا۔ نہ صرف تردد بلکہ اس کا انکار کرتا رہا ہو۔ ہاں! صرف ایک مثال پیش کی ہے۔ یعنی صرف سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ

جس کا جواب آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! لیکن ہم اس سے پہلے مرزا صاحب کے چند حوالے اس مضمون پر پیش کرتے ہیں کہ مختار مدعا علیہ نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نبوت انبیاء باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کو نبوت ملتی ہے اور وہ وحی الہی کا مورد ہوتا ہے تو اس کو مطلقاً کوئی تردد اور شک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ شک کو کفر سمجھتا ہے اور جس کو نفس یا شیطان کا دھوکا کادل میں خیال و تردد

ہو، وہ درحقیقت شیطانی وحی ہوتی ہے نہ وحی الہی۔

مرزا صاحب (نزول المسح ص ۸۶، خزائن ج ۱۸ ص ۴۶۴) پر لکھتے ہیں: ”اگر ایک کلام انسان نے یعنی اس کے دل پر پہنچے اور اس کی زبان پر جاری ہو اور اس کو شبہ باقی رہ جائے کہ شاید شیطانی آواز ہے یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی۔ (الی) بجائے خود ایک معجزہ قرار دیتا ہے۔“

اسی حوالہ کے اندر ہے: ”کیونکہ خدا کا کلام جس قوت اور روشنی اور تائید اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے وہ خود یقین دلا دیتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔“ اور اسی حوالہ میں ہے: ”اس لئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایسی وحی کے مورد کے دل میں شبہ پیدا ہو سکے۔ بلکہ وہ شبہ کو کفر سمجھتا ہے۔“

اس کے ساتھ ملاحظہ ہو (نزول المسح ص ۸۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۶۷) مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: ”مگر ابھی ہم لکھ چکے ہیں۔ (الی) کیا خالص نور کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے۔“ اور (ص ۱۱۳، ۱۱۵، خزائن ج ۱۸ ص ۴۹۲) پر ہے: ”اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ پھر رحمانی الہام کی نشانی کیا ہے۔ (الی) کیونکہ شیطان اس سے بازی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ہلاک کرے۔“

خلاصہ: مطلب ان حوالہ جات کا یہ ہے کہ وحی الہی کے ساتھ ایک ایسی قوت اور نور اور لذت اور تائید وغیرہ وغیرہ ہوتی کہ مورد وحی کو اس کے مغائب اللہ ہونے کا کامل یقین ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا شک یا شبہ نفسانی یا شیطانی وسوسہ اس کے دل میں باقی نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ ایسے

شیر کو کفر سمجھتا ہے۔

ان حوالہ جات کے بعد مختار مدعا علیہ کے قائم کردہ اصول کا وہ نتیجہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کی حمایت میں آ کر تمام انبیاء کی نبوت کا ابطال اور قرآن کریم کی تکذیب کی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی کفر متصور نہیں ہو سکتا۔

قول مختار مدعا علیہ:

چنانچہ تدریجی دعویٰ کی مثال خود آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں ہمیں ملتی ہے۔ سب سے پہلے جب آپ پر غار حراء میں فرشتہ کا ظہور ہوا اور اس نے آپ کو خوب بھیچنا اور تین بار پڑھنے کے لئے کہا اور ”اقراء باسم ربک الذی خلق“ کی وحی آپ پر نازل ہوئی تو آپ کا پنتے ہوئے دل کے ساتھ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کپڑا اوڑھانے کے لئے ان سے ارشاد فرمایا اور جب کچھ تسلی ہوئی تو فرمایا: ”ولقد خشیت علی نفسی“ (بخاری ج ۱ ص ۳)

یعنی میں ڈر میرے نفس کا دھوکہ نہ ہو یا اپنی جان کا خوف ہو..... الخ!

الجواب: اس قول میں مختار مدعا علیہ نے مندرجہ ذیل باتیں کہی ہیں:

- ۱..... آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کا دعویٰ تدریجاً کیا ہے۔
- ۲..... آنحضرت ﷺ کو جب جبرئیل علیہ السلام نے پہلی دفعہ غار حراء میں آ کر تین دفعہ بھیچنا اور قرآن کریم کی پہلی پانچ آیتیں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئیں تو حضور گھر تشریف فرما ہوئے اور کا پنتے کا پنتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھے کپڑا اوڑھا دو۔
- ۳..... پھر کچھ تسلی ہونے پر فرمایا کہ مجھے جو کچھ پیش آیا یعنی جبرئیل کا آنا اور قرآن کی آیتوں کا نازل ہونا یہ میرے نفس کا دھوکا ہی نہ ہو مجھے یہ اندیشہ اور ڈر ہے۔

۴..... اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جس نے آپ کو کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا تو آپ کو حقیقت حال معلوم ہوئی کہ درحقیقت یہ فرشتہ تھا اور وہ آیتیں وحی الہی تھیں۔

۵..... لیکن پھر بھی آپ کو پورا یقین نہ آیا اور فترت الوحی کے زمانہ میں اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گرانے کا بار بار ارادہ کیا۔ لیکن ہر بار جبرائیل آ کر تسلی دیتا تھا کہ اے محمد ﷺ تم اللہ کے سچے رسول ہو۔

۶..... پھر آنحضرت ﷺ کے ان واقعات کو بیان کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے اور اس کو رسول قرار دیا ہے کہ انبیاء کو ابتداء اپنے دعویٰ کی شناخت میں بڑی مشکلات ہوتی ہیں اور جب تک بارش کی طرح ان پر متواتر وحی نہ ہو، اپنے دعویٰ نبوت کی صحت کا ان کو یقین نہیں ہوتا۔

الجواب: مختار مدعا علیہ نے مرزا صاحب کے تدریجی دعویٰ کے لئے جو اصول وضع کیا تھا جس سے تمام انبیاء کی نبوتوں کا ابطال ایک لازمی امر ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کی مثال مختار مدعا علیہ کو کہیں نہ ملی اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی نبی اس کو ایسا نہ ملا جس سے وہ اپنے اس کفریہ اصول کا ثبوت دیتا تو سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی کو اس نے بڑے تکلف اور افتراء کے ساتھ (معاذ اللہ) اس لعنتی عقیدہ کی مثال قرار دیا۔ گو یاد دنیا میں بقول اس کے یا مرزا صاحب تدریجاً نبی بنے ہیں یا (معاذ اللہ) آنحضرت ﷺ۔ صحیح بخاری کی جس حدیث کی دستاویز سے اس نے یہ افتراء کیا ہے اور اس کے فقرہ ”ولقد خشیت علی نفسی“ میں تحریف کر کے اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ابطال کی دلیل قائم کی ہے۔ یہ درحقیقت اس کی محض ذاتی رائے نہیں ہے۔ بلکہ یہ مرزا صاحب کا عقیدہ ہے جس کو اس نے مرزا صاحب کا تتبع اور وکیل ہونے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب (تمتہ حقیقت الوحی

ص ۱۴۰، خزائن ج ۲۲ ص ۵۷۸) پر لکھتے ہیں: ”آنحضرت ﷺ کو دیکھو کہ جب آپ پر فرشتہ جبرئیل ظاہر ہوا تو آپ نے فی الفور یقین نہ کیا، بلکہ حضرت خدیجہ کے پاس ڈرتے ڈرتے آئے اور فرمایا کہ: ”خشیت علی نفسی“ یعنی مجھے اپنے نفس کی نسبت بڑا اندیشہ ہوا ہے کہ کوئی شیطانی مکر نہ ہو۔“

اس میں بھی وہی بات ہے جو مختار مدعا علیہ نے کہی ہے۔ مختار صاحب نے نفس کا دھوکا کہا تھا۔ مرزا صاحب نے شیطانی مکر کہا۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نہ اپنے نبی ہونے کا یقین تھا نہ قرآن کے وحی الہی ہونے پر ایمان اور نہ جبرئیل کے فرشتہ اور ناموس الہی کا اعتبار۔ بلکہ نعوذ باللہ! آپ کو یہ سب کچھ نفس اور شیطان کا دھوکا اور مکر معلوم ہوتا اور مرزا صاحب کے ان اصول اور معیار شناخت وحی کے لحاظ سے جو نزول المسح کے مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہیں، وہ درحقیقت سب کچھ شیطان کا مکر اور نفس کا دھوکا تھا اور آنحضرت ﷺ معاذ اللہ! مورد وحی شیطانی ہیں اور قرآن کریم الہام شیطانی ہے۔ (اعاذنا اللہ من هذا)

مختار مدعا علیہ نے جو ”ولقد خشیت علی نفسی“ کے متنی میں مرزا صاحب کی تقلید کرتے ہوئے جو تحریف کی ہے، وہ محض خود غرضی پر مبنی ہے۔ ورنہ حدیث کے الفاظ میں نہ شیطانی مکر کا ذکر، نہ نفسانی دھوکا کا بیان۔ حاشا وکلا یہ وسوسہ آنحضرت ﷺ کو ہوا ہو۔

مختار مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ ورقہ بن نوفل سے آپ کو یہ پتہ چلا کہ درحقیقت یہ فرشتہ تھا، نہ شیطانی مکر۔ یہ بھی سراسر افتراء اور آنحضرت ﷺ کی توہین اور تکذیب ہے۔ تعجب ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی ہدایت کے لئے قیامت تک کے لئے منتخب فرمایا اور جبرئیل کو بھیج کر قرآن اس پر اتارا جائے۔ اس کو تو پتہ نہ چلے کہ میں رسول ہوں اور یہ جبرئیل ہے اور یہ قرآن ہے اور ایک نصرانی کو پتہ چل جائے اور اس کے کہنے سے حقیقت حال کا آپ کو ظلم ہو۔ مختار مدعا علیہ کے اس افتراء اور خواہش نفسانی کا بھی حدیث میں کوئی وجود نہیں ہے۔

لیکن غضب تو یہ ہے کہ بقول مختار مدعا علیہ ورقہ بن نوفل کے بیان سے حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ فترت الوحی کے ایک لمبے عرصہ میں پھر اسی شک اور تردد میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب جبرئیل نے بار بار آ کر کہا: ”یا محمد انک رسول اللہ حقاً“ کہ اے محمد آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو یقین آیا۔

ان افتراءت کے بعد مختار مدعا علیہ نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی نبوت کی صحت کا یقین اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بارش کی طرح ان پر وحی نہ ہو۔

اب ہم حدیث کا بقدر ضرورت اصل مطلب بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کو اپنی نبوت کا قطعاً اور یقیناً علم ہو گیا تھا، نہ شیطانی مکر کا اندیشہ تھا، نہ نفسانی دھوکا کا اندیشہ۔ کیونکہ اس بارہ میں مرزا صاحب نے جو فرمایا ہے کہ وحی الہی بڑی قوت اور زور اور تائید اور لذت اور چمکتے ہوئے چہرے سے اس طرح نازل ہوتی ہے کہ مورد وحی کو یقین اور اطمینان سے بھر دیتی ہے اور وہ شک کو کفر سمجھتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے جس کو اللہ تعالیٰ نبی بنا کر جبرئیل کے ذریعہ سے ان پر اپنا نورانی کلام نازل فرماتا ہے۔ اس کے دل میں ایک ضروری علم اس بات کا پیدا کر دیا جاتا ہے کہ جس سے اس کو قطعی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ اول المؤمنین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”امن الرسول بما انزل الیہ من ربه والمؤمنون“ اس میں لفظ ما عام ہے۔ یعنی رسول اور مؤمن ہر اس چیز پر ایمان لائے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل کی گئی۔ اگر بعض کلام الہی کی نسبت مدت تک اور اپنی نبوت میں ہی شک ہو جو منافی اور ضد ایمان ہے تو خدا تعالیٰ کی قرآن کریم میں یہ نازل کردہ آیت جھوٹ اور خلاف واقعہ ہوگی اور یہ امر قطعاً محال ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ”وانا اول المسلمین“ یعنی میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ مگر یہاں تو بقول مختار مدعا علیہ مرزا صاحب اول المؤمنین ورقہ بن نوفل ہوا اور معاذ اللہ! آنحضرت ﷺ اول الکافرین۔



دوسری وجہ ”خشیت علی نفسی“ کی جو ہم نے بیان کی وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اسی جگہ قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے۔ معجزہ عصا اور ید بیضاء کے عطا کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دونوں کے ساتھ فرعون اور فرعونوں کی طرف جاؤ تو باوجود معجزات حضرت موسیٰ عرض کرتے ہیں کہ چونکہ میں نے ان کا ایک آدمی مار دیا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ مجھے قتل نہ کر دیں جس پر اللہ تعالیٰ نے بطور تسلی فرمایا کہ ہرگز نہیں تم اور تمہارے تابعین غالب ہوں گے۔ پس جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود معجزات کے فرعون کی ایذا قتل وغیرہ کا اندیشہ ظاہر کیا تو اگر آنحضرت نے اپنی قوم کی ایذا رسانوں کے اندیشہ سے ولقد خشیت علی نفسی فرمایا ہے تو اس کو کیوں کسی غلط عمل پر حمل کیا جائے بلکہ آپ کا خشیت علی نفسی فرمانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی نبوت کا کامل یقین ہو گیا تھا اور ان باتوں کو جو آپ کو اس منصب کی ادائیگی میں قوم کے نہ ماننے اور ایذا رسانوں کی قسم سے پوش آنے والی تھیں مد نظر رکھ کر ”ولقد خشیت علی نفسی“ فرمادیا جس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دی اور جن الفاظ میں آپ نے تسلی دی وہ بھی اسی امر کا صاف قرینہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ باقی رہا آنحضرت ﷺ کا فترت الوحی یعنی زمانہ التواء میں پہاڑ پر جانا اور بے چینی وغیرہ جو معمر کی روایت میں ہے۔ بخاری نے اس کو باسناد بیان نہیں کیا، بلکہ حسب تصریح تراجم حدیث حافظ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ یہ بلاغات زہری میں سے ہے اور موصول نہیں ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کا قول۔ حالانکہ اس میں آنحضرت ﷺ کے ارادہ کو ذکر کیا گیا ہے جو بغیر تصریح آپ کے قابل تسلیم نہیں اور آپ کی تصریح نادر و محذوٰبہا واقعہ یعنی شہادت سے تعلق رکھتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وحی کے نہ آنے سے بے چینی اور کرب تھا اور اشتیاق بے حد زیادہ تھا جس کی وجہ سے آپ انہی پہاڑوں پر تشریف لے جاتے تھے تاکہ پھر وہی لذت نزول وحی حاصل ہو۔ پس یہ تو ایک بین دلیل اس امر کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ مگر شیطانی اور دھوکا نفس کا نہ تھا۔ جیسا کہ مختار مدعا علیہ کا خیال فاسد ہے۔ اگر اس قسم کا خطرہ آپ ﷺ کے قلب مقدس میں ہوتا تو آپ ﷺ اس خطرہ کے مقام میں بار بار کیوں جاتے۔ خطرہ کے مقام سے تو انسان بھاگتا ہے نہ کہ اس کی طرف دوڑتا ہے۔

بیان مذکور بالا سے ثابت ہو گیا کہ مختار مدعا علیہ کا وہ اصول جو اس نے بڑے تکلف اور تحریف کر کے مرزا صاحب کی تقلید میں ایجاد کیا ہے، اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کا بدیہی طور پر ابطال ہوتا ہے اور درحقیقت اس حدیث میں جس کو اس نے اپنی دستاویز بنایا ہے، یہ خبیث مضمون نہیں ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ بفرض محال اگر اس میں یہ مضمون بھی ہوتا تو بھی مرزا صاحب کے اصول کے مطابق یہ لازم تھا کہ اس حدیث کو ردی کی ٹوکری میں مختار مدعا علیہ اور مرزا صاحب پھینک دیتے۔ کیونکہ اس سے آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے اور تکذیب بھی ایسی صاف۔ جیسا کہ آفتاب نیم روز اور جب کہ مرزا صاحب اپنے الہام کے مخالف جو حدیث ہو اس کو ردی میں ڈال دیتے ہیں تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور صداقت کے برخلاف حدیث کو کیوں نہ ردی میں پھینکا۔ بلکہ اس کو ایک اصل اصول قرار دیا اور نہایت تکلف اور انتہائی تکلف سے اپنی مطلب برآری کی تاکہ مرزا صاحب کی ذات سے وہ اٹل اعتراض دور ہو سکے جو مختار مدعی نے کیا۔ لیکن اس خیال است و محال است و جنوں وہ اعتراض ہرگز دفع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے پندرہ بیس سال مامور من اللہ ہو کر دعویٰ نبوت کا انکار کیا ہو۔ بلکہ اس دعویٰ کو کفر قرار دیا ہوا اور بیس برس کے بعد اسی کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر قرار دیا ہو۔ ”وان فی ذالک لعبرة الاولی الالباب“

قول مختار مدعا علیہ:

دیکھنا چاہئے کہ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے کس حکمت سے آہستہ آہستہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ تبلیغ کے آگے کچھ تفصیل کی ہے۔

**الجواب:** یہ بالکل بحث سے غیر متعلق ہے۔ کیونکہ بحث مرزا صاحب کے خاص تدریجی دعویٰ میں جس کی کیفیت اوپر مذکور ہوئی ہے۔ تدریجی تبلیغ میں بحث نہیں ہے۔ لیکن تدریجاً تبلیغ سے تدریجی دعویٰ کا نتیجہ اخذ کرنا، جیسا کہ مختار مدعا علیہ نے کیا ہے اور کہا ہے مذکورہ بالا ترتیب سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے تدریجی طور پر اپنے رسول سے اپنا دعویٰ لوگوں تک پہنچانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اس کی خوش فہمی ہے یا صریح مغالطہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے مرزا صاحب کی طرح یہ فرمایا تھا کہ بیس سال رسالت کا دعویٰ نہ کرو اور محدثیت کا دعویٰ کرو اور دعویٰ نبوت کو کفر کہو اور بیس سال کے بعد جو دعویٰ نبوت کرو اور جو نہ مانے اس کو کافر قرار دو، یا پہلے آدھے نبی بنو پھر تمام نبی بن جاؤ۔

مختار مدعا علیہ نے اس کے بعد بعض حدیثیں پیش کی ہیں کہ پہلے آپ نے فرمایا کہ مجھے موسیٰ پر بڑائی نہ دو۔ پھر فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے اور آپ نے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کیا اور فرمایا کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔ پھر تمام اولین و آخرین کا سردار ہونے کا دعویٰ کیا۔

جواباً گزارش ہے کہ یہ چیزیں مختار مدعا علیہ کے تدریجی دعویٰ مرزا صاحب کو ثابت نہیں کرتیں اور نہ آپ ﷺ نے کوئی ایسا دعویٰ کیا جس کو پہلے کفر قرار دیا ہو۔

یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، کا حکم محض بطور توضیح کے تھا اور اس تعلیم کے لئے کہ مجھے بھی کہیں بعد میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح غلو سے شان عبودیت اور نبوت سے بڑھا یا نہ جائے اور تاکہ یونس علیہ السلام کے اس مواخذہ الہی کی وجہ سے جو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی شکل میں ہوا ان کی تحقیر کا خیال غلط فہمی سے کسی کے دل میں نہ آنے پائے۔ اس لئے فرمایا کہ نفس نبوت کے لحاظ سے ہم دونوں یکساں ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ پہلے آپ یونس علیہ السلام سے شان میں کم ہونے کے مدعی تھے، بعد میں زیادہ ہونے کے مدعی بنے۔

موسیٰ علیہ السلام کا ایک خاص واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت مت دو۔ یعنی اس خاص واقعہ مذکورہ میں ان کو فضیلت جزئی حاصل ہے اور دوسری حدیث میں اپنی فضیلت کلی کا بیان ہے اور یہ امر مسلم فریقین کے مفضل کو فاضل پر فضیلت جزئی ہو سکتی ہے۔ پس کوئی نیا دعویٰ نہیں۔ خاتم النبیین آپ ابتداء نبوت سے تھے۔ لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں تھے۔ البتہ اس کے قرآن میں نزول کا وقت مسئلہ متنبہی کے ابطال کے موقع پر علم الہی میں تھا۔ کیا آپ نے کبھی خاتم النبیین ہونے سے انکار کیا تھا اور اپنے خاتم النبیین ہونے کو کفر قرار دیا تھا تاکہ مرزا صاحب کے استدراجات پر اس سے دلیل پکڑی جائے۔ غرض مختار مدعا علیہ کی یہ سب غیر متعلق اور بے ربط باتیں ہیں جن کو استدلال کے مقام میں پیش کرنا غلط فہمی ہے۔ مختار مدعا علیہ کا اعتراض اس سے دفع نہیں ہو سکتا۔

مختار مدعا علیہ مرزا صاحب کے دعاوی مختلف اور متناقضہ کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: براہین احمدیہ میں آپ کو مثیل مسیح ہونے کا الہام ہو چکا تھا اور چونکہ آپ پر وفات مسیح کا مسئلہ مشکف نہ ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے لکھ دیا کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں۔

اور چونکہ نبی اور رسول کے معنی یہ سمجھے جاتے تھے جو نئی شریعت لائے یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرے اور آپ پر نبی و رسول کی تعریف صادق نہ آتی تھی۔ اس لئے اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔

لیکن جب آپ پر وفات مسیح کی حقیقت کا انکشاف ہوا اور معنی نبوت بھی بتلائے گئے جو آپ پر صادق آتے تھے تو آپ نے کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور میں محدث نہیں بلکہ نبی اور رسول ہوں۔

**الجواب:** بارہ برس تک تو آپ پر قرآن اور الہام سے اور احادیث و جماع سے یہ ثابت ہوتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ مسیح موعود ہیں اور مثیل مسیح آپ جیسا کہ ہم ”عقیدہ حیات مسیح شرک عظیم ہے“ کی بحث کے جواب میں ثابت کر آئے ہیں۔ جب دیکھا کہ مرید

یہاں تک معتقد ہو چکے ہیں کہ بات مان جائیں گے تو کہہ دیا کہ مجھے الہام ہو گیا کہ مسیح ابن مریم رسول فوت ہو چکا ہے اور ہم مثیل مسیح نہیں، بلکہ مسیح موعود ہیں۔ غرض پہلے عقیدہ کا نقیض عقیدہ شائع کیا۔

اور بقول مختار مدعا علیہ جب کہ درحقیقت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول مرزا صاحب کو مسلمانوں کے غلط اور مشرک نہ عقیدہ سے کیوں نہ روکا۔ کیا اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو بارہ برس تک مشرک بنا رکھا کوئی پر لطف مشغلہ تھا اور بحکم ”لا ینال عہدی الظالمین“ یعنی ظالم مشرک کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ مرزا صاحب کے ابطال نبوت پر دلیل قائم کرنے کے بعد اس کو نبوت دے دے۔ خدا کے فعل میں یہ تناقض کیونکر جائز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی شان ایسے اقوال اور افعال متناقضہ سے ارفع اور بلند ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ مختار مدعا علیہ کی توجیہ باطل اور مختار مدعا علیہ کا اعتراض درست ہے۔

اسی طرح یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرے اور قسمیں کھا کھا کر کہے میں مجازی نبی ہوں، جزئی نبی ہوں، صرف محدث ہوں اور یہ بھی کہے کہ محدث نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور جو دعویٰ نبوت کرے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے۔ پندرہ بیس سال کا عرصہ دراز سے وہ یہی کہتا رہے۔ لیکن اتنے سال گزرنے کے بعد وہ یہ کہہ دے کہ میں چونکہ یہ نہیں جانتا تھا کہ نبی کس کو کہتے ہیں۔ اس لئے میں نبوت کے دعویٰ سے انکار کرتا رہا ہوں۔ ورنہ میں تو بیس سال سے نبی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے سے نبی بنا رکھا تھا۔ میں محدث نہیں تھا اور نہ دروازہ نبوت بند تھا۔ بلکہ وہ صاف چوٹ کھلا تھا۔ عقل اور شرع ہرگز یہ باور نہیں کر سکتی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو نبی بنا دے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ نبوت کیا چیز ہے۔ خدا نے تو اس کو نبی بنایا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں دعویٰ نبوت کروں تو کافر ہوتا ہوں، بلکہ میں تو محدث ہوں اور نہ عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو نبی بنا کر اس کو نبوت کا مفہوم بھی بیس سال تک نہ سمجھائے۔ لہذا مختار مدعا علیہ کی یہ توجیہ بالکل لغو اور باطل ہے اور مختار مدعا علیہ کا اعتراض بالکل درست ہے کہ مرزا صاحب مریدوں کی برداشت کے مطابق آگے آگے قدم بڑھائے چلے گئے۔ مرزا صاحب بقول خود پہلے اپنی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے اور چونکہ کافر نبی نہیں ہو سکتا۔ بحکم ”لا ینال عہدی الظالمین“ اس لئے دوبارہ دعویٰ نبوت کر کے ڈبل کافر ہوئے اور تمام امت سیدالابرار کی تکفیر کر کے مثلث کافر ہوئے۔

## گواہان مدعیہ کی شہادتیں

اس ہیڈنگ کے تحت (۷) نمبر نقل کر کے مدعیہ کی گواہوں کو ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی لا حاصل سعی کی ہے جن کا خلاصہ کل

چار (۴) امور ہیں۔

- ۱..... مولویوں کی شہادت معتبر نہیں۔
- ۲..... بعض بزرگ خود تعارضات و کذب بیانی۔
- ۳..... ان علماء پر خود فتویٰ کفر ہے، لہذا علماء اسلام ہوں۔
- ۴..... ان کے خلاف خواجہ صاحب کی شہادت موجود ہے۔ مگر میں مختار مدعا علیہ کے قائم کردہ قانونی نمبروں پر اسی ترتیب سے بحث کرتا ہوں تاکہ عدالت عالیہ کو مختار مدعا علیہ کا مغالطہ تفصیلاً معلوم ہو جائے۔ گواہان مدعیہ کی عدم قبول شہادت کے وجوہات۔

وجہ اول: خلاصہ۔

- ۱..... گواہان مدعیہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت سے اظہار بغض و عناد کرتے رہے اور ان پر حکم کفر و ارتداد لگایا۔ حالانکہ یہ عدالت کا حق تھا نہ ان کا۔

- ۲..... ہدیہ مجددیہ سے مبسوط میں ہے کہ امام مالک کا یہ مذہب ہے کہ مخالف علماء کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں۔
- ۳..... مخالف علماء کی شہادت فاضل حج مدراس ہائی کورٹ احمدیوں کے خلاف مقدمہ مندرجہ عنوان ذیل میں قبول نہیں کی اور پھر انڈین کیسز سے وہ حوالہ اور کچھ عبارت نقل کی۔

### الجواب:

۱..... اگر امور متنازعہ جس کے واسطے شاہد پیش ہوئے تھے۔ اس کے سواء کوئی اور وجہ عناد ذاتی عداوت پہلے کی مقدمہ بازی تو کئی دوسری رنجش نکل آئی تو ضرور اس سے ان شاہدوں اور ان کی شہادت پر زد آتی۔ مگر جب کہ یہ شاہد صرف مرزا صاحب اور ان کی جماعت کا کفر و ارتداد قرآن وحدیث واقوال سلف سے ثابت کرنے کے واسطے پیش ہوئے ہیں۔ پس ان کا ان دلائل کو مرزا صاحب اور ان کے متبعین پر منطبق کر کے کفر و ارتداد کا نتیجہ نکالنا نہ عدالت کے اختیارات میں مداخلت ہے نہ ان کا کسی سے بغض عناد کا اظہار ہے جو ان کی شہادت کو خراب کر سکے۔

بخلاف مرزا صاحب کی جماعت کے کہ ان کا شیوہ ہی حسد و عناد ہے۔ اس کے واسطے خود مرزا صاحب کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوا اشتہار لمحقہ شہادت القرآن میں اوپر سے اپنی جماعت کا ذکر کر کے کہتے ہیں: ”اخی مکرم! ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے کوئی خاص اہلیت اور شخصیت اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور للہی محبت باہمی پیدا نہیں کی میں (مرزا صاحب) دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بناء پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بردا من ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر گلہ ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کرتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفساقتی بحثیں ہوتی ہیں۔“

(اشتہار لمحقہ شہادت القرآن ص ۲، جزائن ج ۶ ص ۳۹۵)

”بلکہ بعض میں ایسی بے تہذیبی ہے کہ اگر ایک بھائی ضد سے اس کی چار پائی پر بیٹھا ہے تو وہ شخص اس کو اٹھانا چاہتا ہے اور اگر نہیں اٹھتا چار پائی الٹا دیتا ہے اور اس کو نیچے گرا دیتا ہے۔ پھر دوسرا فرق نہیں کرتا اور وہ اس کو گندی گالیاں دیتا ہے اور تمام بخارات نکالتا ہے۔ یہ حالات ہیں جو میں اس مجمع میں مشاہدہ کرتا ہوں تو دل کباب ہوتا ہے اور جلتا ہے اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو انسان آدم سے اچھا ہے۔“

(اشتہار لمحقہ شہادت القرآن ص ۳، جزائن ج ۶ ص ۳۹۶)

پس گواہان مدعیہ کا تو بغض و عناد ثابت نہ ہوا، مگر گواہان مدعا علیہ کا بے اعتبار ہونا ضرور ثابت ہے۔ نیز ان کی شہادت جماعت احمدیہ یا اس کے کسی ممبر کے حق میں اس لئے قبول نہیں کہ ان کے یہ گواہ ایک ممبر ہیں اور غیر احمدیوں کے خلاف اس لئے وقعت نہیں کہ ان کا فرض ہے کہ ساری دنیا کو دشمن سمجھیں جب تک کوئی احمدی نہ ہو جائے۔ گو کتنا ہی ہمدرد ہو۔ ملاحظہ ہو خطبہ۔

لہذا ان گواہوں کی شہادت محض ناقابل التفات ہے۔

باقی ہدیہ مجددیہ کا حوالہ۔

- ۱..... اولاً ہدیہ مجددیہ کوئی مسلم کتاب ہی نہیں نہ جرح میں مطالبہ پر پیش کر سکے نہ مصنف کا نام بتا سکے نہ اب تک اس کے مسلک سے واقفیت۔
- ۲..... دوسرے اس میں جو مبسوط کا حوالہ ہے اسے گواہ مدعا علیہ نے دیکھا ہے نہ واقفیت ہے نہ یہ پتہ کہ اس میں یہ عبارت ہے بھی یا نہیں۔
- ۳..... دوسری کتب فقہ میں امام مالک سے اس کے خلاف روایات موجود ہیں اور علماء کی شہادتوں کو غیر اہل علم پر راجح مانتے ہیں۔
- ۴..... یہ عقلاً بھی غیر معقول ہے کہ بلا استثناء تمام علماء کی شہادت نامقبول ہو پھر تو شہادت کے لئے جہالت بھی ایک شرط لگا دینی ہوگی اور



صرف جہال کی شہادت قبول ہوا کرے گی۔

۵..... یہ حکم صریح قرآن کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہاں علماء کے مدارج، علماء کا تذکرہ اور انہیں کو صرف خدا کا خوف نشیہ رکھنے والا قرار دیا گیا ہے۔

”یرفع الله الذین آمنوا منکم..... تا..... والذین اوتوا العلم درجات“

”انما یخشى الله من عباده العلماء“

۶..... احادیث کے بھی خلاف ہے: ”فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم“ عالم کی عابد پر وہ فضیلت ہے جو میری تم میں ادنیٰ پر۔

۷..... اگر امام مالک کے زمانہ کے علماء مراد ہوں تو یہ بھی غلط ہے۔ زمانہ تابعین اور بیس حدیث خیر القرون ہے۔ اس زمانہ کے علماء کو مصابیح الہدیٰ مستقل ہدایت قرار دیا گیا ہے۔

۸..... اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی نہ فریق مدعیہ مالکی نہ عدالت نہ مدعا علیہ۔ پس یہ حجت کس پر ہوگا اور اگر صرف مسلمان امام کسی جماعت کا ہونا حجت کے لئے کافی ہے تو محمد علی صاحب ایم۔ اے باوجود احمدی ہونے کے فریق مدعا علیہ کو کیوں مسلم نہیں۔

غرض یہ حوالہ کوئی بھی مدعیہ کے گواہوں کی شہادت کو ناقابل اعتبار نہیں ثابت کر سکتا۔ مفصل اصل بحث و جرح گواہان مدعا علیہ میں موجود ہے۔

۹..... یہ مدارس ہائی کوٹ کی نظیر مقدمہ زیر سماعت سے بوجہ ذیل غیر متعلق ہے۔

الف..... یہ عدالت فوجداری کی ہے اور عدالت فوجداری کا فیصلہ عدالت دیوانی میں بطور حجت صرف بریت یا سزا یا بی ثابت کرنے کے لئے پڑھا جا سکتا ہے۔ سوائے اس کے اور کسی کام کے لئے نہیں پڑھا جا سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دلائل و وجوہ اور شہادت اس فوجداری کے مقدمہ میں ہوئی ہیں وہ دیوانی کے مقدمہ میں غیر متعلق سمجھی جاتی ہیں۔

ب..... جو فیصلہ عدالت فوجداری میں ہوتا ہے وہ مابین سرکار قبضہ ہند اور ملزم کے ہوتا ہے اور عدالت دیوانی میں سرکار فریق نہیں ہوتی۔ اس لئے عدالت فوجداری کا فیصلہ درمیان ایک ہی فریق کے ہونا پایا نہیں جاتا نہ حجت میں پیش ہو سکتا ہے۔

ج..... جو تحقیقات عدالت فوجداری کے سامنے ہوتی ہیں اور جو طریقہ ان کے ثابت کرنے اور ان پر حکم کرنے کا ضابطہ فوجداری میں ہے وہ عدالت دیوانی کے سامنے نہیں ہوتا ہے۔ عدالت دیوانی کے سامنے تحقیقات بھی دوسری قسم کی ہوتی ہیں اور طریقہ تصفیہ تحقیقات بھی ضابطہ دیوانی کے مطابق ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر گزارش ہے ایک شخص نے عدالت فوجداری میں دوسرے شخص پر چوری کا دعویٰ کیا اور وہ دعویٰ خارج ہو گیا۔ اب اگر وہ دوسرا شخص عدالت دیوانی میں پہلے شخص پر چور کی نالاش کر کے کچھ وصول کرنا چاہے تو اس کو عدالت دیوانی میں پوری شہادت اس بات کی پیش کرنا پڑے گی کہ جو دعویٰ اس کے خلاف پہلے شخص نے کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ فیصلہ سے صرف اس کی بریت ثابت ہوگی۔ یہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ پہلے شخص کا دعویٰ جھوٹا تھا۔

ملاحظہ ہو (قانون شہادت امیر علی مطبوعہ ۱۹۲۱ء ص ۳۹۵ تا ۳۹۸) لہذا یہ نظیر بالکل غیر متعلق اور گواہان مدعیہ پر کسی طرح اثر انداز نہیں۔

وچہ دوم: خلاصہ۔

گواہان مدعیہ کے بیانات اصول مسائل میں ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔

## تناقض نمبر ۱

گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے ۲۹ اگست بجواب جرح کہا کہ: ”عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔“ اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے ۳۱ اگست بجواب جرح کہا وحی نبوت نہیں آئے گی نہ کسی نئے پر نہ پرانے پر۔ الجواب: یہ تناقض کوئی نہیں، صرف مختار مدعا علیہ کی غلط فہمی سے پیدا ہو گیا۔ اس نے غالباً اس کے سوا کے لفظ سے جملہ کو علیحدہ مانا اور لفظ سوا سے عیسیٰ کی وحی کے سوا سمجھا۔ حالانکہ وہاں اس سے قبل وحی کا ذکر تک نہیں ہے۔ بلکہ صرف عیسیٰ کے نبی ہونے کا ذکر ہے۔ لفظ اس کے سوا کے معنی بغیر اس کے نہیں اور اس سے وہ وحی مراد ہے جس کو وحی نبوت قرار نہیں دیا، بلکہ صرف اطلاق لفظ وحی اس پر بتایا ہے وہی عیسیٰ علیہ السلام والی وحی ہے۔ کل پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں سوا اس کے بغیر اس کے کہ جو ان پر وحی ہو وہ وحی نبوت ہو (بلکہ) لفظ وحی کا (صرف) اس پر اطلاق ہوگا۔ لہذا گواہ نمبر ۴ کا مطلب اور اس کی عبارت بالکل صاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے نبی تو ہیں مگر ان کی وحی نبوت نہیں اور بعض احادیث میں جو اس کی نسبت لفظ وحی ہے وہ صرف لفظ وحی کا اعجازاً اطلاق کیا گیا ہے۔ ورنہ وہ دراصل بمعنی الہام ہے جیسا کہ وحی کے بیان اور نیز اسی جرح میں مصرح ہے اور یہی گواہ نمبر ۴ بھی کہہ رہا ہے کہ وحی نبوت کسی پر نہ آئے گی نہ کسی نئے پر نہ پرانے پر۔ دونوں بعد آنحضرت ﷺ وحی نبوت کا مطلقاً انسداد فرما رہے ہیں۔ پس تعارض کب ہے نہ آپس میں تعارض ہے نہ بیانات سے۔ یہ مختار مدعا علیہ نے لفظ اس کے سوا کے غلط معنی لے کر تعارض کا مغالطہ دے دیا ہے ورنہ یہاں تعارض کا شبہ تک نہیں۔

## تناقض نمبر ۲

گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے ۱۲ اگست بجواب جرح تسلیم کیا کہ: ”مسج پر اگر کوئی جبرئیل کے نزول کا قائل ہو تو اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا اور پھر حج اکرامہ کی عبارت کی تردید نہیں کرتا۔ اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے ۳۱ اگست کو کہا کہ جبرئیل وحی لے کر رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی شخص پر نازل نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ان پر جبرئیل علیہ السلام نہ آئیں گے۔ الجواب: اس میں بھی تناقض کا کوئی احتمال تک نہیں۔ جو عقیدہ گواہ نمبر ۴ نے بیان کیا بعینہ یہی گواہ نمبر ۱ کا ہی عقیدہ ہے۔ جیسا کہ اس کے بیانات و جرح سے مصرح ہے۔ البتہ مختار مدعا علیہ نے اس کی جرح کا جو ٹکڑا نقل کیا ہے اس سے وہ مغالطہ دے کر اسے گواہ کا عقیدہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اس میں وہ عقیدہ نہیں بتا رہے، بلکہ یہ مسئلہ بتا رہے ہیں کہ اگر کوئی عیسیٰ علیہ السلام پر نزول جبرئیل کا قائل ہو تو صرف اس وجہ سے وہ کافر نہ ہوگا (یہ نہیں کہ میں نزول جبرئیل کا قائل ہوں) کیونکہ لفظ وحی کو مجازاً صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ لہذا اس مغالطہ سے وہ معذور ہے اور اس اشتباہ کی وجہ سے وہ ضروریات دین کے ان قطعی شعبوں سے نہ رہا جن کا منکر کافر ہو جائے۔ جب تک دوسرے قرآن متعین مراد کے نہ ہوں۔

اس کمزوری اور مثبت مدعا نہ ہونے کا احساس مختار مدعا علیہ کو یہی ہوا کہ اس سے تو عقیدہ ثابت نہ ہوگا بلکہ یہ تو دوسرے کے متعلق فتویٰ بتا رہے ہیں۔ لہذا مکمل مغالطہ کے لئے فوراً یہ اضافہ کیا کہ: ”حج اکرامہ کی عبارت ظاہر است..... تانے کم کی تردید نہیں کرتا..... الخ!“ وہاں تو تردید و تسلیم کا سوال ہی نہیں۔ صرف اس کتاب میں ہونے کا سوال ہے۔ اسی کا اقرار نہ اس کی تسلیم کا سوال تھا نہ تردید کا نہ سوال ہو سکتا تھا۔ کیونکہ نواب صاحب پہلے سے معلوم ہے کہ ہمارے مسلم نہیں۔ پھر ہم پر ان کا قول کیوں حجت ہو سکتا ہے۔ عدالت خود اصل جرح سے مقابلہ فرمائے۔ وہاں تسلیم و تردید کا کوئی سوال نہیں اور نہ گواہ نے اسے تسلیم کیا نہ اسے اپنا عقیدہ قرار دیا، بلکہ اس کے خلاف جرح اور اس کے بیان میں تصریح ہے۔ پس ہر دو گواہوں کا عقیدہ ایک ہی ہوا کہ بعد آنحضرت ﷺ نزول جبرئیل نہ ہوگا۔ اب ان کا نہ ماننے والا کافر ہوگا یا نہ، یہ اور بحث ہے جیسا کہ بیان وحی میں گزر چکا۔

## تناقض نمبر ۳

گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے بیان میں لکھوایا ہے کہ کتب لغت میں سے کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا کہ جس سے قطعاً و یقیناً یہ ثابت ہو کہ خاتم التبتیین کے معنی آخر التبتیین کے سوا اور بھی ہو سکتے ہیں۔ پس لغت و قواعد کی رو سے اس کے معنی آخر التبتیین ہی کے ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے ۲۹ اگست بجواب جرح تسلیم کیا کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ ”خاتم“ بفتح التاء مہر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

**الجواب:** عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ اس تعارض کے ثابت کرنے میں مختار مدعا علیہ نے کس قدر شرمناک مغالطہ دیا ہے اور صریح غلط بیانی کی ہے۔ گواہ مدعیہ نمبر ۱ تو پورے لفظ خاتم التبتیین کے معنی لغت سے صراحتاً صرف آخر التبتیین بتاتا ہے اور گواہ مدعیہ نمبر ۳ صرف لفظ خاتم مفرد کے معنی مہر کے بھی بتاتا ہے۔ اس میں تعارض کب ہے۔ ہاں! دونوں لفظ خاتم مفرد کے معنی بتاتے یا دونوں اسی لفظ خاتم التبتیین کے معنی مختلف بتاتے تو تناقض بھی ہو سکتا تھا۔ یہاں پہلے قول کا موضوع اور ہے اور دوسرے قول کا اور۔ ایک مضاف اور مخصوص لفظ کے معنی بتاتا ہے دوسرا مفرد کے۔ اس اختلاف موضوع کے بعد تناقض کہاں رہا۔ تناقض کے واسطے آٹھ شرطیں ہیں جن میں وحدت موضوع بھی ہے۔

درتناقض ہشت وحدت شرط دان وحدت موضوع و محمول و مکان وحدت شرط و اضافت جزو کل قوت و فعل است در آخر زمان یہاں نہ وحدت موضوع نہ وحدت محمول نہ وحدت شرط پھر تناقض کیا۔

علاوہ اس کے مختار مدعا علیہ نے گواہ مدعیہ نمبر ۳ کے الفاظ بھی غلط نقل کئے ہیں۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ: ”لغت میں خاتم بمعنی مہر و آخر دونوں معنوں میں ہے۔“ اس کے الفاظ بدل کر غلط بیانی کی ورنہ کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔

## تناقض نمبر ۴

گواہ مدعیہ الف و ب کا بیان ہے کہ وحی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ نبوت نہیں۔ کیونکہ وحی لازم نبوت ہے۔ اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے بجواب جرح ۲۴ اگست تسلیم کیا کہ: ”آحضرت ﷺ کے بعد مطلق وحی کے دعویٰ کو کفر نہیں کہا جاسکتا۔“ گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے ۲۹ اگست کو یہ بھی تسلیم کیا کہ: ”مسح پر وحی نبوت ہوگی اور اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں۔“ پھر گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے بحوالہ فتوحات اور نمبر ۴، ۳ نے کہا کہ: ”آحضرت ﷺ کے بعد وحی ہو سکتی ہے۔“ اور گواہ نمبر ۴ نے کہا کہ: ”مسح علیہ السلام پر غیر تبلیغی وحی ہوگی۔“

**الجواب:** گواہ الف و ب و گواہ نمبر ۴ کے قولوں میں کوئی تناقض نہیں، محض مغالطہ ہے۔ کیونکہ فریق اول یعنی نمبر الف و ب نے جس وحی کی نفی کی ہے وہ وہی ہے جو لازمہ نبوت۔ یعنی وحی نبوت نہ مطلق وحی اور گواہ نمبر ۳ صاف آحضرت ﷺ کے بعد مطلق وحی کے دعویٰ کا کفر نہ ہونا بتاتا ہے نہ وحی نبوت کا۔ اگر دونوں مطلق وحی کے نہ ہونے یا دونوں وحی نبوت کے ہونے نہ ہونے میں اختلاف کرتے تو ضرور تناقض ہوتا۔ یہاں تو اول وحی نبوت کی نفی کرتا ہے اور دوم یعنی گواہ نمبر ۴ مطلق وحی کا اثبات۔ پس کسی طرح بھی تناقض و تعارض کا شائبہ نہیں۔ محض مغالطہ ہے۔

یوں ہی گواہ مدعیہ نمبر ۳ سے ۲۹ اگست کا جو فقرہ نقل کیا ہے کہ مسح پر وحی نبوت ہوگی اور اس کے سوا..... الخ!

یہ محض غلط ہے یہ وہی فقرہ ہے جس کا نقل تناقض نمبر ۱ میں پیش کر چکا۔ عدالت مختار مدعا علیہ کی اس خیانت کو خود ملاحظہ فرمائے کہ یہ ایک فقرہ تناقض نمبر ۱ میں دوسرے الفاظ میں نقل کیا اور پھر اس نمبر ۴ میں دوسرے الفاظ میں اور بات صرف اس قدر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تو ہوں گے سوا اس کے کہ ان پر وحی نبوت ہوگی گو اطلاق لفظ وحی مجازاً ہو جیسا کہ مکمل تشریح تناقض نمبر ۱ میں کر چکا ہوں اب اس کا کوئی بھی تعارض گواہ مدعیہ نمبر ۲، ۳ سے نہیں رہا۔ کیونکہ وہ بعد آنحضرت ﷺ وحی نبوت نہیں بتلاتے بلکہ مطلق وحی کا ہوسکتا کہتے ہیں۔ یوں ہی گواہ نمبر ۴ غیر تبلیغی وحی بتاتا ہے جو بمعنی الہام ہے نہ کہ وحی نبوت جو تبلیغی و حقیقی ہوتی ہے۔ پس گواہوں کے بیانات و جرح اور ایک دوسرے میں ایک ذرہ برابر تعارض نہیں اور ایسے واضح ہیں کہ اگر جواب نہ دیا جائے تو بھی عدالت ملاحظہ کے وقت مختار مدعا علیہ کا مغالطہ سمجھتی ہے۔

## تناقض نمبر ۵

گواہ نمبر ۲ نے ۲۴ اگست کو بجواب جرح کہا کہ: ”عیسیٰ رسول الی بنی اسرائیل تھے اور ہیں نہ پہلے وہ ہماری طرف مبعوث ہوئے تھے نہ اب اور جب آئیں گے تو وہ منصب نبوت پر نہ ہوں گے۔“

اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح کہا کہ: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور ان کے نزول کے وقت جو شخص نہ مانے گا وہ مسلمان نہ ہوگا۔“

الجواب: گواہ مدعیہ نمبر ۲ بھی انہیں رسول بنی اسرائیل مانتے ہیں اور نمبر ۴ بھی۔ مسلوب التبوۃ ورسالت کوئی بھی نہیں مانتا۔ یہ کہنا کہ یقیناً کفر ہے۔ ہاں! منصب نبوت پر کسی کے نزدیک نہیں۔ پس وہ رسول بمعنی اس کے ہیں کہ رسالت سلب نہیں ہوئی اور امتی باعتبار اس موجودہ زمانہ کے بھی جو انہیں پہلے کا رسول نہ مانے یعنی مسلوب التبوۃ کہے وہ یقیناً کافر ہوگا مسلمان نہیں۔ جیسا کہ گواہ نمبر ۲ نے کہا اور اب اس امت میں جو انہیں منصب نبوت یا رسالت پر مانے وہ ختم نبوت کے خلاف کہہ رہا ہے۔ اس کے بھی اسلام کا اعتبار نہیں اور نبوت و منصب نبوت یا رسالت و منصب رسالت کا مفصل بیان اسی گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے بوضاحت اپنی شہادت میں خارجی امثلہ و دلائل واضح سے دیا ہے۔ اس کے بعد تناقض خیال کرنا کھلا ہوا مغالطہ ہے۔ ہرگز کسی قسم کے تعارض کا شائبہ تک نہیں۔ نیز جرح کے نقل الفاظ میں بھی خیانت کی ہے۔ خصوصاً گواہ مدعیہ نمبر ۴ کے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”جب عیسیٰ بن مریم آئیں گے تو جو ان کو تسلیم نہ کرے گا وہ مسلمان نہیں، اب بھی اگر اس کو کوئی نہیں مانتا۔ ہم اسے مسلم نہیں مانتے۔“

یہاں ان کے رسول و غیر رسول ہونے کا کوئی ذکر نہیں، اپنی طرف سے اضافہ کر کے مغالطہ دے دیا ہے اور جہاں رسول ہونے کا ذکر ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ: ”رسول ہوں گے ان پر وحی نہ ہوگی۔“

یہاں ان کے منکر کے کفر و اسلام کا ذکر نہیں۔ بہر حال پیش کردہ وہ الفاظ جرح کے الفاظ نہیں۔ اپنی طرف سے حاشیہ لگا کر مغالطہ دیا اور تعارض و تناقض ثابت کرنے کی لا حاصل سعی کی۔ حالانکہ کسی طرح گواہان مدعیہ کی شہادتوں میں تناقض ثابت نہیں ہو سکتا اور باوجود اس قدر شرمناک خیانتوں کے مختار مدعا علیہ کوئی ایک بھی تناقض نہ ثابت کر سکا۔

## تناقض نمبر ۶

گواہ نمبر ۱ نے ۲۱ اگست کو بجواب جرح کہا کہ آیت: ”ماکان لبشر“ میں جو طرق بیان کئے گئے ہیں وہ امت محمدیہ پر بند ہیں۔ اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے ۲۹ اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا کہ: ”ام موسیٰ و مریم پر جو وحی ہوئی وہ قرآن کے بیان کردہ تین طرق میں داخل ہے۔“

اور گواہ نمبر ۲ کے نزدیک ”وہ وحی جو وحی نبوت نہ ہو وہ امت محمدیہ کے افراد کو ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مریم اور ام موسیٰ کو ہوئی کیونکہ وہ نبی نہ تھیں۔“

اور یہی وحی گواہ مدعیہ نمبر ۴ کے نزدیک آیت: ”ماکان لبشر“ کے طرق میں داخل ہے جو گواہ مدعیہ نمبر ۱ کے قول کے بالکل خلاف ہے۔

**الجواب:** گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے مخصوص اسی آیت کے مذکورہ طرق جو اس میں خصوصیت سے مراد ہیں، مراد لئے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے اور اس میں وحی نبوت مراد ہے۔ پس وحی نبوت کے یہ طرق مذکورہ بند ہیں۔ اگر وحی بمعنی الہام ہو گا تو انہی طرق سے بظاہر کیوں نہ مسدود نہیں۔ اس کے واسطے اسی جرح کے مندرجہ ذیل کو ٹیشن ملاحظہ ہوں۔

۱..... رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی شرعی کا دروازہ بالکل منقطع ہے۔

۲..... وحی شرع کسی قسم کی نہیں ہو سکتی کوئی الہام کا نام وحی رکھ دے تو دوسری چیز ہے۔

۳..... وحی بواسطہ فرشتہ وحی جو وحی کا فرشتہ لائے نہیں ہو سکتی۔ (نہ فرشتہ الہام والی)

پس گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے یہ طرق مذکورہ بہ پیرایہ وحی نبوت امت محمدیہ پر بند بتایا ہے اور گواہ نمبر ۲، ۳ نے ام موسیٰ وغیرہ پر جو وحی بتائی وہ بمعنی الہام بہ پیرایہ وحی الہام ان طرق سے باقی بتائی نہ وحی نبوت بہ پیرایہ وحی نبوت، پس کوئی بھی تعارض نہ ہو۔ وحی نبوت طرق مذکورہ ثلاثہ سے بالاتفاق بند اور وحی الہام ہر طور سے جاری۔

گواہ مدعیہ نمبر ۴ کا ہرگز کوئی تعارض و تناقض گواہ مدعیہ نمبر ۱ کے ساتھ نہیں۔ یہ اس کے غلط الفاظ نقل کر دیئے ہیں۔ اصل جرح کے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ بجواب سوال ”او حینا الی ام موسیٰ“ وغیرہ کہ یہ وحی وہی ہے جسے الہام کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے نخل کے لئے کہا ہے۔ یہ الہام انسان کے ساتھ مخصوص نہیں، غیر انسانوں کو بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ سورۃ نخل کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

”واوحی ربک الی النحل..... الخ!“

اب عدالت خود ملاحظہ فرمائے کہ گواہ مدعیہ نمبر ۱ وحی نبوت بہ پیرایہ وحی نبوت بطرق ثلاثہ مذکورہ بند بتاتا ہے اور گواہ مدعیہ نمبر ۴ وحی بمعنی الہام جو نخل کو بھی ہو سکتی ہے، باقی مانتا ہے تناقض کدھر سے ہو۔

بہر حال یہ تمام مختار مدعا علیہ کی غلط بیانی یا غلط فہمی یا محض مغالطہ تھا۔ ورنہ بیانات گواہان مدعیہ بالکل تناقض سے پاک و صاف ہیں کہ کسی قسم سے مخدوش و مجروح نہیں۔ عدالت خود ہی ملاحظہ فرمائے۔ بخلاف اس کے کہ مختار مدعا علیہ نے جو تناقض کا اعتراض گواہان مدعا علیہ پر کیا تھا وہ بدستور قائم ہے اور اکثر کا تو جواب میں تذکرہ تک نہیں تاویل کیا کر سکتے۔

**گواہ مدعیہ کا خود اپنے بیان سے تعارض**

اس سلسلہ میں صرف گواہ نمبر ۱ اور ۲ کا حوالہ پیش کیا ہے۔

گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے ۲۱ اگست کو جواب جرح کہا کہ حدیث: ”من ترک الصلوٰۃ“ میں امت یہ معنی سمجھتی ہے کہ کفر کا سافل کیا یعنی عمد نماز کا تارک، امت کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ اس کے بعد پھر یہ اقرار کیا کہ بعض ائمہ برحق نے عمد نماز کے تارک کو کافر قرار دے کر ان سے نکاح وغیرہ معاملات کو حرام قرار دیا ہے۔

**الجواب:** اولاً یہ الفاظ جرح نہیں بلکہ قطع و برید روایت با معنی ہے۔ وہاں علیحدہ علیحدہ مندرجہ ذیل فقرات ہیں۔

حدیث: ”من ترک الصلوٰۃ“ میں مراد کفر جیسا فعل کیا۔

”لیکن ائمہ نے کافر بھی کہا ہے۔“

کافر کہنے والے بھی امام برحق و مسلمان ہیں ان کے نزدیک فسح نکاح بھی ہوگا۔  
عدالت خود اصل الفاظ مسل سے ملاحظہ فرمائے۔

اس میں کسی قسم کا تعارض نہیں بلکہ خود مختار مدعا علیہ کے پیش کردہ الفاظ بھی تسلیم کر کے تعارض نہیں۔ کیونکہ اگر پہلے قول میں تمام امت یا اجماع کا لفظ ہوتا تو کسی ایک امام برحق کا خلاف اس کے منافی تھا اور تناقض ہو جاتا وہاں تو صرف امت کا لفظ اور بعض امام کی رائے آگے ہے۔ یہاں تناقض کا شبہ تک نہیں محض مغالطہ ہے۔

### گواہ مدعیہ نمبر ۲

گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے اپنے بیان میں ۲۵ اگست کو کہا کہ: ”مسخ نسخ بروز وغیرہ یہ پانچوں اصطلاحیں آسمان دنیوی میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔“

اور پھر ۲۹ اگست بجواب جرح تسلیم کیا کہ: ”کونوا قرۃ حاسنین“ کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ مسخ ہو گئے تھے۔

الجواب: ان دونوں قولوں میں تناقض ثابت کرنا صرف مختار مدعا علیہ کا حصہ ہے۔ ورنہ دنیا کا کوئی بھی عقل مند آدمی ان دونوں قولوں میں تناقض نہیں سمجھ سکتا۔ اڈل قول میں ان پانچ چیزوں کی اصطلاح کو دینی اصطلاح اور آسمانی ادیان میں ہونے سے انکار کیا ہے اور دوسرے میں ”کونوا قرۃ حاسنین“ کی تفسیر یہ بتائی ہے کہ واقعی ان کے چہرہ وغیرہ بدل گئے تھے۔ آیت میں تو مسخ کا لفظ بھی نہیں کہ مغالطہ ہی رفع ہو اور کہا جائے کہ آسمانی کتاب میں یہ اصطلاحی لفظ آ گیا۔ صرف مخصوص الفاظ کی مخصوص اصطلاح سے آسمانی کتب و ادیان میں ہونے سے انکار ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اللہ نے دنیا میں کسی کو مسخ ہی نہیں کیا۔ یہاں کسی قسم کے تناقض کا شبہ تک نہیں اور نہ کوئی احتمال مغالطہ تھا۔ خواہ مخواہ مغالطہ دیا گیا۔ پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ گواہ کے بیعہ الفاظ نقل نہیں کئے گئے مفہوم لیا گیا۔ ورنہ مطلب بالکل صاف ہے۔

اب اس جواب الجواب سے بجز اللہ! اچھی طرح واضح ہو گیا کہ نہ گواہان مدعیہ کا تعارض ایک دوسرے گواہ سے ہے اور نہ ایک گواہ کہیں سے اپنے قول سے لکرایا ہے۔ بخلاف گواہان مدعا علیہ کے کہ ان کے بیانات میں تو اب تک لا جواب متعدد ہر دو قسم کے تناقضات موجود ہیں جن کی کوئی تاویل نہ ہو سکی۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ عدالت خود مسل ملاحظہ فرمائے۔ پس گواہان مدعا علیہ کی شہادت یقیناً ناقابل قبول ہے۔

وجہ سوم:

مرزا صاحب کی تمام کتب کا سوائے ان عبارات کے جن پر انہوں نے اعتراض کیا ہے، مطالعہ نہیں کیا..... تا..... لیکن گواہان مدعیہ جن کا ذکر آچکا ہے معترف ہیں کہ انہوں نے مرزا صاحب کی کتابوں کا کما حقہ مطالعہ نہیں کیا..... الخ!

الجواب: محض غلط ہے۔ ان الفاظ میں تو کسی کا جواب نہیں۔ نہ تمام گواہوں نے مرزا صاحب کی کتب کے کافی مطالعہ سے انکار کیا، بلکہ گواہ نمبر ۴ نے تو اس قدر مطالعہ بتایا ہے کہ شاید مرزا صاحب کے قبیحین سے زیادہ ہی ثابت ہو۔

صرف گواہ نمبر ۱ نے ضروریہ مفہوم ادا کیا ہے مگر وہ بحیثیت مفتی اسلام مسائل شرعیہ کے شاہد ہیں۔ ان کو تمام کتب مرزا صاحب کا مطالعہ لازمی بھی نہیں۔

مرزا صاحب کے اقوال و عقائد کے شاہد دوسرے ہیں۔ انہوں نے خوب مرزا صاحب کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ محض مغالطہ دینے کے واسطے تمام گواہوں کی طرف غلط خود بنا کے منسوب کر دیا۔ بہر حال اس وجہ سے بھی گواہان مدعیہ کی شہادت مجروح نہیں۔

اصل الفاظ جرح گواہ مدعیہ نمبر ۴۰ سے ملاحظہ ہوں کہ ان کی کتب کے مطالعہ کو بتایا ہے جس کا شمار بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

## حسام الحرمین وغیرہ

وجہ چہارم:

دربار معلیٰ کے فیصلہ کی رو سے علماء اسلام کی آراء حاصل کرنی چاہئیں اور یہ گواہ دیوبندی ہیں۔ ان پر حسام الحرمین اور علماء ہند

کے کفر کے فتویٰ ہیں۔

**الجواب:** یہ محض جھوٹ اور غلط ہے۔ گواہ نمبر الف و نمبر ب و نمبر ۴ کا تو کوئی بعید سا تعلق بھی علماء دیوبند سے نہیں اور نہ گواہان مدعا علیہ کسی ایک کو ان کے علاوہ بھی دیوبندی خیال کا ثابت کر سکے۔ صرف گواہ نمبر اکو مفتی دیوبند ہونے کی وجہ سے دیوبندی خیال کا بتایا۔ ملاحظہ ہو جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲۔ اب میں اس فتویٰ حسام الحرمین اور ”اشتہار تین سو علماء کے فتویٰ کی حقیقت پیش کرتا ہوں۔

..... اشتہار منسلک مسل عنوان ”وہابیہ دیوبندیہ عقائد والوں کی نسبت تین سو علماء اہل سنت والجماعت کا فتویٰ جس کے معنن محمد ابراہیم بھاگل پوری ہیں۔“

**الجواب:**

..... ۱۔ اولاً جوڈیشل اصول پر یہ غیر مصدقہ ہے۔

..... ۲۔ یہ دوران مقدمہ میں جعلی تیار کرایا گیا۔ اسی واسطے اس پر کوئی تاریخ طبع نہیں۔

..... ۳۔ مطبع کی ہمارے پاس شہادتیں ہیں۔ عدالت کی طلبی پر پیش کر سکتا ہوں۔ یہ دوران مقدمہ کا ہے۔

..... ۴۔ اس میں اکثر فرضی غیر متعارف نام ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے انتقال کو دس بارہ سال ہو چکے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کی عمر ابھی ۱۲ سال سے زائد نہیں۔ طالب علم مبتدی ہیں۔

..... ۵۔ علماء اہل سنت میں عبدالنبی بہاول پوری و رحیم بخش رضوی بہاول پوری بھی ہیں جس سے عدالت اس کی حقیقت کا اندازہ فرمائے۔

..... ۶۔ ان میں غلام احمد اختر احمدی کے دستخط بھی غلام احمد فریدی کے ساتھ ہیں جس طرح وہ دستخط کیا کرتے ہیں۔

..... ۷۔ عبدالعلیم شاہ جہانپوری سے جو بدچلنی میں سزایافتہ ہے۔

..... ۸۔ خود شائع کنندہ سے بھی گواہ واقف نہ تھا جب مختار مدعیہ نے اس کی سزایابی کا حوالہ پیش کیا تو کہا کہ شاید وہی ہو۔

..... ۹۔ اس کے حوالہ تقویۃ الایمان وغیر اصل کتاب سے جرح میں نہ ثابت کر سکے، بلکہ اس میں اس کے خلاف نکلا۔ بحث میں اصل کتاب سے دکھانے کو کہا تھا مگر اس کا نام تک نہ لیا۔

..... ۱۰۔ غرض عدالت خود ملاحظہ فرمائے یہ کسی طرح قابل اعتماد نہیں نہ قانوناً نہ شرعاً۔

باقی حسام الحرمین اس کے متعلق بحث میں مکمل جواب دے چکا ہوں۔ اب صرف اس قدر گزارش ہے کہ میرے اس دعویٰ پر کہ یہ فتویٰ بعد اطلاع حقیقت حال علماء حریمین نے علماء دیوبند پر سے واپس لے لیا۔ صرف مرزا صاحب اور ان کی جماعت پر باقی ہے۔ دو کتابیں پیش کی گئی تھیں۔ ایک المہند دوسرے علامہ بزرنجی مدنی کی غایۃ المامول۔ پہلی میں تو ناقابل التفات تاویلات کیں اور ثانی کو بلا تاویل قبول کر لیا جواب میں نام تک نہ لیا۔ پس یہ فتویٰ علماء دیوبند کے حق میں بہ تصریح غایۃ المامول علامہ بزرنجی کے جس کے آخر میں انہیں علماء کے دستخط سے واپس ہونا ثابت ہے۔ حسام الحرمین میں اولاً مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی ایک عبارت پیش کی گئی جو اس طور پر ان کی کتاب تخریر الناس میں کہیں بھی موجود نہیں۔ نیز اس کا پہلا فقرہ (ص ۲۸) کا دوسرا (ص ۳) کا اور تیسرا (ص ۱۴) کا بے ربط قطع و برید کر کے ایک

کفریہ مضمون بنایا جس کے خلاف اسی کتاب کے (ص ۱۰) پر تصریح موجود ہے۔ بحث ختم نبوت میں اس پر بحث گزر چکی تفصیل کے واسطے شہاب ثاقب، السحاب المدرار ملاحظہ ہو۔

دوسرا اہتمام خدا کے جھوٹے ماننے کا مولانا گنگوہی پر فرضی ہے کہ ان کا کہیں کوئی فتویٰ یا اس کا فوٹو نہ دیکھا۔ حالانکہ آپ کی مطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول کے (ص ۱۱۸) پر اس کی زبردست تردید موجود ہے اور قطع الوتین کے (ص ۹) پر اس فتویٰ کے بے اصل بہتان ہونے کی ان کے اپنے خط سے تصریح موجود ہے۔

تیسرا حوالہ براہین قاطعہ کا چوتھا حفظ الایمان کا ہے جن کا بہتان اور مغالطہ (علم میں مقابلہ) کے عنوان کے تحت پیش کر چکا ہوں۔ مولانا شیخ الہند کے شعر میں لفظ ثانی بمعنی تابع اور دویم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں پڑھا کہ۔

وثنائی اثنین فی الغار المنیف وقد  
وکان حب رسول اللہ وقد علموا  
طاف العدو به اذا الجلا  
من البریة لم يعدل به رجلا  
جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید فرمائی کہ: ”صدقت یا حسان هو کما قلت“ (درمنثور ج ۳ ص ۲۴۱)

پس یہاں مغالطہ صرف لفظ ثانی بمعنی مثل کے استعمال میں تھا وہ دفع ہو گیا کہ بمعنی تابع اور دویم کے مستعمل و مراد ہے۔ یوں ہی دوسرے اشعار بھی بے غبار ہیں، تنگی وقت کی وجہ سے ترک کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ کیس سے زیادہ متعلق نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ کے میلاد وغیرہ کی نسبت حوالہ جات چونکہ غیر متعلق ہیں۔ لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ گزارش ہے کہ وہ سب قطع و برید کر کے مشکلم کی اسی کتاب کی تصریحات کے خلاف نقل کئے گئے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیف یمانی۔ الحمد للہ! کہ اس بہتان کا بھی بے بنیاد ہونا ثابت ہو گیا۔

گواہان مدعیہ کے صریح کذب  
پہنچ:

پھر خود گواہان مدعا علیہ نیز اس کے مختار نے متعدد غلط بیانیوں کی تھیں۔ اس لئے فرضی اس پر پردہ ڈالنے کے واسطے فرضی کذب کے بہتان صریح کذب کا نام دے کر (۱۵) نقل کئے جن میں سے ایک نمبر (۱۵) عدالت نے کاٹ دیا۔ اب صرف (۱۴) نمبر رہے جن کا مرتب مختصر جواب پیش ہے۔ گو وہ زیادہ جواب کے لائق ہی نہ تھے۔ مگر بہر حال مغالطہ کا انکشاف ضروری ہے۔

پہلا کذب

گواہ مدعیہ نمبر الف نے کہا کہ مرزا صاحب نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو خالق جانا..... الخ!  
اور حوالہ (آئینہ کمالات ص ۵۶۲، خزائن ج ۵ ص ۵۶۴) کا دیا۔ حالانکہ وہ ہیں ہے کہ یہ خواب ہے اور اس کی یہ تعبیر ہے۔ یہ صریح کذب ہے۔  
الجواب: یہ صرف بہتان اور غلط بیانی ہے۔ اوپر ”لا الہ الا اللہ“ کی ہیڈنگ کے تحت اس کا ثبوت مفصل گزر چکا۔ اس میں نہ صرف خدائی کا ذکر ہے بلکہ ”تبیقنت انسی هو“ بھی ہے کہ میں نے یقین کامل کر لیا کہ یقیناً ہو بہو خدا ہوں۔ باقی یہ کہنا کہ وہ ہیں اس کو خواب قرار دیا ہے یہ بھی مغالطہ ہے۔ اولاً تو مرزا صاحب کا خواب بھی وحی ہے، جیسا کہ مسلمات سے گزر چکا۔

نیز مرزا صاحب نے خود اس کا ترجمہ (کتاب البریہ ص ۷۸، خزائن ج ۱۳ ص ۱۰۳) میں یہ کیا کہ: ”میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا۔“ بہر حال اس میں ایک حرف بھی جھوٹ نہیں۔ کشف و تعبیر وغیرہ کی تاویلات و مغالطہ سب نہایت بطن و تفصیل کے ساتھ جواب



الجواب کے ابتدائی اوراق میں گزر چکے۔ عدالت خود وہیں سے ملاحظہ فرمائے تمام تاویلات کا مرزا صاحب کی تصریحات سے خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

## دوسرا کذب

گواہ مدعیہ نمبر الف نے مرزا صاحب کی طرف بحوالہ (البشری ج ۲ ص ۷۹) منسوب کیا ہے کہ خدا نے ان سے کہا کہ: ”جس طرح میں قدیم وازلی ہوں۔ اس طرح تیرے لئے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو ہی ازلی ہے۔“ یہ عبارت البشریٰ میں نہیں۔  
**الجواب:** یہ بھی محض بہتان ہے۔ اس کا مفصل جواب ”واصلی واصوم واسہروانا نام“ کے تحت گزر چکا اور یہ بھی بتلا چکا کہ گواہ نمبر الف نے وہاں کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنے الفاظ میں کیا ہے۔ البشریٰ کا ترجمہ نقل نہیں کیا اور نہ وہ ترجمہ اردو مرزا صاحب کے متبعین کو مسلم ہے۔ خود مختار مدعا علیہ باہم منظور الہی کو جو محکمہ تار کے کلرک ہیں عربی سے ناواقف بتایا ہے۔ پس وہاں عربی الفاظ موجود ہیں۔ گواہ مدعیہ نمبر الف نے مطلب خیز ترجمہ کر دیا، اس میں کذب کا شائبہ بھی نہیں۔ مفصل بحث اوپر گزر چکی وہیں سے ملاحظہ فرمائی جائے۔

## تیسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر ب نے بحوالہ توضیح المرام مرزا صاحب کی نسبت بیان کیا کہ مرزا صاحب ”ملائکہ سیاروں کی روح کو مانتے ہیں۔“  
**الجواب:** اب جب کہ بسلسلہ عنوان ملائکہ اس کے تمام حوالے پیش ہو چکے اور ثابت ہو چکا کہ مرزا صاحب کے نزدیک ملائکہ نفوس فلکیہ و ارواح کواکب ہی کا نام ہے۔ پس اب اس کی تصدیق کے واسطے کسی اور شے کی ضرورت نہیں اور غالباً اب تو مختار مدعا علیہ کا بھی غلط فہمی کا ازالہ ہو چکا ہو۔

## چوتھا کذب صریح

گواہ مدعیہ ب نے بحوالہ توضیح المرام یہ ظاہر کیا کہ مرزا صاحب کے نزدیک ”دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ نجوم کی تاثیر سے ہو رہا ہے..... الخ!“  
**الجواب:** یہ بھی غلط بیانی ہے۔ اس کی توضیح بھی بسلسلہ عنوان ملائکہ گزر چکی۔ ایک اور عبارت مرزا صاحب کی (توضیح المرام ص ۳۸، جزائن ج ۳ ص ۷۰، ۷۱) سے پیش کی ہے۔ ”اور آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کواکب پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل اور تربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں تا آسمانی کواکب کا دن رات پر اثر پڑتا ہے۔“ غرض اس میں کذب کوئی نہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ مختار مدعا علیہ اس میں کچھ تاویل کرے مگر تمام تاویلات کا مفصل جواب ہیڈنگ ملائکہ کے تحت پیش کر چکا ہوں۔

## پانچواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ا ب ج ح ۲۱ / اگست کو یہ جھوٹ بولا کہ: ”مسئلہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں۔ اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی..... الخ!“  
**الجواب:** اس میں ایک حرف بھی غلط نہیں۔ وہ تو تابع یا شریک نبی بننا چاہتا تھا۔ یہی قرآن پڑھتا تھا، یہی نماز، یہی اذان تھی، یہی روزہ

وجہ۔ اسی شریعت پر عمل اذعاء معمولی ترمیمات اس سے زائد نہ تھیں جو مرزا صاحب نے کیں۔ بہر حال یہ صرف مغالطہ ہے۔ کوئی بھی کذب نہیں۔ باقی گواہ نمبر ۳ اور حج الکرامہ سے اس کے خلاف دکھانا اس کا جھوٹ ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس میں متقدمین نے اختلاف کیا ہے اور دونوں طرف اکابر ہیں اور اصول ہے جب اسلام میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو جائے تو اسلاف جیسے چاہیں عمل درآمد بنائیں۔ پس گواہ نمبر ۱ نے اپنی تحقیق اپنے علم کے مطابق اور نمبر ۳ نے اپنی تحقیق پیش کر دی۔ نہ اس میں کوئی جھوٹ ہے نہ تعارض۔

## چھٹا کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر ۱۲/۱۲ اگست کو بجواب جرح کہا کہ: ”ہم احمد رضا خان بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خان کو بھی کافر نہیں کہتے۔ اس کے کلام میں تاویل کرتے ہیں۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔“

**الجواب:** جھوٹ جب ہوتا کہ اس کی یا اس کے کسی مسلم بزرگ کی تحریر و تقریر اس کے خلاف پیش کرتے۔ حالانکہ نہ پیش کر سکے۔ کو کب یمانی جو اس مرحلہ پر پیش کی تھی۔ اس کی غلط بیانی عیاں ہو چکی ہے کہ وہ ان سے ان کی مسلمات پر استفسار رہے نہ ان پر فتویٰ کفر۔ اس سے قبل مفصل گزر چکا وہیں سے ملاحظہ ہو۔ نیز حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی فیض آبادی کے شہاب ثاقب کے (ص ۱۲۷) کا جو حوالہ دیا ہے، اس میں کہیں بھی ان کی تکفیر نہیں کی۔ ہاں! سختی سے جواب ضرور دیا اور ان کی خیانتیں واضح کی ہیں۔

## ساتواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۱۲/۲۱ اگست بجواب جرح کہا کہ حدیث: ”من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر“ یہ کہا کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ کفر کا سافل فعل کیا..... الخ!

**الجواب:** اس کا مفصل جواب متعارضات کے سلسلہ میں اس سے قبل گزر چکا، اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بہر حال یہ بھی قول سرتاپا صداقت ہے۔ کذب کا شائبہ تک نہیں بلکہ اسے کذب بتانا ہی ایک کھلی ہوئی کذب بیانی ہے۔

## آٹھواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے بجواب جرح ۲۴/۱۲ اگست کو کہا کہ مرزا صاحب نے اپنی کسی کتاب میں وحی کو جمع نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی خاص کتاب کو شریعت قرار دیا۔ لیکن ان کی جو وحی جس جس کتاب میں درج ہے وہ وحی شریعت جدیدہ ہے۔

**الجواب:** اس میں جھوٹ کیا ہے جب کہ اپنی تمام وحی و قرآن پاک کی طرح سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر حوالوں سے گزر چکا تو اب شریعت جدیدہ ہونے میں کیا شک ہے۔

نیز اربعین کا حوالہ متعلقہ نبوت تشریحی کو بھی کہ: ”سوچو شریعت کسے کہتے ہیں..... الخ!“ (اربعین نمبر ۶ ص ۶، خزائن ج ۱ ص ۳۳۵) بھی اس سے ملا لیا جائے تو صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

## نواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے ۲۴/۱۲ اگست کو بجواب جرح کہا کہ: ”مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے بعد قرآن کو آخر الکتاب نہیں مانا۔“

**الجواب:** اس میں جھوٹ ہی کیا ہے۔ اس کے بعد مدعی نبوت و وحی نبوت ہوئے اور اپنی وحی قرآن کی طرح ماننے لگے۔ پھر قرآن آخری وحی اور آخری کتاب کیونکر رہا؟

## دسواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے مورخہ ۲۹ اگست بجواب جرح کہا کہ: ”(مکتوبات ج ۲ ص ۹۹ مکتوب ۵۱) میں جو کچھ لکھا ہے وہ کشفی ہے یا الہامی۔“  
**الجواب:** یہ بالکل صحیح ہے۔ مختار مدعا علیہ کی اس سے خود ناواقفی ہے۔ اوپر حوالہ پیش کر چکا ہوں کہ یہی مکتوب جس جگہ ختم کیا ہے۔ وہی فرمایا ہے کہ یہ مجھے بطور علم لدنی سکھایا گیا ہے جو صراحت ہے اس امر کی کہ یہ کشفی ہے۔ نیز کشفی کے اور بھی ثبوت اوپر جہاں یہ حوالہ آیا ہے پیش کر چکا ہوں۔ صرف اپنی ناواقفی سے دوسری تحقیق غلط اور کذب بتانا نامناسب امر ہے۔ نیز مختار مدعا علیہ نے حوالہ آخر سے کاٹ کر نقل کیا تاکہ اصل حقیقت پوشیدہ رہے یہ بھی ایک خیانت ہے۔

## گیارہواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے ۲۸ اگست بجواب جرح (مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۹۵) پھر اس کا مفہوم اس سے نقل کیا اور تبصرہ یہ کیا کہ یہ مفہوم غلط ہے۔

**الجواب:** مختار مدعا علیہ کی سمجھ میں نہ آئے یہ دوسری بات ہے۔ باقی مفہوم بالکل صحیح مراد مشکلم کے موافق دوسری تصحیح کے مطابق ہے۔

## بارہواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے ۲۸ اگست کو بجواب عبارت (فدا کبر ص ۱۳۷) کی عبارت ہے..... الخ! یہ مفہوم صحیح نہیں۔  
**الجواب:** یہ مفہوم بالکل صحیح ہے اور اگر مغالطہ دینا مقصود نہیں تو مختار مدعا علیہ کی غلط فہمی ہے۔ یہ دوسری بات کہ اس کے نزدیک کفر و اسلام کا کوئی اور معیار ہو۔ پھر خود جو مفہوم پیش کیا ہے، اس سے اس کی واقفیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کسی ایک ٹکڑے کو لے کر مطلب بیان کرنا اور بات ہے اور مصنف کے مسلک کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا مفہوم ادا کرنا اور ہے۔

## تیرہواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح حدیث علماء ہم..... الخ!  
**الجواب:** گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے جو مفہوم حدیث لکھا ہے وہ دیگر احادیث صحیح کی روشنی میں ہے اور وہی صحیح و درست ہے۔ مگر مختار مدعا علیہ اپنے تصنیف کردہ مطلب کو صحیح بتاتا ہے، اسے اختیار ہے۔ مگر اسے جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اسلاف کے مطابق وہی ہے۔ مفصل طوالت طلب ہے۔ لہذا ترک کرتا ہوں عدالت خود ملاحظہ فرمائے۔

## چودھواں کذب

گواہ مدعیہ نمبر ۴ نے ۳۱ اگست بجواب جرح کہا کہ (مکتوب ج دوم ص ۱۰۷) میں جو لکھا ہے مکاشفہ ہے..... الخ!  
**الجواب:** اس کا جواب نمبر (۱۰) میں دے چکا۔ اس مکتوب کے آخر میں اس کی تشریح ہے کہ یہ ان کی خصوصیت علم لدنی اور کشفی سے ہے۔ آخر مکتوب کے لفظ حذف کر کے مختار مدعا علیہ نے اوپر حوالہ پیش کیا ہے جب کہ عرض کر چکا۔  
 غرض یہ کہ ایک بھی جھوٹ ثابت نہ ہو سکا اور بحمد اللہ! گواہان مدعیہ کی شہادتیں بالکل بے لوث رہیں۔  
 وجہ ہفتم:

## قطب الوقت حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی شہادت

اس سلسلہ میں مختار مدعا علیہ نے وہی استدلال انہیں مصنوعی الفاظ کے ساتھ نمائش حضرت خواجہ صاحب کے حامد ذکر کرتے ہوئے جس طرح شہادت میں اشارات فریدی کے بعض حوالے پیش کئے تھے یہاں بھی وہی پیش کئے۔

حالانکہ جرح میں جب کہ حضرت قبلہ خواجہ صاحب کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ جواب دیا کہ میرے واجب الاطاعت مسلم بزرگ نہیں اور احمدی (مرزائی) ہونے کے بعد دیگر احمدیوں (مرزائیوں) کی طرح ہوں گے۔ یعنی خدا نخواستہ جب کہ ان کے تبعین یعنی مرزا صاحب کی امت میں رسول اکرم ﷺ کی امت سے خارج ہو کر مل جائیں تو دوسرے احمدیوں کی طرح ہو سکیں گے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب مرزا صاحب کی بیعت میں باوجود دعوت پہنچنے کے شامل نہ ہوئے۔ پس مرزا صاحب کا فتویٰ ان کے متعلق ان کے اس اصول سے معاذ اللہ! یہ رہا کہ بہر حال جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ ص ۳۰۸)

## حضرت خواجہ مرزا محمود قادیانی کی نگاہ میں

”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہ ہوئے، خواہ انہوں نے ان کا نام تک بھی نہ سنا ہو، وہ کافر اور دارہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں۔“

اور باقر گواہان مدعا علیہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز مرزا صاحب کی بیعت میں شامل نہ ہوئے۔ (باوجود بزرگ فریق مدعا علیہ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز بھی مرزا محمود صاحب کے نزدیک عیاذاً باللہ کلمے کافر ہیں) ”جو آپ کو رسول نہیں مانتا خواہ زبان سے کتنی ہی مدح سرائی کرتا ہو وہ بھی پکا کافر ہے۔“

پس صرف اپنی مطلب برآری اور حکام ریاست کو فریق مدعیہ کی طرف سے بدظن کرنے کے واسطے یہ شہادت انہوں نے اس انداز میں پیش کی۔ حالانکہ ان کے متعلق ان کے اصولی وہی خیالات بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔ بخلاف فریق مدعیہ کے وہ ان کو درحقیقت قطب وقت، شیخ طریقت اپنا مقتداء و پیشوا اور مسلم بزرگ تسلیم کرتا ہے اور انہیں کی تصریح کے مطابق فرقہ احمدیہ کو فرقہ ناریہ یقین کرتا ہے اور دنیا میں ان کا قیام اور آخرت میں ان کے ساتھ اپنے حشر کا متنبی ہے۔

مختار مدعیہ نے اس شہادت کے متعلق گواہان مدعا علیہ کے مسلمہ اقرار و اصول اور حقائق کی روشنی میں جو اس بربحث کی تھی، اس کی مندرجہ ذیل تاویلات کیں۔

### خلاصہ تاویلات:

- ۱..... مختار مدعیہ نے حضرت خواجہ صاحب کے تقدس پر بے جا طعن کیا کہ آپ نے فیصلہ کے وقت کوئی تخصیص نہ کی تھی۔
- ۲..... آپ نے کافر کہنے والوں کو غلطی پر بتایا جو بلا اعلیٰ درجہ کی تحقیق کے نہیں ہو سکتا۔
- ۳..... مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ خط میں صرف مرزا غلام احمد لکھنا کہ مسیح موعود و مہدی مسعود یا کوئی اور ایسا لفظ نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی آپ کو اعزاز الاحباب لکھا۔
- ۴..... دیگر خطوط میں مجموعہ محاسن وغیرہ کے الفاظ ہیں۔
- ۵..... مندرجہ ذیل الفاظ استعمال فرمائے ہیں: ”واقف علی مقام تعظیمک قبل الرؤیة و ماجرت کلمة علی لسانی

الخ معترف بصلاح الخ. موقن بانك من عباد الله الصالحين اوتيت الفضل ..... الخ!“

”مرزا صاحب مرد نیک و صالح است“ نیک مرد کہ اہل سنت و الجماعت است..... الخ!

”و تمام کلام او مملو..... الخ!“ مرزا صاحب میں مہدی و عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے اوصاف پائے جاتے ہیں..... الخ!

۶..... مندرجہ ذیل امور دال ہیں کہ مرزا صاحب کے متعلق بعد تحقیق فتویٰ دیا۔

۱..... الفاظ مذکورہ بالا۔

۲..... خلیفہ اول کی ملاقات اور مرزا صاحب کے متعلق گفتگو۔

۳..... مرزا صاحب سے خط و کتابت جاری رہی جس میں اس کا ذکر ہے۔

۴..... لیکچر جلسہ اعظم کا پڑھنا۔

۵..... مخالف علماء کا جانا اور ان کے وجوہات کفریہ کو کفر نہ سمجھنا اور علماء کو غلطی پر بتانا علی وقت..... الخ!

۶..... عبارت مرزا غلام احمد قادیانی..... الخ!

۷..... نور فرست سے بھی اولیاء صادق کو پہنچاتے ہیں۔

۸..... انجام آتھم جو ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی اور اس میں دعویٰ و چیلنج مباہلہ تھا وہ بھی آپ کو پہنچی۔

۹..... کچھ قابل اعتراضات الہامات کا بھی اس میں جواب تھا۔

۱۰..... مسیلہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

الف..... کافر واکفر است۔ (اشارات فریدی ج ۳ ص ۱۰۹)

ب..... ہفتاد فرقہ کہ مردود اندواہل نار۔ (فوائد فریدی ص ۳۰)

۱۱..... چوڑھے چمار کو عباد اللہ الصالحین فرمانے کا کوئی بھی ثبوت پیش نہ کیا۔

۱۲..... مختار مدعیہ کو مسلم ہے کہ عباد اللہ الصالحین بھی ایک شہادت ہے۔ پھر خواجہ صاحب کی طرف کسی اور نے اس کی نسبت کیوں نہ

شہادت دی۔

الجواب:

۱..... یہ غلط اور محض جھوٹ ہے۔ بلکہ جس قدر ان کے سامنے تحقیق حکیم نور الدین صاحب یا مرزا صاحب کی کتاب انجام آتھم جس قدر

بھی سنی، اس سے ہوئی۔ ان پر حکم نہ دیا۔ دیگر کفریات خصوصاً دعویٰ نبوت اور ختم نبوت کا انکار اور حقیقت الوحی کے ناقابل برداشت کفریات

اس وقت نہ تھے اور نہ انہیں پہنچے۔

یہی کب ثابت ہے کہ یہ خط من و عن حضرت خواجہ صاحب کا ہے، بلکہ اغلب یہ ہے کہ ان کا نہیں بلکہ غلام احمد اختر احمدی کا اس میں

اضافہ ہے اور جعل سازی۔ ورنہ حضرت صاحب ہرگز اپنے قلم مبارک کی تصنیف یعنی نسخہ مبارک فوائد فریدی میں احمدی فرقہ کو فرقہ مردودہ اور

ناری و جنہمی قرار نہ دیتے۔

۲..... ان دلائل کی رو سے جو وہ پیش کرتے تھے، ضرور خاطی بتایا ہوگا۔ اس وقت ان کے تمام کفریات قطعاً سامنے نہ تھے، صرف انجام

آتھم کی توہین عیسیٰ تھی۔ اس پر مرزا صاحب کا اپنے بچاؤ کا ایک مصنوعی نوٹ بھی۔

پھر غلام احمد اختر نے نیز حکیم نور الدین صاحب نے ان کفریات کے خلاف واقع شہادت دی۔ حکم ظاہر پر دیا جاتا ہے نہ کسی کے

باطن پر۔ علمائے اسلام نے بھی جب تک صرف وہی امر تھا، کفر میں احتیاط اور متفقہ فتویٰ نہ دیا۔ مگر بعد میں کفر بے نقاب ہونے کے خصوصاً ۱۹۰۱ء سے متفقہ تمام علماء و مشائخ نے تکفیر کی۔ اگر حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز! اس عالم ظاہر میں رونق افروز ہوتے تو وہ بھی مرزا صاحب کو کافر بتا کر ناموس نبی کریم ﷺ کی حفاظت میں کافی سے زائد حصہ لیتے۔

۳..... اب اس پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے اجزاء سب مفصل آ رہے ہیں۔

۴..... پس اگر نبی کریم ﷺ اور مقدس اسلام کی درحقیقت مرزا صاحب نے جس قدر توہین عظیم کی ہے اور تمام صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کو جو منہ میں آیا کہا ہے۔ حضرت قبلہ قدس سرہ کو پہنچتی تو مرزا صاحب کے فتویٰ تکفیر پر سب سے پہلے حضور قبلہ کے دستخط ہوتے اور ان کے تمام قہقین کو اسی وقت نہ صرف ریاست بلکہ تمام ان کے حلقہ اثر سے شہر بدر کرایا جاتا۔ انہیں تو حکیم نور الدین صاحب نے خلاف واقع بیان اور مرزا صاحب نے اپنے قول: ہر نبوت را برود شد اختتام سے مغالطہ دیا ہے اور اگرچہ صاحب نسبت حضرات پر ایسے امور غیبیہ ہی منکشف ہوتے ہیں۔ مگر یہ ہر وقت لازمی اور اختیاری نہیں:

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم  
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم  
سے شود پردہ چشم پر کام گاہے  
منزلے عشق بے دور است ولے  
نیز مقرر بان بارگاہ اسرار الہیہ اور امور غیبیہ کو عوام پر واضح کر کے پردہ فاش نہیں کرتے۔ حکم ظاہری پر لگاتے ہیں تاکہ ناموس شرع پر کوئی حرف نہ آئے۔ پھر اس فرقہ احمدیہ کو مردود ناری بتانا اور مرزا صاحب کو کشف والہام میں خاطرانی ماننا اسی زمرہ سے ہے۔

۵..... مرزا صاحب پسند کرتے یا نہ مگر مسیح موعود و مہدی مسعود مان کر صرف الی مرزا صاحب غلام احمد بلا کسی القاب و آداب کے لکھنا کبھی عقل باور نہیں کر سکتی۔ معمولی معمولی انسانوں کو تو اعلیٰ القاب لکھے جائیں، مگر مسیح دوران و مہدی زمان کو کچھ نہیں۔ صرف مرزا غلام احمد صاحب معلوم ہوا کہ ان دعاوی کی تصدیق کا الزام محض بہتان ہے۔ بلکہ اغلب یہ ہے کہ ان تک یہ پہنچی ہی نہیں۔ کیونکہ بالاستیعاب کسی کتاب کا سننا یاد لکھنا ثابت ہی نہیں اور خود اپنی نوآئند فریدی میں حضرت قبلہ قدس سرہ نوالہ اللہ مرقدہ عیسیٰ ابن مریم کی حیات و نزول اور عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی علیہ الرضوان کو دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں اور مہدی کو آنحضرت کے محمد کے نام کے ہم نام ان کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ آمنہ اہل بیت نبی کریم ﷺ سے ہونا بلکہ تمام اہل سنت والجماعت کے معتقدات مفسلاً اپنے عقائد کے سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں جس کے بعد ظاہر ہے۔ اگر یہ دعاوی اسے پہنچتے تو ہرگز مسیح موعود نہیں تسلیم کرتے بلکہ تکذیب و تکفیر میں سب سے پیش پیش ہوتے۔

۶، ۷..... اولاً یہ تمام الفاظ غلام احمد اختر احمدی یا ان کے دوست ملا رکن الدین صاحب کے بڑھائے ہوئے ہیں جن سے حضرت قبلہ نور اللہ مرقدہ کا دامن اقدس پاک ہے اور آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش جب ان الفاظ پر مطلع ہوئے تو فرمایا اس سے رکن الدین نے اپنی عاقبت خراب کر دی۔ وہ قلمی تحریرات اب تک ان کے خلفاء کے پاس ہیں۔ نیز وہ روایات ان کے متوسلین میں مشہور ہیں۔ ہم تحریرات پیش کرنا چاہتے تھے۔ عدالت نے حسب ضابطہ اجازت نہ دی، آج عدالت اجازت دے ہم پیش کر سکتے ہیں۔

نیز ان میں کوئی بھی لفظ ان کی نبوت وغیرہ کی تصدیق کے نہیں۔ معلوم ہوا کہ دراصل تمام حقیقت حال کی آپ کو اطلاع نہ دی گئی۔ ملا رکن الدین صاحب اور غلام احمد اختر نے مل ملا کر یہ سازشیں کیں۔

۸..... ہرگز نہیں یہ امور تحقیق مکمل پر دلالت نہیں کرتے۔ الفاظ مذکورہ کے متعلق اوپر عرض کر چکا ہوں۔ مفصل ابتدائی بحث میں ملاحظہ ہو۔ حکیم صاحب کی ملاقات ہی اس امر کی دلیل ہے کہ اصل واقعہ پیش نہیں ہوا بلکہ حسن عقیدت اور صفائی کا حکیم صاحب نے اظہار فرمایا۔

حضرت صاحب نور اللہ قدسہ نے باور کرایا اولیاء اللہ کے ایسے ہی وسیع اخلاق ہوتے ہیں۔ وہ دنیا داروں کی طرح امور میں کرید نہیں کرتے اور نہ اس کے مکلف ہیں۔ حضور قبلہ تو دنیا سے کنارہ کشی، مراقب ذات صفات تھے۔ انہیں ان امور سے شغف تھا اور مہلت ہی کب تھی۔ صوفیائے کرام کسی کو برا نہیں کہتے۔ حتیٰ کہ اپنے دشمن کو۔ ریاست کے باشندے بھی واقف ہیں کہ ان کے معاملات ان لوگوں کے ساتھ کیا رہے، جنہوں نے انہیں گالیاں دیں اور برا کہا۔ خط و کتابت اور تقریر جلسہ اعظم میں کوئی بھی کفریہ دعویٰ والہام نہیں خط و کتابت میں تو اسلامی عقیدہ: ہر نبوت رابر و شدت اختتام سے مغالطہ دیا ہے۔ اس کے بعد پھر ہر نبوت کے عموم کو باطل قرار دے کر خود نبی اور انبیاء سابقین سے افضل اور سید الانبیاء کے ہم سر بلکہ کچھ بڑھ کر بن گئے ہیں۔

یوں ہی اس تقریر کے بعد اپنی کتب میں کوئی بھی کفر نہ چھوڑا جو نہ لکھا ہو۔ خصوصاً ۱۹۰۱ء کے بعد۔ مخالف علماء کے وجوہ کفر انجام آتھم کے نوٹ اور غلام احمد اختر اور حکیم نور الدین صاحب مغالطہ آمیز صفائی کے بعد یقیناً قابل اعتماد نہ سمجھے ہوں گے۔ حضور قبلہ نور اللہ مرقدہ کا یہ سمجھنا اس وقت حق بجانب ہے اور اس وقت دیگر علماء کا بھی متفقہ فتویٰ نہ تھا اور نہ صرف اسی کتاب پر فتویٰ کفریہ ہے۔ اصل معاملہ تو ۱۹۰۱ء کے بعد جب نبوت سے پردہ اٹھا اور کھل کے تمام اپنی گول مول دعویٰ والہامات کفریہ کی شرح کی اور دین کی بنیادوں پر زبردست ضرب کاری لگائی اور انبیاء کرام حتیٰ کہ سید الانبیاء ﷺ اور تمام صحابہ، اہل بیت و اولیاء اقطاب و ابدال کی توہین کیں۔ اس وقت متفقہ عرب و عجم کے علماء و مشائخ غرض کہ تمام فرق اسلامی نے کافر بنایا اور آج روئے زمین پر کوئی بھی فرقہ انہیں مسلمان نہیں کہتا۔ بلکہ اسلام کا سب سے زیادہ دشمن انہیں کو شمار کرتا ہے۔ اس سلسلہ کے دیگر امور کا بھی اس میں جواب آچکا۔

۹..... انجام آتھم پہنچی ہو گراؤل سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کا ثبوت نہیں، نہ کل کے سننے کا۔ نیز اس میں تمام دعویٰ بھی نہیں ۱۹۰۱ء کے جب کہ تمام دعویٰ کفریہ بے نقاب ہوئے۔ اس وقت جیسی کوئی کتاب نہ پہنچی اور نہ تھی اور علماء اسلام کا متفقہ فتویٰ کفر دعویٰ نبوت کے پورے اظہار کے بعد اور کثریات کے قطعی الثبوت ہو جانے پر ہوا ہے۔

۱۰..... جب ہی تو مغالطہ ہوا اور کفر کا فتویٰ نہ دیا گیا۔ ورنہ اس کے بعض الہامات حضور قبلہ قدس سرہ العزیز جیسے صاحب بصیرت کے فتویٰ کفر کے واسطے کافی ہوئے۔ اس میں پردہ ڈالنے کو کچھ غلط تاویلات مغالطہ آمیز بھی تھیں۔

۱۱..... مسئلہ کذاب کو جس طرح کافر بتایا بوجہ دعویٰ نبوت کے اگر مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت پہنچتا تو انہیں بھی اسی طرح کافر کفر بتاتے۔ ہفتاد فرقہ جنہیں مردود ناری بتایا، ان میں مدعا علیہ کا فرقہ احمدیہ بھی تو ہے اور گواہ نمبر ۲ کا جواب جرح کا اقرار ہے کہ ہندوستان میں فرقہ احمدیہ صرف مرزا صاحب ہی کا فرقہ ہے نہ کوئی اور۔

۱۲..... چوڑھے چہار کے عباد اللہ الصالحین ہونے کا ثبوت بجز اللہ! ہمارے پاس قطعی اور تحریری موجود ہے اور ہم پیش کر رہے تھے۔ عدلت نے حسب ضابطہ وقت گزر جانے کی وجہ سے اجازت نہ دی تھی، آج اگر بے ضابطہ اجازت ہو جائے تو ہم آج پیش کر سکتے ہیں۔

۱۳..... یقیناً عباد اللہ الصالحین اگر حضور قبلہ فرماتے تو سوائے ان سازشی حضرات اور خصوصاً غلام احمد اختر احمدی کے علاوہ کوئی ایک تو خلفاء و مریدین و متوسلین میں تو شاید ہوتا۔ مگر ایک بھی نہیں بلکہ خلفاء اور خصوصاً صاحبزادہ تو اس کی وجہ سے ملا (رکن الدین) صاحب کو فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عاقبت خراب کر لی۔

نیز اگر حضور قبلہ انہیں مسیح و مہدی سمجھتے تو ہندوستان اور خصوصاً پنجاب اور بالخصوص حضرت کے متوسلین اس سے ناواقف رہتے یا وہ حضرت کی مخالفت کرتے، بلکہ سب کے سب اور سب سے پہلے خلفاء داخل سلسلہ ہوتے۔ مگر بجز اللہ! آج تک سوائے غلام اللہ اختر کے جو پہلے سے احمدی تھا ایک بھی احمدی نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب سازشی کارروائی تھی۔ حضور قبلہ کا دامن اقدس اس سے بالکل پاک ہے۔ فاللہ الحمد!

## بعض اعتراضات کے جواب کا جواب الجواب

..... صرف انجام آتھم یا اس کے ضمیمہ میں خطوط کا شائع ہونا اور اس کی تائید صرف اسی سازشی کارروائی غلام احمد اختر پر منحصر ہونا، ان خطوط کے مشکوک ہونے پر کافی تھا۔ پھر کسی غلیفہ کی تائید نہ حاصل ہونا بلکہ اپنی مجلسوں میں زبردست تردید۔ حتیٰ کہ اسے ملا صاحب کی بربادی عاقبت کا سبب بنانا، ایسے واضح امور تھے کہ جس کا جواب ہی ناممکن تھا۔

مختار مدعا علیہ سے کوئی معقول تاویل بھی نہ بن سکی۔ صرف یہ کہہ کر نالا کہ اس سے کیا اگر کسی دوسرے نے نہ شائع کیا اور کسی نے تردید تو نہ کی۔ اذلاً مرزا صاحب کی کتابیں کون مسلمان بلا ضرورت دیکھتا ہے۔ پھر اشارات میں ان خطوط سے کسے دلچسپی ہوگی۔ نیز میں تو عرض کر چکا کہ خلفاء اور خصوصاً صاحبزادہ بھی بعد اطلاع اس سے اظہار بیزاری فرماتے رہے اور اسے ملا صاحب کا افتراء اور سوء عاقبت کا سبب فرماتے رہے۔ آج بھگوان! چاچڑاں شریف کی گدی آباد ہے اور اس کے زیب سجادہ سے تصدیق کی جاسکتی ہے۔

یہ کہنا کہ شائع کیوں نہ کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ صوفیائے کرام کو اشاعت و اشتہارات و طباعت کی فرصت نہیں ہوتی۔ وہ ہمہ وقت ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں اور ذکر و شغل میں مصروف رہتے ہیں۔ پھر زبانی اشاعت اتنی ہو چکی تھی کہ اشتہارات کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی کا تاثر ہے کہ ایک بھی خواجہ صاحب کا غلام، مرزا صاحب کے زمرہ میں نہ شامل ہوا، بلکہ سب کے سب تمام مسلمانوں کی طرح انہیں مرتد و کافر سمجھتے رہے اور سمجھتے ہیں۔ یہ کہنا کہ خواجہ صاحب کو یہ رسالہ و خطوط پہنچے آپ نے تردید نہ کی، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اور موثق ثبوت سوا اس مشتبہ اشارات فریدی کے نہیں جس پر اعتماد ہو سکے۔ اگر تائید کرتے تو ایک تو شاہد اور مؤید ہوتا۔

۲..... مرزا صاحب کے کشف کو جب غلطی پر محمول فرماتے رہے تو یہ کہنا کہ انہوں نے تصدیق کی محض مغالطہ ہے اور کہنا کہ لوگوں کے سمجھانے کو کہا کہ زیادہ سے زیادہ خطا کشف میں مان لو۔ اس سے زائد معضکہ خیز ہے اور کیا یہ پھر کشف کی غلطی کے مطالب کی توضیح مکتوب وغیرہ سے سب بے کار ہے۔ مسیح موعود اور مہدی مانتے، پھر ان کے کشف جو بمنزلہ وحی کے تھا غلط اور خطا بتاتے، ناممکن نہ تھا یہ سب بیکار تاویلیں ناقابل التفات ہیں۔

۳..... اس کا جواب کہ مرزا صاحب کے آدمیوں نے سازشی طور پر خلاف واقعہ صفائی پیش کر کے حضور قبلہ قدس سرہ العزیز! کو مطمئن کر دیا۔ کچھ نہ ہو سکا بلکہ غلط پروپیگنڈے کے طور پر تاویلیں کیں کہ اس سے تو یہ قول بہر حال تسلیم ہی کر لیا۔ حالانکہ یہ جواب بر تقدیر تسلیم و بطور فرض محال تھا۔ ورنہ اس کا ثبوت ہی نہیں۔ جیسا مختصر اوپر اور مفصل اصل بحث میں عرض کر چکا۔

یہ کہنا اس سے زائد ناقابل التفات ہے کہ اس میں حضور قبلہ پر حملہ ہے کہ آپ سے جو شخص جو بھی چاہتا تھا لکھا لیتا تھا اور صادق و کاذب میں فرق نہ کرتے تھے۔ یہ محض مہمل جواب ہے، بلکہ مختار مدعیہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ خواجہ صاحب کے روبرو مرزا صاحب کے متعلقین ان کے خلیفہ اول یا ان کے معتقدین کی شہادتیں ان کی صفائی میں تھیں اور اس وقت اس کے خلاف کوئی مدلل آپ کے روبرو شہادت نہ گزرسکی۔ مولوی غلام دنگیر قصوری بناء تکفیر انجام آتھم کی عبارت کو قرار دیا تھا۔ وہاں توضیحی مرزا صاحب کا نوٹ موجود ہے اور یسوع کی توہین کی تاویل کی ہے۔ پس وہ تہاء بلا کسی دوسرے خارجی شہادت کے تکفیر، جیسے اہم مسئلہ میں کافی و قابل اطمینان نہ تھا۔ پس فتویٰ کفر سے احتراز کیا، مگر انہیں بھی عباد اللہ الصالحین میں سے فرما دیا جو مرزا صاحب کے مکلف تھے۔ اس سے خواجہ صاحب کا صوفیانہ مسلک بھی واضح ہو گیا۔ ورنہ مسیح موعود اور مہدی مسعود کو کافر بتانے والے کو عباد اللہ الصالحین کہنے کے کیا معنی۔ عجیب بات مسیح موعود بھی عبد اللہ الصالحین سے اور ان کو کافر ماننے والے بھی عباد اللہ الصالحین میں؟ یقیناً خواجہ صاحب کا دامن قدس اس سے پاک ہے۔ کبھی بھی وہ مرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی نہیں مانتے تھے۔



۴..... اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا کہ بعد تسلیم اس امر کے کہ خواجہ صاحب نے مسلمان ہی مانا، مگر قبل دعویٰ نبوت و اظہار نبوت کے یعنی ۱۹۰۱ء سے پہلے جب کہ ان کو بھی یہی لکھا تھا کہ: ہر نبوت را برد شد احتمالاً۔ ورنہ ان پر بھی وہ ہی فتویٰ ہوتا جو مسلمہ مدعی نبوت پر بوجہ دعویٰ نبوت کے ارشاد فرمایا کہ: ”کافر کفر است“ ملاحظہ ہو (اشارات فریدی ج ۳ ص ۱۰۹) لہذا مرزا صاحب اور تمام مدعیان نبوت بعد آنحضرت ﷺ پر مرزا صاحب کا فتویٰ اس میں کافر کفر ہونا موجود ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

اب یہ تو جیہد کہ اس قسم کا دعویٰ اور اس قسم کا یا الہامات میں ”هو الذی ارسل رسولہ..... الخ!“ بھی تھا۔ نیز ”لا غلبین انا ورسلی..... الخ!“ یا اور اسی قسم کے یہ سب بوجہ نبوت نہ ہونے کے مستور تھے اور دوسرے معانی پر محمول یا خفاء و غلطی پر۔ جیسا کہ اسی اشارات میں کشف و الہام میں خامی قرار دیا ہے، یہ سب تاویلات ہی فضول ہیں۔ جب نبوت پر پردہ پڑا تھا اور بالکل مسلمانوں کی طرح ہر قسم کے مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے اور ہر قسم کے امتی و غیر امتی نئے یا پرانے نبی کا آنا، بعد آنحضرت ﷺ خاتم النبیین کے منافی اور کفر بتاتے تھے۔ جیسا کہ ختم نبوت کی بحث میں مفصل گزر چکا۔

۵..... مولوی رکن الدین صاحب سے غلام احمد اختر احمدی کا تعلق اور انہی کا مسودہ خطوط لکھنا تو مسلم ہے۔ اب یہ تاویل احتمالات کسی طور پر نافع نہیں، ثبوت بہر حال مشتبہ ہو گیا۔

۶..... اس کا بھی کوئی جواب نہ ہو سکا، بلکہ تسلیم کر لیا کہ سوائے غلام احمد صاحب اختر کے اور کسی مرید، حتیٰ کہ خود ملاً رکن الدین بھی مرزا صاحب کی بیعت میں شامل نہ ہوئے۔ یہ کہہ دیا کہ یہود نے کب آنحضرت ﷺ کو باوجود اپنے انبیاء کی خبر کے مانا، گویا یہ سب حضرات جو حضرت قبلہ کے مرید ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کی بیعت نہ کی یا تصدیق نہ کی۔ عیاذ باللہ! یہود کی طرح ہوئے۔

۷..... خواجہ محمد بخش صاحب کا برادر دینی کہنا یقیناً اس کی تمام تحریرات اور ہر قول و فعل کی تائید و توثیق نہیں کرتا۔ بخلاف غلام احمد اختر کو اخو کیم کہنا ملاً رکن الدین صاحب کا تعلق ضرور ثابت کرتا ہے۔ تعلق ہونا اور چیز ہے، غلام احمد اختر کو اخو کیم کہنا توثیق اور شے ہے۔

۸..... خواجہ محمد بخش صاحب کی تقریظ میں کہیں بھی یہ نہیں کہ میں نے اسے از اوّل تا آخر کا حقہ مطالعہ کیا ہے، نہ عموماً تقریظات میں یہ ہوتا ہے۔ معمولی نظر ڈال کر مؤلف کے اعتماد پر تصدیق و تقریظ لکھ دی جاتی ہے۔

باقی مریدوں کا طبع کے واسطے اصرار تو حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات کی وجہ سے تھا نہ مرزا صاحب تصدیق کی سازش کا روائی کے لئے۔

اس سے توثیق کیا ہوئی، مرزا صاحب کا قول اشارات حضرت خواجہ صاحب کی تصنیف ہے اور گواہان مدعا علیہ کے بقول وہ ملاً رکن الدین صاحب کی ہے۔ اس تناقض پر کوئی معقول تو جیہد نہ پیش کر سکے، صرف تاویلات ناقابل التفات کیں۔

پھر گواہ کا کبھی یہ کہنا کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور پھر سوالات مکرر میں اس کی اصطلاح کہ نہیں خود خواجہ صاحب نے سنی دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ گواہ نمبرانے بجا جرح ۹ مارچ ۱۹۳۳ء تسلیم کا ہے کہ اشارات مرتب ہی خواجہ صاحب کے بعد ہوئے اور طباعت و اشاعت بھی۔

زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ ملاً رکن الدین صاحب یا غلام احمد اختر صاحب احمدی کے اقوال تو قابل قبول بلا تاویل و شک و شبہ ہیں۔ مگر خود حضرت خواجہ صاحب کی تصنیف اشارات فریدی جس میں آنحضرت ﷺ کو مطلقاً سب سے آخری نبی ہونا لکھا ہے اور تمام عقائد مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف اہل سنت و الجماعت کے موافق لکھے ہیں اور اس کے (ص ۲۹، ۳۰) پر فرقہ احمدیہ کو مردود و ناری فرقہ

بتایا ہے۔ اس میں بے کار اور بے ربط تاویلات و شبہات نکالے جاتے ہیں۔ اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ جو اپنے مطلب کے موافق ہو وہ قبول، ورنہ رد اور ناقابل قبول۔ جس سے مرزا صاحب کی تصدیق ہو، وہ صحیح۔ خواہ سازشی اور فرضی ہی کیوں نہ ہو اور نہایت مستند و معتبر بھی۔ اگر مرزا صاحب کی تصدیق نہ ہو تو غلط بلکہ احادیث صحیح تک ردی کی طرح بھینکنے کے لائق۔

یہ کہنا کہ مرزا صاحب کے فرقہ کا نام فوائد فریدیہ کی تصنیف تک فرقہ احمدیہ نہ تھا۔ محض مغالطہ ہے اور اس کی تائید تریاق القلوب کے سند طباعت سے بھی کافی نہیں۔ کیونکہ زائد سے زائد بفرض تسلیم اس سے یہی ثابت ہوگا کہ گورنمنٹ میں اس نام کی مردم شماری کے لئے رجسٹرڈ کرنے کی درخواست بعد کو کی ہے مگر یہ نہیں کہ یہ نام ایجاد ہی اس سنہ سے ہوا بلکہ پہلے اور ہمیشہ سے ہندوستان میں نام صرف مرزا صاحب کے تبعین کے واسطے باقرار گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مورخہ ۲۰ مارچ مخصوص ہے۔

نیز براہین احمدیہ جو سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کی نسبت بھی اس کا قرینہ مؤید ہے کہ جماعت کا نام بھی ابتداء سے ہی احمدیہ تھا۔ بہر حال گواہ کے اقرار کے بعد اب یہ تمام احتمالات بے معنی ہیں اور یقیناً حضرت قبلہ مدظلہ تعالیٰ نے اس فرقہ یعنی فرقہ احمدیہ کو فرقہ مردود و ناریہ قرار دیا ہے اور باقرار گواہ ہندوستان میں کوئی اس نام کا فرقہ ہی نہ تھا۔ مولانا رشید احمد صاحب کے تبعین رشیدیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ جیسا القول الخ سے بحث میں پیش کر چکا۔

بہر حال یہ تمام تاویلیں محض بے سود ہیں۔

### خلاصہ جواب الجواب متعلقہ شہادت حضرت خواجہ صاحب

اولاً یہ شہادت شہادت اصول پر محقق اور ثابت نہیں بلکہ اغلب یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی نہیں۔ یقیناً غلام احمد اختر احمدی کی سازش ہے۔ جیسا کہ مفصل اصل بحث میں پیش کر چکا ہوں۔ نیز مرزا صاحب کا ان کو مکفرین کی فہرست میں شمار کرنا، اس امر کو کافی ہے کہ خواجہ صاحب انہیں کافر سمجھتے تھے۔ دوسرے اس پر کسی خلیفہ یا مرید نے اعتماد نہ کیا، نہ مرزا صاحب سے وابستہ ہوئی، نہ تصدیق کی نہ بیعت۔ تیسرے یہ بھی ثابت نہیں کہ مرزا صاحب کی کوئی کتاب ”من اولہ الا آخرہ“ حضرت خواجہ صاحب نے دیکھی یا سنی ہو۔ چوتھے ان کے وصال کے بعد مرتب ہوئی۔ ملا رکن الدین جامع اشارات کی توثیق کے متعلق خواجہ صاحب سے کچھ منقول نہیں۔ پانچویں ان کے کلام کو طاقت بشری سے خارج بتایا ہے جو خواجہ صاحب سے متصور نہیں۔ تمام مرزا صاحب کے دعویٰ و معتقدات خواجہ صاحب کی اپنی کتاب فوائد فریدی کے سراسر مخالف ہیں۔ بلکہ ان کے مخالف عقائدوں سے آخر تک موجود ہیں۔ نبوت، دجال، یاجوج و ماجوج، نزول عیسیٰ وغیرہ میں مرزا صاحب کے خلاف اہل سنت کے موافق ہیں۔ جیسا کہ جرح میں حوالے پیش کر چکا۔

پھر خود فوائد فریدی میں احمدیوں کو فرقہ مردودہ اور ناریہ میں شمار کیا۔ جیسا کہ گواہوں کے مسلمات سے اصل بحث میں پیش کر چکا۔ ان دلائل و براہین کی روشنی میں ان خطوط کی نسبت حضرت خواجہ صاحب کی طرف کرنا بہتان عظیم ہے۔ اور اگر بفرض تسلیم ہی کر لیں تو یہ اس وقت تھا، جب تک دعویٰ نبوت نہ تھا اور انہیں یہ لکھ بھیجا کہ ہر نبوت رابر و شداختتام۔ ورنہ بعد دعویٰ نبوت وہی مسیلمہ مدعی نبوت پر کافرتی اکفر کافر ہونے کا موجود ہے کہ مرزا صاحب بھی مسیلمہ کی طرح کافر ہیں۔ لہذا ایک طرف تو مدعا علیہ اور اس کی جماعت کے دو مبلغ مرزا صاحب کو مسلمان اور ان کے فرقہ کو اسلامی فرقہ ثابت کر رہے ہیں اور دوسروں کی طرف ایک خدا رسیدہ بزرگ اور تمام پنجاب و ہندوستان کا مسلم تاجدار بہاولپور کے پیر و مرشد حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں۔

جن کا احترام تمام ریاست کے راعی و رعایا پر ضروری ہے۔ وہ اپنی کتاب فوائد فریدی میں فرقہ احمدیہ کو مردود و نارہ اور مدعی نبوت مسئلہ جیسے کو گمراہ کا فر فرما رہے ہیں۔ پس اس جماعت کے کفر و ارتداد میں اب کون سا شبہ رہ جاتا ہے۔

## آخری گزارش

تنگی وقت اور تحدید کی وجہ سے اب کوئی جزل جواب الجواب تمام جوابی بحث پر پیش نہیں کر سکتا اور نہ جدید حوالوں اور خیانتوں میں تیز کلامی کی فہرست پیش کرنا ممکن ہے۔ عدالت کو خود ہی ملاحظہ مسل کے وقت معلوم ہو جائے گا۔ دوران جواب میں اشارات کرتا رہا ہوں۔

## استدعا

نتیجہ اول کا حصہ اول مدعا علیہ احمدی ہونا یا قادیانیت و مرزائیت اختیار کرنا تو اقراری ہے۔ حصہ دوم یعنی اس سے ارتداد و کفر کا لازم آنا تمام تاویلات مختار مدعا علیہ کا مدلل جواب دے کر اور مغالطوں کا انکشاف کر کے تقریباً دو سو سے زائد قطعی دلائل آیات قرآنیہ قطعی الدلات و قطعی المعنی والمراد اور احادیث صحیحہ مشہورہ و متواترہ و اجماع صحابہ و ائمہ و تمام امت و اقوال سلف و خلف و علماء صوفیہ و اکابر سے مدلل ثابت کر دیا کہ نہ صرف وجوہات ہنجگانہ بلکہ اور بھی وجوہات کثیرہ سے مدعا علیہ اور اس کے مقتداء و جماعت کا فر مرتد دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اب صرف نتیجہ دوم باقی رہی کہ کیا اس سے فتح نکاح لازم آتا ہے؟ اس کے واسطے ہر دو گواہوں کا اقرار پیش کر چکا ہوں کہ: ”اگر مرتد ہو جائے تو عام حکم یہی ہے کہ نکاح فتح ہو جائے گا۔“  
 (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء)  
 ”تعال تمام مسلمانوں کا یہی ہے کہ ارتداد سے نکاح فتح سمجھا جاتا ہے۔“  
 (جرح گواہ مدعا علیہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء)

## پس مقدمہ ہذا میں

نکاح مدعیہ کا فتح اور مقدمہ بحق مدعیہ ڈگری ہونا چاہئے۔

”واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، وصلى الله على حبيبه اولاً و آخراً دائماً متوالياً على اله و صحبه و اولياء امته اجمعين“  
 (ابوالوفاء نعمانی عفا الله عنه، شاہجہانپوری)

۱۰ مئی پینشنہ ۱۹۳۴ء

نوٹ: قارئین! فائنل پروف پڑھتے ہوئے اختتام سے چھ سطریں پہلے فقیر کے دل میں یہ داعیہ وارد ہوا کہ اگر اس کام اور مولانا ابوالوفاء نعمانی شاہجہانپوری کی تحریر سے کوئی تطابق ہو جائے تو فقیر کے اس کام کی عند اللہ قبولیت اور فقیر کی مغفرت کی امید کا باعث ہو گا۔ اس وقت میرے خیال میں صرف مہینہ کے توافق کی بات تھی۔ جب دیکھا تو تاریخ کا تطابق بھی ساتھ ہو گیا۔

قارئین! دوسرا عجیب و غریب توافق یہ سامنے آیا کہ مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری نے یہ بیان ۱۰ مئی ۱۹۳۴ء کو عدالت میں جمع کر دیا۔ عدالت کا فیصلہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو صادر ہوا۔ مولانا ابوالوفاء کی تدفین بھی ۷ فروری ۱۹۸۰ء کو ہوئی۔ مالک ارض و سماء یا رب العالمین میرا آپ کی ذات کے متعلق یہی عقیدہ ہے کہ اگر آپ نے کام کی توفیق دی ہے۔ یہ تیری جناب میں عمل مقبول ہے تو میری نجات بھی فرما۔ امین بحرمة النبی الامی الکریم خاتم النبیین یا ارحم الراحمین!

فقیر: اللہ وسایا بہاول پوری  
 ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۰ مئی ۲۰۲۰ء یکشنبہ

## فیصلہ

مقدمہ مرزا سیہ بہاول پور مصدرہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء  
جس میں

جناب محمد اکبر خان صاحب بی. اے، ایل. ایل. بی.  
ڈسٹرکٹ جج بہاول پور  
نے

مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر  
مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۹۳۳ء کے اواخر میں جب کہ شہادت فریقین ختم ہو کر فیصلہ زیر غور تھا۔ جلال الدین شمس مختار مدعا علیہ کی جانب سے ایک درخواست مؤرخہ ۲ دسمبر ۱۹۳۳ء بدیں مضمون پیش کی گئی کہ عبدالرزاق مدعا علیہ مؤرخہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء کو فوت ہو گیا ہے۔ لہذا مقدمہ زیر بحث میں کسی تجویز کی ضرورت نہ ہے۔ مثل مقدمہ داخل دفتر کر دی جائے۔

ایک طرف مرزائی جماعت کو اپنے دنیاوی اسباب پر بھروسہ تھا تو دوسری جانب اہل ایمان کو مسبب الاسباب پر کامل یقین۔ وہ چاہتے تھے کہ حق و باطل کے اس عظیم مقدمہ پر فیصلہ ہر صورت جنت یا بر خلاف مدعا علیہ ضرور صادر ہونا چاہئے۔ ابتداً مختاران مدعیہ نے عبدالرزاق کی اچانک موت کو تسلیم نہ کیا، لیکن جب بعد تحقیق موت کی تصدیق ہو گئی تو مختاران مدعیہ نے مستند قانونی حوالہ جات و نظائر پیش کر کے ثابت کیا کہ کسی ایک فریق کی موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی بروئے قانون مروجہ شرع شریف عدالت کے لئے لازم ہے کہ اس مرحلے پر اپنا فیصلہ صادر کرے۔

## درخواست جلال الدین صاحب شمس مختار مدعا علیہ

مؤرخہ ۲ دسمبر ۱۹۳۳ء

جس میں تحریر کیا گیا کہ عبدالرزاق فوت ہو گیا ہے۔ لہذا اب مقدمہ ہذا میں کسی مزید کارروائی کی ضرورت نہ ہے۔

بعدالت ڈسٹرکٹ جج بہادر بہاول پور

بمقدمہ غلام عائشہ بنام عبدالرزاق ..... زیر آرڈر ۲۲ رول۔ اضابطہ دیوانی

جناب عالی!

مقدمہ مندرجہ عنوان میں مدعا علیہ مؤرخہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء کو رحلت فرما گئے ہیں اور ان حالات میں مقدمہ مندرجہ عنوان میں کسی تجویز کی ضرورت نہیں رہتی۔ مدعیہ آزاد ہے کہ جہاں چاہے شادی کرے اور چونکہ مدعا علیہ کو کبھی خلوت صحیحہ حاصل نہیں ہوئی۔ اس لئے عدت وغیرہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی مقدمہ ہذا کی اغراض کے لئے مدعا علیہ کا کوئی قائم مقام قانون کی نگاہ میں مقرر ہو سکتا ہے اور ان حالات میں یہ بے معنی ہوگا کہ کوئی فیصلہ جنت مدعا علیہ یا بر خلاف مدعا علیہ صادر کیا جائے اور یہ قرین انصاف ہوگا کہ مثل مقدمہ داخل دفتر فرمائی جائے۔

حاکسار: جلال الدین شمس

۲ دسمبر ۱۹۳۳ء

## درخواست ہائے مسماة غلام عائشہ

مؤرخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء و ۱۲ جنوری ۱۹۳۵ء

جس میں قانونی حوالہ جات پیش کئے جا کر ثابت کیا گیا کہ  
بروئے قانون عدالت فیصلہ سنانے کی مجاز ہی نہیں بلکہ پابند ہے۔

بعدالت عالیہ ڈسٹرکٹ جج بہاول نگر (ریاست بہاول پور)

مسماة عائشہ مدعیہ بنام عبدالرزاق مدعا علیہ  
دعویٰ تنسیخ نکاح از یوم ارتداد

جناب عالی!

۱..... من جانب مختار مدعا علیہ ایک درخواست پیش ہوئی ہے کہ مدعا علیہ فوت ہو چکا ہے۔ جس پر عدالت نے مدعیہ کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ قانون پیش کرے کہ اس مرحلہ پر عدالت فیصلہ نہیں سنا سکتی یا سنا سکتی ہے۔

۲..... مختار مدعیہ نہایت ادب سے التماس کرتی ہے کہ عدالت زیر قاعدہ ۲۲ رڈ آریڈ ضابطہ دیوانی فیصلہ سنا سکتی ہے۔ خواہ بنائے دعویٰ رہے یا نہ رہے اور استحقاق نالاش قائم رہے یا نہ۔ گویا اس مقدمہ میں استحقاق نالاش قائم ہے۔ دفعہ ماسبق آریڈ میں قائم مقام کی ضرورت ہے لیکن اس قاعدہ ۶ میں قائم مقام کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فیصلہ جات ۱۰۶، ۱۹۱۵ء پنجاب ریکارڈ ۲۶ جلد، مدراس صفحہ ۱۰۱۔ الہ آباد سال ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۱۱۔ لاہور سال ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰۷ و آریڈ رول ۲۲ ضابطہ دیوانی۔

۳..... اس مقدمہ میں فیصلہ سنانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ مقدمہ ایک دفعہ عدالت ہائے ریاست ہذا سے مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا۔ لیکن انتہائی عدالت نے وہ تمام فیصلہ جات اس لئے منسوخ کر دیئے کہ یہ ایک شرعی معاملہ ہے۔ ریاست ہذا میں اسلامی ضابطہ کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا اب بموجب ضابطہ اسلامی مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے۔

۴..... اگر عدالت عالیہ مدعا علیہ کو فوت تسلیم کرنے کی بنا پر فیصلہ ملے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عدالت مدعیہ کے حقوق داد رسی عطا کرنے سے بھی انکار کرتی ہے۔

لہذا التماس ہے کہ بوجوہات بالا اس مقدمہ کا لازماً فیصلہ سنایا جائے تاکہ مدعیہ کی داد رسی فرمائی جاوے۔ مؤرخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۳ء

عرضے

مسماة عائشہ بذریعہ حاجی محمود مختار خاص

نقل درخواست مختار مدعیہ مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۳ء

بہ محکمہ ڈسٹرکٹ جج بہاول نگر

مسماة عائشہ بنام عبدالرزاق مدعا علیہ

دعویٰ دلاپانے ڈگری استقراریہ فتح نکاح فریقین بوجہ ارتداد شوہر مدعا علیہ از یوم ارتداد

جناب عالی!

بمقدمہ صدر قانون بحث طلب یہ ہے۔ بضرر تسلیم موت مدعا علیہ فیصلہ عدالت سنا سکتی ہے یا نہ۔  
مختار مدعیہ حسب ذیل عرض کرتا ہے:

..... یہ مسلمہ امر ہے کہ موت احد الفریقین بعد سماعت مقدمہ قبل از اجراء فیصلہ وقوع میں آئی ہے۔

اس کے متعلق قاعدہ نمبر ۶۶ آرڈر نمبر ۲۲ ضابطہ دیوانی اس مرحلہ مقدمہ کے لئے خاص وضع کی گئی چنانچہ رپورٹ سلیکٹ کمیٹی کی جو  
مجموعہ ضابطہ دیوانی کی ترمیمات پر غور کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ وہ تشریح کرتی ہے کہ واقعہ موت کو مقدمہ کے تصفیہ سے کچھ سروکار نہیں  
ہے۔ اس لئے اس آرڈر ۲۲ کے متعلق جو رپورٹ کمیٹی نے کی ہے۔ وہ درخواست میں بیعینہ حرف بحرف نقل کی جاتی ہے:

”جو دفعات کہ قانون موجود میں مقدمہ کی سماعت کی نسبت ہیں، ان میں ہمارے نزدیک اہم تغیر کی ضرورت نہیں۔ مگر ہم نے اس  
صورت خاص کا بصراحت لکھ دینا ضروری سمجھا جبکہ کوئی فریق بعد سماعت مقدمہ مگر قبل اجراء فیصلہ کے فوت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ کو  
مقدمہ کے تصفیہ سے کچھ سروکار نہ رکھنا چاہئے۔ پس اس غرض سے ہم نے اس مضمون کی دفعہ داخل کر دی کہ فیصلہ باوصف وفات فریق کے بھی  
سنا یا جاسکے۔“ (ملاحظہ ہو رپورٹ)

..... ۲ آرڈر ۲۲ کے متعلق ضابطہ دیوانی میں صاف درج ہے کہ آرڈر ہذا تغیرات بدوران دعویٰ سے متعلق ہے۔

استحقاق نالاش یا عدم استحقاق نالاش کی شرط دوران مقدمہ میں ہے، اس لئے اگر استحقاق نالاش قائم ہے تو بذریعہ قائم مقام کے  
مقدمہ کی سماعت جاری رہے۔ اگر استحقاق نالاش قائم ہی نہیں۔ مقدمہ ختم ہو جاتا ہے اور قائم مقام کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ آرڈر ۲۲ میں  
جس قدر رول بجز رول ۶ کے ہیں۔ متعلق دوران مقدمہ کے ہیں اور قاعدہ ۶ میں صاف تحریر کیا گیا ہے یہ قاعدہ جدید ہے جیسا کہ رپورٹ کمیٹی  
سلیکٹ نے ظاہر کیا ہے (پس اس غرض سے ہم نے اس مضمون کی دفعہ داخل کر دی) کہ وہ دفعہ ۶۲۳ کی ہیں۔ اس رول نمبر ۶ میں استحقاق  
نالاش کی شرط کا نہیں ہے۔

..... ۳ جو مقدمہ ہذا میں جبکہ موت مدعا علیہ بعد سماعت مقدمہ قبل اصدار فیصلہ وقوع میں آئی ہے۔ استحقاق نالاش کے قائم یا ناقائم رہنے کا  
تعلق نہیں ہے۔ بوجوہات ذیل:

(الف) دعویٰ مدعیہ یہ ہے کہ مدعا علیہ سال ۱۹۲۶ء میں مرتد ہو چکا ہے۔ یوم ارتداد سے مدعیہ اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ ڈگری  
استقرار یہ عدالت سے بھی طلب کرتی ہے کہ باعث ارتداد مدعیہ اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ ملاحظہ فقرہ نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳

## عدالت

میں نے نظائر پیش کردہ کو دیکھا ہے ان میں سے آل انڈیا رپورٹرز ۱۹۲۷ء اودھ صفحہ ۵۶۱ کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ یہ قرار پایا جاسکتا ہے کہ صورت موجودہ میں واقعات پر فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے۔ لہذا مختار مدعیہ کو مزید بحث کے لئے کسی قانون کے پیشہ ور شخص کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اصل ہذا شامل مسل ہو۔ مختار مدعیہ کو تاریخ فیصلہ سے بعد میں مطلع کیا جائے گا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۳۵ء دستخط: جج صاحب

## عدالت

مختار مدعیہ کو مطلع کیا جاوے کہ وہ بقرار ۷ فروری ۱۹۳۵ء فیصلہ مقدمہ سننے کے لئے عدالت ہذا میں بمقام بہاول پور حاضر ہو۔ یکم فروری ۱۹۳۵ء  
دستخط: محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج  
فاضل جج نے فریقین کے پیش کردہ قانونی حوالہ جات و نظائر کا پوری تحقیق سے جائزہ لینے کے بعد مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ کے مؤقف سے اتفاق فرماتے ہوئے ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ صادر فرما کر قرار دیا کہ قرآن پاک، احادیث نبویہ ﷺ اور قانون حکومت کی روشنی میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے تبعین اپنے عقائد اور اعمال کی بناء پر مسلمان نہیں بلکہ کافر اور خارج از اسلام ہیں۔  
قارئین گرامی! اب ملاحظہ فرمائیے حق و باطل کے درمیان ۹ سالہ قانونی جنگ کے نتیجہ میں صادر ہونے والا تاریخی عدالتی فیصلہ مورخہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء۔

مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الہی بخش ذات ملانہ عمر ۱۸/۱۹ سال سکناہ احمد پور شرقیہ  
بخترری الہی بخش ولد محمود ذات ملانہ ساکن احمد پور شرقیہ معلم مدرسہ عربیہ۔

بنام

عبدالرزاق ولد مولوی جان محمد ذات بجاہ عمر ۲۳ سال ساکن موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ حال مقیم میلسی شہر گج ریڈرسب ڈویژن انہار میلسی ضلع ملتان  
دعویٰ دلاپانے ڈگری استقراریہ مشعر تہنیک نکاح

فریقین بوجہ ارتداد شوہر مدعا علیہ

تجویز اخیر باجلاس عالی جناب محمد اکبر خان صاحب بہادر بی. اے، ایل. ایل. بی.

ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر

بمقدمہ مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ بنام عبدالرزاق مدعا علیہ

دعویٰ تہنیک نکاح

یہ ایک خاص نوعیت اور اہمیت کا مقدمہ ہے جو سال ۱۹۲۶ء میں دائر ہو کر ایک دفعہ انتہائی مراحل اپیل طے کر چکا ہے اور سال ۱۹۳۲ء سے پھر ایک نئی شان اور نئے اسلوب سے ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا میں زیر سماعت چلا آیا ہے۔ واقعات مختصر آئیے ہیں کہ مولوی الہی بخش والد مدعیہ اور مولوی عبدالرزاق مدعا علیہ باہمی رشتہ دار ہیں اور ابتداءً یہ دونوں علاقہ ڈیرہ غازی خان میں رہتے تھے۔ عبدالرزاق کی ہمیشہ مولوی الہی بخش سے بیابھی ہوئی تھی اور مولوی الہی بخش نے اپنی لڑکی مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ کا نکاح اس کے ایام نابالغی میں عبدالرزاق مدعا علیہ سے کر دیا تھا۔



یہ لڑکی اس کی ایک سابقہ بیوی کے لطن سے تھی اور اس کا نکاح وہیں فریقین کے ابتدائی مسکن پر ہوا تھا۔ اس کے بعد مولوی الہی بخش وہاں سے ترک سکونت کر کے علاقہ ریاست ہذا میں چلا آیا اور سال ۱۹۱۷ء میں اس نے موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ میں ایک زمیندار کے ہاں عربی تعلیم دینے پر ملازمت اختیار کر لی۔ مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس سے ایک سال کے بعد مدعا علیہ بھی بمعہ اپنی والدہ اور دو ہمیشہ گان کے وہاں سے ترک سکونت کر کے مولوی الہی بخش کے پاس موضع مہند میں آ گیا اور اپنے کنبہ کو وہاں چھوڑ کر خود حصول معاش کے لئے مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دوران قیام موضع مہند میں اس نے اپنے سابقہ اعتقادات سے انحراف کر کے مرزائی مذہب اختیار کر لیا اور وہاں اپنے قادیانی، مرزائی ہونے کا اعلان بھی کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے مولوی الہی بخش سے مدعیہ کے رخصتانہ کے متعلق استدعا کی تو اس نے یہ جواب دیا کہ جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہ کرے گا۔ مدعیہ کا بازو اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ مدعا علیہ کچھ عرصہ مدعیہ کے رخصتانہ کے درپے رہا۔ لیکن اسے یہی جواب دیا جاتا رہا کہ اس کے مرزائی مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں مدعیہ اس کے حوالے نہیں کی جاسکتی۔ جب اسے کامیابی کی امید نظر نہ آئی تو وہ پھر ریاست ہذا سے ترک سکونت کر کے علاقہ برٹش انڈیا میں چلا گیا اور حدود ریاست ہذا کے قریب علاقہ تحصیل لودھراں میں سکونت اختیار کر لی۔

ان سوالات پر کہ مدعا علیہ نے حدود ریاست سے سکونت کب ترک کی اور اس نے مرزائی یا احمدی مذہب کہاں اور کب اختیار کیا؟ آگے بحث کی جائے گی۔ یہاں اب صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ مدعیہ کے اس رخصتانہ کے سوال پر والد مدعیہ اور مدعا علیہ کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی اور والد مدعیہ نے مدعیہ کی طرف سے بحیثیت اس کے مختار کے ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو مدعا علیہ کے خلاف یہ دعویٰ بدیں بیان دائر کیا کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے۔ مدعا علیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہل سنت والجماعت ترک کر کے قادیانی، مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس کے مرتد ہوجانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ کیونکہ وہ شرعاً کافر ہو گیا ہے اور بموجب احکام شرع شریف بوجہ ارتداد مدعا علیہ مدعیہ مستحق انفراف زوجیت ہے۔ اس لئے ڈگری تینخ نکاح بحق مدعیہ صادر کی جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ مدعیہ بوجہ مرزائی ہوجانے مدعا علیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی اور نکاح مدعیہ بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔ مدعا علیہ نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس نے کوئی مذہب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان اور احکام شرعی کا پورا پابند ہے۔ احمدی کوئی علیحدہ مذہب نہیں نہ وہ مرزائی ہے نہ قادیانی۔ نکاح ہر صورت میں جائز اور قابل تکمیل ہے۔ عقائد احمدیہ کی وجہ سے جو صلاحیت مذہبی کی طرف رجوع دلاتے ہیں وہ مرتد نہیں ہو جاتا۔ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور، مدراس اور دیگر ہائی کورٹوں سے یہ امر فیصلہ پا چکا ہے کہ جماعت احمدیہ کے مسلمان اصلاح یافتہ فرقہ میں سے ہیں، مرتد یا کافر نہیں ہیں۔ دعویٰ ناجائز اور قابل اخراج ہے اور کہ بنائے دعویٰ بمقام مہند ریاست بہاولپور قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ فریقین کی وہاں سکونت رہی ہے اور نہ مدعا علیہ نے وہاں سرمیل کی کوئی تحریک کی۔ علاوہ ازیں کسی مقام پر سرمیل کی تحریک کئے جانے سے وہ مقام قانوناً بنائے دعویٰ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ دعویٰ وہاں سماعت ہونا چاہئے، جہاں مدعا علیہ کی مستقل سکونت ہو یا بناء دعویٰ پیدا ہوئی ہو۔ مقدمہ حال میں مدعا علیہ کی مستقل سکونت چونکہ علاقہ ملتان میں ہے اور نکاح ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہوا تھا۔ اس لئے دعویٰ حدود ریاست ہذا میں سماعت نہیں ہو سکتا۔

یہ دعویٰ ابتداً منصفی احمد پور شرقیہ میں دائر ہوا تھا۔ منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے فریقین کے مختصر سے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ۲ نومبر ۱۹۲۶ء کو حسب ذیل امور تینخ طلب قرار دیئے۔

..... کیا مدعا علیہ مذہب قادیانی یا مرزائیت اختیار کر چکا ہے اور اس لئے ارتداد لازم آتا ہے۔

۲..... اگر تنقیح بالا بحق مدعیہ ثابت ہو تو کیا نکاح فیما بین فریقین قابل انفساخ ہے؟ ان تحقیحات کے ثبوت میں مدعیہ نے مدعا علیہ کو عدالت مذکور میں بحیثیت گواہ خود پیش کیا تو مدعا علیہ نے ۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ بیان کیا کہ یہ درست ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو مسخ موعود تسلیم کرتا ہے اور ساتھ ہی انہیں نبی بھی مانتا ہے۔ اس معنی میں کہ مرزا صاحب نبی کریم ﷺ (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے تابعدار ہیں اور آپ کی شریعت کے پیرو ہیں اور آنحضرت ﷺ کی غلامی کی وجہ سے آپ نبوت کے درجہ پر فائز ہوئے اور اس وقت تک اس کا یہی اعتقاد ہے۔ گویا وہ سلسلہ احمدیت میں منسلک ہو چکا ہے۔ وہ مرزا صاحب کو ان معنوں میں نبی کہتا ہے، جن معنوں میں کہ قرآن کریم نبوت کو پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام ہیں کہ ان پر وحی اور الہام وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی تسلیم کرتا ہے، اس لئے وہ یہ بھی مانتا ہے کہ ان پر بمثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے نزول ملائکہ و جبرئیل علیہم السلام ہوتا تھا۔

اس بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے ۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء کو یہ امر مزید تنقیح طلب قرار دیا کہ کیا اس اعتقاد کی صورت میں جو مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس معنی میں کہ بمثل دیگر انبیاء علیہم السلام مرزا صاحب پر وحی اور الہام وارد ہوتے تھے۔ کوئی شخص مذہب اسلام میں شامل رہ سکتا ہے؟ اور اس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء کو ایک درخواست پیش کی کہ سابقہ تاریخ پر اس نے بیان دیا تھا۔ اس میں اس نے اپنے اعتقادات مذہبی کو بخوبی واضح کر دیا تھا۔ لیکن عدالت نے اس سے جو خلاصہ اخذ کیا ہے وہ اس کے اصلی اعتقاد مذہبی کے مغائر ہے۔ چونکہ اعتقاد مذہبی کی غلط تعبیر سے مقدمہ پر کافی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اپنے اعتقاد مذہبی کو من مدعا علیہ ذیل میں بیان کرتا ہے تاکہ غلط فہمی نہ رہے۔

میں خداوند تعالیٰ کو واحد لا شریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کو کامل الہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی برکت اور آپ کے توسط سے اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کو نبی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر وحی اور الہام با برکت حضرت نبی ﷺ وارد ہوتے تھے۔

اس درخواست میں یہ استدعا کی گئی کہ جو امر تنقیح سابقہ تاریخ پر وضع کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ تنقیح بالفاظ ذیل وضع ہونا چاہئے کہ آیا مدعا علیہ جس کا مذہبی اعتقاد یہ ہو جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مرتد ہے اور مسلمان نہیں ہے؟ اور اس کا ثبوت بذمہ مدعیہ عائد کیا جاوے، مگر عدالت نے اس درخواست پر کوئی التفات نہ کی اور اسے شامل مسل کر دیا۔

اس کے بعد بحکم ۷ مئی ۱۹۲۷ء عدالت عالیہ چیف کورٹ نے مقدمہ عدالت ہذا میں منتقل ہوا اور عدالت ہذا میں ۷ دسمبر ۱۹۲۷ء کو مدعا علیہ نے اپنے عقائد کی پھر ایک فہرست پیش کی جن کا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔

یہ مقدمہ عدالت ہذا سے بحکم ۲۱ نومبر ۱۹۲۸ء اس بناء پر خارج کیا گیا کہ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور سے اسی قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسماۃ چندو ڈی بنام کریم بخش میں با تباہ فیصلہ جات عدالت ہائے اعلیٰ مدراس، پٹنہ و پنجاب کے یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں نہ کہ اسلام سے باہر اور یہ کہ مرزائی مذہب اختیار کرنے سے کسی سنی عورت کا نکاح اس شخص کے ساتھ جو اس مذہب کو قبول کر لے فتح نہیں ہو جاتا اور کہ مدعیہ کی طرف سے ان فیصلہ جات کے خلاف کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔

عدالت ہذا کا یہ حکم برطبق اپیل عدالت عالیہ چیف کورٹ سے بحال رہا۔ لیکن اپیل ثانی پر عدالت معلیٰ اجلاس خاص سے یہ قرار دیا گیا کہ عدالت ہذا سے فریقین کے پیش کردہ اسناد پر بحث کئے بغیر دعویٰ مدعیہ خارج کر دیا گیا ہے اور فاضل جج ان چیف کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ پٹنہ و پنجاب ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات مقدمہ ہذا میں حاوی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں غیر متعلق سوال زیر بحث

رہے ہیں۔ البتہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ ۱۷ ائیڈین کیسز ۶۶ میں سوال زیر بحث بحثہ یہی تھا کہ آیا احمدی ہو جانے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ، لیکن ہم نے اس فیصلہ کو بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم فاضل ججان چیف کورٹ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ فیصلہ مذکورہ بالاکممل چھان بین سے طے پایا تھا۔ کیونکہ فاضل ججان مدراس ہائی کورٹ خود فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی خاص سند اس بات کی پیش نہیں کی گئی کہ فلاں فلاں اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور ان سے اس حدیث اس سے درجہ تک اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا کن اسلامی عقائد کی پیروی یا کن عقائد کے نہ ماننے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ اس فیصلہ میں پھر فاضل ججان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس سوال کو کہ آیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علماء اسلام بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں فاضل ججان ہائی کورٹ کا فیصلہ سوال زیر بحث پر قطعی نہیں ہے اور ہمیں مقدمہ ہذا میں اس کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس قرارداد کے ساتھ یہ مقدمہ اس ہدایت کے ساتھ واپس ہوا کہ گومولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آیا اور اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختم نبوت حضرت محمد ﷺ کا منکر ہے اور ختم نبوت اسلام کے ضروریات میں سے ہے۔ لہذا وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جب کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین بھی اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقع دینا چاہئے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔

واجبی پر اس مقدمہ میں فریقین کے ہم مذہب اور ہم خیال اشخاص کی فرقہ بندی شروع ہوگئی اور تقریباً تمام ہندوستان میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور طرفین سے ان کی جماعت کے بڑے بڑے علماء بطور مختاران فریقین و بطور گواہان پیش ہونے لگے۔ ان کے اس طرح میدان میں آنے سے قدرۃً یہ سوال عوام کے لئے جاذب توجہ بن گیا اور پبلک کو اس میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہوگئی اور ہر تاریخ سماعت پر لوگ جوق در جوق کرہ عدالت میں آنے لگے۔ چنانچہ عوام کی اس دلچسپی اور مذہبی جوش کو مد نظر رکھتے ہوئے حفظ امن قائم رکھنے کی خاطر پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس کی گئی اور عدالت ہذا کی تحریک پر صاحب بہادر کمشنر پولیس کی طرف سے ہر تاریخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا۔ امر ماہ النزاع حل و حرمت سے تعلق رکھنے کے علاوہ ضمناً چونکہ مدعا علیہ کے ہم خیال جماعت کی تکفیر پر بھی مشتمل ہے۔ اس لئے طرفین کو اس مقدمہ میں کھلے دل سے اپنے دلائل سندت اور بحث ہائے تحریری و تقریری پیش کرنے کا کافی موقع دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مدعا علیہ کی طرف سے ایک ایک گواہ کے بیان اور جرح پر بعض دفعہ مسلسل ایک ایک مہینہ بھی صرف ہوا ہے اور اس کی طرف سے جو بحث تحریری پیش ہوئی ہے وہ کئی سو ورق پر مشتمل ہے اور فیصلہ میں تعویق زیادہ تر مثل کے اس قدر ضخیم بن جانے کی وجہ سے بھی ہوئی ہے۔ دوران سماعت مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ نے مدعیہ اور اس کے والد مولوی الہی بخش کے خلاف ۲۳ اگست ۱۹۳۲ء کو عدالت سب جج صاحب درجہ دوم ملتان میں دعویٰ اعادہ حقوق ان و شوئی دائر کر کے عدالت موصوف سے ان ہر دو کے خلاف ۱۷ جون ۱۹۳۳ء کو ڈگری یک طرفہ حاصل کر لی اور اس مقدمہ میں جب کہ شہادت فریقین ختم ہو کر مدعیہ کی طرف سے بحث بھی سماعت ہو چکی تھی۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ عذر برپا کیا گیا کہ عدالت ہذا کو اختیار سماعت مقدمہ ہذا حاصل نہیں، کیونکہ بناء دعویٰ حدود ریاست ہذا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی مدعا علیہ کی رہائش عارضی یا مستقل ریاست ہذا کے اندر ہوئی ہے۔

دوسرا عدالت سرکار برطانیہ سے مدعا علیہ کے حق میں ڈگری استقرار حق زوجیت برخلاف مدعیہ والہی بخش والدش کے صادر ہو چکی ہے۔ اس لئے بروئے دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی عدالت ہذا کو اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے اور کہ بموجب دفعات ۱۳، ۱۴ ضابطہ دیوانی

ڈگری مذکورہ قطعی ہو چکی ہے اور اس کے صادر ہونے کے بعد مقدمہ زیر سماعت عدالت ہذا نہیں چل سکتا۔

مدعا علیہ کے ان عذرات کو بوجہ اس کے کہ وہ عدالت ہذا کے اختیار سماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اہم سمجھا جا کر اس مقدمہ میں ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل مزید تحقیقات ایزاد کی گئیں۔

۱..... کیا مدعا علیہ کی سکونت بوقت دائری دعویٰ ہذا حدود ضلع ہذا میں تھی یا یہ کہ بناء دعویٰ حدود ضلع ہذا میں پیدا ہوئی۔ اس لئے دعویٰ قابل سماعت عدالت ہذا ہے۔

۲..... اگر تنقیح بالا بخلاف مدعیہ طے ہو تو کیا عدالت ہذا کے اختیار سماعت کا سوال اس مرحلہ پر جب کہ مقدمہ پہلے عدالت ہائے اعلیٰ تک پہنچ چکا ہے اور مدعا علیہ برابر پیروی کرتا رہا ہے نہیں اٹھایا جا سکتا۔

۳..... کیا ڈگری ملک غیر کی بناء پر جو بحق مدعا علیہ برخلاف مدعیہ صادر ہوئی ہے۔ سماعت مقدمہ ہذا میں دفعات ۱۳، ۱۴ ضابطہ دیوانی عارض نہیں ہیں۔ ان تحقیقات کے وضع کرنے سے قبل مدعا علیہ کی طرف سے محکمہ معالیٰ وزارت و وزارت عدلیہ میں پیش گاہ حضور سرکار عالی دام اقبالہ و ملکہ میں پیش کئے جانے کے لئے ایک درخواست مشتمل بر عذرات مذکورہ بالا موصول ہوئی جو بمراد غور عدالت ہذا میں بھجوا دی گئی۔ اس درخواست کے مطالعہ سے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ مدعا علیہ کی طرف سے بحث پیش ہونے سے قبل ان قانونی عذرات مذکورہ بالا کو طے کر لیا جائے۔ اس لئے ۳ نومبر ۱۹۳۳ء کو فریقین کے نام نوٹس یاسی اطلاع جاری کئے جانے کا حکم دیا گیا کہ وہ تاریخ مقررہ پر اپنے علماء کو ہمراہ نہ لائیں بلکہ خود حاضر ہوں، تاکہ ان قانونی سوالات پر غور کی جا کر انہیں طے کر لیا جائے۔ مدعیہ کی طرف سے عدالت ہذا کے اس حکم کی ناراضی سے محکمہ معالیٰ اجلاس خاص میں درخواست نگرانی کی گئی ہے اور محکمہ معالیٰ نے بحکم ۷ نومبر ۱۹۳۳ء یہ قرار دیا کہ فریق مدعیہ پر تعین نوٹس درست نہیں ہوئی۔ لہذا یہ ہدایت کی گئی کہ سلسلہ بحث اور جدید امور کی دریافت کو ساتھ ساتھ جاری رکھا جائے اور اگر کسی فریق کے حق میں التواء مقدمہ ضروری خیال کیا جائے تو دوسرے فریق کو اس فریق سے مناسب ہرجانہ دلایا جائے۔ باتباع اس حکم کے فریقین کو جدید تحقیقات کے متعلق اپنا اپنا ثبوت پیش کرنے کی ہدایت کی گئی اور مختاران مدعا علیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے سلسلہ بحث کو بھی جاری رکھیں۔ اس کے بعد جب جدید تحقیقات مذکورہ بالا کے متعلق طرفین کی شہادت ہو چکی تو مدعا علیہ نے پھر ۲ جنوری ۱۹۳۴ء کو ایک درخواست کے ذریعہ یہ عذر برپا کیا کہ امور ذیل کو بھی زیر تنقیح لایا جائے۔

کہ کیا مدعا علیہ کی وطنیت ریاست بہاولپور میں واقع ہے؟

اگر تنقیح بالا مدعیہ کے خلاف ثابت ہو تو پھر بھی عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے۔ اس درخواست کو اس بناء پر مسترد کیا گیا کہ مدعا علیہ کی طرف سے اس قسم کا پہلے کوئی عذر نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ وہ پہلے قانونی مشورہ حاصل کر کے پیروی کرتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں جہاں تک اس جدید عذر کا قانونی پہلو ہے۔ اس کے متعلق وہ اپنی بحث کے وقت قانون پیش کر سکتا ہے۔ واقعات کے لحاظ سے فریقین کی طرف سے مثل پر جو مواد لایا جا چکا ہے۔ وہ اس سوال پر بھی بحث کرنے کے کافی ہے۔ لہذا کسی مزید تنقیح کے وضع کرنے کی ضرورت خیال نہیں کی جاتی۔

اس سے قبل دوران شہادت میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک حجت یہ بھی پیدا کی گئی تھی کہ مدعیہ بوقت ارجاع نالاش نابالغ تھی۔ اس لئے اب اس سے خود دریافت ہونا چاہئے کہ وہ مقدمہ چلانا چاہتی ہے یا نہ۔ لہذا اس سوال کے متعلق بھی یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک تنقیح یاسی الفاظ وضع کیا گیا تھا کہ کیا مدعیہ بوقت ارجاع نالاش نابالغ تھی اور اس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا گیا۔ کیونکہ مدعیہ کی طرف سے اسے بالغ ظاہر کیا جا کر بخناری والدش دعویٰ دائر کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اس تنقیح کو بحکم ۲۹ مارچ ۱۹۳۳ء خارج کیا گیا۔ کیونکہ قانوناً مدعا علیہ کا

یہ عذر ناقابل پذیرائی تھا۔ ملاحظہ ہو (۷۴ انڈین کیسز ص ۳۰۹) اب ذیل میں دیگر قانونی سوالات پر بحث کی جاتی۔

مدعا علیہ کا اہم عذر یہ ہے کہ اس نے کبھی حدود ریاست ہذا میں سکونت اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس نے یہاں احمدی مذہب قبول کیا ہے، بلکہ وہ ۶،۵ سال تک شیخ واہ میں رہا ہے۔ وہاں سے اس نے سال ۱۹۲۲ء میں ایک خط کے ذریعہ مرزا صاحب کے خلیفہ ثانی کے ساتھ بیعت کی تھی اور بیعت کرنے کے ۶،۵ ماہ بعد اس نے اپنے موجودہ مسکن واقعہ علاقہ لودھراں میں آ کر سکونت اختیار کی۔ یہاں اس نے آ کر ایک مکان تعمیر کرایا اور اس وقت سے یہاں مقیم ہے۔

مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مدعا علیہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے ترک سکونت کرنے کے بعد سیدھا مولوی الہی بخش والد مدعیہ کے پاس حدود ریاست ہذا میں آیا اور یہاں بود و باش شروع کی۔ مرزائی مذہب اس نے ایک شخص مولوی نظام الدین کی ترغیب پر قبول کیا جو موضع مہند مسکن والد مدعیہ کے قریب رہتا ہے اور دعویٰ ہذا دائر ہونے کے بعد وہ حدود ریاست ہذا کے باہر چلا گیا ہے۔ ان امور کے متعلق فریقین کی طرف سے جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں، اس سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

مدعا علیہ کی یہ حجت درست نہیں پائی جاتی کہ وہ کبھی ریاست ہذا میں نہیں آیا، بلکہ مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے جس کی مدعا علیہ کی طرف سے کوئی خاطر خواہ تردید نہیں کی گئی۔ یہ ثابت ہے کہ مدعا علیہ مولوی الہی بخش کے یہاں آنے کے بعد اپنے مسکن واقعہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے سیدھا حدود ریاست ہذا میں مولوی الہی بخش والد مدعیہ کے پاس آیا اور اپنی والدہ اور ہمشیرگان کو اس کے ہاں چھوڑ کر خود حصول معاش کے لئے حدود ریاست ہذا کے اندر مختلف مقامات پر پھرتا رہا اور کچھ عرصہ کے بعد پھر مولوی الہی بخش کے پاس آ کر ٹھرتا رہا۔ اس کے جب مدعیہ کے رخصتانہ کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ ترک سکونت کر کے یہاں سے چلا گیا اور غالباً صحیح یہی ہے کہ وہ مقدمہ ہذا دائر ہونے سے قبل ہی چلا گیا۔ کیونکہ خود مدعیہ نے عرضی دعویٰ میں اس کی سکونت بقام میلیں درج کرائی ہے۔ چنانچہ اس پتہ پر جب سمن جاری کیا گیا تو مختار مدعیہ نے پھر ۱۳/ اگست ۱۹۲۶ء کو منصفی احمد پور شرقیہ میں ایک درخواست پیش کی کہ مدعا علیہ کی سکونت گود دعویٰ میں بمقام میلیں لکھی ہوئی ہے۔ لیکن اب مدعا علیہ یہاں احمد پور شرقیہ میں موجود ہے۔ پھر تعین نہیں ہو سکے گی۔ اب اس پتہ پر سمن جاری کی جا کر تعین کرائی جائے۔ چنانچہ اسی روز عدالت سے سمن جاری کیا، جا کر مدعا علیہ کی اطلاع یابی کرائی گئی۔ مدعا علیہ کہتا ہے کہ اسے وہاں دھوکہ سے بلوایا گیا۔ لیکن یہ سوال چنداں اہم نہیں۔ وہ چاہے جس طرح احمد پور شرقیہ میں آیا یہ امر واقعہ ہے کہ سمن پر اس کی اطلاع یابی وہاں کرائی گئی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ دائری دعویٰ کے وقت اس کی رہائش حدود ریاست ہذا کے اندر نہ تھی۔ لہذا اس بناء پر مدعا علیہ کی یہ حجت درست ہے کہ دائری دعویٰ کے وقت چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی عارضی یا مستقل سکونت نہ تھی۔ اس لئے یہاں اس کے خلاف دعویٰ دائر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مدعیہ کی پھر یہ حجت ہے کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر تبدیل کیا ہے۔ اس لئے اسے مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بناء دعویٰ پیدا ہوتی ہے اور اس لحاظ سے مدعا علیہ کے خلاف یہاں دعویٰ درست طور پر دائر کیا گیا ہے۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب شیخ واہ ضلع ملتان میں قبول کیا تھا اور کہ ابتداً وہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے شیخ واہ میں ہی گیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا ایک خط پیش کیا گیا ہے۔ جو ڈاک خانہ دنیا پور سے ۲۱ جنوری ۱۹۲۲ء کو خلیفہ صاحب ثانی کی خدمت میں بھجوا یا گیا اور جس پر بغیر کسی ولدیت، قومیت کے صرف عبدالرزاق احمدی لکھا ہوا ہے۔ اس سے یقینی طور پر یہ اقرار نہیں دیا جاسکتا ہے کہ یہ خط اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا تحریر شدہ ہے۔ شناخت خط کے بارہ میں مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان پیش ہوئے ہیں جن میں ایک اللہ بخش بالکل نوعمر لڑکا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخ واہ میں مدعا علیہ کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اس وقت وہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ شناخت خط کے بارہ میں پہلے تو اس نے یہ کہا یہ شاید وہ نہ پہچان سکے۔ لیکن پھر بیان کیا کہ وہ شناخت کرتا ہے کہ خط مشمولہ مسل مدعا علیہ کا تحریر

کردہ ہے۔ لیکن اوّل تو جس وقت یہ گواہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھنا بیان کرتا ہے۔ اس وقت خود اس کی اپنی عمر کوئی ۱۳، ۱۴ سال کے قریب ہوگی۔ غیر اغلب ہے کہ اس عمر میں اس نے مدعا علیہ کی طرز تحریر کو بخوبی ذہن نشین کر لیا ہو۔ دوسرا وہ اس خط کی شناخت کے متعلق کوئی خاص وجوہات بیان نہیں کر سکا۔ علاوہ ازیں جب اس کی تذبذب بیانی کو مد نظر رکھا جائے تو اس کی شہادت بالکل ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے گواہ کی شہادت بھی سرسری قسم کی ہے اور اس پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخ واہ میں ۶، ۵ سال رہا۔ لیکن وہاں کی سکونت ثابت کرنے کے لئے بھی اس کی طرف سے یہی اللہ بخش گواہ پیش ہوا ہے۔ دیگر گواہان صرف سامعی طور پر بیان کرتے ہیں کہ وہ لودھراں میں وہاں سے آیا تھا۔ لہذا اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے مسل پر جو مواد لایا گیا ہے، اس سے یہ قرار دینا مشکل ہے کہ مدعا علیہ اپنے موجودہ مسکن پر سکونت پذیر ہونے سے قبل شیخ واہ میں رہتا تھا اور کہ اس نے احمدی مذہب بھی وہیں اختیار کیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا جو خط پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق قابل اطمینان طریق پر یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ وہ اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا ہے۔ ان تمام واقعات سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مدعا علیہ نے علاقہ لودھراں میں سکونت اختیار کرنے سے قبل جہاں پہلے سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ احمدی مذہب اس نے وہاں قبول کیا۔ مدعا علیہ حسب اذعا خود یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا کہ اس کی یہ سابقہ سکونت شیخ واہ میں تھی۔ برعکس اس کے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت ہے کہ مدعا علیہ اپنی موجودہ سکونت اختیار کرنے سے قبل حدود ریاست ہذا میں سکونت پذیر تھا۔ اس لئے مدعا علیہ کے اپنے بیان سے ہی یہ ثابت قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب حدود ریاست ہذا میں اختیار کیا اور اس کی تائید مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ کا مذہب تبدیل کرنا چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی جائے سکونت موضع مہند میں وقوع میں آیا ہے۔ اس لئے اس بنا پر مدعیہ کو ضلع ہذا کے اندر بنائے دعویٰ پیدا ہوئی ہے۔ لہذا عدالت ہذا کو اس مقدمہ کی سماعت کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

مدعا علیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اس کی چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر سکونت نہیں رہی۔ اس لئے عدالت ہذا کو اس کے خلاف سماعت مقدمہ ہذا کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ مدعیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدعا علیہ نے گواہتدائی یہ عذر اٹھایا تھا۔ لیکن بعد میں عدالت ہائے اپیل میں جا کر اس نے اسے ترک کر دیا اور شروع سے لے کر اخیر تک وہ برابر اس کی پیروی کرتا رہا۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ اس نے عدالت ہذا کے اختیار سماعت کو قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اب وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اس بارہ میں فیصلہ ۱۲۹ انڈین کیسز (ص ۲۵۶) بطور سند پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپیلیں چونکہ مدعیہ کی طرف سے ہوتی رہیں تھیں۔ اس لئے اسے اعتراض کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں مقدمہ چونکہ دوبارہ ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا کے زیر سماعت آ گیا ہے۔ اس لئے وہ اس سوال پر عدالت کو متوجہ کر سکتا ہے۔ مگر مدعا علیہ کی یہ حجت درست معلوم نہیں ہوتی کہ اسے اپیل میں یہ عذر اٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ فیصلہ اس کے خلاف ہونا ممکن تھا۔ اس لئے اسے ہر پہلو سے اپنی جواب دہی کرنی چاہئے تھی اور گوکہ مقدمہ اب پھر ابتدائی حیثیت میں سماعت کیا گیا ہے۔ تاہم اس مقدمہ کے سابقہ مراحل کی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اگر اس حجت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو چونکہ اوپر یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بناء دعویٰ حدود ریاست ہذا میں پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے اس سوال پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی اور عدالت ہذا سے مدعا علیہ کے خلاف یہ دعویٰ درست طور پر سماعت کیا گیا ہے۔

اس قرار داد سے ان نتیجعات میں سے پہلے دو کا جو ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو وضع کی گئی تھیں، فیصلہ ہو جاتا ہے۔ باقی تیسری نتیجہ کے متعلق جو ڈگری ملک غیر کی بابت ہے۔ صرف یہ درج کر دینا کافی ہے کہ عدالت صادر کنندہ ڈگری کے روبرو یہ سوال کہ مدعا علیہ تبدیل مذہب کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے اور اس لئے مدعیہ اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ زیر بحث نہیں آیا اور نہ ہی پایا جاتا ہے کہ اس عدالت کو یہ جتلا یا گیا کہ اس

نکاح کے بارہ میں مدعیہ کی طرف سے عدالت ہذا میں بھی مقدمہ دائر ہے۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ وہ فیصلہ صحیح واقعات پر صادر نہیں ہوا اور ڈگری دھوکے سے حاصل کی گئی۔ لہذا وہ ڈگری بروئے ضمن (ب) و (د) دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی قطعی قرار نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی کا اطلاق واقعات مقدمہ ہذا پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو وہ ڈگری قطعی نہیں، دوسرا وہ کسی عدالت واقع اندرون حدود ریاست ہذا کی صادر شدہ نہیں۔ اس لئے یہ تیسری نتیجہ بھی بحق مدعیہ و برخلاف مدعا علیہ طے کی جاتی ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ فریقین چونکہ درحقیقت اپنی شہریت اور وطنیت کے لحاظ سے برٹش انڈیا سے تعلق رکھنے والے ہیں اور والد مدعیہ نے خود یا اس کے کسی گواہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے برٹش شہریت اور وطنیت چھوڑ چکا ہے۔ کیونکہ شہریت اور وطنیت کو ترک کرنے کے لئے لازمی ہے کہ یہ فعل علانیہ طور پر اور پبلک اظہار کے بعد قانونی حیثیت سے کیا جائے۔ اس لئے تا وقتیکہ یہ ثابت نہ ہو۔ ایسے نکاح متنازعہ کے متعلق قانون میں بین الاقوامی یہ ہے کہ وہ نکاح جو اس ملک کے قانون کے لحاظ سے جائز ہے، جہاں سے وہ منعقد ہوا وہ ساری دنیا میں جائز اور درست ہے اور کوئی دوسرے ملک کی عدالت اسے ناجائز قرار نہیں دے سکتی اور پھر ایسے نکاح کی تنسیخ کے متعلق بھی قانون بین الاقوامی یہ ہے کہ جس ملک میں ہر دو زوجین کو وطنیت حاصل ہو، صرف وہیں کی عدالت تنسیخ کا مقدمہ سن سکتی ہے اور اس قانون کی رو سے بیوی کی وطنیت وہی جگہ تصور ہوگی، جہاں خاوند کی وطنیت ہو۔

فریقین کی طرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فریقین اپنی ابتدائی برطانوی شہریت و وطنیت پر قائم ہیں۔ گو حصول معاش کے لئے ایک فریق نے اپنی رہائش بہاول پور میں رکھی ہوئی ہے۔ مگر محض دوسری جگہ رہائش رکھنے سے اصل وطنیت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ مدعیہ کا نکاح علاقہ انگریزی میں ہوا۔ جہاں کہ مدعیہ کی بیان کردہ وجہ ارتداد کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے علاقہ انگریزی کے قانون کی رو سے یہ نکاح صحیح اور جائز ہے۔

لیکن مدعا علیہ کی یہ حجت اس لئے وزن دار نہیں کہ اول تو یہ ثابت ہے کہ مولوی الہی بخش بہت مدت سے اپنے سابقہ مسکن سے ترک سکونت کر کے حدود ریاست ہذا میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے کافی مدت کے بود و باش اور دیگر افعال سے یہ بخوبی اخذ ہوتا ہے کہ وہ حدود ریاست ہذا میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے اور اس کا اپنے سابقہ مسکن پر واپس جانے کا ارادہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں جو شہادت پیش ہوئی ہے، اس سے پایا جاتا ہے کہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اب اس کا اپنا کوئی گھر موجود نہیں۔ مدعیہ چونکہ اس وقت نابالغ تھی اور بطور زوجہ مدعا علیہ کے حوالہ نہ کی گئی تھی۔ اس لئے اس کا اپنے والد کے ہمراہ یہاں چلے آنے اور اس کے ساتھ بود و باش رکھنے سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے بھی اب بمثل اپنے والد کے یہاں کی وطنیت اختیار کر لی ہے۔ علاوہ ازیں یہ پایا جاتا ہے کہ جب وہ نابالغ ہوئی تو اس نے مدعا علیہ کی زوجیت سے انکار کر دیا اور یہ حجت کی کہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اس کا جو نکاح مدعا علیہ سے ہوا تھا وہ بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔ اس لئے کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ مدعیہ کی وطنیت بھی اب وہی شمار ہوگی جو کہ مدعا علیہ نے اختیار کی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں نہ بطور زوجہ اس کے ساتھ آباد رہی اور نہ اب حقوق زوجیت کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ وہاں آباد ہونے کو آمادہ ہے۔ اس لئے لامحالہ یہ قرار دینا پڑے گا کہ مدعیہ نے بھی اب یہی وطنیت اختیار کی ہوئی ہے اور اگر بفرض محال مدعا علیہ کی اس حجت کو درست سمجھی مان لیا جائے تو بھی مدعا علیہ کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس مقدمہ کی کارروائی یہاں بھی اس ضابطہ دیوانی کے تحت کی گئی ہے، جو علاقہ میں جاری ہے اور نکاح زیر بحث کا تصفیہ اسی شخصی قانون کے تحت کیا جا رہا ہے کہ جس انگریزی کی رو سے قانون مروجہ علاقہ انگریزی کی رو سے تصفیہ کئے جانے کی ہدایت ہے۔ یعنی بروئے شرح محمدی، اس لئے کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست ہذا کا قانون جس کے تحت مقدمہ ہذا میں کارروائی کی جا رہی ہے وہ برٹش انڈیا کے قانون سے مختلف ہے۔ ہاں! قانون کی تعبیر کا سوال دوسرا ہے۔ کسی قانون کی تعبیر اس قانون کا جزو شمار نہیں ہو سکتی۔

اس لئے کسی عدالت کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی خاص قانون کی تعبیر وہی کرے جو دوسری عدالت نے کی ہے۔ تا وقتیکہ وہ اس کی ماتحت عدالت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف ہائی کورٹوں کی مختلف قراردادیں پائی جاتی ہیں۔ مقدمہ حال میں عدالت معلیٰ اجلاس خاص نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو معاملہ زیر بحث کے متعلق قطعی نہ سمجھتے ہوئے قابل پیروی خیال نہیں کیا اور عدالت معلیٰ کی یہ قرارداد قانوناً بالکل درست ہے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ قانون بین الاقوامی کی اگر یہ سمجھا بھی جائے کہ وہ ریاست ہذا اور برٹش انڈیا کے مابین حاوی ہے۔ کوئی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ کیونکہ یہاں اسی قانون پر عمل کیا جا رہا ہے جو برٹش انڈیا میں مروج ہے اور اگر وطنیت کو ہی معیار سماعت دعویٰ قرار دیا جائے تو چونکہ مدعیہ کی وطنیت حدود ریاست ہذا کے اندر پائی جاتی ہے، اس لئے اس لحاظ سے بھی ریاست ہذا کی عدالتوں کو اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ لہذا یہ مقدمہ عدالت ہذا میں درست طور رجوع ہو کر زیر سماعت لایا گیا ہے۔

ان قانونی امور کو طے کرنے کے بعد اب اصل معاملہ ماہہ النزاع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قبل اس کہ اس سوال پر فریقین کی پیش کردہ شہادت اور دلائل پر بحث کی جائے، یہ سمجھنے کے لئے کہ قادیانی یا امرزائی یا احمدی مذہب کیا ہے اور مذہب اسلام کے ساتھ اس کا کیا لگاؤ ہے اور اس مذہب کو قبول کرنے والے کو کیوں مرتد سمجھا گیا ہے، کچھ مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔

یہ بات کچھ خلاف واقع نہ ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر مذہب و ملت کے نزدیک ابتدائے آفرینش اور وجود باری تعالیٰ کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ تمام مذاہب کے متعلق یہ رائے صحیح نہ ہو تو کم از کم یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے متعلق بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے مذاہب کی رو سے نہ صرف امور مذکورہ بالا کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ بلکہ ابتدائے آفرینش کے بارہ میں ان کی کتب سماوی کا قریباً قریباً باہمی اتفاق بھی ہے۔ اس بحث سے کچھ یہ دکھانا بھی مقصود ہے کہ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم نہیں جو کہ اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کو منزل من اللہ کہنے والی ہے۔ بلکہ اس قسم کا عقیدہ دیگر اقوام میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ بھی اپنے مذاہب کی بنیادی کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ مسئلہ زیر بحث کا چونکہ صرف مسلمانوں سے تعلق ہے۔ اس لئے یہاں صرف ان کی آسمانی کتاب قرآن مجید کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انہیں ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے منع فرمایا گیا۔ اس کے بعد جب آدم علیہ السلام نے غلطی سے اس پھل کو کھالیا تو ان کو باغ جنت سے بے دخل کر دیا گیا اور شیطان کو بھی جس کی ترغیب پر انہوں نے وہ پھل کھایا تھا، وہاں سے نکالا گیا اور یہ ارشاد ہوا کہ: ”قلنا اهبطوا منها جميعا فاما ياتينكم مني هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون (البقرة)“

نیچے جاؤ یہاں سے تم سب پھر اگر اپنے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت پھر اس کے رسولوں کے ذریعہ سے جو کہ انسانوں میں سے منتخب کئے جاتے ہیں، پہنچتی رہی۔ حتیٰ کہ رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جاری رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئندہ سلسلہ رسالت جاری رہنے میں لوگوں میں اختلاف ہونے لگا اور عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے پر جن لوگوں نے انہیں نہ مانا اور جو موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر قائم رہے وہ یہود کہلائے اور جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کر لیا اور نصاریٰ کہلائے اور ان کے بعد جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبوت ملی تو انہیں جن لوگوں نے نبی تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کیا وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اب مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ ہاں! البتہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں، آسمان سے نزول فرمائیں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت پر چل کر لوگوں کو راہ ہدایت دکھلائیں گے اور رسول اللہ کی شریعت پر چلنے



کی وجہ سے امتی نبی کہلائیں گے۔

اب انیسویں صدی کے اخیر میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو مدعا علیہ کے پیشوا ہیں۔ ان روایات کی جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں میں مشہور چلی آتی تھیں، یہ تعبیر کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو مسیح ناصر تھے فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے واپس نہیں آنا اور نہ ان کا واپس آنا بروئے آیات قرآنی ممکن ہے اور نہ وہ نبی ہو کر امتی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ امتی نبی سے یہ مراد ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے کمال اتباع اور فیض سے ان کے کسی امتی کو نبوت کا درجہ عطاء کیا جائے گا اور اس تعبیر کے ساتھ انہوں نے اس درجہ کا اپنے مختص ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں فریق ثانی کی طرف سے جو دلائل اور سندات وغیرہ پیش کی گئی ہیں، ان پر آگے بحث کی جائے گی۔ اب صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ جن لوگوں نے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کو صحیح تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کر دیا ہے، انہیں لوگ مرزا صاحب کے ساتھ اور ان کے مسکن قادیان کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بعض اوقات مرزائی کہتے ہیں اور بعض اوقات قادیانی اور قادیانی مرزائی کہنے سے ایک اور تعبیر بھی لی جاتی ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب کے تبعین کے دوفرقتے ہیں۔ ایک لاہوری اور دوسرے قادیانی۔ لاہوری انہیں نبی نہیں مانتے، قادیانی انہیں نبی مانتے ہیں۔ اس لئے قادیانی مرزائی کہنے سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ وہ شخص جس کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ مرزا صاحب کے ان تبعین میں سے ہیں جو انہیں نبی مانتے ہیں۔ مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ پر اسی مفہوم کے تحت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

اس فرقہ کا تیسرا نام احمدی ہے جس کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس جماعت کے امیر نے اپنی جماعت کے لئے تجویز کر کے گورنمنٹ سے اس جماعت کو موسوم کئے جانے کی منظوری حاصل کی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد سند اور اعتبار کے لحاظ سے احادیث کا درجہ ہے جو حضرت رسول کریم ﷺ کے اقوال کا مجموعہ ہیں۔ اب مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ غلط ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں ان کے بعد اور نبی نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کے اعتقادات شرعاً درست نہیں ہیں۔ بلکہ کفر کی حد تک پہنچتے ہیں۔ اس لئے ان کو نبی تسلیم کرنے والا اور ان کی تعلیم پر چلنے والا بھی کافر ہے اور ائرا اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے اور کسی سنی عورت کا نکاح جو قبل از ارتداد اس کے ساتھ ہوا ہو، شرعاً قائم نہیں رہتا اور اس اصول کے تحت مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ کے قادیانی، مرزائی ہو جانے کی صورت میں اس کے ساتھ قائم نہیں رہا۔ لہذا ڈگری انفریق زوجیت دی جائے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ قادیانی مذہب، مذہب اسلام کے کوئی مغائر مذہب نہیں ہے بلکہ اس مذہب کے صحیح اصولوں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس تعبیر کے مطابق عمل پیرا ہونے سے وہ خارج از اسلام نہیں ہوا۔ اس کا نکاح قائم ہے اور دعویٰ مدعیہ قابل اخراج ہے۔ چنانچہ فریقین نے اپنے اپنے اس اذعا کے مطابق شہادت پیش کی ہے جس پر آگے بحث کی جائے گی۔ مقدمہ ہذا میں ابتدائی تفتیحات جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ چاہے جس شکل یا جن الفاظ میں وضع شدہ ہیں، ان کا نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا مفہوم بھی ہے کہ کیا مدعا علیہ نے قادیانی یا مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے اور کیا اس مذہب میں داخل ہونے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے اور کیا اس صورت میں مدعیہ کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ اس لئے ان تفتیحات کی ترمیم کے متعلق مدعا علیہ کے عذرات کو وزن دار خیال نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان تفتیحات کے الفاظ میں کسی رد و بدل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور خصوصاً ان میں ترمیم کی ضرورت اس لئے بھی نہیں رہی کہ اگر مدعا علیہ کے اذعا کے مطابق یہی صورت تفتیحات قائم کی جائے تو مسل پر اس قدر مواد آچکا ہے کہ اس کی رو سے اس صورت میں بھی بحث کی جاسکتی ہے۔ اس سوال پر اب چنداں بحث کی ضرورت نہیں رہی کہ آیا مدعا علیہ قادیانی مرزائی ہے یا نہ۔ کیونکہ اس نے اپنے اعتقادات کی جو

فہرست پیش کی ہے، اس میں اس نے صاف طور پر درج کیا ہے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہے اور ان پر وحی اور الہام بمرکت حضرت نبی کریم ﷺ وارد ہوتے تھے۔ اس لئے اس سے یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ مرزا صاحب کے قادیانی قہین میں سے ہے۔ اب بحث طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عقیدہ کفریہ ہے اور اس عقیدہ کے رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف چھ (۶) گواہان ذیل مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور، مولوی محمد حسین صاحب سکند گوجرانوالہ، مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اور نیکل کالج لاہور پیش ہوئے ہیں اور مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مولوی غلام احمد صاحب مجاہد پیش ہوئے ہیں۔ ہر دو گواہان قادیانی مبلغین میں سے ہیں۔ ان جملہ گواہان کی شہادتیں کئی معاملات شرعی پر مشتمل ہیں اور بہت طویل ہیں۔ ان کا اگر معمولی اختصار بھی یہاں درج کیا جائے تو اس سے نہ صرف فیصلہ کا حجم بڑھ جائے گا، بلکہ اصل معاملہ کے سمجھنے میں بھی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے ان شہادتوں سے جو اصول اور دلائل اخذ ہوتے ہیں وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں اور زیادہ تر دربار معلیٰ کی ہدایت کے مطابق ان شہادتوں کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے یا نہ ماننے سے ایک شخص مرتد سمجھا جاسکتا ہے اور کہ کیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے یا نہ؟

مدعیہ کی طرف سے مذہب اسلام کے جو اہم اور بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں وہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں مفصل درج ہیں۔ یہاں ان کا مختصر اعادة کیا جاتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کر لیا جائے اور کہ غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کر لینے کو ایمان کہتے ہیں اور حق شناسی یا منکر ہو جانے یا مکر جانے کو کفر کہتے ہیں۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے یا تو اتر سے یا خبر واحد سے تو اتر سے کہتے ہیں کہ کوئی چیز نبی کریم سے ایسی ثابت ہوئی ہو اور ہم تک علی الاتصال پہنچی ہو کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ یہ تو اتر چار قسم کا ہے۔ تو اتر اسنادی، تو اتر طبقہ، تو اتر قدر مشترک اور تو اتر توارث۔ تو اتر اسنادی اسے کہا جاتا ہے کہ جو صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہو۔

تو اتر طبقہ اسے کہتے ہیں کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا، بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تو اتر۔

تو اتر قدر مشترک یہ ہے کہ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہوا جو تو اتر کو پہنچ گیا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کے معجزات جو کچھ تو اتر ہیں اور کچھ خبر واحد ہیں۔ ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے اس کی مزید تشریح مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کی ہے کہ بعض ایسی احادیث جو باعتبار معنی اور سند کے متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنی کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معنوں کو اتنی سندوں سے اور اتنے راویوں نے بیان کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تو اتر توارث اسے کہتے ہیں کہ نسل نے نسل سے لیا ہو اور یہ تو اتر اس طرح سے ہے کہ بیٹے نے باپ سے لیا اور باپ نے اپنے باپ سے۔ ان جملہ اقسام کے تو اتر کا انکار کفر ہے۔ اگر تو اتر ات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا مطلب بگاڑنا، کفر صریح ہے اور متواترات کو تاویل سے پلٹنا بھی کفر ہے۔ کفر کبھی قوی ہوتا ہے اور کبھی فعلی مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور ۳۰ سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے تو کفر فعلی ہے۔ کفر قوی یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ خدا کے ساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی کفر قوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ (حضرت محمد مصطفیٰ) کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے

گا۔ کیونکہ تو اترتو ارث کی ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اسی طرح کوئی شخص اگر اپنے مساوی سے کہہ دے کہ ”کلمہ بکا“ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ استاد اور باپ سے کہے تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کفر صریح ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں ہمارے پاس کوئی دوسو حدیثیں ہیں۔ قرآن مجید اور اجماع بالفعل ہے اور ہر نسل اگلی نے کچھلی سے اس کو لیا ہے اور کوئی مسلمان جو اسلام سے تعلق رکھتا ہے وہ اس عقیدہ سے غافل نہیں رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس سے انحراف کرنا صریح کفر ہے۔ اسلام ہے شناخت مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے اشخاص شناخت ہیں اسلام کی۔ اگر اجماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جائے تو دین سے وہ گیا۔

جو دین محمدی ﷺ کا اقرار نہ کرے اسے کافر کہتے ہیں جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو زبان سے کہتا ہو اسے منافق کہتے ہیں۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو، اسے زندیق کہتے ہیں اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد کا معنی یہ ہے کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ کر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جائے گا اور ایمان یہ ہے۔ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان خاص و عام اسے جانتے ہیں، اس کی تصدیق کرنا۔

ضروریات دین وہ چیز ہیں کہ جن کو خواص و عوام پہچانیں کہ یہ دین سے ہیں۔ جیسے اعتقاد توحید کا رسالت کا اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

شریعت کے اگر کسی لفظ کو بحال رکھا جا کر اس کی حقیقت کو بدل دیا جائے اور وہ معاملہ متواترات سے ہو تو وہ کفر صریح ہے۔ کفر و ایمان کی اس شرعی حقیقت کے بیان کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مسلمان بعض قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بایں معنی کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد کسی کو عہدہ نبوت نہ دیا جائے گا۔ بغیر کسی تاویل اور تخصیص کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک نسلًا بعد نسل ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے۔

اور یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث متواتر المعنی سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے اور اس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں اگر کوئی تاویل و تخصیص نکالی جائے تو وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔

یہ اصول ہیں جن کے تحت میں اور بھی ایسے بہت سے فروع موجود ہیں جو مستقل موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان یہ ہے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور بعد الموت پر اور تقدیر پر یقین رکھا جائے اور اسلام گواہی دیتا ہے اس بات کی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور نماز کا ادا کرنا اور زکوٰۃ کا دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج ادا کرنا اگر استطاعت ہو اور جو شخص زبان سے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کہے اور دل سے اس کے مطالب کی تصدیق کرے تو ایسا شخص یقینی طور پر مومن ہے۔ اگرچہ وہ فرائض اور محرمات سے بے خبر ہو اور اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض اور محرمات بیان کئے ہیں کہ بعض اشیاء حلال اور بعض حرام ہیں۔

ان پر بلا کسی اعتراض کے اپنی رضامندی کا اظہار کیا جائے اور جو شخص ان اعمال صالحہ کا پابند ہو کہ جو قرآن مجید میں ایک مؤمن کا طغرائے ایذا قرار دیئے گئے ہیں، وہ شخص مؤمن اور مسلمان ہے۔

یہ باتیں ایسی ہیں کہ جو ارکان اسلام سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کے جزو ایمان ہونے میں فریق مدعیہ کو بھی کوئی کلام نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان باتوں پر فریق ثانی کا عقیدہ ان اصولوں کے تحت جو فریق مدعیہ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ویسا ہی ہے، جیسا کہ دیگر عام مسلمانوں کا یا کہ اس سے مختلف۔ کیونکہ مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعویٰ بھی کرے۔ لیکن ان کی ایسی تاویل اور تخریف کر دے کہ جس سے ان کے حقائق بدل جائیں تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

مدعیہ کی طرف سے دین اسلام کے ثبوت کے متعلق جو بنیادی اصول اور قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تو اترا اور اجماع کے اصولوں کو خود ان کے پیشوا و مرزا غلام احمد نے بھی تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب (ایام الصلح ص ۸۷، خزائن ج ۱۳ ص ۳۲۳) میں لکھتے ہیں کہ وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں، ان سب کا ماننا فرض ہے۔ ایک دوسری کتاب (انجام آتھم ص ۱۴۲، خزائن ج ۱۱ ص ۱۴۲) میں لکھتے ہیں کہ: ”جو شخص اس شریعت پر مقدار ایک ذرہ کے زیادتی کرے یا اس میں کمی کرے یا کسی عقیدہ اجماعیہ کا انکار کرے۔ اس پر اللہ کی لعنت اور ملائکہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت۔ یہ میرا اعتقاد ہے۔“ اور کتاب (ازالۃ الادہام ص ۵۵۶، خزائن ج ۳ ص ۳۹۹) پر لکھتے ہیں کہ: ”تو اترا کی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جاسکتی اور تو اترا اگر غیر قوموں کا بھی ہو تو وہ بھی قبول کیا جائے گا۔“ مدعیہ کے گواہان کے بیان کردہ اصول اور قواعد کے مقابلہ میں مدعا علیہ کے گواہان نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہیں ہم انکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آئیں۔ بلکہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے فتاویٰ اور اقوال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو، اسے اختیار کریں اور مخالف کو چھوڑ دیں کہ جو شخص کسی حدیث کو یا قول کو قرآن مجید کے واقعی طور پر خلاف ثابت کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا اور یہ کہ اگر کوئی شخص کسی فن کا امام ہو یا نہ ہو، اگر کوئی بات کسی دلیل کے ساتھ ثابت کر دے تو وہ مان لی جائے گی۔ صحابہ بھی تفسیر میں غلطی کرتے تھے۔ یہ بیان مولوی جلال الدین صاحب شمس گواہ مدعا علیہ کا ہے۔ اس کا دوسرا گواہ بیان کرتا ہے کہ کوئی شخص جو کلام کرتا ہے، اس کلام کے معنی وہی بہتر سمجھتا ہے اور اس کلام کے معنی جو وہ بیان کرے گا یا تاویل کرے گا وہی مقدم ہوگی اور کہ گواہ مذکور کے نزدیک قرآن مجید کے سواء اور کوئی چیز مسلم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جو قرآن مجید سے تطابق رکھتی ہو اور جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے اور میرے لئے قرآن شریف کی مطابقت دیکھنے کے لئے میرے واجب الاطاعت اماموں کی بیان فرمودہ مطابقت یا میری اپنی مطابقت مسلم ہے اور کہ ہر وہ بات جس کی تائید قرآن شریف سے نہیں ہوتی اور قرآن شریف کی تصدیق یا نفاذ احادیث نبویہ سے بھی جس کلام کی تصدیق نہیں ہوتی یا اماموں کے ایسے اقوال کہ جن اقوال کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور مصنفین کی کتابیں جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی وہ مجھ پر حجت نہیں ہیں اور کہ قرآن کی تفسیر کے لئے کسی خاص شخص کی تعیین نہیں کہ وہ جو معنی کرے گا۔ خواہ وہ کیسے ہی ہوں، اس کو مانا جائے اور اس کے خلاف معنی کو رد کیا جائے۔ اگر صحابہ سے کوئی صحیح تفسیر ثابت ہو جائے جس کے خلاف قرآن کی کوئی تصریح نہ ہو اور صحیح مرفوع متصل حدیثوں کی بھی تصریح نہ ہو۔ زبان عربی کی بھی کوئی تصریح ان معنوں کے خلاف نہ ہو۔ وہ بہر حال مقدم ہوگی اور اس کے خلاف معنی کرنے والے کو محض اس لئے کہ وہ ان معنوں کے خلاف کر رہا ہے۔ خاطی نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ قرآنی تصریح کے خلاف معنی نہ کئے جائیں۔ صحابہ کرام کی طرف منسوب شدہ بات کہ انہوں نے کی ہے یا کہی ہے یا تحقیق کی ہے۔ اگر قرآن شریف کے مطابق ہے تو قابل قبول ہے۔ اگر صحابہ

کرام پنجم کی طرف منسوب شدہ بات کو ثابت شدہ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ ان تک روایت پہنچتی ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر کسی غیر صحابی کی تحقیق بشرطیکہ قرآن شریف کی صحیح نصوص کے مطابق ہو، عربی زبان کی سند ساتھ رکھتی ہو۔ دیگر احادیث میں بھی تائید رکھتی ہو تو صحابی کی تحقیق سے مقدم ہے۔ ان شرائط کے بغیر اگر کوئی غیر صحابی کوئی تحقیق پیش کرتا ہے۔ اگر وہ پیش کرنے والا خدا کی طرف سے ملہم اور مامور نہیں ہے کہ جس کی وحی والہام کی تصدیق قرآن پاک کی تصریحات سے ہو چکی ہو۔ بلکہ عام شخص ہے تو اس کی ذاتی رائے اوپر کی شرائط سے علیحدہ کر کے صحابی کی بیان کردہ تصریح سے سننے والے اور ماننے والے کے اختیار پر ہوگی کہ اسے راجح سمجھے یا نہ سمجھے۔ کسی حدیث کو قرآن کی مطابقت میں صحیح قرار دینے والا خود مختار ہے کہ وہ اپنے استدلال کی رو سے اسے مطابق قرار دے یا تصریح کے لحاظ سے مطابق قرار دے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہر دو فریق کے بیان کردہ اصولوں میں سے معقولیت کس میں ہے۔ ایک تو اپنے دین کی بنیاد چند منظم اصولوں پر کہ جن کو قدامت کی قوت حاصل ہے۔ قائم کر کے اسے بطور ایک ضابطہ اور قانون کے پیش کرتا ہے۔ دوسرا اسے ایک کھلونا بنا کر ہر کس و نا کس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور بجائے اس کے کہ دین کو ایک مستقل لائحہ عمل سمجھا جائے۔ اسے ہر لمحہ و ہر آن تغیر تبدیل کا متحمل قرار دیتے ہوئے۔ ایک بازیچہ اطفال بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ہر شخص اس بات کا اہل اور مجاز ہو سکتا ہے کہ وہ جب چاہے بلا روک ٹوک اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک نیا راستہ نکال کر اس پر چلنا شروع کر دے اور نہ کسی صحابی، نہ کسی امام، نہ کسی بزرگ، نہ کسی دوسرے ماہرین کی کوئی پرادہ کرے۔ بلکہ شارع کے جس قول کو وہ درست سمجھے اور اس کا معنی جو وہ قرار دے۔ اس کے مطابق عمل کرے اور اگر اسے کوئی گرفت کرے تو فوراً اپنے قول کی کوئی تاویل گھڑ کر پیش کر دے اور چونکہ وہ تاویل مقدم سمجھی جائے گی۔ اس لئے کوئی بھی اس کا کچھ نہ لگاڑ سکے گا اور وہ بیچارہ گرفت کرنے والا منہ کی کھا کر چپ ہو جائے گا۔ اس اصول کے تحت نہ صرف کسی دین کی بلکہ کسی قانون کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، کیونکہ اس قسم کی وسعت ہر اس ضابطہ میں کہ جس کا اجراء بطور قانون مقصود ہو متصور ہو سکتی ہے اور اس صورت میں اس پر کبھی بھی عمل در آمد نہیں ہو سکتا اور وہ محض لفظ ہی لفظ رہ جاتا ہے۔

اگر ان اصولوں کو جو فریق ثانی کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں بروئے کار لایا جائے تو دین نہ صرف دین کہلائے جانے کا ہی مستحق نہیں رہتا۔ بلکہ ایک مضحکہ انگیز چیز بن جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ اس میں کوئی یکسانیت پیدا کی جاسکے ہر شخص انفرادی حیثیت سے اپنی منشاء کے مطابق اپنے لئے ایک علیحدہ دین بنا سکے گا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل دین اسلام جن باتوں پر قائم تھا۔ اب کوئی ان کی اصلیت اور بنائیں رہی اور اب بناء صرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے اقوال و عقائد پر ہی ہے۔ کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک اب ان اصحاب کے سوا نہ کسی پہلے صحابی کی، نہ امام کی، نہ بزرگ کی کوئی بات مقدم ہے اور صحیح ہے، بلکہ جو کچھ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء نے کہا ہے اور لکھا ہے وہی درست ہے اور ان کی کتابوں کے سوا اور کوئی کتاب حجت نہیں ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دین اس دین اسلام سے مختلف ہے جو مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل مسلمان سمجھتے آئے ہیں۔ اس لئے مدعیہ کی طرف سے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ مذہب کے لحاظ سے ہر دو فریق میں قانون کا اختلاف ہے اور مدعیہ کی طرف سے بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اصولی اختلاف بھی ہے اور فروری بھی اور سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ بیان کرتے ہیں کہ احمدی مذہب والے نے مہمات دین کے بہت سے اصولوں کو تبدیل کر دیا ہے اور بہت سے اسماء کا سہمی بدل دیا ہے۔ آگے ظاہر ہو جائے گا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

اب وہ عقائد بیان کئے جاتے ہیں کہ جن کی بناء پر فریق ثانی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مرتد اور کافر ہے۔ اس ضمن میں اہم

وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی مانتا ہے۔ اس لئے یہ دکھانا پڑے گا کہ مرزا صاحب کے اعتقادات کیسے ہیں اور کیا وہ نبی ہو سکتے ہیں یا نہ اور ان کو نبی ماننے سے کیا قباحت لازم آتی ہے اور کیا ان کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کی بناء پر انہیں مسلمان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے ان کے اتباع سے مدعا علیہ کو بھی مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے ان اصولوں کے تحت جو ان کے بیان کے حوالہ سے اوپر بیان کئے جاسکے ہیں چھ (۶) وجوہات ایسی بیان کی ہیں کہ جن کی بناء پر ان کے نزدیک مرزا صاحب باجماع امت کافر اور مرتد قرار دیئے جاسکتے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی رائے میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے ان کے کفر و ارتداد اور ان کے تبعین کے کفر و ارتداد پر متفق ہیں۔

- ۱..... ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو، اس کو لختی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔
- ۲..... دعویٰ نبوت مطلقہ و تشریح۔
- ۳..... دعویٰ وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔
- ۴..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔
- ۵..... آنحضرت ﷺ کی توہین۔
- ۶..... ساری امت کو بجز اپنے تبعین کے کافر کہنا۔

تقریباً یہی وجوہات دیگر گواہان مدعیہ نے بھی بیان کی ہیں۔ اب ذیل میں حسب بیانات گواہان مذکوران وجوہات کی تشریح درج کی جاتی ہے۔

امور نمبر ۳ تا ۱۳ ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ لہذا ان پر جو بحث کی گئی ہے وہ یکجا درج کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال پر جو ان کی مطبوعہ کتب میں موجود ہیں۔ اعتراض کیا گیا ہے۔

- ۱..... ”اوائل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت، وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقررین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۳۹، ۱۵۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۳)
- ۲..... ”الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کافر ستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے، اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جنہی ہے۔“ (انجام آقہم ص ۶۲، خزائن ج ۱۱ ص ۶۲)
- ۳..... ”مجھے اپنی وحی پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ توراہ، انجیل اور قرآن مجید پر اور کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ میں ان کی ظلیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سن کر اپنے یقین کو چھوڑ دوں گا۔“ (اربعین نمبر ۴، خزائن ج ۱ ص ۱۴۴)
- ۴..... ”میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۵۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۴)
- ۵..... ”ہاں نبوت تشریحی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔“ (ضمیمہ حقیقت القوت ص ۲۴، انوار العلوم ج ۲ ص ۵۸۲)

۶..... ”اگر کہو کہ صاحب شریعت افتراء کر کے ہلاک ہوتا ہے کہ نہ کہ مفسری تو اول تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ

شریعت کی قید نہیں لگائی۔ ماسواء اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ان هذا لفي الصحف الاولى صحف ابراهيم وموسى“ یعنی قرآن تعلیم توراہ میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر و نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر تورات اور قرآن مجید میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔“

(اربعین نمبر ۴ ص ۶، خزائن ج ۱ ص ۴۳۵، ۴۳۶)

۷..... اس کتاب کے (حاشیہ ص ۶، خزائن ج ۱ ص ۴۳۵) پر لکھتے ہیں: ”کیونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہیں اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے۔ فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ایک الہام کی یہ عبارت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے بنا جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اب دیکھو خدا نے میری وحی تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا ہے اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدارجات ٹھہرایا ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے جس کے کان ہوں سنے۔“

۸..... ”نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کیا گیا۔ نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ و مخاطبہ الہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا تاج ہو۔ بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے کہ اس امت کو آنحضرت ﷺ کے بعد قیامت تک مکالمات الہیہ سے بے نصیب قرار دیا جائے۔ وہ دین، دین نہیں، نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی۔ اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبه آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا کی آواز ہے یا شیطان کی۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔“

۹..... ”سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“

۱۰..... ”اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے: ”هو الذی ارسل

رسوله بالهدی..... الخ!“

۱۱..... ”میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں، بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے، ان سب کی اصلاح کے واسطے مامور

ہوں۔“

۱۲..... ”یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی

طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے سواء جس قدر ملہم، محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الہی میں

شان اعلیٰ رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔“

(حاشیہ تریاق القلوب ص ۱۳۰، خزائن ج ۱ ص ۴۳۲)

(حقیقت الوحی ص ۱۰۳، خزائن ج ۲ ص ۲۲، ۱۰۶ حاشیہ) پر عبارت ذیل جانی آئیل و اشار کے تحت ایک نوٹ ہے جس میں لکھا ہے کہ

”اس جگہ آئیل خدا تعالیٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے۔ اس لئے بار بار رجوع کرتا ہے۔“

۱۴..... ”غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء، ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔“

۱۵..... ”حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔“

(ازالہ الادہام ص ۵۳۴، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷)

۱۶..... ”ایک وحی بالفاظ ذیل درج ہے۔ محمد رسول اللہ اس کے متعلق لکھتے ہی کہ اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔“

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۱، خزائن ج ۱ ص ۱۸۷)

۱۷..... (حقیقت الوحی ص ۲۸، خزائن ج ۲۲ ص ۳۰) پر لکھتے ہیں کہ: ”مگر غلطی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا۔ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔“

۱۸..... کتاب (حق التبین ص ۱۰۲) پر مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علماء کو نبوت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں جو خاتم النبیین کا لفظ آیا ہے جس پر الف لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت لانے والی نبوت اب بند ہو چکی ہے۔ پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہوگا وہ کافر ہے۔“

ان حوالہ جات سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ بالفاظ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب اور ان کے تمام تبعین کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت تشریحی کا دروازہ بند ہے۔ آپ کے بعد جو نبوت تشریحی کا دعویٰ کرے وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ قول نمبر ۶ میں مرزا صاحب نے اپنی تشریحی نبوت کا کھلے الفاظ میں دعویٰ کیا ہے اور اس میں چند باتوں کی تشریح مرزا صاحب نے خود فرمائی۔ ایک یہ کہ شریعت کیا چیز ہے جس کی وحی میں امر یا نہی ہو، جس نے اپنی امت کے لئے کوئی قانون مقرر کیا ہو، وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ یہ تعریف کر کے مرزا صاحب اپنا صاحب شریعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہو گئے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی صاف فرما دیا ہے کہ وحی میں جو حکم ہو یا نہی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم نیا ہو۔ بلکہ اگر پہلی شریعت کا بھی حکم اس کے پاس بذریعہ وحی کے آئے تو بھی یہ صاحب شریعت ہونے کے لئے کافی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی بہت سے وحی وہ بیان کی ہے جو کہ آیات قرآنی ہیں۔ اس لئے وہ بھی مرزا صاحب کی شریعت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اس شبہ کا بھی جواب دے دیا کہ صاحب شریعت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کی شریعت میں نئے احکام ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ یہ قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی۔ اب اگر شریعت جدید کے لئے یہ ضروری ہو کہ اس نبی کی شریعت اور وحی اور کتاب میں سب نئے احکام ہوں تو لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی صاحب شریعت نہ ہوں۔ کیونکہ قرآن میں سارے احکام نئے نہیں۔ اس کلام کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء اور رسول اللہ ﷺ صاحب شریعت نبی ہیں۔ ویسے ہی مرزا صاحب بھی صاحب شریعت نبی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ بھی صاف کر دیا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ادا مرواوا ہی اس شریعت اور کتاب اور وحی میں پورے پورے بیان ہونے چاہئیں تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ تمام احکام تورات اور قرآن مجید میں بھی مذکور نہیں۔ اگر



تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہوتے تو پھر اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی مدعی نبوت ایک امر و نہی کا بھی دعویٰ کرے۔ اگرچہ وہ امر و نہی پرانی ہو تو وہ نبی صاحب شریعت کہلایا جائے گا اور اس میں اور رسول اللہ میں باس معنی کچھ فرق نہیں کہ یہ دونوں صاحب شریعت ہیں۔

یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اگر کسی نبی کو خدا کا بھی حکم آوے کہ تجھ کو ہم نے نبی کر کے بھیجا ہے اور تو لوگوں پر اس حکم کی تبلیغ کر اور جو کوئی اس حکم کو نہ مانے گا وہ کافر ہے، تو وہ نبی بھی صاحب شریعت اور نبی تشریحی ہو گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو نبی حقیقی ہے اور جو نبی شرعی ہے، اس کے لئے نبی تشریحی ہونا ضروری ہے۔ اس لئے مرزا صاحب اپنی تحریر اور اس اقرار کے مطابق کافر ہوئے۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میری کشتی کو کشتی نوح قرار دیا گیا ہے۔ جو اس میں ہوگا وہ نجات پائے گا اور جو ایسا نہ ہوگا وہ ہلاک ہوگا۔ یہ مرزا صاحب کی شریعت کا نیا حکم ہے، جس نے شریعت محمدیہ کو منسوخ کیا۔ مرزا صاحب نے ایک نیا حکم یہ بھی دیا ہے کہ ان کی عورتوں کا نکاح غیر احمدیوں سے جائز نہیں۔ یہ بھی حکم شریعت محمدیہ کے خلاف ہے۔

(نتیجہ بحوالہ کتاب انوار خلافت مرتبہ مرزا محمود صاحب ص ۹۳، ۹۴، انوار العلوم ج ۳ ص ۱۵۰، ۱۵۱ سے اخذ کیا گیا ہے)

مرزا صاحب کی شریعت میں ایک نیا حکم اور یہ بھی ہے جو تمام اسلام کے خلاف ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے چندہ کی تحریک فرما کر یہ حکم فرمایا ہے کہ جو کوئی چندہ تین ماہ تک ادا نہ کرے گا وہ میری بیعت سے خارج ہے اور بیعت سے خارج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام سے خارج ہے اور کافر ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کے لئے بھی خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ اگر تین ماہ تک کوئی زکوٰۃ نہ دے تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہ حوالہ مرزا صاحب کے ایک فرمان سے جو لوچ ہدی میں قادیان سے ۵ مارچ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی دیا گیا ہے۔ اس فرمان کے چیدہ چیدہ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

”مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میری انہی سے بیوند ہے۔ یعنی وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں..... ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس پر کچھ ماہوار مقرر کر دے..... جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا..... وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں نہیں رہ سکے گا..... اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا۔“

اس کے آگے گواہ مذکورہ آیت: ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین“ کے حوالہ سے بیان کرتا ہے کہ یہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور جب کوئی نبی آپ کے بعد نہیں تو کوئی رسول بھی آپ کے بعد بطریق اولیٰ نہیں۔ کیونکہ رسول نبی ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو اور اس کی تائید میں احادیث متواترہ ہیں جن کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ایسی احادیث کا انکار کرنے والا ویسا ہی کافر ہے۔ جیسا کہ قرآن کا انکار کرنے والا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو ختم نبوت کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کا منکر ہو کر بھی کافر ہوا۔ اس کی تائید میں انہوں نے چند ائمہ دین کے اقوال نقل کئے ہیں اور ان سے یہ دکھانا چاہا ہے کہ احادیث متواترہ میں یہ خبر درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہونے والا نہیں ہے اور کہ ہر وہ شخص جو آپ کے بعد اس مقام نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور افتراء پرداز ہے۔ دجال اور گمراہ کرنے والا ہے۔ اگرچہ شعبہ بازی کرے۔ قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے اور کہ جو شخص دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہے اور پھر ان حوالہ جات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں یقینی ہے اور جماعی ہے۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ کتاب اور سنت سے ثابت ہے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کی نبوت میں نبی نہ بنے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا آنا اس کا منافی نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے نبی بن چکے ہیں۔ خاتم الانبیاء کے معنی بھی یہی ہیں کہ اپنے عموں سے کسی نبی کو نبوت آپ ﷺ کے بعد نہیں مل سکتی۔

اس کی تائید میں چند دیگر آیات قرآنی اور احادیث بھی پیش کی گئی ہیں جن کی یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں اور ان کا حوالہ دیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ انکارِ ختمِ نبوت، کفرِ اڈا عاقبت بھی کفر اور اڈا عاقبت بھی کفر ہے۔ البتہ ایک حدیث کا یہاں حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس پر آگے مدعا علیہ کے جواب کے وقت بحث کی جائے گی وہ حدیث بایں مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری مثال اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے، اس شخص کی سی ہے کہ جس نے ایک مکان تعمیر کیا اور بہت اچھا اور بہت خوبصورت اس کو بنایا۔ مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہی۔ لوگ اس مکان کو دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ اس کو کیوں پر نہ کر دیا گیا۔ سو میں ہوں وہ اینٹ اور میں ہوں خاتم النبیین۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ تعمیر بیتِ نبوت جو ابتدائے آفرینش سے ہوئی تھی وہ بدوں سرورِ عالم ﷺ کے ناقص تھی۔ سرورِ عالم کے وجود باوجود سے وہ مکمل ہوگئی اور بیتِ النبوت سے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اب اگر کوئی اینٹ ہوگی تو وہ بیتِ النبوت سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص مدعی نبوت ہوگا تو خدا نے جو نبوت کا گھر تعمیر کیا ہے وہ اس کا جزو نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب کے قول نمبر ۱۵ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اس کو کہتے ہیں۔ جس نے احکام و قواعد دینِ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ اگر مرزا صاحب نے احکام و قواعد اس ذریعہ سے حاصل نہیں کئے تو دعویٰ نبوت جھوٹ ہوا اور جھوٹا مدعی نبوت با تفاق کافر ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کے قول نمبر ۱۳ سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے پر جبرئیل علیہ السلام کے نزول کے مدعی ہیں اور صرف دعویٰ پر ہی اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اپنی شانِ نبوت و رسالت کا سکہ جمانے کے لئے تمام خصوصیاتِ نبوت و لوازماتِ رسالت کو نہایت جزم اور وثوق کے ساتھ اپنی ذات کے لئے ثابت کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ جن خصوصیات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی جماعت دوسرے مقربانِ بارگاہِ الہی سے ممتاز ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر بھی نزولِ جبرئیل ہوا کرتا ہے اور ان کی وحی والہام قطعی و یقینی ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح مرزا صاحب بھی اپنے وحی کو خدا کا کلام کہتے ہیں اور قرآن شریف کی طرح قطعی کہتے ہیں۔ یہ خصوصیات مذکورہ ایسی ہیں جو سوائے انبیاء علیہم السلام اصحابِ شریعت کے اور کسی دوسرے مقربِ بارگاہِ الہی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب حقیقی نبوت کے مدعی تھے اور اپنے آپ کو اس معنی میں نبی اور رسول ظاہر کرتے تھے جس معنی میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نبی یا رسول کہا گیا ہے۔

گواہانِ مدعیہ نے خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے بھی یہ دکھلایا ہے کہ وہ خود قبل از دعویٰ نبوت یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور کہ آپ آخری نبی ہونے کے معنوں میں خاتم النبیین ہیں۔ چنانچہ (ازالہ الاحسام ص ۵۲۲، خزائن ج ۳ ص ۳۸۰) پر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ نبی کیونکر آ سکتا ہے اور خاتم النبیین کی دیواریں اس کو آنے سے روکتی ہیں۔

آگے اس کتاب کے (ص ۵۳۲، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷) پر لکھتے ہیں: لیکن وحیِ نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ چکی۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟

اور کتاب (حمایۃ البشری ص ۲۰، خزائن ج ۷ ص ۲۰۰) میں آیت: ”ماکان محمد..... خاتم النبیین“ کی تشریح میں لکھتے ہیں: ”ہمارے نبی ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بغیر کسی استثناء کے اور ہمارے نبی ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ہمارے نبی ﷺ کے بعد اگر ہم کسی نبی کے ظہور کے مجوز بنیں گے تو نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس کو کھولنے کے قائل ہو جائیں گے اور یہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کس طرح کوئی نبی آ سکتا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے بعد وحی کا انقطاع ہو چکا ہے

اور نبی آپ ﷺ کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں۔“

پھر اس کتاب کے (ص ۲۱، خزائن ج ۷ ص ۲۰۱) پر لکھتے ہیں کہ: ہزار ہا سال گزرنے کے بعد کسی ایسی حالت کا انتظار کیا جاسکتا ہے جس میں دین کی تکمیل ہو۔ اگر یہ مانا جائے تو دین کی تکمیل اور اس کے کمال سے فراغت کا سلسلہ بالکل غلط ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ: ”اليوم اكملت لكم دينكم“ جھوٹی خبر ہو گئی اور خلاف واقع ہو گئی۔

اسی کتاب کے (ص ۷۹، خزائن ج ۷ ص ۲۹۷) کے حوالہ سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ مرزا صاحب بھی پہلے دعویٰ نبوت کو کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ”مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین کے ساتھ مل جاؤں۔“

(ازالہ الادہام ص ۵۸۳، خزائن ج ۳ ص ۴۱۴) پر لکھتے ہیں کہ: ”یہ ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے۔ ایک نئی کتاب اللہ کو مضمون قرآن مجید سے تو اور رکھتی ہو پیدا ہو جائے جو امر مستلزم محال ہے وہ محال ہو جاتا ہے۔“

لیکن اس کے بعد پھر (براہین احمدیہ پنجم) میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ: ”میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تھیں وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں اور یہ فرمایا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں۔ جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا اور وہ واپس نہیں آئے گا۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۵، خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۱)

ایک اور جگہ کتاب (حقیقت النبوت ص ۲۶۵، ۲۶۶، انوار العلوم ج ۲ ص ۵۷۶، ایک غلطی کا ازالہ ص ۵۰۴، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲) پر لکھتے ہیں کہ: ”آنحضرت ﷺ کے بعد جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مہر ختمیت ٹوٹی ہے۔ کیونکہ میں بار بار بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: ”وآخرین منهم لما يلحقوا بهم“ بروزی طور پر وہی خاتم النبیین ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔“ آگے (ص ۶، خزائن ج ۸ ص ۲۱۵) پر لکھتے ہیں کہ: ”یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروزی رنگ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا۔“ پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ: ”چونکہ وہ بروزی محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں۔ اس لئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطاء کی گئی ہے اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوت پر مہر ہے۔“ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ: ”کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور ہم کو عطاء کئے گئے ہیں۔ پہلے تمام انبیاء ظل تھے۔ نبی کریم کے خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔“ (ملفوظات ج ۳ ص ۲۷۰)

اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ظل اور بروز کے الفاظ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ مراد ان سے حقیقت کاملہ نبوت ہے۔

ان تصریحات سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ کا یہ استدلال ہے کہ مرزا صاحب نے قرآن حکیم کی آیات اور احادیث

نبوی سے اپنی نبوت کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ محض لاطائل اور بے معنی سعی ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب براہین احمدیہ کے لکھتے وقت اس سے مدتوں پہلے اپنی قرآن دانی اور حکم نبی کے مدعی تھے۔ اگر ان کو اس سے پہلے قرآن کی رو سے کسی نئے نبی کے آنے کا انکار تھا تو بعد میں قرآن کی کون سی آیت اتری یا نبی کریم ﷺ کی کون سی حدیث پیدا ہوئی جس کی بناء پر مرزا صاحب نے نبوت کا اعادہ کیا۔ ”خاتم النبیین“ کی آیت اور ”الیوم اکملت لکم“ کی آیت اس وقت بھی قرآن میں موجود تھیں۔ یہ ہر دو آیتیں قسم اخبار میں سے ہیں اور امر و نبی کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر اذعانے نسخ سے پناہ لے کر کوئی تاویل کی جائے تو اوامر و نواہی میں جاری ہو سکتی ہے۔ اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ اور متفق علیہ ہے۔ پھر کیونکہ از روئے قرآن یا حدیث اپنے کو اذعان نبوت میں صادق کہہ سکتے ہیں۔

ختم نبوت کے معنی کو جیسا کہ عام عقیدہ ہے مرزا صاحب تسلیم کرتے ہیں اور اپنے کلام میں اس طرح اس کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن صرف اپنی خوش خیالی کو باقی رکھنے کے لئے بے محل اور خلاف محاورات عرب تاویل کر کے جان بچانے کی کوشش کی ہے۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے خاتم النبیین کے بعد بروزی طور پر اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خود انہی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خاتم ہو، اس کا بروز بھی ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اپنی (تزیان القلوب ص ۱۵۶، خزائن ج ۱ ص ۷۷) حاشیہ پر لکھتے ہیں: ”مگر مہدی معبود و روزات کے لحاظ سے بھی دنیا میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ خاتم الاولاد ہے۔“

اس کتاب کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ: ”یہ بعض اکابر اولیاء کے مکاشفات ہیں اور اگر احادیث نبویہ کو بغور دیکھا جائے تو بہت کچھ ان سے ان مکاشفات کو مد ملتی ہے۔ لیکن یہ قول اس حالت میں صحیح پڑتا ہے۔ جب مہدی معبود اور مسیح موعود کو ایک ہی شخص مان لیا جائے۔“ اس حوالہ سے مرزا صاحب کا بروزی اور ظلی نبی ہونے کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہوتا ہے اور یہ ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ آپ کے جو شخص اپنے لئے اذعان نبوت کر لے یا کسی دوسرے کو نبی مانے تو وہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ اس کی تائید کہ ظلی اور بروزی الفاظ محض الفاظ ہی ہیں اور کہ دراصل مرزا صاحب کی مراد حقیقی نبوت سے ہے۔ مرزا صاحب کے صاحبزادے بشیر محمود صاحب کی ایک تحریر سے ہوتی ہے جو اخبار الفضل مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء کے حوالہ سے مدعیہ کے گواہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے نقل کی ہے اور جو بالفاظ ذیل ہے: ”ہم جیسے خدا تعالیٰ کی دوسری حیوں میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس علیہ السلام کو نبی پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی خدا کے آخری وحی میں مسیح موعود کو بھی یا نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں اور اس نبی کے ساتھ کوئی لغوی یا ظلی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے کہ اپنے آپ کو خود بخود ایک مجرم فرض کر کے اپنی بریت کرنے لگ جائیں، بلکہ جیسے اور نبیوں کی نبوت کا ثبوت ہم دیتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر۔ کیونکہ ہم چشم دید گواہ ہیں۔ مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔“ پھر لکھا ہے کہ: ”خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا اور کہیں بروزی اور ظلی نبی نہیں کہا۔ پس ہم خدا کے حکم کو مقدم کریں گے اور آپ کی تحریریں جن میں انکساری اور فروتنی کا غلبہ ہے اور جو نبیوں کی شان ہے اس کو ان الہامات کے تحت کریں گے۔“ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ الفاظ انکساری اور تواضع کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان کے معنی مراد نہیں ہیں۔ مرزا صاحب جہاں اپنے آپ کو بروزی یا ظلی یا مجازی نبی کہتے ہیں اس کا مطلب صرف حقیقی نبی سمجھنا چاہئے۔

اسی طرح خلیفہ دوم اخبار الفضل مورخہ ۲۹ جون ۱۹۱۵ء ہینڈ بل ص ۳ کی سطر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ”مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم نہ کرنا اور آپ کو امتی قرار دینا یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت ﷺ کو جو سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں امتی قرار دینا ہے اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔“

ختم نبوت اور انقطاع وحی پر مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک اور دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ قرآن شریف پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے آدم ﷺ سے وحی نبوت کے جاری ہونے کے سلسلہ کی خبر دی ہے۔ یہ ابتداء وحی اور آغاز وحی ہے۔ اس کے بعد ہم نوح ﷺ کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف سے یہ پتہ لیتے ہیں کہ آیا سلسلہ نبوت جاری ہے یا نہ۔ جواب ملتا ہے کہ ہاں! جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے: ”ولقد ارسلنا نوحاً و ابراہیم و جعلنا فی ذریعتہم النبوة و الکتاب (الحديد: ۲۶)“ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح ﷺ کی ذریت میں سلسلہ نبوت جاری ہے اور ذریت ابراہیم میں بھی ابھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔ دوسری بات اس سے یہ ثابت ہوئی کہ نبوت کا ظرف اور محل آل ابراہیم ہی ہے جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ اللہ عزاسمہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں دو شعبہ قرار دیئے ہیں۔ ایک ”بنی اسحاق“ جن میں پہلے نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بہت انبیاء ان میں آئے اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ ﷺ پر ختم ہوا، دوسرے ”بنی اسماعیل“ جن میں آنحضرت ﷺ تک کوئی نبی نہ آیا۔ اس کے بعد موسیٰ ﷺ کے زمانہ کی طرف نگاہ کی جائے تو قرآن شریف سے یہ معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”ولقد اتینا موسیٰ الکتاب و قفینا من بعدہ بالرسل“ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ موسیٰ ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے اور کئی ایک رسولوں کے آنے کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ ”الرسل“ سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ ﷺ کا وقت آتا ہے تو قرآن کریم سے سوال ہوتا ہے کہ آیا بکثرت انبیاء ابھی آئیں گے؟ یا کیا ہوگا..... تو خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”واذقال عیسیٰ بن مریم..... الخ!“ خداوند سبحان تعالیٰ نے یہاں پر حضرت عیسیٰ ﷺ کی زبان پر اسلوب جواب کو بالکل بدل دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا رسول تمہاری طرف ہو کر آیا ہوں اور مجھے سے پہلے موسیٰ ﷺ کی کتاب تورات جو خدا کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور خوشخبری دیتا ہوں ایک رسول کی کہ جو میرے بعد آئے گا۔ نام اس کا احمد ہوگا۔ قرآن کریم نے اس سے پہلے رسل کے لفظ سے عام طور پر رسولوں کے آنے کی خبر دی تھی اور یہاں ایک خاص رسول کی خبر دے کر اس کے نام سے مشخص اور معین فرمایا۔ یہ اسلوب صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ احمد ﷺ پر نبوت کو ختم کر رہا ہے اور عام طور پر جو رسولوں کے آنے کا اسلوب تھا، اس کو بدل کر ایک خاص معین مشخص کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا زمانہ آتا ہے تو ہم قرآن سے پوچھتے ہیں کہ آنحضرت کے آنے کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے یا بند ہو جاتا ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے: ”ماکان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین“ یہ بات قابل غور ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے زمانہ میں سلسلہ نبوت جاری رہنے اور رسل کے آنے کی اطلاع دی اور آنحضرت ﷺ پر آ کر اس اطلاع کے برخلاف جو بصورت اجراء نبوت بمثل سابق ایسی اطلاع دی جانی ضروری تھی جیسا کہ پہلے دی گئی۔ ختم نبوت کا اعلان کر دیا جس سے قطعاً اور یقیناً یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کریم مجموعی طور پر ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

اس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ جو گواہ مذکور نے دیا ہے اور دیگر گواہان مدعیہ کے بیانات میں بھی موجود ہے، دیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فریق ثانی کے جواب میں یہ حدیثیں بحث طلب ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں انبیاء آتے رہے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلیفہ ہوں گے۔ پس بہت ہوں گے۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ جنگ تبوک پر جاتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی نگرانی کے لئے چھوڑا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے جو کہ ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد تشریحی یا غیر تشریحی

جاری ہوتی تو حضرت علیؓ کو رسول اللہؐ ”لا نبی بعدی“ کہہ کر اس وصف سے محروم نہ کرتے۔

گواہ مذکور نے قرآن مجید سے ختم نبوت کی ایک اور یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ سورہ آل عمران پارہ تیسرا کی آیت: ”امنا باللہ وما انزل الیک..... الخ!“ سے اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی وہ زمانہ ماضی میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں انہی انبیاء پر ایمان لانے کی ترغیب دی جو آنحضرت ﷺ سے پہلے ہو چکے ہیں اور کسی ایسے نبی کے لئے ایمان لانے کی تاکید نہیں کی جو آپ کے بعد ہو۔ اگر کوئی نبی آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والا ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا۔

سورہ بقرہ کی ایک اور آیت: ”والذین یؤمنون بما انزل الیک..... الخ!“ میں بھی خداوند تعالیٰ نے انہیں کو ہدایت پر قائم رہنے والا اور ”مفلحون“ فرمایا ہے جو آنحضرت ﷺ کی وحی پر اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور قرآن کریم نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر جگہ وحی کے ساتھ لفظ قبل کو ملایا ہے تاکہ یہ بات ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے وحی نبوت اور انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید میں مولوی محمد الدین صاحب گواہ مدعیہ نے سورہ سبأ پارہ نمبر ۲۲ کی آیت: ”وما ارسلناک الا کافۃ للناس..... الخ!“ سے یہ استدلال کیا ہے کہ متقی بننے کے لئے صرف ان چار چیزوں کی ضرورت ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو وہ وحی ہے جو آنحضرت ﷺ کی طرف نازل کی گئی۔ دوسری وہ جو آپ سے پہلے لوگوں پر نازل کی گئی۔ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کسی وحی پر انسانوں کی نجات اور ارتقاء کی مدار ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی یہاں ذکر فرمادیتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور نئی بات کی یا نئی وحی کی متقی بننے کے لئے حاجت نہیں اور نہ ہی اس کے آنے پر یا اس کے ماننے پر انسانوں کی نجات کا دار و مدار ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مرزا صاحب کی ایک اور تحریر بہت واضح ہے جس کا ذکر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب (ازالہ الادہام ص ۵۴۲، جزائن ج ۳ ص ۳۹۳) پر لکھتے ہیں کہ: ”یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے۔ اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا یا قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں۔“

اسی طرح (ص ۵۷۶، ۵۷۷، جزائن ج ۳ ص ۴۱۱، ۴۱۲) پر لکھتے ہیں کہ: ”ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں مطہج اور محکوم ہو کر نہیں آیا۔ بلکہ وہ مطہج اور صرف اپنی اس وحی کا قبیح ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب یہ سیدھی سیدھی بات ہے کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے اور حضرت جبرئیل لگا تار آسمان سے وحی لانے لگے اور وحی کے ذریعہ انہیں تمام اسلامی عقائد اور صوم، صلوة اور زکوٰۃ اور حج اور حجج مسائل فقہ کے سکھائے گئے تو پھر بہر حال یہ مجموعہ احکام دین کا کتاب اللہ کہلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ صرف اتنا کہا جائے گا کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العمر تک منقطع ہو جائے گی اور کبھی جبرئیل نازل نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ مسلوب النبوت ہو کر امتیوں کی طرح بن جائیں گے۔ تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرئیل لائیں اور پھر چپ ہو جائیں۔ یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی تو پھر تھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتدریج بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرئیل بعد وفات رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں صحیح اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی ﷺ کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔“

اس سے مدعیہ کی طرف سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ کوئی نبی مطیع یعنی امتی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا تابع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مرزا صاحب نبی ہوئے تو انہوں نے اس وحی کی اتباع کی جو ان پر نازل ہوئی یا قرآن کی۔ اگر قرآن کی اتباع کی تب بھی مرزا صاحب کافر، کیونکہ ان کو اپنی وحی کی اتباع کرنی چاہئے تھی اور اگر اپنی وحی کی اتباع کی، تب بھی کافر، کیونکہ قرآن کو چھوڑا۔ کتاب ازالہ الاوہام مرزا صاحب کے دعویٰ کے کچھ عرصہ بعد تحریر ہوئی ہے اور اس وقت تک وہ خاتم النبیین کے وہی معنی سمجھتے رہے جو ساری دنیا نے سمجھے اور ایک نبی کا آنا اور ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام کا اترنا اور ایک فقرہ کہنا کہ تم قرآن کا اتباع کرو۔ یہ سب چیزیں مرزا صاحب کے نزدیک ختم النبوت کے مخالف تھیں اور اس سے مہربنوت ٹوٹتی تھی۔

ہر صدی میں کم از کم ایک مجدد آتا ہے، ان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ دنیا میں جو لوگوں سے غلطی ہوگئی ہے، اس پر لوگوں کو متنبہ کریں اور بالخصوص ایسے امور اور عقائد کی نسبت کہ جن سے انسان کافر ہو جائے۔ علاوہ ازیں امت میں بے شمار اولیاء، ابدال، اقطاب گزرے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں سے کسی نے خاتم النبیین کے یہ معنی نہیں کئے جو مرزا صاحب نے اب بیان کئے ہیں۔ اس لئے جو معنی ختم النبوت کے اب تجویز کئے ہیں جس کی بناء پر نبوت کا جاری رہنا اور وحی نبوت کا جاری رہنا ضروری ہے اور جس مذہب میں وحی نبوت نہ ہو وہ مذہب مرزا صاحب کے نزدیک لعنتی اور شیطانی مذہب کہلانے کا مستحق ہے۔

اس بناء پر اگر یہ معنی صحیح ہیں تو جب تک مرزا صاحب کا مذکورہ بالا عقیدہ رہا۔ مرزا صاحب بھی کافر ہوئے اور ان سے پہلے جتنے مسلمان اس عقیدہ پر گزرے وہ سب کے سب کافر ہوئے اور اگر مسلمانوں کا اور مرزا صاحب کا عقیدہ سابقہ صحیح تھا تو پھر لوگ تو مسلمان اور مرزا صاحب اس عقیدہ کے بدلنے کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ نتائج مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان سے اخذ ہوتے ہیں۔ آگے وہ یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ جو امر مستلزم محال ہے وہ محال ہوتا ہے۔ اس سے اگر مراد محال عقلی ہے تو اس کا انفاء ناجائز ہے۔ بالخصوص تیرہ سو برس تک جب کہ صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور ائمہ فقہاء کہ جنہوں نے عقلی امور کی بال کی کھال نکال دی ہے اور اگر محال سے مراد شرعی ہے تو وہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص اتنے زمانہ تک اور اتنے علماء مجتہدین پر اور مجددین پر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا اس کلام کے لکھنے تک یہی عقیدہ تھا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ کوئی جدید یا قدیم نبی آ ہی نہیں سکتا۔ علمائے امت نے جو مسئلہ ختم النبوت پر اجماع بیان کیا ہے اور جس آیت کے معنی لکھے ہیں اور وہ معنی مرزا صاحب کے مسلمات میں سے ہیں۔ وہی حق ہیں اور اب جو اس معنی سے انکار کرے وہ کافر اور بے شک کافر ہے۔

ایک اور کتاب (حماۃ البشری ص ۱۹، ۲۰، خزائن ج ۷ ص ۲۰۰) پر مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارہ میں کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اس کلام کو جو احادیث میں آیا ہے۔ ظاہری پر حمل کرے۔ اس واسطے کہ یہ آیت: ”ماکان محمد ابا احد..... الخ!“ خاتم النبیین کے مخالف ہے۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے اور اس میں کسی کی استثناء نہیں کی اور پھر اس خاتم الانبیاء کی خود اپنے کلام میں تفصیل فرمائی۔ ”لانی بعدی“ سے جو سمجھنے والوں کے لئے بیان واضح ہے اور اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی کیسے آ سکتا تو لازم آتا ہے کہ دروازہ وحی نبوت کا بعد بند ہونے کے کھل جائے اور آپ کے بعد کوئی نبی کیسے آ سکتا ہے۔ حالانکہ وحی منقطع ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ تمام نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔ کیا ہم اس کا اعتقاد رکھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور خاتم الانبیاء وہ بنے نہ ہمارے رسول مقبول ﷺ۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ خاتم الانبیاء کی تفسیر بغیر کسی استثناء کے رسول اللہ ﷺ نے اس کلام میں فرمائی کہ ”لانی بعدی“ اور معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کی تفسیر ”لانی بعدی“ ہے اور خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس میں کسی نبی بروزلی ظلی وغیرہ کی قید نہیں اور اب ”لانی بعدی“ کا یہ معنی لینے کہ اس سے مراد خاص وہ نبی ہے جو مستقل نبی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو کر اس نے نبوت حاصل کی ہو۔ کیونکہ یہ معنی مرزا صاحب کے نزدیک بھی غلط ہیں اور اب یہ معنی کرنے ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔

مرزا صاحب خاتم کے یہ معنی کرتے ہیں کہ رسول کریم مہر ہیں اور آپ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ کتاب (حقیقت النبوت ص ۲۶۶ حصہ اول ضمیر نمبر ۱، انوار العلوم ج ۲ ص ۵۷۶) پر لکھتے ہیں کہ: ”چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد ﷺ تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہا، نہ کوئی اور۔ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ میں آئینہ بن گیا ہوں محمد رسول اللہ ﷺ کا اور مجھ میں تصویر اتر آئی ہے رسول کریم کی، اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ یہ تمسخر ہے خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ۔

اب باقی ماندہ وجوہات تکفیر میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔ آنحضرت ﷺ کی توہین اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کے بارہ میں گواہان مدعیہ کے بیانات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کی حسب ذیل تحریروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب (دافع البلاء، نائل ۲، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۰) پر لکھتے ہیں: ”لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آن کر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اس کو چھو ا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ علیہ السلام کا نام ”حضور“ رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔“

(حاشیہ ضمیمہ انجام آٹھم ص ۴، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۸) پر لکھتے ہیں کہ: ”پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی نام کیوں رکھا۔“

آگے (حاشیہ ص ۵، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۹) پر لکھتے ہیں کہ: ”آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔“ اس صفحہ پر آگے کہتے ہیں کہ: ”میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں۔ کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔“

آگے ہے کہ: ”یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔“ (ضمیمہ انجام آٹھم ص ۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱ حاشیہ) پر ہے کہ: ”آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور تین نانیاں آپ کی زنا کار اور کبھی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔“

آگے لکھتے ہیں کہ: ”آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے۔“ آگے ہے کہ: ”سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔“



یہ گالیاں یسوع کے نام لے کر ضمیمہ انجام آہتم میں درج کی گئی ہے۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور مسیح ایک تھے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب (توضیح المرام ص ۳، خزائن ج ۳ ص ۵۲) پر فرماتے ہیں کہ: ”مسیح ابن مریم جن کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے۔“ اسی طرح اپنی کتاب (کشتی نوح ص ۶۵، خزائن ج ۱ ص ۱۹ حاشیہ) پر لکھتے ہیں کہ: ”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب سے نقصان پہنچا ہے، اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے، شاید کسی بیماری کی وجہ سے۔ اے مسلمانو! تمہارے نبی ﷺ تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے۔“

(حاشیہ ضمیمہ انجام آہتم ص ۵، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۹) پر ہے: ”جن جن پیشین گوئیوں کا اپنی ذات کی نسبت توراہ میں پایا جاتا ہے آپ نے بیان فرمایا، ان کتابوں میں ان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔“

(حاشیہ ص ۶، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۰) پر لکھتے ہیں: ”اور نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے۔ یہودیوں کی کتاب ”طالمود“ سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا میری تعلیم ہے۔“ آگے ہے کہ آپ کے حقیقی بھائی آپ کی ان حرکات سے آپ سے سخت ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے۔“

کتاب (ست پچن ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۰ ص ۲۹۵ حاشیہ) پر لکھتے ہیں کہ: ”یہ درخواست بھی صریح اس بات پر دلیل ہے کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا۔“

(ضمیمہ انجام آہتم حاشیہ ص ۶، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۰) پر ہے کہ: ”عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“

اس کتاب کے (ص ۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱) پر ہے کہ: ”آپ نے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کو روغیرہ کو اچھا کیا ہو یا کسی ایسی بیماریوں کا علاج کیا۔ مگر آپ کی بد قسمتی سے اس زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اس تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اس تالاب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا ہو تو وہ معجزہ آپ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے اور آپ کے ہاتھوں میں سوائے مکرو فریب کے اور کچھ نہ تھا۔“

اسی کتاب (ضمیمہ انجام آہتم حاشیہ ص ۹، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۳) پر آگے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ: ”خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی کہ یسوع کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا کہ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا اور آنے والے نبی کے مقدس وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راست بازوں کے دشمن کو ایک بھلے مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔“

اور کتاب (ست پچن ص ۱۶، خزائن ج ۱۰ ص ۲۹۱) پر لکھتے ہیں: ”اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے برے کام کئے۔ ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا اور دل لہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جو رو کو منگوا یا اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سماں حرام کاری میں ضائع کیا۔“

(اعجاز احمدی ص ۱۲، خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۱) پر ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشین گوئیوں کو غلط قرار دیا گیا ہے۔“

(ازالہ الادہام ص ۳۰۳، خزائن ج ۳ ص ۲۵۵، ۲۵۴) کے حاشیہ پر درج ہے کہ: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس سال تک نجاری کا کام کرتے رہے ہیں۔“

(کشتی نوح ص ۱۶، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸) پر لکھتے ہیں کہ: ”مریم علیہا السلام کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم تورات عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں توڑا گیا اور تعداد ازواج کی کیوں بناء ڈالی گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آ گئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے۔ نہ قابل اعتراض۔“

(ازالہ ادہام ص ۷، خزائن ج ۳ ص ۱۰۶) پر مرزا صاحب مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ: ”اس سے زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیشین گوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نکل نہیں سکیں۔“

(دافع البلاء ص ۱۳، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۳) پر لکھتے ہیں کہ: ”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۵۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۹) پر لکھتے ہیں کہ: ”جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو ان کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر یہ وسوسہ شیطانی ہے کہ کہا جائے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم علیہ السلام سے افضل قرار دیتے ہو۔“

مولوی انور شاہ صاحب نے لفظ یسوع کی اصل یہ بتائی ہے کہ یہ دراصل عبرانی لفظ ہے اور عبرانی میں ایشوع بمعنی نجات دہندہ تھا۔ ایشوع سے یسوع بنا اور زبان عربی میں آ کر لفظ عیسیٰ بنا اور یہ تعریب قرآن سے شروع نہیں ہوئی۔ بلکہ نزول قرآن سے پہلے عرب کے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

(ازالہ الادہام ص ۲۰۴، حاشیہ، خزائن ج ۳ ص ۲۵۵، ۲۵۶) پر لکھتے ہیں: ”ماسواء اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل ترب یعنی مسمریزمی طریق سے بطور لہو و لعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آ سکیں۔ کیونکہ عمل ترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو کردہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید تو ہی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمایوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے۔“

ان عبارات سے یہ نتائج نکالے گئے ہیں کہ مرزا صاحب یہ بخوبی جانتے تھے۔ یسوع مسیح ایک ہی شخص ہے۔ جیسا کہ ان کی اپنی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یسوع کے نام سے جو کچھ کہا ہے۔ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد نہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض فقرات عیسائی پادریوں کے جوابات میں الزامی صورت میں بیان کئے گئے ہیں تو یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان فقرات میں اس قسم کے الفاظ کہ ”حق بات یہ ہے“ وغیرہ وغیرہ الزامی جوابات نہیں ہو سکتے۔ بلکہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق کا نتیجہ شمار ہوں گے۔

نیز دافع البلاء کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک بھی عیسیٰ علیہ السلام کو ”حضور“ نہ کہنے کے لئے مذکورہ بالا قصے مانع تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی جو عالم الغیب ہے یہ بات محقق تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ عیوب موجود ہیں۔ اس لئے اس کا نام ”حضور“ نہ رکھا اور جو گالیاں مرزا صاحب نے پہلے انجام آتھم“ میں عیسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں وہی یہاں مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکبازی اور راست گوئی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے اور قرآن نے ان کی شان میں کہا ہے کہ: ”وجیہا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین“ رسولوں کو دنیا میں صرف اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی شان اطاعت کریں۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان کے معجزات کو مسمریزم کہا ہے۔ حالانکہ مسمریزم اقسام سحر اور توجہ نفسانی کا ایک شعبہ ہے کہ جس کا کسی پاکباز نیک آدمی کے ساتھ اختصاص نہیں کیا جاسکتا، ہر بد اخلاق بلکہ کافر تک اس کا عمل کر سکتا ہے اور پھر ایسے معجزات کو جس کو قرآن کریم نے نہایت شان اور عظمت سے ذکر فرمایا ہے۔ عمل ترب یا مسمریزم کہنا نہایت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو معجزات ثابت کئے گئے ہیں ان کو آج تک تمام علمائے امت اور عامۃ المسلمین قبول کرتے رہے۔ مرزا صاحب نے ان کو مسمریزم وغیرہ کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ ایک رخنہ اندازی فرمائی۔ ان کا عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرح توہین کرنی ایک وجہ کفر ہے۔

چنانچہ مرزا صاحب نے اپنی کتاب (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۱۸، خزائن ج ۲۳ ص ۳۸۹، ۳۹۰) پر جو عبارت بالفاظ ذیل ”شاید کسی صاحب کے دل میں یہ بھی خیال آوے..... تا موجب نزول غضب الہی درج کی ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے اور سب پر ایمان لانا فرض ہے اور کسی نبی کا اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الہی۔“ اس کی تائید میں منجانب گواہان مدعیہ چند سندات، قرآن احادیث اور اقوال بزرگان پیش کئے گئے ہیں جن کی یہاں تفصیل درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف مختصر یہ درج کیا جاتا ہے کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ سب اور ناسزا کہنا پیغمبروں کو اور طعن کہنا، سرچشمہ ہے جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے۔ جملہ گمراہیوں کا اور ہر کفر اس کی شاخ ہے اور کسی نبی کی ادنیٰ توہین کرنا بھی کفر ہے اور کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ: جس نے ناسزا کہنا نبی کریم کو یا تنقیص کی، مسلمان ہو یہ شخص یا کافر، سزا اس کی قتل ہے اور علماء نے کہا ہے کہ تعریض کرنا خدا کی سب کا، یا رسول کی سب کا ارتداد ہے اور موجب قتل ہے۔ آگے بیان کرتے ہیں کہ علماء نے جب توراہ اور انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے۔ ان سے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ مرزا صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نالائق تھے۔ علماء کے طریق میں اور مرزا صاحب کے طریق میں کفر اور اسلام کا فرق ہے۔

مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یوسف علیہ السلام سے بھی افضل کہا ہے اور کتاب (دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۴۰) پر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ: ”ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔“ اور یہ کہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔

(کتاب ازالہ الادہام ص ۱۵۸، خزائن ج ۳ ص ۱۸۰) سے مرزا صاحب کا ایک اور شعر نقل کیا گیا ہے جو بالفاظ ذیل ہے۔

ایک منم کہ حسب بشارات آدم عیسیٰ کجا است تا بہند پا بمنبرم  
مولوی انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن شریف نے یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی بیخ کنی کی ہے اور ایک حرف موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کی جھگ کا اشارہ یا کنایہ نہیں فرمایا۔

اب اس عنوان توہین انبیاء کے دوسرے ہیڈنگ پر گواہان مدعیہ کے پیش کردہ دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

توہین انبیاء کے تحت گواہان مدعیہ نے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے بلکہ حضور علیہ السلام کی بھی توہین کی ہے۔ بحوالہ کتاب (حقیقت النبوت ص ۲۶۶، ۲۶۵) مرزا صاحب کے اس قول سے کہ: ”میں بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا۔ پس اس طور سے

آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے خاتمیت محمدیہ میں فرق نہ آنے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ مرزا صاحب اور سرور عالم ﷺ ایک ہوں جو عقلاً اور نقلاً باطل ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ بطریق تناخ معاذ اللہ مرزا صاحب ہوئے۔ تو تناخ کفر اور اگر یہ معنی ہیں کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے تو یہ ایسی باطل بات ہے کہ دنیا جانتی ہے کہ کسی شخص کا سایہ ذی سایہ نہیں ہو سکتا تو اب مرزا صاحب کا نبی ہونا رسول اللہ ﷺ کا نبی ہونا نہیں ہے۔ اگر بغرض محال یہ مان لیا جائے کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ظل اللہ ہیں اور اس طرح وہ نعوذ باللہ! عین خدا ہیں اور مرزا صاحب عین محمد ﷺ ہیں تو اس سے صاف یہ نتیجہ ہے کہ مرزا صاحب عین خدا ہوئے۔ اگر ظل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آجائے تو ایسی ظلیت تمام دنیا کو حاصل ہے۔ بہر حال مرزا صاحب کا دعویٰ اتحاد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ رسول اللہ ﷺ کی کھلی توہین ہے۔

مرزا صاحب کے اس قول سے کہ: ”تمام کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں..... نبی کریم کے ظل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بروز ذی اور ظلی نبوت کوئی کم یا گھٹیا درجہ کی نبوت نہیں۔ کیونکہ ظل اور بروز کے لفظ سے یہ دھوکا پڑ سکتا تھا کہ مرزا صاحب کی مراد یہ ہوگی کہ آئینہ میں جیسے کسی شخص کا عکس پڑتا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور نبوت کا عکس پڑا ہے۔ مگر مرزا صاحب نبی نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ کسی شخص کا عکس جو آئینہ میں ہے۔ اس ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب کی اس عبارت نے اس شبہ کو ایسا صاف اور حل کر دیا ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں رہی اور مرزا صاحب کا لفظ ظل عکس اور بروز کا ہے۔ مگر مراد ہے۔ حقیقت کاملہ نبوت، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء گزرے ہیں وہ سب رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک صفت میں ظل تھے اور باوجود اس ایک صفت میں ظل ہونے کے وہ مستقل نبی صاحب شریعت تھے اور حقیقی نبی تھے اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظل ہیں تو ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب تمام نبیوں سے بڑے تھے اور یہ ایک بہت بڑا کفر ہے۔ مرزا صاحب بار بار تحریر کرتے ہیں کہ پہلے نبیوں کی نبوت براہ راست اور میری نبوت فیض محمدی کا اثر ہے۔ ان کا یہ قول بھی غلط ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ جب ہر ایک نبوت ان کے نزدیک آپ ﷺ کا فیض تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب کی نبوت بھی آپ ﷺ کا فیض ہے۔ لہذا یہ فرق کرنا بھی باطل ہوا۔

مرزا صاحب کے ایک اور قول سے جو (تزیان القلوب حاشیہ ص ۱۵۶، خزائن ج ۱۵ ص ۴۷۷) سے نقل کیا گیا ہے اور جو بالفاظ ذیل ہے۔ ”غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم نے اپنی خو، طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبد اللہ پر عبد المطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔“ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ:

الف ..... اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کوئی چیز نہیں رہتے اور آپ ﷺ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دور ہیں۔ گویا اصل ابراہیم علیہ السلام رہے اور آئینہ رسول اللہ ﷺ ہوئے اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد کہتے ہیں تو جب محمد ﷺ بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

ب ..... رسول اللہ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحب ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت ﷺ۔

ج..... جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم میں ہوں گے نہ کہ آنحضرت ﷺ میں، یہ باطل اور بے معنی ہے۔

اس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہ کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بروز ہوں، بے معنی اور فضول ہے۔ اسلام میں جنم کا عقیدہ کفر ہے اور یہ ہے حقیقت مرزا صاحب کے نزدیک مجازی اور ظلی اور روزی کی۔ رسول اللہ ﷺ کی توہین کے سلسلہ میں مولوی محمد الدین صاحب گواہ مدعیہ نے حسب ذیل مزید واقعات بیان کئے ہیں۔

کسی کی توہین کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو اس میں کوئی عیب جسمانی ظاہر کیا جائے یا کسی بد اخلاقی کے ساتھ اس کو متہم کیا جائے یا کسی کے لقب کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے سرفراز فرمایا ہے، اس کا اپنے لئے دعویٰ کیا جائے یا کوئی ایسی چیز اس کے سامنے یا اس کی شان میں کہی جائے جس سے اس کی دل آزاری ہو۔ چنانچہ چند آیات قرآنی جن میں اللہ تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی پاک محمد ﷺ کو چند مراتب اور مقالات عالیہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر چسپاں کرے تو لامحالہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سمجھی جائے گی۔ چنانچہ آیات ذیل:

۱..... ”سبحان الذی اسرئ بعبدہ..... الخ! (بنی اسرائیل: ۱)“ جس میں حضور ﷺ کے شان معراج کا ذکر فرمایا گیا۔

۲..... ”ثم دنا فتدلی..... الخ! (النجم: ۸)“ جس میں کہ حضور ﷺ کے لئے جو قرب الہی جناب رب العزت سے حاصل ہوا تھا یا بقول دیگر جبرئیل علیہ السلام سے ہوا ذکر ہوا ہے۔

۳..... ”انا فتحنا لک فتحا مبینا..... الخ! (فتح: ۱)“

۴..... ”قل ان کنتم تحبون اللہ..... الخ! (آل عمران: ۳۲، ۳۳)“

۵..... ”انا اعطیناک الکوثر..... الخ! (کوثر: ۱)“

مرزا صاحب نے اپنے اوپر نازل ہونی بیان کی ہیں اور مقام محمود کو بھی اپنے حق میں تجویز کیا ہے اور ان اشعار میں جو آگے بیان کئے گئے ہیں کسی نبی کی استثناء نہیں کی گئی۔ ہمارے نبی کریم بھی انبیاء کی جماعت میں داخل ہیں۔ لفظ انبیاء کسی خاص نبی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام پر حاوی اور مشتمل ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں اپنی افضلیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۸۹، خزائن ج ۲۲ ص ۹۲) پر لکھتے ہیں: ”آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔“ اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے۔

مرزا صاحب کتاب (تحد گولڑویہ ص ۴۰، خزائن ج ۱ ص ۱۵۳) پر لکھتے ہیں کہ: ”مثلاً کوئی شریر انفس ان تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے جو ہمارے نبی ﷺ سے ظہور میں آئے۔“

اور (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶، خزائن ج ۲ ص ۷۲) میں لکھتے ہیں کہ: ”ان چند سطروں میں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زائد ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر خرق عادت ہیں۔“

ان عبارات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو تین ہزار قرار دینا اور اپنے معجزات دس لاکھ۔ کیونکہ معجزہ خرق عادت ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے رسول اللہ ﷺ پر اپنی کتنی بڑی فضیلت بیان کی۔ اس قسم کی توہین کو توہین لڑوی کہا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ عبارات اس لئے نہیں لائی گئی کہ تنقیص کرے۔ مگر وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جب تک تنقیص موجود نہ ہو نہ کوہ بالا عبارات میں اس قسم کی تنقیص پائی جاتی ہے۔

اس ضمن میں مرزا صاحب کا ایک قول (تترہ حقیقت الوحی ص ۱۳۶، خزائن ج ۲۲ ص ۵۷۴) سے نقل کیا گیا ہے جو بالفاظ ذیل ہے: ”ہاں! اگر یہی اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں، بلکہ خدا کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں۔“

کتاب (اعجاز احمدی ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳) پر مرزا صاحب کا ایک شعر ہے جو بالفاظ ذیل سے شروع ہوتا ہے: ”لہ خسف القمر المنیر وان لی“ جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج کا۔ اس میں شق القمر کے معجزہ کو چاند گرہن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین اور شق القمر کا انکار ہے۔ زیادہ تر توہین لفظ ”لہ“ کے استعمال اور طرز خطاب سے اخذ کی جاتی ہے جس سے صاف طور پر تقابل دکھا کر اپنی فضیلت دکھلائی گئی ہے۔

اس طرح (خطبہ الہامیہ ص (ت)، خزائن ج ۱۶ ص ۳۱۲ حاشیہ سطر نمبر ۲) کے مقولہ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آدم علیہ السلام کی توہین کی گئی ہے اور اس میں جو یہ الفاظ درج ہیں کہ یہ وعدہ قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعود شیطان کو شکست دے گا، یہ بالکل خلاف واقع جھوٹ ہے۔ قرآن شریف میں اس قسم کی کوئی آیت نہیں ہے۔

اشعار مجملہ بیان مولوی محمد الدین صاحب گواہ مدعیہ حسب ذیل ہیں:

آنچہ	داداست	ہر	نبی	راجام	داد	آں	جام	رامرا	بتام
انبیاء	گرچہ	بودہ	اند	بے	من	بہ	عرفان	نہ	کمترم
کم	نیم	زال	ہمہ	بروے	یقین	ہر	کہ	گوید	دروغ
									ہست
									و لعین

(نزول المسح ص ۹۹، ۱۰۰، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷، ۴۷۸)

اور جو مضمون ان اشعار میں ادا کیا گیا ہے اس کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہ پہنچایا ہے۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ اس سے فوق متصور نہیں اور ایسی فضیلت دینا ایک پیغمبر کو اگر چہ واجب ہے کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو، کفر صریح ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر میں مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب (ازالہ الادہام ص ۵۵۶، خزائن ج ۳ ص ۳۹۹) پر لکھتے ہیں کہ: ”تو اترا کی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جاسکتی اور تو اترا اگر غیر قوموں کا ہو تو وہ بھی قبول کیا جائے گا۔“ پھر اس کے ساتھ اگلے (ص ۵۵۷، خزائن ج ۳ ص ۴۰۰) پر جو کچھ لکھتے ہیں: اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی پیش گوئی ایسی متواتر پیشین گوئیوں سے ہے جو خیر القرون میں تمام ممالک اسلام میں پائی گئی تھی اور مسلمات میں سے سمجھی گئی اور یہ اول درجہ کی پیشین گوئی ہے جس کو سب نے قبول کر لیا تھا اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں، کوئی اس کے ہم پہلو نہیں۔ انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ مگر اس کے بعد جب مرزا صاحب کو اس پیشین گوئی کا انکار مطلوب ہوا تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ یہ نہیں ہے مگر شرک عظیم۔ یہ عقیدہ حیات کا مسلمانوں میں نصرانیوں سے آیا ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نصرانی نے بہت مال خرچ کر کے مسلمانوں میں شائع کیا۔ شہروں میں اور گاؤں میں اس وجہ سے کہ ان میں کوئی شخص عقل مند نہ تھا اور پہلے مسلمانوں سے یہ قول نہیں صادر ہوا۔ مگر لغزش کے طور پر وہ لوگ معذرت ہیں، اللہ کے نزدیک اس واسطے کہ وہ لوگ گنہگار تھے، مگر قصداً نہ تھے اور خطا کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ سادہ

لوح آدمی تھے۔ اگر کوئی مجتہد خطا کر دے تو اللہ اس کی غلطی کو معاف بھی کرتا ہے۔ ہاں! جن کے پاس امام آیا، حکم بیانات کے ساتھ اور جس نے رشد کو گمراہی سے ظاہر کر دیا اور پھر بھی انہوں نے اعتراض کیا وہ لوگ ماخوذ ہوں گے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب حیات عیسیٰ علیہ السلام شرک نہیں بلکہ شرک عظیم فرماتے ہیں اور وعدہ الہی کے مطابق بمشاء آیت: ”ان الله لا يغفر ان يشرك ..... الخ!“ شرک کا معاف ہونا قطعاً محال ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب کے اس قول کی بناء پر ساری امت گمراہ تھی اور ساری امت مشرک و کافر تھی اور جو شخص تمام امت کو گمراہ اور کافر کہے وہ خود کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کے اس قول سے اسلام پر اتنا بڑا حملہ ہوا ہے کہ اسلام کی ایک ذرہ بھر وقعت نہیں رہ سکتی۔ جب کہ یہ ثابت بھی ہو گیا کہ یہ عقیدہ بطریق تو اتر تمام ممالک اسلام میں پھیل گیا تھا اور سب نے قبول بھی کر لیا اور کسی چھوٹے بڑے کو اس کی برائی کی اطلاع نہ ہوئی۔ اگر مرزا صاحب تشریف نہ لاتے تو جیسے پہلی ساری امت معاذ اللہ! شرک عظیم میں مبتلا تھی۔ آگے اسی طرح شرک عظیم میں مبتلا رہتی اور ممکن ہے کہ آئندہ کوئی اور شخص مجدد یا رسول اللہ ﷺ کا بروز بن کر ۲۵، ۲۰ اور شرک ثابت کر دے تو جب قرآن اور حدیث اور مسلمانوں کا ایسا مذہب ہے کہ شرک عظیم کا اس میں تیرہ سو برس تک پتہ نہ لگا تو پھر اس مذہب کا کیا اعتبار رہے گا۔

چنانچہ مرزا صاحب ایک اور (استثناء ضمیر حقیقت الوحی ص ۲۳، خزائن ج ۲۲ ص ۶۶۶) پر لکھتے ہیں کہ: ”جو شخص بالقصد اس کا خلاف کرے اور یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہے۔ پس ان لوگوں میں سے ہے کہ جو قرآن کے کافر ہیں۔ ہاں! جو لوگ مجھ سے پہلے گزر گئے وہ اپنے اللہ کے نزدیک معذور ہیں۔“

دوسری کتاب (دافع البلاء ص ۱۵، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۵) پر لکھتے ہیں کہ: ”ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں کہ تا کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنا دیں۔ بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔“

(الفضل ج ۳ نمبر ۳ مورخہ ۲۹ جون ۱۹۱۵ء ص ۷) پر درج ہے: ”پس ان معنوں میں مسیح موعود جو آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانی کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ اس کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا گویا آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانی اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا ہے جو منکر کو دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے۔“

اس ضمن میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک وجہ کفریہ بیان کی ہے کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانان عالم کو جو ان کی جماعت میں داخل نہیں خواہ وہ ان کو کافر کہیں یا نہ کہیں اور بقول خلیفہ ثانی ان کو دعوت پہنچے یا نہ، خارج از اسلام قرار دیا ہے جو شخص تمام امت محمدیہ کو اسلام سے خارج کہتا ہے وہ کس طرح خود کفر کی زد سے بچ سکے گا۔

ان وجوہ تکفیر کے علاوہ مرزا صاحب کے حسب ذیل اعتقادات بھی عامۃ المسلمین کے اعتقادات کے خلاف بیان کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے معنی جو مسلمان اب تک سمجھتے تھے، اس معنی پر قیامت نہیں ہونے کی۔ قرآن میں جو نفع صورت آیا ہے نہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی کوئی نفع صورت ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ بلکہ اس سے مراد مرزا صاحب کا تشریف لانا ہے۔ قیامت کے متعلق جتنی آیات قرآن مجید میں ہیں اور جتنی احادیث میں ہیں، ان تمام امور کا انکار ہے۔ صرف لفظوں کا انکار نہیں۔ مگر جن معنوں سے قرآن اور حدیث قیامت کو بیان کرتے ہیں، ان چیزوں کا انکار ہے۔ مردوں کا قبروں سے اٹھنا جو بہت سی آیات میں مذکور ہے، اس کا بھی انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ گواہ مدعیہ نے مرزا صاحب کے چند دیگر اقوال بھی خلاف شریعت بیان کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

مثلاً مرزا صاحب اپنی کتاب (آئینہ کالات ص ۵۶۲، ۵۶۵، خزائن ج ۵ ص ۵۱۵) پر لکھتے ہیں کہ: ”میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ کا عین دیکھا اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں اور خدائی والوہیت میرے رگ و ریشہ میں گھس گئی اور میں نے اس حالت میں دیکھا کہ ہم نیا نظام بنانا چاہتے ہیں۔ نئی زمین، نیا آسمان۔ پس پہلے میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی تفریق و ترتیب نہ تھی۔ پھر میں نے ان کو مرتب کیا اور میں اپنے دل سے جانتا تھا کہ میں ان کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ پھر میں نے سب سے قریبی آسمان کو پیدا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ: ”انا زینا السماء الدنيا بمصباح“ پھر میں نے کہا کہ ہم انسان کو کچھڑ میں سے پیدا کریں گے۔“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو خالق جانا اور کوئی شخص جب خدائی دعویٰ کرے اور اپنے آپ کو خالق جانے تو وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔

(حقیقت الوحی ص ۸۶، خزائن ج ۲۲ ص ۸۹) پر لکھتے ہیں کہ: ”خدا نے مجھے فرمایا کہ تو مجھے سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔“ اسی کتاب (حقیقت الوحی ص ۱۰۳، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۴) پر لکھتے ہیں کہ: ”میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا، کبھی خطا کروں گا، کبھی ثواب کو پہنچوں گا۔“ اس سے خدا کو غلطی کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ اسی کتاب کے (ص ۷۵، خزائن ج ۲۲ ص ۷۸) پر لکھتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے زمین و آسمان میرے ساتھ ہیں اسی طرح وہ تیرے ساتھ بھی ہیں۔ اس سے مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کی طرح اپنے آپ کو حاضر و ناظر جانا۔“ اسی کتاب کے (ص ۱۰۵، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۸) پر لکھتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو جس چیز کو بنانا چاہے، پس ”کن“ کہہ دے وہ ہو جائے گی۔“

(البشری ج دوم ص ۷۹) پر لکھتے ہیں کہ: ”میں نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں جس طرح میں ازلی ہوں، اسی طرح تیرے لئے بھی میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے۔“ (توضیح المرام کے ص ۷۵، خزائن ج ۳ ص ۹۰) پر لکھتے ہیں کہ: ”قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے کہ جس کے بے شمار ہاتھ اور بے شمار چہرے ہیں اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہاء عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریخیں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب خداوند تعالیٰ کو تیندوے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ (کتاب ضمیر تریاق ص ۱۵، خزائن ج ۱۵ ص ۲۹۷) پر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ: ”نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا جب تک مسیح اور ابراہیم اور یعقوب اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں، نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو۔“ اس سے مرزا صاحب نے خدا کو حادث بتلایا اور یہ عقائد وہ ہیں جو مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کے متعلق رکھے ہیں اور ان سے یقیناً ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید کے متعلق مرزا صاحب کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۸۲، خزائن ج ۲۲ ص ۸۷) پر لکھتے ہیں کہ: ”قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔“ ان دلائل کے علاوہ مدعیہ کی طرف سے چند نظائر بمثل مسیلمہ کذاب وغیرہ کے بھی پیش کی گئی ہیں کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور اس بناء پر انہیں قتل کیا گیا۔ ان کی زیادہ تفصیل درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس تمام بحث سے جو اوپر بیان ہوئی۔ حسب ذیل نتائج برآمد کئے گئے ہیں۔



۱..... مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت شرعیہ تشریح کیا جو با اتفاق امت اور با اتفاق مرزا صاحب کفر ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے کلام میں شریعت کی تشریح بھی کر دی ہے۔

۲..... مرزا صاحب نے اقرار فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد مطلق نبوت منقطع ہے اور جو دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا اس لئے کافر ہوئے۔

۳..... مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی جدید یا قدیم نہیں آسکتا اور اس کو قرآن کا انکار کرنا بتلایا ہے۔ لیکن پھر خود دعویٰ نبوت کیا۔

۴..... مرزا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپ کا خاتم الانبیاء ہونا، خاتم النبیین اور ’’لا نبی بعدی‘‘ سے ثابت ہے اور پھر اس کے بعد یہ کہا کہ جو ایسا کہے کہ آپ کے بعد نبوت نہیں آسکتی وہ خود کافر ہے۔ اس لئے بھی مرزا صاحب کافر ہوئے۔

۵..... مرزا صاحب نے جواز نبوت کو رسول اللہ ﷺ کے بعد کفر قرار دیا ہے۔ اب مرزا صاحب اس نبوت کو فرض قرار دیتے ہیں۔ یہ اس سے بڑھ کر کفر ہے۔

۶..... مرزا صاحب دروازہ نبوت کو کھول کر اپنے ہی تک محدود نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس وجہ سے بھی کافر ہوئے۔

۷..... مرزا صاحب یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی آئے گا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ہزار بار محمد رسول اللہ ﷺ ہی خود بروز فرمائیں گے۔ گویا رسول اللہ ﷺ جیسے ہزاروں لوگ یا ہزاروں نبی اب واقع ہو سکتے ہیں۔ امکان ذاتی نہیں بلکہ امکان وقوعی ہے۔ پھر مرزا صاحب نے یہ کہا کہ سرور عالم کی ایک بعثت پہلے تھی۔ ایک بعثت ثانیہ ہوئی۔ اس کا حاصل تناخ ہے جو تناخ کا قائل ہے وہ کافر ہے۔

۸..... مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں عین محمد ہوں۔ اس میں سرور عالم کی توہین ہے۔ اگر واقعی عین ہیں تو کھلا ہوا کفر۔ اگر عین محمد نہیں ہیں تو ان کے بعد دوسرے نبی ہوئے اور ختم نبوت کی مہر ٹوٹ گئی یہ اور وجہ کفر کی ہوئی۔

۹..... مرزا صاحب نے دعویٰ وحی کیا اور ساتھ ہی دعویٰ وحی نبوت کیا جو کفر ہے۔

۱۰..... مرزا صاحب نے اس وحی کو قرآن، تورات اور انجیل کے برابر کہا۔ اس بناء پر قرآن آخر الکتب باقی نہیں رہتا یہ بھی وجہ کفر ہے۔

۱۱..... مرزا صاحب نے اپنے اقرار سے اور تمام علماء نے اس کی تصریح کی جو شخص کسی نبی کو گالی دے یا توہین، وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کی کئی وجوہ سے توہین کی، ہر توہین موجب کفر ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب نے آدم علیہ السلام کی، سرور عالم کی توہین کی۔ اس لئے بھی کافر ہوئے۔

۱۲..... مرزا صاحب نے احکام شریعت کو بدلا۔ لہذا اس وجہ سے بھی مرزا صاحب پر کفر لازم آتا ہے۔ مرزا صاحب فرمایا کہ کسی احمدی عورت کا غیر احمدی سے نکاح جائز نہیں۔ نیز یہ کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ نیز فرمایا کہ: ’’پس یاد رکھو کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو (حاشیہ ضمیمہ صفحہ ۱۸، ۱۷، ۱۶ ص ۶۳) مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ: ’’جو مجھے نہ مانے وہ کافر ہے۔‘‘

۱۳..... مرزا صاحب نے نفع صورتوں کا انکار کیا، مردوں کے قبروں سے اٹھنے کا انکار ہے جس طریق سے قیامت کی خبر قرآن اور حدیث میں ہوئی۔ ان سے بالکل انکار ہے۔ صرف ظاہری الفاظ ہی رکھے۔ مگر معنی الٹ بیان کئے یہ وجوہ بھی مرزا صاحب کی تکفیر کے ہیں۔ لہذا ان

وجوہ پر کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی احمدی مرد و عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح ہو گیا اور نکاح کے بعد کوئی اس مذہب میں داخل ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا۔

اور اپنے اس اڈا کی تائید میں چند دیگر علماء کے فتاویٰ بھی پیش کئے گئے ہیں جو مسل کے ساتھ شامل ہیں اور سید انور شاہ صاحب گواہ نے مصر اور شام کے دو مطبوعہ فتوؤں کا حوالہ بھی اپنے بیان میں دیا ہے۔

تحریری فتوے جو مسل پر لائے گئے ہیں حسب ذیل مقامات کے علماء ہیں۔ مکہ معظمہ، ریاست رام پور، دارالافتاء، ریاست بھوپال، ہمایوں (سندھ) بریلی، ڈابھیل، دہلی، سہارنپور، تھانہ بھون، ملتان، علماء کی فہرست میں شیخ عبداللہ صاحب رئیس القضاة مکہ معظمہ، مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علماء ہند اور مولوی اشرف علی صاحب کے اسماء بھی ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے ان دلائل کا جو مرزا صاحب کی تکفیر کے متعلق مدعیہ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ تین طریق پر جواب دیا گیا ہے۔

اول یہ کہ مرزا صاحب کی جن عبارات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان سے ان کے عقائد کفریہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ان عبارات کے ماسبق اور مابعد کی عبارات کو مد نظر نہیں رکھا گیا اور نہ ہی سیاق سابق عبارت کو زیر غور لایا گیا ہے۔ اگر ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ان عبارات پر غور کیا جائے تو ان سے وہ نتائج اخذ نہیں ہوتے جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مرزا صاحب نے خود دیگر مقامات پر ان عبارات کی تشریح کر دی ہے۔ اس لئے ان عبارات سے وہی مفہوم لیا جائے گا جو انہوں نے خود بیان کیا اور کہ دیگر مقامات پر ایسی عبارات بھی موجود ہیں کہ جن کو مد نظر رکھتے ہوئے نہیں کہا جاسکتا کہ ان عبارات زیر اعتراض سے مرزا صاحب کا وہی مدعا تھا جو گواہان مدعیہ نے اخذ کیا۔

تیسرا یہ کہ مرزا صاحب کے اقوال زیر بحث میں سے بعض اقوال ایسے ہیں جو دیگر بزرگان دین سے بھی سرزد ہوئے۔ لیکن فریق مدعیہ کے نزدیک وہ بزرگان مسلمان تھے۔ اس لئے ان اقوال کی بناء پر مرزا صاحب کے خلاف کیونکر فتویٰ تکفیر لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تمام امور تشریح طلب ہیں اور اپنے اپنے موقع پر ان کی تفصیل بیان کی جائے گی اور وہاں ان کا پورا جواب بھی دیا جائے گا۔ یہاں ان کے متعلق مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے کہ عبارات زیر بحث میں سے بعض ایسی ہیں کہ جو اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں اور ان میں کوئی ایسا ابہام نہیں ہے کہ جو کسی تشریح یا توجیہ کا محتاج ہو۔ اس لئے ایسی عبارات کے نہ ماسبق اور مابعد دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ سیاق و سباق معلوم کرنے کی۔ لہذا ان فقرات کی اپنی ترتیب سے ہی جو مفہوم اخذ ہوگا، وہی مراد لیا جائے گا۔

امردوم کے متعلق اول تو مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے بہت سے اقوال میں تعارض ہے اور اس تعارض کو کسی صاف تشریح یا وضاحت سے رفع نہیں کیا گیا۔ دوسرا جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ بعض عبارات فی نفسہ ایسے مستقل جملے ہیں کہ جو اپنے مفہوم کی خود وضاحت کر رہے ہیں۔ اس لئے تا وقتیکہ یہ نہ دکھلایا جائے کہ یہ کلمات واپس لئے گئے۔ دیگر کلمات نہ ان کے قائم مقام تصور ہو سکتے ہیں اور نہ ان کی تشریح بن سکتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ ان اقوال کو ان اقوال کے تحت سمجھا جائے جو مرزا صاحب نے دوسری جگہ بیان کئے ہیں۔ کیونکہ وہ اقوال اقوال زیر بحث کو مسترد نہیں کرتے۔ بلکہ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ سید انور شاہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ روش مرزا نے عمداً اختیار کی۔ تاکہ نتیجہ گز بڑ رہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی رہے۔

امردوم کے متعلق اول تو ان بزرگان کے اقوال بعینہ ان الفاظ میں نہیں جو مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں۔ دوسرا مقدمہ ہذا میں ان بزرگان کے مسلمان یا نہ مسلمان ہونے کا سوال زیر بحث نہیں ہے اور نہ ہی ان کے دیگر حالات پیش نظر ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے

مقابلہ میں ان کے الفاظ پیش کرنا ایک سعی لا حاصل ہے۔

علاوہ ازیں سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ صوفیاء کے ہاں ایک باب ہے جس کو شطیحات کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو اور تصریحیں کرتے ہیں کہ جس پر یہ احوال نہ گزرے ہوں وہ ہماری کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ مجملہ ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا۔ لیکن دین میں کسی زیادتی، کمی کے صوفیاء میں سے بھی کوئی قائل نہیں اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے مرزا صاحب کی کتابوں سے ان کے چند عقائد بیان کئے جا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رو سے جن باتوں کو ایک شخص کے مؤمن اور مسلمان ہونے کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے وہ سب مرزا صاحب میں اور ان کی جماعت میں پائی جاتی ہیں اور وہ ان سب پر خلوص دل اور صمیم قلب سے یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں اور جن اعمال صالحہ کے بجالاتے نہ حکم دیا گیا ہے وہ سب بجالاتے ہیں اور ان کا دین وہی جو آنحضرت ﷺ خدا کی طرف سے لائے اور وہ ایمان رکھتے ہیں کہ دین اسلام کے سواء اگر کوئی شخص کوئی اور دین اختیار کرے تو وہ عند اللہ ہرگز مقبول نہیں۔ گواہان مدعیہ نے انہیں کافر، مرتد، ضال اور خارج از اسلام قرار دیا ہے اور ضروریات دین کا منکر ٹھہرایا ہے۔ لیکن جن امور کی بناء پر انہوں نے کافر اور مرتد کہا ہے، ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے فتویٰ تکفیر کی بناء بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے اور اس ضمن میں ان علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کرتے ہوئے چند کتب فقہ کے حوالوں سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اگر ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں، مد نظر رکھا جائے تو اس سے بڑے بڑے بزرگ اور تمام شیعہ اور وہ نئے تعلیم یافتہ نوجوان جو یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ اگر جنت میں ان موجودہ مولویوں نے جانا ہے تو ہمیں ایسی جنت نہیں چاہئے اور وہ تمام مسلمان جو سرکاری دفتر میں ملازم ہیں اور اپنے ہندو یا عیسائی افسران کو تحائف دیتے ہیں کافر ہیں اور ان عورتوں کے لئے جو اپنے خاندانوں کی بدسلوکی سے تنگ ہیں اور ان کے عقد نکاح سے نکلنا چاہتی ہیں۔ یہ اچھی ترکیب بتلائی گئی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت یہ کہہ دے کہ میں کافر ہوئی تو معاہدہ کافر ہو جائے گی اور اس کا نکاح صحیح ہو جائے گا اور وہ تمام مسلمان جو گاندھی ٹوپی یا بیہٹ لگاتے ہیں، کافر ہیں اور اس طرح وہ مسلمان بھی جو ہندو اور انگریز افسروں کو سلام کرتے ہیں اور اس طرح سکول اور کالجوں کے وہ مسلمان طلباء جو اپنے ہندو یا عیسائی استادوں کو تعظیماً سلام کرتے ہیں اور اس طرح ہزار ہا وہ تعلیم یافتہ اشخاص جو مولویوں کی دقیانوسی باتوں پر جنہیں یہ لوگ علم اور دین خیال کرتے ہیں، ہنستے ہیں، کافر ہیں اور اسی طرح وہ مسلمان کو کسی غیر مسلم کو اس کے سوال کرنے پر کہ مجھ پر اسلام کی صداقت بیان کر کسی مولوی کے پاس برائے جواب لے جاتے ہیں کافر ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

پس اگر ان علماء اور مولویوں کے کہنے پر کسی کو کافر بنایا جاسکتا ہے تو مذکورہ بالا امور کے تحت تمام ایسے مسلمان جو اوپر بیان کئے گئے ہیں، کافر ہیں اور ان کا نکاح فسخ ہونا چاہئے۔ لیکن اصول مذکورہ بالا پر علماء کا موجودہ زمانہ میں عمل نہیں اور ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں، ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے اور ان کے منکر کو کافر اور مرتد کہا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ نے اپنے بیانات کی تائید میں چند مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ مفسرین کے اقوال کو بلا سوچے سمجھے من وعن تسلیم کر لیا جائے اور جو کچھ وہ اپنے خیال و عقیدہ کے مطابق لکھ گئے، اسے حرف بحرف مان لیا جائے۔ اس لئے ہمیں حسب تعلیم قرآن مجید ضروری ہوا کہ ہم خود بھی قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر کریں اور تحقیق کے بعد جو اقرب الی الصواب ہو، اس کو اختیار کریں۔ پس مفسرین کے اقوال پر عقائد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ

تفسیروں میں لکھ گئے، ہم آنکھیں بند کر کے ان پر ایمان لے آئیں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان فتوؤں اور اقوال کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اسے اختیار کریں اور مخالف کو چھوڑ دیں اور امت کے ان علماء کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نیک نیتی سے جو باتیں موافق اور مخالف پائیں یا جو وہ سمجھ سکے وہ ہم تک پہنچائیں جس کے لئے وہ تمام ہمارے شکر یہ کے مستحق ہیں۔

اس کے آگے پھر وجوہات تکفیر کا جواب شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے نہایت عمدہ جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب چونکہ مادر زاد کافر نہ تھے اور ابتداءً ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی۔ اس لئے انہی کے وہ پابند تھے اور وہی کہے پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعوؤں کو رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں اور عام و خاص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا، جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا۔ اس لئے مرزا صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ ان عقائد کی مراد بھی وہی ہے جو جمہور امت نے سمجھی اور پھر اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے۔ ان سے توبہ کر چکے ہیں اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو۔ چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندیق اس کو کہا جاتا ہے کہ جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے، لیکن اس کی ایسی تاویل اور تحریف کر دے جن سے اس کے حقائق بدل جائیں۔ اس لئے جب تک اس کی تصریح نہ دکھائی جائے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے ان معنی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنی سے کہ صحابہ، تابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا۔ اسی طرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔

یہ بات ثابت ہو چکی کہ مرزا صاحب اپنی اخیر عمر تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی۔ علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت تک ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جائے اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں پایا گیا۔

عدالت ہذا کی رائے میں مرزا صاحب کے عقائد کی بابت یہ جواب بہت جامع اور مدلل ہے اور گوکہ مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں ان کے ہر عقیدہ پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن اس کی موجودگی میں ان عقائد پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختار مدعیہ نے بحث کی ہے کہ مرزا صاحب کا خود کلمہ طیبہ پر بھی پورا ایمان نہ تھا۔ کیونکہ اس کلمہ پر اس صورت میں ہی مکمل ایمان تصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ خداوند تعالیٰ کی صفات اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات پر پورا ایمان ہو۔ مرزا صاحب کے بعض اقوال سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اندر الوہیت کو مؤجزان پایا اور اپنے آپ میں خدائی طاقتیں اور صفات موجود دیکھیں اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات اور مدارج میں شریک ہتلاتے ہیں اور انہیں خاتم النبیین بمعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کلمہ طیبہ پر انہیں لوازم کے تحت ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر مسلمان، اس لئے بھی انہیں مسلمان تصور نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن عدالت ہذا کی رائے میں ایسی تفصیلی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی تکفیر کا سوال مقدمہ ہذا میں

اصل سوال ماہہ النزاع نہیں بلکہ ایک ضمنی سوال ہے۔ اصل سوال مدعا علیہ کے ارتداد اور تکفیر کا ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کے اعتقادات کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی ضرورت ہے جس حد تک کہ مدعا علیہ کے خلاف امور مذکورہ بالا کے تفسیر کے لئے روشنی پڑ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ دکھلانا پڑے گا کہ مدعا علیہ کا کلمہ طیبہ پر بھی ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب کا اور اس کا حل مشکلات سے خالی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعا علیہ کی نیت کا اندازہ پورے طور پر نہیں لگایا جاسکتا۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جن امور کی بناء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو ضروریات دین کا منکر قرار دیا جا کر کافر

اور مرد کہا گیا ہے۔ ان کا ضروریات دین سے ہونا، قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ کی طرف

سے یا تو مدعیہ کی پیش کردہ شہادت اور بحث کو بغور ذہن نشین نہیں رکھا گیا یا دیدہ دانستہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ گواہان مدعیہ نے

بہت تکرار اور شد و مد کے ساتھ اور خود مرزا صاحب کے اپنے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ بایں

معنی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ نص قرآن سے اور احادیث متواترہ سے اور اجماع امت سے ضروریات دین سے ہے اور

اس کا انکار کفر ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے بہت سی آیات قرآن اور احادیث پیش کی ہیں کہ جن میں سے بعض کی صحت کے متعلق جیسا

کہ آگے دکھلایا جائے گا۔ خود مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے قرآن یا حدیث سے اس کا کوئی

ثبوت پیش نہیں کیا۔ البتہ اگر یہ کہا جاتا کہ وہ ثبوت قوی نہیں تو کچھ بات بھی تھی۔ لیکن یہ کہنا بالکل خلاف واقع ہے کہ ان کی طرف سے قرآن

اور احادیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے بیان کردہ وجوہات تکفیر اور درج کی جا چکی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے

بعض کے متعلق (گوکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ آگے دکھلایا جائے گا) یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ضروریات دین سے نہیں ہے۔ مگر مسئلہ ختم نبوت کے

متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ضروریات دین سے نہیں، ضروریات دین کی اگرچہ ایک وسیع اصطلاح ہے اور ممکن ہے کہ بعض علماء نے اس کے

تحت میں اپنی دانست کے مطابق بہت سے ایسے امور بھی داخل کر دیئے ہوں کہ جو بحث طلب ہوں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ختم

نبوت کا مسئلہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل سے ہے۔ ضروریات دین کا مفہوم گواہان مدعیہ نے اپنے بیانات میں ظاہر کر دیا ہے جو

اوپر گزر چکا ہے۔ اگر اس اصطلاح کے لفظی معنی بھی مراد لئے جائیں تو ان الفاظ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ امور جو کسی دین میں داخل رہنے

کے لئے ضروری ہوں اور جن کے نہ ماننے سے وہ شخص اس دین کا پیرو نہ سمجھا جاسکے۔ ضروریات دین سے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا

خاتم النبیین ماننا بایں معنی کہ آپ آخری نبی ہیں۔ مذہب اسلام میں داخل رہنے کے لئے ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر

کوئی نبی مانا جائے تو مدعیہ اور اس کے گواہان کے نزدیک نہ یہ صرف نص قرآن اور احادیث متواترہ کا انکار ہوگا۔ بلکہ معمول بہ اس نئے نبی

کی وحی ہو جائے گی نہ کہ قرآن، اور اس سے وہ شخص مذہب اسلام سے خارج ہو جائے گا اور یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ماننا نہ

صرف مسلمانوں کے نزدیک ان کے مذہب کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ بلکہ اس کی نظیر مذاہب میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً یہود اور نصاریٰ

جن کے مذاہب کی تفریق محض اس بناء پر ہے کہ وہ اپنے اپنے پیشواؤں کے بعد اور کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ عقیدہ

چلا آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ اب اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے تو وہ مذہب اسلام کا پیرو نہیں سمجھا جائے گا۔

اس لئے ختم نبوت سے بڑھ کر اور کون سا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہو سکتا ہے۔ یہ آگے دکھلایا جائے گا کہ اس بارہ میں جو اسناد پیش کی گئی

ہیں وہ کس فریق کی معتبر اور زیادہ وزن دار ہیں۔

یہاں میں یہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی نا آشنا ہیں۔ اس لئے بھی

ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر اس قدر چیخ و پکار کی جارہی ہے۔ اس

لئے ضروری ہے کہ اس کی کچھ تھوڑی سے حقیقت بیان کر دی جائے۔

مدعیہ کی طرف سے نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کو عطاء کیا جاتا رہا ہے اور نبی اور رسول میں فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی کے لئے لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے بحوالہ (نبراس ص ۸۹) بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجتا ہے۔ بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے۔ کتاب لائے یا نہ لائے رسول کے لئے کتاب لانا شرط ہے۔ اسی طرح رسول کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جو صاحب کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔

یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں۔ اس لئے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحات قرآن کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب پروفیسر راندھیر کالج کی کتاب ”دین و آئین“ دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مد نظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی کہ: ”جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور غور و فکر کے پیدا ہوں۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔“ لیکن یہ تعریف مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکائیلی اسلام از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جاسکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں، وہ لکھتے ہیں کہ: ”آج کل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے۔ جو اپنی قوم کی کسبت اور زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی روح پھونک کر زمین کے بہترین مخلوقوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کے قسم کی ہوتی ہے۔ جن کے ہر حکم کا اتباع اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جائے کا خطرہ ہوتا ہے اور وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کا حسن تدبیر، عقل، حکمت و ذہنی انسانی کے ارتقاء کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرت ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں۔ انہیں قوتوں کا نام ان کے نزدیک اہلیس اور ملائکہ ہے۔“ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیات قرآنی یہ دیا ہے۔

کہ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبر ملت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور مدبرین سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکرین و مدبرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور ان کا فلسفہ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیت باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متاثر اور نہ احوال و ظروف کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب مملکت ایزدی سے ہوتا ہے اور ان کا سرچشمہ علوم و ہدایت علم باری تعالیٰ سے ہوتا ہے جس میں کسی سہو و خطا کی گنجائش نہیں۔ ان کا سینہ علم لدنی سے معمور اور ان کا قلب تجلیات نورانی سے منور ہوتا ہے۔

دنیاوی سیاست و تفکر صفت ہے جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موہبت ربانی

اور عطاءے بزدانی ہے جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و امت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے۔ لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھانے والا اور ان کا مطاع ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خدا کی معصیت ہے اور جو لائحہ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے۔ اس میں کوئی دنیاوی طاقت رد و بدل نہیں کر سکتی۔ بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو۔ اس کا فیصلہ بھی اس کی مشعل ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ ان کو خدائی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے سرحد ادراک انسانی سے بالاتر ہیں۔ لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کرنے سے کیا قباحت لازم آئے گی۔ تصریحات قرآنی کی رو سے نیا نبی مطاع ہو جائے گا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جاسکے گا۔ اس کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دے گا، اس کی تعمیل لازمی ہوگی۔ ورنہ اعمال کے جط ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کی جاسکے گی۔ بلکہ اس کے سامنے اونچا بولنا بھی گناہ ہوگا۔ اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہوگی اور اسے روگردانی ایمان سے خارج ہونے کا باعث اور موجب عذاب الہی ہوگی۔

اس لئے مدعیہ کی طرف سے بحوالہ آیات قرآنی و احادیث یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی مسلمان کسی اور شخص کو نبی مانے تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کتب فقہ سے جن عبارات کا حوالہ دیا جا کر علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق ایک تو خود مدعا علیہ کے گواہان کا بیان ہے کہ نبی زمانہ ان پر علماء کا عمل نہیں۔ دوسرا مدعیہ کی طرف سے ان حوالہ جات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات کفر ہیں نہ کہ فتاویٰ تکفیر۔ کلمہ کفر اور چیز ہے اور فتویٰ کفر اور چیز۔ کسی شخص پر ان کلمات کی بناء پر محض ان الفاظ کے استعمال سے ہی فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ فتویٰ ان اصولوں کے تحت لگایا جائے گا جو اس غرض کے لئے مجوز ہیں۔

عدالت ہذا کی رائے میں مدعیہ کا یہ جواب وزن رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں علماء کے اقوال سند کے لحاظ سے وہ حیثیت نہیں رکھتے جو متواترات کی بیان کی گئی ہے۔ کلمات زیر بحث کو ریکارڈ پر لانے اور اپنے خیال کے مطابق ان کی تشریح کرنے سے گواہان مدعا علیہ کا منشاء سوائے اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا کہ مسئلہ زیر بحث کی نوعیت اور اہمیت کو خفیف کر کے دکھلایا جائے۔ حالانکہ مسئلہ نبوت کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔

اور غالباً وہ یہ چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کے دلوں میں علماء کے متعلق ایک حقارت پیدا کی جا کر ان کے طرز افتاء کی مذمت ظاہر کی جائے اور ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کے جذبات ان کے خلاف ابھارے جائیں اور موجودہ زمانہ کے روشن خیال طبقہ کی جو اپنے آپ کو ہر اصلاح کا علم بردار سمجھتا ہے۔ ہمدردی حاصل کی جائے۔

مذہب کے متعلق فی زمانہ جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں جو لوگ اس پر ایمان نہیں لائے تھے وہ اسے اضغاث احلام اور اساطیر الاؤلین کہا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ کہ مذہب کا جو اپنی گردن سے نہیں نکال پھینکنا چاہتے گو وہ ان الفاظ کو اپنے منہ سے تو نکالنے کی توجرت نہیں کرتے۔ لیکن حقائق و معارف قرآنی پر اپنے دل میں پورا یقین نہیں رکھتے اور بقول مولانا محمود علی صاحب یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اسلام میں زمانہ کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے اور انقلاب حالات سے جو جدید ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے اقوام عالم کو اپنی طرز روش میں تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے۔ اسلام ایسے انقلابوں

کے اندر اپنی روش کو بدل کر دوسری روش پر چلنے کی قابلیت نہیں رکھتا اور اس کے ماننے والے اپنے حالات کے اندر کوئی اصلاح یا ترمیم نہیں کر سکتے اور کسی تہذیب جدید کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

ان کے اس اعتراض کا جواب تو مولانا صاحب موصوف نے اپنی کتاب دین و آئین میں دے دیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ اس قسم کے خیالات آج کل عام ہیں اور چونکہ فریق مدعا علیہ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق اس طبقہ کے خیالات کی رو سے اسلام میں اصلاح کرنے کی کافی وسعت ہے۔ اس لئے مدعا علیہ کی طرف سے علماء کے خلاف بدظنی پیدا کی جا کر اس طبقہ کے دل میں ان کے خلاف تحقارت اور نفرت پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس مقدمہ میں مدعیہ کی طرف سے جو علماء پیش ہوئے ہیں انہیں دقیانوسی خیالات کا پیرو اور مرض تکفیر میں مبتلا دیکھلا یا جا کر ان کی بیان کردہ وجوہات تکفیر کو تفسیر میں اڑا دیا جائے اور یہ دکھلایا جائے کہ ان کی بیان کردہ وجوہات تکفیر کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اور انہوں نے محض اس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ کے اصول صلاحیت مذہبی کی طرف رجوع دلاتے ہیں۔ اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر براہ بغض اور کینہ انہیں کافر کہا ہے۔ ورنہ دراصل ان کا کوئی عقیدہ یا عمل کفر کی حد تک نہیں پہنچتا۔ حالانکہ مسئلہ زیر بحث ایسا نہیں کہ اسے اس طرح مذاق میں اڑا دیا جائے میں یہ نہیں کہتا کہ علماء غلطی نہیں کرتے یا یہ کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی کسی رائے کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا جائے۔ بلکہ چاہئے کہ ان کے اقوال پر بحث سے دل سے غور کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کہاں تک راستی پر ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت کے بارہ میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے، وہ صداقت سے خالی نہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے کتب تقاسیر کے حوالوں پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ ان حوالوں کو نہ یہاں درج کیا گیا ہے اور نہ ہی اس فیصلہ کا انحصار ان حوالوں پر رکھا گیا ہے اور سند کے اعتبار سے صرف قرآن مجید اور احادیث کو ہی معیار تصفیہ قرار دیا گیا ہے اور یہ عمل اس لئے اختیار کرنا پڑا ہے کہ فریقین کی طرف سے اپنے اپنے اذعا کی تائید میں بے شمار کتابیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، پیش کی گئیں ہیں۔ مدعا علیہ نے مدعیہ کی پیش کردہ کتب میں سے کسی کو بھی اپنے اوپر حجت تسلیم نہیں کیا۔ سوائے مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں کے اور اسے اپنے اعتقاد کے مطابق ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ جب وہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے تو اس کے لئے معمول بہ مرزا صاحب کی وحی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے اس کا دوسری کتابوں کو بطور حجت تسلیم نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ باقی قرآن اور احادیث کے متعلق اس نے یہ روئے اختیار کئے رکھا ہے کہ آیات قرآنی کا جو مفہوم مدعیہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے، اس کے متعلق اس نے یا تو یہ بیان کیا ہے کہ وہ درست نہیں ہے یا اس کی کوئی اور تاویل کر دی ہے اور احادیث کے بارہ میں بھی جو حدیث اس کے مفید مطلب تھی وہ تو لے لی اور جو اس کے خلاف تھی اس کی صحت کے متعلق یا تو اس نے انکار کر دیا ہے یا اس کی بھی کوئی تاویل کر دی اور اس کا یہ عمل بھی مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: ”جو حدیث میری وحی کے معارض ہے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے۔“

(اعجاز احمدی ص ۳۰، نثر آنجناب ج ۱۹ ص ۱۴۰)

اس کے علاوہ مدعا علیہ نے جن دیگر مصنفین کی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں، ان کے متعلق بھی اس کا یہ اذعا ہے کہ وہ چونکہ مدعیہ کے ہم مذہب اشخاص کی تصنیف شدہ ہیں۔ اس نے انہیں مدعیہ کے خلاف بھی بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس کے لئے وہ کوئی حجت نہیں۔ اس لئے ان حوالوں پر بحث کرنی نہ صرف غیر ضروری خیال کی گئی ہے۔ بلکہ اسے مشکلات سے بھی خالی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف خیانت کے بھی الزام لگائے ہیں اور یہ بھی اعتراض کئے ہیں کہ بعض مصنفین کی کتابیں انہیں مسلم نہیں ہیں۔ اس لئے یہ طے کرنے کے لئے کہ کہاں تک خیانت ہوئی اور کس کس مصنف کی کتاب فریقین کے عقائد کے مطابق ہے اور آیا وہ فریقین کے مسلمات



میں سے بھی ہیں یا نہ اور کہ ان سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ درست ہیں یا نہ اور کہ فریقین کو ان کی رائے کا پابند قرار دیا جا سکتا ہے یا نہ۔ بہت وقت وسیع مطالعہ اور کافی محنت کی ضرورت ہے اور پھر اس سے نتیجہ کے بھی پورے طور پر واضح اور عام فہم ہونے کی توقع نہیں۔ اس لئے ایک طرف قرآن مجید اور احادیث پر اور دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں پر حصر رکھا جا کر دیگر تمام حوالہ جات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ اذعا وجی کفر ہے اور اگر کوئی شخص مطلق وجی کا دعویٰ کرے، خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو تو تب بھی وہ کافر ہے اور کہ نبی آدم میں وجی پیغمبروں کے ساتھ شخص ہے اور غیر کے لئے کشف، الہام یا وحی معنوی ہو سکتی ہے، درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت: ”وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ..... الخ! (الشوریٰ: ۵۱)“ میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ صرف پیغمبروں کے ساتھ ہی ان تین طرق مندرجہ آیت مذکور سے کلام کرتا ہے اور غیر پیغمبروں سے نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت میں بشر کا لفظ رکھا ہے جس میں نبی اور غیر نبی دونوں داخل ہیں۔

”واوحینا الیٰ ام موسیٰ! ..... الخ! (القصص: ۷)“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وجی صرف پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہوئی تو ام موسیٰ پر خدا کی طرف سے یہ وحی نازل نہ ہوتی۔

اس طرح: ”فارسلنا الیہا روحنا ..... الخ! (مریم: ۱۷) واذقالت الملائكة ..... مع الراکعین واذقالت الملائكة ..... مقربین (آل عمران: ۴۲ تا ۴۵)“ اور ”قلنا یاذا القرنین ..... حسنا (کہف: ۸۶)“ کے حوالہ جات پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ:

۱..... وجی انبیاء سے مخصوص نہیں بلکہ غیر انبیاء پر بھی وحی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔  
۲..... جن طریقوں سے اللہ تعالیٰ، انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے، انہیں طریقوں سے غیر انبیاء یعنی اولیاء وغیرہ کے ساتھ بھی ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت نبراسے ظاہر ہوتا ہے۔

۳..... فرشتوں کا نزول انبیاء علیہم السلام سے خاص نہیں۔ بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی نازل ہو جاتی ہے جس میں امر و نہی ہوتے ہیں اور کہ غیر انبیاء کی وحی بھی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس کے آگے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ بیان ہے کہ مدعیہ کے گواہان نے جو یہ کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی پر وحی نہیں ہو سکتی۔ جو اس کا دعویٰ کرے، وہ کافر۔ اس کی انہوں نے قرآن مجید یا احادیث سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ ہاں! صرف ایک گواہ نے بحوالہ آیت: ”والذین یؤمنون ..... من قبلک (البقرہ: ۴)“ پیش کر کے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہونی ہوتی تو اس آیت میں ضرور اس کا ذکر کر دیا جاتا۔ چونکہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد وحی نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں تشریحی وحی کا ذکر ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسی وحی جو آپ کی شریعت کی ناسخ ہو، منقطع تھی۔ اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ اس کی تائید میں پھر چند علماء کے اقوال نقل کئے جا کر یہ کہا گیا ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں آئی جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی تشریحی ہوگی۔ بلکہ وحی الہام ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر علماء لکھ چکے ہیں کہ مسیح موعود پر وحی ہوگی اور حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی ہوگی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جو قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ مسیح موعود آئے گا تو ان پر وحی ہوگی تو اسے خدا کی طرف سے یقین کرے گا۔ پس اس لحاظ سے یہ آیت تشریحی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے۔ غیر تشریحی وحی کے انقطاع پر دلالت نہیں کرتی۔ اس امر کی دلیل میں کہ

آنحضرت ﷺ کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے کامل تبعین پر اس کا دروازہ بند نہیں ہے۔ آیات ذیل: ”الم یروا انه ..... سبیلاً (الاعراف: ۱۳۸)“ اور ”افلا یرون ..... قولاً (طہ: ۸۹)“ کے حوالے دیا جا کر یہ کہا گیا ہے کہ ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندوں سے خدا کا کلام کرنا ضروری ہے۔ پس کیونکر مان لیا جائے کہ حرم کعبہ کا رب اور قرآن کے اتارنے والا خدا جو پھڑے کی عبودیت اور الوہیت کا ابطال اس کے عدم تکلم کی وجہ سے کرتا ہے۔ خود اپنے پیارے بندوں سے ویسا سلوک کرے۔ نیز آیت: ”ومن اضل ممن ..... غافلون (احقاف: ۵)“ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار سنتا اور ان کو جواب دیتا ہے اور آیت: ”قل ان کنتم تحبون الله ..... الخ! (آل عمران: ۳۱)“ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے اور یہ بدیہی بات ہے کہ محبت اپنے محبوب سے ہم کلام ہو اور اس کی باتیں سنے اور اپنی کہے۔ ورنہ عدم کلام نقص محبت پر دلیل ہوگا۔ کیونکہ محبوب کا کلام نہ کرنا دلیل ناراضگی ہے اور خدا جو اپنے بندوں پر ماں باپ سے بڑھ کر مہربان ہے۔ ضرور اپنے پیارے بندوں سے کلام کرتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ اپنے پیاروں سے کلام کرتا تھا تو اب نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جو اس کی خدائی پر ایک اعلیٰ دلیل ہے۔ وہ اس کا متکلم ہونا ہے۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اب قیامت تک اس صفت کا تعطل مان لیا جائے اور کہا جائے کہ اس کی صفت تکلم زائل ہو چکی۔ یعنی کہ وہ اب کسی سے کلام نہ کرے گا۔ تو اس کا سبب ہونا کیونکر معلوم ہوگا۔ کہنے والے پھر بھی کہہ دیں گے کہ وہ پہلے سمجھتا اور اب نہیں۔ اس کی تائید میں پھر یہ ایک دنیاوی مثال دی گئی ہے۔ اگر کوئی عاشق اپنے کسی محبوب کے دروازہ پر آہ و بکا اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بے قراری کی حالت میں جائے مگر محبوب نہ دروازہ کھولے اور نہ اندر سے کوئی آواز آوے تو یقیناً وہ عاشق ناامید ہو کر لوٹے گا اور خیال کرے گا کہ یا تو میرا محبوب مر چکا یا مجھے دھوکا دیا گیا۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ جس کا دیدار بوجہ اس کے وراء الوراہ اور لطیف ہونے کے ہم نہیں کر سکتے۔ اگر وہ گفتار سے بھی اپنے عشاق کو تسلی نہیں دے سکتا تو آخروہ ایک دن ناامید ہو کر اسے چھوڑ دیں گے۔ عشق اور محبت کا مادہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور وہ ایسے محبوب کو جس کے دیدار اور گفتار سے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے محروم سمجھے۔ اسے کبھی اپنے عشق کا محل نہیں ٹھہرایا۔ حقیقی عاشق اپنے محبوب سے ہم کلام ہونے کے لئے اپنے دل میں از حد تڑپ رکھتا ہے اور اس کے کلام کو اپنے لئے تریاق اور آب حیات سمجھتا ہے۔ پس وہ علیم خبیر ہستی جو انسانوں کے اندر احساسات جذبات کا پیدا کرنے والا ہے۔ کس طرح اپنے عشاق کو اپنی ہم کلامی سے محروم رکھ سکتا ہے اور اس کی تائید میں آیات ذیل: ”واذا سألتک عبادی عنی فانی قریب ..... الخ! (البقرة: ۱۸۶)“ اور ”ان الذین قالوا ..... تنزل الملائکة (حم سجده: ۳۰)“ پیش کی گئی ہیں۔ اس کے بعد پھر آیات: ”رفیع الدرجات ذوالعرش ..... یوم التلاق (مؤمن: ۱۵)“ اور ”تنزل الملائکة بالروح من امره علی من یشاء ..... فاتفون“ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ازمنہ سابقہ میں اپنے وحی سے مشرف کرتا رہا ہے، آئندہ بھی کرے گا۔ کیونکہ آیت میں نزول وحی کا موجب اللہ تعالیٰ کا رفیع الدرجات و ذوالعرش ہونا ہے اور ضرورت انداز قرار دیا گیا ہے۔ پس جب کہ اللہ تعالیٰ اب بھی رفیع الدرجات اور ذوالعرش ہے۔ اس میں تغیر نہیں آیا اور لوگ بھی بلحاظ روحانیت مردہ ہو گئے تو پھر وحی کا انقطاع کیونکر مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”کنتم خیر امة اخروحت للناس ..... الخ! (آل عمران: ۱۰)“ یعنی امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے اور نعمت بھی اس پر پوری ہو چکی اور دعا بھی خدائے ہمیں یہ سکھلائی کہ: ”صراط الذین انعمت علیہم (الفاتحہ: ۶)“ کہ اے خدا تو ہمیں اپنے پیارے اور مقرب بارگاہ بندوں یعنی انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین کے راستہ پر چلا تو عقل سلیم کیونکر تسلیم کر سکتی ہے کہ امت محمدیہ جو سب امتوں سے بہتر ہو، لیکن انعامات الہیہ سے محروم ہو پہلی امتوں کے مردوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی اپنے کلام سے مشرف کیا اور ان پر فرشتے نازل ہوئے۔ لیکن امت محمدیہ کے بڑے سے بڑے درجہ کے مرد کو بھی یہ انعام نہ ملے۔ پس یہ کہنا کہ امت

مرحومہ پر وحی الہی کا دروازہ بند ہے اور خدا اس سے کلام نہیں کرتا تو پھر یہ خیر الام کیسے ہوئی اور یہ کہنا غلطی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بعد جو تمام عالم کے لئے رحمت ہو کر آئے تھے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا ہے اور امت میں سے کسی ایک فرد کو بھی اپنے ہم کلام ہونے کے مبارک شرف سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا پاک رسول اور اولیاء امت یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ فیضان الہی اس امت پر بند نہیں ہیں اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے پہلے قوم بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا۔ میری امت میں ایسے لوگوں میں اگر کوئی ہے تو عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ دوسری روایت میں محدث کا لفظ آیا ہے۔ صحابہ نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ محدث سے کیا مراد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابن عربی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور مولانا روم کی کتابوں کے حوالوں سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ پایا جاتا ہے کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں۔ خدا کے بندوں اولیاء سب میں پائی جاتی ہیں اور وحی جو نبی میں ہے وہ خاص ہے اور شریعت والی وحی ہے اور کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے اور اس امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے اور جیسا کہ مولانا روم نے کہا ہے ہوتی تو وہ وحی حق ہے۔ لیکن صوفیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی دل بھی کہہ دیتے ہیں اور کہ جن طرق سے انبیاء علیہم السلام کو وحی الہام ہوتا ہے انہیں طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے اور یہ علماء کی اپنی اصطلاح ہے اور اصطلاح فرق مراتب کے لحاظ سے قرار پائی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں اور کہ ولی پر بھی وحی بواسطہ ملک ہوتی ہے اور مدعیہ کے اعتقاد کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر ان پر وحی نازل ہوگی اور اس کے متعلق علماء کا جو قول ہے کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی اس کے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی کتب سے جو یہ دکھلایا گیا ہے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع ماننے ہیں تو وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے نہ کہ دوسری وحی سے جسے وہ جاری سمجھتے ہیں۔ ان تصریحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسی وحی کہ جس میں نئے اور اور نو انہی نہ ہوں جاری ہے اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کے بعد وحی اور الہام کا سلسلہ بند ہے تو اس سے مراد ایسی وحی ہے جو شریعت محمدیہ کے مخالف نئے اور اور نو انہی پر مشتمل ہو، نہ مطلق وحی جس کا امت محمدیہ میں باقی رہنا قرآن مجید و حدیث و بزرگان دین کے اقوال سے ثابت ہے۔ اس کے آگے پھر دوسرا ہیڈنگ شروع ہو جاتا ہے اس کے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے جس وحی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس کا اذکار کفر ہے۔ اس سے مراد وحی نبوت سے ہی ہے۔ فریق مدعیہ کے نزدیک وحی کا لفظ صرف انبیاء کے لئے ہی مختص ہے اور وہ اس امر کے قائل نہیں کہ جو وحی نبی کی ہوتی ہے وہ غیر انبیا کو بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب مدعا علیہ کے بحث سے ہی یہ طے کرنا ہے کہ آیا اس قسم کی وحی جو انبیاء کو ہوتی ہے، غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے یا نہ۔ اس کے متعلق جن آیات قرآنی کا حوالہ مدعا علیہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ظاہری الفاظ سے یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ام موسیٰ پر وحی ہوئی، حضرت مریم پر فرشتے اترے اور ذوالقرنین سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ لیکن اگر یہ نتیجہ محض ان الفاظ: ”او حینا، قالت الملائكة“ اور ”قلنا“ کے استعمال سے اخذ کیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ وحی کا لفظ قرآن مجید میں نہ صرف ذوی العقول کی بابت استعمال فرمایا گیا ہے، بلکہ غیر ذوی العقول کی بابت بھی۔ جیسا کہ سورہ نحل میں ہے کہ شہد کی مکھی کو وحی کی گئی۔ یہاں میرے خیال میں مدعا علیہ کے نزدیک بھی وحی سے مراد وہ وحی نہیں ہو سکتی جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ یہاں یقیناً اس کے کوئی اور معنی بمثل فطرت میں داخل کرنا یا اسے سوچنا مانگے جائیں گے۔ اس طرح قرآن مجید میں وحی کا لفظ اور بھی کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے جس کے سیاق و سباق سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ وہاں

اس لفظ سے مراد اس قسم کی وحی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور غالباً اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے حضور ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں بقرت کی یہ فرمایا گیا کہ ہم نے تیری طرف اس قسم کی وحی بھیجی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح، ابراہیم، اسحاق، اسماعیل، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھیجی گئی۔ ”انا او حینا الیک کما او حینا الی نوح..... زبوراً (نساء: ۱۶۳)“ اس لئے ان موافقات پر جہاں کہ لفظ وحی کے استعمال سے وحی نبوت کے معنی اخذ نہیں ہو سکتے۔ اس لفظ سے مراد جیسا کہ علماء نے لی ہے القاء کرنا یا دل میں ڈالنا ہی لی جائے گی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ہے: ”وان الشیطن لیو حون الی اولیاء ہم (الانعام: ۱۲۱)“ تو کیا یہاں بھی لفظ وحی کے استعمال سے وحی انبیاء لی جا سکتی گی۔

قرآن مجید میں اس قسم کے اور بھی کئی الفاظ ہیں کہ جن کے ظاہری معنی مراد نہیں لئے گئے۔ مثلاً قنۃ کا لفظ جس کے معنی عام طور پر آزمائش کے لئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کی سند بیان نہیں کی گئی کہ فرشتے ہر حال میں ذات باری کی طرف سے ہی بحیثیت رسول اترتے اور کلام کرتے رہے۔ ممکن ہے کہ نیک آدمیوں پر ان کا اترنا عام انتظامات کا نجات کے سلسلہ میں ہو یا روحانی ترقی کے مدارج میں داخل ہو۔ اس لئے حضرت مریم پر فرشتوں کے اترنے سے یہ نتیجہ لازمی طور پر برآمد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ غیر انبیاء سے اس طریق پر کلام کرتا ہے، جیسا کہ انبیاء کے ساتھ۔ باقی رہی وہ آیات جو ذوالقرنین کے متعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نبی تھے۔ اگر نبی تھے تو انہیں وحی نبوت ہوئی ہوگی اور اگر نبی نہ تھے تو ان کے متعلق محض لفظ قال کا استعمال عمومیت کے طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کافی نہیں کہ غیر انبیاء ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ہم کلام ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ام موسیٰ اور حضرت مریم کو ایسی ہی وحی ہوئی، جیسا کہ انبیاء کو ہوتی ہے تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایسی وحی ہر غیر انبیاء کو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بیسیاں پیغمبروں کی مائیں تھیں اور ان ہر دو پیغمبروں کے متعلق یہ خطرہ تھا کہ انہیں پیدا ہونے کے بعد ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اس لئے ان کی ماؤں کو تسکین دینے کے لئے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی سے شرف فرمادیا ہو تو کوئی عجب نہیں۔ اس کے ساتھ ہی پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ واقعات حضور ﷺ کی بعثت سے قبل کے ہیں۔ ممکن ہے خاص حالات کے تحت خاص خاص اشخاص کے ساتھ ہم کلام ہونا مشیت ایزدی سے ضروری سمجھا گیا ہو اور اس کی تائید خود مدعا علیہ کی اپنی بحث سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین بھی اسی ذیل میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے سوائے بشرات کے اور کچھ باقی نہیں تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ غیر انبیاء کو بھی وہی وحی ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ اس حدیث کو فریق مدعا علیہ نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ عام اشخاص کے متعلق ہے۔ خواص کے لئے نہیں۔ اگر خواص اس سے مستثنیٰ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تصریح نہ فرمادیتے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کی گئی ہے۔

باقی رہے صوفیائے کرام کے اقوال اور تحریریں۔ ان کے متعلق ایک جواب تو اوپر سید انور شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے دیا جا چکا ہے کہ انہوں نے ان اشخاص کو جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں، اپنی کتابوں میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کا دوسرا جواب بھی شاہ صاحب مذکور کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے نبوت کو بمعنی لغوی لے کر مقسم بنایا اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا، دوسرے کو اطلاع دینا کی اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔ نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رسل دونوں درج کر دیئے اور اب ان کے لئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف اور الہام کے لئے نکھر گیا اور مخصوص ہو گیا۔ صوفیائے کرام

کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اسرار معارف، مکاشف اس کا دائرہ ہیں اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔ گواہ مذکور نے کشف الہام اور وحی کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جائے، یہ الہام ہے۔ خدا نے پیغام بھیجا اپنے ضابطہ کا وہ وحی ہے اور وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام ہے یا معنوی وحی ہو سکتی ہے، شرعی نہیں۔

وحی کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کی جو تفریق مدعا علیہ کی طرف سے کی گئی ہے۔ اس کی تائید میں اس نے سوائے اقوال بزرگان کے اور کوئی سند پیش نہیں کی اور ان اقوال کی گود مدعیہ کی طرف سے توجیہ اور تشریح کی گئی ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان بزرگان کی ان اقوال سے کیا مراد ہے اور ان کے دیگر صریح اقوال پیش کئے گئے ہیں کہ جن میں وہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں سمجھتے۔ لیکن ان پر اس لئے بحث کی ضرورت نہیں کہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں ہو سکتے اور مدعا علیہ کی طرف سے جو اعتراض مدعیہ پر عائد کیا گیا تھا کہ اس نے وجوہات تکفیر کے ضروریات دین ہونے کے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ وہ بدرجہ اولیٰ خود مدعا علیہ پر وارد ہوتا ہے کہ اس نے شرعی اور غیر شرعی وحی کی جو تقسیم کی ہے۔ اس کے متعلق کوئی ثبوت قرآن و احادیث سے پیش نہیں کیا۔ محض قیاسات سے ہی یہ کہا گیا کہ جس آیت کا حوالہ مدعیہ کی طرف سے دیا گیا ہے کہ اس میں آئندہ وحی کا ذکر نہیں وہ شریعت والی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے۔

مدعیہ کی طرف سے درست طور پر کہا گیا ہے کہ صوفیائے کرام نے نبوت کی جو قسمیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی قائم کردہ اصطلاحات کے مطابق ہیں۔ اس لئے ان کی قائم کردہ اصطلاحات کو عام امت کے مقابلہ میں حجت قرار دینا درست نہیں ہے۔ مسیح موعود پر وحی کا ہونا مستثنیات سے ہے جس کی استثناء خود حضور ﷺ نے کر دی۔ اس سے وحی نبوت کے اجراء کا عمومیت کے ساتھ نتیجہ نکالنا ایک غلطی ہے۔

آیت: ”وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ..... الْخ! (الشوریٰ: ۵۱)“ میں بشر کے لفظ کے متعلق مدعیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ مراد انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ لیکن اگر عام بشر بھی مراد لئے جائیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خدا بالعموم آدمیوں سے کلام کرتا رہتا ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہونے کے طریق بتلائے ہیں۔ باقی کلام کا کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی مشیت پر منحصر ہے۔ لہذا گواہان مدعیہ نے یہ درست کہا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد وحی نبوت جاری ہوتی تو قرآن مجید میں ضرور اس کی صراحت فرمادی جاتی۔ کیونکہ اس پر امت کی فلاح کا دارم مدار تھا۔ باقی مولانا روم کی کتاب مثنوی کے حوالے سے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ اولیاء کو جو وحی ہوتی ہے وہ دراصل وحی حق ہوتی ہے اور اولیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی دل کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ ان کے شاعرانہ خیالات اور شاعر کی نیت میں جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے کہ منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا اور پھر جہاں انہوں نے وحی حق کے الفاظ لکھے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ”وَاللّٰهُ اعْلَمُ بِالصَّوَابِ“ کا جملہ بھی موجود ہے۔ اس سے ان کے مفہوم کا خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (پارہ نمبر ۹، رکوع نمبر ۸ اور پارہ ۱۶، رکوع نمبر ۱۳) کی آیات محولہ بالا سے بھی یہ استدلال درست نہیں کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اول تو آیات اس زمانہ اور ان حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور ان میں ان لوگوں کو خطاب ہے جو عبادت الہی سے نا آشنا اور غافل ہوں اور اب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے بعد کسی ادنیٰ سے مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ مسیح بصیر اور علیم نہیں۔ باقی رہا اس کا آدمیوں سے کلام کرنا وہ اس کی مشیت پر منحصر ہے۔ اسے کسی کی آہ و بکا، فریاد و فغاں سے ہم کلام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ دنیاوی عاشق و معشوق کی مثال عشق الہی پر نہایت ہی نازیبا طریق

پر عائد کی گئی۔ تاہم اس مثال کو بھی اگر مد نظر رکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ایسی ناقص نہیں کہ عاشقان الہی اگر فی الحقیقت وہ پورے معنوں میں عاشقان الہی بن چکے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے دروازہ سے ناامید ہو کر لوٹیں یا نعوذ باللہ! یہ تصور کریں کہ ان کا محبوب مرچکا یا انہیں دھوکا دیا گیا۔ دنیاوی معشوق بھی اگر اپنے عاشق کی آہ و بکاس کر اندر سے اسے کوئی تحفہ بھیج دے یا اس کی بات کو سن کر اس کا کوئی کام سرانجام کر دے تو باوجود اس کے کہ وہ اس سے ہم کلام نہ ہو یا اپنا دیدار نہ کرائے۔ اس کا عاشق ضرور سمجھ لے گا کہ اس کا معشوق زندہ ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں عاشقان الہی کی تعداد حضور ﷺ کے بعد آج تک کوئی تھوڑی نہیں سمجھی جاسکتی اور ویسے تو ایسے عشاق نہ صرف مذہب اسلام میں بلکہ ہر مذہب میں سینکڑوں کی تعداد میں پائے جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کا ذریعہ اس کے عشاق کے دل کی تڑپ ہی قرار دی جائے تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عرصہ میں ہر ایک عاشق سے نہ سہی، سوویں ہزارویں سے سہی، دس پندرہ بیس سال کے بعد نہ سہی، سو ہزار سال کے بعد سہی، کسی نہ کسی ایک سے تو ہم کلامی فرمائی ہوتی نہ یہ کہ تیرہ سو سال تک یکدم خاموشی اختیار کئے رکھنے کے بعد صرف ایک شخص سے ہم کلام ہونا منظور فرمایا گیا اور وہ بھی زیادہ تر پرانی تیرہ سو سال والی زبان میں گویا اب اس کے پاس الفاظ اور معانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ اگر نعوذ باللہ! خدا کے پاس ہم کلامی کے لئے نہ کوئی اور نیا مواد ہے اور نہ نئے الفاظ تو پھر پچارے مولویوں کا کیا تصور ہے کہ انہیں پرانی لیکر کا فقیر قرار دیا جا کر کوسا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے اس پرانے کلام کی تعبیر وہی کرنی ہے جو پہلے سے ہوتی آئی ہے۔

اگر عشاق کی تسلی محض گفتگو سے ہوتی اور وجود باری تعالیٰ کے علم کا ذریعہ بھی یہی ہوتا کہ جب کبھی اس کا کوئی عاشق بے قراری کی حالت میں آہ و بکا کرتا ہو اس کے دروازہ پر پہنچے تو اس کے لئے فوراً دروازہ کھل جائے تو اسلام صفحہ ہستی سے کبھی کا نابود ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ تیرہ سو سال کا زمانہ ایسا نہیں کہ عشاق نعوذ باللہ! خداوند تعالیٰ کی اس بے اعتنائی کو دیکھ کر اس کے دروازہ پر پڑے رہتے، بلکہ بقول گواہ مدعا علیہ عرصہ سے ناامید ہو کر لوٹ چکے ہوتے اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان عشاق سے ہی گفتگو کرتا ہے کہ جو مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے سے نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں عشاق کی تسلی محض گفتگو سے نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ جیسا کہ مدعا علیہ کے گواہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ دیدار یا ارکان کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ گفتگوئے یار سے بہرہ اندوز ہوں تو پھر کبھی اپنے عشق کی مستی میں قوم موسیٰ کی طرح ”ارنا للہ جہرۃ“ کی رٹ لگانی شروع کر دیں اور بجائے اس کے کہ دیدار یا ر سے لذت اندوز ہوں۔ اپنا بیڑہ بھی غرق کر بیٹھیں۔ شک نہیں کہ حقیقی عشاق کے دلوں میں ضرور اپنے محبوب کے متعلق ایک تڑپ ہوتی ہے۔ اس تڑپ کے فرو کرنے کا علاج یہ نہیں کہ محبوب سے ہم کلامی ہو۔

باری عزاسمہ نے اپنے عشاق کی تڑپ فرو کرنے کا علاج خود ہی اپنے زندہ کلام قرآن پاک میں یہ فرمایا ہے: ”الا بذكر الله تطمئن القلوب (الرعد: ۲۸)“ یعنی خدا کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور زیادہ اضطراب پیدا ہونے کی صورت میں فرمایا: ”واذا سالک عبادی عنی فانی قریب..... الخ! (البقرہ: ۱۸۶)“

گواہ مدعا علیہ نے اس آیت کو بقاوتی پر دلیل پکڑا ہے۔ لیکن وحی سے مراد اگر اس قسم کی استجابت لی جائے جو اس آیت میں مذکور ہے تو پھر خداوند تعالیٰ کا ہر فرد بشر کے ساتھ کلام کرنا ممکن ہو سکتا ہے اور ہر شخص محل وحی بھی بن سکتا ہے۔ اس قسم کے استدلال اختیار کرنے سے مذہب کی کوئی عظمت و وقعت ظاہر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی کوئی حقیقت منکشف کی جاسکتی ہے۔ گواہ مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ خدا کا کلام نہ کرنا غضب اور ناراضگی کی علامت ہے تو کیا اس سے سمجھا جائے گا کہ جن لوگوں سے پہلے خداوند تعالیٰ نے کلام نہیں کی۔ کیا ان سب پر خداوند تعالیٰ ناراض رہا ہے اور وہ مورد عتاب الہی ہیں۔ استغفر اللہ!

بقاء وحی کے سلسلہ میں باقی ماندہ جن دو آیات (سورہ مؤمن اور پارہ ۱۴، رکوع ۷) کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان سے بھی وحی کا جاری رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ آیات مدعا علیہ کی اپنی تقسیم کے مطابق وحی تشریحی ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان میں یہ مذکور ہے کہ جس شخص کو وحی کی جاتی ہے۔ اس کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اس لئے اس قسم کی وحی کو مدعا علیہ کی اپنی تعریف کے مطابق وحی تشریحی ہی سمجھا جائے گا اور یہ سلسلہ مدعیہ کے ادعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر آ کر ختم کر دیا اور مدعا علیہ کے نزدیک بھی اب تشریحی ہی نہیں آ سکتا۔ اس لئے ان آیات سے وحی مطلق کے اجراء کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ باقی رہی مدعا علیہ کی یہ حجت کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں یہ دعا سکھائی ہے کہ اللہ ہمیں راہ مستقیم پر چلا اور ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنے انعام کئے ہیں اور پھر دوسری سورت میں اس کی تشریح فرمائی کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر خدا کا انعام ہوا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ وہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہیں۔ اس سے یہ تلقین کی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی سے یہ چاروں مراتب تم کو حسب حیثیت مل سکتے ہیں۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ امت محمدیہ تین مراتب کا تو انعام پائے اور چوتھے مرتبہ یعنی نبوت کا حصول اس کے لئے ناممکن ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے امتوں نے اس انعام کو بار بار حاصل کیا۔ پھر یہ خیر الامم کس طرح ہوئی اور نہیں کہا جاسکتا کہ امت مرحومہ پر وحی الہی کا دروازہ بند ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد جو تمام عالم کے لئے رحمت ہو کر آئے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا گیا۔

اس کا جواب مدعیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ آیت: ”من يطع الله ورسوله..... والصالحين“ میں الفاظ: ”مع السدين“ سے مراد رفاقت سے ہے نہ کہ عطاءئے درجہ سے۔ مدعا علیہ کے اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کے علاوہ دیگر مدارج جو اس آیت میں مذکور ہیں رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے مل سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ نبوت کا درجہ نہ مل سکے۔ اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے یہ لازم آئے گا کہ نبوت ایک کبھی چیز ہے جو اتباع سنت اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف کی نصوص سے یہ ثابت ہے کہ نبوت کسی نہیں اور مرزا صاحب نے بھی اسے مانا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب (ضمیمہ النبوت فی الاسلام ص ۸۴) پر لکھتے ہیں کہ نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کے ساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو اور نہ کبھی سلب ہو۔ اگر نبوت حضور ﷺ کے اتباع سے حاصل ہو سکتی تھی تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ آج تک جس قدر اولیاء، ابدال، اقطاب گزرے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے اور حضور بھی اسے جائز سمجھتے تھے تو ضرور ہے کہ حضور ﷺ نے جہاں کئی دیگر مراتب اور مدارج کے حصول کے لئے اپنی امت کو ادعیہ اور اوراد کی تلقین فرمائی ہے اور وہاں اس مرتبہ کے لئے بھی کوئی دعا وغیرہ بھی تلقین فرماتے۔ تاکہ امت کے افراد کو اس کے حاصل کرنے میں کوئی آسانی میسر آتی۔ کیونکہ حضور کی شفقت سے یہ بعید تھا کہ وہ امت کو اس قدر پریشانی اور محنت شاقہ میں ڈالتے کہ مدت مدید کی انتظار اور عبادات کے بعد صرف ایک ہی فرد کو جا کر یہ نعمت عطاء فرمائی۔ اگر کوئی دعا وغیرہ تلقین کرنا آپ ﷺ کے نزدیک مناسب نہ تھا تو کم از کم اس کی صراحت تو فرمادیتے کہ تم کو یہ درجہ مل سکتا ہے۔ تمہیں اس کے حصول کے متعلق کوشاں رہنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے اس قسم کی کوئی صراحت فرمائی۔ نہ ہی اس کے لئے کوئی راستہ بتلایا۔ بلکہ یہی فرماتے رہے کہ ”لانیسی بعدی وانا اخر انبیاء“ وغیرہ گویا کہ امت کو نعوذ باللہ! از دست دھوکے میں رکھتے رہے۔ تاکہ وہ کہیں یہ درجہ حاصل کر کے آپ ﷺ کے مقابلہ میں نہ کھڑے ہو جائیں۔

بلکہ آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی امت میں سے زیادہ انبیاء پیدا کر کے اپنے افضل الانبیاء ہونے کا ایک اعلیٰ اور بین ثبوت بہم پہنچاتے۔ لہذا قرآن شریف کی دیگر تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت محولہ بالا کا مفہوم بھی لیا جائے گا کہ وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے اور چونکہ مدعا علیہ کو دنیاوی امثال کا بہت شوق ہے۔ اس لئے اس کی

مثال یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے حکومت کسی شخص کو اس کی ذاتی وجاہت اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے دربار میں اپنے کسی ممتاز عہدہ دار کے ساتھ جگہ دے دے تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس شخص نے اس عہدہ دار کا رتبہ حاصل کر لیا ہے یا یہ کہ وہ اس کا رتبہ حاصل کرنے کا اہل بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ لوگ جن کی آیات ماسبق میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ انبیاء شہداء صدیقین اور صلحاء کے ہمراہ ہوں گے۔ اس لئے مدعا علیہ کا یہ استدلال کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ اگر امت محمدیہ کو نبوت کا درجہ نہ ملے تو وہ خیر الامم نہیں رہتی۔ اس کے خیر الامم ہونے کے لئے خدا نے اسے اور کئی مدارج عطا فرمائے ہیں۔ قرآن مجید میں اسے اس بات کا محتاج نہیں رہنے دیا کہ وہ نبوت کو حضور ﷺ کی غلامی پر ترجیح دے۔ بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام آپ کی امت میں داخل ہونے کے متنی رہے ہیں۔ افسوس کہ قرآن کی تعلیم کو پوری طرح مد نظر نہیں رکھا گیا۔ ورنہ یہ اعتراض نہ کیا جاتا۔

قرآن حکیم میں حیات انسانی کی پوری انتہاء واضح نہیں فرمائی گئی اور جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پر ویز مضمون محولہ بالا میں لکھتے ہیں: جنت بھی جو بالعموم منزل مقصود سمجھی جاتی ہے، درحقیقت اصل منزل مقصود نہیں بلکہ راستہ کا ایک خوش نما منظر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں جنتیوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے۔ ”یقولون ربنا اتمم لنا نورنا“ اس منتہی کو ایک راز رکھا گیا۔ نہ معلوم کہ حضور کے فیض سے امت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائے گا۔ لہذا مدعا علیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے وہ اس وقت تک جاری ہے، بلکہ صرف الہام اور کشف وغیرہ باقی ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کا اذعا ہے اور ان کو لغوی طور وحی کہا جاسکتا ہے۔

اس مقدمہ کے فیصلہ کا دار و مدار زیادہ تر رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ماننے کے عقیدہ پر ہی ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔ بحوالہ آیات قرآنی و احادیث و اجماع امت یہ دکھلایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کی استثناء حضور ﷺ نے خود کر دی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کہ مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل اور اب بھی سوائے مرزا صاحب کے پیروؤں کے دیگر جملہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ انبیاء کی تعداد اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت کا مرتبہ عطا ہو سکتا ہے اور خاتم النبیین کے معنی عام مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف یہ کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم نبیایا۔ یعنی آپ ﷺ کو اضافہ کمال کے لئے مہر عطا کی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ ﷺ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے اور آپ ﷺ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ الفاظ درج ہیں۔ اس کے معنی مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہنے گئے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبیین اس لئے لائے گئے کہ ہر نبی اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا تھا۔ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ آپ بحیثیت رسول اپنی امت کے باپ ہیں۔ آپ کی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین فرما کر آپ کو دوسرے رسولوں سے ممتاز فرما دیا کہ اور نبی تو اپنی امت کے صرف مومنوں کے باپ تھے مگر آپ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ یعنی آپ کی اتباع اور توجہ روحانی کمالات نبوت بخشی ہے اور اگر اس کے معنی آخر کے لئے جائیں، تو اس میں آپ ﷺ کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اس تصریح سے اس حد تک تو مدعا علیہ کی یہ توجیہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ دیگر انبیاء سے حضور ﷺ کو افضل دکھلانا مقصود تھا۔ اس لئے الفاظ خاتم النبیین استعمال فرمائے گئے۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ محض لفظ خاتم کے استعمال سے آپ ﷺ کی نبی تراش ہونا کس طرح مفہوم لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر خاتم کے معنی مہر بھی کہے جائیں تو اس کے یہ معنی کرنے سے بھی آپ انبیاء سابقہ پر مہر ہیں۔ حضور ﷺ کی فضیلت



نمایاں ہو سکتی ہے اور محض یہ توجیہ بھی کہ آپ ﷺ انبیاء کے باپ ہیں۔ آپ کی فضیلت ظاہر کر دینے کے لئے کافی ہے۔ پھر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کے اس تفصیلی علاقہ ابوت سے آئندہ تو والد انبیاء کا سلسلہ جاری ہونا کس طرح اخذ کیا گیا اور پھر تولد بھی صرف ایک نبی کا۔ اس میں شک نہیں کہ خاتم کے معنی مہر دیگر علماء نے بھی کئے ہیں اور حال ہی میں قرآن مجید کا جو ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کا شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی خاتم کے معنی درج ہیں اور خاتم النبیین کے معنی انہوں نے یہ لکھے ہیں کہ مہر ہیں تمام نبیوں پر اور میری رائے میں سیاق و سباق عبارت سے یہی معنی درست معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر مدعا علیہ کا یہ اعتراض ہوگا کہ پھر رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا کہاں سے اخذ کیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے ایک تو رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا، احادیث سے اور امت کے اجماعی عقیدہ سے اخذ کیا جائے گا۔ امت آج تک آپ کو آخری نبی سمجھتی آئی اور جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے آج تک جس قدر اولیاء، ابدال، اقطاب، مجتہدین مجدد ہوتے رہے ہیں۔ کسی نے اس عقیدہ کی تغلیظ نہیں کی۔ دوسرے مدعا علیہ کو بھی اس سے انکار نہیں کہ خاتم کے معنی آخری بھی ہیں اور اس معنی پر امت کا اجماع چلا آیا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس اجماع کی حقیقت کو توڑنے کی کوشش کی گئی، لیکن وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل جمہور امت کا عقیدہ اس طرح چلا آیا ہے۔ اس لئے ایک امر واقع کو غلط کہنا ایک بے جا حجت ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے لغت اور عربی زبان کے محاورات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ لفظ خاتم جب ت کی زبر سے پڑھا جائے تو انگوشی یا مہر کے معنوں میں استعمال یا مہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اگر زیر سے پڑھا جائے تو اس کے معنی ختم کرنے والا۔ دوسرا مہر لگانے والا ہوتے ہیں اور خاتم کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

اور کہ خاتم کے اصل معنی آخر کے نہیں ہیں۔ اگر آخر کا معنی بھی لئے جائیں تو پھر لازم معنی کہلائیں گے، نہ اصل معنی اور جب اصل معنی لئے جاسکتے ہیں تو لازم معنی کیوں لئے جائیں۔ خاتم اگر کہیں آخر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازم معنی لے کر کیا جاتا ہے اور جب کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں، جو لازم معنی لینے پر ہی دلالت کرے تو اس کے باقی سب معنی چھوڑ کر صرف آخر کے معنی میں لینا کسی طرح صحیح نہیں۔ لیکن مقدمہ ہذا میں سوال زیر بحث عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ الفاظ کے معنی یا مراد سے تعلق نہیں رکھتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کس معنی پر قائم ہوا۔ جب مدعا علیہ کے نزدیک خاتم کے معنی آخر کے ہو سکتے ہیں اور عقیدہ بھی تیرہ سو سال تک اس پر قائم رہا ہے تو اب ان الفاظ پر بحث کرنا کہ ان کے معنی آخر کے نہیں، بلکہ مہر کے ہیں۔ سوائے ایک علمی دلچسپی کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں جو علماء اس کے معنی قبل ازیں آخر کے کرتے آئے ہیں۔ ان کی نسبت نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس کی لغت یا اصل سے واقف نہ تھے۔ اس لئے اس لفظ کے معنی پر بحث لا حاصل ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب بھی اپنے دعویٰ سے قبل خاتم النبیین کے معنی آخری کرتے آئے ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہان کے بیانات میں دکھلایا جا چکا ہے۔ بعد کے معنی محض تاویلی ہیں اور اپنے دعویٰ کو رنگ دینے کی خاطر کئے گئے ہیں اور اب مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے جہاں جہاں آنحضرت ﷺ کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانا ہے، وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے، نہ کہ دوسری وحی سے، درست نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں انہوں نے وحی کو منقطع مانا ہے، وہاں انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی اور سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ ان کے یہ اقوال اس قسم کے ہیں جن کے متعلق کہ مدعا علیہ کی بحث کے شروع میں فقرہ نمبر ۲ میں تشریح کی گئی ہے کہ وہ اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ اس مرزا صاحب کے دیگر اقوال ان کی توضیح یا تشریح نہیں بن سکتے۔ اس قسم کے اقوال جن سے مرزا صاحب انقطاع وحی کے قائل پائے جاتے ہیں۔ گواہان مدعیہ کے بیانات میں مفصل درج ہیں جو اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس مسئلہ ختم نبوت کے متعلق پھر یہ کہا گیا ہے کہ احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آیت خاتم النبیین کے نبوت کو بکلی مسدود نہیں سمجھا۔ جیسا کہ حدیث: ”لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیا“ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آیت: ”خاتم النبیین“ کے نزول سے پانچ سال کے بعد حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن اول تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں شبہ ہے جس کا اظہار خود گواہ مدعا علیہ نے کر دیا ہے۔ دوسرا اس میں ”لو“ کا ایک شرطیہ لفظ موجود ہے اور قواعد عربی کی رو سے مدعا علیہ کی طرف سے یہ تسلیم کیا گیا ہے، جہاں لو داخل ہو وہاں وقوع نہیں ہوتا۔ تیسرا اس میں نبوت کی کوئی تفصیل نہیں کہ کیسی نبوت ہوگی۔ چوتھا نبوت کا امکان حضرت ابراہیم کی زندگی پر تھا، جب وہ وفات پا گئے، نبوت کا امکان بھی چلا گیا۔ اس سے کسی طرح بھی آئندہ نبوت جاری رہنے کا نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول ”قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ“ نقل کیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو الفاظ ”خاتم النبیین“ اور ”لا نبی بعدی“ سے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، غلطی پر ہیں۔ اس ضمن میں پھر یہ کہا گیا ہے کہ دوسری شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جو یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے صاحبزادے استاد کے پاس بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے اور فرمایا کہ ان دونوں کو خاتم النبیین کا لفظ ت کی زبر سے پڑھاؤ۔ دوسری قرأت میں خاتم ت کی زیر سے بھی آیا ہے۔ پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ت کی زیر سے بھی خاتم کے معنی آخری نبی کے بنتے تھے تو آپ نے زیر کے پڑھانے سے منع کیوں کیا۔ کیونکہ زیر سے ختم کرنے کے معنی زیادہ واضح ہو جاتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ دونوں میں آپ فرق سمجھتے تھے اور زیر پڑھانے سے آپ کو اس کا خطرہ تھا کہ کہیں بچوں کے ذہن میں نبوت کے متعلق خلاف عقیدہ نہ بیٹھ جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو حدیث: ”لا نبی بعدی“ والی بیان کی گئی ہے اور جو مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہے۔ اسے مدعا علیہ کی طرف سے صحیح مانا گیا ہے۔ مگر اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ بعدی سے مراد یہاں موت کے بعد نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ بعدی سے مراد جنگ تبوک کا عرصہ ہے۔ یعنی اس عرصہ میں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور اس سلسلہ میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیا جا کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اے علی رضی اللہ عنہ تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے خلیفہ بنو۔ جیسے ہارون موسیٰ کے خلیفہ تھے۔ مگر ہاں! تم نبی نہیں ہو گے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس جملہ کے فرمانے کی ضرورت یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہارون علیہ السلام سے مشابہت دی گئی۔ اس سے شبہ پڑ سکتا تھا کہ آپ ہارون علیہ السلام کی طرح نبی بھی ہوں گے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ تم میرے بعد خلیفہ ہو گے۔ نبی نہیں ہو گے۔

تمام دلائل محض قیاسی ہیں اور کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کا جواب بھی قیاس ہو سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ت کی زیر سے اس لئے پڑھانا منع کیا ہو کہ زیر سے حضور ﷺ کی فضیلت کا پہلو پوری طرح سے ظاہر نہیں ہوتا اور زبر سے پڑھانے سے دونوں پہلو پوری طرح نمایاں ہو جاتے ہیں اور اگر یہ سمجھا جائے کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ زیر سے پڑھانے سے نبوت منقطع ہونے کا مغالطہ پڑتا ہے اور کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد نبوت جاری رہے گی تو جنگ تبوک کے موقع پر جب حضور ﷺ نے انہیں ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دے کر یہ فرمایا تھا کہ ”لا نبی بعدی“ تو وہ عرض کر سکتے تھے کہ حضور جب آپ مثل موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے اور میں مثل ہارون علیہ السلام تو میں بھی آپ کا چچا زاد بھائی ہوں۔ اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام کی کیوں میرے حق میں دعائیں فرمادیتے کہ خدا مجھے بھی نبی بنا دے اور باہمی مماثلت کی بناء پر کوئی عجب نہ تھا کہ حضور ﷺ کی دعا سے انہیں بھی نبوت کا مرتبہ عطاء فرمادیتا۔

یہ محض ایسے قیاسات ہیں کہ جو ظلمات کی حد تک بھی نہیں پہنچتے اور مذہب میں جیسا کہ خود مدعا علیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے، قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے، نہ ظلمات یا قیاسات کا۔ باقی رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ ”لانی بعدی“ کے کہنے سے چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی بد عقیدہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے انکار نہ کر دے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ”خاتم النبیین“ کہو، ”لانی بعدی“ نہ کہو۔ دوسرا یہ کہ خاتم النبیین کے کہنے سے چونکہ دونوں مدعا حضور ﷺ کا آخری اور افضل ہونا ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ”لانی بعدی“ نہ کہو بلکہ ”خاتم النبیین“ کہو۔

تیسرا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث خود روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ سوائے اس کے اب مبشرات ہوں گے اور مبشرات کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اچھی خوابیں۔ اس لئے مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اس حدیث کا علم تھا تو کس طرح کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ”لانی بعدی“ کہنے سے اس لئے منع کیا کہ وہ آپ کے بعد نبوت کو جاری سمجھتی تھیں۔ یہ ایک بہت مقبول جواب ہے۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کو آپ نے منع کیا ہوگا کہ وہ ”لانی بعدی“ نہ کہیں تو انہوں نے آنحضرت کو وجہ تو دریافت کی ہوگی۔ کیونکہ اس سے شبہ پڑ سکتا تھا کہ کیا آپ کے بعد نبوت جاری ہے جو وہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں کی جاتی۔ اس لئے ان کے اس قول سے یہ کوئی دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کہ وہ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری سمجھتی تھیں۔

اس سلسلہ میں پھر مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید میں الفاظ خاتم النبیین ہیں، آخر النبیین نہیں۔ آخر کچھ تو بھید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آخر النبیین نہیں کہا بلکہ خاتم النبیین کہا۔

اس میں اول تو کوئی بھید نہیں پایا جاتا، کیونکہ آخر النبیین کا لفظ خاتم النبیین کے مقابلہ میں زیادہ فصیح معلوم نہیں ہوتا اور قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوا جو غیر فصیح ہو۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو چونکہ حضور ﷺ کی دونوں فضیلتوں یعنی آپ کا آخر ہونا اور افضل ہونا دکھلانا مقصود تھیں۔ اس لئے خاتم النبیین کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی بھید رکھنا منظور تھا تو پھر اس بھید کا کیا حل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن مجید کو نور، ہدایت اور فرقان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے میں تمہاری فلاح ہے اور گزشتہ بہت سے انبیاء کی تفصیل بھی بیان فرمادی۔ لیکن آئندہ آنے والے نبیوں کے متعلق نہ کوئی صراحت فرمائی اور نہ یہ فرمایا کہ ان پر بھی ایمان لانا فرض ہوگا تو پھر قرآن کیونکر نور اور ہدایت ٹھہرا۔

مدعا علیہ کے ایک گواہ کا بیان ہے کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے وہ خبر واحد ہے جو ظن کا مرتبہ رکھتی ہے اور عقائد میں ظلمات کام نہیں دیتے۔ لیکن افسوس کہ یہ کہتے وقت اسے شاید اپنے طریق استدلال پر نظر نہیں رہی کہ وہ کہاں تک قطعیات کی رو سے بحث کر رہا ہے۔

اسی طرح اس نے ان احادیث کی بہت سے تاویل کی ہیں جن میں حضور ﷺ کے متعلق آخر کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور عربی، فارسی، اردو شعراء اور مصنفین کے اقوال کے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے کہ لفظ آخر اکثر بمعنی کمال استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ تمام بحث ایک علمی دلچسپی کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ یہاں بحث عقائد سے ہے نہ کہ الفاظ کے معنی سے اور چونکہ الفاظ زیر بحث سے حضور ﷺ کا آخری ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس معنی پر ہی آج تک امت کا عقیدہ چلا آیا ہے اور یہ عقیدہ جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس لئے اس عقیدہ کو تبدیل کرانا۔ کسی ادیب، عالم، مفتی یا قاضی کا کام نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ سوائے اس شخص کے جو مامور من اللہ ہو اور کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس پر پیچھے کافی بحث ہو چکی ہے کہ آیا

مرزا صاحب نبی اور مامور من اللہ ہیں یا نہ اور آخر نتیجہ میں بھی اس پر بحث کی جائے گی۔

مدعا علیہ کی طرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگان کے اقوال نقل کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہوگی نہ کہ مقام نبوت اور کہ وہ حضور کے قول ”لا نبی بعدی“ کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو۔ بلکہ جب بھی ہوگا آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔

مدعیہ کی طرف سے ان اقوال کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں اور ان بزرگان کے دیگر اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کے قائل تھے۔ لیکن قطع نظر اس کے یہ ممکن ہے کہ یہ اقوال لکھتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان لوگوں کے ذہن میں ہو اور اس لئے یہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد جب بھی کوئی نبی ہوگا وہ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔ اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پوری طرح کیا جاسکتا ہے۔ ان حوالوں کو چونکہ اس فیصلہ میں بحث سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ان پر زیادہ رائے زنی کی ضرورت نہیں اور اگر ان تحریریں کا مطلب مدعا علیہ کے اذکار کے مطابق صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ ان کی ذاتی رائے ہے یا امت کا عقیدہ۔ اگر ان تحریروں کے بعد امت نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا اور ان کا عقیدہ جو ان کا توں رہا ہے اور اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تو پھر یہ تحریریں ان کی ذاتی اور شخصی رائے کے سواء اور کوئی وقعت نہیں رکھتیں اور اگر ان کے یہ اقوال ان کا کشف بھی سمجھے جائیں تو بھی جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے دین کے معاملہ میں وہ دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دینی معاملات میں سوائے نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیث پر جس میں آپ نے بنی اسرائیل کے نبیوں کے متعلق کہا ہے کہ جب ان میں ایک نبی فوت ہو جاتا تھا تو فوراً اس کا خلیفہ نبی ہوتا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہاں حضور ﷺ کی مراد بعدیت متصلہ ہے۔ یعنی آپ کے فوراً بعد ایسا نہیں ہوگا اور امت محمدیہ میں فوراً نبی کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن اول تو اس حدیث کے یہ معنی تاویل ہیں۔ دوسرا نہیں کہا جاسکتا کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں ایسا کوئی زمانہ نہیں آیا کہ جس میں نبی کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کے لئے مدعا علیہ جس قسم کی نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اس معنی سے تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے نزدیک مرزا صاحب کو جو نبوت ملی وہ حضور ﷺ کے کمال اتباع اور فیض سے ملی ہے اور یہ پایا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ایسے متبعین میں سے تھے کہ جن کی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے اور ان کی بابت حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے اور یہ بھی کہا کہ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبعوث ہوتے تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اس وقت حضور ﷺ کے اتباع کے لحاظ سے کوئی شخص نبوت کا مستحق ہو سکتا تھا۔ لیکن مدعا علیہ کی مذکورہ بالا صراحت کے مطابق وہ حضور ﷺ کے بعد اس لئے نبی نہ بنے کہ اس وقت نبی کی ضرورت نہ تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے اتباع سے نبوت ملنے کے ساتھ مشیت میں یہ بھی مقدر ہے کہ اس قسم کی نبوت اس وقت دی جائے، جس وقت کہ اس کی ضرورت ہو اور اس سے مدعا علیہ کے اس اصول کی نفی ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت مل سکتی ہے۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبوت عطاء ہو جاتی۔ کیونکہ وہ نہ صرف کامل متبعین میں سے تھے، بلکہ حضور کے خاص مورد الطاف تھے اور جیسا کہ حضور ﷺ کے الفاظ سے اخذ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ یہ چاہتے تھے کہ وہ نبی ہوں۔ لیکن چونکہ آپ ﷺ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی نہیں ہو سکتے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس حدیث کو کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ ضعیف کہا گیا ہے اور پھر اس ضمن میں لفظ کے بعد بہت سے تاویل معنی کئے گئے ہیں اور شاید اس لئے کہ یہ حدیث مدعا علیہ کے منشاء کے بالکل مخالف تھی۔ حدیث کے الفاظ ایسے مبہم نہیں کہ ان

کے مفہوم کے لئے کسی تاویل کی ضرورت ہو، ان سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہاں بعد سے کیا مراد ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مدعیہ کی طرف سے جو حدیث بیت النبوت والی پیش کی گئی ہے۔ اس کے متعلق مدعا کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ اس میں من قبلی کے الفاظ ہیں اور ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثال ان انبیاء کی نسبت سے ہے جو حضور ﷺ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ آئندہ کسی نبی کے آنے یا نہ آنے کا، اس میں ذکر نہیں۔ لیکن یہ حجت اس لئے درست نہیں کہ اس حدیث میں نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کی تکمیل کے سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے وجود باوجود سے قبل غیر مکمل تھا۔ آپ کے تشریف لانے پر مکمل ہو گیا۔ اگر آئندہ انبیاء کا سلسلہ جاری رہنا تسلیم کیا جائے تو پھر اس گھر کی تکمیل لازم نہیں آتی۔ یہ سمجھانے کے لئے کہ اب سلسلہ انبیاء میں سے اور کوئی باقی نہیں۔ نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دی گئی اور جیسا کہ گھر کی چنائی اینٹوں سے کی جاتی ہے۔ اس بیت نبوت کی چنائی انبیاء سے ہوئی اور جو ایک اینٹ اس گھر کی تکمیل کو ناقص بنائے ہوئے تھی۔ وہ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر پوری ہو گئی۔ اس مثال سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ مشیت ایزدی میں جو تعداد انبیاء مقرر تھی۔ وہ آپ کے تشریف لانے سے پوری ہو چکی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ انبیاء کی تعداد میں اب کوئی عدد باقی نہیں رہا۔ اس لئے سابقہ اعداد میں سے ایک کو واپس لانا پڑا ہے۔ اس پر مدعا علیہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا آنا تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ مکان کی تعمیر ادھوری رہ گئی۔ لیکن یہ حجت اس لئے قائم نہیں رہ سکتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مکان کی تعمیر میں پہلے شامل ہو کر اسے مکمل کر چکے ہیں اور نئے نبی اگر ابھی اور آنے باقی ہوں تو پھر اس عمارت کی تعمیر مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس کی تکمیل اس وقت سمجھی جائے گی جب تمام انبیاء ختم ہو چکیں۔ اس لئے اسے اس وقت میں مکمل سمجھا جائے گا۔ جب کہ تمام انبیاء کا سلسلہ ختم نہ ہونے، حضور ﷺ کا اس عمارت کو اپنی تشریف آوری سے مکمل فرمادینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد تعداد انبیاء میں سے اور کچھ باقی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے تکمیل شدہ مکان میں سے کچھ اینٹیں اکھاڑ کر بشرط ضرورت دوسری جگہ لگا دے۔ اس پر یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے مکان کو اکھیڑا، یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے مکان کو مکمل نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی تکمیل پہلے ہو چکی تھی۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کا نبی ہونا، اس مکان کی تعمیر کا منافی نہیں۔ کیونکہ انہیں حضور کے فیض سے نبوت ملی ہے۔ اس لئے یہ نبوت اس مکان بیت النبوت کی تکمیل کا سلسلہ شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایک مکمل چیز پر اگر کوئی اور زائد چیز بطور اضافہ شامل کی جائے تو اس سے دوہی صورتیں پیدا ہوں گی۔ یا تو وہ زائد چیز اس کی زینت کو بڑھا دے گی یا اسے بدزیب کر دے گی۔ اب اگر مرزا صاحب کو بیت النبوت پر چسپاں کیا جائے، تو وہ یا تو اس کی زینت کو بڑھائیں گے، اسے بدزیب کریں گے۔ اگر سمجھا جائے کہ ان سے اس کی زینت بڑھے گی تو اس سے وہ افضل الانبیاء ہو جائیں گے، نہ کہ حضور ﷺ اور یہ بات ان کے اپنے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ اب صاف ہے کہ ان کے اس بیت النبوت پر چسپاں ہونے سے دوسری ہی صورت پیدا ہوگی اور اس گھر کی تکمیل میں وہ زائد ضرورت ہی رہیں گے۔ اس لئے اس حدیث سے جس کی صحت سے مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے ایک اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی خیال کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کے بعد قیامت جو بھی دعویٰ نبوت کرے وہ ضرور جھوٹا ہے۔ کیونکہ آخر زمانہ میں آنے والے مسیح موعود کو خود حضور نے بھی نبی اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ دوسرا تیس کی تعیین بھی بتلا رہی ہے کہ کوئی سچا بھی آسکتا ہے۔ تیسرا اس حدیث کا مضمون آج سے قریباً پانچ سو برس پہلے پورا ہو چکا ہے۔ کیونکہ ۳۰ دجال و کذاب گزر چکے ہیں۔ اس کا جواب ایک تو خود گواہ مدعا علیہ نے ہی دے

دیا ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں کہ جس میں کذابوں کی تعداد کم و بیش ۷۰ تک بیان کی گئی ہے۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ حضور نے ۳۰ کی کوئی متعین تعداد بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ اس قسم کے اعداد بیان کرنے سے حضور ﷺ کی مراد کذابوں کی کثرت بیان کرنے سے تھی۔ کیونکہ اگر مدعا علیہ کی بحث کی رو سے یہ قرار دیا جائے کہ ایسے کذابوں کی صحیح تعداد ۲۷ ثابت ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو تیس کذاب اس سے قبل گزرنے بیان کئے جاتے ہیں، ان میں سے تین ضرور سچے ہوں گے۔ لیکن ایسا ثابت نہیں ہوتا اور ان باقی مانندہ تین کو بھی دنیا نے جھوٹا ہی سمجھا اور انہیں بھی کذابوں کی ذیل میں داخل کیا گیا۔ دوسرا مسیح موعود کے آنے کی استثناء خود حضور ﷺ نے فرمادی اور ساتھ ہی اس کا نام عیسیٰ ابن مریم بتلا کر اسے نام سے ہی مشخص فرمادیا۔ علاوہ ازیں اگر سچے نبی ہو سکتے تھے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جہاں حضور ﷺ نے جھوٹے نبیوں کی آمد اور ان کی تعداد کی اطلاع دی تھی۔ وہاں اس کی تصریح کیوں نہ فرمائی کہ اس کے بعد سچے نبی بھی آئیں گے اور اس قدر آئیں گے۔ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ امت کو ایک گمراہی سے بچا کر دوسری گمراہی میں ڈال دیا جاتا اور انہیں جھوٹے اور سچے نبی میں تمیز کرنے کے لئے کوئی معیار نہ بتلایا جاتا۔ اس لئے یہ حدیث بھی مشیت اذعامدیہ اور مدعا علیہ کی حجت کے منافی ہے۔

لہذا اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مسلمان کذاب وغیرہ کا ذب مدعیان نبوت کے جو حوالے مدعیہ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں اور یہ کہا گیا ہے کہ انہیں اس بناء پر قتل کیا گیا کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ صحابہ کا جنگ کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے بغاوت کی تھی اور اسلامی حکومت کا مقابلہ کر کے خود بادشاہ بنا چاہا تھا اور نبوت کے دعویٰ کو اس کے حصول کے لئے انہوں نے صرف ایک ذریعہ بنایا تھا۔ اگر مدعا علیہ کا یہ اذعا درست بھی سمجھ لیا جائے تو چونکہ اس کے ساتھ ہی وہ بیان کرتا ہے کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کو حصول حکومت کے لئے ایک ذریعہ بنایا تھا تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ جس بناء پر وہ اپنے آپ کو حکومت کا حق دار سمجھتے تھے، صحابہ نے اسے بھی نادرست سمجھا تھا۔ اگر صحابہ کے ذہن میں یہ ہوتا کہ حضور ﷺ کے بعد نبوت ہو سکتی ہے تو وہ ان کی نبوت کے متعلق پورا اطمینان کرتے اور اس کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کرتے۔ خلافت ارضی جلیل القدر انبیاء کی نبوت کا ایک جزو لاینفک رہی ہے اور ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مدعیان نبوت خلافت ارضی کو لوازمات نبوت میں سے سمجھتے ہوئے دعویٰ نبوت کے بعد اس کے لئے کوشاں ہوئے ہوں تو اس صورت میں صحابہ کا ان کے ساتھ جنگ کرنا دعویٰ نبوت کی بناء پر متصور ہوگا، نہ کہ بغاوت کی بناء پر۔ کیونکہ انہیں باغی مرتد اور کافر قرار دیا جا کر سمجھا گیا۔

اس سلسلہ میں مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مدعا علیہ نے اپنی بحث میں آگے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے ظلی اور بروزی کی اصطلاحات یہ دکھلانے کے لئے قائم کی ہیں کہ جس قسم کی نبوت کے وہ مدعی ہیں وہ شریعت والی نبوت نہیں اور نہ اس سے قرآن مجید کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے۔ بلکہ آپ کا مطلب ان سے صرف یہ تھا کہ ان کو بلا واسطہ نبوت نہیں ملی۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے اتباع اور آپ ﷺ میں فنا ہو کر اور آپ ﷺ کی غلامی میں یہ مرتبہ نبوت ملا ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو ظلی نبی لکھا تا کہ آئندہ لوگ نبی کا لفظ سن کر چونک نہ پڑیں اور اس ظلی و بروزی کے لفظ سے سمجھ لیں کہ آپ ویسے نبی نہیں جو معروف اصطلاح میں لئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہر ایک کمال آپ کو آنحضرت ﷺ کے اتباع اور ذریعہ سے ملا ہے۔ آپ نے صرف اپنی نبوت کی حقیقت سمجھانے کے لئے ظلی، بروزی اور امتی نبی کی اصطلاحیں مقرر کیں تاکہ لوگ نبی کے لفظ سے دھوکہ نہ کھا جائیں اور اصطلاحوں کا قائم کرنا، ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ بروزی وغیرہ کے الفاظ صوفیاء نے بھی قائم کئے ہیں۔ مرزا صاحب تناخ کے اس معنی میں جس معنی میں کہ اہل ہنود سمجھتے ہیں قائل نہ تھے۔ ان کے اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی

خو، طبیعت اور مشابہت کے لحاظ سے عبد اللہ پر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا، سے یہ، مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش حضرت ابراہیم ہی کی پیدائش تھی۔ چنانچہ انہوں نے (تزیان القلوب ص ۱۵۵، خزائن ج ۱۵ ص ۴۷۷ حاشیہ) پر وجود دور یہ کی تفسیر خود ہی بیان کی ہے اور تاریخ کے مسئلہ کا رد مرزا صاحب نے اپنی بہت سے کتابوں میں کیا ہے۔ مہدی موعود کی بروزی نبوت کے متعلق مولوی نجم الدین صاحب نے جو اعتراض کیا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے اس حوالہ کے آگے کی عبارت نہیں پڑھی۔ اس میں خاتم الاولاد کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے خاتمہ کے بعد نسل انسان کوئی کامل فرزند پیدا نہیں کرے گا۔ باستثناء ان فرزندوں کے جو اس کی حیات میں ہوں۔

سوائے ظلی اور بروزی اصطلاحات کے باقی تمام بحث فروعی امور کے متعلق ہے جن کا امر ماہہ النزاع پر چنداں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اس سے جواب میں اگر مدعیہ کی بحث کو جو اوپر بیان کی جا چکی ہے دیکھا جائے تو اس سے یہ نتیجہ درست طور پر آد ہوتا ہے کہ ظلی اور بروزی اور امتی وغیرہ کی اصطلاحات محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ دراصل مرزا صاحب کا دعویٰ حقیقی نبوت کے متعلق ہی تھا۔ جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی کی تحریر میں جس کا حوالہ اوپر گزر چکا کی گئی ہے۔ خلیفہ صاحب کی اس تحریر کے متعلق مدعا علیہ نے ان کی ایک اور تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے مثال کے طور پر لکھا تھا کہ اگر حقیقی نبی کے یہ معنی کئے جائیں کہ وہ بناوٹی یا نقلی نبی نہ ہوں تو ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود کو میں حقیقی نبی مانتا ہوں۔ یعنی صادق اور منجانب اللہ اور غیر تشریحی نبی مانتا ہوں۔ لیکن اس سے ان کی وہ تحریر جس کا حوالہ مدعیہ کی طرف سے دیا گیا ہے، رد نہیں ہوئی۔ وہ تحریر بذاتہ ایسی ہے کہ جس سے خود ایک مستقل مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے مرزا صاحب کے حقیقی نبی ہونے کا ثبوت دینے کی بھی آمادگی ظاہر کی ہے اور پھر ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ انہوں نے ظلی بروزی کے الفاظ محض بطور انکسار کے استعمال فرمائے ہیں اور کہ اس قسم کی فروتنی نبیوں کی شان میں داخل ہے۔ ان کے ان الفاظ کی مدعا علیہ کی طرف سے کوئی تردید نہیں کی گئی اور نہ ان کی کوئی تردید ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک اعلان میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود ہی قرار دیا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروزیات کے سلسلہ میں مرزا صاحب کے جن اقوال کا حوالہ گواہان مدعیہ کے بیانات میں دیا گیا ہے اور ان سے جو نتائج انہوں نے برآمد کئے ہیں اور جو ان کی بحث میں اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان سے واقعی یہ اخذ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے ان اقوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس قسم کا جنم مراد لیتے ہیں کہ جو بطریق تاریخ سمجھا جاتا ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خو، طبیعت اور دیگر خصائل کے ودیعت ہونے سے۔ ان سوالات پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی تکفیر سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اس مقدمہ میں ایک ضمنی سوال ہے۔ اس لئے ان کے ایسے عقائد پر کہ جن پر مقدمہ ہذا کے تصفیہ کا زیادہ دار و مدار نہیں ہے۔ تفصیلی بحث بلا ضرورت ہے۔

ذیل میں مدعا علیہ کی طرف سے مدعیہ کے ان اعتراضات کا جواب درج کیا جاتا ہے جو مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت تشریحہ کے متعلق عائد کئے گئے ہیں۔

اس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں اپنے لئے رسول کا لفظ لکھا ہے۔ وہاں انہوں نے اس لفظ کے ساتھ کسی جگہ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے صاف لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے جو فرقان حمید اور کوئی کتاب نہیں۔ دعویٰ نبوت کے متعلق انہوں نے صاف کہا ہے کہ میں ان معنوں میں نبی ہوں کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اور جہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ مجھے نبی کا خطاب دیا گیا۔ وہاں آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔

جہاں مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنی وحی پر اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح کہ قرآن اور دوسری وحیوں پر۔ اس سے

ان کا صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ اخذ نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کے اقوال سے یہ مراد ہے کہ آپ اپنی وحی کو منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطانی اور خطا سے پاک و منزہ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اس کا وہ اظہار کر رہے ہیں اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ صاحب شریعت ہونے کے مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میری وحی شرعی اور قرآن کی مثل ہے۔ مرزا صاحب کا اپنی وحی کو مدار نجات ٹھہرانا بھی ان کا مدعی نبوت تشریح ہونا ثابت نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کی جو وحی اور تعلیم ہے، وہ وہی تعلیم ہے جو عین قرآن مجید اور اسلام کی ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اب قرآن مجید کی اس تعلیم پر کار بند ہو کر وہی نجات پاسکتا ہے جو آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو، دوسرا نہیں۔ مرزا صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ میری وحی میں کوئی نئی شریعت ہے یا میری وحی ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ بلکہ فرمایا کہ شریعت محمدیہ کے ہی بعض ضروری احکام کی تجدید ہے۔ قرآن مجید کی بیسیوں آیتیں دوبارہ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ پر نازل ہوئیں۔ اسی طرح مرزا صاحب پر قرآن مجید کے بہت سے ادا و نواہی نازل ہوئے اور انہی کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔

مرزا صاحب کے قول نمبر ۶ مذکورہ بالا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اولیاء امت نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ شریعت محمدی کے ادا و نواہی کا بطور تجدید کے کسی بزرگ پر نازل ہو جانا جائز ہے۔ صرف ایسے ادا و نواہی کا جو شریعت محمدیہ کے مخالف ہوں اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کا نتیجہ نہ ہوں اترا نامنوع ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے شریعت کا لفظ صرف مخالفین کے مقابل پر بطور الزام استعمال کیا ہے اور فرضی طور پر مترضین کو ملزم کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ عذر بھی مخالفین کا باطل ہے۔ کیونکہ شریعت ادا و نواہی کا نام ہے اور میرے الہامات میں امر اور نہی دونوں موجود ہیں۔

قول نمبر ۱۲ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس سے جو مرزا صاحب کے صاحب شریعت نبی ہونے کا استدلال کیا گیا ہے۔ وہ درست نہیں۔ کیونکہ اس جگہ انہوں نے صرف صاحب شریعت نبی، محدث اور ملہم کے انکار کا حکم بیان کیا ہے اور دوسرے انبیاء جو شریعت یا احکام جدیدہ نہیں لائے۔ ان کا حکم اس عبارت میں مذکور نہیں۔ اس سے گواہان مدعیہ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ مرزا صاحب کی دوسری تحریروں کے مخالف ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الہیہ ہے اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اس وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتی قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا پر افتراء کرنے والا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے۔ پس جب کہ میں نے ایک مذہب کے نزدیک خدا پر افتراء کیا تو اس صورت میں، میں نہ صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتی نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا۔

مرزا صاحب کے مدعی صاحب شریعت ہونے کی بابت مدعیہ کی طرف سے جو ان کے ماہواری چندہ دیئے جانے کے حکم کا حوالہ دیا جا کر بحث کی گئی ہے، اس کے متعلق مدعا علیہ کا یہ جواب ہے کہ وہ کوئی نیا حکم نہیں اور نہ اس میں تعمیل نہ کرنے والے کے متعلق کافر، مرتد یا ملعون وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں بلکہ یہ حکم قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے۔ مرزا صاحب نے اس قرآنی تعلیم کے ماتحت فرمایا کہ ایسا شخص جو راہ خدا پر خرچ نہیں کرتا اور باوجود مقدرت ۳، ۳ ماہ تک اس ربانی حکم سے غافل رہتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا تو اس کا سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں اور گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق ایسا حکم نہیں ہے، درست نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ اگر انہوں نے ایک معمولی رسی بھی جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے اور جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں ادا



کرتے تھے، روکی تو میں قتال کروں گا۔ دیکھئے کہ زکوٰۃ میں سے کچھ ادا نہ کرنے پر کتنی سخت سزا مقرر کی گئی۔ ان دلائل کے زیادہ تفصیلی جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اگر گواہان مدعیہ کی پیش کردہ دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے گا کہ تو ان کا ابطال خود بخود ہی ثابت ہو جائے گا۔ تاہم ان کے مختصر جوابات درج کئے جاتے ہیں۔ رسول کی تعریف خود گواہ مدعا علیہ نے یہ کی ہے کہ جو صاحب کتاب ہو اور نبی عام ہوتا ہے چاہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ اب مرزا صاحب کے اپنے آپ کو رسول کہنے سے یہی مراد لی جائے گی کہ وہ صاحب کتاب نبی ہیں۔ علاوہ ازیں جو وحی کہ دخل شیطانی سے منزہ قرار دی جائے تو وہ مخائب اللہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح قطعی ہوگی۔ جیسا کہ دیگر انبیاء کی وحی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں کہ اگر ان کی وحی کو جمع کیا جائے تو وہ کئی جزئیں بن جائے۔ اب اس قسم کی وحی اگر کتابی صورت میں نہ بھی لائی جائے تو بھی کتاب اللہ کہلائے گی۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر و نواہی بیان کئے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی ایسی وحی جس میں شریعت محمدیہ کے اوامر و نواہی کی تجدید ہے، بہت تھوڑی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی جو دیگر وحی ہے۔ اس کی قطعیت کے لحاظ سے اس پر بھی اسی طرح ایمان لانا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید پر اور وہ بھی شریعت کا جز و تصور ہوگی۔ اس لئے مرزا صاحب نے رسول کے لفظ کے ساتھ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا تو بھی ان کی تصریحات سے یہی سمجھا جائے گا کہ وہ صاحب شریعت رسول ہیں چاہے وہ صاف الفاظ میں یہ کہیں یا نہ کہیں۔ ان کے دیگر اقوال جن میں انہوں نے اپنی نبوت کی تشریح کی ہے یا یہ کہا ہے کہ جدید شریعت نہیں لائے۔ ان اقوال کا کہ جن سے مذکورہ بالا نتائج اخذ ہوتے ہیں، رد نہیں بن سکتے، کیونکہ جیسا کہ شروع بحث میں دکھلایا گیا جو اقوال کہ اپنے اندر مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ ان کے مطالب وہی سمجھے جائیں گے جو ان اقوال کی اپنی طرز بیان سے اخذ ہوتے ہیں اور تا وقتیکہ اس بات کی صراحت نہ ہو کہ وہ اقوال واپس لئے جا چکے ہیں۔ دیگر اقوال نہ ان کے قائم مقام بن سکتے ہیں اور نہ ان کی تشریح۔

مرزا صاحب چاہے یہ کہیں یا نہ کہیں کہ ان کی وحی شرعی اور قرآن کی شکل ہے۔ وہ جب اسے دخل شیطانی سے پاک سمجھتے ہیں اور دوسروں پر جنت قرار دے کر اسے مدارجات ٹھہراتے ہیں اور اپنے نہ ماننے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں اور بقول گواہ مدعا علیہ اب آئندہ کے لئے مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہونا بھی ضروری ہے تو پھر کیوں کہا جاسکتا ہے کہ ان کی وحی شرعی نہیں۔ خصوصاً جب کہ صاحب شریعت کی تعریف بھی خود مرزا صاحب یہ کرتے ہیں کہ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا اور پھر آگے یہ بھی کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ اوامر و نواہی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رو سے صاف قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی وحی کو شرعی سمجھتے ہیں اور جب وہ شرعی وحی ہوئی تو اس پر ایمان لانا اسی طرح واجب ہوا۔ جیسا کہ قرآن مجید پر یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا نزول دیگر اولیاء اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان کو اپنے اوپر چسپاں نہیں کیا اور نہ ان کو دوسروں پر بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس لئے دیگر اولیاء اللہ کی مثال مرزا صاحب کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

قول نمبر ۶ میں صاحب شریعت کے الفاظ مرزا صاحب کی طرف سے فرضی طور پر استعمال نہیں کئے گئے۔ جیسا کہ مدعا علیہ کا اذعا ہے، بلکہ بڑی شد و مد سے صاحب شریعت کی تعریف کی جا کر اپنا صاحب شریعت ہونا دکھلایا گیا ہے۔ اس قول کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں صاحب شریعت کے الفاظ فرضی ہیں یا اصلی اس قول کی مزید تائید پھر قول نمبر ۱۲ سے ہوتی ہے۔ اس قول کے مرزا صاحب کے دیگر اقوال متناقض ہونے کو خود گواہ مدعا علیہ نے بھی مانا ہے اور مرزا صاحب کے دیگر اقوال سے اس نقیض کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ قول بذاتہ کسی شرح کا محتاج نہیں اور اپنا مفہوم آپ ہی بیان کر رہا ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے اپنی عظمت اور شان دکھلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی ہیں اور اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو وہ اس بناء پر کافر کہتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے ایک دوسری وجہ ہے کہ وہ اس شخص کو جو انہیں نہیں مانتا اس بناء پر کافر کہتے ہیں کہ وہ انہیں مفسری سمجھتے ہیں۔

اور چونکہ وہ مفتی نہیں ہیں۔ اس لئے وہ کفر اس پر لوٹا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو جو ماہواری چندہ دینے کا حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو فرمان شائع ہوا ہے اور جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ اس کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ حکم اللہ تعالیٰ سے مطلع ہو کر دیا ہے۔ گویا یہ حکم دراصل ان کا حکم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ چنانچہ گواہ مدعا علیہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ ایک ربانی حکم ہے اور اس ربانی حکم کی تعمیل نہ کرنے والے کو مرزا صاحب نے منافق کہا ہے۔ اب اگر مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا کہ وہ مرتد اور ملعون ہے تو اس سے ان کے اس حکم کے نتیجہ پر کہ وہ منافق ہے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ منافق کو خداوند تعالیٰ نے کافروں کی ذیل میں شامل کیا ہے۔ بلکہ بہت بڑا کافر کہا ہے۔ اس لئے قاصر کو سوائے اس کے کہ اسے مرتد اور ملعون سمجھا جائے اور کیا کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کا بیعت سے خارج ہو جانا بھی مثل ارتداد ہے۔

اگر مرزا صاحب کے باوجود اسے منافق کہنے اور بیعت سے خارج کرنے کے گواہ مدعا علیہ کے نزدیک پھر بھی وہ مسلمان رہتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مرزا صاحب کو نبی اللہ نہیں مانتا۔ کیونکہ نبی کے حکم کی تعمیل عین خدا کی تعمیل ہوتی ہے اور اس کی ناراضگی موجب غضب الہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم دیتے وقت مرزا صاحب نے بھی اپنے مرتبے کو پوری طرح مد نظر نہیں رکھا اور اپنی طاقت کے ساتھ خدا کی طاقت کو بھی شامل کرنے کے باوجود قاصر کو صرف یہی سزا دے سکتے ہیں کہ اسے سلسلہ بیعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ حالانکہ خدا نے نبی کی وہ شان بنائی ہے کہ اس کے حکم کی عدم تعمیل تو بجائے ماند اس کے آگے اونچا بولنے سے بھی تمام اعمال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور عدم تعمیل احکام تو دین و دنیا میں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے یہ درست کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے متعلق بھی اس قسم کا کوئی شرعی حکم نہیں جس کا حوالہ گواہ مدعا علیہ نے دیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول کا ہے نہ کہ خدا اور اس کے رسول کا۔ گواہ مدعا علیہ کا اس بارہ میں مرزا صاحب کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلہ کرنا مرزا صاحب کے مرتبہ کی ایک اور تفتیش ظاہر کرتا ہے۔ ایک طرف تو وہ انہیں نبی مانتا ہے اور پھر ان کے احکام کے مقابلہ میں ایک غیر نبی کے احکام پیش کرتا ہے۔ یہ معصہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے مرزا صاحب کو باوجود نبی ماننے کے ان کی کیا شان سمجھ رکھی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کا یہ حکم زکوٰۃ پر مستزاد ہونے کی وجہ سے ایک نیا حکم ہے اور اس بناء پر مرزا صاحب اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے بھی شرعی نبی ہوئے۔ ہر حکم انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نافذ ہونا بیان کیا گیا ہے اور خود مدعا علیہ کی طرف سے اسے ایک ربانی حکم ہونا مانا گیا ہے اور پھر اس کی سزا بھی محض دنیاوی مقرر نہیں، بلکہ قاصر کو منافق قرار دیا جا کر اور مرتد بنایا جا کر اسے عذاب آخرت کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ تو ان حالات میں کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں، بلکہ محض انفاق فی سبیل اللہ میں ایک ترغیب ہے۔ اگر نبیوں کے احکام کی اس طرح تعبیر کی جانی لگے تو پھر نبی اور رسولوں کے احکام تو بجائے ماند احکام خداوندی کی بھی کوئی حقیقت نہیں رہتی اور نبوت کا تمام سلسلہ ہی ایک بے معنی سی چیز دکھائی دینے لگتا ہے۔ لہذا مرزا صاحب کی ان تحریروں سے جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ نتیجہ درست طور پر اخذ کیا گیا ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی ہونے کے بھی دعوے دار ہیں۔ گو بعد میں انہوں نے اپنے اس دعویٰ میں کامیاب نہ ہونے کی صورت دیکھ کر اس پر زیادہ زور نہیں دیا اور اپنے ان اقوال کی جن سے ان کے صاحب شریعت نبی ہونے کے نتائج اخذ ہوتے، مختلف تو جہیں شروع کر دیں۔

اس کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے قیامت، نفع صور اور حشر اجساد وغیرہ اعتقادات کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کی طرف سے ان عقائد کی نسبت جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں، وہ درست نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ان عقائد نسبت جو کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے درست ہے۔ ان عقائد کے متعلق زیادہ تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ اگر مرزا صاحب کو نبی تسلیم نہ کیا جائے تو پھر تو ان عقائد کے متعلق ان کی رائے ایک ذاتی رائے تصور ہوگی اور اس سے اختلاف کیا جانا

ممکن ہوگا اور اگر انہیں نبی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کی رائے تعلیم وحی کا نتیجہ شمار ہو کر قابل پابندی ہوگا اور اس صورت میں اس سے ذرا بھر اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ اختلاف کرنے والا عاصی سمجھا جائے گا۔ ان کے نبی نہ ہونے کی صورت میں ان کے یہ عقائد امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے تحقیق طلب ہوں گے اور ممکن ہے کہ اس صورت میں ان کے خلاف فتویٰ کی صورت بھی بدل جائے۔ مگر ان کے مدعی نبوت ہونے کی حالت میں ان کے یہ عقائد جمہور امت کے عقائد کے خلاف ہونے کے باعث وجوہات تکلیف میں مزید اضافہ کا سبب بن سکیں گے۔

اب ذیل میں توہین انبیاء کے سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کا جو جواب مدعا علیہ کی طرف سے دیا گیا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو جن لوگوں سے مشابہت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بھی اس پاک گردہ کا ایک فرد ہوں۔ پھر کیونکر ان کی توہین کر سکتا ہے، کیونکہ وہ توہین اس کی اپنی توہین ہوگی۔

اصول کے لحاظ سے تو یہ بات درست ہے، لیکن اس کا فیصلہ مرزا صاحب کے اقوال سے ہوتا ہے۔ گواہان مدعیہ کے بیانات میں اس کی مفصل بحث پائی جاتی ہے۔ اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے جن اشعار کو باعث توہین قرار دیا گیا ہے۔ اس سے کوئی توہین پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ مرزا صاحب کی ان اشعار سے مراد یہ ہے کہ جام عرفان الہی اور ایقان ہر نبی کو دیا گیا تھا اور خداوند تعالیٰ نے وہ پورے کا پورا مجھے بھی دیا ہے اور کہ میں اپنی معرفت اور عرفان الہی میں اور اپنے یقین میں کسی نبی اور رسول سے کم نہیں ہوں اور یہ کمال جو مجھے حاصل ہوا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے اتباع سے بطریق وراثت ملا ہے۔

مرزا صاحب پر یہ غلط اتہام لگا یا گیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی بھی توہین کی ہے۔ بلکہ آپ کی کتب آنحضرت ﷺ کی تعریف سے پر ہے جن آیات قرآنیہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کی ہیں۔ ان کے متعلق مولوی محمد حسین بنا لوی رئیس طائفہ اہل حدیث نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان آیات کا مورد نزول و مخاطب وہ ہیں، بلکہ ان کو کامل یقین اور صاف اقرار ہے کہ قرآن اور پہلی کتابوں میں ان آیات میں مخاطب و مراد وہی انبیاء ہیں جن کی طرف ان میں خطاب ہے اور ان کمالات کے محل وہی حضرات ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے ان کمال کا محل ٹھہرایا ہے۔

لیکن یہ جواب اس وقت کے متعلق ہے جب تک کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب پر یہ الزام بھی غلط لگا یا گیا ہے کہ انہوں نے عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں صاف کہا ہے کہ میں ان کا خادم ہوں اور وہ میرے مخدوم ہیں، میں ان کا ظل ہوں اور وہ اصل ہیں۔ میں آپ کی خدمت اور آپ کی شاگردی اور آپ کے اتباع میں اس قدر فناء ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے اور بزرگان دین نے یہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کامل متبع بہ سبب کمال متابعت انہیں میں جذب ہو جاتے ہیں اور ان کے رنگ میں ایسے رنگین ہوتے ہیں کہ تابع اور متبوع یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اول آخر ہونے کے مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میں عین محمد ہوں، بلکہ بروزی طور پر فرمایا ہے اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے منتخب کیا کہ جو خلق، ہمت، ہمدردی، خلاقیت میں اس کے مشابہ تھا اور ظاہری طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا۔ تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔ لیکن صوفیاء نے اس مقام کو غیبت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس پر بھی مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس استدلال کو مدعیہ کے پیش کردہ استدلال کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے اس شعر سے کہ ”لہ خسف القمر المنیر وان لی“ سے

آنحضرت کی توہین نہیں نکلتی۔ کیونکہ اگر مرزا صاحب کے لئے چاند اور سورج کا گرہن نشان ہوا تو وہ اس لئے کہ احادیث کی کتب میں سچے مہدی کی علامات میں سے یہ قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ نشان بھی آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہوگا۔ مگر مدعیہ کا استدلال اس پر نہیں کہ مرزا صاحب نے چاند گرہن کے نشان کو اپنے لئے تجویز کیا ہے بلکہ اس کی طرف سے توہین کے موجب یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس شعر میں رسول اللہ ﷺ کے معجزہ شق القمر کا استخفاف کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کے متعلق مدعیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے جن اقوال پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے دوسری کتاب میں جہاں آنحضرت ﷺ کے تین ہزار معجزات بتلائے ہیں، وہاں اپنی پیش گوئیاں سو کے قریب لکھی ہیں اور آپ نے اپنے دس لاکھ نشانات بتلائے ہیں کہ اگر ویسے نشانات آنحضرت ﷺ کے شمار کئے جائیں تو دس ارب سے بھی زیادہ ہوں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ معجزہ خرق عادات ہوتا ہے اور مرزا صاحب نے اپنے نشانات کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ اول درجہ کے خرق عادت ہیں۔ اس لئے ان نشانات کو بھی معجزات ہی شمار کیا جائے گا۔ ہر دو فریق کے دلائل اس بارہ میں مسل پر موجود ہیں۔ ان سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صداقت کس میں ہے۔ میں ان سوالات پر اس لئے بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی ذات کے متعلق ہیں اور امر ماہ النزاع سے ان کا بہت تھوڑا تعلق پایا جاتا ہے۔ اس طرح مدعا علیہ کا یہ اڈا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یوسف اور حضرت آدم علیہ السلام کی بھی کوئی توہین نہیں کی۔ اس کے بعد پھر اس کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے سلسلہ میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے متبع اور امتی ہونے کی وجہ سے کی ہے اور علماء خود مانتے چلے آئے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے بھی یہ خواہش کی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہوں اور دوسرے شعراء اور صوفیاء کے اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے متبع ہونے کے باعث حضرت عیسیٰ پر اپنی فضیلت ظاہر کرتے آئے ہیں۔ مگر اسے توہین نہیں سمجھا گیا اور اس ضمن میں شیخ محمود حسن صاحب کے چند اشعار جو انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھے ہیں، درج کئے جا کر یہ بحث کی گئی ہے کہ ان اشعار سے انبیاء کی توہین نہیں ہوتی تو پھر مرزا صاحب کے اشعار سے کیونکر توہین اخذ کی جاتی ہے۔

اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے دیا ہے کہ جو مدعیہ اشعار ہوں وہ تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ بشری کلام میں انکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدا کی کلام ہوگی تو وہ عقیدہ ہوگا اور تحقیقی ہوگی اور وہ کسی طرح انکل نہ ہوگی۔ حقیقت حال ہوگی نہ کم نہ بیش۔ بشرانہائی حقیقت کو نہیں پہنچتا تخمینہ لفظ کہتا ہے اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ شاعرانہ نوع تعبیر عام اطلاق الفاظ نہیں اور وہ تخمینہ پر عبارت کہہ دیتے ہیں جو آس پاس ہوتی ہے۔ ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

جھوٹے اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میری کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اصلاً یہ کوشش نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ حاضرین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو دوسرے وقت وہ اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور ایسے واقع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے اور یہ ایک قسم ہے کلام کی جو فنون علیہ میں درج ہے اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا ادا کرنا اور بڑی چیز کو چھوٹا۔ بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو اور نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہے، نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے۔ تو وہ اور جہاں کا ہے اور حضرت شاعر اور جہاں میں۔

چنانچہ مرزا صاحب اپنی کتاب (دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۴۰) پر لکھتے ہیں کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں، بلکہ واقعی ہیں۔ علاوہ ازیں سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب نے شاعری کا شیوہ کس طرح اختیار فرمایا اور کیوں انہیں اس معاملہ میں حضور ﷺ کی صفات علیہ سے بطور ظل کے حصہ نہ ملا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے متعلق قرآن مجید کی سورہ یٰسین میں فرمایا گیا ہے کہ: ”وما علمنہ الشعر وما ینبغی لہ“ اور سورہ شعراء میں شعراء کی مذمت کی جا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ: ”الم تر انہم..... یفعلون“ اس حکم کے تحت میں تو مرزا صاحب کے نہ صرف وہ اقوال جو اشعار میں درج ہیں بلکہ کوئی قول بھی معتبر نہیں رہتا۔

مدعیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو مسمریزم کی قسم سے کہا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت مسیح کے اعجازی خلق کو مانتا ہوں۔ ہاں! اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کی طرح حقیقی طور پر کسی مردہ کو زندہ کیا یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا۔ کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح ﷺ کے مردہ کو زندہ کرنے یا پرندے پیدا کرنے کو تسلیم کیا جائے تو اسی سے خدا تعالیٰ کی خلق اور اس کا احوال مشتبہ ہو جائے گا اور عمل ترب کے متعلق وہ اپنے ایک الہام کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں کہ یہ عمل الترب ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔ آپ نے اس عمل کو اپنے لئے۔ اس لئے پسند نہ کیا کہ اس علمی زمانہ میں ایسے معجزات دکھلانے کی ضرورت نہ تھی اور حضرت مسیح کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے۔ باذن الہی اختیار کیا تھا، ورنہ انہیں بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔ اس جواب کے متعلق بھی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہر دو فریق کی طرف سے اس بارہ میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ اس سے ہر دو کے دلائل کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

عسائی علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو دیگر اقوال ان کی کتب (دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۴۰) اور (ضمیمہ انجام آختم ص ۷، خزائن ج ۱۸ ص ۲۹۱) وغیرہ سے پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان میں بہت ہی سبب و شتم درج ہے۔ ان کی بابت مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں، انہیں الزامی جواب دیئے گئے ہیں اور فن مناظرہ میں اس قسم کی روش عام طور پر اختیار کی جاتی ہے اور اس کی تائید میں مدعا علیہ کی طرف سے دیگر علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کے ان اقوال کو اگر سیاق و سباق عبارت سے ملا کر دیکھا جائے تو مدعا علیہ کا یہ جواب حقیقت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان دشنام آمیز الفاظ کو سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے اپنی شہادت میں بسلسلہ توہین عسائی علیہ السلام بیان نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے۔ بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے اور اسے حق کہا ہے اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دیئے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔

میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی زبان پر کی ہے اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا۔ وہ اسے وجہ ارتداد سمجھتے ہیں اور اس ضمن میں انہوں نے مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے ہیں۔ ”مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں۔ کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔“ اور کہا ہے کہ اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ: ”عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے معجزہ نہیں ہوا۔“ اس سے صریح عسائی علیہ السلام کی توہین نیت ہے۔ کیونکہ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں۔ شاہ صاحب کی یہ رائے عین حق

شناسی پر مبنی ہے اور جن اقوال سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا نتیجہ نکالا ہے۔ ان سے واقعی ان کی توہین اخذ ہوتی ہے۔ باقی رہا کسی نبی کا دوسرے نبی سے افضل ہونے کا سوال اس کے متعلق شاہ صاحب کے بیان کردہ حوالہ سے اوپر جواب دیا جا چکا ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر بیان کردہ گواہان مدعیہ کا مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ تمام امت محمدیہ مشرک ہے۔ بلکہ جس عبارت کا حوالہ گواہان مدعیہ کی طرف سے دیا جا کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے مسلمانوں سے یہ قول غلطی سے صادر ہوا ہے اور وہ لوگ خدا کے نزدیک معذور ہیں۔ کیونکہ انہوں نے عمد غلطی نہیں کی اور انہوں نے حیات مسیح کے عقیدہ کو مبداء شرک یا منجرائی الشرک قرار دیا ہے اور اس کو شرک عظیم کہنا باعتبار مایول الیہ کے ہے اور اس امر کو حق بلاغت میں مجاز مرسل سے شمار کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ حیات عیسیٰ کے مسئلہ پر فریقین کو بحث کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان جس قسم کی حیات کے تمام مسلمان قائل ہیں وہ ادراک انسانی سے باہر ہے۔ اس لئے اسے امرواقع کے طور پر ثابت کرنا ایک لا حاصل سعی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی رو سے اس ظاہر زندگی کے علاوہ ایک اور قسم کی زندگی بھی ہے جس کو انسانی فہم اور عقل احاطہ نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شہداء کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور اس کے ہاں انہیں رزق ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت: ”لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا..... مِنْ فَضْلِهِ (آل عمران: ۱۶۹)“

مدعیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے ایک لفظ ذریعہ البغایا استعمال کر کے تمام مسلمانوں کو ولد الزنا قرار دیا ہے۔ اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ذریعہ البغایا استعمال کر کے تمام مسلمانوں کو ولد الزنا قرار دینے کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ظاہر میں اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ ہدایت سے دور اور ناشائستہ آدمی جن کی حالت یہ ہے ان کے دلوں پر مہریں ہیں وہ انہیں قبول نہ کریں گے یا یہ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ یعنی مولوی لوگ جو کفر کے فتویٰ لے کر شہر بشہر پھرتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ بغایا کے معنی ہر اول کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز بغایا مطلق عورتوں کو بھی کہتے ہیں چاہے وہ فاجر ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن اس پر بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس لفظ کے استعمال اور طرز خطاب سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہاں اس لفظ سے کیا مراد ہے۔

مرزا صاحب اپنے ملذبین اور منکرین کو کافر کہنے سے مدعیہ کی طرف جو انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ جو شخص انہیں نہیں مانتا وہ انہیں مفتری قرار دے کر نہیں مانتا۔ اس لئے ان کی تکفیر کی وجہ سے وہ خود کافر بنتا ہے۔ لیکن یہ کوئی معقول جواب نہیں۔ کیونکہ ایک شخص اگر واقعہ میں کافر ہو تو اسے کیوں کافر نہ کہا جائے۔ اس طرح تو کسی پر بھی کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ اسے کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ مرزا صاحب کے سچے یا جھوٹے نبی ہونے کے متعلق اوپر بحث کی جا چکی ہے۔ لہذا ان دلائل کی رو سے اگر کوئی شخص ان کو کافر کہتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود پھر کیونکر کافر ہو جائے گا اور اگر بالفرض مجال یہ رائے درست بھی ہو، تو پھر صرف ان لوگوں کو کافر کہنا چاہئے جو مرزا صاحب کو کاذب یا کافر کہیں جو ان کی نہ تکذیب کرتے ہیں ورنہ تکفیر انہیں کیوں کافر کہا جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انہیں کافر کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کو مفتری جان کر کافر کہتے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب (فتاویٰ احمدیہ ج اول، ص ۲۷۰) پر یہ بیان کی ہے کہ ”کسی کا کوئی عمل میرے دعویٰ اور دلیلوں اور میرے پہنچانے کے بغیر مفید نہیں ہو سکتا۔“ پھر آگے اس کتاب کے (ص ۱۲۷ اور ص ۳۰۸) پر لکھتے ہیں کہ: ”بہر حال حکم خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ایک شخص کو جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔“ ان عبارات سے صاف اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو نہیں مانتا خواہ ان کو کافر کہے یا نہ کہے وہ

مسلمان نہیں اور اس کا کوئی عمل بارہ گاہ الہی میں قبول نہیں ہے۔ مدعا علیہ کے گواہان نے ریاست ہذا کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے اور یہ دکھلانے کے لئے کہ گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب اور ان کے قبیحین کے خلاف فتویٰ تکفیر محض اپنے بغض اور عناد کی بناء پر اور اپنے بزرگان کے اقتدار کا خوگر ہونے کی وجہ سے دیا ہے۔ ورنہ دراصل مرزا صاحب ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاولپور کا ایک حصہ معتقد اور مرید ہے۔ بلکہ جن کے سندھ، بلوچستان اور پنجاب میں بھی بکثرت مرید پائے جاتے ہیں کہ ایک کتاب اشارات فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے نزدیک مرزا صاحب کسی عقیدہ اہل سنت والجماعت اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں پائے جاتے، بلکہ آپ ان کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے تمام اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں اور حمایت دین پر کمر بستہ ہیں اور کہ علماء وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہل سنت والجماعت میں سے ہے اور صراط مستقیم پر قائم ہے۔

اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح اور بطن سے بحث کی جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی۔ مدعیہ کی طرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اس وقت تک دیکھیں تھیں۔ ان میں مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب (انجام آہٹم ص ۳۶، خزائن ج ۱۱ ص ۳۲۰) پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفر اور کذاب ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں کہ اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مضمری بھی اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں۔ مگر مضمری اور کذاب اور دجال نام رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مکفرین اور مکذبین مبالغہ کے لئے بلائے گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں جو مکفر اور مکذب ہیں اور اس کے ساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور کا نام بھی درج ہے۔

فریقین کی ان بحث ہائے کو مد نظر رکھتے ہوئے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک مقدس اور نیک لوگوں کے گروں کا نام صوفیاء ہے۔ ان صوفیاء کرام کو ذکر الہی عبادت اور ریاضت سے جو ذوق اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ان پر تجلیات الہی وارد ہوتی ہیں اور ان کے قلب کی کچھ اس قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ کچھ غیب کی خبروں پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ اس کو وہ الہام یا کشف کہتے ہیں اور بعض صوفیائے کرام نے اسے مجازی طور پر وحی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے نبی کی تعلیم کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے براہ راست غیب کی خبروں کی اطلاع دی جاتی رہتی ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔ انہیں قیامت کے دن سے ڈرائے اور آئندہ زندگی کے حالات سے مطلع کرے اور جس ذریعہ سے انہیں یہ اطلاع ہوتی ہے۔ اسے وحی کہا جاتا ہے اور وحی کی یہ اصطلاح انبیاء کے لئے ہی مختص ہے۔ دوسری جگہ اگر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہ تو اس سے مجازی یا لغوی معنی لئے جاتے ہیں۔ انبیاء کو یہ وحی تین طریق پر ہوتی ہے یا تو اللہ تعالیٰ کوئی بات کسی نبی کے دل میں ڈال دیتا ہے یا فرشتوں میں سے کوئی قاصد بھیج کر اس کے ذریعہ مطلع فرماتا ہے یا پس پردہ خود کلام فرماتا ہے۔ یہ وحی چونکہ دخل شیطانی سے منزہ ہوتی ہے۔ اس لئے اسے قطعی سمجھا جاتا ہے اور اس کا نہ ماننا کفر ہے۔ اولیاء کا الہام یا کشف گو دخل شیطانی سے پاک بھی ہو، تاہم نہ وہ قطعی ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں پر کوئی حجت ہوتا ہے۔ بلکہ الہام اور کشف کے ذریعہ قرآن مجید کے معارف اور اسرار سمجھائے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں بعض اکابر صوفیائے کرام پر آیات قرآنی کا نزول بھی ہوتا ہے۔ ان آیات کو وہ اپنے اوپر چسپاں نہیں کرتے، بلکہ جیسے کسی

سیاح کو دوران سیاحت میں اعلیٰ مقامات دکھلائے جائیں، اس طرح ان کو اعلیٰ مراتب روحانی کی سیر کرائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جب اس میدان میں گامزن ہوئے اور ان پر مکاشفات کا سلسلہ جاری ہونے لگا تو وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے اور صوفیائے کرام کی کتابوں میں وحی اور نبوت کے الفاظ موجود پا کر انہوں نے سابقہ اولیاء اللہ سے اپنا مرتبہ بلند دکھلانے کی خاطر اپنے لئے نبوت کی ایک اصطلاح تجویز فرمائی۔ جب لوگ یہ لفظ سن کر چونکے گئے تو انہوں نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کرنا چاہا کہ تم گھبراتے کیوں ہو۔ آنحضرت ﷺ کے اتباع سے جس مکالمہ اور مخاطبہ کے تم لوگ قائل ہو میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الہی نبوت رکھتا ہوں۔ یہ صرف لفظی نزاع ہے۔ سو ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ کوئی اصطلاح مقرر کرے۔ گویا انہوں نے نبی کے لفظ کو برعکس اس کی اصل اور عام فہم مراد کے یہاں اصطلاحی طور پر کثرت مکالمہ اور مخاطبہ پر حاوی کیا اور یہ اصطلاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم کی۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس لفظ کا استعمال کثرت سے اپنے متعلق کرنے لگے تو لوگ پھر چونکے۔ اس پر انہوں نے پھر یہ کہہ کر انہیں خاموش کیا کہ میں کوئی اصلی نبی تو نہیں، بلکہ اس معنی میں کہ میں نے تمام کمال آنحضرت ﷺ کے اتباع اور فیض سے حاصل کیا ہے۔ غلطی اور بروزی نبی ہوں اور اس کے بعد انہوں نے ان آیات قرآنی کو جو شاید کسی اچھے وقت میں ان پر نازل ہوئی تھیں، اپنے اوپر چسپاں کرنا شروع کر دیا اور شدہ شدہ تشریحی نبوت کے دعویٰ کا اظہار کر دیا۔ لیکن صریح آیات قرآنی اور احادیث اور اقوال بزرگان سے جب انہیں اس میں کامیابی نظر نہ آئی تو انہوں نے اس دعویٰ کو ترک کر کے اپنا مقر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث میں جا تلاش کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بذریعہ وحی ثابت کر کے یہ دکھلایا کہ ان احادیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کی امت میں کسی شخص کو نبوت کا درجہ عطا کیا جائے گا۔ نہ یہ کہ حضرت مسیح ناصری واپس آئیں گے۔ مدعا علیہ کے ایک گواہ کے بیان سے یہ اخذ ہوتا ہے اور نامعلوم اس نے بطور خود یا مرزا صاحب کی کسی تحریر کی رو سے یہ بیان دیا ہے کہ احادیث میں جو عیسیٰ ابن مریم کے نزول کی خبر آئی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوتی ہیں جو آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن حقیقت ان کے ظہور کے وقت نمایاں ہوتی ہے اور اجتہادی غلطی پیش گوئیوں کے سمجھنے میں یعنی کیفیت تحقیق وقوع کے لحاظ سے ہر نبی سے ممکن ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی، اس کی مثال اس نے بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ دے کر یہ دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رؤیاء کی بناء پر یہ سمجھا کہ وہ حجر یمامہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ لیکن آپ جس وقت مدینہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ پر اس پیش گوئی کی حقیقت کھلی کہ اس سے مراد مدینہ تھا اور کہ جب نبی سے اجتہادی غلطی ممکن ہوئی پیش گوئی کے پورا ہونے کے وقت اصل حقیقت پیش گوئی کی منکشف ہو جائے گی اور کہ امتی کو پیش گوئی کے تحقق وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ غرض مرزا صاحب نے سابقہ مراحل سے گزرنے کے بعد بڑھ چڑھ کر اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کا اظہار شروع کر دیا اور نبوت کو پھر ایک ایسا گورکھ دھندہ بنا دیا کہ جو نہ تو لوگوں کی سمجھ میں آسکا ہے اور نہ ہی ان کے اپنے تبیین جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ ان کے مرتبہ کو بخوبی سمجھ سکے ہیں۔ بلکہ خود خدا کو بھی نعوذ باللہ! ان کے نبی بنانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ جب خداوند تعالیٰ نے یہ محسوس فرمایا کہ نعوذ باللہ! اس کے حبیب سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ اب ان کی آن رکھنے کے لئے اور مرزا صاحب کو نبوت کا مرتبہ عطا فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بقول مرزا صاحب پہلے تو ان تمام پیش گوئیوں کو جو قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھیں۔ مرزا صاحب کی طرف پھیر دیا اور پھر انہیں کبھی مریم علیہا السلام بنایا اور کبھی عیسیٰ علیہ السلام اور اس کے بعد بارش کی طرح وحی کر کے یہ بتلایا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے ہیں۔ اب تم بلا خوف و خطر نبی ہونے کا دعویٰ کر دو اور جہاں پہلے وہ ”فاستمع لما یوحی“ اور ”یا ایہا المدثر قم فانذر“ کی تکمانہ وحی کے ذریعہ سے نبیوں کو چونکا کر کے اپنی طرف سے مامور فرمایا کرتا تھا۔ وہاں مرزا صاحب کے لئے اسے نعوذ باللہ! مختلف جیل اختیار کرنے پڑے۔ مرزا صاحب کے اس طرز عمل سے نبی بننے سے یہ



بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبوت کے عہدے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ اس نے پہلے تو مرزا صاحب کے لئے نبوت کی اصطلاح تجویز فرمائی۔ پھر وہ جب اس سے خوش نہ ہوئے تو ان کو نبی کا خطاب عطاء فرمایا دیا۔ جیسا کہ نواب اور راجہ کے خطابات گورنمنٹ سے ان لوگوں کو بھی عطاء فرمائے جاتے ہیں جو صاحب ریاست نہ ہوں۔ لیکن جب مرزا صاحب کی اس سے بھی نشانی نہ ہوئی باوجودیکہ اللہ تعالیٰ انہیں یا ولدی بھی فرما چکا تھا اور اس خیال سے کہ رسول اللہ ﷺ کو چونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خاتم النبیین کہہ چکا تھا، وہ بھی کسی دوسرے نبی کے بننے سے خفاء نہ ہوں۔ مرزا صاحب کو آپ کا ظل بنا دیا گیا اور آخر کار جب ان کی خوشی نبی بننے میں ہی دیکھی اور یہ بھی خیال آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آ خر زمانہ میں بھجوانے کا وعدہ ہو چکا ہے تو انہیں مار کر مرزا صاحب کو نبی بنا دیا گیا۔ استغفر اللہ!

گواہ مدعا علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی سے بھی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو پھر اس کا کیا اعتبار ہے کہ مرزا صاحب سے یہ غلطی نہ ہوئی ہوگی۔ خصوصاً جب کہ مرزا صاحب رسول اللہ ﷺ کے ظل بھی ہیں۔ غیر اغلب ہے کہ اصل کی فطرت ظل کی فطرت پر اثر انداز نہ ہوئی ہو اور علاوہ ازیں مرزا صاحب اپنے اقرار کے مطابق آنحضرت ﷺ سے زیادہ ذکی بھی نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی کئی سال کے متواتر وحی کے بعد انہوں نے یہ جا کر سمجھا کہ وہ نبی ہو چکے۔ اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے وحی الہی کا مفہوم غلط سمجھ کر دعویٰ نبوت کر دیا ہو۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہیں امتی ہونے کے وقت نزول مسیح کے متعلق وقوع کا علم نہیں ہوا، بلکہ جب ان کو نبوت کا خطاب مل چکا۔ اس کے بعد انہیں یہ جتلا گیا کہ مسیح ناصر یفوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ کہنا کہ امتی کو وقوع کے وقت تحقق وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے باطل ہو جاتا ہے۔ گواہ مذکور نے رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث کا حوالہ دے کر یہ کہا ہے، آپ سے اجتہادی غلطی کا وقوع ممکن ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہجرت کے وقت کوئی غلطی فرمائی۔ گواہ مذکور کی یہ حجت اس وقت صحیح ہوتی کہ جب آپ بجائے مدینہ کے حجر یمامہ کی طرف تشریف لے جاتے اور پھر وہاں سے مدینہ عالیہ کی طرف لوٹتے۔ وہاں جانے کے متعلق آپ کا صرف ایک خیال تھا جو وقوع میں نہ آیا اور اس روایا پر عمل اس طرح ہوا جس طرح مشیت ایزدی میں مقدر تھا۔ خود اس مثال سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر نبی کو کسی طرح غلط فہمی ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے فوراً رفع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ صدیوں تک وہ غلطی چلی جائے اور نہ خود نبی پر اور نہ اس کے کامل متبعین پر اس کا افساء ہو۔ اس لئے یہ کہنا بڑی دیدہ دلیری ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی بیان کرنے میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے پھر اخیر عمر میں جا کر اپنے دعویٰ کی غلطی کو محسوس کیا اور پھر اصطلاحی نبوت کو ہی جا کر قائم کیا۔ جس سے انہوں نے اپنے دعویٰ کی ابتداء شروع کی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس خط سے جو انہوں نے وفات سے دو تین یوم قبل اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا، ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں درج ہے کہ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیش گوئی کرنے والا ان تمام واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے بجا طور یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر تفاوت اور تعارض پایا جاتا ہے اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے کہ جس سے نتیجہ گز بڑ ہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی رہے۔ چنانچہ کہیں وہ تو ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں ایسے عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لغتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواتر ات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

ختم نبوت کا عقیدہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی مدعا علیہ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں آیات قرآنی اور احادیث صحیح سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس کے صحیح معنی وہی ہیں جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں۔ مدعا علیہ کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں اور باوجود قوی نہ ہونے کے اس کی مراد میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ یطمن سے جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے دل میں تھا وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی مراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور اذالہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور یطمن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے اور بہتوں سے وہ خفی رہ جائیں۔ لیکن ایسا کوئی یطمن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت رد کرتے ہوں، مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات باطنیت اور الحاد کی حد تک پہنچا دے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرما کر بندے اپنے مقدر کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور یطمن کو سپرد کریں خدا کے۔ تاویل کے متعلق ان کا یہ جواب ہے کہ اخبار احاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے۔ آیات قرآنی متواتر ہیں اور قرآن وحدیث جو نبی کریم سے ہم تک پہنچا اس کی دو جہتیں ہیں۔ ایک ثبوت کی، دوسری دلالت کی ثبوت قرآن کا متواتر ہے۔ اس تو اتارا اگر کوئی انکار کرے تو پھر قرآن کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسا ہی جو شخص تواتر کی صحت کا انکار کرے۔ اس نے دین ڈھا دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی غلطی۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا ”بسم اللہ“ سے لے کر ”والناس“ تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں غلطیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرآن کے معنی سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تاویل اور مدعا علیہ میں ہو سکتی ہے۔ اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے بیان کیا ہے، اس بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ آیت خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے اور اس کے کٹن کے معنی ایسے نہیں ہو سکتے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی سمجھنے کے منافی ہوں اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا معنی سے انکار کفر ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا اور جن مسائل کی بناء پر اس نے ایسا کہا ہے۔ وہ اس قبیل کے نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ ختم نبوت۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ خاتم النبیین کے جو معنی مدعیہ کی طرف سے کئے گئے ہیں اور اس معنی کے تحت جو عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ سے انحراف و ارتداد کی حد تک پہنچا ہے اور کہ آنحضرت ﷺ کے بعد عہدہ نبوت اور وحی نبوت منقطع ہو چکے ہیں۔ مرزا صاحب صحیح اسلامی عقائد کی رو سے نبی نہیں ہو سکتے اور ان کے نبی نہ ہونے کی تائید میں ایک یہ امر بھی ہے کہ ان کے تبعین میں سے ایک گروہ جو لاہوری کہلاتے ہیں، انہیں نبی تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا ان کے مخالف جملہ فرقوں کے نزدیک اور ان کے ایک موافق فرقہ کی رائے میں رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کی نبوت کا دعویٰ کسی حالت میں بھی درست نہیں۔ ظلی اور بروزی نبی اگر آنحضرت ﷺ کے کمال اتباع سے ہونے ممکن ہوتے تو اس قسم کے نبی مرزا صاحب کے آنے سے قبل کئی آچکے ہوتے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کو درجہ کمال بھی اس وقت حاصل ہو سکتا تھا کہ اس قسم کے اور کئی نبی پیدا ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ ہر جنس کا کمال اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے اور ناقص افراد موجود ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی لئے افضل انبیاء ہیں کہ سلسلہ رسالت اور نبوت میں دیگر انبیاء منسلک ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خاتم الاولیاء ظاہر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ وہ ولایت ختم کر چکے۔ لیکن اس سے وہ ولی ہی شمار ہوں گے۔ نبی نہیں سمجھے جائیں گے۔ حضور ﷺ کے افاضہ روحانی سے اگر نبوت مل سکتی ہے تو ضرور ہے کہ ان سے قبل ایسے

نبی آتے کہ جن کے بعد انہیں درجہ کمال حاصل ہوتا۔ مدعیہ کی طرف سے یہ درست کہا گیا ہے کہ ظلی اور بروزی کی اصطلاحیں دراصل الفاظ ہیں۔ ورنہ دراصل مرزا صاحب کی مراد اس سے اصل نبوت سے ہے۔ جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی نے کی کچھ شک نہیں کہ یہ الفاظ مغالطہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی شرع میں اس قسم کے الفاظ پر کسی عقیدہ کا حصر ہے۔ مرزا صاحب نے یہ بیان کر کے کہ اس قسم کی نبوت قیامت تک جاری ہے، اسلام میں ایک فتنہ کی بنا ڈالی ہے اور ناممکن نہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص دعویٰ نبوت کرے۔ ان کی کارگزاری کو بھی ملیا میٹ کر دے۔ اس طرح مذہب سے امان اٹھ جائے گی اور سوائے اس کے وہ ایک کھیل اور تمسخر بن جائے، اس کی کوئی حقیقت بحیثیت دین کے قائم نہ رہے گی۔ اس لئے بھی رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ماننا علاوہ عقدا صحیح میں سے ہونے کے از بس ضروری ہے۔ مرزا صاحب رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے۔ اس لئے ان کا اسلام کے اس بنیادی مسئلہ سے انکار کفر کی حد تک پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر عقدا بھی ان عقائد کے مطابق نہیں پائے جاتے جس کی آج تک امت مرحومہ پابند چلی آئی ہے۔ خدا کا تصور اس نے تین دوے سے تشبیہ دے کر ایسا پیش کیا ہے کہ جو سر اس نص قرآنی کے خلاف ہے اور اس طرح یہ بیان کر کے کہ خدا خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی اور روزے بھی رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جو سر اس نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت: ”هو الذى ارسل رسوله..... الخ!“ کے متعلق انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس میں میرا ذکر ہے اور دوسرے الہام بالفاظ محمد رسول اللہ بیان کر کے یہ کہا ہے اس میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ اس طرح اور کئی ایسی تصریحیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے۔ اس سے بھی رسول اللہ ﷺ کی توہین کا نتیجہ درست اخذ کیا گیا۔

اس طرح ان کے بعض اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین ظاہر ہوتی ہے اور حضرت مریم کی شان میں مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے اور جن کا حوالہ شیخ الجامعہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے اور جس کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس سے قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن سے سوائے مرزا صاحب کو کافر قرار دینے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے مرزا صاحب کی بعض کتب کے حوالے دیئے جا کر یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خوب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہو گئے تو اگر ہزار جگہ کلمات مدعیہ لکھے ہوں اور ثناء خوانی بھی کی ہو تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کا اتباع اور اطاعت گزاری کرے اور مدح و ثناء کرتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کی سخت توہین بھی کر دے تو کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔

مدعا علیہ کی طرف سے دیگر صوفیائے کرام کے بعض ایسے اقوال جو مرزا صاحب کے بعض اقوال کے مشابہ ہیں، بیان کئے جا کر یہ کہا گیا ہے کہ ان اقوال کی بناء پر پھر ان بزرگان کو کیونکر مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ اس کا جواب بالفاظ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولیاء اللہ کو ان کی طہارت تقویٰ اور تقدس کی خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے اور قرآن اور نشانیوں سے جو خارج معبود عنہ سے ہوں۔ یعنی انہی شیطیات سے ان کی ولایت ثابت نہ کرتی ہو۔ بلکہ ولایت کو ان کی خارج سے پایہ نبوت کو پہنچی ہو جو طریقہ نبوت کا ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ مغایر یا موہم ہمارے سامنے پڑتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہ کریں اور محل نکالیں اور یہ کہ اس کا ٹھکانہ کیا ہے۔ شیطیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر دلالت کا جھمکٹ جمانا ناہم اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی

راست بازی اگر جدا گانہ تجارب سے اور جو طریقہ راست بازی ثابت کرنے کا ہے۔ ثابت ہوئی ہو تو پھر اگر کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آ گیا تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توضیح کریں گے اور عمل نکالیں گے۔ یہ عاقل کا کام نہیں ہے کہ راست بازی کسی کی ثابت ہونے سے پیشتر وہی کلمات مغالطہ پیش کر کے مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرے اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا۔ فلاں نے ایسا کیا۔ اس کا جواب مختصر یہ ہوگا کہ فلاں کی راست بازی جدا گانہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے تو ہم محتاج تو جیہہ ہوں گے اور اگر زیر بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر ماریں گے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کہ جو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں۔ وغیرہ وغیرہ! ان شبہات کا جواب بھی شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خود دیا ہے جو انہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور نادانانہ قیاس پر مبنی ہے۔ کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ متسی ہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے۔ چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ ہی کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے کہ اتفاق کیا ضروریات دین پر اور یہ جو مسئلہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں، اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا۔ جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنے والے ہیں، پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائے گی اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز، روزے کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع اور خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کے نماز، روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے روزے کو بھی ہیج سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز، روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے رہانہ کر سکی۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کی کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہو اور صرف ایک وجہ اسلام کی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ بعض فقہاء کے الفاظ دیکھ لئے گئے اور اس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں، بلکہ اس وقت ہے جب کہ قائل کا صرف ایک کلام میں مفتی کے سامنے آئے اور قائل کا دوسرا حال معلوم نہ ہو اور نہ اس کے کلام میں کوئی ایسی تصریح ہو جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے۔ جس کی بناء پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے تو اس احتمال کو اختیار کر لے اور اس شخص کو کافر نہ کہے۔ لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلف موجود ہو جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہی معنی کفری مراد لیتا ہے یا خود اپنے کلام میں معنی کفری کی تصریح کر دے تو باجماع فقہاء اس کو ہرگز مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جائے تو کفر کا حکم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کا رکن ہے۔ حضرات فقہاء اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور

اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اسے قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے، یعنی الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دیئے ہیں۔ گو ان کے الفاظ وہی رہنے دیئے ہیں۔ اس لئے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اس طرح ہی کافر سمجھا جائے گا۔

مدعا علیہ کی طرف سے گواہان مدعیہ پر ایک یہ اعتراض بھی وارد کیا گیا ہے کہ وہ دیوبندی عقائد سے تعلق رکھنے والے ہیں اور علماء دیوبند کے خلاف فتویٰ تکفیر شائع ہو چکا ہے۔ اس لئے ایک شخص جو خود کافر ہو وہ کس طرح دوسرے کے متعلق کفر کا فتویٰ دے سکتا ہے۔

اس کا جواب مدعیہ کی طرف سے ایک تو یہ دیا گیا ہے کہ اس کے تمام گواہان دیوبندی صاحبان نہیں ہیں۔ مثلاً شیخ الجامعہ صاحب، مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی نجم الدین صاحب۔ دوسرا دیوبندی صاحبان کے خلاف فتویٰ تکفیر ایک غلط فہمی کی بناء پر دیا گیا تھا جو بعد میں واپس لیا جا چکا ہے۔ اگر یہ صحیح نہ بھی ہو تو بھی مدعا علیہ کی حجت اس بناء پر صحیح نہیں کہ ان کی رائے کو بطور فتویٰ قبول نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کی پیش کردہ دلائل پر مدعا علیہ کے پیش کردہ دلائل کے مقابلہ میں تنقید کی جائز رائے قائم کی گئی ہے۔ اس لئے چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ ان کی ذاتی رائے پر کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث کی رو سے کس فریق کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط۔ اس لئے ان کے خلاف اگر کوئی فتویٰ تکفیر ہو بھی تو اس معاملہ میں اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مدراس ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا تھا کہ اس سوال کو عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علماء اسلام ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا علماء اسلام کی تحقیق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اس مقدمہ میں شہادتیں دی ہیں اور اس پر فتویٰ کفر لگا گیا ہے، وہ خود بھی مسلمان ہیں یا نہ اور اس طرح فیصلہ کرنے والے کا مسلمان ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر دو فریق کا اذعا ہے کہ وہ مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن چند اہم اور بنیادی مسائل کے متعلق ہر دو کا اختلاف ہے اور وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ لہذا اس بارہ میں عام دنیاوی اصول کے مطابق رائے اس فرقہ کی غالب سمجھی جائے گی، جس میں اکثریت ہو۔ یہ اکثریت بحق مدعیہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے فریق مدعیہ کی رائے ہی غالب رہے گی اور اسے مسلمان اور اقلیت کو کافر سمجھا جائے گا۔ لہذا اس قرارداد کے تحت مدعیہ کے کسی گواہ کے خارجی طور پر مسلمان ثابت کئے جانے کی ضرورت نہیں اور فیصلہ کنندہ بھی اس ذیل میں مسلمان شمار ہوگا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ نے اپنی بحث میں جب مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو شرعاً درست تسلیم کر کے اپنے اوپر حجت مان لیا ہے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ شرعاً عدالت ہذا کا فیصلہ اس پر حجت نہ ہو سکے۔

گواہان مدعیہ پر مدعا علیہ کی طرف سے کنایہ اور بھی کئی ذاتی حملے کئے گئے ہیں۔ مثلاً انہیں علماء سوء کہا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو زریۃ البغایا میں مخاطب ہیں۔ بندر اور سور کا لقب دیا ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے۔ لیکن ملاحظہ مثل سے ہر عقل مند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ طرفین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہیں۔

مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ پر بھی مختصر بحث کی ضرورت ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو اس لئے بھی نبی سمجھتے ہیں کہ انہیں مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور مسیح موعود کو چونکہ احادیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اس لئے مرزا صاحب نبی اللہ ہوئے۔ اس کے متعلق جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ بن مریم ہی ہیں اور آخر زمانہ میں

وہی آسمان سے نزول فرمائیں گے اور وہ چونکہ پہلے سے نبی اللہ ہیں۔ اس لئے پھر بھی نبی اللہ ہوں گے۔ مگر وہ عمل شریعت محمدیہ پر کریں گے۔ اپنی شریعت پر نہیں چلیں گے۔ اس کی مثال مدعیہ کی طرف سے یہ دی گئی ہے کہ جیسے کسی دوسرے علاقہ کا گورنر، کسی دوسرے گورنر کے علاقہ میں چلا جائے تو وہاں اپنے عہدہ سے گودہ گورنر شمار ہوگا۔ لیکن دوسرے گورنر کے علاقہ میں وہ اس گورنر کی حکومت کے تابع ہو کر رہے گا۔ اپنے علاقہ کے قوانین یا آئین پر عمل پیرا نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ چونکہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے قیامت تک آپ کی شریعت ہی نافذ رہے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت کے تحت عمل پیرا ہوں گے۔

اس مثال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی نبی ہونا تو واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کو نزول مسیح کا عقیدہ بہت عجب معلوم ہوتا ہے اور ان کے ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ کس طرح ایک شخص کئی ہزار سال کے بعد دنیا میں واپس آ سکتا ہے۔ شک نہیں کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بہت کچھ قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ مولانا محمود علی صاحب اپنی کتاب دین و آئین میں لکھتے ہیں۔ اس قسم کے اعتراضات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جواب دینے والے بالعموم یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ جن قباحتوں کے چہرہ پر موجودہ مسلمات کا روغن قازل دیا جاتا ہے، ان کو قباحت سمجھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے اور جس جملہ کے ساتھ فلسفہ اور سائنس کا نفاہہ جتنا ہوا سن پاتے ہیں، اپنے ہوش و حواس کو اس کے مقابلہ پر قائم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے اور ایک مجرم کی طرح اپنی بریت کی یہی صورت دیکھتے ہیں کہ اپنے فصل کو دلیری کے ساتھ حق بجانب ثابت کرنے کی بجائے ہاتھ جوڑ کر اس کے ارتکاب سے انکار کریں اور مذہب کی حمایت میں صرف یہ کہہ کر دامن چھڑائیں کہ جس مسئلہ پر اعتراض ہے وہ اسلامی اصولوں میں داخل نہیں۔ مولانا موصوف آگے لکھتے ہیں، ایسے اعتراضوں کے ایسے جواب آج کل فیشن میں داخل ہیں اور جواب دینے والے گویا یقین کر لیتے ہیں کہ تہذیب جدید جس امر پر فوج ہونے کا فتویٰ صادر کرتی ہے۔ اس میں کوئی حسن باقی نہ رہا ہوگا۔ ان کا بس چلتا ہے تو قرآن و حدیث پر ان دونوں سے جس طرح بن پڑتا ہے۔ رہائی پانے کی سبیل نکال لیتے ہیں۔ اپنے ذاتی خیالات کو اسلام اور ایسے اسلام کو سب اعتراضوں سے پاک تصور کر لیتے ہیں۔

مسئلہ نزول مسیح بھی اسی قبیل کا ہے کہ جس پر اس قسم کے اعتراض وارد کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو شخص قرآن پر اعتماد رکھتا ہے اس سے پر یقین رکھنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک شخص کو سوسال کے بعد زندہ کرنے کا واقعہ موجود ہے۔ اسی طرح اصحاب کہف تین سوسال سے زائد عرصہ تک غار میں بحالت خواب پڑے رہے۔ اس لئے وہ امور اگر ذات باری کے لئے ناممکنات میں سے نہ تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں بھیجنا بھی اس کے آگے کوئی مشکل نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس طرح غیر معمولی طریق پر ہوئی، اس طرح ان کے نزول کو بھی غیر معمولی طریق پر وقوع میں آنا تصور کیا جاسکتا ہے۔ باقی رہا اس پیش گوئی کی صداقت کا سوال، سو اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ پیش گوئی صحیح نہ ہوتی تو مرزا صاحب نے جہاں کئی دیگر متواترات کا انکار کیا تھا۔ وہاں اس کا بھی انکار فرما دیتے۔ لیکن وہ بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کر سکے اور اس کی ممکن سے ممکن جو بھی تاویل ہو سکتی تھی وہ بیان کرنے میں انہوں نے کوئی دریغ نہیں کیا۔ لیکن اوپر بحث سے پایا جاتا ہے کہ قرآن و احادیث کی رو سے وہ تاویل درست ثابت نہیں ہوئی اور سوائے اس کے کہ یہی عقیدہ رکھا جائے کہ اس پیش گوئی کی رو سے حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی دنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔ اس کا اور کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے سوا آنحضرت ﷺ کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس عقیدہ کو اگر قائم رکھا جائے تو جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت زندہ ہوں گے انہیں خود اس پیش گوئی کی تصدیق ہو جائے گی اور جو اس سے قبل فوت ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا کہ جو ان سے قبل اس عقیدہ پر وفات پاتے رہے۔ البتہ اس عقیدہ کو چھوڑنے والا ضرور گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کے فرمان کا مذبذب سمجھا جائے گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا حضور ﷺ نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہ۔ کیونکہ شکی طبعیتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ احادیث کی تدوین چونکہ بہت مدت کے بعد ہوئی۔ اس لئے کیونکر پورے اطمینان سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ راویوں کو احادیث کے پورے الفاظ یاد رہے ہیں یا یہ کہ ان الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کی مراد وہی تھی جو کہ ان راویوں نے سمجھی۔ اس کا جواب تو علماء ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کا موٹا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح اور ہم نے اس کا عقیدہ دیا چھوڑ تو قیامت کے دن ہم جواب دہ ہوں گے اور اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو تو اس پر محض ایک عقیدہ رکھنے سے جو قرآن کے کسی صورت میں بھی مخالف نہیں پایا جاتا، ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ لہذا بہر حال ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے ایک یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مانا جائے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ایسا کوئی شخص اہلیت نہ رکھتا تھا کہ اسے لوگوں کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا جاتا اور اس سے امت کی توہین لازم آئے گی۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص کا مامور ہونا، اس کے کسی استحقاق کی بناء پر نہیں ہوتا۔ دوسرا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امت کی حالت بہت ابتر ہوگی۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی اس فرض کے سرانجام دینے کا اہل نہ پایا جائے۔ اس لئے مخلوق کی اصلاح کے لئے سابقہ انبیاءوں میں سے ہی ایک کو واپس لایا جانا ضروری سمجھا گیا ہو۔ یہ باتیں مشیت ایزدی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے ان میں کوئی رائے زنی نہیں کی جاسکتی۔

ہمارے دلوں میں شکوک دراصل اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم ہدایت قرآنی پر پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ اگر ہم تمام احکام ربانی پر عمل کریں تو اس حالت کے نتائج ہیں اعتراض کرنے والوں کو خاموش کر دیتے ہیں اور جیسا کہ مولانا محمود علی صاحب نے اپنے ایک اور مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔ جب تک مسلمان "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ" پر عمل عامل رہے۔ انہیں نہ خود کوئی تکلیف پیش آئی اور نہ دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے کسی دشواری کا سامنا ہوا اور جب قوم کی قوم ہی ایک رنگ میں رنگین ہو تو ایسا منظر شکوک کو غبار بنا کر اڑا دیتا ہے اور اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مگر افسوس! جیسا کہ مولانا اپنی کتاب محولہ بالا میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی ضرورت بلکہ زندگی کا واحد مقصد آج کل یہ قرار پایا ہے کہ انسانی زندگی کی ہر ساعت اور ہر ثانیہ کے اندر تمام تر توجہ اس مادی سامان کے مہیا کرنے، اس کو کام میں لانے اور اس کے نتائج سے لطف اٹھانے پر مبذول رہے اور موجودہ زندگی کے بعد کوئی خیال اور اس کے لئے کسی عمل اور کسب کا کوئی ارادہ اور اس دنیا سے باہر کسی ہستی کے ساتھ تعلق رکھنے کا کوئی وہم بھی دل میں نہ آنے پائے اور اپنی تمام کوششوں کا محور اس دنیا کو اور یہاں کی چند روزہ زندگی کو سمجھنا صحیح اصول کار ہے۔ یہ حالت کیوں پیش آئی۔

اس کا جواب بھی مولانا محمود علی صاحب کی ایک تحریر سے دیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "قرآن کے پیش کرنے والے جو زبان سے کہتے ہیں وہ کہ نہیں دکھلاتے اور وعظ و نصیحت میں فصاحت قرآنیہ پر انسانی طرز کلام کو ترجیح دے کر منطقی موشگافیوں اور شاعرانہ مبالغوں سے کام لیتے ہیں اور رہنمائی سے زیادہ اپنے فضل و کمال کی نمائش چاہتے ہیں۔ حالانکہ اہل ایمان پر نہ بحث نہ مناظرہ فرض ہے نہ منطقیانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ معرکہ آرائیوں کی ضرورت۔ وہی روشی ہدایت جو کلام الہی نے پیش کی ہے اس طرز ادا سے جو اس ہادی برحق نے اختیار کی ہے، ہر عالم و جاہل تک پہنچا دینے کی ضرورت ہے۔ سب کا ہدایت پانا اور تمام مخلوق کا ایک راہ اختیار کرنا ممکن نہیں۔ ورنہ کلام الہی میں اب بھی وہی کشش ہے اور قرآن کریم کے اندر جذب قلوب کا وہی اثر غافل انسانوں کو خواب غفلت سے جگانے والا اور تشنگان

ہدایت کو شراب معرفت سے سیراب کرنے والا اگر ہے، تو صرف قرآن کریم اور اس کلام مبارک کا ایک ایک لفظ چشم بینا کو جو حیرت کرنے اور دل دانا کا دامن کھینچنے میں وہ تاشیر دکھاتا ہے جو آئینہ پر جمال یار اور پرکاشہ پر کبریا۔“

مدعا علیہ کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ علماء و ائمہ کی اندھی تقلید درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں ہر شخص کو خود بھی تدبیر کرنا چاہئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قواعد و دیگر لوازمات کو جو معنی اخذ کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ پس پشت ڈال کر اپنی سمجھ پر چلنا شروع کر دیا جائے۔ جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تو آیت: ”وہا لا خورۃ ہم یوقنون“ کے یہ معنی کرتا ہے کہ یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور دوسرا آخرت کے معنی زمانہ آخر کی وحی بتلاتا ہے۔ ذرا احمدی صاحبان خود بھی تو سوچیں کہ انہوں نے دین کو کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ اس بحث کے بعد اصل معاملہ تنازعہ کو طے کرنے کے لئے یہ بتلانا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے سے ایک شخص مرتد سمجھا جاسکتا ہے اور کہ عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور کہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین یا نبی معنی نہ ماننے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے اور کہ عقائد اسلام کی رو سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مدعا علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یعنی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بمعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں۔ ان کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس لئے مدعا علیہ اس اجماعی عقیدہ امت سے منحرف ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جائے گا اور اگر ارتداد کے معنی کسی مذہب کے اصولوں سے بکلی انحراف کے لئے جاویں تو بھی مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی ہوگی نہ کہ احادیث و اقوال فقہاء جن پر یہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے اور جن میں سے بعض کے مستند ہونے کو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی پر مستزاد ہیں اور بعض اس کے خلاف ہیں۔ مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے۔ اس طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا۔ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع محمدی کے خلاف اعمال ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے ان امور کی توجیہ ہیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے اور کیوں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ توجیہیں اس لئے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کی پیشواؤں کے احکام میں مذکور ہیں۔ اس لئے وہ زن کے نقطہ نگاہ سے شریعت کا جزو سمجھے جائیں گے جو کسی صورت میں بھی شرع محمدی کے موافق تصور نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جائے کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے بیان میں مسلمان وغیرہ کا ذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکورہ کے نزدیک دعویٰ نبوت کا ذب ارتداد ہے اور کا ذب مدعی نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کا ذب مدعی نبوت ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم



کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہذا ابتدائی تحقیقات جو ۴ نومبر ۱۹۲۶ء کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں۔ بحق مدعیہ ثابت قرار دے جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو بھی مدعا علیہ کے اذعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں ہو سکتا اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنے طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ گوعام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں۔ لیکن ان عقائد پر وہ انہیں معنوں میں عمل پیرا سمجھا جائے گا جو معنی مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغاثر ہیں جو جمہور امت آج تک لیتی آئی۔ اس لئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔

اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ قرآن مجید کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں اور اہل کتاب کا نکاح جائز ہے۔ اس لئے بھی مدعیہ کا نکاح فسخ قرار نہیں دینا چاہئے۔ اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد سمجھتے ہیں تو ان کو اپنے عقائد کی رو سے بھی ان کا باہمی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے نہ کہ مردوں سے بھی۔ مدعیہ کے دعویٰ کے رو سے چونکہ مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے۔ اس لئے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزن دار پائی جاتی ہے۔ لہذا اس بناء پر بھی وہ ڈگری پانے کی مستحق ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اپنے حق میں چند نظائر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ ان میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا اور مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو عدالت معطلی اجلاس خاص نے قابل پیروی قرار نہیں دیا۔ باقی رہا عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاول پور کا فیصلہ بمقدمہ سمات چندو ڈی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ جناب مہتہ اودھو داس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا اور اس مقدمہ کا صاحب موصوف نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا اور خود ان اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے۔ کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا۔ مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا۔ اس لئے صاحب موصوف نے اسے زیادہ عرصہ معرض تعویق میں رکھنا، پسند نہ فرما کر باجاء فیصلہ مذکور اسے طے فرمادیا۔ دربار معطلی نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل پابندی قرار نہیں دیا جس فیصلہ کی بناء پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا۔ اس لئے فیصلہ زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔

فریقین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے۔ اسے حکم سنایا۔ مدعا علیہ کا روائی مقدمہ ہذا ختم ہونے کے بعد جب کہ مقدمہ زیر غور تھا۔ فوت ہو گیا ہے۔

اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲، رول ۶ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ ڈگری مرتب کیا جائے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ رذیقہ ۱۳۵۳ھ

بمقام بہاول پور

دستخط: محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج

ضلع بہاول نگر، ریاست بہاول پور

